اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف
عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولٰنا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی
حضرت علامہ مولٰنا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

ناشر
فرید بک سٹال
اردو بازار
لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد صلی اللہ علیہ وسلم	احمد صلی اللہ علیہ وسلم	حامد صلی اللہ علیہ وسلم	محمود صلی اللہ علیہ وسلم	قاسم صلی اللہ علیہ وسلم	عاقب صلی اللہ علیہ وسلم
فاتح صلی اللہ علیہ وسلم	خاتم صلی اللہ علیہ وسلم	حاشر صلی اللہ علیہ وسلم	ماحی صلی اللہ علیہ وسلم	داعی صلی اللہ علیہ وسلم	سراج صلی اللہ علیہ وسلم
رشید صلی اللہ علیہ وسلم	منیر صلی اللہ علیہ وسلم	بشیر صلی اللہ علیہ وسلم	نذیر صلی اللہ علیہ وسلم	ہادی صلی اللہ علیہ وسلم	مہدی صلی اللہ علیہ وسلم
رسول صلی اللہ علیہ وسلم	نبی صلی اللہ علیہ وسلم	طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم	یٰسٓ صلی اللہ علیہ وسلم	مزمل صلی اللہ علیہ وسلم	مدثر صلی اللہ علیہ وسلم
شفیع صلی اللہ علیہ وسلم	خلیل صلی اللہ علیہ وسلم	کلیم اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	ناصر صلی اللہ علیہ وسلم	منصور صلی اللہ علیہ وسلم	حافظ صلی اللہ علیہ وسلم	شہید صلی اللہ علیہ وسلم	عادل صلی اللہ علیہ وسلم
حکیم صلی اللہ علیہ وسلم	ابطحی صلی اللہ علیہ وسلم	مطیع صلی اللہ علیہ وسلم	مجیب صلی اللہ علیہ وسلم	مشہود صلی اللہ علیہ وسلم	شاہد صلی اللہ علیہ وسلم
مذکر صلی اللہ علیہ وسلم	امین صلی اللہ علیہ وسلم	تہامی صلی اللہ علیہ وسلم	حسیب صلی اللہ علیہ وسلم	ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم	حجازی صلی اللہ علیہ وسلم
عالم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم	ولی صلی اللہ علیہ وسلم	قریشی صلی اللہ علیہ وسلم	مضری صلی اللہ علیہ وسلم	امی صلی اللہ علیہ وسلم	کریم صلی اللہ علیہ وسلم

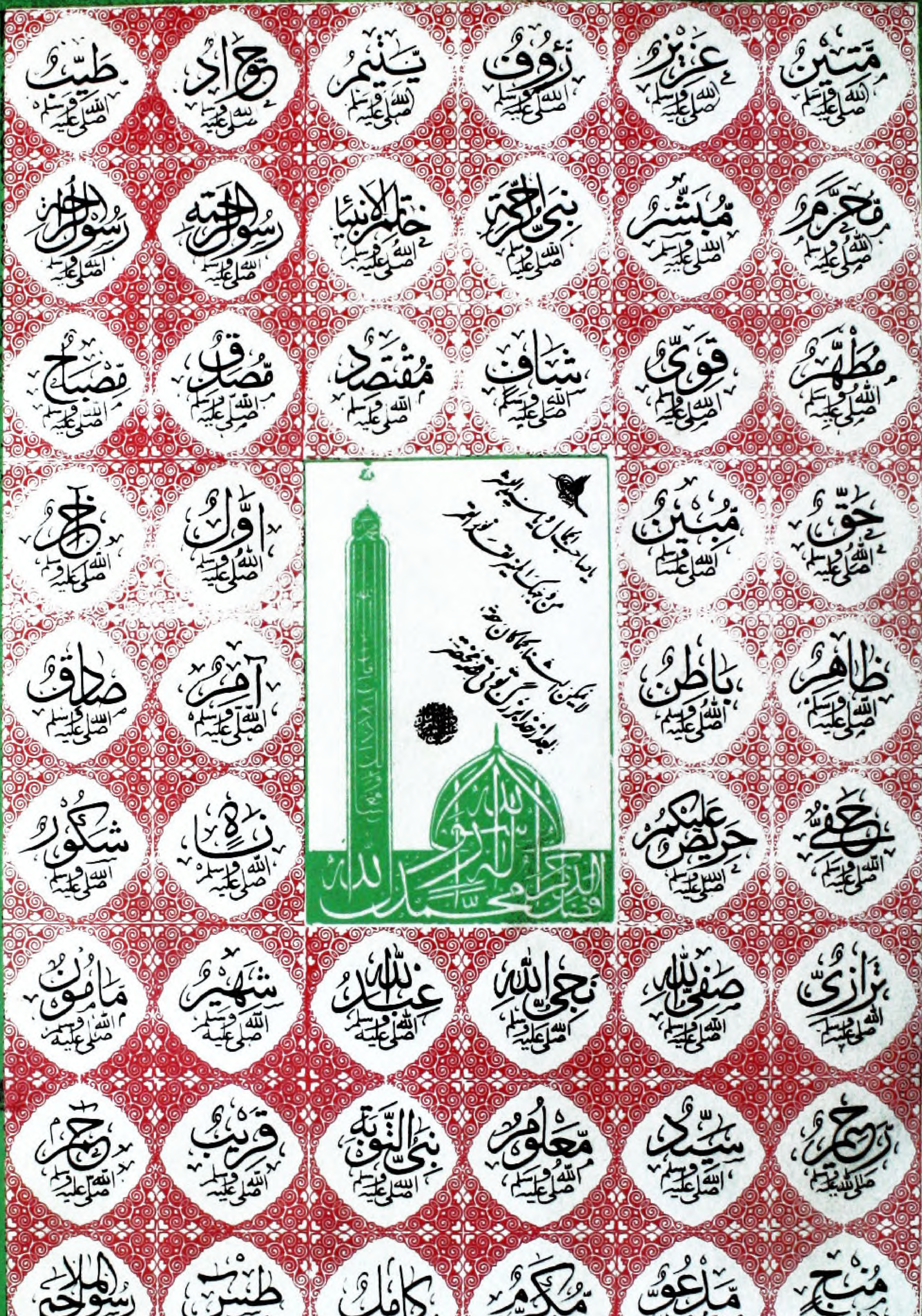
متین
عزیز
رؤف
یتیم
جواد
طیب
محرم
مبشر
نبی الرحمۃ
خاتم الانبیاء
رسول الرحمۃ
رسول الراحۃ
مطہر
قوی
شاف
مقتصد
مصدق
مصباح
حق
مبین
اول
آخر
ظاہر
باطن
آمر
صادق
حفی
حریص علیکم
نٓ
شکور
بر
صفی اللہ
نجی اللہ
عبد اللہ
شہیر
مامون
رحیم
سید
معلوم
نبی التوبۃ
قریب
رحیم
منج
مدعو
مکرم
کامل
طسٓ
رسول الملاحم
صلی اللہ علیہ وسلم
ورفعنا لک ذکرک
محمد رسول اللہ

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا صدق اللّٰہ العظیم

جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کردیں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد دوم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف :-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸۔اردو بازار ○ لاہور (پاکستان)

مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيم

جو کچھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں دیں
اُسے لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو (القرآن الحکیم)

جلد دوم

اشعۃ اللمعات

شرح مشکوٰۃ

تصنیف منیف :-

عارف باللہ شیخ محقق حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

اردو ترجمہ و حواشی

حضرت علامہ مولانا محمد سعید احمد نقشبندی مدظلہ العالی

خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور
رکن پاکستان سنی رائٹرز گلڈ

ناشر

فرید بک سٹال، ۳۸-اردو بازار ◎ لاہور (پاکستان)

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

★

کتاب ——— اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم
تصنیف منیف ——— شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
ترجمہ و تقدیم و حواشی ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
کتابت ——— حاجی محمد داود حضرت کیلیانوالہ شریف
پروف ریڈنگ ——— مولانا محمد سعید احمد نقشبندی
ناشر ——— فرید بک سٹال ۳۸ اردو بازار لاہور
سال اشاعت ——— رجب ۱۴۰۳ھ / مئی ۱۹۸۳ء
تعداد ——— ایک ہزار
مطبع ——— عالمین پرنٹرز ۲۲/۱ ریٹی گن روڈ ہجویری پارک لاہور

قیمت ——— ۱۰۰ روپے

★

گفتنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اما بعد اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ فارسی، مؤلفہ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز کی کتاب الصلوٰۃ تا آخر کتاب الجنائز کا اردو ترجمہ ۹ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو اختتام پذیر ہوا تھا، ناشر کتاب جناب سید اعجاز احمد شاہ صاحب، مالک فرید بک سٹال اردو بازار لاہور چونکہ ساتھ ساتھ اس کی کتابت بھی کروا رہے تھے، اس لئے اس حصے کی کتابت بھی جلد ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور اواخر نومبر ۱۹۸۲ء میں جناب شاہ صاحب موصوف ۳۰×۲۰ سائز کے ۹۳۲ صفحات پر پھیلا ہوا مکمل کتابت شدہ مسودہ تصحیح اور نظر ثانی کی غرض سے لے کر تشریف لائے۔ نظر ثانی اور پروف ریڈنگ کا یہ کام درحقیقت تین حصوں پر مشتمل تھا (۱) ۹۳۲ صفحات کی مکمل و مفصل فہرست کی ترتیب و تدوین (۲) احادیث مشکوٰۃ کے عربی متن کی تصحیح اور نظر ثانی (۳) اردو ترجمے اور شرح کی اغلاط کی درستی۔

نظر ثانی کا یہ کام شروع کئے ابھی دس پندرہ دن ہوئے تھے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے ۹۳۸ ویں سالانہ عرس مبارک کی تیاری سے متعلق مصروفیات کی بنا پر یہ کام رک گیا۔ یہ عرس مبارک ۵، ۶، ۷ دسمبر ۱۹۸۲ء کو منعقد ہو رہا تھا، وسط دسمبر تک فرصت نہ مل سکی، اس کے بعد اس مبارک کام میں زیادہ وقت لگانا شروع کیا کیونکہ ناشر کتاب جناب شاہ صاحب موصوف بہت پریشان تھے کہ ترجمہ کی اس دوسری جلد کے بازار میں آنے کو مسلسل تاخیر ہو رہی تھی۔ ناساز طبیعت اور مصروفیات کے باوجود نظر ثانی کا یہ کام پورے انہماک سے جاری تھا کہ اچانک ۲۱ جنوری ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک ساڑھے گیارہ بجے دن ذیابیطس کا احقر پر شدید حملہ ہوا، بلڈ پریشر خطرناک حد تک گر گیا اور میں گہری غشی میں ڈوب گیا، بیہوشی کی یہ حالت کم و بیش چھ گھنٹے مسلسل رہی۔ اس دوران مجھے میو ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں لایا گیا جہاں جناب پروفیسر ڈاکٹر مختار احمد چشتی، ڈاکٹر خرم منظور چوہدری، جناب ڈاکٹر مطیع الرحمٰن اور ڈاکٹر احسان صاحب وغیرہم کی انتھک کوشش اور توجہ سے طبیعت سنبھل گئی اور راقم سترہ دن ہسپتال میں صاحب فراش رہنے کے بعد گھر واپس آیا۔ —— میں ان ڈاکٹر صاحبان اور ان سب حضرات کا تہ دل سے مشکور ہوں جنہوں نے کسی بھی شکل میں میری مدد کی، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر دے۔ گھر آ کر میں نے ضعف و نقاہت کے باوجود ۱۱ فروری ۸۳ء جمعہ کے دن اس کام کو مکمل کر لیا، والحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ میں نے پوری توجہ سے نظر ثانی اور درستی کی ہے، اس کے باوجود غلطیوں کا رہ جانا عین ممکن ہے، مزید احتیاط کیلئے شاہ صاحب کسی اور صاحب سے بھی نظر ثانی کروا رہے ہیں۔ احباب سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اردو ترجمہ کی باقی چار جلدوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا کرے، میری اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے نیز میرے لئے اسے ذخیرۂ آخرت اور نفع عام کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

العبد الضعیف

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہٗ درگاہ عالیہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہور پاکستان، ۱۱ فروری ۱۹۸۳ء

بِسۡمِ اللهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِيۡمِ

كِتَابُ الصَّلٰوةِ

نماز کا بیان

لغت میں صلوٰۃ کا معنی دعا، رحمت اور استغفار کا آتا ہے۔ نماز کو صلوٰۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں یہ سب معانی موجود ہیں۔ لفظ صلی کا معنیٰ ہے آگ پر گوشت بھوننا۔ تصلیہ کا معنیٰ ہے گوشت کو آگ میں جلانا۔ اور لفظ صَلّٰی کا معنیٰ لکڑی گرم کرنا اور اسے آگ سے گرم کر کے سیدھا کرنے کا بھی آتا ہے۔ یہ معانی بھی حقیقتِ نماز کے مناسب ہیں۔ نماز گویا نمازی کو آتش محبت میں پگلاتی اس کے گناہوں کو جلاتی اور اس کے نفس و طبیعت کی کجی کو درست اور سیدھا کرتی ہے۔

اَلۡفَصۡلُ الۡاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۱۸/۱ عَنۡ اَبِیۡ هُرَيۡرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلَوٰتُ الۡخَمۡسُ وَ الۡجُمُعَةُ اِلَی الۡجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰی رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِّمَا بَيۡنَهُنَّ اِذَا اجۡتُنِبَتِ الۡكَبَائِرُ۔

(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ کی نماز سے دوسرے جمعہ کی نماز ایک رمضان کے روزوں سے دوسرے رمضان کے روزے درمیانی عرصہ کے گناہوں کو مٹا دیتے ہیں[1] جب کہ کبیرہ گناہوں[2] سے پرہیز کیا جائے۔

[1] یعنی یہ نیک کام درمیانی عرصہ میں واقع ہونے والے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں اور ان کو چھپا لیتے اور مٹا دیتے ہیں۔

[2] کہ کبیرہ گناہ تو ان نیکیوں سے چھپتے ہیں نہ معاف ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کے لیے توبہ درکار ہے ہاں صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں جب کہ ان سے حق العباد متعلق نہ ہو۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے ان نیکیوں پر استقامت اور بار بار دھرانے سے صغیرہ گناہوں کی بخشش کے بعد کبیرہ گناہوں میں بھی تخفیف ہو جاتی ہے۔ اور اگر بندہ صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بالکل

محفوظ و پاک ہو تو نیکیاں اس کے لیے بلندیِ درجات کا موجب بن جاتی ہیں۔

سوال:۔ اگر یومیہ نمازوں کی برکت سے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو جمعہ کی نماز کے لیے پیچھے کیا رہ جاتا ہے اور اگر جمعہ کی نماز سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں تو پھر رمضان شریف کے روزے کون سے گناہوں کی مغفرت کا موجب بنتے ہیں۔

جواب:۔ مراد یہ ہے کہ یہ سب نیک اعمال گناہوں کو مٹاتے اور صلاحیت رکھتے ہیں کہ اگر ایک سے گناہ معاف نہ ہوں تو دوسرے سے معاف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص سے نماز ادا کرنے میں کوتاہی واقع ہو جاتی ہے (کہ وہ رکوع سجود وغیرہ میں درستی اور تعدیل کو ملحوظ نہیں رکھتا۔ مترجم) تو جمعہ کی نماز عفو کا ذریعہ بن جائے گی۔ اور اگر جمعہ کی نماز یا جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں میں کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے تو رمضان کے روزے بخشش کا موجب بن جائیں گے۔ اور اگر یہ مذکورہ سب نیکیاں یک وقت جمع ہو جائیں تو ان کا مجموعہ گناہوں کو مٹا دیتا اور زیادہ عفو و مغفرت اور بندے کے باطن اور قلب کے تزکیے اور روشنی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس طرح اگر بہت سے چراغ روشن کیے جائیں تو ان میں سے ہر ایک مکان کی روشنی کے لیے کفایت کرتا ہے۔

۵۱۹/۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ يَمْحُوا اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر پانی کی نہر بہتی ہو وہ اس میں ہر دن پانچ دفعہ نہاتا ہو کیا اس کے جسم پر میل کچیل باقی رہے گی؟ صحابہ کرام نے عرض کیا اس کے بدن پر میل کچیل بالکل نہ رہے گی۔ فرمایا یہ پنج وقتہ نمازوں کی مثال ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے گناہوں[1] کو مٹا دیتا ہے۔ (متفق علیہ)

۵۲۰/۳ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنِ امْرَاَةٍ قُبْلَةً فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص[1] نے غیر محرم عورت کا بوسہ لیا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ اور اپنی اس حرکت کی آپ کو خبر دی[2]۔ (ابھی آپ نے اسے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ) اللہ تعالیٰ نے یہ آیت

---

[1] یعنی صغیرہ گناہوں کو۔

يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِيْ هٰذَا قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِيْ كُلِّهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ اُمَّتِيْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نازل فرمادی اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ قائم کر نماز دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے کچھ حصے میں بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اس شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ (یہ فضل و مہربانی) صرف میرے لیے ہے؟ فرمایا بلکہ میری ساری[6] امت کے لیے ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح واقع ہے۔ یہ صرف تیرے لیے نہیں بلکہ میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے گا۔ (بخاری و مسلم)۔

---

[1] کہا گیا ہے کہ اس شخص کا نام ابوالیسر ہے فتح یا اور سین مہملہ کے ساتھ۔ یہ شخص انصار میں سے تھا۔ کھجوریں بیچنے کا کام کرتا تھا۔ ایک عورت اس کے پاس کھجور خریدنے آئی۔ اس شخص میں نفسانی خواہش کا میلان پیدا ہوا۔ عورت سے بولا اچھی اور زیادہ شیریں کھجوریں کمرے کے اندر ہیں۔ اس بہانے عورت کو اندر لے گیا۔ اور اس سے بوس و کنار کیا۔ عورت نے اس سے کہا خدا تعالیٰ سے ڈر اس پر وہ مرد نادم اور پشیمان ہوا۔

[2] آپ نے اس کی بات سن کر کوئی جواب نہ دیا۔ اور فرمایا دیکھو اللہ تعالیٰ اس بارے میں کیا فرماتا ہے۔ اس کے بعد اس مرد نے نماز ادا کی۔

[3] ہر دو طرف یعنی صبح کی نماز اور سورج ڈھلنے کے بعد کی نمازیں ظہر و عصر، کہ سورج ڈھلنے کے بعد دن کا پچھلا حصہ شروع ہو جاتا ہے۔

[4] یعنی نماز ادا کر رات کی ان چند گھڑیوں میں جو دن کے قریب ہیں۔ اس سے مغرب و عشاء کی نماز مراد ہے۔ زُلَف زاء کی پیش اور لام کی زبر کے ساتھ زُلْفَۃ کی جمع ہے۔ بمعنی قرب و نزدیکی۔ شام اور عشا کی دونوں نمازیں دن کے قریب ہیں۔ زُلَف، ظُلَم جمع ظُلْمَت کی طرح ہے۔

بعض مفسرین طرفی النہار سے صبح، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں مراد لیتے ہیں۔ نماز صبح و ظہر ایک طرف کی اور عصر و مغرب دوسری طرف کی۔ اور زُلَفًا من اللیل کو عشاء کی نماز کے لیے مخصوص کرتے ہیں۔

[5] سیئات سے صغیرہ گناہ مراد ہیں۔ جو نماز و روزہ سے مٹ جاتے ہیں۔ مُرجیہ فرقہ نے اس آیت کو عموم پر حمل کرتے ہوئے کبیرہ گناہوں کو بھی داخل کر لیا ہے۔ مگر جمہور اہلِ سنت اس پر ہیں کہ یہ آیت صغائر کے ساتھ خاص ہے اُن احادیث کی بنا پر جو اس تخصیص پر دلالت کرتی ہیں۔ کذا فی فتح الباری۔

[6] یہ لفظ تاکید میں مبالغے کے لیے آیا ہے اور بعض روایات میں کلہم کا لفظ نہیں آیا۔

۵۲۱ ۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ حَدًّا. فَاَقِمْهُ عَلَيَّ قَالَ وَلَمْ يَسْئَلْهُ عَنْهُ وَحَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوةَ قَامَ الرَّجُلُ فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَصَبْتُ حَدًّا فَاَقِمْ فِيَّ كِتَابَ اللّٰهِ قَالَ اَلَيْسَ قَدْ صَلَّيْتَ مَعَنَا قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ ذَنْبَكَ اَوْ حَدَّكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا یارسول اللہ مجھ سے ایسا فعل سرزد ہوگیا ہے جس سے مجھ پر حد جاری ہوتی ہے۔ لہذا آپ مجھ پر حد قائم کردیں۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے کوئی بات دریافت نہ کی۔ اتنے میں نماز کا وقت ہوگیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ مجھ سے ایسا فعل واقع ہوگیا ہے جس سے مجھ پر حد جاری ہوتی ہے۔ لہذا آپ مجھ پر وہ حکم جاری کریں جو اللہ کی کتاب میں ہے۔ آپ نے فرمایا تو نے ہمارے ساتھ (یہ) نماز ادا نہیں کی؟ اس نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ میں نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی ہے۔ آپ نے فرمایا تو بیشک اللہ تعالیٰ نے تیرا گناہ یا تجھ سے حد کو بخش دیا ہے[لہ]۔ (بخاری ومسلم)۔

[لہ] واضح ہو کہ حد جاری کرنے کے مطالبے سے ظاہراً یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس نے گناہ کبیرہ زنا اور سرقہ وغیرہ کا ارتکاب کیا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ میرے ساتھ نماز ادا کرنے کی بدولت تیرا وہ گناہ بخش دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز سے کبائر بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ اس مرد کے خیال میں وہ فعل حد کا متقاضی تھا واقع میں حد کا متقاضی نہ تھا۔ یا حد سے اس کی مراد تعزیر تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سے یہ دریافت نہ کرنے سے کہ تو نے صغیرہ گناہ کیا ہے یا کبیرہ، یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مغفرت دونوں قسم کے گناہوں کو شامل ہے۔ الا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرینہ یا وحی سے جان چکے ہوں کہ یہ شخص گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہے۔ جو حد کا موجب نہیں اس بنا پر آپ نے اس سے نہ پوچھا ہو۔ اور اسی وجہ سے اس مرد نے نماز کے بعد کے بیان میں کہا کہ مجھ پر اللہ کی کتاب کا حکم جاری کریں وہ حد ہو یا غیر حد ہو۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہے وہ مجھ پر قائم کریں۔ کذا قالوا۔

میں (حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہ) خدا تعالیٰ کی توفیق سے کہتا ہوں۔ شاید کبیرہ گناہ کا معاف ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی خصوصیت ہو۔ گزشتہ حدیث میں مذکور قصہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس مرد نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی تھی۔ بلکہ صاحب کشاف نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو کہا تھا کہ وضو کرے اور دو رکعت نماز ادا کرے۔ اس کاتب حروف (شیخ عبدالحق قدس سرہ) کے دل میں یہ نکتہ مدینہ مطہرہ میں قیام کے

دوران روضہ شریفہ کی بعض زیارات مبارکہ کے موقعہ پر القاء ہوا تھا اس لیے امید ہے کہ صحیح ہوگا۔ اور اس وقت کی نورانیت کا پرتو ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۵۲۲/۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِہَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ قَالَ اَلْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ حَدَّثَنِیْ بِہِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُّہٗ لَزَادَنِیْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب و پیارا عمل کونسا ہے۔ فرمایا وقت پر نماز پڑھنا[1] میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل محبوب تر ہے فرمایا والدین سے نیک سلوک کرنا[2] میں نے عرض کیا پھر کونسا عمل محبوب تر ہے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں یہ سب باتیں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان فرمائیں اور اگر میں آپ سے اور باتیں دریافت کرتا تو آپ[3] وہ بھی بتاتے (بخاری و مسلم)

---

[1] کہ وقت مکروہ نہ ہونے پائے۔ بخاری شریف میں علیٰ وقتہا کے الفاظ ہیں۔ اور بعض روایات میں فی اول وقتہا بھی آیا ہے اور علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

[2] اور ان کی فرمانبرداری کرنا اور انہیں کسی قسم کی تکلیف و اذیت نہ پہنچانا۔

[3] یعنی اگر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے مراتبِ اعمال یا اور مطلق مسائل دریافت کرتا تو آپ مجھے وہ بھی بتاتے۔ اس سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سنی ہوئی باتوں کی تحقیق و تاکید۔ اور آپ کی عنایت و التفات کا بیان ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے لحاظ اور آپ کے خوفِ ملال کا احساس کرتے ہوئے میں نے زیادہ مسائل دریافت نہ کیے۔ جیسا کہ علم کی روایت میں آیا ہے۔

واضح ہو کہ افضلِ اعمال کے بیان میں احادیث مختلف وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث میں یوں آیا ہے کہ کھانا کھلانا، لفظ السلام علیکم کو عام کرنا اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سو رہے ہوں، اسلام میں سب سے افضل عمل ہے۔ یہ بھی آیا ہے کہ سب سے افضل عمل یہ ہے کہ تیرے ہاتھ و زبان سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔

اس طرح بھی وارد ہے کہ افضل اعمال وہ جہاد ہے جس میں مالِ غنیمت میں خیانت نہ کی جائے اور وہ حج ہے جس میں کسی قسم کی معصیت صادر نہ ہو۔ اس طرح بھی آیا ہے کہ افضل اعمال ذکر الٰہی ہے۔ اور یوں بھی وارد ہوا ہے کہ افضل اعمال وہ ہے جو پابندی سے دائماً ادا کیا جائے اور اس پر مواظبت کی جائے۔

علماء نے کہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف جواب ارشاد فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ پوچھنے والے مختلف تھے۔ آپ نے ہر شخص کو وہ جواب دیا جو اس کے حال کے لائق و مناسب تھا۔ اور جس کی اسے زیادہ ضرورت اور زیادہ رغبت و

چاہت تھی۔ یا مختلف اوقات میں آپ نے مختلف جواب ارشاد فرمائے۔

چنانچہ جہاد ابتدائے اسلام سے ہی افضل ترین عمل چلا آرہا ہے اور بہت سی نصوص (آیات و احادیث) اس بات کی تائید و حمایت میں وارد ہیں کہ نماز صدقہ سے افضل ہے۔ اس کے باوجود محتاج و مسکین کی شدتِ مسکنت و مجبوری کے وقت اس کی مدد کرنا اور صدقہ کرنا نماز سے افضل ہو جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ مختلف اعمال مختلف وجوہات اور حیثیتوں کے تحت افضل قرار پاتے ہیں۔ ہر عمل حیثیت و مقام کے مطابق دوسرے سے افضل ہو جاتا ہے۔ اعمال کی افضلیت و خیریت کے باب میں ہمارا یہ کلام اصلِ عظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔ (خوب ذہن نشین کر لو)۔

۵۲۳/۹ وَعَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الْعَبْدِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندے اور کفر کے درمیان حدِ فاصل یہی ترکِ نماز ہے۔ (مسلم)۔

۵۱ کہ نماز بندے کو روکتی اور اس بات سے دور رکھتی ہے کہ وہ کفر تک پہنچے۔ جب نماز کی یہ رکاوٹ اور حدِ فاصل درمیان سے اٹھ گئی تو یہ رکاوٹ ہٹ گئی اور بندہ کفر تک پہنچ گیا۔ جس طرح دیوار جو دو آدمیوں کے درمیان حائل ہو کہ ایک کو دوسرے کے پاس نہ جانے دے۔ جب درمیان سے دیوار اٹھ گئی رکاوٹ ختم ہو گئی اور یہ آدمی اُس کے ساتھ مل گیا۔ علماء نے اس عبارت کی یہی توجیہ و تقریر کی ہے۔ اس عبارت کی اور بھی توجیہات ہیں جو شرح (عربی) میں مذکور ہیں۔ اس میں غور کرو۔

در اصل یہ ترک نماز پر سخت قسم کی زجر و ڈانٹ ہے۔ اور اس جانب اشارہ ہے کہ تارک نماز قریب ہے کہ کافر ہو جائے۔ اور تارک نماز، اصحاب ظاہر کے نزدیک کافر ہے۔ بعض صحابہ کرام سے بھی ایسی روایات مروی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے تارک نماز کفر کے قریب ہو جاتا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک کہ امام شافعی اور امام مالک بھی ان میں سے ہیں تارک نماز اگرچہ کافر نہیں ہوتا مگر واجب القتل ضرور ہے۔ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک تارک نماز جب تک نماز ادا کرنے کا پابند نہ بنے مارا جائے گا اور حبس اور قید میں رکھا جائے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۲۴/۱ عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوٰتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَھُنَّ وَصَلّٰھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَھُنَّ وَخُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ وَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اِنْ شَآءَ غَفَرَ لَہٗ وَاِنْ شَآءَ عَذَّبَہٗ۔ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَرَوٰی مَالِکٌ وَّالنَّسَآئِیُّ نَحْوَہٗ۔

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ نمازیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے، جس نے ان کے لیے اچھا[2] وضو کیا اور انہیں ان کے صحیح وقت میں ادا کیا۔ اور ان کا رکوع و خشوع[3] مکمل کیا۔ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ[4] ہے کہ وہ اسے بخش دے گا۔ اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کا کوئی عہد اور ذمہ نہیں۔ چاہے اسے بخشے[5] چاہے عذاب میں ڈالے۔ اسے احمد و ابوداؤد نے روایت کیا اور امام مالک و نسائی نے اس کی مثل روایت کیا۔

[1] حضرت عُبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ۔ عُبادہ عین کی پیش اور با غیر مشدد کے ساتھ۔ آپ مشاہیر اور کبار صحابہ کرام میں سے ہیں۔ آپ کے حالات متعدد جگہوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

[2] یعنی وضو کے آداب و سنتوں کا خیال رکھا۔

[3] یعنی تمام و کامل طور سے اس کے احکام و ارکان بجا لائے۔ خصوصاً رکوع و سجود کو جن میں بندگی و فرمانبرداری کا معنیٰ بیشتر پایا جاتا ہے۔ اور اکثر لوگ ان کی درست ادائیگی میں سستی سے کام لیتے ہیں۔

[4] یعنی اس کے لیے خدا تعالیٰ کی ذمہ داری ہے کہ اسے بخشے۔ مراد یہ ہے کہ ایسے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کا وعدہ بخشش ہے۔ اور جب کہ اس کا وعدہ سچا ہے کہ اس میں خلاف کا امکان و جواز نہیں تو اس وعدہ کو عہد سے تعبیر فرما دیا جسے کوئی اپنے ذمے کرے اور اس کی حفاظت و نگہداشت کرے۔

[5] یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ تارک نماز کافر نہیں ہے۔ اور ہر مرتکب کبیرہ کا عذاب میں مبتلا ہونا ضروری نہیں اور نہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب مہذب ہے۔

۵۲۵/۸ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا خَمْسَکُمْ وَصُوْمُوْا شَھْرَکُمْ وَاَدُّوْا زَکٰوۃَ اَمْوَالِکُمْ وَاَطِیْعُوْا ذَا اَمْرِکُمْ تَدْخُلُوْا جَنَّۃَ رَبِّکُمْ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو اُمامہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی پانچ نمازیں ادا کرو۔ اپنے مہینے (رمضان) کے روزے رکھو۔ اپنے اموال کی زکوٰۃ ادا[2] کرو اور اپنے اولی الامر[3] کی فرمانبرداری کرو۔ (یہ امور بجا لا کر) اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ (احمد و ترمذی)۔

[1] حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ قبیلہ باہلہ سے ہیں۔ آپ کا شمار مشاہیر صحابہ میں ہوتا ہے۔

[2] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام کے بیان کے وقت ابھی حج فرض نہ ہوا تھا۔ (اس لیے اس کا ذکر

نہ فرمایا)۔

[3] ذی اَمر یعنی حاکم وقت کہ وہ خدا تعالیٰ کا خلیفہ اور نائب ہے جب کہ خدا و رسول کے فرامین کے خلاف حکم نہ دے۔

526 وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ وَهُمْ أَبْنَآءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَآءُ عَشْرِ سِنِيْنَ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَكَذَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنْ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ۔

حضرت عمرو بن شعیب[1] سے وہ اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے اور فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات[2] سال کے ہو جائیں اور انہیں نماز کے لیے مارو[3] جب کہ وہ دس برس کے ہو جائیں۔ اور بستروں میں انہیں الگ لٹاؤ[4]۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔ اسی طرح شرح سنہ[5] میں اسے حضرت عمرو بن شعیب سے روایت کیا۔ اور مصابیح میں حضرت سبرہ[6] بن معبد[7] سے روایت کیا۔

[1] اس اسناد کی کیفیت و حال بہت سی جگہوں میں لکھا جا چکا ہے۔

[2] تاکہ انہیں نماز پڑھنے کی عادت پڑے۔

[3] تاکید اور زور دینے کی غرض سے۔

[4] اس طرح کہ بہن اور بھائی ایک بستر میں نہ سوئیں۔ یہ بھی احتیاط اور مواضع تہمت سے پرہیز کے لیے ہے۔ بچہ جب سات سال کا ہو جاتا ہے تو اس میں ایک نئی قوت و طاقت پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسری حالت میں ہو جاتا ہے جیسا کہ اپنے مقام میں اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ تو مناسب ہوا کہ اسے نماز کا حکم دیا جائے۔ کہ وہ سات برس اور گزرنے پر حد بلوغت کو پہنچ جاتا ہے۔ اور جب کہ وہ عمر کے پہلے دھائے کو پہنچتا ہے۔ تو اس قابل ہو جاتا ہے کہ اسے نماز کی تاکید کی جائے۔ اور زور دیا جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ جب دس سال کی عمر کو پہنچے اور نماز نہ پڑھے تو اسے مار کر نماز پڑھاؤ۔ اور اسلامی آداب کی تلقین کرو۔ اسی بنا پر یہ بھی فرمایا کہ اس عمر میں پہنچ کر بہن بھائیوں کو الگ الگ بستروں میں سلایا جائے۔ کہ یہ حدِ بلوغ کو پہنچے۔ اور شہوتِ نفس پیدا ہونے کا وقت اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا امکان ہے۔

[5] یعنی حضرت محی السنۃ رحمۃ اللہ علیہ نے۔

[6] سَبرہ سین کی زبر اور با کی جزم کے ساتھ۔

[7] میم اور با کی زبر کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ مدینہ منورہ میں ہی قیام رہا۔ ان سے انیس احادیث مروی ہیں۔

۵۲۷/۱۰ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اور منافقین کے درمیان عہد و امان[2] نماز ہے۔ جس نے نماز ترک کی اس کا کفر ظاہر[3] ہو گیا۔
احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔

[1] بُرَیدہ با کی پیش اور را کی زبر کے ساتھ۔ آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے حالات متعدد جگہ لکھ دیے گئے ہیں۔

[2] یعنی وہ عہد و امان جو ہمارے اور منافقین کے درمیان ہے، نماز ہے۔ اور ہم منافقین کو جو قتل نہیں کرتے۔ اور ان پر اسلامی احکام جاری کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ظاہری احکام کی اطاعت میں مسلمانوں سے مشابہ ہیں۔ اور ان میں عمدہ ترین چیز نماز ہے۔ یہ لوگ نمازیں حاضر ہوتے اور جماعت کی پابندی کرتے ہیں۔ اس بارے

[3] تو ان منافقین میں سے جس نے نماز ترک کر دی اس کا کفر ظاہر ہو گیا۔ اور وہ دائرۂ اسلام سے باہر نکل آیا۔ ایسے شخص پر اسلامی احکام جاری نہ ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ حکم منافقین کے ساتھ خاص نہ ہو۔ بلکہ بینہم کی ضمیر تمام امتِ اجابت کی طرف لوٹتی ہو۔ یہ آخری احتمال لفظ فقد کفر کے زیادہ مناسب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۲۸/۱۱ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنِّيْ عَالَجْتُ امْرَاَةً فِيْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ وَاِنِّيْ اَصَبْتُ مِنْهَا مَا دُوْنَ اَنْ اَمَسَّهَا فَاَنَا هٰذَا فَاقْضِ فِيَّ مَا شِئْتَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ لَقَدْ سَتَرَكَ اللهُ لَوْ سَتَرْتَ عَلٰى نَفْسِكَ قَالَ وَلَمْ يَرُدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا وَقَامَ الرَّجُلُ فَانْطَلَقَ فَاَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَدَعَاهُ وَتَلَا عَلَيْهِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے آ کر کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شہر مدینہ کے کنارے پر ایک عورت سے بوس و کنار کا مرتکب ہوا ہوں[2]۔ میں نے جماع کے سوا اس کے ساتھ سب کچھ کیا ہے[3]۔ اب میں آپ کے سامنے حاضر ہوں۔ آپ میرے بارے میں جو حکم جاری کرنا چاہتے ہیں کریں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اللہ تعالیٰ نے تیری پردہ پوشی کی تھی[4]۔ اگر تو بھی اپنی پردہ پوشی کرتا تو بہتر ہوتا[5]۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی بات سن کر کوئی جواب نہ دیا[6]۔ اور وہ آدمی کھڑا ہو کر

طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّئَاتِ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذَّاکِرِیْنَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ یَانَبِیَّ اللّٰهِ هٰذَا لَهٗ خَاصَّةً فَقَالَ بَلْ لِلنَّاسِ کَآفَّةً۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

چل پڑا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے ایک آدمی روانہ کیا۔ آپ نے اسے بلایا اور یہ آیت اس کے سامنے تلاوت فرمائی۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔ قائم کر نماز دن کے دونوں کناروں میں اور رات کے قریبی حصہ میں۔ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ (ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ۔ یہ نصیحت حاصل کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔ یہ آیت کا تتمہ ہے جو حدیث میں مذکور نہیں ہے اشعۃ اللمعات) تو لوگوں میں سے ایک شخص[۱] نے کہا اے اللہ کے نبی یہ حکم صرف اس شخص کے لیے ہے۔ فرمایا اس شخص کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام لوگوں کے لیے ہے۔ (مسلم شریف)

---

[۱] یہ شخص وہی حضرت ابوالیسر ہیں جن کا قصہ گزشتہ حدیث میں ذکر ہوا۔ یا کوئی دوسرا شخص ہے جیسا کہ دونوں کے اختلاف و مغائرت سے ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

[۲] یعنی میں نے ایک عورت کے جسم کو ہاتھ لگایا ہے اس سے دل لگی کی ہے اور میں نے شہر مدینہ کے باہر ایک جانب میں سے پکڑا ہے۔

[۳] اور میں نے جماع کے علاوہ ہر حرکت اس سے کی ہے۔ یعنی بوس و کنار وغیرہ۔

[۴] اور اللہ تعالیٰ نے اسے ظاہر نہیں کیا۔

[۵] اور حکم بھی یہی ہے کہ پوشیدہ گناہ کی توبہ بھی پوشیدہ ہی کر لی جائے۔ کہ پوشیدہ گناہ کی تشہیر کرنا شریعت پاک کی عزت و حرمت کی پردہ دری ہے۔

[۶] یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بات کی تردید نہ فرمائی۔

[۷] بعض کہتے ہیں کہ یہ مرد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ زَمَنَ الشِّتَاءِ وَالْوَرَقُ یَتَهَافَتُ قَالَ فَقَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ قُلْتُ لَبَّیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ الْمُسْلِمَ لَیُصَلِّی الصَّلٰوۃَ یُرِیْدُ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ فَتَهَافَتُ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم سرما میں باہر تشریف لے گئے جب کہ درختوں کے پتے گر رہے تھے[۱]۔ آپ نے ایک درخت کی دو شاخیں پکڑیں حضرت ابوذر فرماتے ہیں درخت کے پتے گرنے لگے[۲] حضرت ابوذر فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے

عَنْهُ ذُنُوْبُهٗ كَمَا تَهَافَتُ[۴] هٰذَا الْوَرَقُ عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ابوذرؓ نے عرض کیا لبیک یارسول اللہ! خدمت میں تیار کھڑا ہوں ارشاد فرمائیں، آپ نے فرمایا بیشک بندۂ مسلم البتہ نماز ادا کرتا ہے اس نماز سے اس کا مقصد صرف خداتعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے۔ تو ایسی نماز سے اس بندے سے اس طرح گناہ جھڑتے ہیں جس طرح اس درخت سے پتے جھڑ رہے ہیں۔ (احمد)

---

[۱] جس طرح موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑتے ہیں۔

[۲] یعنی آپ کے شاخوں کو پکڑ کر ہلانے سے زیادہ پتے گرنے لگے جیسا کہ اس طرح کرنے سے عام حالت سے زیادہ ہی پتے گرتے ہیں۔

[۳] رضائے الٰہی کے سوا اس میں کوئی غرض یا معاوضہ مطلوب نہیں ہوتا۔ بلکہ حکمِ الٰہی کی بجاآوری اور محض اس کی رضا مقصود ہوتی ہے۔

[۴] لفظ تہافتُ دونوں جگہ تا کی پیش سے آیا ہے۔ تاہم دوسری جگہ تا کی زبر کے ساتھ بھی آیا ہے۔

۵۳۰/۱۴ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى سَجْدَتَيْنِ لَا يَسْهُوْ فِيْهِمَا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت زید بن خالد الجہنی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو رکعت نماز اس طرح ادا کی کہ اس میں سہو وغفلت سے محفوظ[۲] رہا تو اللہ اس کے تمام گزشتہ گناہ[۳] معاف کر دیتا ہے۔ (احمد)

---

[۱] جُہنی جیم کی پیش اور ہا کی زبر کے ساتھ۔

[۲] یعنی اس میں سہو وغفلت کو قریب نہ آنے دے بلکہ حضورِ دل اور خشوعِ باطن سے ادا کرے۔

[۳] یعنی گزشتہ کے تمام صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

۵۳۱/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ ذَكَرَ الصَّلٰوةَ يَوْمًا فَقَالَ مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَهٗ نُوْرًا وَّلَا بُرْهَانًا وَّلَا نَجَاةً وَّكَانَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَعَ قَارُوْنَ

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ بیشک آپ نے ایک دن نماز کا ذکر[۱] کرتے ہوئے فرمایا جس نے نماز کی محافظت کی (اسے فرائض، واجبات، سنن ومستحبات اور پابندی سے ادا کیا) تو وہ نماز اس کے لیے قیامت کے دن نورانیت کا سبب اور نجات اور دلیل وحجت بنے گی۔ اور جس نے اس کی محافظت نہ کی (مذکورہ طریقہ

وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَاُبَيِّ بْنِ خَلَفٍ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

سے اُسے ادا نہ کیا) تو نماز اس کے لیے، نور، دلیل و حجت اور نجات نہ بنے گی۔ اور وہ شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور امیہ بن خلف کے ساتھ[2] ہوگا۔ احمد، دارمی اور بیہقی فی شعب الایمان۔

---

[1] یعنی نماز کی فضیلت و شان بیان فرمائی۔

[2] مطلب یہ ہے کہ وہ ان کفار کے ساتھ دوزخ میں جائے گا۔ اس میں اُس پر اظہار شدت و سختی ہے۔ اگرچہ یہ کفار ہمیشہ دوزخ میں اور اس تارک نماز سے بدتر جگہ میں ہوں گے۔ امیہ بن خَلَف۔ خَلَف لام کی زبر کے ساتھ۔ یہ اشقیاءِ قریش میں سے وہ بدبخت ہے جسے جنگ احد کے دن حضور علیہ السلام نے خود اپنے دست اقدس کے ساتھ واصل جہنم کیا۔ اسے امت کا بدبخت ترین شخص بھی کہتے ہیں۔

۵۳۲/۱۵ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِّنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهٗ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ[1] بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام، نماز کے سوا باقی اعمال میں سے کسی عمل کے ترک کو کفر قرار نہ دیتے تھے۔

(ترمذی شریف)

---

[1] حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ ثقہ تابعین اور ان کے اکابر آئمہ میں سے ہیں۔ آپ کو حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عثمان اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے سماع حاصل ہے۔ ۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔

۵۳۳/۱۶ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِيْلِیْ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَّكْتُوْبَةً مُّتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے میرے جانی دوست (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور کافر نہ بن جانا اگرچہ تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔ اور تجھے جلا دیا جائے[1]۔ اور جان بوجھ کر فرض نماز ترک نہ کرنا۔ کہ جو آدمی فرض نماز دانستہ[2] ترک کرتا ہے اس سے ذمہ[3] اٹھ جاتا ہے۔ اور شراب نوشی نہ کرنا کہ وہ ہر شر و بدی کی چابی ہے۔ (ابن ماجہ)۔

---

[1] یہ عزیمت پر عمل کرنے کی وصیت و تاکید ہے۔ قُطِّعْتَ طا کی شد اور بغیر شد کے دونوں طرح مروی ہے۔ اور

حُرِّقَتْ صرف شَدّ کے ساتھ مروی ہے۔

۲؎ ہاں اگر نیند یا بھول جانے کی وجہ سے نماز نہ پڑھی تو یہ امر دیگر ہے۔

۳؎ کیونکہ بدی سے مانع اور رکاوٹ عقل ہے۔ اور جب عقل زائل ہو گئی تو ہر بدی کا دروازہ کھل گیا۔ اسی بنا پر شراب کو ام الخبائث کہتے ہیں۔

۴؎ یعنی اس سے مسلمانی کا عہد اٹھ جاتا اور وہ دائرہ اسلام سے باہر نکل جاتا ہے۔

بَابُ الْمَوَاقِیْتِ

اَوقاتِ نماز کا باب

مَوَاقیت میقات بمعنیٰ وقت کی جمع ہے۔ وقت اس زمانے کو کہتے ہیں جو کسی کام کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔ نماز کے اوقات خمسہ کی تعیین و اندازہ شارع علیہ السلام کے حکم سے ہے۔ اس بارے میں عقل کی کوئی مستقل حیثیت نہیں۔ تاہم کچھ مناسب معانی اور حکمتیں دریافت ہو سکتی ہیں۔ مثلاً آدم زاد (انسان) رات کو جب نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے اور نیند کے ذریعے حاصل ہونے والے امن و امان اور عافیت کی نعمت کے شکرانہ سے نیند طاری ہونے کے باعث غافل اور اس کی تحصیل معاش کے اسباب معطل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ نیند کی وجہ سے میت کی طرح بے حس و حرکت ہو جاتا ہے۔ پھر طلوعِ صبح سے اسے حیاتِ نو نصیب ہوتی اور وہ زندگی کے اسباب اور کام کاج کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ تو ان نعمتوں کے شکرانہ اور گزشتہ تقصیرات کی تلافی کے لیے فجر کی نماز اس کے ذمے لگائی گئی۔ پھر جب معیشت و روزگار کے اسباب و ذرائع حاصل ہو گئے۔ اور مولائے قدوس کے فضل و نعمتوں یعنی کھانے پینے وغیرہ کی چیزوں سے سرفراز ہوا تو اس کے شکرانہ کے لیے اس پر پیشی (ظہر) کی نماز فرض کی گئی۔ اور چونکہ انسان کی عادت ہے کہ دوپہر کو سوتا اور آرام کرتا ہے۔ اور فراغت پاتا ہے تو ان تقصیرات و غفلت کے لیے نماز عصر لازم کی گئی۔ اور چونکہ نمازِ عصر کے بعد انسان بازار جاتا، خرید و فروخت کرتا اور دنیوی کام کاج میں مصروف ہوتا ہے جیسا کہ مروج و متعارف ہے اس بنا پر نمازِ مغرب فرض کی گئی۔ اس کے بعد انسان رات کا کھانا کھانے اور نیند کرنے کا عادی ہے اس لیے دن کی نعمتوں کی تکمیل اور اچھے خاتمہ کے لیے نمازِ عشاء فرض کی گئی۔ تاکہ ایمان پر موت واقع ہونے کی طرح ہو جائے۔ الغرض تمام عبادات نعمتوں کے شکرانہ کے طور پر فرض کی گئی ہیں۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں دن رات کی گھڑیوں میں مسلسل، لگاتار اور ہر آن نازل ہو رہی ہیں تو چاہیئے کہ بندہ ایک گھڑی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے فارغ اور غافل نہ ہو مگر اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت کے تقاضا سے عبادت کو پانچ عمدہ اوقات میں تقسیم اور منحصر کر دیا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یادِ حق سے غفلت اور اس میں کوتاہی سراسر کفرانِ نعمت ہے۔

مثنوی

ہر آں کو غافل از حق یک زمان است — در اں دم کافر است اما نہاں ست
اگر آں غفلتش پیوستہ بودے — درِ اسلام بر وے بستہ بودے

ترجمہ۔ جو شخص ایک گھڑی کے لیے بھی خدا کی یاد سے غافل ہوتا ہے۔ وہ اس گھڑی میں کفرانِ نعمت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کی یہ برائی لوگوں سے پوشیدہ ہے۔

اگر بندے کی یہ غفلت مسلسل جاری رہتی تو اسلام کا دروازہ اس پر بند ہو جاتا نعوذ باللہ من الکفر و الکفران۔ (ہم کفر و ناشکری سے اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں)۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۵۳۴ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتُ الظُّهْرِ اِذَا ذَالَتِ الشَّمْسُ وَ كَانَ ظِلُّ الرَّجُلِ كَطُوْلِهٖ مَا لَمْ يَحْضُرِ الْعَصْرُ وَ وَقْتُ الْعَصْرِ مَا لَمْ تَصْفَرَّ الشَّمْسُ وَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ مَا لَمْ يَغِبِ الشَّفَقُ وَ وَقْتُ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلٰى نِصْفِ اللَّيْلِ الْاَوْسَطِ وَ وَقْتُ صَلٰوةِ الصُّبْحِ مِنْ طُلُوْعِ الْفَجْرِ مَا لَمْ تَطْلُعِ الشَّمْسُ فَاِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاَمْسِكْ عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پہلی فصل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج ڈھلنا[1] شروع ہو جائے تو نمازِ ظہر کے وقت کی ابتدا ہو جاتی ہے اور انسان کا سایہ اس کے جسم کی لمبائی[2] جتنا ہو جائے۔ ظہر کا یہ وقت عصر کا وقت[3] داخل ہونے تک رہتا ہے۔ اور عصر کا وقت دھوپ کا رنگ زرد[4] ہونے تک رہتا ہے۔ اور نماز مغرب کا وقت شفق[5] غائب ہونے تک رہتا ہے۔ اور نمازِ عشاء کا وقت شفق غائب[6] ہونے سے نصف شب یعنی رات کے درمیانی حصہ تک ہے۔ اور نمازِ صبح کا وقت طلوع فجر سے سورج کے طلوع[7] ہونے تک ہے۔ جب سورج طلوع ہونا شروع ہو جائے تو نماز سے رک جا کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع[8] ہوتا ہے۔ (مسلم شریف)

---

[1] اوقات نماز کے بیان کی ابتداء وقت ظہر کے بیان سے اس وجہ سے کی کہ یہ سب سے پہلی نماز ہے جو باجماعت ادا کی گئی جب حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اوقاتِ نماز کی تعلیم کے لیے حاضر ہوئے۔ جیسے کہ دوسری فصل میں آ رہا ہے۔ اسی وجہ سے ظہر کو صلوٰۃ اول یعنی نمازِ پیشین (پہلی) نماز کہتے ہیں۔ اس نماز کا وقت سورج کے

درمیانِ آسمان سے جانب مغرب ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے۔ سورج ڈھلنے کے وقت کو وقت زوال بھی کہتے ہیں۔ یہ اس کا اول وقت ہے اس کا آخر وقت وکان الرجل کطولہ میں بیان فرمایا۔

۵۲ وکان الرجل کطولہ۔ یعنی انسان کا سایہ وقتِ زوال کا سایہ نکال کر اس کے جسم کی مقدار لمبا ہو جائے کہ ہر چیز کا سایہ اکثر ایسے علاقوں میں کہ سورج سر کی سمت نہیں پڑتا، وقت زوال کے سایہ کے علاوہ ایک مقدار رکھتا ہے۔ اس سایہ کے درازی میں انسان کے جسم جتنا ہونے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔

۵۳ مالم یحضر العصر۔ یعنی جب تک کہ عصر نہ آئے۔ اور ہر شے کا سایہ ایک مثل ہونے تک ابھی عصر کا وقت شروع نہ ہوا ہو اس کلام سے مقصود وقت ظہر کی تقریر و تاکید ہے۔ اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ ظہر و عصر کے درمیان کوئی وقت مشترک نہیں۔ جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف یہ بات منسوب ہے۔ اور عربی شرح میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے تو اس حد تک سایہ پہنچنے تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ اور یہیں سے عصر کے وقت کی ابتدا ہوتی ہے۔

۵۴ یعنی نماز دیگر کے وقت کی ابتداء انسان کا سایہ ایک مثل ہو جانے سے ہوتی ہے۔ اور دھوپ کے زرد ہونے تک اس کا وقت رہتا ہے۔ یہ اس کا مختار و مستحب وقت ہے۔ جس میں کراہت نہیں۔ اور اس کا وقت جواز غروب آفتاب تک ہے۔ سورج کی زردی سے بعض کے نزدیک سورج کی ٹکیا کی زردی مراد ہے۔ جب کہ آنکھ اس کی ٹکیا کو دیکھنے سے نہیں چندیاتی۔ بعض کے نزدیک سورج کی شعاع جو دیواروں پر پڑتی ہے اس کی زردی مراد ہے۔ جیسا کہ ابھی اس کا ذکر آئے گا۔

واضح ہو کہ حضرات ائمہ ثلاثہ امام ابو یوسف، امامِ محمد اور امامِ زفر رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ ظہر کا آخر وقت انسان کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے۔ اس کے بعد نماز عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یہ حدیث ان کی دلیل ہے ایک روایت کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ وقت ظہر دو مثل سایہ ہونے تک ہے۔ آپ کے مذہب کی دلیل ہدایۃ میں مذکور یہ حدیث ہے کہ ابردوا بالظہر۔ کہ ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ اور ان کے علاقوں میں ظہر کو ٹھنڈا کرنا شے کا سایہ ایک مثل ہونے پر ہوتا ہے۔ پس ان دونوں حدیثوں میں تعارض پایا جاتا ہے۔ احتیاط اس میں ہے کہ شک سے ظہر کا وقت ختم نہیں ہوتا۔ اس مسئلے کے مزید دلائل شرح میں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ فقہاء کرام نے کہا ہے۔ کہ مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ ظہر کی نماز مثل اول میں ہی ادا کر لی جائے۔ اور عصر کی نماز دو مثل ہونے سے پہلے ادا نہ کی جائے واللہ اعلم۔

۵۵ اور مغرب کا وقتِ شفق کے غائب ہونے تک ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک شفق اس سرخی کا نام ہے جو سورج کے غروب ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ عام اہل لغت بھی شفق کا یہی معنیٰ کہتے ہیں۔ مگر حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ

اور ایک گروہِ علماء کے نزدیک شفق اس سفیدی کا نام ہے جو سرخی کے غائب ہونے کے بعد نمودار ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی شفق سرخی ہی کو کہتے ہیں۔ جانبین کے دلائل عربی شرح میں ذکر کر دیے گئے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سفر میں سرخی کا اعتبار اور حضر (گھر میں) سفیدی کا اعتبار کیا جائے گا۔ یہ انہوں نے دونوں حالتوں (سفر و حضر) کو سامنے رکھتے ہوئے مختلف احادیث کو آپس میں مطابقت دینے کے لیے کیا ہے۔ کیونکہ حضر میں کبھی حُمرت (سرخی) نمودار تو ہوتی ہے مگر اسے دیواریں چھپا لیتی ہیں۔ اور لوگ گمان کرتے ہیں کہ سرخی زائل ہو گئی (مغرب کا وقت جاتا رہا) مگر اس کے بعد جب سفیدی بھی غائب ہوتی ہے تو یقین ہو جاتا ہے کہ سرخی غائب ہو گئی ہے۔ اس بیان کے مطابق امام احمد علیہ الرحمۃ کے نزدیک بھی شفق سرخی ہی کا نام ہے۔ تاہم انہوں نے سفیدی کا لحاظ سرخی غائب ہونے کے یقین کے لیے کیا ہے۔ مختصر یہ کہ مغرب کے وقت میں احتیاط یہ ہے کہ سرخی کا اعتبار کیا جائے۔ اور عشاء کا وقت شروع ہونے میں سفیدی کا اعتبار کیا جائے۔ تاکہ مغرب و عشاء دونوں یقین کے ساتھ اپنے اپنے وقت میں ادا ہوں۔ جیسا کہ ظہر و عصر کے وقت میں گزرا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قول جدید میں مغرب کا وقت صرف اتنا ہے جس میں وضو، اذان، اقامت اور پانچ رکعت نماز ادا ہو سکے۔ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ جو امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے آئمہ میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ مذکورہ وقت کے علاوہ شدت بھوک کی وجہ سے چند لقمے کھا لینے کا مزید وقت بھی شامل کر لیا جائے تو یہ درست ہے۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے دونوں دن مغرب کی نماز ایک ہی وقت میں پڑھائی تھی۔ اگر مغرب کی نماز کا وقت بھی وسیع اور لمبا ہوتا تو دوسری نمازوں کے اوقات کی طرح اس کا اشارہ بھی کرتے۔ تاہم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے قول قدیم کے مطابق دوسرے آئمہ کے موافق ہیں۔ شیخ محی الدین نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قولِ قدیم کی موافقت میں احادیث صحیحہ صراحتہً وارد ہیں۔ اور قول قدیم کو ہی بہت سے شافعی المسلک آئمہ خطابی، بیہقی اور امام غزالی رحمہم اللہ نے اختیار کیا ہے۔ بعض شافعی حضرات وہ بھی ہیں جنہوں نے قولِ جدید کو اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ـ٦ـ نماز عشاء کا وقت شفق غائب کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور نصف شب (درمیانہ حصۂ رات) تک رہتا ہے۔ یعنی پورا حصۂ نصف شب تک رہتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ معتدل رات کے نصف تک رہتا ہے۔ یعنی اس رات کے نصف حصہ تک جو نہ لمبی ہوتی ہے نہ دراز۔ مگر قولِ اول ظاہر تر ہے۔ معتدل رات کا نصف چھ گھنٹے گزرنے پر ہوتا ہے۔ اس کی رُو سے چھ گھنٹے تاخیر کرنی چاہیئے۔ اور یہ وقت سب سے چھوٹی رات کے دو ثلث (دو تہائی) کے برابر ہوتا ہے۔ اور دراز ترین رات کا ایک ثلث (ایک تہائی) وقت بنتا ہے۔ اور اس کا عکس اولیٰ اور انسب ہے۔ (خوب سمجھ لو) بہر صورت یہ حد مختار و پسندیدہ وقت کی حد ہے۔ مگر جائز وقت طلوع فجر سے ذرا پہلے تک باقی رہتا ہے۔

۵۷ نماز صبح کا وقت طلوع صبح صادق سے طلوع آفتاب تک ہے۔ حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارا وقت مستحب وقت ہے۔ مگر بعض علماء نے کہا ہے کہ فجر کے سفید ہونے تک مستحب وقت ہے اس کے بعد طلوع آفتاب تک جائز وقت ہے۔

۵۸ یعنی شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ روایات میں آیا ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو شیطان اس کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور اپنا سر اس کے نزدیک کر لیتا ہے۔ اسی طرح غروب کے وقت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہوتا ہے جو سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ اور کفار کا سجدہ اس کی طرف ہوتا ہے۔ اور وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق خیال کرتا ہے کہ یہ اس کی عبادت ہو رہی ہے۔ اور یہ کہ لوگ اس کی طرف سجدہ کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت میں نماز ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی عبادت اس وقت میں نہ ہو جس وقت شیطان کی عبادت کرنے والے عبادت کرتے ہیں۔ اور تاکہ اہلِ اسلام دینِ خالص کی صفت سے موصوف رہیں۔ علماء نے لفظ قرن کے معنیٰ میں اور بھی وجہیں بیان کی ہیں جو شرح میں مذکور ہیں۔

۵۳۵/۲ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ لَهٗ صَلِّ مَعَنَا هٰذَيْنِ يَعْنِي الْيَوْمَيْنِ فَلَمَّا زَالَتِ الشَّمْسُ أَمَرَ بِلَالًا فَأَذَّنَ ثُمَّ أَمَرَهٗ فَأَقَامَ الظُّهْرَ ثُمَّ أَمَرَهٗ فَأَقَامَ الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ ثُمَّ أَمَرَهٗ فَأَقَامَ الْمَغْرِبَ حِيْنَ غَابَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ أَمَرَهٗ فَأَقَامَ الْعِشَاءَ حِيْنَ غَابَ الشَّفَقُ ثُمَّ أَمَرَهٗ فَأَقَامَ الْفَجْرَ حِيْنَ طَلَعَ الْفَجْرُ فَلَمَّا أَنْ كَانَ يَوْمُ الثَّانِيْ أَمَرَهٗ فَأَبْرَدَ بِالظُّهْرِ فَأَبْرَدَ بِهَا فَأَنْعَمَ أَنْ يُبْرِدَ بِهَا وَصَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ أَخَّرَهَا فَوْقَ الَّذِيْ كَانَ وَصَلَّى الْمَغْرِبَ قَبْلَ أَنْ يَغِيْبَ الشَّفَقُ وَصَلَّى

حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہر نماز کا اول اور آخر وقت کیا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا یہ دو دن تُو ہمارے ساتھ نمازیں ادا کر (تاکہ تجھے نماز کے اوقات بتلا دیں) پھر جب سورج دوپہر سے ڈھلا تو آپ نے حضرت بلال کو حکم دیا۔ حضرت بلال نے اذان کہی۔ پھر بلال کو حکم دیا تو انہوں نے نماز ظہر کی اقامت کہی۔ پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز عصر کی اقامت کہی۔ جب کہ سورج ابھی بلندی پر تھا اور اس کی دھوپ صاف اور سفید تھی[۵۹]۔ پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نماز مغرب کی اقامت کہی۔ جب کہ سورج غروب ہو گیا۔ پھر انہیں حکم دیا تو انہوں نے نمازِ عشاء کی اقامت کہی جب کہ شفق غائب ہو گئی۔ پھر اسے حکم دیا تو اس نے نماز فجر کی اقامت کہی۔ جب کہ فجر طلوع[۶۰] ہوئی۔ پھر جب دوسرا دن آیا تو آپ نے

اَلْعِشَآءَ بَعْدَ مَا ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ وَصَلَّى الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ بِهَا ثُمَّ قَالَ اَيْنَ السَّآئِلُ عَنْ وَقْتِ الصَّلٰوةِ فَقَالَ الرَّجُلُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَقْتُ صَلٰوتِكُمْ بَيْنَ مَا رَاَيْتُمْ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت بلال کو نماز ظہر ٹھنڈی کرکے پڑھنے کا حکم دیا تو حضرت بلال نے ظہر کو ٹھنڈا کیا۔ اور اسے[3] خوب ٹھنڈے وقت تک لے گئے۔ اور آپ نے عصر کی نماز ادا کی جب کہ ابھی سورج بلند تھا۔ مگر پہلے دن کی نسبت تاخیر[4] کرکے پڑھی۔ اور مغرب کی نماز شفق[5] غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ اور عشاء کی نماز رات کا تہائی[6] حصہ گزرنے کے بعد پڑھی۔ اور فجر کی نماز سفید کرکے پڑھی۔ پھر آپ نے فرمایا نمازوں کا وقت دریافت کرنے والا سائل کہاں ہے۔ سائل نے عرض کیا یا رسول اللہ میں موجود ہوں۔ فرمایا تمہاری نمازوں کا وقت اس کے درمیان[7] ہے (مسلم شریف)

---

[1] یعنی ابھی زردی اور تیرگی کی آلائش سے پاک تھا۔ اس حدیث میں سایہ کے ایک مثل یا دو مثل کا کوئی ذکر نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ سورج کی بلندی، اور سفیدی اور فرق و تفاوت دو مثلوں میں بھی باقی رہتا ہے۔

[2] آپ نے اس روز نمازوں کا اول وقت بتانے کے لیے، نمازیں اول وقت میں ادا کیں۔

[3] اور نماز ظہر کے ٹھنڈا کرنے میں مبالغہ کیا۔ یہاں تک کہ دن کی گرمی کا زور پوری طرح ٹوٹ گیا۔ حدیث کا انداز بتاتا ہے کہ ظہر کو اس حد تک ٹھنڈا کرنا اور اول وقت سے موخر کرنا ظہر کا آخر وقت بتانے کے لیے تھا۔ جیسا کہ آپ نے دوسری نمازوں کے اوقات بتانے کے لیے کیا۔ گرمیوں میں ظہر کو اس لیے ٹھنڈا کرکے پڑھنا کہ اس کی شدید تپش جہنم کی سانس کا اثر ہوتا ہے، ایک دوسری بات ہے۔ اور ہو سکتا ہے یہ سائل جن دنوں میں حاضر خدمت ہوا تھا وہ گرمی کے دن تھے۔ (خوب سمجھو)۔ اور اس کی شرح باب تعجیل الصلوٰۃ میں آرہی ہے۔

[4] یہ الفاظ اس امر پر صراحتہ دلالت نہیں کرتے کہ یہ عصر دوسری مثل میں ادا کی تھی کیونکہ سایہ دو مثل ہونے کے بعد بھی سورج میں بلندی پائی جاتی ہے۔ تاہم شافعی حضرات دوسری روایات کے قرینے سے یہاں بھی دوسری مثل میں ہی نماز عصر ادا کرنا مراد لیتے ہیں۔

[5] اس عبارت میں اس جانب اشارہ ہے کہ روز اول کی نسبت دوسرے دن نماز مغرب موخر کرکے ادا کی۔ غروب آفتاب کے متصل ادا نہ کی۔ بلکہ شفق غائب ہونے سے پہلے پڑھی۔ (خوب سمجھو)۔

[6] گزشتہ حدیث میں نصف رات آیا ہے۔ اور یہ دونوں وقت مستحب ہیں۔ اور جواز صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا۔ تاہم حنفیہ کے نزدیک نماز عشاء کو ایک تہائی رات تک موخر کرنا مستحب اور نصف رات تک موخر کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اور نصف رات کے بعد ادا کرنا جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ اور بعض کے

نزدیک نصف رات تک مؤخر کرنا جائز ہے اور کراہت ہے مگر گناہ نہیں۔ اور نصف شب کے بعد تک مؤخر کرنا جائز تو ہے مگر گناہ بھی ہے۔

۵ یعنی تم نے نماز کا اول اور آخر وقت شناخت کر لیا۔ ان دونوں اوقات کے درمیان سارا وقت صحیح اور مستحب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۵۳۶/۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَّنِیْ جِبْرَئِیْلُ عِنْدَ الْبَیْتِ مَرَّتَیْنِ فَصَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ زَالَتِ الشَّمْسُ وَکَانَتْ قَدْرَ الشِّرَاکِ وَصَلّٰی بِیَ الْعَصْرَ حِیْنَ صَارَ ظِلُّ کُلِّ شَیْءٍ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ حِیْنَ غَابَ الشَّفَقُ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ حِیْنَ حَرُمَ الطَّعَامُ وَالشَّرَابُ عَلَی الصَّائِمِ فَلَمَّا کَانَ الْغَدُ صَلّٰی بِیَ الظُّھْرَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَہٗ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ کَانَ ظِلُّہٗ مِثْلَیْہِ وَصَلّٰی بِیَ الْمَغْرِبَ حِیْنَ اَفْطَرَ الصَّائِمُ وَصَلّٰی بِیَ الْعِشَاءَ اِلٰی ثُلُثِ اللَّیْلِ وَصَلّٰی بِیَ الْفَجْرَ فَاَسْفَرَ ثُمَّ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ ھٰذَا وَقْتُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ قَبْلِكَ وَالْوَقْتُ مَا بَیْنَ ھٰذَیْنِ الْوَقْتَیْنِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ)

دوسری فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیت اللہ کے پاس جبرئیل میرے دو بار[1] امام بنے۔ انہوں نے مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ سورج دوپہر سے ڈھل گیا۔ اس وقت سایہ تسمے کی مقدار[2] تھا۔ اور جبرئیل نے مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔ اور مجھے مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزے دار روزہ افطار کرتا ہے اور مجھے فجر کی نماز پڑھائی جس وقت کہ روزے دار کے لیے کھانا پینا حرام[3] ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا دن آیا تو جبرئیل نے اس وقت مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو گیا۔ اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو گیا اور مغرب کی نماز اس وقت پڑھائی جب روزہ دار روزہ افطار[5] کرتا ہے۔ اور عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ رات کا ایک تہائی حصہ گزر گیا۔ اور فجر کی نماز سفید وقت میں پڑھائی۔ پھر جبرئیل میری طرف متوجہ ہوئے۔ اور کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا وقت[6] ہے۔ نماز کا وقت ان دو[7] وقتوں کے درمیان ہے۔

(ابوداؤد، ترمذی)۔

[1] یعنی جب کہ آفتاب کا سایہ اصلی (جو زوال کے وقت ہوتا ہے) چمڑے سے بنے ہوئے جوتے کے تسمے کی مقدار تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ تسمے کی چوڑائی کی مقدار مراد ہے۔ اور سایہ اصلی جسے فیٔ زوال کہتے ہیں، مختلف علاقوں اور اوقات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔ بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن میں بعض موسموں میں فیٔ زوال بالکل نہیں ہوتا جس طرح مکہ معظمہ میں ۱۹ سرطان کی تاریخ کے دن۔ اور ہر اس علاقہ میں جو سورج کے سر پر سے گزرنے میں بالکل نیچے آتا ہو۔ سایہ اصلی میں فرق عرض بلد کی وجہ سے واقع ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اس کی تحقیق علم ہیئت میں کر دی گئی ہے۔ اور اس کی پہچان کے لیے کتابوں میں طریقے مذکور ہیں۔

[2] یہ طلوع صبح صادق کا وقت ہوتا ہے۔ آپ نے اس روز تمام نمازیں اول وقت میں ادا فرمائیں۔

[3] اس حدیث میں سورج کی زردی اور اس کے غروب کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم اس کا ثبوت دوسری احادیث میں آچکا ہے۔ جن سے زیادتی کا اثبات[1] ہوتا ہے۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ مغرب کا ایک ہی وقت ہے۔ بخلاف دوسری نمازوں کے۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا قولِ جدید ہے۔ مگر گزشتہ حدیث میں اشارہ ہو چکا ہے کہ نمازِ مغرب کے وقت میں بھی تعدد اور وسعت ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔

[5] کہ ہر گزشتہ نبی کے دین میں ان اوقات میں سے کوئی نہ کوئی وقت نماز کا تھا۔ اگرچہ پانچوں نمازوں کا یہ مخصوص وقت صرف امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ خوب سمجھو۔

[6] اور یہ دو وقت نماز کے لیے اول و آخر وقت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۳۷/۲ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ اَخَّرَ الْعَصْرَ شَيْئًا فَقَالَ لَهٗ عُرْوَةُ اَمَا اِنَّ جِبْرَئِيْلَ قَدْ نَزَلَ فَصَلّٰى اَمَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ اِعْلَمْ مَا تَقُوْلُ يَا عُرْوَةُ فَقَالَ

حضرت ابن[1] شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک حضرت عمر[2] بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے نماز عصر قدرے تاخیر سے ادا کی۔ تو حضرت عروہ[3] بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا آگاہ رہ اے عمر بیشک جبرئیل[4] نازل ہوئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] یعنی ان دوسری احادیث سے یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ جب سورج کا رنگ زرد پڑ جائے۔ یا قریب الغروب ہو جائے تو وہ نماز کے لیے مکروہ وقت ہے۔ اس وقت میں نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ مگر اس دن کی نماز عصر کراہت کے باوجود پڑھی جائے گی۔

سَمِعْتُ بَشِیْرَ بْنَ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا مَسْعُوْدٍ یَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نَزَلَ جِبْرَئِیْلُ فَاَمَّنِیْ فَصَلَّیْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّیْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّیْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّیْتُ مَعَهٗ ثُمَّ صَلَّیْتُ مَعَهٗ یَحْسُبُ بِاَصَابِعِهٖ خَمْسَ صَلَوٰتٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

آگے کھڑے ہو کر نماز ادا کی۔ اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا اے عروہ ہوش کر کیا کہہ رہا ہے[۵۵]۔ حضرت عروۃ نے کہا میں نے بشیر بن ابو مسعود سے سنا وہ کہتے ہیں میں نے ابو مسعود سے سنا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جبرئیل نازل ہوئے اور میرے امام بنے تو میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ انگلیاں ملاتے جاتے تھے اور حساب کرتے جاتے تھے۔ آپ نے پانچ نمازیں شمار کیں۔ (بخاری و مسلم)۔

---

[۵۱] آپ مشہور تابعی عظیم المرتبت عالم اور فقہ و حدیث میں آئمہ تابعین میں سے ہیں۔ کنیت ابوبکر محمد نام اکثر و بیشتر کنیت سے مذکور و منسوب ہوتے ہیں۔

[۵۲] حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اموی ہیں تابعین میں سے ہیں۔ امارت و عدالت میں ان کے حالات مشہور و معروف ہیں۔ آپ نے یہ نماز عصر مستحب وقت میں ہی ادا کی تھی۔ مگر قدرے تاخیر کر کے۔ یہ نہیں کہ آپ نے مکروہ وقت میں ادا کی۔

[۵۳] حضرت عروۃ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کبار تابعین سے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمشیر زادہ حضرت اسما بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

[۵۴] یعنی حضرت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امام بنے۔ اَمام ہمزہ کی زبر اور اِمام ہمزہ کی زیر دونوں طرح روایت ہے۔ حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ کا مقصد حضرت جبرئیل کی امامت کرانے والی حدیث کا یاد دلانا تھا۔ کہ آپ نے پہلے دن اول وقت میں نمازیں ادا کیں۔ پوری حدیث جبرئیل اس لیے ذکر نہ کی کہ وہ ان کے اعتقاد کے مطابق مشہور حدیث تھی۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ اول وقت میں نماز ادا کرنا افضل ہے۔ اے عمر تو نے کیوں تاخیر کی اور اول وقت ادا کرنے کی فضیلت ترک کی اگرچہ معمولی سی تاخیر ہی ہے۔

[۵۵] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنا اور حضور کی طرف اسے منسوب کرنا عظیم ذمہ داری کی بات ہے۔ اس میں احتیاط کی شدید ضرورت ہے تجھے آگاہ اور ہشیار ہونا چاہیئے کہ غلطی میں نہ پڑ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹی بات منسوب نہ کر دے۔ اگرچہ حضرت عروۃ نہایت جلیل الشان شخصیت ہیں۔ ان کے لیے

ایسی بات کہنے کی گنجائش نہیں تاہم روایات کی عظمتِ شان نے انہیں اس تنبیہ اور شدت پر آمادہ کیا۔

۵۶ حضرت عروۃ رضی اللہ عنہ نے حدیث کے متعلق اپنی قوتِ ضبط و حفظ کی مضبوطی و احتیاط کا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بارے میں یقینی علم رکھتا ہوں۔ اور میں نے یہ حدیث ایسے شخص سے سنی ہے جس نے وہ حدیث صحابی سے اور صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی۔

۵۷ بَشیر با کی زبر کے ساتھ۔ بشیر بن ابومسعود کبار تابعین سے ہیں۔ اور ابومسعود انصاری مشاہیر صحابہ میں سے ہیں، ان کے حالات بھی کئی مقامات میں تحریر ہو چکے ہیں۔

۵۸ آپ نے اپنی انگشتان مبارک سے پانچ نمازیں شمار کیں۔ کلمہ یَحْسُبُ یا کے ساتھ ہے اور نَحْسُبُ بھی روایت ہے۔ یعنی ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگشتان مبارک سے گن رہے تھے۔ تاہم یحسب کی روایت کا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔ بہر صورت اس کلام و بیان سے حضرت عروۃ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات شریفہ پوری طرح یاد و محفوظ ہیں۔

۵۳۸/۵ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ كَتَبَ اِلٰى عُمَّالِهٖ اَنَّ اَهَمَّ اُمُوْرِكُمْ عِنْدِىَ الصَّلٰوةُ مَنْ حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا حَفِظَ دِيْنَهٗ وَمَنْ ضَيَّعَهَا فَهُوَ لِمَا سِوَاهَا اَضْيَعُ ثُمَّ كَتَبَ اَنْ صَلُّوا الظُّهْرَ اِنْ كَانَ الْفَیْءُ ذِرَاعًا اِلٰى اَنْ يَكُوْنَ ظِلُّ اَحَدِكُمْ مِثْلَهٗ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ بَيْضَاءُ نَقِيَّةٌ قَدْرَ مَا يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فَرْسَخَيْنِ اَوْ ثَلٰثَةً قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ وَالْمَغْرِبَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ وَالْعِشَاءَ اِذَا غَابَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ فَمَنْ نَامَ فَلَا نَامَتْ عَيْنُهٗ وَالصُّبْحَ وَالنُّجُوْمُ بَادِيَةٌ مُشْتَبِكَةٌ۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے ماتحت عُمّال کی طرف لکھا میرے[1] نزدیک تمہارے لیے سب سے اہم ترین کام نماز ہے۔ جس نے اس کی حفاظت[2] کی اور پابندی سے اسے ادا کیا اس کا دین محفوظ ہو گیا۔ اور جس نے نماز کو ضائع کیا وہ دوسری چیزوں (احکام و فرائض) کو زیادہ ضائع اور برباد[3] کرے گا۔ پھر آپ نے لکھا کہ ظہر کی نماز پڑھو جب کہ سایہ ایک گز[4] ہو جائے۔ یہاں تک کہ تمہارا سایہ ایک مثل ہو[5] جائے۔ اور عصر کی نماز پڑھو جب کہ سورج بلند، سفید اور صاف ہو۔ اور نماز کے بعد اتنا وقت غروب آفتاب میں باقی ہو کہ سواری پر چلنے والا دو یا تین فرسنگ سفر طے کر سکتا ہو اور مغرب کی نماز پڑھو جب سورج ڈوب جائے۔ اور عشا کی نماز پڑھو جب شفق غائب ہو جائے۔ رات کے ایک تہائی حصے تک۔ اور جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو گیا تو خدا کرے اس کی آنکھ نہ سوئے۔ جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو گیا خدا کرے اس کی آنکھ نہ سوئے۔ جو عشا کی نماز پڑھے بغیر سو گیا خدا کرے اس

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

کی آنکھ نہ سوئے[۷]۔ اور صبح کی نماز پڑھو جب کہ ستارے ظاہر و نمایاں اور ایک دوسرے میں گھسے ہوئے محسوس ہوں (مالک)

[۱] “میرے نزدیک” کا کلمہ ذکر کرنے میں حکام و عمال کو ڈانٹ و نماز کی تاکید ہے۔ کہ وہ عمال رعب و ہیبت فاروقی سے ترساں اور لرزاں رہتے تھے۔

[۲] حَفِظَهَا وَحَافَظَ عَلَيْهَا کا تکرار یا تو اہتمام و تاکید کے لیے ہے۔ یا حفظ سے نماز کو یاد رکھنا فراموش نہ کرنا اور اسے وقت مستحب میں ادا کرنا مراد ہے۔ اور محافظت سے شرائط و آداب اور اس کی صفات کے لحاظ کا اہتمام مراد ہے۔ یا اول سے اس کے ظاہری احکام کی حفاظت اور محافظت سے اس کے باطنی حالات و خصوصیات کو نگاہ میں رکھنا مراد ہے۔

[۳] کیونکہ جو شخص دین کے عمدہ ارکان اور اس کے اہم ترین امور کی پروا نہیں کرتا وہ دوسرے احکام کی کیا پروا کرے گا۔

[۴] یعنی اصلی سایہ کے متصل بعد جو کہ ظہر کا اول وقت ہے۔ آپ کا یہ حکم مخصوص جگہوں اور مخصوص زمانوں سے متعلق ہو گا۔ جہاں یہ عمال تعینات تھے۔ کہ یہ ایک معلوم بات ہے کہ اصلی سایہ مختلف جگہوں اور اوقات کے اختلاف سے مختلف ہوتا ہے۔

[۵] یہ ظہر کا آخر وقت ہے۔

[٦] یعنی درمیانی رفتار سے۔

[۷] یہ بد دعا ہے۔ یعنی جو شخص عشاء کی نماز پڑھے بغیر سو جائے۔ اس کا دل بے قرار اور بے آرام رہے۔ اسے چین و قرار نصیب نہ ہو۔ آپ نے تاکید و مبالغے کی غرض سے اس جملے کو تین بار دہرایا۔

۵۳۹/۶ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ قَدْرُ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي الصَّيْفِ ثَلٰثَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى خَمْسَةِ اَقْدَامٍ[۱] وَفِي الشِّتَاءِ خَمْسَةَ اَقْدَامٍ اِلٰى سَبْعَةِ[۲] اَقْدَامٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرمیوں میں نماز ظہر ادا کرنے کا اندازہ اور وقت تین قدم سے پانچ قدم تک[۱] ہوتا تھا۔ اور موسم سرما میں پانچ قدم سے سات قدم تک[۲]۔

(ابوداؤد و نسائی)

[۱] یعنی سایہ کے تین قدم سے پانچ قدم تک ہونے تک کے وقت میں آپ موسم گرما میں ظہر کی نماز ادا کرتے تھے۔

[۲] اور سردیوں میں سایہ کے پانچ قدم سے سات قدم تک دراز ہونے کے عرصہ میں ظہر کی نماز پڑھتے تھے۔ سردیوں

میں سایہ کی زیادتی اس بنا پر ہے کہ اس موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے۔ اور گرمیوں میں کم خصوصًا حرمین شریفین میں۔ ورنہ دونوں موسموں میں اس نماز کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ بہرصورت یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے کہ نماز ظہر وقتِ زوال سے تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ واللہ اعلم۔

ایک قدم انسان کے جسم کی درازی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی لمبائی اس کے سات قدم ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے کہ ہر آدمی کا قد سات قدم ہوتا ہے۔

بَابُ تَعْجِیْلِ الصَّلٰوۃِ نماز جلدی ادا کرنے کی فضیلت کا باب

اس بارے میں آئمہ کرام رحمہم اللہ کے مذاہب میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقًا اور بلا تفصیل ہر نماز اول وقت میں ادا کی جائے گی۔ اور جن احادیث میں تاکید و مبالغہ کے طور پر گرمیوں کی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ وہ ان کے نزدیک رخصت پر محمول ہیں۔ پھر یہ رخصت بھی اس شخص کے لیے ہے۔ جسے نماز یا جماعت کے لیے دور جانا پڑتا ہو۔ اس آدمی کے لیے یہ رخصت نہیں جس نے اکیلے نماز پڑھنی ہو یا جس کے مکان کے دروازے پر مسجد ہو۔ بعض شافعی حضرات ظہر ٹھنڈی کرنے کی تاویل وقت زوال گزرنے سے کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے قریب قریب ہے۔ الا یہ کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے کچھ اصحاب علم شدت تپش کے وقت اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے تبرید (ظہر کو ٹھنڈا) کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ تاہم ان کے مذہب میں طالب جماعت کے لیے تبرید مستحب۔ نماز عصر پہلے پڑھ لینا افضل ہے۔ نماز مغرب کا ایک ہی وقت ہے اور اس میں بالاجماع شتابی کرنا مستحب ہے۔ امام احمد کے نزدیک عشاء میں تاخیر۔ اور امام مالک کے نزدیک جلدی کرنا مستحب ہے۔ ہاں لوگوں کے جمع ہونے کے لیے تاخیر کر لیں تو حرج نہیں۔ اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر کو ٹھنڈا کر کے فجر کو سفید اور عشاء کو دیر سے پڑھنا مستحب ہے اور عصر میں بھی اتنی تاخیر کرنا کہ سورج میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو افضل ہے۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے مذہب کے دلائل کی شرح متعلقہ احادیث کی شرح کے ضمن میں کی جائے گی اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

واضح ہو کہ بعض شارحین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کسی نے وقت مستحب کے نصف اول میں نماز ادا کر لی تو اس نے جلد اور شتاب ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کر دی۔

میں سایہ کی زیادتی اس بنا پر ہے کہ اس موسم میں سایہ اصلی زیادہ ہوتا ہے ۔ اور گرمیوں میں کم خصوصًا حرمین شریفین میں ۔ ورنہ دونوں موسموں میں اس نماز کا وقت ایک ہی ہوتا ہے ۔ بہر صورت یہ حدیث اس مسئلہ میں بالکل صریح ہے کہ نماز ظہر وقتِ زوال سے تاخیر کر کے پڑھی جائے ۔ واللہ اعلم ۔

ایک قدم انسان کے جسم کی درازی کا ساتواں حصہ ہوتا ہے ۔ کیونکہ ہر چیز کی لمبائی اس کے سات قدم ہوتی ہے ۔ اس اعتبار سے کہ ہر آدمی کا قد سات قدم ہوتا ہے ۔

بَابُ تَعْجِيْلِ الصَّلٰوةِ نماز جلدی ادا کرنے کی فضیلت کا باب

اس بارے میں آئمۂ کرام رحمہم اللہ کے مذاہب میں اختلاف ہے ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مطلقًا اور بلا تفصیل ہر نماز اول وقت میں ادا کی جائے گی ۔ اور جن احادیث میں تاکید و مبالغہ کے طور پر گرمیوں کی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم آیا ہے ۔ وہ ان کے نزدیک رخصت پر محمول ہیں ۔ پھر یہ رخصت بھی اس شخص کے لیے ہے ۔ جسے نماز یا جماعت کے لیے دور جانا پڑتا ہو ۔ اس آدمی کے لیے یہ رخصت نہیں جس نے اکیلے نماز پڑھنی ہو یا جس کے مکان کے دروازے پر مسجد ہو ۔ بعض شافعی حضرات ظہر ٹھنڈی کرنے کی تاویل وقت زوال گزرنے سے کرتے ہیں ۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مذہب کے قریب قریب ہے ۔ الا یہ کہ امام مالک علیہ الرحمۃ کے کچھ اصحاب علم شدت تپش کے وقت اکیلے نماز پڑھنے والے کے لیے تبرید (ظہر کو ٹھنڈا) کرنے کو افضل قرار دیتے ہیں ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے ۔ تاہم ان کے مذہب میں طالب جماعت کے لیے تبرید مستحب ۔ نماز عصر پہلے پڑھ لینا افضل ہے ۔ نماز مغرب کا ایک ہی وقت ہے اور اس میں بالاجماع شتابی کرنا مستحب ہے ۔ امام احمد کے نزدیک عشاء میں تاخیر ۔ اور امام مالک کے نزدیک جلدی کرنا مستحب ہے ۔ ہاں لوگوں کے جمع ہونے کے لیے تاخیر کر لیں تو حرج نہیں ۔ اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک ظہر کو ٹھنڈا کر کے فجر کو سفید اور عشاء کو دیر سے پڑھنا مستحب ہے اور عصر میں بھی اتنی تاخیر کرنا کہ سورج میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہو افضل ہے ۔ امام صاحب رحمۃ اللہ کے مذہب کے دلائل کی شرح متعلقہ احادیث کی شرح کے ضمن میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

واضح ہو کہ بعض شارحین کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ اگر کسی نے وقت مستحب کے نصف اول میں نماز ادا کر لی تو اس نے جلد اور شتاب ادا کرنے کے حکم کی تعمیل کر دی ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

٥٤٠/١ عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ دَخَلْتُ اَنَا وَاَبِیْ عَلٰی اَبِیْ بَرْزَةَ الْاَسْلَمِیِّ فَقَالَ لَهٗ اَبِیْ كَيْفَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّی الْمَكْتُوْبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّی الْهَجِيْرَ الَّتِیْ تَدْعُوْنَهَا الْاُوْلٰی حِيْنَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّی الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ اَحَدُنَا اِلٰی رَحْلِهٖ فِیْ اَقْصَی الْمَدِيْنَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيْتُ مَا قَالَ فِی الْمَغْرِبِ وَكَانَ يَسْتَحِبُّ اَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَآءَ الَّتِیْ تَدْعُوْنَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ حِيْنَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيْسَهٗ وَيَقْرَاُ بِالسِّتِّيْنَ اِلَی الْمِائَةِ وَفِیْ رِوَايَةٍ وَلَا يُبَالِیْ بِتَاْخِيْرِ الْعِشَآءِ اِلٰی ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيْثَ بَعْدَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت سیار[1] بن سلامہ[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اور میرا باپ دونوں حضرت ابوبرزہ[3] الاسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میرے باپ نے ان سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرض نمازوں کی ادائیگی کیسی تھی۔ آپ نے جواب دیا دوپہر کی نماز جسے تم لوگ پہلی[4] نماز کہتے ہو حضور علیہ السلام زوالِ آفتاب کے متصل بعد پڑھ[5] لیتے تھے۔ اور آپ عصر کی نماز پڑھتے تھے پھر مدینہ منورہ کے آخری کنارے[6] پر واقع گھر کو آنے والا اپنے گھر پہنچ آتا تھا اور ابھی سورج زندہ اور قائم ہوتا تھا[7] اس کا رنگ زرد نہیں پڑا ہوتا تھا) مغرب کے وقت کے متعلق جو انہوں نے بتلایا وہ میں بھول[8] گیا ہوں۔ اور آپ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) عشاء کی نماز کو جسے تم لوگ عتمہ[9] (تاریکی) کی نماز کہتے ہو، ایک تہائی رات تک موخر کرنے کو مستحب جانتے تھے۔ اور آپ عشاء سے قبل سونے اور عشاء کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ و ناپسند جانتے تھے[10]۔ اور آپ فجر کی نماز ادا کر کے جب لوٹتے تھے تو آدمی اپنے ساتھی کو شناخت کر لیتا[11] تھا۔ اور ساٹھ سے سو آیات تک اس میں تلاوت کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ آپ عشاء کو ایک تہائی حصہ رات تک دیر[12] کرنے میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ اور آپ عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد باتیں کرنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] سیار سین کی زبر اور یا کی شد کے ساتھ۔

[2] سلامہ سین اور لام کی زبر کے ساتھ۔ یہ حضرت سیار بن سلامہ رضی اللہ عنہ بصری ہیں اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔

؎۳ حضرت ابو برزہ صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

؎۴ اسے پہلی نماز کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہی نماز حضرت جبرئیل علیہ السلام کی امامت میں سب سے پہلے ادا کی گئی۔ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

؎۵ یعنی جب سورج پھسل پڑتا اور زوال پتہ یہ ہو جانا۔ اس وقت میں نماز ظہر ادا کرنا غیر گرمیوں میں ہوتا ہوگا۔ کیونکہ دوسری روایات میں واضح طور پہ آچکا ہے کہ آپ نے گرمیوں میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھی۔ اور ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیا۔

؎۶ یعنی جس کی رہائش شہر مدینہ طیبہ کے دور کنارے پہ ہوتی تھی۔

؎۷ یہ اس کی گرمی اور زردی اور تبدیلی سے پاک وصاف سے کنایہ ہے۔ شافعی حضرات کہتے ہیں کہ یہ وقت شے کا سایہ دو مثل ہونے سے پہلے ہوتا ہے۔ مگر ان کے اس قول میں بحث و تردد ہے۔

؎۸ یعنی حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے نماز مغرب کے وقت کے متعلق جو کہا وہ مجھے بھول گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ نے مغرب کے وقت کے متعلق کچھ بھی نہ کہا ہو۔ کیونکہ اس نماز کے وقت میں کوئی اختلاف نہیں۔

؎۹ عتمہ عین کی زبر اور دو نکتوں والی تا کے ساتھ۔ یہ شفق کے غائب ہونے کے بعد رات کے ایک تہائی حصے کا نام ہے۔ اصل لغت میں اس لفظ کا معنیٰ شب کی تاریکی ہے۔ یہ نماز عشاء کا وہ نام ہے جو دیہاتی لوگوں نے رکھا ہوا تھا۔ بالآخر اس نام سے روک دیا گیا۔ اس سے ایک تہائی حصہ رات تک دیر کرنا مراد ہے۔

؎۱۰ مگر ضرورت کے تحت دونوں باتوں کی رخصت و اجازت ہے۔ مثلاً عشاء سے پہلے سونے سے اگر یہ غرض ہو کہ نماز عشاء کے لیے طبیعت ہلکی ہو جائے، سستی دور ہو جائے اور طبیعت ہشاش بشاش ہو جائے خصوصاً رمضان المبارک میں۔ اسی طرح بعد نماز عشاء کسی بارے میں گفتگو کرنا ضروری ہو لا یعنی گفتگو نہ ہو تو دونوں باتیں جائز و روا ہیں۔

؎۱۱ مقصد یہ کہ آپ تاریکی میں فجر کی نماز ادا کرتے تھے۔ فصل ثانی کے آخر میں آرہا ہے کہ آپ نے نماز فجر روشنی اور سفیدی میں ادا کرنے کا حکم دیا۔

؎۱۲ اگرچہ ان الفاظ سے نماز عشاء کو ایک تہائی حصہ رات تک دیر کر کے پڑھنا مباح معلوم ہوتا ہے۔ مگر یہ استحباب کے منافی نہیں ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے صراحتہً استحباب ثابت ہوتا ہے۔

؎۱۳ ان الفاظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ عشاء کے بعد کلام کرنا مکروہ ہو۔ کیونکہ جو چیز محبوب نہ ہو ضروری نہیں کہ مکروہ ہو۔ مگر جب کہ اسے محبوب نہ رکھنے سے اسے دشمن رکھنا مراد ہو۔

۵۴۱/۲ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ صَلٰوةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ[۲] وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ وَالْعِشَاءَ إِذَا أَكْثَرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوْا[۳] أَخَّرَ وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت محمد[۱] بن عمرو بن الحسن بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے اوقات کے بارے میں سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر دوپہر کو بعد زوال ادا کرتے تھے۔ اور عصر کی نماز جب کہ سورج زندہ[۲] اور قائم ہوتا تھا۔ اور مغرب کی نماز سورج غروب ہونے پر۔ اور عشاء کی نماز جب لوگ زیادہ جمع ہو جاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور جب لوگ کم ہوتے تو دیر سے پڑھتے[۳]۔ اور صبح کی نماز تاریکی[۴] میں پڑھتے۔

(بخاری و مسلم)

---

[۱] حضرت محمد رضی اللہ عنہ تابعی ہیں۔ کنیت ابو عبد اللہ ہے۔ ثقہ ہیں۔ حضرت ابن عباس و حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں ان سے روایت کردہ احادیث موجود ہیں۔

[۲] یعنی سورج ابھی روشن و تاباں ہوتا تھا۔ اور گذشتہ حدیث میں گزرا کہ نماز عصر پڑھنے کے بعد اتنا وقت ہوتا تھا کہ انتہائے شہر مدینہ میں رہنے والا اپنے گھر واپس آجاتا تھا اور ابھی سورج کی روشنی اور تابانی پوری طرح برقرار ہوتی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج کی زندگی اور اس کی روشنی و تابانی اول وقت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اس کی حد یہی ہے کہ اس کا رنگ زرد نہ ہو جائے۔ جیسا کہ حنفی مذہب ہے۔

[۳] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت کے لیے زیادہ نمازی اکٹھا کرنے کے ارادے سے اول وقت سے تاخیر جائز بلکہ مستحب ہے۔ علماء کرام نے کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم نے جو اول وقت میں نماز پڑھنے کا التزام نہیں کیا اس کی وجہ یہی ہے۔ اس وجہ سے ایسا نہیں کیا کہ اوّ قت بذاتہ افضل ہے۔ مگر بعض وجوہ کے تحت تاخیر کرنا اولیٰ اور پسندیدہ تر ہو جاتا ہے۔

[۴] ظاہر یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تاریکی میں فجر کی نماز اس بنا پر یہ رسی ی جماعت کثیر جمع ہو چکی ہوتی تھی۔ کیونکہ صحابہ کرام شب بیداری کے خوگر تھے۔ اور رات کو سوتے رہتے ہوتے تھے۔ اس کے برعکس عشاء کی نماز کے وقت دن کے کام کاج میں مصروف رہنے کے باعث کچھ ربکھرے ہوتے تھے۔ اس لیے عشاء کی نماز میں آپ ان کے جمع ہونے کا انتظار کرتے تھے واللہ اعلم۔

غَلَس دو زبروں کے ساتھ بمعنی تاریکیِ شب جس میں صبح کی سفیدی ملی ہوئی ہو۔ ایک روایت میں لام کے بجائے غَبَس با کے ساتھ بھی آیا ہے۔ ایک روایت میں غَبَش شین کے ساتھ آیا ہے۔ مگر تینوں کا ایک ہی معنیٰ ہے۔ بعض نے کہا غَبَش

شین کے ساتھ غبس سے ذرا پہلے وقت کو کہتے ہیں۔ اور غلس کا وقت غبس کے بعد ہوتا ہے۔ تاہم یہ تینوں اوقات آخر شب میں ہوتے ہیں۔ اور لفظ غبش شین کے ساتھ اول شب کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

واضح ہو کہ یہ حدیث اس امر میں نص نہیں کہ آپ ہمیشہ فجر کی نماز غلس میں پڑھتے تھے۔ اور اگر یہ اس مفہوم میں نص ہو تو دوسری احادیث میں فجر کو سفید کر کے پڑھنے کا حکم بھی آچکا ہے۔ اور ہمارے نزدیک قول، فعل سے راجح ہے۔ (کہ فعل میں تخصیص کا احتمال ہے)۔

۵۴۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ سَجَدْنَا عَلٰى ثِيَابِنَا اِتِّقَاءَ الْحَرِّ۔[2] مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْبُخَارِيِّ،

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ جب دوپہروں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے (ظہر کی) نماز پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے[1] کے لیے اپنے کپڑوں پر سجدہ کرتے تھے۔ بخاری و مسلم۔ اور یہ لفظ بخاری کے ہیں[2]۔

[1] تاکہ پیشانی نہ جلے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہوں ان پر سجدہ کرنا جائز ہے حضراتِ شافعیہ اس سے وہ کپڑا مراد لیتے ہیں جو پہنا ہوا نہ ہو۔ یعنی صحابہ کرام اکثر و بیشتر خاک پہ سجدہ کرتے تھے۔ اور جب کبھی زمین سخت گرم ہوتی تو سجدہ کی جگہ کوئی چیز بچھا لیتے تھے۔ حضراتِ شافعیہ رحمہم اللہ کے نزدیک اُس کپڑے پہ سجدہ کرنا ناجائز ہے جو نمازی کی جنبش سے جنبش کرتا ہو۔ جیسا کہ بیان سجدہ میں آرہا ہے۔

[2] ممکن ہے مولف (صاحب مشکوٰۃ) کا اس حدیث کو باب تعجیل الصلوٰۃ میں لانا اس خیال کے تحت ہو کہ اول وقت میں زمین زیادہ گرم ہوتی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کہ بعض اوقات غیر اول وقت میں بھی گرم بلکہ بہت گرم ہوتی ہے۔ جیسا کہ اگلی حدیث میں ہم بیان کریں گے۔

۵۴۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَاَبْرِدُوْا بِالصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ بِالظُّهْرِ فَاِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ وَاشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰى رَبِّهَا فَقَالَتْ رَبِّ اَكَلَ بَعْضِيْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِيْرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سخت گرمی ہو تو نماز ٹھنڈی کر کے پڑھو[1] اور بخاری شریف کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بالصلوٰۃ کی جگہ بالظہر کا لفظ آیا ہے[2] (نیز یہ الفاظ بھی آئے ہیں) کہ بیشک شدید تپش جہنم کے جوش میں آنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور آگ نے اپنے رب سے گلہ کیا[3] اور کہا اے میرے رب میرا بعض بعض کو کھا گیا ہے[4] تو اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس[5] لینے کی اجازت دی۔ ایک سانس سردی میں اور ایک سانس گرمی میں[6] سخت ترین

لِلْبُخَارِيِّ فَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ فَمِنْ سُمُوْمِهَا وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْبَرْدِ فَمِنْ زَمْهَرِيْرِهَا۔

گرمی اور سخت ترین سردی جو تم پاتے ہو۔ (یہ وہ دو سانس ہیں) بخاری و مسلم۔ اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ پس سخت ترین گرمی جو تم محسوس کرتے ہو یہ جہنم کے گرم سانس کا اثر ہے اور سخت ترین سردی جو تم لوگ محسوس کرتے ہو تو یہ اس کے سرد سانس کی وجہ سے ہے۔

لے یعنی نماز ظہر۔ اسے اول وقت سے اتنی تاخیر کر کے پڑھو کہ حرارت اور تپش کی تیزی ٹوٹ جائے۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے۔ کہ صحابہ کرام نماز ظہر اس حد تک دیر کر کے پڑھتے تھے کہ زمین پر پھیلے ہوئے ریت کے ٹیلوں کا سایہ زمین پر پڑتا تھا۔ زمین پر پھیلے ہوئے ٹیلوں کا سایہ زوال سے کافی دیر کے بعد زمین پر پڑتا ہے بخلاف ان چیزوں کے جو بلندی میں لمبی ہوں جیسے منارہ وغیرہ۔ کہ ان کا سایہ بہت جلد زمین پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سایے کی درازی پنج قدم تک آتی ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ صحابہ کرام دیواروں کے سایے کے نیچے نیچے نماز ظہر کے لیے مسجد میں آتے تھے۔ اس زمانے میں دیواروں کی بلندی سات گز ہوتی تھی۔ بعض نے زمیانہ وقت مراد لیا ہے۔ اور وقت استوا کی گرمی کی نسبت سے وقت زوال گزرتے کہ ظہر ٹھنڈی کرنے پر محمول کرنا جیسا کہ بعض شافعیہ نے کہا ہے، بعید سی بات ہے۔ اور خط استوا کی نسبت سے وقت زوال کو سرد تر وقت قرار دینا تجربہ اور واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ سبب کا دوام فعل اس کے محض درجہ قوت سے زیادہ موثر ہوتا ہے۔ چنانچہ موسم سرما میں صبح کے وقت سردی نصف رات کے وقت کی سردی سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ تجربے کی چیز ہے۔ اور جیسے جیسے سورج نزدیک آتا جاتا ہے سردی بڑھتی جاتی ہے۔ اور باب موافقت میں گزر چکا ہے کہ گرمی بہت سخت ہو جاتی ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ ان علاقوں میں شدید گرمی اس وقت ہوتی ہے جب شے کا سایہ ایک مثل ہو۔ اس کے مطابق ظہر کے ٹھنڈا کرنے کا مطلب ہو گا کہ اسے دوسری مثل میں ادا کیا جائے۔ الغرض بہت سی احادیث صحیحہ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کی تاکید میں وارد ہو چکی ہیں۔ اور حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو آیا ہے کہ ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوپہر کی گرمی کی شکایت کی۔ مگر آپ نے ہماری شکایت قبول نہ کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پورے وقت کی تاخیر چاہتے تھے۔ جسے آپ نے تسلیم نہ کیا۔ واللہ اعلم۔

اور امام شافعی رحمہ اللہ جو فرماتے ہیں کہ ابراد ظہر ایک رخصت ہے وہ بھی ان لوگوں کے لیے جو نمازِ باجماعت کی تلاش میں کئی مسجدوں میں پھریں اور مشقت اٹھائیں۔ جو شخص اکیلا نماز پڑھے۔ یا اپنے محلے کی مسجد میں پڑھے۔ اس کے لیے میں پسند کرتا ہوں کہ اول وقت سے تاخیر نہ کرے۔ تو ان کا یہ بیان اس حدیث کے ظاہر کے خلاف ہے۔ امام ترمذی ایک حدیث لائے ہیں جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ حالانکہ اس وقت سب لوگ ایک منزل میں جمع ہوتے تھے۔ امام ترمذی نے کہا ہے جو لوگ شدتِ تپش و گرمی میں ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کے قائل

ہیں ان کا قول اتباع و پیروی کے زیادہ لائق و اشبہ ہے۔

۲ اور بخاری کی ایک روایت میں جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ لفظ بالصلوٰۃ کی بجائے بالظہر کا لفظ آیا ہے۔ اور بخاری کی اس روایت میں اس حکم کے بیانِ علت کے طور پر فان شدۃ الحر الی آخرہ کے الفاظ بھی زیادہ آئے ہیں۔

۳ آگ نے یہ گلہ یا تو زبانِ حال سے کیا یا زبانِ قال سے قال پر حمل کرنا اولی، ارجح اور ظاہر تر ہے۔ امام نووی نے کہ زبان قال مراد لینا ہی درست اور صواب ہے کہ خدا تعالیٰ اس پر قدرت رکھتا ہے کہ آگ بلکہ ہر چیز میں قوت گویائی پیدا کر دے۔ اسے بعید خیال کرنا نفس فضول کی بات اور عادت میں گرفتاری کے سبب ہے۔

۴ یعنی میرے اپنے اجزاء ایک دوسرے کو کھا گئے ہیں۔ یہ ان کے اختلاط و ہجوم سے کنایہ ہے۔ گویا ہر جزو چاہتا ہے کہ دوسرے کو فنا کر دے۔ اور اس کی جگہ خود لے لے۔

۵ سانس لینے سے اس کا شعلہ مارنا اور باہر نکلنا مراد ہے۔ جس طرح حیوان سانس باہر نکالتا ہے۔

۶ دونوں جگہ لفظ نفس پیش اور زیر دونوں طرح مروی ہے۔ اسی طرح لفظ اشدّ کا نیدرہ جملے میں مرفوع و مجرور دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۷ اس وقت میں نماز پڑھنے سے ممانعت میں حکمت باوجودیکہ اس میں مشقت زیادہ ہے، یہ ہے کہ ایسی حالت میں نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہو سکتا۔ یا یہ وقت عذاب کے پھیلنے کا وقت ہے۔ کہ دوزخ کا گرم ہونا اس کے عذاب کا وقت ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ ظاہر و اولیٰ ہے۔

یہاں تین باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک یہ کہ آگ کا شکایت کرنا اور اس سے سرد سانس باہر آنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کا مطلب جواب یہ ہے کہ آگ سے آگ کی جگہ مراد ہے۔ جسے دوزخ کہتے ہیں۔ اور دوزخ میں طبقۂ زمہریر (سخت ٹھنڈی جگہ) بھی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ حقیقت درجۂ یقین کو پہنچ چکی ہے کہ گرمی و سردی اجرام علویہ کے اثر سے ہوتی ہے۔ تو اسے دوزخ کی سانس کا اثر قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں شدت گرمی و سردی کو دوزخ کے سانس کا اثر کہا گیا ہے۔ نفسِ گرمی و سردی کو اس کا اثر قرار نہیں دیا گیا۔ اور اگر فلسفی الذہن شخص یہ کہے کہ سخت گرمی و سردی بھی سورج کے قریب اور دور ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ دوزخ کی سانس سے اس میں اور شدت آجاتی ہو۔ مخبر صادق علیہ السلام کی خبر کے باوجود اس کا انکار طریقۂ اسلام سے خارج ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس حدیث کے تقاضا کے مطابق چاہیئے کہ شدید سردی کے دنوں میں بھی ظہر کی نماز تاخیر کر کے پڑھی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سخت سردی صبح کے وقت سورج طلوع ہونے تک ہوتی ہے۔ اگر اس میں تاخیر کی جائے تو وقت ہی گزر جائے گا۔

۵۴۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ اِلَى الْعَوَالِيْ فَيَاْتِيْهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ وَبَعْضُ الْعَوَالِيْ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى اَرْبَعَةِ اَمْيَالٍ اَوْ نَحْوِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھتے تھے حالانکہ ابھی سورج بلند اور زندہ ہوتا تھا۔ اور نماز سے فارغ ہو کر عوالی مدینہ کو جانے والا عوالی[1] میں پہنچ جاتا تھا اور ابھی سورج بلندی[2] پر ہوتا تھا۔ حالانکہ عوالی کے بعض حصے مدینہ منورہ سے چار میل یا اس کی مانند فاصلہ[3] پر واقع ہیں۔

(بخاری و مسلم)

[1] عوالی، مدینہ منورہ کے اطراف میں وہ بلند جگہیں ہیں جو مسجد قبا اور مسجد بنی قریظہ وغیرہ کی جانب واقع ہیں۔

[2] یعنی حالانکہ ابھی تک سورج بلند اور افق پہ ہوتا تھا۔ اور غروب نہیں ہوا ہوتا تھا۔

[3] یہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ جو حضرات انس سے اس حدیث کے راوی ہیں۔ ان الفاظ سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ جانے والا چار میل کے فاصلے کی طرف جاتا تھا یا اس سے کم فاصلے کی جگہ تک۔ پھر تیز رفتار سے یا آہستہ رفتار سے جاتا تھا۔ نیز وہ سواری پہ ہوتا تھا یا پیدل۔ بہر تقدیر اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا اور ثابت نہیں ہوتا کہ دن کا چوتھا حصہ گزرنے اور سایہ ایک مثل گزرنے پر نماز عصر پڑھ لی جائے جیسا کہ دوسرے آئمہ کہتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۴۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ منافق[1] کی نماز ہے کہ وہ بیٹھ کر سورج کی انتظار میں رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا[2] ہے تو نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ اور جس طرح مرغ دانہ چگتا ہے اس طرح جلدی جلدی چار سجدے[3] کرتا ہے۔ اس میں اللہ کا ذکر نہیں کرتا مگر تھوڑا[4] سا۔ (مسلم شریف)

---

[1] یعنی وہ نماز عصر جو آخر وقت میں غروب آفتاب سے قبل دانستہ بے عذر اتنی دیر کر کے پڑھی جائے، منافق کی نماز ہے۔ یا اس کی نماز ہے جس میں منافق کی صفت و عادت ہو۔

[2] اس جملے کی شرح گزشتہ باب میں گزر چکی ہے۔

[3] یعنی وہ بے طمانیت و تعدیل کے شتاب شتاب سجدہ کرتا ہے جس طرح مرغ دانہ چنتا ہے۔ اور باوجودیکہ نماز عصر میں آٹھ سجدے ہیں ہر دو سجدوں کو یک رکن یا ارادۂ جنس یا یک رکعت کا اعتبار کرتے ہوئے چار سجدہ کہہ دیا۔

یا اس اعتبار سے چار سجدے کہا کہ جب اس نے سجدے سے سر صحیح اور مسنون طریقہ سے اوپر نہ اٹھایا تو ہر دو سجدے گویا ایک ہی سجدہ ہوا۔ سستی اور کوتاہی کے بیان کے لیے نماز عصر کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ وقت خرید و فروخت میں مصروفیت کا وقت ہے۔ یا اس نماز کی خصوصی فضیلت کے پیش نظر اس میں غفلت و کوتاہی کرنے والے کی خوب مذمت و ڈانٹ میں مبالغہ کے لیے اس نماز کا ذکر کیا۔ ظاہر بات ہے کہ دوسری نمازوں کی حالت بھی اس نماز پر قیاس کرنی چاہیئے۔

۵ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ منافق نماز کے ظاہری ارکان کی ادائیگی میں بھی سستی اور کوتاہی کرتا ہے۔ اور اس کا باطن بھی خشوع سے خالی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں منافقین کی شان میں وارد ہوا ہے۔ ولا یذکرون اللہ الا قلیلا۔ کہ وہ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں۔

۵۴۶ ۷ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِيْ تَفُوْتُهُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ فَكَاَنَّمَا وُتِرَ اَهْلُهٗ وَمَالُهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جس کی نماز عصر فوت ہو جاتی ہے۔ گویا اس کا اہل و مال سب کچھ تباہ و برباد[1] ہو گیا۔

(بخاری و مسلم)

لہ یہاں عربی الفاظ اہلہ و مالہ میں لام پہ پیش اور زبر دونوں روایتیں ہیں۔ پیش کی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا۔ اس کے اہل خانہ اور اس کا مال کا نقصان ہو گیا۔ زبر کی صورت میں معنیٰ ہوگا وہ شخص اپنے اہل و مال میں نقصان و مصیبت میں ڈال دیا گیا۔ یہ دوسرا معنی لفظ وُتِرَ کے اصل معنیٰ کے زیادہ مناسب ہے اور جمہور کی روایت بھی یہی ہے۔ اس کا مفصل بیان شرح میں کر دیا گیا ہے۔

۵۴۷ ۸ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ نے فرمایا جس نے نمازِ عصر ترک کر دی اس کا عمل ضائع اور برباد[1] ہو گیا۔

(بخاری شریف)

لہ یعنی جس شخص نے دیدہ و دانستہ نمازِ عصر ترک کر دی تو اس کے اس دن کے پورے عمل کا ثواب باطل و نقصان زدہ ہو گیا۔ اس سے حقیقۃً بطلان و بربادی مراد نہیں کہ اس میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ نیک عمل حقیقۃً اس وقت باطل و ضائع ہوتا ہے جب کہ انسان کفر وارتداد اختیار کرے۔ یا کفر وارتداد پہ اس کی موت واقع ہو جائے۔ لہٰذا ان الفاظ سے تغلیظ و تشدید اور نقصانِ ثواب میں مبالغہ مقصود ہے۔ کہ اس نے اتنی افضل ترین نماز فوت کر دی۔ بعض روایات میں یہاں مطلق فرض نماز کا ذکر آیا ہے۔ ہاں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس پہ ہیں کہ دیدہ و دانستہ نماز

ترک کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ آخر کتاب الصلوٰۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

۵۲۸/۹ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ اَحَدُنَا وَاِنَّهٗ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت رافع بن خدیج[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھ کر جب واپس لوٹتے تو ہم میں سے کوئی آدمی بھی اپنے تیروں کے گرنے[۲] کی جگہ دیکھ سکتا تھا۔

(بخاری و مسلم)

[۱] خَدِیج بروزن کریم۔ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔ عمر میں چھوٹا ہونے کے باعث جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ جنگ احد، خندق اور دوسرے غزوات میں شریک ہوئے۔ ان سے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت احادیث روایت کرتی ہے۔

[۲] حالانکہ تیروں کے گرنے کی جگہ بسا اوقات کسی کو بھی نظر نہیں آتی۔ اس سے نماز مغرب جلدی پڑھنے کا بیان مقصود ہے۔ یہ نماز جلد پڑھ لینا بالاتفاق مستحب ہے۔

۵۲۹/۱۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانُوْا يُصَلُّوْنَ الْعَتَمَةَ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّغِيْبَ الشَّفَقُ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْاَوَّلِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے اور رات کے پہلے تہائی حصے کے درمیانی وقت میں پڑھتے تھے[۱]۔ (بخاری و مسلم)

[۱] یعنی آپ نماز عشاء شفق غائب ہونے کے بعد سے ایک تہائی رات تک کے درمیانی اجزاء میں ادا کرتے تھے۔ یہ افضل و پسندیدہ وقت ہے۔ یعنی آپ کے وقت عشاء کی ابتداء شفق غائب ہونے سے ہوتی تھی۔ اور انتہا ایک تہائی حصہ رات گزرنے پر۔ اور جواز کا وقت اس سے وسیع و کشادہ ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے۔

۵۳۰/۱۱ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوْطِهِنَّ مَا يُعْرَفْنَ مِنَ الْغَلَسِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز ادا فرماتے پھر عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی واپس لوٹتیں اور اندھیرے کی وجہ سے ان کی شناخت نہ ہوتی[۱] تھی۔

(بخاری و مسلم)

[۱] چادریں لپیٹنے اور چہروں کو چھپانے کی قید اس لیے ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا بلکہ ان کے بدن اور چہرے کھلے ہوئے ہوتے تو اس تاریکی میں ان کی شناخت ہو جاتی تھی۔ اور کبھی پردے کے باوجود بعض خصوصیات کے ذریعے شناخت ممکن ہوتی تھی۔

مگر اس قدر تاریکی موجود ہوتی تھی کہ عورتوں کی شناخت نہ ہوتی تھی۔ اور یہ حدیث حضرت ابوبرزہ رضی اللہ عنہ سے مروی گزشتہ حدیث کے اس مضمون کے منافی نہیں کہ مرد اپنے ساتھی کو پہچان لیتا تھا، کیونکہ مرد قریب ہوتے تھے اور عورتیں دور۔

۵۵۱/۱۴ وَعَنْ قَتَادَةَ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى قُلْنَا لِاَنَسٍ كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سُحُوْرِهِمَا وَدُخُوْلِهِمَا فِي الصَّلٰوةِ قَالَ قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِيْنَ اٰيَةً۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت قتادہ[لہ] سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ دونوں نے سحری کھائی۔ دونوں حضرات جب سحری کھانے سے فارغ ہوئے[۲ہ] تو اللہ کے نبی نماز کے لیے کھڑے[۳ہ] ہو گئے اور نماز ادا کی۔ ہم نے حضرت انس سے کہا دونوں حضرات کے سحری کھانے اور نماز شروع کرنے میں کتنا وقفہ تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اتنا وقفہ تھا جتنی مقدار میں آدمی پچاس آیتیں پڑھ لیتا ہے[۴ہ]۔

(بخاری شریف)

[لہ] حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور تابعی، حافظ و مفسر تھے۔ آنکھوں سے نابینا تھے۔ اپنے زمانے میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔ آپ نے کہا ہے جو کچھ میرے کانوں نے سنا دل نے اسے یاد کر لیا۔ ۱۱۷ھ میں فوت ہوئے۔ سعید بن المسیب اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ ان سے روایت کرتے ہیں۔

[۲ہ] سُحور سین کی پیش کے ساتھ۔ سحری کے وقت کھانا کھانا۔ سَحور زبر سے سحری کا کھانا۔ حدیث میں دونوں روایتوں کو ضبط کیا گیا ہے۔ محفوظ روایت سین کی زبر کی ہے۔

[۳ہ] ایک روایت میں فَصَلَّيَا تثنیہ کا صیغہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت زید بن ثابت دونوں نے نماز پڑھی۔ اور ایک روایت میں فَصَلَّيْنَا یعنی ہم سب نے نماز پڑھی کے الفاظ آئے ہیں۔

[۴ہ] مرد کے پچاس آیات پڑھنے کی مقدار وقفہ۔ یعنی متوسط آیات نہ لمبی نہ چھوٹی۔ اور لفظ قدر را کی پیش اور زبر دونوں طرح مروی ہے۔ ایک روایت میں پچاس یا ساٹھ آیات کا لفظ آیا ہے۔ یہاں سے جس طرح سحری میں تاخیر معلوم ہوتی ہے نماز فجر میں جلدی بھی مفہوم ہوتی ہے۔ علماء نے کہا ہے یہ ایک اندازہ اور تخمینہ ہے جس پر عامۃ الناس کے لیے عمل کرنا مشکل ہے۔ عامۃ الناس اگر اس سے بھی کچھ دیر کر کے سحری کھائیں تو زیادہ بہتر ہے۔

۵۵۲/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ اَنْتَ اِذَا كَانَتْ عَلَيْكَ اُمَرَاءُ[1] يُمِيْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اَوْ يُؤَخِّرُوْنَ عَنْ وَقْتِهَا قُلْتُ فَمَا تَاْمُرُنِیْ قَالَ صَلِّ الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَاِنْ اَدْرَكْتَهَا مَعَهُمْ فَصَلِّ فَاِنَّهَا لَكَ نَافِلَةٌ[2]۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تیرا کیا حال ہوگا۔ جب تجھ پر ایسے حاکم مسلط[1] ہوں گے۔ جو نمازیں خراب کرکے پڑھیں گے (یعنی آداب و شرائط کا لحاظ نہ رکھیں گے) افضل وقت سے نہیں دیر کرکے پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا ایسے وقت میں آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا تو نماز وقت پر پڑھ لینا۔ پھر اگر تجھے ان کے ساتھ بھی نماز مل جائے تو دوبارہ پڑھ لینا۔ یہ نماز تیرے لیے نفل ہوگی[2]۔ (مسلم شریف)

[1] جن کی مخالفت فتنہ پھیلنے کا موجب ہوگی۔

[2] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر حاکم وقت نماز مستحب وقت سے دیر کرکے پڑھے۔ خصوصاً اس قدر دیر کہ وقت مکروہ داخل ہو جائے تو بندے کو چاہیئے کہ اپنی نماز اول اور افضل وقت میں پڑھ لے۔ پھر امام و حاکم کے ساتھ دوبارہ پڑھ لے تاکہ فضیلت وقت و جماعت دونوں حاصل کرلے۔ تاہم یہ چیز فجر، عصر اور مغرب کی نمازوں کے علاوہ دوسری (ظہر و عشاء) نمازوں میں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فجر، عصر اور مغرب کی نمازیں نفل کی نیت سے ادا نہیں ہو سکتیں کہ ان کے بعد نفل مکروہ ہیں۔ اور تین رکعت نفل جائز ہی نہیں۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مکروہ امر کا اختیار کر لینا فتنہ پھیلنے اور اختلاف پیدا کرکے امت کے اتحاد میں رخنہ اندازی سے کم درجہ کی برائی ہے۔ کہ ظالم حکام کی مخالفت زیادہ نقصان کا باعث ہے۔

واضح ہو کہ شارحین نے کہا ہے کہ اس سے بنی امیہ کے امراء مراد ہیں۔ اور مخبر صادق علیہ السلام نے جو خبر دی تھی وہ من وعن واقع ہو کر رہی۔ یہ امراء ایسے ہی لوگ تھے جو نماز باجماعت اور نہ اس کے ارکان و احکام کی کچھ پرواہ نہ کرتے تھے۔ اور نہ اوقات نماز کا خیال رکھتے تھے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے خلافت عثمانی میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں آپ شام میں تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شام کے حاکم تھے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ان سے کئی دفعہ جھگڑے آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں شام سے مدینے بلا لیا۔ مگر آپ نے مدینہ منورہ میں بھی سکونت اختیار نہ کی بلکہ مدینہ سے باہر ایک جگہ موضع ربذہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہیں وفات پائی۔ یہاں آپ کا طویل قصہ مشہور ہے۔

۳۳/۱۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصُّبْحِ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الصُّبْحَ وَمَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ اَدْرَكَ الْعَصْرَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے طلوع آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی۔ اس نے صبح کی نماز پالی۔ اور جس نے غروب آفتاب سے پہلے ایک رکعت پالی۔ اس نے عصر کی نماز پالی[1]۔

(بخاری و مسلم)۔

[1] یعنی اس کی نماز باطل نہ ہوگی۔ اسے چاہیئے کہ ایک رکعت اور ساتھ ملائے اور اپنی نماز مکمل کرے۔ اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کہ طلوع و غروب آفتاب سے فجر اور عصر کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ مگر امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کا یہ مذہب ہے کہ فجر کی نماز کے درمیان اگر سورج نکل آیا تو یہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔ مگر نماز عصر کے دوران سورج غروب ہو جانے کی صورت میں یہ نماز باطل نہ ہوگی۔ ہاں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت ہے کہ نماز فجر بھی باطل نہیں ہوتی۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ درمیان نماز طلوع آفتاب کی صورت میں نمازی اتنی دیر صبر سے کام لے کہ سورج پوری طرح طلوع کر آئے۔ مگر یہ حدیث ان کے اس قول کے خلاف حجت ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث اور ان احادیث کے درمیان تعارض واقع ہوتا ہے جو طلوع و غروب کے وقت نماز ادا کرنے سے ممانعت میں وارد ہیں۔ چاہے یہ نماز فرض ہو یا نفل (تو قاعدہ فقہ کے مطابق) احناف نے یہاں قیاس پر عمل کیا ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ جب دو آیتوں میں تعارض لازم آئے تو حدیث کی جانب رجوع کیا جائے گا۔ اور جب احادیث میں تعارض واقع ہو تو قیاس کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور قیاس اس حدیث میں نماز عصر کو ترجیح دیتا ہے۔ اور فجر کی نماز میں ممانعت اور نہی کی احادیث کو ترجیح دیتا ہے۔ وجہ ترجیح یہ ہے کہ نماز فجر کا سارا وقت کامل ہے۔ اس میں آخر جزء فجر تک کوئی نقص و کراہت نہیں۔ لہٰذا فجر کی نماز صفت کمال کے ساتھ لازم و فرض ہوئی۔ جب دورانِ نماز سورج نکل آیا تو جس صفتِ کمال کے ساتھ یہ نماز فرض ہوئی تھی اس طرح ادا نہ ہوئی۔ مگر نماز عصر جو آخر وقت میں سورج کے زرد ہو جانے پر ادا کی جاتی ہے۔ اس کے وجوب میں بھی نقص آ جاتا ہے۔ لہٰذا سورج کے غروب سے مزید نقصان جو لاحق ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے فاسد و باطل نہیں ہوتی۔ اور جس صفت نقصان سے لازم ہوتی تھی اسی حالت نقصان میں ادا ہوئی۔

شافعی حضرات نہی کی احادیث کو نوافل کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ فرض نمازوں کی ادائیگی تینوں اوقات (وقتِ زوال، طلوع اور غروب آفتاب) میں جائز قرار دیتے ہیں۔ مگر اس بارے میں وارد احادیث کا ظاہر مفہوم عموم پر دلالت کرتا ہے۔ اور ان میں نوافل کی تخصیص کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس مقام سے متعلق زیادہ گفتگو حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

۵۵۴/۱۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَدْرَكَ اَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِّنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ قَبْلَ اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلٰوتَهٗ وَاِذَا اَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلٰوتَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی شخص نے غروب آفتاب سے پہلے نماز عصر کا ایک سجدہ پالیا تو اسے چاہیئے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔ اور جب اس نے طلوع آفتاب سے پہلے نماز فجر کا ایک سجدہ پالیا تو اسے چاہیئے کہ اپنی نماز مکمل کرے۔

(بخاری)

سلہ اس حدیث کا مضمون بعینہ حدیث سابق کا مضمون ہے۔ (اور اس کی شرح گزر چکی ہے) اور اس حدیث میں سجدے سے رکعت مراد ہے۔

۵ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَسِيَ صَلٰوةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَكَفَّارَتُهَا اَنْ يُّصَلِّيَهَا اِذَا ذَكَرَهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ لَا كَفَّارَةَ لَهَا اِلَّا ذَالِكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی نماز پڑھنا بھول گیا یا سو گیا تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے تو وہ نماز پڑھ لے[1] اور ایک روایت میں ہے کہ اس کوتاہی کا کفارہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(بخاری و مسلم)

سلہ یہاں بیداری کا ذکر الگ اس لیے نہ کیا کہ نماز کا یاد آنا بیداری کو لازم ہے (یعنی بیدار ہو کر ہی اسے یاد آئے گا کہ میری نماز رہ گئی ہے۔ مترجم)۔ اور اسی وقت نماز ادا کرے گا جب کہ بیدار ہو کر اسے پتہ چلے گا کہ میری نماز رہ گئی ہے۔

سلہ۲ یعنی اس ترک نماز کا کفارہ یہی ہے کہ اسے قضا پڑھ لے۔ اس کے لیے کوئی مالی صدقہ مقرر نہیں ہے۔ جیسا کہ روزے میں فدیہ ادا کرنا روزے کا فدیہ ہے۔

۵۵۶/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ فِي النَّوْمِ تَفْرِيْطٌ اِنَّمَا التَّفْرِيْطُ فِي الْيَقْظَةِ فَاِذَا نَسِيَ اَحَدُكُمْ صَلٰوةً اَوْ نَامَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ۔

حضرت ابو قتادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیند میں کوئی کوتاہی نہیں[1] نماز سے کوتاہی کا ارتکاب بیداری کی حالت میں متصور ہوتا ہے[2]۔ تو جب تم میں سے کوئی آدمی نماز پڑھنا بھول جائے! پڑھے بغیر سو جائے تو جب اسے یاد آئے پڑھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ قائم کر

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نماز جب تجھے میری یاد[4] آئے۔ (مسلم)

[1] ابو قتادہ بن النعمان انصاری مشہور صحابی ہیں۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ فضلاءِ صحابہ میں سے ہیں۔ ماں کی طرف سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔

[2] کیونکہ نیند کی حالت میں انسان مکلف نہیں ہوتا۔

[3] کوتاہی کا ارتکاب حالت بیداری سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ نماز ادا کرنے سے پہلے ہی اس نے اپنے اوپر نیند کا غلبہ کیوں ہونے دیا۔ اور ایسا کام کیوں کیا جو نیند کا موجب بنا۔ یا نماز بھلا دینے کا باعث ہوا۔ جیسے نماز ادا کیے بغیر لیٹ جانا۔ یا شطرنج وغیرہ کھیلنا، یا ایسے کام میں مشغول ہو جانا جو عادۃً نماز سے نسیان کا سبب بنتا ہو۔

[4] کہ نماز میری یاد کا سبب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۵۷/۱۸ عَنْ عَلِیٍّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَلِیُّ ثَلٰثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا اَلصَّلٰوةُ اِذَا اٰنَتْ وَ الْجَنَازَةُ اِذَا حَضَرَتْ وَالْاَیِّمُ اِذَا وَجَدْتَ لَهَا كُفُوًا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان میں دیر نہ کرنا۔ نماز، جب کہ اس کا وقت[1] ہو جائے۔ اور جنازہ[2] جب کہ حاضر ہو جائے۔ بالغہ عورت[3] کا نکاح جب کہ تجھے اس کا کفو مل جائے۔ (ترمذی)

[1] اٰنَتْ۔ دو تا کے ساتھ صیغہ واحدہ مؤنثہ غائبہ۔ ایک روایت میں آنَتْ نون اور الف کی مد اور تا کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بعض نے کہا یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ اور پہلی روایت کتابت کی غلطی ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اگر مکروہ وقت نہ ہو۔ تین اوقات مکروہ میں نماز جنازہ ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام سغناقی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں۔ نماز جنازہ میں افضل یہ ہے کہ ان اوقات میں بھی نماز جنازہ ادا کرلے تاخیر نہ کرے۔

[3] ایّم یعنی بے شوہر عورت کے لیے جب تجھے کفو مل جائے تو فوراً اس کا نکاح کر دے۔ اَیِّم الف کی زبر یا پر زیر اور تشدد۔ وہ عورت جس کا خاوند نہ ہو۔ چاہے کنواری ہو یا کنواری نہ ہو۔

۵۵۸/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْوَقْتُ الْاَوَّلُ مِنَ الصَّلٰوةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ وَ الْوَقْتُ الْاٰخِرُ عَفْوُ اللّٰهِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کا اول وقت اللہ کی رضا[1] کا موجب ہے۔ اور آخر وقت[2] میں نماز ادا کرنا اللہ سے معافی مل جانے کا ذریعہ ہے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) (ترمذی شریف)

۱؎ یعنی اول وقت میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا سبب ہے ماسوائے ان نمازوں کے جن میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ جیسے ظہر کو ٹھنڈا کرنا اور فجر سفیدی میں ادا کرنا۔ اور ماسوائے اس جگہ کے جہاں تاخیر کرنے میں نماز کی تکمیل ہوتی ہو اور پورا ثواب ملتا ہو۔ جیسے جماعت میں شامل ہونے کے لیے تاخیر کرنا۔

۲؎ آخر وقت میں نماز ادا کرنا اللہ تعالیٰ سے معافی اور درگزر کا ذریعہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نمازی کی گرفت نہ کرے گا۔ یا اسے بری الذمہ قرار دیدے گا۔ اول وقت کے بارے میں آئمہ کرام کے مذاہب کی تفصیل باب اول میں معلوم ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ اول وقت کے نصف اول میں نماز ادا کرنا اس میں کفایت کر جاتا ہے۔

٥٥٩/۲۰ وَعَنْ اُمِّ فَرْوَةَ قَالَتْ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَفْضَلُ قَالَ الصَّلٰوةُ لِاَوَّلِ وَقْتِهَا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ لَا یُرْوَی الْحَدِیْثُ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ الْعُمَرِیِّ وَهُوَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِیْثِ۔

حضرت ام فروہ ۱؎ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل عمل کونسا ہے۔ آپ نے فرمایا نماز کو اس کے اول وقت میں ادا کرنا ۲؎ اسے احمد، ترمذی اور ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث روایت نہیں کی جاتی مگر عبد اللہ بن عمر العمری ۳؎ کی حدیث سے۔ اور وہ علماءِ حدیث کے نزدیک قوی راوی نہیں ۴؎ ہے۔

۱؎ فروۃ فا کی زبر اور را کی جزم کے ساتھ آپ انصاری صحابیہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ حضرت ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔

۲؎ ایک تو نماز ایمان کے بعد بذاتِ خود افضل ترین عمل ہے۔ پھر اول وقت میں باجماعت ادا کرنے سے اس میں اور زیادہ فضیلت آجاتی ہے۔ اور اس میں دیر کرنا مستحب نہیں ہے۔ بعض دوسری احادیث میں دوسرے اعمال کو بھی افضل کہا گیا ہے وہاں اضافی افضلیت مراد ہے۔ اور نماز علی الاطلاق سب سے افضل ترین عمل ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزرا۔

۳؎ یعنی اگر عبد اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کی حدیث سے اور اسی نسبت کی وجہ سے ان کو عمری کہا جاتا ہے۔ آپ ۱۷۱ھ ہجری میں فوت ہوئے۔

۴؎ یعنی یہ عبد اللہ نہایت عبادت گزار اور متامن انسان تھے۔ مگر علماءِ حدیث کے نزدیک حفظ و ضبط میں مضبوط اور قوی نہ تھے۔ غلبہ زہد و عبادت ان کے لیے حفظ و ضبط حدیث سے مانع بن گیا۔ ان کا ایک بھائی تھا عبید اللہ بن عمر (عُبَید بصیغہ تصغیر) یہ بزرگ حدیث میں ثقہ ثبت تھا۔ اور احمد بن صالح اس کو امام مالک پر فوقیت دیتے تھے۔ عمری کہلانے

والے بہت سے لوگ ہوئے ہیں۔ "عالم مدینہ" کی تحقیق میں، اس بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ اور شرح عربی میں اس پر مکمل بحث کر دی گئی ہے۔

۵۹۰/۲۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةً لِوَقْتِهَا الْاٰخِرِ مَرَّتَيْنِ حَتّٰی قَبَضَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں دو مرتبہ بھی کوئی نماز آخر وقت میں نہیں پڑھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح پاک کو قبض کر لیا۔[1]

(ترمذی شریف)

[1] یعنی اگرچہ ایسا ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت میں نماز ادا کی ہے۔ مگر ایسا واقعہ ایک بار سے زیادہ نہیں ہوا۔ اور یہ اس وقت ہوا جب ایک سائل اوقات نماز دریافت کرنے آیا تو آپ نے ہر نماز دوسرے دن آخر وقت میں ادا کی۔ اور آپ نے ایسا تعلیم کے لیے کیا۔ یہاں امامت جبرئیل کی حدیث خارج از بحث ہے۔ کہ اس حدیث میں امت کے ساتھ آخر وقت میں نماز ادا کرنا مراد و مقصود ہے۔ اور ایک روایت میں الامتین کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس صورت میں امامت جبرئیل بھی اس میں شامل ہوگی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں تعلیم و تعلم کی نیت کے بغیر آخر وقت میں نماز ادا کرنا مراد ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حضور کے نکاح میں آنے کے بعد آپ کا حال بیان کرنا مقصود ہے۔ اور حضرت عائشہ اسے بیان کر رہی ہیں جو ان کے علم میں تھی۔ واللہ اعلم۔

اور اس حدیث میں ایسے آخر وقت میں ادا کرنا مراد ہے۔ کہ اس کے بعد وقت باقی نہ رہا تھا۔ تاہم حقیقی اول وقت سے آپ نے کئی دفعہ نماز موخر کر کے ادا کی ہے۔ جیسا کہ ہم نے شرح میں بیان کیا ہے۔ شافعی المسلک حضرات ایسے تمام مواقع کو عذر و ضرورت پر محمول کرتے ہیں۔ اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث میں بھی کلام کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کا اسناد متصل نہیں ہے۔

۵۹۱/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ اَيُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اُمَّتِیْ بِخَيْرٍ اَوْ قَالَ عَلَی الْفِطْرَةِ مَا لَمْ يُؤَخِّرُوا الْمَغْرِبَ اِلٰی اَنْ تَشْتَبِكَ النُّجُوْمُ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنِ الْعَبَّاسِ۔

حضرت ابو ایوب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت ہمیشہ خیر و نیکی پر (اور ایک روایت میں بخیر کے بجائے علی الفطرۃ کا لفظ آیا ہے) رہے گی جب تک کہ وہ نماز مغرب کے ادا کرنے میں دیر نہ کریں گے یہاں تک کہ ستارے کثرت سے دکھائی[2] دینا شروع ہو جائیں۔

اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور دارمی نے عباس[3] سے روایت کیا۔

[1] حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ اکابر اور مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کچھ عرصہ تک آپ کے گھر کو اپنے نزول اجلال سے مشرف کیے رکھا۔

[2] یہاں تک کہ ستارے آپس میں رل مل جائیں۔ یہ کثرت سے ستارے دکھائی دینے سے کنایہ ہے۔

[3] ظاہر عبارت سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ مغرب میں اس قدر (کہ کثرت سے ستارے دکھائی دینے لگیں) تاخیر نہ کرنی چاہیئے اس سے کم وقت تک تاخیر میں حرج نہیں۔ یا یوں کہا جائے گا کہ کثرت سے ستاروں کا دکھائی دینا تاخیر مغرب کو لازم ہے اگرچہ بہت کم تاخیر ہی ہو۔ اس حدیث میں ایک حد تک اس جانب بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ شفق سے سفیدی مراد ہو۔ کیونکہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اشتباک نجوم (کثرت سے ستاروں کا دکھائی دینے) تک مغرب میں تاخیر جائز ہے۔ مگر یہ جواز مع الکراہتہ ہے۔ اور یہ حالت سرخی زائل ہونے کے بعد آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۶۲/۲۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِیْ لَاَمَرُهُمْ اَنْ يُّؤَخِّرُوا الْعِشَاءَ اِلٰى ثُلُثِ اللَّيْلِ اَوْ نِصْفِهٖ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں اپنی امت کے لیے مشقت محسوس نہ کرتا تو میں انہیں تہائی یا نصف[1] حصہ رات تک نماز عشاء موخر کرنے کا حکم دیتا۔

(احمد، ترمذی۔ ابن ماجہ)

---

[1] بعض شرحوں میں مذکور ہے کہ یہ راوی کا شک ہے۔ اور صحاح میں ان دونوں الفاظ میں سے کوئی بھی شک کی صورت میں واقع نہیں ہوا۔ اس حدیث کا ظاہر اول وقت سے تاخیر کا استحباب ثابت کرتا ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

۵۶۳/۲۴ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِمُوْا بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّكُمْ قَدْ فُضِّلْتُمْ بِهَا عَلٰى سَائِرِ الْاُمَمِ وَلَمْ تُصَلِّهَا اُمَّةٌ قَبْلَكُمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز عشاء کو تاریکی میں ادا کرو[1]۔ کہ بیشک تمہیں باقی تمام امتوں پر اس نماز کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے۔ اور تم سے پہلے یہ نماز کسی امت نے نہیں پڑھی[2]۔

(ابوداود)

---

[1] اور جب کہ یہ نماز تم تاریکی میں ادا کرو گے تو زیادہ مشقت اٹھانی پڑے گی اور جس قدر مشقت زیادہ ہو گی فضیلت بھی زیادہ ہو گی۔

[۲] یہ حدیث بھی نماز عشاء کو مؤخر کر کے پڑھنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور تاریکی شب کو شفق غائب ہونے کی تحقیق اور اس کے یقین پر محمول کرنا بعید بات ہے۔ جس طرح اسفارِ فجر کو طلوع صبح صادق کے یقین پر محمول کرنا بعید سی بات ہے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۵۴۴/۲۵ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اَنَا اَعْلَمُ بِوَقْتِ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ الْاٰخِرَةِ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهَا لِسُقُوْطِ الْقَمَرِ لِثَالِثَةٍ۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت النعمان[۱] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اس نماز عشاء، عشاءِ آخرہ[۲] کا وقت اچھی طرح جانتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز تیسری کا چاند غروب ہونے کے بعد[۳] پڑھا کرتے تھے۔

(ابوداؤد و ترمذی)

[۱] حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ چھوٹی عمر کے صحابہ میں سے ہیں۔ ہجرت کے بعد انصارِ مدینہ میں آپ پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ ۶۴ھ ہجری میں اہل حمص نے آپ کو مروان کے حکم سے قتل کیا۔

[۲] عشاء کو عشاءِ آخرہ اس لیے کہتے ہیں کہ بعض اوقات عشاء کا لفظ نمازِ مغرب کے لیے بھی استعمال کر دیتے ہیں۔ تو دونوں میں فرق و امتیاز کے لیے عشاء کو عشاءِ آخرہ کہتے ہیں۔

[۳] شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔ تیسری کا چاند اکثر و بیشتر شفق غائب ہونے کے نزدیک غروب ہوتا ہے۔ مگر حضرت شیخ موصوف کا یہ کلام محل نظر ہے کہ حساب کے مطابق تیسری کا چاند پانچواں حصہ رات گزرنے پر غروب ہوتا ہے۔ پس اس حدیث میں بھی عشاء کو دیر سے پڑھنے پر دلالت موجود ہے۔ لہٰذا تیسری رات کے چاند کے غروب سے جو نتیجہ انہوں نے اخذ کیا ہے، درست نہیں۔

۵۴۵/۲۶ وَعَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْفِرُوْا بِالْفَجْرِ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَلَيْسَ عِنْدَ النَّسَائِيِّ فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ۔

حضرت رافع[۱] بن خَدِیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز روشنی اور سفیدی میں پڑھو کہ وہ اجر و ثواب میں زیادہ ہے۔ اسے ترمذی، ابوداؤد اور دارمی نے روایت کیا۔ اور نسائی نے بھی اس حدیث کو روایت[۲] کیا مگر ان کے نزدیک یہ عبارت فَاِنَّهٗ اَعْظَمُ لِلْاَجْرِ نہیں ہے۔

---

[۱] آپ انصاری مدنی صحابی ہیں۔ چھوٹی عمر کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ مگر احد اور بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔

ے٥ واضح ہو کہ عبارت حدیث کے ظاہر سے متبادر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز سفیدی میں شروع کی جائے۔ اِسفارِ صبح کا معنیٰ ہے۔ صبح کا کھلنا، اس کا روشن ہونا اور اس کی سفیدی کا پھیل جانا۔ مذکورہ معنیٰ کے علاوہ اِسفار کے جو معنیٰ کیے گئے ہیں وہ تاویل و تکلف پر مبنی ہیں۔

اور اِسفار کی حد جیساکہ ہمارے مشائخِ مذہب سے منقول ہے، یہ ہے کہ اگر مسنون قرأت یعنی چالیس سے ساٹھ آیات یا سو تک ترتیل سے پڑھی جائیں اور نماز سے فراغت کے بعد بالفرض طہارت میں سہو ظاہر ہو جائے تو طلوع آفتاب سے پہلے وضو اور نماز کا اعادہ بطریقِ مسنون ہو جائے۔ (یعنی اتنا وقت سلام پھیرنے کے بعد باقی بچنا چاہیئے) علماء نے کہا ہے کہ سیدنا حضرت صدیق اکبر و سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما اسی وقت میں یہ نماز ادا کرتے تھے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ فجر تاریکی میں پڑھی جائے۔ امام موصوف یہ فرماتے ہیں کہ اِسفار سے صبح صادق کا یقین ہونا مراد ہے۔ اور یہ کہ طلوعِ فجر کے بارے میں محض ظن کی بنا پر جلد بازی نہ کی جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دخولِ وقت کا یقین ہونے پر نماز ادا کرنا بڑی اعظم اور افضل بات ہوگی۔ مگر امام شافعی علیہ الرحمۃ کی یہ تقریر محض تاویل ہے۔ کیونکہ حدیث سے بلا غور و تامل جو بات مفہوم ہوتی ہے یہ ہے کہ ثواب کا زیادہ اور اعظم ہونا اُس خصوصیت کی بنا پر ہے جو اِسفار میں ہے نہ کہ محض فجر کا وقت موجود ہو جانے کی وجہ سے۔ کہ یہ بات تو تمام نمازوں کے اوقات میں پائی جاتی ہے۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ فجر کو سفید کر کے پڑھنے کا حکم چاندنی راتوں میں ہے۔ اور یہ حکم احتیاط کی بنا پر ہے تاکہ ان راتوں میں فجر کا پوری طرح پتہ چل جائے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے آئمہ مذہب میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ نماز فجر کی ابتداء اندھیرے میں کرے اور اختتام سفیدی میں، قرأت دراز کر کے دونوں چیزوں (تاریکی اور سفیدی کو جمع کرے۔) علماء نے کہا ہے کہ امام طحاوی علیہ الرحمۃ کی یہ تاویل اَولیٰ، اَحسن اور اَفضل ہے کہ اس سے مختلف احادیث میں مُوافقت و مُطابقت ہو جاتی ہے۔ تاہم احناف رحمہم اللہ کا ظاہر مذہب یہی ہے کہ نماز فجر کی ابتداء و اختتام دونوں سفیدی میں کرے۔ مگر اتنی تاخیر نہ کرے کہ طلوع آفتاب کا شک ہونے لگے۔

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت یہ ہے کہ تاخیر نہ کرنا بلکہ اندھیرے میں پڑھنا افضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں فجر سفید کر کے پڑھنا افضل آیا ہے۔ اور ان سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ مقتدیوں کا اعتبار کیا جائے گا۔ کیونکہ جماعت کی فضیلت بہت محبوب اور افضل ہے۔

اور حضرت مُعاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یمن بھیجا اور فرمایا سردیوں میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھنا اور اس میں قرأت لمبی

کرنا جس قدر کہ لوگ برداشت کر سکیں۔ اتنی طویل قرأت نہ کرنا کہ لوگ بددل ہو جائیں۔ اور موسم گرما میں فجر سفید کر کے پڑھنا کہ رات چھوٹی ہوتی ہے۔ اور لوگ نیند میں ہوتے ہیں۔ اس لیے توقف کرنا تاکہ سب لوگ جماعت میں شامل ہو جائیں۔

علماء نے کہا ہے یہ بات بھی اس وقت کے ساتھ خاص ہے جب سب یا بعض لوگ حاضر ہو جائیں۔ اور اگر سارے نمازی تاخیر کریں تو پھر بلا اختلاف تاخیر کرنا بہتر ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ۔ اور دوسرے آئمہ جو فجر جلدی پڑھنے کے قائل ہیں، یہ کہتے ہیں کہ وقت داخل ہونے کے ساتھ ہی پڑھنے میں ادائے عبادت میں جلدی ہوتی ہے۔ اور حق افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ یعنی اپنے رب سے بخشش مانگنے میں جلدی کرو۔

احناف اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سفید کر کے پڑھنے میں نماز باجماعت کے لیے نمازی زیادہ ہو جائیں گے۔ اور جماعت میں زیادہ لوگوں کو شامل ہونا زیادہ فضیلت کی بات ہے۔ اور مغفرت کے لیے جلدی کرنا اُس کام میں افضل ہے جو خدا کے نزدیک افضل ہو۔

اس باب میں معنیٰ فقہی یہ ہے کہ آخر وقت تک فجر کو موخر کرنا بالاجماع اور بلا کراہت مباح ہے۔ اور اتنی سویرے پڑھنا کہ جماعت میں نمازی کم شامل ہوں مکروہ ہے۔ نیز لوگوں کو مشقت اور تکلیف میں ڈالنا بھی مکروہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مُعاذ کو زیادہ لمبی قرأت کرنے سے منع فرمایا اور فرمایا فَتَّانٌ اَنْتَ یعنی اے مُعاذ تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ باوجودیکہ نماز میں قرأت لمبی کرنا سنت ہے۔ اور اوّل وقت میں نماز ادا کرنے کے ساتھ یہ سنت بھی متحقق ہوتی ہے۔

پھر جائے نماز پر طلوع آفتاب تک بیٹھنا بھی مستحب ہے اور اس کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اور یہ چیز فجر سفید کر کے پڑھنے میں آسان ہے۔ اندھیرے میں پڑھنے میں مشکل ہے۔

ہمارے اصحاب (احناف رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں۔ کہ روایات سے ثابت یہ امر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سفیدی میں پڑھتے تھے۔ اور تاریکی میں پڑھنے کی روایت اگر ثابت ہو جائے تو شاید آپ نے ایسا سفری نماز وں میں کیا ہو۔ عذر سفر کے باعث۔ اسی لیے جب آپ نے مزدلفہ میں فجر کی نماز اندھیرے میں پڑھی تو لوگوں نے کہا آج آپ نے خلاف دستور وقت میں نماز ادا کی ہے۔ جیساکہ روایات میں آچکا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو فصل اول میں گزری یعنی فَتَنْصَرِفُ النِّسَاءُ مُتَلَفِّفَاتٍ کہ عورتیں چادروں میں لپٹی ہوئی نماز سے واپس لوٹتی تھیں، اس حدیث کے معارض ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول احناف کے نزدیک زیادہ راجح ہے۔ اور شاید یہ اس وقت کی بات ہے جب عورتوں کو نماز کے لیے باہر نکلنے کا حکم تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور انہیں گھروں میں ہی بیٹھنے

کا حکم دیا گیا۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

٥٦٦/٢٧ عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يُنْحَرُ الْجَزُوْرُ فَتُقْسَمُ عَشَرَ قِسَمٍ ثُمَّ تُطْبَخُ فَنَأْكُلُ لَحْمًا تَصِيحًا قَبْلَ مَغِيْبِ الشَّمْسِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تیسری فصل

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نمازِ عصر پڑھتے پھر ہم لوگ اونٹ ذبح کرتے پھر اسے دس حصوں میں تقسیم کیا جاتا پھر اسے پکایا جاتا پھر ہم لوگ غروبِ آفتاب سے پہلے اس کا بھنا ہوا نرم گوشت کھاتے تھے لہ

(بخاری و مسلم)

لہ اس حدیث سے بلاشبہ عصر کی نماز جلدی پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ یعنی ہر شے کا سایہ اس کی ایک مثل ہونے کے وقت یا اس سے قریب میں جیسا کہ آئمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام اعظم ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا مذہب ہے۔ اور بعض کے نزدیک فتویٰ بھی اسی پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تحقیق کے طور پر بعض اوقات ایسا کیا ہو۔ تاہم لفظ کان کی دلالت دوام و استمرار پر محل نظر میں ہے۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اونٹ ذبح کرنا پھر اسے دس حصوں میں تقسیم کرنا اور پکانا جیسا کہ اس حدیث میں مذکور ہوا، آسان کام ہے جب کہ پکانے والے ماہر اور بہت سے لوگ ہوں۔ ایسے لوگ تھوڑی مدت میں بہت سا کام کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ سفروں میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ غبار کے دن نمازِ عصر میں تاخیر کرنا افضل ہے۔ آخر وقت تک تاخیر کر سکتے ہیں۔ احناف کا مختار و ظاہر مذہب یہ ہے کہ آفتاب کی رنگت میں تبدیلی واقع ہونے سے پہلے تک تاخیر کرنا مستحب ہے۔ اس کی دلیل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ادا کرتے تھے جب کہ سورج سفید اور روشن ہوتا تھا۔ اس سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج کی رنگت میں تبدیلی واقع نہ ہونے کے وقت تک نمازِ عصر میں تاخیر کرتے تھے۔ پھر تاخیر عصر میں کثرت سے نوافل پڑھنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ کہ عصر کی نماز پڑھ لینے کے بعد نوافل پڑھنے منع ہیں۔ نوافل پڑھنے کا زیادہ موقعہ مل جانا نمازِ عصر کو اول وقت میں پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور رنگت کی تبدیلی سے بعض کے نزدیک سورج کی ٹکیہ کی تبدیلی مراد ہے۔ تبدیلی سے مراد یہ ہے کہ ٹکیہ کو دیکھنے سے آنکھیں نہ چندھیائیں۔ اور بعض کے نزدیک شعاعِ آفتاب (دھوپ) جو دیواروں پر پڑتی ہے، کی رنگت کی تبدیلی مراد ہے۔ صاحب ہدایہ اور بعض دوسرے آئمہ کے

نزدیک مختار و پسندیدہ قول ٹکیہ کی رنگت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب تک سورج ایک دو نیزہ بلند ہوتا ہے تو اس میں تبدیلی نہیں آتی۔ جب اس سے نیچے آگیا تو اس کا رنگ زرد ہو جاتا ہے۔

۵۶۷/۲۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ مَكَثْنَا ذَاتَ لَيْلَةٍ نَنْتَظِرُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِشَآءِ الْاٰخِرَةِ فَخَرَجَ حِيْنَ ذَهَبَ ثُلُثُ اللَّيْلِ اَوْ بَعْدَهٗ فَلَا نَدْرِىْ اَشَىْءٌ شَغَلَهٗ فِىْ اَهْلِهٖ اَوْ غَيْرُ ذٰلِكَ فَقَالَ حِيْنَ خَرَجَ اِنَّكُمْ لَتَنْتَظِرُوْنَ صَلٰوةً مَا يَنْتَظِرُهَا اَهْلُ دِيْنٍ غَيْرُكُمْ وَلَوْ لَا اَنْ يَّثْقُلَ عَلٰى اُمَّتِىْ لَصَلَّيْتُ بِهِمْ هٰذِهِ السَّاعَةَ ثُمَّ اَمَرَ الْمُؤَذِّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَلّٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات ہم لوگ عشاءِ[1] آخرہ کی نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتظار میں ٹھہرے رہے۔ آپ تیسرا حصہ رات گزرنے پر۔ یا اس سے کچھ دیر بعد ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم نہیں جانتے کہ آپ کو گھر میں کسی کام نے مشغول رکھا یا کوئی اور بات[2] تھی۔ جب آپ تشریف لائے تو فرمایا[3] تم لوگ ایک ایسی نماز کی انتظار میں رہے جس کا انتظار تمہارے سوا کسی اور دین والے نے نہیں کیا۔ اور اگر میری امت کے لیے بوجھ نہ ہوتا تو میں یہ نماز (روزانہ) اسی وقت (انتہائی حصہ رات گزرنے پر) پڑھتا۔ پھر آپ نے مؤذن کو حکم دیا تو اس نے اقامت کہی اور آپ نے نماز[4] پڑھی۔

(مسلم شریف)

[1] عشاء کے ساتھ آخرہ کا لفظ اس لیے آجاتا ہے کہ بعض لوگ نماز مغرب کو بھی عشاء کہہ دیتے ہیں تو نماز مغرب گویا عشاء اولیٰ ہے۔

[2] یعنی جب آپ نماز کے لیے باہر تشریف لائے تو زیادہ دیر ہو جانے کی بنا پر امت پر شفقت و رحمت اور ان کی تسلی و تسکین کے لیے بطور معذرت اگلے الفاظ ارشاد فرمائے۔

[3] یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اہل دین میں سے کوئی بھی تمہارے سوا اس نماز کی انتظار نہیں کرتا۔ کیونکہ نماز عشاء اسی امت مرحومہ کے ساتھ خاص ہے۔ جیساکہ مذکور ہوا۔

[4] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازِ عشاءِ کو نہائی حصہ گزرنے پر ادا کرنا افضل ہے۔ جیساکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاء اول وقت میں بھی ادا کر لیتے جب اکثر صحابۂ کرام مسجد میں آجاتے۔ چنانچہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب اکثر نمازی آجاتے تو آپ یہ نماز پہلے وقت میں ادا کر لیتے۔ اور جب دیر سے آتے تو دیر سے ادا فرماتے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے۔

۵۴۸/۲۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصَّلٰوتِ نَحْوًا مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَكَانَ يُؤَخِّرُ الْعَتَمَةَ بَعْدَ صَلٰوتِكُمْ وَكَانَ يُخَفِّفُ الصَّلٰوةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[۱] بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نمازیں تمہاری نمازوں کی طرح[۲] ادا فرماتے اور تاریکی کی نماز (عشاء) تمہاری نماز عشاء کے وقت کے بعد[۳] ادا فرماتے۔ اور آپ ہلکی[۴] نماز ادا کرتے۔

(مسلم شریف)

[۱] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔ آپ کا باپ بھی صحابی ہے۔ آپ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کے بیٹے ہیں۔ آپ کوفہ میں سکونت پذیر ہوئے اور وہیں سنہ ۶۴ھ اور ایک قول کے مطابق سنہ ۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

[۲] اور رعایت اوقات میں تمہاری نمازوں کے قریب وقت میں ادا فرماتے۔ مگر باقی خصوصیات و صفات میں آپ کی نماز تمہاری نماز کی طرح نہ تھی۔ (بلکہ بہت افضل و اعلیٰ ہوتی تھی)۔

[۳] یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ آپ عشاء کی نماز تاخیر کر کے پڑھتے تھے۔ اول وقت میں ادا نہ کرتے تھے۔ خواہ دوسرے لوگ (امت) اول وقت میں ادا کریں یا اس کے بعد۔

[۴] یعنی کمزور مقتدیوں کا لحاظ کرتے ہوئے۔ آپ یہ لحاظ و رعایت اکثر و غالب اوقات میں فرماتے تھے۔ ورنہ یہ بھی حدیث میں آیا ہے۔ کہ آپ نے نماز مغرب میں سورہ اعراف پڑھی ہے۔ اس کی تحقیق اِن شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام میں آئے گی۔

۵۴۹/۳۰ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ صَلَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعَتَمَةِ فَلَمْ يَخْرُجْ حَتّٰى مَضٰى نَحْوٌ مِّنْ شَطْرِ اللَّيْلِ فَقَالَ خُذُوْا مَقَاعِدَكُمْ فَاَخَذْنَا مَقَاعِدَنَا فَقَالَ اِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا وَاَخَذُوْا مَضَاجِعَهُمْ وَاِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا فِيْ صَلٰوةٍ مَّا انْتَظَرْتُمُ الصَّلٰوةَ وَلَوْلَا ضُعْفُ الضَّعِيْفِ وَسَقَمُ السَّقِيْمِ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی راتیں عشاء کی نماز ادا کی۔ آپ (ایک دن) باہر تشریف نہ لائے یہاں تک کہ قریباً نصف رات گزر گئی۔ پھر آپ (باہر تشریف لائے) اور فرمایا۔ اپنی جگہوں کو اختیار کرو۔ یعنی نماز کے لیے صفیں درست کرو۔ ہم اپنی نشستگاہوں پر قائم ہو گئے اور ہم نے صفیں باندھ لیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (روئے زمین کے باقی لوگ) نماز عشاء ادا کر کے اپنے بستروں پر جا چکے ہیں[۱]۔ (سو گئے ہیں) اور تم لوگ جب تک کہ نماز کی انتظار

لَاَخَّرْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اِلٰى شَطْرِ اللَّيْلِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَآئِیُّ)

میں رہے ہو نماز ادا کرنے کا ثواب ہی حاصل کرتے رہے ہو۔ اگر کمزوروں کی کمزوری اور بیماروں کی بیماری نہ ہوتی تو میں اس نماز کو نصف رات تک مؤخر کرتا[۲]۔

(احمد و ابوداؤد و نسائی)

[۱] جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔ کہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی بھی دوسرے دین والا اس نماز عشاء کی انتظار نہیں کرتا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی شرح میں ایسا ہی ہے۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے کہ ان الفاظ کا معنیٰ ہے دوسرے محلوں والے لوگ جو اس مسجد سے متعلق نہیں، نماز عشاء ادا کر کے سو گئے ہیں۔ یہ معنیٰ اس اگلے قول مبارک وَاِنَّكُمْ لَنْ تَزَالُوْا اِلٰى اٰخِرِهٖ کے زیادہ مناسب ہے۔

[۲] ان دو احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نصف رات تک نمازِ عشاء کو مؤخر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے کیونکہ اتنی دیر کر کے یہ نماز ادا کرنے میں بڑی مشقت و محنت ہے۔ بہرحال اتنی دیر تک تاخیر کرنا بالکل مکروہ نہیں ہے۔

٥٦٠/٣١ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدَّ تَعْجِيْلًا لِّلظُّهْرِ مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ اَشَدُّ تَعْجِيْلًا لِّلْعَصْرِ مِنْهُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر جلد[۱] ادا کرنے میں تم سے سخت تر تھے۔ مگر تم لوگ نمازِ عصر ادا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سخت ہو[۲]۔

(احمد و ترمذی)

[۱] یعنی سخت گرمی کے علاوہ دوسرے دنوں میں۔ کیونکہ سخت گرمی کے دنوں میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا مستحب ہے۔

[۲] اس کلام سے مقصود تمام باتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے التزام کی ترغیب و تحریض ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عصر کچھ نہ کچھ دیر کر کے پڑھتے تھے۔

٥٦١/٣٢ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا كَانَ الْبَرْدُ عَجَّلَ۔

(رَوَاهُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گرمی کے دن ہوتے ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھتے۔ اور جب سردی کے دن ہوتے تو جلدی پڑھ لیتے۔

(نسائی شریف)

٥٦٢/٣٣ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبادہ بن الصامت[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اِنَّهَا سَتَكُوْنُ عَلَيْكُمْ بَعْدِيْ اُمَرَآءُ يَشْغَلُهُمْ اَشْيَآءُ عَنِ الصَّلٰوةِ لِوَقْتِهَا فَصَلُّوا الصَّلٰوةَ لِوَقْتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُصَلِّيْ مَعَهُمْ قَالَ نَعَمْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

بیشک یہ امر واقع ہے کہ عنقریب میرے بعد ایسے بادشاہ تم پر مسلط ہوں گے کہ وقت پہ نماز پڑھنے سے انہیں بہت سی چیزیں[2] مصروف رکھیں گی۔ یہاں تک کہ نمازوں کا وقت گزر جائے گا تم لوگ اپنی نمازیں وقت پر پڑھ لینا تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ کیا میں ان کے ساتھ بھی نماز پڑھ لوں فرمایا ہاں[3]۔

(ابوداؤد)

[1] مشہور صحابی ہیں۔ نقبائے انصار میں سے ہیں۔ جنگ بدر اور باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کے بے شمار مناقب ہیں۔ کئی بار آپ کے حالات مذکور ہو چکے ہیں۔

[2] یعنی بے مقصد مصروفیات اور خواہشات انہیں مستحب وقت میں نماز ادا کرنے سے روک رکھیں گی۔

[3] جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۵۷۳/۲۴ وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ عَلَيْكُمْ اُمَرَآءُ مِنْ[2] بَعْدِيْ يُؤَخِّرُوْنَ الصَّلٰوةَ فَهِيَ لَكُمْ وَهِيَ عَلَيْهِمْ فَصَلُّوْا مَعَهُمْ مَا صَلَّوُا[4] الْقِبْلَةَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت قبیصہ[1] بن وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے بعد تم پر ایسے بادشاہ مسلط ہوں ہوں گے جو نمازیں صحیح وقت سے دیر کر کے پڑھیں گے۔ ان کی نمازیں تمہارے لیے تو باعث ثواب ہوں گی اور خود ان کے لیے وبال و عذاب[3] بنیں گی۔ ان کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھتے رہو جب تک کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہیں[4]۔ (ابوداؤد شریف)

[1] قَبِیصَہ قاف کی زبر، با کی زیر اور صاد کے ساتھ۔ وقّاص قاف کی شد کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ بصرے میں رہے اور بصریوں میں شمار ہوتے ہیں۔

[2] یعنی جو نمازیں وہ ادا کریں گے ان کا ثواب تمہیں ملے گا۔ اور ان کا نفع بھی تمہیں حاصل ہو گا۔ کیونکہ اگر تم نے اپنی نماز صحیح وقت میں پڑھ لی ہو گی۔ تو یہ نماز جو ان کے ساتھ ادا کرو گے تمہاری نفلی نماز ہو گی۔ اور اگر تم نے صحیح وقت میں نماز نہ پڑھی ہو گی بلکہ تم نے بھی آخر وقت میں ان کے ساتھ پڑھی ہو گی۔ تو پھر بھی تمہیں کوئی ضرر و نقصان نہیں۔ کہ تم خود فتنہ اور دفع فساد کے لیے ایسا کرو گے۔

[3] یعنی اس نماز کا ضرر و نقصان۔ اور صحیح و مستحب وقت سے نماز مؤخر کرنے کا وبال ان کی گردن پر ہو گا۔

[4] یہ قید اتفاقی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ حقیقت پر مبنی ہو کہ گو فرضًا و تقدیرًا یہ ظالم بادشاہ اور حاکم قبلہ کی جانب منہ

کر کے نماز پڑھنا چھوڑ دیں اور اسلام کی رسی گلے سے نکال دیں تو پھر ان کے ساتھ نماز ادا نہ کی جائے گی۔

۵۷۴/۳۵ وَ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى عُثْمَانَ وَ هُوَ مَحْصُوْرٌ فَقَالَ اِنَّكَ اِمَامُ عَامَّةٍ وَّ نَزَلَ بِكَ مَا تَرٰى وَ يُصَلِّىْ لَنَا اِمَامُ فِتْنَةٍ وَ نَتَحَرَّجُ فَقَالَ الصَّلٰوةُ اَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ فَاِذَا اَحْسَنَ النَّاسُ فَاَحْسِنْ مَعَهُمْ وَ اِذَا اَسَآءُوْا فَاجْتَنِبْ اِسَاءَتَهُمْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عبیداللہ[۵۱] بن عدی بن الخیار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ آپ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے جب کہ آپ کا محاصرہ[۵۲] ہو چکا تھا۔ حضرت عبیداللہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا آپ سب مسلمانوں کے امام ہیں۔ مگر آپ اس حادثہ اور مصیبت میں مبتلا ہو گئے جیسے تم دیکھ رہے ہو۔ اور ہمیں اہل فتنہ کا امام[۵۳] نماز پڑھاتا ہے ہم لوگ اس کی اقتداء میں نماز ادا کرنے سے گریز کرتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا نماز بہترین عمل ہے جسے لوگ ادا کرتے ہیں۔ جب لوگ نیک کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ اس نیک کام میں شریک ہو جاؤ۔ اور جب بُرے کام میں مشغول ہوں تو ان سے الگ ہو[۵۴] جاؤ۔ (بخاری شریف)۔

---

[۵۱] حضرت عبیداللہ بن عدی قرشی نوفلی ہیں۔ کبار تابعین میں سے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ حیات میں پیدا ہو چکے تھے۔

[۵۲] اور اس محاصرے میں ہی آپ کی شہادت ہوئی۔

[۵۳] یعنی آج کل نمازوں کی امامت اہل بغی و فتنہ کا رئیس و سردار کرتا ہے۔ اس امام کا نام کنانہ بن بشیر تھا۔

[۵۴] خلاصۂ کلام یہ کہ نیکی میں لوگوں کے ساتھ شریک رہو۔ اور بدی میں ان سے دور رہو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ سے یہ قول مبارک غایت دینداری اور انصاف و نصیحت کے جذبے سے صادر ہوا۔ اس قول میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہر نیک و بد کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے۔

بَابُ فِیْ فَضَائِلِ الصَّلٰوۃِ

گذشتہ باب میں مذکور فضائلِ نماز اور ان کے اوقات کے توابع اور انہیں مکمل کرنیوالے امور کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۵۰۵[۱] عَنْ عَمَارَۃَ بْنِ رُوَیْبَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَنْ یَّلِجَ النَّارَ اَحَدٌ صَلّٰی قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا یَعْنِی الْفَجْرَ وَالْعَصْرَ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

پہلی فصل

حضرت عُمارۃ[۱] بن رُوَیبۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا "وہ شخص ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا جو طلوع آفتاب سے پہلے اور غروب آفتاب سے پہلے نماز پڑھیگا" یعنی فجر و عصر کی نماز پڑھے[۲] گا۔

(مسلم شریف)

ف۱ عُمارۃ عین کی پیش اور غیر مشدد میم کے ساتھ۔ رُویبہ را اور با ایک نقطہ والی کے ساتھ۔ بروزن صیغہ تصغیر۔ آپ صحابی ہیں۔ ثقفی ہیں۔ کوفیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

ف۲ واضح ہو کہ اس حدیث کے ظاہر الفاظ اس پہ دلالت کرتے ہیں کہ جو آدمی یہ دو نمازیں پڑھے گا اور ان کی پابندی کرے گا وہ ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ نہ تو ترک نماز کی وجہ سے اور نہ اور گناہوں کی بنا پر۔ مگر یہ بات جمہور علماء کے نزدیک خلافِ تحقیق ہے۔ کیونکہ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ اور نماز انہیں صغائر کا کفارہ بنتی ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ وہ آدمی جو ان دو نمازوں کی پابندی کرے گا باوجودیکہ فجر کی نماز کے لیے اٹھنا بوجھل ہوتا ہے اور عصر کی نماز کے وقت کام کاج میں مشغولیت ہوتی ہے وہ دوسرے اعمال خیر کے بجالانے میں بھی کمی بیشی نہ کرے گا۔ لہذا ایسے شخص کی بخشش ہو جائے گی۔ اور وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔ (اس میں غور و تدبر کرو) مگر ظاہر یہ ہے کہ ان الفاظ سے ان دو نمازوں کی فضیلت میں مبالغہ مراد ہے۔ کہ یہ نمازیں اس قدر افضل و اعلیٰ ہیں کہ ان کو پابندی سے ادا کرنے والا ہرگز دوزخ میں نہ جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے ہر عمل پر جزا دیتا ہے۔ اس کے باوجود اگر چاہے

تو ان دو نمازوں کو پابندی سے پڑھنے والے کے ہر گناہ کو بخش دے اور اسے معافی عطا کر دے۔ واللہ اعلم۔

۵۷۶/۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّی الْبَرْدَیْنِ دَخَلَ الْجَنَّۃَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے دو ٹھنڈی نمازیں[1] پڑھیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(بخاری و مسلم)

[1] اکثر مؤرخین محدثین کا قول یہ ہے کہ اس سے موسم سرما کی فجر و عصر کی نماز مراد ہے۔ اور بعض فجر و عشاء مراد لیتے ہیں مگر گزشتہ حدیث قول اول کی تائید اور اسے قوی کرتی ہے۔

۵۷۷/۲ وَعَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْکُمْ مَلٰٓئِکَۃٌ بِاللَّیْلِ وَمَلٰٓئِکَۃٌ بِالنَّہَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ فِیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَصَلٰوۃِ الْعَصْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْکُمْ فَیَسْأَلُھُمْ رَبُّھُمْ وَھُوَ اَعْلَمُ بِھِمْ کَیْفَ تَرَکْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَکْنٰھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنٰھُمْ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر ایک دوسرے[1] کے پیچھے نازل ہوتے ہیں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے۔ اور یہ فرشتے فجر اور عصر کی نماز میں اکٹھے ہو جاتے ہیں[2] پھر رات والے فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں۔ تو ان سے ان کا رب سوال کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سب سے بڑا عالم[3] ہے کہ تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ہم انہیں نماز پڑھتا ہوا چھوڑ آئے ہیں اور جب ہم ان کے پاس آئے تو اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یہ فرشتے بندوں کے حالات لکھنے اور ان کے اعمال اوپر لے جانے کے لیے آتے ہیں۔

[2] یعنی فرشتوں کی یہ دونوں جماعتیں نماز فجر میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ کہ رات کے اعمال لکھنے والا گروہ ابھی زمین پر ہی ہوتا ہے۔ کہ دن کے اعمال لکھنے والا گروہ آ جاتا ہے۔ پھر دیگر کی نماز میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو ان دو نمازوں کو ایک خصوصی فضیلت یہ حاصل ہے کہ اترنے والے اور اوپر چڑھنے والے ملائکہ ان دو نمازوں کے وقت جمع ہوتے ہیں۔

[3] سب کچھ جاننے کے باوجود وہ فرشتوں سے اس لیے دریافت کرتا ہے تاکہ ملائکہ کے سامنے اپنے بندوں کی فضیلت و شان کا اظہار کرے کیونکہ ملائکہ نے بندوں کو فسق و فساد برپا کرنے کا طعنہ دیا تھا۔ اور تسبیح و تقدیس کے ساتھ اپنی مدح و ثنا کی تھی۔ تو وہ ملائکہ شب سے دریافت کرتا ہے کیونکہ رات کا عمل افضل اور صدق و اخلاص کے اعتبار سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ رات کے ملائکہ دن کے ملائکہ سے افضل ہیں۔ کہ رات دن سے افضل ہے

تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے۔ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا ہے۔

۵۷۸/۴ وَعَنْ جُنْدُبِ الْقَسْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةَ الصُّبْحِ فَهُوَ فِيْ ذِمَّةِ اللّٰهِ فَلَا يَطْلُبَنَّكُمُ اللّٰهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ فَاِنَّهٗ مَنْ يَطْلُبْهُ مِنْ ذِمَّتِهٖ بِشَيْءٍ يُدْرِكْهُ ثُمَّ يَكُبُّهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ الْقُشَيْرِيِّ بَدَلَ الْقَسْرِيِّ

حضرت جندب القسری[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی نماز پڑھ لی وہ اللہ کی امان اور اس کی ذمہ داری اور پناہ میں ہوگیا۔ تو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تم سے اپنے ذمہ کے بارے میں کسی چیز کے متعلق بھی باز پرس[۲] نہ کرے۔ کیونکہ جس سے بھی اللہ تعالیٰ اپنے ذمہ کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ اسے پا لے گا پھر اسے الٹا کر کے منہ کے بل آتش جہنم میں ڈالے گا۔

مسلم شریف۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں القسری کے بجائے القشیری آیا ہے[۴]۔

[۱] القَسْرِی قاف کی زبر اور سین کی جزم کے ساتھ۔ حضرت جندب القسری صحابی ہیں۔ بنی قیس کی ایک شاخ قسر کی طرف منسوب ہیں۔

[۲] یعنی چاہیئے کہ کوئی ایسا کام نہ کرو جس سے خدا تعالیٰ کا عہد اور اس کی ذمہ داری میں خلل واقع ہو۔ اور خدا تعالیٰ اس پر تم سے پوچھے اور تمہاری باز پرس فرمائے۔ تو کسی بھی صبح کی نماز ادا کرنے والے کو رنج و اذیت نہ پہنچاؤ کہ اس طرح عہد خدا ٹوٹتا اور امانت میں خیانت لازم آتی ہے۔ اور جب تم نے خدا کے عہد کو توڑا اور اس کی امانت میں خیانت کے مرتکب ہوئے تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا پھر ایسا کرنے والا کوئی بھی شخص خدا تعالیٰ سے بھاگ نہ سکے گا۔

[۳] اور بندہ اس سے بھاگ نہ سکے گا۔

[۴] بلکہ مصابیح کے تمام نسخوں میں عن جندب القُشَیری آیا ہے۔ قشیری قاف کی پیش اور شین معجمہ کی زبر اور یائے تحتانیہ کی جزم کے ساتھ بدَلَ القَسْری قاف کی زبر اور سین کی جزم کے ساتھ مگر مصابیح کی یہ روایت غلط ہے۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں نے حدیث کی کسی کتاب میں نہیں پایا کہ محدثین نے قُشَیر کی طرف نسبت کی ہو۔

۵۷۹/۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوْا اِلَّا اَنْ يَّسْتَهِمُوْا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوْا وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگ اس بات کو جان لیں کہ اذان اور صف اول میں کس قدر فضیلت ہے۔ پھر وہ نماز کے لیے جائیں مگر قرعہ اندازی کے بغیر اس میں شامل نہ ہوسکیں۔ تو البتہ وہ ضرور قرعہ اندازی کرتے[۱] اور اگر

التَّهْجِيْرِ لَاسْتَبَقُوْا اِلَيْهِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگ جان لیں کہ دوپہر کو نماز ظہر کے لیے جانے میں کس قدر فضیلت ہے تو اس کے لیے ضرور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے[2]۔ اور اگر لوگوں کو یہ پتہ چل جائے کہ نمازِ عشاء اور فجر میں کیا فضیلت ہے تو وہ ضرور ان دونوں نمازوں کے لیے آئیں اگرچہ انہیں سرین کے بل چل کر آنا پڑے[3]۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی اذان اور صف اول کی فضیلت اس قدر زیادہ ہے کہ اذان اور صف اول کے لیے آپس میں جھگڑ پڑیں اور قرعہ اندازی کی نوبت آجائے۔ تو وہ ضرور قرعہ اندازی کریں۔

[2] مگر یہ بات گرم ہوا کے علاوہ دوسرے اوقات کے لیے ہوگی۔ کیونکہ گرم ہوا کے وقت ظہر کی نماز ٹھنڈی کر کے پڑھنا مستحب و مرغوب ہے۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ تہجیر (دوپہر کو نماز ظہر کے لیے جانا) سے تبکیر مراد ہے یعنی نماز ظہر کے لیے جلدی جانا۔ اور تہجیر کے لفظ سے تبکیر مراد لینا اہل حجاز کی لغت کے ساتھ خاص ہے۔ مقصود ہر نماز کے لیے جلدی جانا ہے۔ یہ بات ظہر کے ساتھ خاص نہیں۔ بہر تقدیر اس سے وہ نماز مراد ہے۔ جس میں تاخیر مستحب نہیں ہے۔ بعض علماء نے تہجیر کو نماز جمعہ کے ساتھ خاص کیا ہے۔ اس معنی کی تحقیق کتاب الجمعہ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

[3] حبوا۔ دونوں ہاتھوں اور سینے پر یا سرین پر چل کر جانا۔ جس طرح بچہ چلتا ہے۔ یعنی اگر ان میں پاؤں سے چل کر جانے کی قوت و طاقت نہ ہو تو وہ کمزوروں کی طرح مذکورہ طریقہ پر چل کر ان نمازوں میں شامل ہوں۔

۵۸۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ صَلٰوةٌ اَثْقَلَ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاۗءِ وَلَوْ يَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں پر فجر و عشاء کی نماز سے زیادہ کوئی نماز بھاری نہیں[1]۔ اور اگر انہیں پتہ چل جائے کہ ان دونوں میں کس قدر فضیلت ہے تو انہیں سرین کے بل بھی آنا پڑے تو ضرور آئیں۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] کیونکہ یہ دونوں ایسے وقت پڑھی جاتی ہیں جب کہ طبیعت سست ہوتی ہے پھر ان اوقات میں لوگ بھی کم دیکھتے ہیں۔ تو زور وریا کے ساتھ ہی منافق یہ نمازیں پڑھتے ہیں۔

۵۸۱/۷ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْعِشَآءَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَمَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِيْ جَمَاعَةٍ فَكَاَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے عشاء کی نماز باجماعت ادا کی[1] گویا اس نے نصف رات اللہ کی عبادت میں گزاری۔ اور جس نے فجر کی نماز باجماعت ادا کی گویا اس نے ساری رات اللہ کی عبادت میں گزاری[2]۔

(مسلم شریف)

[1] اور گویا نصف شب کے وقت تہجد کی نماز بھی ادا کرلی۔

[2] پس نماز صبح کا ثواب عشاء کی نماز سے زیادہ ہے۔ کہ فجر کی نماز کا ثواب تمام رات جتنی عبادت کا ثواب ہے۔ اور عشاء کی نماز کا ثواب نصف رات کے ثواب کے برابر ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز پڑھنے سے نصف رات کے قیام کا ثواب ملتا ہے۔ اور نماز فجر باجماعت ادا کرنے سے باقی نصف رات کا ثواب ملتا ہے۔ اور دونوں نمازوں کا ثواب پوری رات کی عبادت جتنا ملتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸۲/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى اسْمِ صَلٰوتِكُمُ الْمَغْرِبِ قَالَ وَيَقُوْلُ الْاَعْرَابُ هِيَ الْعِشَآءُ وَقَالَ لَا يَغْلِبَنَّكُمُ الْاَعْرَابُ عَلٰى صَلٰوتِكُمُ الْعِشَآءِ فَاِنَّهَا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ الْعِشَآءُ فَاِنَّهَا تُعْتِمُ بِحِلَابِ الْاِبِلِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا نہ ہونا چاہیئے کہ دیہاتی لوگ تمہاری نماز مغرب کے نام پر غالب آجائیں حضور نے فرمایا[1] کہ اعرابی (دیہاتی) اسے عشاء کہتے ہیں[2]۔ اور نہ غالب آجائیں اعراب (دیہاتی) تمہاری نماز عشاء کے نام پر کہ وہ اسے عتمہ کہتے ہیں۔ اور بیشک وہ اللہ کی کتاب[3] میں عشاء کہلاتی ہے۔ اور بیشک یہ نماز تاریکی میں جب کہ اعراب اونٹوں کا دودھ دوہتے ہیں، ادا کی جاتی ہے۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

[1] یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اعراب کے نماز مغرب کے نام پر غلبہ کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

[2] یعنی وہ مغرب کو عشاء کہتے ہیں۔ جو غروب آفتاب کے وقت میں واقع ہے۔

[3] کہ نماز عشاء کو قرآن مجید میں عشاء کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا یاایہا الذین امنوا لیستاذنکم الذین مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ مِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ تک۔ یعنی تم لوگ ان نمازوں کو اس نام سے نہ پکارو جس نام سے اعراب (دیہاتی) پکارتے ہیں۔ بلکہ ان کا وہ نام لو جو قرآن و سنت میں وارد ہے۔ تو اگرچہ نہی کا تعلق بظاہر اعراب سے ہے کہ وہ غالب نہ آئیں مگر حقیقۃً مسلمانوں کو ان کے ساتھ موافقت کرنے سے روکا گیا ہے۔ تاکہ اس بارے میں اعراب کو غلبہ حاصل نہ ہو۔ یہاں سے معلوم

ہوتا ہے کہ زبان، اصطلاح شرع کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اور اہلِ جاہلیت اور ارباب بطالت کے ہاں مستعمل الفاظ زبان پر نہ لانے چاہئیں۔ اس بات سے منع کرتے اور اس ممانعت کی علت بیان کرنے کے بعد آنے والے لفظ فَاِنَّهَا تَعْتِمُ کے لفظ سے اس جانب بھی اشارہ فرمایا کہ اَعراب عشاء کو عتمہ کیوں کہتے ہیں۔ تاکہ کلام کی تکمیل اور ازالۂ خفا ہو جائے۔

[۴] فَاِنَّهَا تُعْتِمُ تا کی پیش اور عین ساکن اور دوسری تا کی زیر۔ اور زبر کے ساتھ۔ دوسری تا کی زبر کی صورت میں معنیٰ یہ ہو گا کہ بیشک نماز عشاء تاریکی میں ادا کی جاتی ہے۔ اونٹوں کا دودھ نکالنے کے وقت۔

[۵] بِحِلَابِ الْاِبِلِ یعنی اونٹوں کا دودھ دوہنے کے وقت۔ کہ اعراب اونٹوں کو شفق غائب ہونے کے بعد تاریکی میں دوہتے ہیں۔ جو کہ عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے اعراب اسے نماز عتمہ کہتے ہیں۔ عَتَمَہ بمعنی سخت تاریکی اور لفظ تعتِم کی دوسری تاء کی زیر کی صورت میں معنی یہ ہو گا۔ کہ اعراب اونٹ دوہنے میں تاریکی کر دیتے تھے۔ اور اس وقت کے لیے عربوں میں یہ نام مشہور تھا۔ یہاں تک کہ اسلام کا زمانہ آیا اور اس وقت میں نماز شروع ہوئی اور مسلمان بھی زمانہ قبل اسلام کے نام کے مطابق نماز عشاء کو نماز عتمہ ہی کہتے تھے۔ چنانچہ انہیں اس نام سے روک دیا گیا۔ اور اہل جاہلیت کے ساتھ تشبیہ کی بنا پر اس نام کو مکروہ قرار دیا گیا۔ اور اس بنا پر بھی روکا گیا کہ عتمہ تاریکی کو کہتے ہیں جب کہ نماز سراسر نور و روشنی ہے۔ اور بعض احادیث میں جو اس نماز کے لیے عتمہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ نہی و ممانعت سے پہلے ایسا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸۳/۹ وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَبَسُوْنَا
عَنْ صَلٰوةِ الْوُسْطٰى صَلٰوةِ الْعَصْرِ
مَلَاَ اللّٰهُ بُيُوْتَهُمْ وَقُبُوْرَهُمْ نَارًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق[۱] کے دن فرمایا۔ ان کفار نے ہمیں نمازِ وسطیٰ[۲] یعنی نماز عصر پڑھنے سے روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں[۳] اور ان کی قبروں کو آگ[۴] سے بھر دے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] یوم خندق کو غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں۔ جنگ کی شدت اور تیر اندازی کے باعث چار نمازیں فوت ہو گئیں۔ ان میں نماز عصر بھی تھی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ عصر کے فضل و شرف کے اظہار کے لیے خصوصاً اس نماز کا ذکر فرمایا۔

[۲] صلوٰۃ وُسطیٰ بمعنی درمیانی اور افضل نماز۔

[۳] یہ ان کفار کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب و سزا کی بد دعا ہے۔ واضح ہو کہ جنگ احد کے دن کفار کی طرف سے انواع و اقسام کی تکالیف پہنچنے کے باوجود حضور نے ان کے لیے بد دعا نہ کی۔ مگر یہاں خندق کے موقعہ پر آپ نے بد دعا کی اس کی وجہ یہ تھی کہ یہاں حق اللہ (نماز) فوت ہوا۔ اور احد کے دن آپ کی ذات کو اذیتیں پہنچیں۔ اپنی ذات کے لیے

آپ نے بددعا کرنا مناسب نہ سمجھی۔

[4] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر کا نام ہے۔ اکثر علماءِ صحابہ و تابعین اور امام ابوحنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے۔ پس قرآن مجید میں مذکور صلوٰۃ وسطیٰ سے یہی نمازِ عصر مراد ہوگی۔ اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔ اور اس نماز کی تعیین کے بارے میں جو اختلاف صحابہ و تابعین میں پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ اگلی دو فصلوں میں آ رہا ہے وہ غالباً اس حدیث کے سننے اور اس کے پہنچنے سے پہلے کا ہے۔ جو قرآن میں اپنے اجتہاد سے تاویل کی بناء پر واقع ہوا۔ حدیث کی صحت کے بعد اس امر کا یقین ہوگیا کہ صلوٰۃ وسطیٰ سے یقینی طور پر نماز عصر مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۵۸۴/۱۰ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَّ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الْعَصْرِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن مسعود[1] و سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صلوٰۃ الوسطیٰ نماز عصر ہے۔ ترمذی شریف۔ اور امام ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح[2] ہے۔

[1] یہ دونوں عظیم و مشہور صحابی ہیں۔

[2] اور اس حدیث کو امام حسن بصری نے حضرت سمرہ سے روایت کیا۔ اور امام بخاری سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا کہ حسن بصری کی حضرت سمرہ سے روایت کردہ حدیث صحیح ہے۔ اور حسن بصری کا حضرت سمرہ سے سماع ثابت ہے۔

۵۸۵/۱۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا قَالَ تَشْهَدُهٗ مَلٰٓئِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلٰٓئِكَةُ النَّهَارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا (بیشک فجر کو قرآن پڑھنے کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں) کی تفسیر میں روایت کرتے ہیں[1] کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز فجر کے وقت دن اور رات کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں[2]۔ ترمذی

[1] نماز فجر کو قرآن فجر سے تعبیر کرنا اس بنا پر ہے کہ قرأت نماز کے ارکان میں سے ہے۔ جس طرح رکوع و سجود مشہور ہے کے لفظ سے نماز مراد لی جاتی ہے۔ اور قرآنِ فجر کے لفظ سے نماز فجر کی قرأت مراد لی جائے جیسا کہ بعض نے ایسا کہا ہے اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس معنی کو ترجیح دی ہے تو یہ بھی درست ہے۔ اور اس سے نماز فجر کی

فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

[2] یعنی فجر کی نماز کے وقت رات کے فرشتے موجود ہوتے ہیں جو آسمان کی طرف صعود کر جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے رات کے اعمال لے جاتے ہیں۔ اسی طرح دن کے فرشتے بھی اس نماز کے وقت موجود ہوتے ہیں جو دن کے اعمال لکھنے کے لیے نیچے اترتے ہیں۔ فرشتوں کے یہ دونوں گروہ راستے میں ملاقات کرتے ہیں۔ اور یہ معنیٰ نماز میں بھی موجود ہے اور اس بات کے ساتھ کوئی منافات نہیں کہ آیہ کریمہ کی تفسیر میں تو فجر کا ذکر آیا ہے۔ اور اگر نماز عصر کے حق میں بھی اس آیت کا ورود ہوا ہوتا تو اس کی تفسیر بھی یہی ہوتی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۵۸۶/۱۲ عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَّ عَائِشَةَ قَالَا الصَّلٰوۃُ الْوُسْطٰی صَلٰوۃُ الظُّھْرِ۔ رَوَاہُ مَالِكٌ عَنْ زَیْدٍ وَّ التِّرْمِذِیُّ عَنْھُمَا تَعْلِیْقًا۔

حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے ان دونوں نے کہا ہے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صلوٰۃ ظہر ہے اسے مالک[1] نے زید سے روایت کیا اور ترمذی نے ان دونوں سے تعلیقاً[2] روایت کیا۔

[1] یعنی اس قول کو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا میں زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

[2] اور امام ترمذی نے اسے زید و عائشہ رضی اللہ عنہما سے بطریق تعلیق روایت کیا۔ تعلیق کا معنیٰ ہے حدیث کے اول سے بعض یا کل اسناد حذف کر دینا۔ یعنی ترمذی نے اسے بے اسناد روایت کیا۔ اور اپنے جامع میں کہا۔ کہ زید بن ثابت اور عائشہ رضی اللہ عنہما دونوں نے کہا صلوۃ الوسطیٰ صلوٰۃ ظہر ہے۔ یہ ان دو صحابہ کا قول ہے اور ان دونوں پر موقوف ہے اور انہوں نے اس کا رفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں کیا۔

۵۸۷/۱۳ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّی الظُّھْرَ بِالْھَاجِرَۃِ وَلَمْ یَکُنْ یُصَلِّیْ صَلٰوۃً اَشَدَّ عَلٰی اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھَا فَنَزَلَتْ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَقَالَ اِنَّ قَبْلَھَا صَلٰوتَیْنِ وَبَعْدَھَا صَلٰوتَیْنِ۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا[1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر دوپہر کے وقت پڑھتے تھے۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظہر کی نماز سے زیادہ سخت اور کوئی نماز نہ تھی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوَاتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی تمام نمازوں کی پابندی کرو خصوصاً نماز وسطیٰ[2] (ظہر) کی۔ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک اس نماز سے پہلے بھی دو نمازیں[3] ہیں اور اس کے بعد بھی دو نمازیں[4] ہیں۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ (احمد و ابو داؤد)۔

[1] یعنی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس بات پر دلیل پیش کرنے کے لیے کہ نماز وسطیٰ نماز ظہر ہے، حضور علیہ السلام کا عمل مبارک پیش کیا اور کہا کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ اٰخرہ۔

[2] اور یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز وسطیٰ وہ نماز ہے جس میں زیادہ فضیلت کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اس بنا پر خصوصیت کے ساتھ اس کا حکم دیا گیا۔ اور یہ دونوں باتیں نمازِ ظہر میں پائی جاتی ہیں۔ ایک فضیلت تو یہ ہے کہ نمازِ ظہر کے متعلق کہا کہ کوئی نماز اس سے زیادہ سخت نہیں اور ہر عمل جو سخت تر ہوتا ہے، فاضل تر ہوتا ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے۔ افضل العبادات احمزھا افضل عبادت وہ ہے جو زیادہ سخت ہو۔ باقی رہا اس نماز کا درمیانی نماز ہونا تو اس کے اثبات کے لیے فرماتے ہیں ان قبلھا صلواتین الیٰ اٰخرہ۔

[3] ایک دن کی نماز دوسری رات کی نماز یعنی فجر و عشاء۔

[4] اس کے بعد بھی دو نمازیں ہیں۔ یعنی عصر و مغرب۔ نیز یہ نماز درمیانہ حصہ دن کی نماز ہے۔ تو چاہیئے کہ صلوٰۃ وسطیٰ ظہر کی نماز ہو۔ اور یہ وہ دلیل ہے جو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے قول پر پیش کی ہے۔ اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زید کا یہ قول اجتہاد پر مبنی ہے جیسا کہ ہم نے کہا۔ (اس میں غور کرو)۔

۵۸۸/۱۴ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ عَلِيَّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ وَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ كَانَا يَقُوْلَانِ الصَّلٰوةُ الْوُسْطٰى صَلٰوةُ الصُّبْحِ رَوَاهُ فِى الْمُؤَطَّا وَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ ابْنِ عُمَرَ تَعْلِيْقًا۔

حضرت امام مالک سے روایت ہے کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے کہ صلوٰۃ وسطیٰ صبح کی نماز ہے[1]۔ امام مالک نے اسے موطا میں روایت کیا اور ترمذی نے اسے ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تعلیقاً روایت کیا[2]۔

[1] کیونکہ یہ وہ نماز ہے جس میں دن رات کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ نیز یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان واقع ہے۔ اور یہ دونوں کے درمیان حد مشترک ہے۔

[2] اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور امام نووی نے کہا اس بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں کہ صلوٰۃ وسطیٰ نماز عصر ہے۔ اور ماوردی نے جو آئمہ شافعیہ میں سے ہیں، کہا ہے کہ امام شافعی نے تصریح کی ہے کہ نمازِ وسطیٰ نمازِ فجر ہے۔ لیکن جب کہ احادیث صحت کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں کہ نمازِ وسطیٰ نمازِ عصر ہے۔ تو پھر امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہوگا کہ نمازِ عصر ہی صلوٰۃ وسطیٰ ہے۔ اُن کی اُس وصیت کے مطابق جو انہوں نے کی ہے کہ اگر تم صحیح حدیث پالو جس کے خلاف میں نے حکم دیا ہو۔ تو یقین رکھو کہ میرا مذہب وہی ہوگا جس میں صحیح حدیث وارد ہو چکی ہے۔ اور میرے مذہب کو دیوار پر مار دو رضی اللہ عنہ۔

۵۸۹/۵ وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلٰى صَلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ۔

(رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جو آدمی صبح سویرے اٹھ کر نماز فجر کو جاتا ہے۔ وہ ایمان کے جھنڈے[۱] کے ساتھ جاتا ہے۔ اور جو صبح اٹھ کر بازار کو جاتا ہے۔ وہ ابلیس کے جھنڈے کے ساتھ جاتا ہے[۲]۔ (ابن ماجہ)

[۱] تاکہ وہ شیطان اور اس کے لشکر کے ساتھ جنگ کرے جس طرح غازی لوگ جھنڈے لے کر چلتے ہیں۔

[۲] اس سے وہ شخص مراد ہے جو بغیر نماز ادا کیے صبح اٹھ کر بازار کو جائے۔ اور اگر نماز ادا کرنے کے بعد رزق حلال کمانے اور عیال کی روزی مہیا کرنے بازار جائے تو وہ ایسا نہیں ہے۔

بَابُ الْاَذَانِ اذان کا باب

لغت میں اذان کا معنی بتلانے اور اطلاع دینے کا ہے۔ شرع میں الفاظ مخصوص اور وقت مخصوص میں نماز کا وقت ہو جانے کی اطلاع دینے کا آتا ہے۔ مشہور یہ ہے کہ اس کا ثبوت عبداللہ بن زید انصاری کے خواب میں دیکھنے سے ہوا۔ اس کے بعد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دیکھنے سے۔ جیساکہ حدیث میں آئے گا۔ بعض کہتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی خواب دیکھا تھا۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دس صحابی ہیں جنہوں نے اذان کو خواب میں دیکھا۔ بعض نے چودہ کے عدد کی تصریح کی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ صحابہ کے خواب میں دیکھنے کے بعد وحی بھی نازل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں۔ اذان کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کو تشریف لے گئے اور کبریائے حق کے مقام خاص میں عزت و بزرگی کے کناروں تک پہنچے تو وہاں ایک فرشتہ نمودار ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ فرشتہ کون ہے۔ حضرت جبرئیل نے عرض کیا اُس خدا تعالیٰ کی قسم جس نے حق دے کر بھیجا عزت خداوندی کی درگاہ میں سب سے نزدیک ترین مخلوق میں ہوں۔ مگر جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتے کو اس گھڑی میں پہلی بار دیکھا ہے۔ اس فرشتے نے کہا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، پردہ کے پیچھے سے آواز آئی میرے بندے نے سچ کہا میں ہی اکبر ہوں میں ہی بڑا ہوں پھر اس فرشتے نے اذان کے باقی کلمات ذکر کیے۔

تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کو اذان کے کلمات سنے۔ مگر اس وقت نماز کے لیے

کلمات اذان پڑھنے کا حکم نہ ملا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بغیر اذان نماز ادا کرتے رہے۔ پھر مدینے تشریف لائے اور اس بارے میں صحابہ سے مشورہ کیا۔ بعض صحابہ نے خواب میں اذان کے الفاظ سنے۔ پھر وحی بھی نازل ہوگئی کہ جو کلمات آسمان پر سنے تھے زمین پر سنت اذان قرار دیے جائیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۵۹۰ عَنْ اَنَسٍ قَالَ ذَکَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوْسَ فَذَکَرُوا الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی فَاُمِرَ بِلَالٌ اَنْ یَشْفَعَ الْاَذَانَ وَ اَنْ یُّوْتِرَ الْاَقَامَۃَ قَالَ اسْمٰعِیْلُ فَذَکَرْتُہٗ لِاَیُّوْبَ فَقَالَ اِلَّا الْاَقَامَۃَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بعض صحابہ نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ بعض نے یہود و نصاریٰ کا ذکر کیا[1]۔ پھر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہیں اور اقامت کے کلمات ایک ایک مرتبہ[2]۔ اسماعیل[3] نے کہا میں نے اس بات کا ذکر ایوب سے کیا تو انہوں نے کہا مگر قد قامت الصلوٰۃ (بخاری و مسلم)۔

[1] اذان کے بارے میں یہ حدیث، دراز حدیث سے مختصر ہے۔ پورا واقعہ وہ ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے تیسری فصل میں آرہا ہے۔ کہ مسلمان جب مدینہ طیبہ تشریف لائے۔ تو انہوں نے چاہا کہ نماز کے لیے وقت مقرر کریں۔ کہ اس وقت پر سب لوگ نماز کے لیے حاضر ہو جایا کریں۔ بعض نے کہا کسی بلند جگہ آگ روشن کی جائے جسے سب لوگ دیکھ کر اکٹھے ہو جایا کریں۔ یا ناقوس بجایا جائے جس کی آواز پر سب جمع ہو جایا کریں۔ پھر صحابہ نے آپس میں کہا کہ نماز کی اطلاع کے لیے آگ جلانا تو یہود کا طریقہ ہے۔ اور ناقوس بجانا نصاریٰ کی رسم ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ مشابہت کرنا ٹھیک نہیں۔

ناقوس کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ ایک بڑی اور لمبی لکڑی پر چھوٹی لکڑی کو مارا جائے۔ نصاریٰ اپنی نماز کے وقت ایسا کرتے ہیں۔ بعض روایات میں یہود کے لیے بوق واقع ہوا ہے۔ بعض روایات میں قرن (سنکھ) اور بوق کا لفظ آیا ہے۔ قرن (سنکھ) ایک معروف چیز ہے جسے پھونک کے ساتھ بجایا جاتا ہے۔ ہدایہ کی بعض شروح میں مذکور ہے کہ ناقوس نصاریٰ کے لیے، بوق یہود کے لیے۔ اور آگ مجوس کے لیے ہے۔ مگر یہاں یہ خدشہ ہوتا ہے کہ مجوس تو نماز ہی نہیں پڑھتے۔ الا یہ کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آگ جلانا مجوس کا طریقہ ہے۔ لہٰذا اس کا اختیار کرنا ٹھیک نہیں۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا مشہور یہ ہے کہ یہود سنکھ بجاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض آگ بھی جلاتے ہوں۔ اور بعض سنکھ بجاتے ہوں۔ مختصر یہ کہ آخر کار بات اذان اور اقامت پر آکر ٹھہری۔

[2] امام مالک و امام شافعی اور بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ اذان کے کلمات دو دو بار کہے جائیں اور اقامت

کے کلمات ایک ایک بار۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اذان و اقامت دونوں کے کلمات دو دو بار کہے جائیں۔ اس مذہب کے ثبوت میں احادیث بھی وارد ہیں۔ کہا گیا ہے کہ زمانہ قدیم میں اذان و اقامت کے کلمات دو دو بار پڑھے جاتے تھے۔ پھر بنی امیہ کے بعض بادشاہوں کے لیے ان کے باہر آنے پر جلدی کے لیے اقامت کو ایک ایک بار کر دیا گیا۔ شرح میں اس مقام کی تحقیق تفصیل کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

[3] یعنی اسماعیل بن ابراہیم نے جو اس حدیث کے راویوں اور بخاری و مسلم کے شیوخ میں سے ہے، کہا کہ اس حدیث کے سننے کے بعد میں نے اس کا ذکر ایوب سے کیا اور یہ ایوب بھی اس حدیث کی روایت کرتا ہے تو ایوب نے کہا اقامت کے تمام الفاظ ایک ایک بار کہے جائیں۔ ما سوائے لفظ قد قامت الصلوٰۃ کے۔ کہ یہ کلمات دو بار کہے جائیں۔

[4] اس حدیث کو امام بخاری نے اکیلے بھی روایت کیا ہے۔ اور اس میں یہ استثناء مذکور نہیں ہے۔ امام مالک نے اپنا مذہب اس سے اخذ کیا۔ چنانچہ ان کے نزدیک اقامت کے تمام کلمات ایک ایک بار کہے جائیں گے۔

۵۹۱/۲ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ قَالَ اَلْقٰی عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ التَّاذِیْنَ هُوَ بِنَفْسِهٖ فَقَالَ قُلِ اللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط ثُمَّ تَعُوْدُ فَتَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ اَللّٰهُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو[1] محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذاتِ خود مجھے اذان سکھائی اور فرمایا یوں کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر۔[2] اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ۔ اشہد ان محمد رسول اللہ اشہد ان محمد رسول اللہ پھر تو شہادتین کے الفاظ دوبارہ کہہ۔ اشہد ان لا الہ الا اللہ اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمداً رسول اللہ اشہد ان محمدا رسول اللہ[3]۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الصلوٰۃ۔ نماز کی طرف رخ کرو اس کے لیے جلدی کرو۔ نماز کی طرف رخ کرو اس کے لیے جلدی کرو۔ حی علی الفلاح حی علی الفلاح۔ اس چیز کو جلدی پاؤ جو تمہارے لیے سبب نجات ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ۔ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

(مسلم شریف)

۵۱ حضرت ابو محذورہ صحابی ہیں۔ آپ کا نام سمرہ ہے۔ اور بعض نے کہا اوس ہے۔ بعض آپ کا نام سلمان اور بعض سلمہ بتلاتے ہیں۔ مگر قول اول صحیح تر ہے۔ آپ مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن تھے۔ اور اذان میں ترجیع راوی ہیں۔ (ترجیع کا معنیٰ ابھی بیان ہوگا)۔

۵۲ یعنی یہ کلمات چار بار کہے۔ ایک روایت میں دو بار کا ذکر بھی آیا ہے۔ امام مالک کا مذہب دو بار کہنے کا ہے۔

۵۳ اسے ترجیع کہتے ہیں اور یہ امام شافعی، امام مالک کے نزدیک اذان میں سنت ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ان کا ظاہر مذہب عدم ترجیع کا ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔ ترجیع میں شہادتین کو دو بار پست آواز سے پڑھتے ہیں۔ پھر اس کے بعد دو دو بار بلند آواز سے کہتے ہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے علمائے حنیفہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ یہ تکرار ابو محذورہ کی تعلیم کے لیے تھا۔ مشروع قرار دینے کے لیے نہ تھا حضرت ابو محذورہ نے پہلی شہادتیں کو آہستہ کہا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوبارہ کہہ اور بلند آواز سے کہہ۔ اور ایک دوسری حدیث حضرت ابو محذورہ سے مروی ہے اس میں ترجیع نہیں ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں **الفاظ** اذان میں اصل و بنیاد ہے، بھی ترجیع نہیں ہے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان میں بھی جو مؤذنین کے سردار و پیشوا ہیں، ترجیع نہیں ہے۔ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہ وہ بھی مسجد (نبوی) میں اذان دیتے تھے۔ اور سعد قرظہ جو مسجد قبا کے مؤذن تھے۔ ان حضرات کی اذان میں بھی ترجیع کا کوئی ذکر نہیں۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کی اذان سے ایک قصہ متعلق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہادتین کی تکرار کی تعلیم اذان کا طریقہ بیان کرنے کی غرض سے نہ تھی۔ ہم نے اسے شرح میں ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۵۹۲/۳ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْاَذَانُ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ وَ الْاِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً غَيْرَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ۔

دوسری فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اذان کے کلمات دو دو بار اور اقامت کے ایک ایک بار ہوتے تھے۔ سوائے اس کے کہ قد قامت الصلوۃ کے الفاظ مؤذن دو دو بار کہتا تھا۔

(ابو داؤد، نسائی و دارمی)

۵۹۳/۴ وَعَنْ اَبِیْ مَحْذُوْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَّمَہُ الْاَذَانَ تِسْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً وَّ الْاِقَامَةَ سَبْعَ عَشَرَةَ كَلِمَةً۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوُدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اذان کے انیس ۱۹ کلمے سکھلائے[۱]۔ اور اقامت کے سترہ ۱۷ کلمے[۲]۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی و ابن ماجہ۔

---

[۱] یہ قاعدہ ترجیع کے مطابق ہے۔

[۲] یہ حدیث اس امر میں صریح ہے کہ اقامت کے کلمات بھی دو دو بار کہے جائیں گے۔ کہ انیس سے چار کلمے ترجیع کے نکل گئے اور قد قامت الصلوٰۃ کے دو کلمے شامل ہو گئے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور حدیث اول کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر وہ اس حدیث سے منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۹۴/۵ وَعَنْہُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلِّمْنِیْ سُنَّةَ الْاَذَانِ قَالَ فَمَسَحَ مُقَدَّمَ رَاْسِہٖ قَالَ تَقُوْلُ اَللّٰہُ اَكْبَرُ اَللّٰہُ اَكْبَرُ اَللّٰہُ اَكْبَرُ اَللّٰہُ اَكْبَرُ تَرْفَعُ بِھَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَقُوْلُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تَخْفِضُ بِھَا صَوْتَكَ ثُمَّ تَرْفَعُ صَوْتَكَ بِالشَّھَادَةِ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوةِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ فَاِنْ كَانَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ قُلْتَ الصَّلٰوةُ

انہیں حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اذان کا طریقہ سکھلائیں فرماتے ہیں کہ میرے (عرض کرنے پر) آپ نے اپنے سر مبارک کے اگلے حصہ پہ اپنا ہاتھ مبارک پھیرا[۱]۔ اور کہا اے ابو محذورہ یوں کہو۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ اکبر اللہ اکبر یہ الفاظ بلند آواز سے کہہ[۲]۔ پھر کہہ اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان لا الہ الا اللہ، اشھد ان محمد رسول اللہ اشھد ان محمداً رسول اللہ یہ الفاظ پڑھتے وقت آواز پست رکھ۔ پھر بلند آواز سے کہہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان لا الہ الا اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ حی علے الصلوٰۃ حی علے الصلوٰۃ۔ حی علے الفلاح حی علے الفلاح۔ پھر اگر صبح کی نماز ہو تو یہ الفاظ بھی کہہ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ الصلوٰۃ خیر من النوم۔ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔

خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ

(ابوداؤد شریف)

---

٥٩٥ وَ عَنْ بِلَالٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُثَوِّبَنَّ فِيْ شَيْءٍ مِّنَ الصَّلٰوةِ اِلَّا فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ اَبُوْ اِسْرَآئِيْلَ الرَّاوِيْ لَيْسَ هُوَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ ۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا نماز فجر کے علاوہ کسی نماز کے لیے تثویب لہ نہ کرنا۔

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا ابواسرائیل ــــ جو اس حدیث کا راوی ہے۔ محدثین کے نزدیک کوئی قوی راوی نہیں۔

لہ لغت میں تثویب کا معنی ہے رجوع کرنا اور واپس آنا۔ یہاں تثویب سے اعلان (اذان) کے بعد دوبارہ اعلان (تثویب) مراد ہے۔ کہ ایک بار تو اذان کی صورت میں اعلان ہوا۔ دوبارہ پھر اعلان کرتے ہیں۔

تثویب چند قسم ہے۔ اذان فجر کے درمیان الصلوٰۃ خیر من النوم بھی تثویب ہے۔ جو تثویب عہد نبوت میں ہوتی تھی اور مسنون ہے، وہ یہی ہے۔ اس کے بعد علماء کوفہ نے اذان و اقامت کے درمیان بطور تثویب حی علیٰ الفلاح کے الفاظ کا اجرا کیا (جاری کیا) اس کے بعد ہر قوم نے کوئی متعارف چیز اختیار کر لی۔ مگر صرف نماز فجر کے لیے کہ یہ نیند اور سستی کا وقت ہے۔ اس کے بعد متاخرین نے تمام نمازوں کے لیے تثویب کا اختراع کیا اور اسے مستحسن قرار دیا مگر یہ درست اختراع کے بعد نئی اختراع ہے اور بدعت ہے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کا انکار منقول ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک مسجد میں داخل ہوئے اس کے موذن کو سنا کہ نماز فجر کے علاوہ دوسری نمازوں کے لیے بھی تثویب کرتا ہے۔ آپ مسجد سے باہر چلے گئے اور فرمایا لوگو! اس آدمی کے پاس سے باہر چلے جاؤ کہ یہ شخص بدعتی ہے۔

٥٩٦ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِبِلَالٍ اِذَا اَذَّنْتَ فَتَرَسَّلْ وَ اِذَا اَقَمْتَ فَاحْدُرْ وَاجْعَلْ بَيْنَ اَذَانِكَ وَ اِقَامَتِكَ قَدْرَ مَا يَفْرُغُ الْاٰكِلُ مِنْ اَكْلِهٖ وَ الشَّارِبُ مِنْ شُرْبِهٖ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا جب تو اذان کہے تو آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر کہہ (اس میں جلدی نہ کر) اور جب اقامت کہے تو جلدی کر اور تیزی سے کہہ اور اذان و اقامت کے درمیان اتنا وقفہ کر جتنا وقفہ کھانا شروع کرکے اس سے فارغ ہونے تک ہوتا ہے

وَالْمُعْتَصِرُ إِذَا دَخَلَ لِقَضَاءِ حَاجَتِهٖ وَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوْنِيْ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَا نَعْرِفُهٗ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَبْدِ الْمُنْعِمِ وَإِسْنَادُهٗ مَجْهُوْلٌ

اور پانی پینے والا پینے سے فارغ ہوتا ہے اور اتنا وقفہ کہ بول و پاخانہ کرنے والا طہارت کھانے میں داخل ہو کر اس سے فارغ ہوتا ہے اور جب تک مجھے نہ دیکھو نماز کے لیے نہ اٹھو[1] اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ ہم اس حدیث کو نہیں جانتے مگر عبد المنعم کی حدیث کے ذریعے[2] اور اس کا اسناد مجہول[3] ہے۔

[1] یعنی اقامت شروع ہونے کے ساتھ ہی نماز کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہو بلکہ مجھے گھر سے باہر مسجد میں آتا ہوا دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہوا کرو۔ فقہ میں مذکور ہے کہ نمازیوں کو حی علی الصلوٰۃ کے الفاظ پر کھڑے ہونا چاہیے۔ اور شاید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی وقت باہر تشریف لاتے تھے۔

[2] یعنی عبد المنعم ابن نعیم کی حدیث کے ذریعے اور وہ مجہول اور ضعیف لوگوں میں سے ہے۔

[3] یعنی اس حدیث کا اسناد مجہول ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کے شواہد موجود ہیں۔ اور ان کے تمام طُرق ضعیف ہیں۔ اور بعض نے کہا اس کے لیے (اذان و اقامت کے درمیان وقفے کے لیے) کوئی حد معین نہیں ہے۔ ماسوائے اس کے کہ پورے طور پر دخول وقت ہو جائے اور نمازی جمع ہو جائیں۔ اور کسی بھی عالم نے اس میں اختلاف نہیں کیا کہ اذان و اقامت کے درمیان نوافل ادا کرنے جائز و روا ہیں۔ جیسا کہ ابھی آئے گا۔

۵۹۷/۸ — وَعَنْ زِيَادِ بْنِ الْحَارِثِ الصُّدَائِيِّ[1] قَالَ أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُؤَذِّنَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَأَذَّنْتُ فَأَرَادَ بِلَالٌ أَنْ يُّقِيْمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَا صُدَاءٍ قَدْ أَذَّنَ وَمَنْ أَذَّنَ فَهُوَ يُقِيْمُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت زیاد بن الحارث الصدائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ میں فجر کی اذان کہوں۔ میں نے اذان کہی پھر حضرت بلال نے اقامت کہنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک صداء کے[2] بھائی نے اذان کہی اور جو اذان کہے وہی اقامت بھی کہے۔

ترمذی۔ ابو داؤد
ابن ماجہ

[1] الصدائی۔ صاد کی پیش کے ساتھ صداء کی طرف منسوب ہے۔ جو یمن کا ایک قبیلہ ہے۔ حضرت زید بن الحارث صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت سے مشرف ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اذان کہی۔ آپ بصریین میں شمار ہوتے ہیں۔

[2] جو شخص کسی قبیلہ میں سے ہو اس کو اس قبیلہ کا بھائی کہہ دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۵۹۸ ۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ الْمُسْلِمُوْنَ حِيْنَ قَدِمُوا الْمَدِيْنَةَ يَجْتَمِعُوْنَ فَيَتَحَيَّنُوْنَ لِلصَّلٰوةِ وَلَيْسَ يُنَادِيْ بِهَا اَحَدٌ فَتَكَلَّمُوْا يَوْمًا فِيْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اتَّخِذُوْا مِثْلَ نَاقُوْسِ النَّصَارٰى وَقَالَ بَعْضُهُمْ قَرْنًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُوْدِ فَقَالَ عُمَرُ اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلًا يُنَادِيْ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوةِ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

تیسری فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مسلمان جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو وہ نماز کے وقت کا اندازہ کرتے تھے۔ اور نماز کے لیے کوئی آواز نہ دیتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں باہمی گفتگو کی۔ بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بجاؤ۔ بعض نے کہا یہود کی طرح سنکھ بجاؤ۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم لوگ کوئی آدمی مقرر کیوں ۱؎ نہیں کرتے جو نماز کے لیے اذان دے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا اے بلال اٹھ اور نماز کے لیے آواز ۲؎ دے۔ (بخاری و مسلم)۔

۱؎ یعنی کیا تم لوگ نصاریٰ اور یہود کا ناقوس و سنکھ کیوں اختیار کرتے ہو۔ نماز کے لیے آواز دینے کو کوئی آدمی مقرر کیوں نہیں کرتے۔

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں نماز کا ہو جانے کے لیے آواز دینا اور اطلاع کرنا مراد ہے۔ بطریقِ خاص شرعی اذان کہنا مراد نہیں ہے۔ اس توجیہ سے احادیث کے درمیان مطابقت ہو جائے گی۔ گویا ابتداء میں صرف آواز دی جاتی تھی۔ اس کے بعد خواب میں اذان دکھائی گئی اس کے بعد وحی یا اجتہاد سے اذان کی مشروعیت ہوئی۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ حضرت بلال نماز کے لیے الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے آواز دیتے تھے۔

۵۹۹ ۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدِ بْنِ عَبْدِ رَبِّهٖ قَالَ لَمَّا اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاقُوْسِ يُعْمَلُ لِيُضْرَبَ بِهٖ لِلنَّاسِ لِجَمْعِ الصَّلٰوةِ طَافَ بِيْ وَاَنَا نَائِمٌ رَجُلٌ يَحْمِلُ نَاقُوْسًا فِيْ يَدِهٖ فَقُلْتُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ اَتَبِيْعُ النَّاقُوْسَ قَالَ وَمَا تَصْنَعُ بِهٖ قُلْتُ نَدْعُوْا بِهٖ

حضرت عبد اللہ ۱؎ بن زید بن عبد ربہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرنے کی خاطر بجایا جائے ۲؎۔ تو مجھے خواب میں ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے ہاتھ میں ناقوس اٹھایا ہوا تھا۔ میں نے کہا اے اللہ کے بندے تو یہ ناقوس فروخت کرے گا۔ اس نے کہا تو اسے کیا کرے گا۔ میں نے کہا ہم اس کے ساتھ نماز

إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ أَفَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ مِّنْ ذٰلِكَ فَقُلْتُ لَهٗ بَلٰى قَالَ فَقَالَ تَقُوْلُ اللّٰهُ أَكْبَرُ إِلٰى أٰخِرِهٖ وَكَذَا الْإِقَامَةُ فَلَمَّا أَصْبَحْتُ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْتُهٗ بِمَا رَأَيْتُ فَقَالَ إِنَّهَا لَرُؤْيَا حَقٌّ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ فَأَلْقِ عَلَيْهِ مَا رَأَيْتَ فَلْيُؤَذِّنْ بِهٖ فَإِنَّهٗ أَنْدٰى صَوْتًا مِّنْكَ فَقُمْتُ مَعَ بِلَالٍ فَجَعَلْتُ أُلْقِيْهِ عَلَيْهِ وَيُؤَذِّنُ بِهٖ قَالَ فَسَمِعَ بِذَالِكَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ وَهُوَ فِيْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ يَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَقَدْ رَأَيْتُ مِثْلَ مَا أُرِيَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرِ الْإِقَامَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لٰكِنَّهٗ لَمْ يُصَرِّحْ قِصَّةَ النَّاقُوْسِ۔

کی طرف بلائیں گے۔ اس نے کہا میں تجھے اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں[2]۔ میں نے کہا ہاں۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ اس مرد نے کہا کہ اللہ اکبر الیٰ آخرہٖ[3]۔ اسی طرح اقامت بھی کہہ[4]۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں صبح اٹھ کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور جو کچھ میں نے خواب میں دیکھا تھا آپ کو اس کی خبر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ سچا خواب[5] ہے اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ تُو بلال کے ساتھ کھڑا ہو۔ اور جو کچھ تو نے دیکھا ہے وہ بلال کو بتلاتا جا۔ کہ وہ ان کلمات کے ساتھ اذان کہے۔ کیوں کہ وہ تجھ سے زیادہ بلند آواز ہے۔ میں بلال کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اور ان کو اذان کے کلمات بتلاتا جاتا تھا۔ اور حضرت بلال اذان دیتے جاتے تھے۔ عبداللہ بن زید کہتے ہیں۔ اذان بلال کو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سنا[6] جبکہ وہ اپنے گھر میں تھے۔ تو وہ اپنی چادر کھینچتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکلے۔ یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث کیا ہے۔ البتہ میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے جیسا کہ عبداللہ بن زید کو دکھایا گیا ہے[7]۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فللہ الحمد[8] اللہ ہی کے لیے سب حمد و ثنا ہے۔ اسے ابوداؤد دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا مگر ابن ماجہ نے اقامت کا ذکر نہیں کیا[9]۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ مگر اس نے قصہ ناقوس کی تصریح[10] نہیں کی۔

---

[1] حضرت عبداللہ بن زید انصاری خزرجی ہیں۔ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کو صاحب اذان بھی کہتے ہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے ناقوس تیار کرنے میں صحابہ کے اختلاف کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے تیار کرنے کا حکم دیا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تخییر کے طور پر ہو (یعنی تمہیں ناقوس تیار کر لینے کا اختیار ہے) واللہ اعلم۔

۵۳ کیا تو ناقوس چاہتا ہے۔ میں تجھے ایسی چیز نہ بتلاؤں جو اس سے بہتر ہے؟

۵۴ تا آخرِ اذان بیان کردہ کیفیت کے مطابق۔ اور اسی طرح اقامت بھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقامت عدد کلمات میں اذان کی طرح ہے۔ شافعیہ کہتے ہیں عبارت کا معنیٰ ہے کہ اسی طرح آپ نے اقامت کی تعلیم دی۔ تو یہ تشبیہہ صرف تعلیم میں ہے۔

۵۵ یہاں کلمہ اِن شاء اللہ تعالیٰ کا استعمال تبرک اور اظہارِ رغبت کے لیے ہے۔ شک و تردد کے لیے نہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ اس کلام کا معنیٰ خواب یا اجتہاد کے ذریعے حصول یقین کے بعد نزول وحی کے اظہار کا انتظار و توقع ہے۔ گویا اسی وقت وحی کا نزول ہوا اور اسی وقت آپ نے اجتہاد بھی کیا۔ تو عبداللہ بن زید کو فرمایا فَقُمْ مَعَ بِلَالٍ اِلٰی اٰخِرِہٖ

۵۶ یعنی آپ نے یہ قصہ یا حضرت بلال کی اذان سنی۔

۵۷ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرشتے سے آسمان میں بیداری کی حالت میں اذان سنی۔ اور اس حدیث کی عبارت کہ میں نے بھی وہی کچھ دیکھا ہے جو اسے دکھایا گیا ہے، اس جانب اشارہ کر رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

۵۸ یعنی خدا تعالیٰ کی ہی حمد و ستائش ہے کہ تیرا دیکھنا اور اس کا دیکھنا آپس میں موافق و مطابق ہو گیا ہے۔ کہ حق کی طرف سے الہام ہو گیا ہے۔ اور تیری زبان سے صدق و صواب نکلا ہے۔

۵۹ جو کہ دوسری روایت میں واقع ہوا ہے۔

۶۰ چنانچہ ان کے نزدیک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔ کہ حضرت عبداللہ بن زید نے کہا جب ہم نے صبح کی تو ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے خواب کی حضور کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا یہ خواب حق ہے۔ اور فرمایا بلال کے ساتھ اٹھ کر کھڑا ہو۔ کہ وہ تجھ سے زیادہ نرم و شیریں آواز والا ہے اور جو کلمات تجھے خواب میں بتلائے گئے ہیں بلال کو ان کی تلقین کرتا جا۔ اور بلال کو چاہیئے کہ وہ انہیں آواز سے کہتا جائے۔ پھر جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال کی آواز سنی تو اپنے گھر سے باہر نکل کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اپنی چادر کھینچتے ہوئے۔ اور کہا یا رسول اللہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق و راستی دے کر بھیجا ہے۔ میں نے بھی اس کے مطابق دیکھا ہے جو کچھ یہ عبداللہ بن زید کہہ رہے ہیں۔ اس پہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وللہ الحمد فذلك اثبت۔ حمد و ثنا اللہ ہی کے لیے ہے۔ تو اس پہ ثابت و قائم رہ۔

۶۰۰
۱۱ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ

حضرت ابو بکرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نماز صبح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

فَكَانَ لَا يَمُرُّ بِرَجُلٍ إِلَّا نَادَاهُ بِالصَّلٰوةِ أَوْ حَرَّكَهُ بِرِجْلِهِ ۔

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

نکلا۔ تو آپ کسی آدمی کے پاس سے نہ گزرتے تھے مگر اسے نماز کی آواز دیتے تھے۔ یا اس کے پاؤں کو ہلاتے[۲] تھے۔

(ابوداؤد)

[۱] یعنی حضرت ابوبکرہ ثقفی رضی اللہ عنہ۔ آپ کا نام نفیع بن الحارث ہے۔

[۲] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لیے بیدار کرنا جائز ہے۔ خواہ بلانے کی صورت میں ہو یا خواہ ہلانے کے ساتھ۔

۶۰۱/۱۲ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ أَنَّ الْمُؤَذِّنَ جَاءَ عُمَرَ يُؤْذِنُهُ لِصَلٰوةِ الصُّبْحِ فَوَجَدَهُ نَائِمًا فَقَالَ الصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ فَأَمَرَهُ عُمَرُ أَنْ يَجْعَلَهَا فِي نِدَاءِ الصُّبْحِ ۔

(رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأِ)

حضرت مالک سے روایت ہے انہیں یہ بات پہنچی کہ مؤذن حضرت عمر کو نماز صبح کی اطلاع دینے آیا[۱] انہیں سویا ہوا پایا۔ تو کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ حضرت عمر نے اس کو کہا یہ الفاظ صبح کی اذان میں کہا کر[۲]

(اسے مالک نے موطا میں روایت کیا)۔

[۱] یعنی اذان ہو جانے کے بعد۔

[۲] حضرت ابو محذورہ کی گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا تھا کہ صبح کی اذان میں یہ الفاظ کہا کریں بعض روایات میں یوں بھی آیا ہے کہ حضرت بلال حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا الصلوٰۃ خیر من النوم۔ حضور یہ الفاظ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا یہ الفاظ اذان میں کہا کر۔ ہو سکتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں یہ سنت حضور علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد متروک ہو گئی ہو۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں دوبارہ روشن و تازہ ہوئی ہو۔ واللہ اعلم۔

۶۰۲/۱۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَعْدٍ مُؤَذِّنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ أَبِيْهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِلَالًا أَنْ يَجْعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ وَقَالَ إِنَّهُ أَرْفَعُ لِصَوْتِكَ ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبد الرحمٰن بن سعد ——— مؤذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے وہ اپنے باپ اور انکا باپ اپنے دادا[۱] سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ اذان دیتے وقت اپنی انگلیاں اپنے دونوں کانوں میں ڈالا کریں اور فرمایا اسی طرح تیری آواز زیادہ بلند ہوگی۔

(ابن ماجہ)

[1] یعنی عبدالرحمٰن نے کہا مجھ سے روایت بیان کی میرے باپ سعد بن عمار نے اس نے اپنے باپ سے یعنی عمار بن سعد سے اور میرے باپ نے اپنے دادا سے جن کا نام سعد قرظہ ہے۔ قرظہ قاف کی زبر اور راء ذطاء کے ساتھ یہ سعد قرظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسجد قبا میں موذن تھے۔ واضح ہو کہ سعد جو آنحضرت کے موذن ہیں صحابی ہیں۔ اور عمار بن سعد ان کے لڑکے تابعی مقبول ہیں اور طبقہ ثالثہ میں ہیں اور ان کا لڑکا عبدالرحمٰن مستور الحال راوی ہے) چھٹے طبقہ سے ہے۔ ان میں سے ہر ایک اپنے باپ سے روایت کرتا ہے۔ پس عبدالرحمٰن اپنے باپ سے کہ سعد بن عمار ہے۔ وہ اپنے باپ سعد سے جو صحابی ہیں اور میرے باپ کا دادا ہے۔ ابیہ و جدہ کی دونوں ضمیریں لفظ ابی کی طرف لوٹتی ہیں۔

بَابُ فَضْلِ الْاَذَانِ وَاِجَابَةِ الْمُؤَذِّنِ

اذان اور اذان کا جواب دینے کی فضیلت کا بیان

اذان کی فضیلت و شان فی نفسہ بہت زیادہ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ گفتگو اس میں ہے کہ اذان کہنا افضل ہے یا امامت کرنا۔ مختار و پسندیدہ مذہب یہ ہے کہ اگر جانتا ہو کہ امامت کے حقوق صحیح اور کامل طور پر بجا لا سکتا ہے تو امامت افضل ہے ورنہ اذان افضل ہے۔

پھر اس بارے میں بھی علماء نے گفتگو کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اذان کہی ہے یا نہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے۔ لوگ سواریوں پر سوار تھے۔ نیچے اترنے کی گنجائش نہ تھی۔ اس وقت آپ نے اذان کہی اور سواریوں پر ہی نماز ادا کی۔ بعض نے اس کی تاویل یہ کی ہے کہ اذان کہنے سے اذان کا حکم دینا مراد ہے۔ اور یہ طریقہ عربوں میں بہت مروج ہے کہ جو شخص کسی کام کا حکم دیتا ہے۔ وہ کام اسی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں بادشاہ نے قلعہ تعمیر کیا اور جوڑا پہنایا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ اس نے اس کام کا حکم دیا۔ مسند ہے دار قطنی کی روایت میں اس امر کی تصریح بھی آچکی ہے کہ آپ نے اذان کا حکم دیا تھا۔ واللہ اعلم۔

ہدایہ میں حضرت امام ابو یوسف سے نقل کیا کہ امام ابو یوسف نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مغرب کی اذان و اقامت خود کہی۔ اور دونوں کے درمیان بیٹھے۔ کلام سغنائی سے ظاہر بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ نے اقامت بھی خود کہی تھی۔ (غور کرو)

موذن کی اذان کا جواب دینا واجب ہے اور اگر چند اشخاص اذان دیں تو اول کی اذان کا جواب ضروری ہو گا۔

اور اگر مختلف اطراف سے اذان کی آواز بیک وقت آ رہی ہو تو اپنے محلے کی مسجد کی اذان کا جواب دے اور اگر اذان کے وقت مسجد میں موجود ہو تو پھر اذان کا جواب دینا ضروری نہیں کہ وہ فعل سے اس کا جواب دے رہا ہے اور قرآن پڑھنے والے میں دو قول ہیں مختار و پسندیدہ قول یہ ہے کہ اس کے لیے جواب دینا لازم نہیں ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۶۰۳/۱ عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمُؤَذِّنُوْنَ اَطْوَلُ النَّاسِ اَعْنَاقًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے روز اذان دینے والوں کی گردنیں تمام لوگوں سے زیادہ دراز ہوں گی[1] (مسلم شریف)

[1] یہ قیامت کے دن ان کی بزرگی اور سرفرازی اور سربلندی سے کنایہ ہے۔ یا بہشت میں داخل ہو کر ان کے اذان کہنے کی انتظار سے کنایہ ہے۔ نیز حق تعالیٰ کی طرف سے فضل و کرامت کے لیے ان کے دیدہ ہائے امید کے دراز ہونے کی جانب اشارہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا منتظر اور امیدوار ہوتا ہے وہ اس کی طرف دیکھتا اور اس کی جانب گردن دراز کرتا ہے۔ یا اس کی درگاہ عزت و عظمت میں قرب و نزدیکی سے کنایہ ہے۔ بعض نے اعناقا بکسر ہمزہ روایت کیا ہے۔ بمعنی شتابی کرنا اور تیز چلنا یعنی بہشت کی جانب۔ مطلب یہ کہ اذان کہنے والے جنت میں جلد پہنچیں گے۔

۶۰۴/۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ اَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهٗ ضُرَاطٌ حَتّٰى لَا يَسْمَعَ التَّاْذِيْنَ فَاِذَا قُضِيَ النِّدَآءُ اَقْبَلَ حَتّٰى اِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ اَدْبَرَ حَتّٰى اِذَا قُضِيَ التَّثْوِيْبُ اَقْبَلَ حَتّٰى يَخْطُرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهٖ يَقُوْلُ اُذْكُرْ كَذَا اُذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتّٰى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِيْ كَمْ صَلّٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کیلیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے زور سے ہوا خارج کرتا ہے[1]۔ تاکہ اذان نہ سن سکے اور اس کی جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب نماز کی تکبیر شروع ہوتی ہے تو پھر پشت پھیر کر بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ جب اقامت ختم ہوتی ہے تو واپس آ جاتا ہے اور آکر انسان اور اس کے نفس کے درمیان حائل ہوتا اور وسوسہ اندازی کرتا ہے اسے کہتا ہے فلاں چیز یاد کر فلاں چیز یاد کروہ باتیں یاد دلاتا ہے جو اسے پہلے یاد نہ تھیں یہاں تک کہ آدمی کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اسے پتہ نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ ۔ تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ بعض کہتے ہیں یہ اپنے ظاہر معنی پر محمول ہے کیونکہ شیطان بھی غذا کھانے والا جسم رکھتا ہے۔ لہٰذا اگر بلند آواز سے ہوا خارج کرے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ لہٰذا وہ ہوا خارج کرتا جاتا اور بھاگتا جاتا ہے جس طرح گدھا کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس میں تشبیہ دی گئی ہے شیطان کے اپنے آپ کو اذان کی آواز سننے سے غافل کرنے کو اس آواز کے ساتھ جو کان کو بھر دے کہ اذان کی آواز نہ سن سکے۔ اور اس تشبیہ کو گوز، پادنے سے تعبیر کرنا اس کی قباحت وشناعت بیان کرنے کے لیے ہے۔ مسلم کی روایت میں کہ حصاص کا لفظ بھی آیا ہے۔ حُصاص حا کی پیش اور صاد مہملہ کے ساتھ بمعنی سخت تیز دوڑنا۔

۲؎ ۔ سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ شیطان اذان سے کیوں بھاگتا ہے۔ نماز وتلاوتِ قرآن سے کیوں نہیں بھاگتا۔

جواب۔ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اذان کے کلمات میں ایسی ہیبت اور ایسا رعب رکھا ہے کہ جس سے ابلیس پر سخت رعب وہیبت چھا جاتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں راز یہ ہے کہ اذان اگرچہ نماز کا مقدمہ ہے لیکن اس میں عجب وریا نہیں ہوتا۔ اور نماز چونکہ کامل درجہ کی فضیلت رکھتی ہے اس لیے آدمی اس میں عجب وریا میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اس رخنہ کے راستے شیطان کو وسوسہ اندازی کا موقعہ مل جاتا ہے۔ قرآن کی بھی یہی کیفیت ہے۔ مختصر یہ کہ اذان میں یہ خاص چیز رکھ دی گئی ہے۔ واللہ اعلم!

۶۰۵/۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَسْمَعُ مَدٰی صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَّلَا اِنْسٌ وَّلَا شَیْءٌ اِلَّا شَہِدَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں سنتی جن وانسان اور نہ کوئی اور[1] چیز موذن کی انتہائی آواز مگر وہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی[2] دے گی۔

(بخاری شریف)

۱؎ ۔ حیوانات۔ نباتات۔ اور جمادات میں وغیرہ۔

۲؎ یعنی اس کے ایمان، اس کے فضل وکمال اور اس کی عزت وبزرگی کی گواہی دے گی۔ مدیٰ میم اور دال کی زبر سے کسی چیز کی غائت ونہایت کو کہتے ہیں۔ غایت ونہایت کی تخصیص اس بنا پر کی کہ جب وہ چیز بھی گواہی دے گی جو پست آواز سنے گی۔ اگرچہ انتہائی پست ہو تو وہ چیز جو نزدیک ہو گی اور بلند آواز سنے گی وہ بطریق اولیٰ گواہی دے گی۔

۶۰۶/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم موذن کی اذان سنو تو کہو مثل اس کی جو وہ کہتا ہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ اس لیے کہ جو شخص مجھ پر

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْا اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت نازل کرتا ہے[1]۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو۔ کہ وہ وسیلہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کے لائق و مناسب ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں جو شخص میرے لیے خدا سے وسیلہ[2] کا سوال کریگا اسکے لیے شفاعت لازم ہو جائیگی (مسلم شریف)

[1] درود شریف بھیجنے کی یہ جزا اللہ کی طرف سے ہمیشہ کے لیے مقرر ہے تو اس وقت بھی مجھ پر درود شریف بھیجو۔ کہ یہ مبارک وقت ہے۔ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے۔

[2] لغت میں وسیلہ سبب اور دستاویز کو کہتے ہیں۔ توسل کا معنیٰ ہے کسی چیز کے ذریعے نزدیکی ڈھونڈنا۔ وسیلہ کرد بجدا اور وسیلہ کرد بسوئے خدا، کا معنیٰ ہے۔ عمل کے ذریعے خدا کا قرب تلاش کیا۔ یہاں وسیلہ سے مراد جس کے سوال کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہوا ہے اللہ جل جلالہ وعز شانہ کے حضور اور اس کی درگاہ عزت وعلو میں اس قرب کا سوال ہے جو آپ کو عطا ہوگا۔ اور جو عموماً وخصوصاً مخلوق کے لیے حصول شفاعت کا سبب بنے گا۔ اور بہشت میں مرتبے اور درجے کا حصول بھی اس قرب ودرجہ کا نتیجہ اور اثر ہوگا۔ اسی بنا پر اس کی تفسیر اس مرتبے سے کی گئی ہے۔ جو جنت میں آپ کو نصیب ہوگا۔ اور اَرْجُوْ (میں امید کرتا ہوں) کا لفظ بارگاہ الٰہی میں تواضع اور ادب کی نیت سے آپ نے استعمال فرمایا ورنہ حقیقت میں یہ اس مرتبے کے یقینی طور پر حصول سے کنایہ ہے۔ کیونکہ حبیب کی امید حضرت مجیب (اللہ تعالےٰ) میں ناکامی کا منہ ہرگز نہ دیکھے گی۔

۴۰۷/۵ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ اَحَدُكُمْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب موذن نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو تم نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر اور جب موذن اشہدان لا الٰہ الا اللہ اشہدان لا الٰہ الا اللہ کہتا ہے تو تم نے بھی اشہدان لا الٰہ الا اللہ کہا۔ پھر موذن کہتا ہے اشہدان محمد رسول اللہ کہا تو تم نے بھی اشہدان محمد رسول اللہ کہا۔ پھر کہتا ہے حی علی الصلوٰۃ تم نے اس کے جواب میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا۔ پھر وہ کہتا ہے حی علی الفلاح تم نے اس کے جواب میں

بِاللّٰهِ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَالَ اَكْبَرُ قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ قَلْبِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ پھر کہتا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر تم نے بھی اللہ اکبر اللہ اکبر کہا پھر وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ تم نے بھی اپنے دل میں کہا لا الٰہ الا اللہ۔ جو بھی ایسا کرے گا جنت میں داخل ہوگا۔

(مسلم شریف)

لے احادیث میں حی علے الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے جواب میں یہی کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ آیا ہے اور وہ جو بعض لوگ کہتے ہیں ماشاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن اس کی کوئی اصل نہیں ملی۔ ان کلمات کے جواب میں حیعلہ (حی علے الصلوٰۃ حی علے الفلاح) اور حوقلہ (لاحول ولاقوۃ الا باللہ) دونوں کو جمع کرنا حنبلیوں سے ایک روایت ہے۔

۶۰۸/۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ النِّدَآءَ اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی اذان سننے کے وقت یہ دعا پڑھے

(ترجمہ) اے میرے اللہ اس دعوتِ کاملہ (دعوت توحید) اور صلوٰۃ قائمہ (حی علی الصلوٰۃ) کے رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق پر رتبہ و درجہ عطا کر۔ اور آپ کو مقام محمود پر کھڑا کر جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ تو اس کیلئے روز قیامت میری شفاعت واجب ہوگی۔

لے اور بیہقی کی روایت میں یوں آیا ہے۔ (اے میرے اللہ میں تجھ سے اس دعوتِ تامہ کے حق کے ساتھ سوال کرتا ہوں) دعوتِ تامہ سے دعوتِ توحید مراد ہے جو نقص شرک سے منزہ اور تغیر و تبدل سے محفوظ اور روز قیامت تک باقی و قائم ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ تمام اقوال سے اتم اور اکمل قول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ کیونکہ یہ تمام دنیوی و اُخری سعادتوں کا جامع ہے۔

۲ے والصلوٰۃ القائمہ۔ یہ حی علے الصلوٰۃ کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اور صلوٰۃ سے دعا اور قائمہ سے دائمہ مراد لیا جائے تو پھر یہ دعوتِ تامہ کی تاکید اور اس کا بیان بنے گا۔

۳ے مقام محمود سے وہ مقام مراد ہے کہ اس مقام والے کی سب کائنات صفت و ثنا کرے گی اور تمام مخلوق اس پر رشک کرے گی۔ اور یہ مقام قرب و شفاعت ہے۔ کہ تمام عالم حیران و سرگرداں ہوگا اور انبیاء و رسل میں سے کسی کو

بھی ہیبت و دہشت کے باعث سر اٹھانے کی جرات نہ ہو گی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدائے قدوس کے حریم خاص میں حاضر ہوں گے اور اس دروازہ (شفاعت) کو کھولیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ خدا تعالیٰ (اس دن) اپنے محبوب پاک کو ایسی حمد کی تعلیم و تلقین کرے گا کہ جب آپ اس حمد کے ساتھ خدا تعالےٰ کی صفت و ستائش کریں گے تو رحمت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ بھی ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روز قیامت عرش پر بٹھایا جائے گا۔ سبز رنگ کا خاص لباس آپ کو پہنایا جائے گا۔ پھر آپ کو اذن دیا جائے گا کہ جو چاہیں فرمائیں اور جو کچھ میرے حبیب کی رضا ہے مجھ سے مانگے اور طلب کرے۔ اس دن معلوم ہو گا کہ مقام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے اور اس (آخرت) کی مجلس و معرکہ کا صدر و سلطان کون ہے ؎

آں چشم و چراغ اہل بینش — سلطان سر بر آفرینش
وہ اہل دانش و بینش کا چشم و چراغ — وہ کائنات ہستی کا سلطان و بادشاہ

؎

در مقامیکہ صدارت بر بزرگان بخشند — چشم دارم کہ بجا از ہمہ افزوں باشی
وہ مقام جہاں بزرگوں کو صدارت عطا کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہاں بھی تو سب سے افضل و اعلیٰ جگہ میں ہو گا۔

۴؎ یعنی اپنے اس قول مبارک میں جو تو نے قرآن میں فرمایا
تیرا رب عنقریب تجھے مقام محمود میں کھڑا کرے گا۔

۵؎ یعنی جو شخص اذان کے بعد یہ دعا پڑھتا ہے روز قیامت اس کے لیے شفاعت اترے گی اور وہ اس کا مستحق قرار پائے گا۔ اگرچہ تمام امت گنہگار گناہوں کی مغفرت کے لیے نیک لوگ بلندی درجات کے لیے شفاعت کے امیدوار ہوں گے۔ لیکن اس عمل والے کے لیے شفاعت لازم و ضروری ہو گی اور یہ شخص خصوصی شفاعت اور عظیم رحمت سے نوازا جائے گا۔ بعض علماء رحمہم اللہ نے اس قسم کی بشارات کو حسن عاقبت اور ایمان پر موت سے کنایہ قرار دیا ہے کہ شفاعت ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے۔ پس شفاعت کی بشارت ایمان پر موت کی بشارت کو مستلزم ہے جیسا کہ حدیث مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ (جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی) میں علماء نے یہ نکتہ بیان کیا ہے۔ اللھم ارزقنا اے اللہ ہمیں اپنے حبیب کی شفاعت نصیب فرما۔

۶۰۹/۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُغِیْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَکَانَ یَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَکَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے تھے۔ اور آپ کان لگا کر اذان سنتے تھے۔ اگر دشمن کی طرف سے

وَ اِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَلَى الْفِطْرَةِ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خَرَجْتَ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا اِلَيْهِ فَاِذَا هُوَ رَاعِيْ مِعْزًى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اذان کی آواز سنتے تو حملہ کرنے سے رک جاتے۲؎ ورنہ حملہ کر دیتے تھے۳؎۔ ایک دفعہ آپ نے ایک آدمی کو کہتے ہوئے سنا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر تو آپ نے فرمایا اے مرد تو اسلامی فطرت پر ہے اور آپ نے اس کے ایمان کی گواہی دی پھر اس نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ آپ نے فرمایا تو آگ سے باہر نکل آیا۴؎۔ لوگوں نے اس آدمی کو جا کر دیکھا۵؎ تو وہ بکریاں چرانے والا چرواہا نکلا۶؎۔

(مسلم شریف)

۱؎ اغارت کا معنی ہے۔ قتل اور لوٹ مار کے لیے گھوڑوں کو سخت دوڑانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ تھی کہ جب کسی قوم پر حملہ کرنے تشریف لے جاتے صبح کو تشریف لے جاتے۔ تاکہ ان کے کفر و اسلام کا امتحان ہو سکے۔

۲؎ کہ ان کی اذان سے پتہ چل جاتا کہ یہ مسلمان ہیں۔

۳؎ کہ اس قوم سے اذان کی آواز نہ آنے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں۔ آپ نے اذان کے ہونے اور نہ ہونے کو ان کے ایمان و کفر کی علامت قرار دیا۔ ایک فقہی روایت میں آیا ہے کہ کسی جگہ کے لوگ اگر اذان کہنا ترک کر دیں تو ان کے خلاف تلوار کشی جائز ہو جائے گی کہ اذان اگرچہ سنت ہے مگر شعائر اسلام میں سے ہے۔

۴؎ یہ اس کے ایمان کی تاکید ہے۔ اس کا معنی یہ ہے تو آتش دوزخ سے باہر نکل آنے کا مستحق ہو گیا ہے۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تو گناہ بھی کرے اور اس کی سزا کے طور پر دوزخ میں بھی جائے۔ آخر کار ایمان کی بدولت دوزخ سے نکل آئے گا۔ (غور کرو)

۵؎ تاکہ معلوم کریں کہ یہ کون شخص ہے۔

۶؎ معزیٰ۔ میم کی زیر اور عین ساکن اور زا کی مد و قصر کے ساتھ مَعز و مَعَز بمعنی بکری ——— ضان بمعنی بھیڑ۔

۶۱۰/۸ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ قَالَ حِيْنَ يَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ اذان سنتے کے وقت یہ پڑھتا ہے۔

لَهٗ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا غُفِرَ لَهٗ ذَنْبُهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ ایک ہے اسکا کوئی شریک نہیں اور بیشک محمدؐ اسکے بندے اور رسول ہیں میں اللہ کے رب ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہوا تو اسکے گناہ بخش دیے جاتے ہیں[1] (مسلم شریف)

[1] یعنی تمام صغیرہ گناہ جیساکہ احناف کا مذہب ہے۔

٦١١/٩ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ بَيْنَ كُلِّ اَذَانَيْنِ صَلٰوةٌ ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَآءَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے ہر دو اذان کے درمیان نماز ہے پھر آپ نے تیسری مرتبہ فرمایا اس کے لیے جو چاہے[1]

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی دو اذانوں (اذان و اقامت) کے درمیان وقفہ میں جو شخص چاہے نماز پڑھے مگر یہ نماز لازم و ضروری نہیں چاہے تو پڑھے چاہے تو نہ پڑھے۔

واضح ہو کہ دو اذانوں سے یہاں اذان و اقامت مراد ہے۔ اقامت کو بھی اذان سے مشابہت ہونے کی بنا پر اذان کہہ دیا جس طرح شمس و قمر کو قمرین اور امام حسن و حسین کو حسنین کہتے ہیں۔ یا اس وجہ سے اقامت کو اذان کہا کہ اذان بمعنی اعلام (اطلاع دینا) ہے اور اقامت بھی نفل نماز کے موجود ہونے کی اطلاع ہے جس طرح اذان نماز کا وقت ہونے کی اطلاع ہے۔ مطلب و مراد یہ ہے کہ اذان دینے کے بعد نماز پڑھنی چاہیے کہ یہ مبارک وقت ہے۔ اور اس میں دعا قبول ہوتی ہے یا اس میں فرض سے پہلے نوافل کی طرف اشارہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں جو بعد وقت در پیش ہے۔ وہ نماز مغرب کے بارے میں ہے کہ اس میں اذان کے بعد فرض ادا کرنے سے پہلے نفل نماز مکروہ ہے۔ جیساکہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور ان کے صحاب حنفیہ رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے۔ مگر بخاری شریف میں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت انس فرماتے ہیں جب موذن مغرب کی اذان دیتا تو صحابہ میں سے چند حضرات اٹھ کھڑے ہوتے اور مسجد کے ستونوں کی طرف جاتے اور فرض پڑھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھتے اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دولتکدہ سے باہر تشریف لاتے اور صحابہ کو نماز میں دیکھتے اور منع نہ فرماتے۔ اور مسلم نے اتنا مضمون اور زیادہ کیا

کہ جب کوئی اجنبی آدمی باہر سے آتا تو گمان کرتا کہ نماز ہو گئی۔ کیونکہ وہ لوگوں کو نماز میں دیکھتا۔ یہاں بعض حضرات نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ مغرب کے بعد دو رکعت سنت موکدہ ہیں۔ مگر یہ گمان درست نہیں۔ کیونکہ یہ دو رکعت صحابہ اذان کے متصل بعد فرض نماز سے پہلے پڑھتے تھے۔ اور حضور نے صحابہ کو ایسا کرنے کا اختیار دے رکھا تھا۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ابتداء میں ایسا کرنے کا اختیار تھا بعد میں جب نماز عصر کے بعد پڑھنے سے ممانعت آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے ساتھ مغرب کی اذان کے بعد کے نفلوں کا جواز بیان فرمایا اس کے بعد ان کا جواز بھی منسوخ ہو گیا۔ یہاں کافی گفتگو ہے جو شرح (عربی) میں ہم نے کر دی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

٦١٢/١٠ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِمَامُ ضَامِنٌ وَ الْمُؤَذِّنُ مُؤْتَمَنٌ اَللّٰهُمَّ اَرْشِدِ الْاَئِمَّةَ وَ اغْفِرْ لِلْمُؤَذِّنِیْنَ ۔
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ الشَّافِعِیُّ وَ فِیْ اُخْرٰی لَهٗ بِلَفْظِ الْمَصَابِیْحِ ۔

دوسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام ضامن ہوتا ہے اور موذن امانتدار ہے[2] اے اللہ ائمہ کو علم و عمل کی توفیق عطا فرما[3] اور موذنین کی مغفرت فرما[4] اسے احمد، ابو داؤد اور ترمذی اور شافعی نے روایت کیا اور ایک دوسری روایت میں امام شافعی سے دوسرے الفاظ مروی ہیں جو مصابیح میں ہیں کہ کہا

یعنی ائمہ نماز ضامن ہیں اور موذن لوگ امین ہیں۔ اے اللہ ائمہ کو ہدایت عطا کر اور موذنین کی مغفرت فرما۔

[1] یعنی امام مقتدیوں کی نمازوں کا بوجھ اپنے اوپر لادنے والا ہے کہ ان کی قرأت اپنے ذمہ لیتا ہے اور ان کا قیام بھی اگر وہ رکوع میں شامل ہوں۔ اور وہ ان کے لیے افعال نماز اور رکعات کی تعداد کا خیال رکھتا ہے۔

[2] کہ وہ ان کے لیے نماز و روزہ کے اوقات کی نگرانی اور حفاظت کرتا ہے۔

[3] اے اللہ اماموں کی راہ نمائی فرما۔ انہیں علم و عمل اور درستی حال کی توفیق عطا فرما۔

[4] یعنی موذنین سے جو کوتاہی اور خطا صادر ہو جائے اس سے درگزر فرما۔ اس حدیث میں امامت اور اذان کو ایک دوسرے پر فضیلت دینا مقصود نہیں ہے۔ بلکہ ہر ایک کا حال بیان کرنا اور ان کے لیے دعائے خیر کرنا مطلوب ہے۔ (خوب غور کرو)

٦١٣/١١ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَذَّنَ سَبْعَ سِنِيْنَ مُحْتَسِبًا كُتِبَ لَهٗ بَرَآءَةٌ مِّنَ النَّارِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے سات سال اذان دی، محض اللہ کی رضا اور طلب ثواب کے لیے اس کیلئے دوزخ سے بیزاری لکھ دی جاتی ہے۔

ترمذی، ابو داؤد ابن ماجہ

۶۱۴/۱۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْجَبُ رَبُّكَ مِنْ رَّاعِيْ غَنَمٍ فِيْ رَاْسِ شَظِيَّةٍ لِّلْجَبَلِ يُؤَذِّنُ بِالصَّلٰوةِ وَيُصَلِّيْ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اُنْظُرُوْا اِلٰى عَبْدِيْ هٰذَا يُؤَذِّنُ وَيُقِيْمُ الصَّلٰوةَ يَخَافُ مِنِّيْ قَدْ غَفَرْتُ لِعَبْدِيْ وَاَدْخَلْتُهُ الْجَنَّةَ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرے رب کو پہاڑ کی بلندی میں بکریاں چرانے والے کی یہ بات اچھی لگتی ہے[2] کہ وہ نماز کے لیے اذان[3] دیتا۔ اور نماز پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے میرے اس بندے کی طرف دیکھو کہ اذان دیتا اور نماز قائم کرتا ہے۔ یہ مجھ سے ڈرتا ہے[4] میں نے اس بندے کو بخش دیا۔ اور میں نے اسے جنت میں داخل کیا۔ (ابو داؤد و نسائی)

[1] حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت عقبہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مصر کے والی مقرر ہوئے۔ پھر آپ نے انہیں معزول کر دیا مصر میں ۵۸ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

[2] تیرا رب تعجب کرتا ہے یعنی اس کے نزدیک یہ عظمت و شان والی بات ہے۔ اور بکریاں چرانے والے سے وہ راضی اور خوش ہوتا ہے۔

[3] اگرچہ جماعت کے ساتھ نماز ادا نہیں کر سکتا۔

[4] کہ ترک سنت پر میں مجھ سے ڈرتا ہے۔ لوگوں کا ہونا نہ ہونا اس کی نگاہ میں کچھ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ وہ صرف میرے خوف سے اذان کی سنت قائم کرتا ہے۔

۶۱۵/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَبْدٌ اَدّٰى حَقَّ اللّٰهِ تَعَالٰى وَحَقَّ مَوْلَاهُ وَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کے دن تین آدمی کستوری کے ٹیلوں[1] پر ہوں گے۔ ایک وہ بندہ جس نے اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا حق بھی[2]

رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ بِهٖ رَاضُوْنَ وَرَجُلٌ يُّنَادِيْ بِالصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كُلَّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ۔

ادا کیا، دوسرا وہ آدمی جو کسی قوم کا امام بنا اور وہ اس سے راضی ہوں[3]۔ تیسرا شخص وہ جو دن رات میں پانچ نمازوں کے لیے اذان دیتا ہو۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

---

[1] کثبان جمع کثب ثا کے ساتھ۔ بمعنی ریت کا ٹیلہ۔ کثب کا معنی ہے جمع کرنا۔

[2] اپنے آقا کا حق بھی دراصل خدا تعالیٰ کا حق ہے۔ کیونکہ وہ فرمان شریعت کے تحت اس کے حقوق ادا کرتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ تمام معاملات میں خدا تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں رہتا ہے اور اس پر بوجھ بھی زیادہ ہے۔

[3] کیونکہ وہ امام نماز کے احکام، اس کے ارکان و سنن و مستحبات کا پورا پورا خیال رکھتا ہے اور نماز کی قراءت بھی صحیح اور خوبصورتی سے کرتا ہے۔

۶۶۴/۱۲ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤَذِّنُ يُغْفَرُ لَهٗ مَدٰى صَوْتِهٖ وَيَشْهَدُ لَهٗ كُلُّ رَطْبٍ وَّيَابِسٍ وَشَاهِدُ الصَّلٰوةِ يُكْتَبُ لَهٗ خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ صَلٰوةً وَّيُكَفَّرُ عَنْهُ مَا بَيْنَهُمَا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ موذن کی بخشش ہو جاتی ہے اس کی انتہائی (بلند) آواز تک بھی[1]۔ اور ہر تر اور خشک چیز اس کے لیے گواہی دیتی[2] ہے۔ اور نماز کو آنے والے کیلئے پچیس نمازوں کا ثواب لکھا جاتا[3] ہے۔ اور دو نمازوں کے درمیان اس سے ہونے والے گناہ بخش دیے جاتے ہیں[4]۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ اِلٰى قَوْلِهٖ كُلُّ رَطْبٍ وَّيَابِسٍ وَقَالَ وَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ مَنْ صَلّٰى

اسے احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور نسائی نے اسے کل رطب ویابس کے قول تک روایت کیا اور نسائی نے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے۔ ولہ مثل اجر من صلی۔ کہ اس موذن کو تمام نمازیوں کے برابر ثواب ملے گا[5]۔

[1] یعنی اس کی نہایت آواز تک اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جس قدر وہ آواز بلند کرتا چلا جاتا ہے اسی کے مطابق اس کی مغفرت ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اگر اپنی آواز انتہائی بلند کرے تو اس کی مغفرت بھی انتہائی درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔

ان الفاظ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر اس موذن کے اتنے گناہ ہوں کہ جہاں تک اس کی اذان کی آواز

پہنچ رہی ہے ان ساری مسافت و فاصلہ کو پر کر دیں تو وہ سب گناہ اذان کی برکت سے بخش دیے جاتے ہیں۔ مگر تم خو تہ کی روایت پہلے معنیٰ کی تائید کرتی ہے۔

ف۲ اگر چہ ظاہراً یہ لفظ (رطب ویابس) نباتات یا جمادات کے لیے آتا ہے۔ مگر یہاں حدیث میں ہر چیز مراد ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہ کے قول مبارک ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین میں رطب و یابس سے ہر چیز مراد ہے۔

اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب جمادات و نباتات گواہی دیتے ہیں تو پھر جن و انس بطریق اولیٰ گواہی دیں گے۔

ف۳۔ اور اس کی اذان سن کر نماز کے لیے آنے والے کو ایک نماز ادا کرنے پر پچیس نمازوں کا ثواب ملتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ نماز با جماعت اکیلا نماز پڑھنے سے پچیس گنا فضیلت و درجہ رکھتی ہے اور یہ فضیلت درحقیقت اذان کی فضیلت کی جانب رجوع کرتی ہے۔ کیونکہ جماعت اذان کی بدولت ہوئی۔ اور اذان کی وجہ سے لوگ اکٹھے ہوئے اور اس درجہ کو پہنچے۔

ف۴ یعنی وہ تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں جو دو نمازوں کے درمیانی وقفہ میں موذن سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ جب کہ وہ دونوں نمازیں پڑھے اور دونوں میں شامل ہو۔

ف۵۔ ورنفل شاہد الصلوۃ کے الفاظ روایت نہ کیے۔

ف۶۔ کہ نفلاً خیر پر دلالت کرنے والا اس نیک کام کے کرنے والوں کے ساتھ شریک قرار دیا جاتا ہے۔ یعنی وہ بھی ان کے ثواب میں شامل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہی نماز کے لیے لوگوں کے جمع ہونے کا ذریعہ بنا ہے یہ مطلب ہیں کہ موذن کو تمام نمازیوں کی نمازوں جتنا ثواب ملتا ہے۔ تاکہ لازم آئے کہ اذان نماز سے بھی افضل ہے۔

۲۲ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ قُلْتُ[۱] یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْنِیْ اِمَامَ قَوْمِیْ قَالَ اَنْتَ اِمَامُهُمْ وَ اقْتَدِ بِاَضْعَفِهِمْ وَ اتَّخِذْ مُؤَذِّنًا لَا یَاْخُذُ عَلٰی اَذَانِهٖ اَجْرًا۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ

حضرت عثمان[۱] بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اپنی قوم کا امام مقرر فرمادیں۔ فرمایا تو ان کا امام[۲] ہے۔ اور امامت میں قوم کے کمزور ترین آدمی کے حال کا خیال رکھ کہ نماز ادا کرنا[۳]۔ اور ایسا موذن مقرر کرنا جو اذان پر اجرت وصول نہ کرے۔ (احمد، ابوداؤد، نسائی)

ف۱۔ حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ ثقفی ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طائف کا عامل مقرر فرمایا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پھر

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سال تک اس عہدے پر فائز رہے۔ پھر حضرت عمر نے انہیں اس عہدہ سے الگ کر کے عمان اور بحرین کا والی تصور فرمایا۔

۵۲۔ یعنی میں نے تجھے اس جماعت کا امام مقرر کر دیا۔

۵۳۔ امامت کرتے وقت کمزور ترین مقتدیوں کی حالت پیش نظر رکھنا۔ قرأت اور دوسرے ارکان نماز اسقدر طویل نہ کرنا جو ان کی برداشت سے باہر ہو اور جس سے وہ دل تنگ ہوں۔ اور نماز با جماعت کے لیے آنا ترک کر دیں۔

۶۱۸/۱۶ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقُوْلَ عِنْدَ اَذَانِ الْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَاِدْبَارُ نَهَارِكَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْ لِيْ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتی ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھلایا کہ میں اذان مغرب کے وقت یہ دعا پڑھا کروں۔ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِکَ۔ اے اللہ یہ تیری پیدا کردہ رات کے آنے کا وقت ہے۔ وَاِدْبَارُ نَھَارِکَ اور یہ تیرے پیدا کردہ دن کے جانے کا وقت ہے۔ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِکَ اور یہ تیری عبادت کی جانب بلانے والوں کی آوازوں کا وقت[۵۱] ہے تو مجھے بخش دے[۵۲]۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا

۵۱۔ یعنی آوازوں (اذانوں) کا وقت ہے۔

۵۲۔ اور ایک روایت میں وَحُضُوْرُ صَلٰوتِکَ (تیری نماز کے موجود ہونے کا وقت ہے) کے الفاظ زیادہ آئے ہیں۔ فَاغْفِرْ لِیْ۔ اور ایک روایت میں اَسْأَلُکَ اَنْ تَغْفِرَ لِیْ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی میں تجھ سے اپنی مغفرت کا سوال کرتا ہوں۔

۶۱۹/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ اَوْ بَعْضِ اَصْحٰبِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ بِلَالًا اَخَذَ فِي الْاِقَامَةِ فَلَمَّا اَنْ قَالَ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا اللّٰهُ وَقَالَ فِيْ سَائِرِ الْاِقَامَةِ كَنَحْوِ حَدِيْثِ عُمَرَ فِي الْاَذَانِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابو امامہ[۵۱] سے یا بعض[۵۲] اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی جب انہوں نے قد قامت الصلوۃ کے لفظ کہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ اسے قائم اور ہمیشہ رکھے اور آپ نے اقامت کے باقی الفاظ اسی کی مانند کہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اذان میں مروی[۵۳] ہیں۔ (ابوداؤد)

ھ۱۔ حضرت ابو امامہ باہلی مشہور صحابی ہیں۔

ھ۲۔ یعنی اس حدیث کو بعض راویوں نے حضرت ابو امامہ سے روایت کیا ہے۔ اور بعض نام کی صراحت کے بغیر نامے ہیں۔ اور بغیر کسی صحابی کا نام لیے یوں کہا ہے۔ کہ بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ھ۳۔ یعنی اذان میں مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو فصل اول میں گزری ہے۔ یعنی اذان کے جو خاموش سنے وہی کہتا جائے۔

٦٢٠/١٨ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُرَدُّ الدُّعَآءُ بَیْنَ الْاَذَانِ وَالْاِقَامَۃِ۔

رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اذان اور اقامت کے درمیان دعا رد نہیں[۱] ہوتی۔

(ترمذی وابوداؤد)

ھ۱۔ حدیث کے ظاہر الفاظ عام ہیں کہ اذان کے متصل بعد دعا کرے یا کچھ دیر سے۔ بہتر یہ ہے کہ متصل کرے تاکہ آئندہ حدیث جس میں فرمایا۔ عند النداء کے موافق ہو جائے۔

٦٢١/١٩ وَعَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثِنْتَانِ لَا تُرَدَّانِ اَوْ قَلَّمَا تُرَدَّانِ الدُّعَآءُ عِنْدَ النِّدَآءِ وَعِنْدَ الْبَاْسِ حِیْنَ یُلْحِمُ بَعْضُھُمْ بَعْضًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ وَتَحْتَ الْمَطَرِ۔

حضرت سہل[۱] بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو چیزیں (دعائیں) رد نہیں ہوتیں۔ یا کم ہی رد ہوتی ہیں[۲]۔ ایک اذان کے وقت دوسری کفار کے ساتھ جنگ کے وقت دعا جب بعض بعض کو قتل کر رہے ہوں یا ایک دوسرے کے گتھم گتھا ہو چکے ہوں[۳] اور ایک روایت میں عِنْدَ الْبَاْسِ کے بجائے وتحت المطر کا لفظ بھی آیا ہے یعنی بارش کے نیچے یا بارش کے وقت اسے ابوداؤد، دارمی نے روایت کیا مگر دارمی نے وتحت المطر کی روایت[۴] کا ذکر نہیں کیا[۵]۔

ھ۱۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ صحابہ میں مدینہ کے اندر سب سے آخر فوت ہونے والے یہی صحابی ہیں۔

ھ۲۔ قلت کا لفظ عدم سے کنایہ ہے یعنی دعا رد نہیں ہوتی۔

ھ۳۔ لحم کا لفظ جنگ میں قتل کرنے یا ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہونے کے معنوں میں آتا ہے۔ اور یہی معنی ہیں لفظ یُلْحِمُ اور حا کی زبر کے ساتھ اور حا کی پیش اور زیر کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔

۵۰۔ عبارت کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ بارش کے نیچے کھڑے ہو کر دعا کرے کہ بارش اس پر برس رہی ہو۔ یہ بھی احتمال ہے کہ تحت المطر سے بارش نازل ہونے کا وقت مراد ہو۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔

اس حدیث کو ابوداؤد اور دارمی دونوں نے روایت کیا۔ تاہم دارمی نے تحت المطر والی روایت کا ذکر نہیں کیا۔

۶۲۲/۲۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُؤَذِّنِيْنَ يَفْضُلُوْنَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ كَمَا يَقُوْلُوْنَ فَاِذَا انْتَهَيْتَ فَسَلْ تُعْطَ

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ مؤذن لوگ تو ہم پر فضیلت لے گئے[۵۱]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو بھی وہی الفاظ کہہ اور جب تو آخر پر پہنچے تو خدا سے مانگ تجھے ملے گا۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا۔

۵۱۔ کیونکہ وہ اذان کہتے ہیں اور ہم اذان نہیں کہتے۔

۵۲۔ یہ اس کے جواب سے زیادہ بات آپ نے بیان فرمادی اور اس جانب اشارہ ہے کہ اگر اذان کا جواب دینے کے بعد دعا کرے تو زیادہ فضیلت کی بات ہے۔

۵۳۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں آچکا ہو تب بھی اذان کا جواب دے کہ اذان کا ثواب پائے گا۔ برخلاف اس کے جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اجابت فعلی کی موجودگی میں اجابت قولی کی کوئی ضرورت نہیں۔ (خوب سمجھو)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۶۲۳/۲۱ عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ اِذَا سَمِعَ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ ذَهَبَ حَتّٰى يَكُوْنَ مَكَانَ الرَّوْحَاءِ قَالَ الرَّاوِيْ وَالرَّوْحَاءُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ عَلٰى سِتَّةٍ وَّثَلٰثِيْنَ مِيْلًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیطان جب اذان سنتا ہے تو بھاگ جاتا ہے یہاں تک کہ مکان روحاء تک چلا جاتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ روحاء مدینہ طیبہ سے چھتیس میل کے فاصلہ پر ایک جگہ ہے۔

(مسلم شریف)

۱ہ۔ روحاء را کی زبر حا ساکن اور مد کے ساتھ۔

۲ہ۔ بعض نے کہا کہ یہ جگہ مدینہ طیبہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

۶۲۴ وَعَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ إِنِّيْ لَعِنْدَ مُعَاوِيَةَ إِذْ أَذَّنَ مُؤَذِّنُهٗ فَقَالَ مُعَاوِيَةُ كَمَا قَالَ مُؤَذِّنُهٗ حَتّٰى إِذَا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ فَلَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَقَالَ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا قَالَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت علقمہ بن۱ہ وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت معاویہ کے پاس تھا کہ اچانک ان کے موذن نے اذان کہنا شروع کردی۔ تو حضرت معاویہ نے بھی وہی کلمات کہے جو موذن کہتا تھا یہانتک کہ جب موذن نے حی علی الصلوٰۃ کہا تو حضرت معاویہ نے لاحول ولاقوۃ الاباللہ کہا پھر جب موذن نے حی علی الفلاح کہا تو حضرت معاویہ۔ نے لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم کہا۔ (اس مرتبہ انہوں نے العلی العظیم کے الفاظ زیادہ کیے) اسکے بعد آپنے وہی الفاظ کہے جو موذن نے کہے۔ پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ نے ایسا ہی کیا تھا۔ (احمد)

۱ہ۔ حضرت علقمہ بن وقاص رضی اللہ عنہ کبار تابعین میں سے ہیں۔

۶۲۵ / ۲۴ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ بِلَالٌ يُنَادِيْ فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہوکر اذان کہی۔ اذان ختم کرکے جب حضرت بلال خاموش ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے یقین وایمان سے موذن کے کلمات کی مانند کلمات کہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (نسائی شریف)

۱ہ۔ یعنی صدق ویقین سے اذان کا جواب دے۔

۲ہ۔ اگرچہ حدیث کا سیاق (انداز الفاظ) موذن کا جواب دینے والوں کی فضیلت بیان کرتا ہے۔ تاہم اس سے موذن کی فضیلت خود بخود ثابت ولازم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب موذن کے الفاظ کے مثل الفاظ کہنے والا ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے تو جس نے (موذن) نے پہلے یہ کلمات اذان کہے وہ بھی اجر وثواب پائے گا۔

۶۲۶/۲۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَمِعَ الْمُؤَذِّنَ يَتَشَهَّدُ قَالَ وَأَنَا وَأَنَا۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب موذن شہادتیں (اشہدان لا الہ الا اللہ اور اشہدان محمداً رسول اللہ) پڑھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے وانا وانا یعنی میں بھی گواہی دیتا ہوں میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ (ابو داؤد)

۶۲۷/۲۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَذَّنَ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ سَنَةً وَّجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَكُتِبَ لَهُ بِتَأْذِيْنِهِ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ سِتُّوْنَ حَسَنَةً وَّلِكُلِّ إِقَامَةٍ ثَلٰثُوْنَ حَسَنَةً

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بارہ سال اذان دے اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے[1] اور اس کے لیے ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور ہر اقامت پر تیس نیکیاں ملتی ہیں[2]۔

(ابن ماجہ)

[1] گزشتہ فصل ثانی میں سات سال فرمایا ہو سکتا ہے یہ پہلے بارہ سال کی وحی ہوئی ہو اس کے بعد جب فضل و کرم حق تعالیٰ میں مزید وسعت آئی تو فرمایا اگر صرف سات سال ہی اذان کہے تو بخشش اور دخول جنت کے لیے کافی ہے۔ بلکہ وہاں زیادہ بشارت یہ بھی دے دی کہ کتب لہٗ براءۃ من النار کہ اس کے لیے دوزخ سے برأت و نجات لکھ دی جاتی ہے۔ اور یہاں فرمایا اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ مگر یہ کہ براءت سے خلود فی النار دہمیشہ دوزخ میں رہنے نجات مراد ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ بارہ سال کی اذان میں یہ زیادتی ہے کہ موذن کے لیے ہر اذان پر ساٹھ نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

[2] ظاہراً ذہن میں فوری طور پر یہ آتا ہے کہ چونکہ اقامت کے کلمات ایک ایک بار ہوتے ہیں اسلیے اسکا ثواب بھی آدھا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اقامت پر اذان کی فضیلت اس بنا پر ہو کہ اذان میں مشقت اور محنت زیادہ ہے اور تعین عدد کا راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے۔ واللہ اعلم۔

۶۲۸/۲۶ وَعَنْهُ كُنَّا نُؤْمَرُ بِالدُّعَاءِ عِنْدَ أَذَانِ الْمَغْرِبِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ اذان مغرب کے وقت ہم لوگ دعا کیا کریں[1]۔ اسے بیہقی نے الدعوات الکبیر میں روایت کیا

[1] شاید کہ اس سے وہی دعا مراد ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزری ہے۔

⁂

بَابٌ فِيْهِ فَصْلَيْنِ

گزشتہ دو بابوں میں جو کچھ مذکور ہوا ان کے ملحقات اور انہیں مکمل کرنے والے اُمُور کا باب

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۶۲۹ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ بِلَالًا يُنَادِيْ بِلَيْلٍ فَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يُنَادِيَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ قَالَ وَكَانَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ رَجُلًا اَعْمٰى لَا يُنَادِيْ حَتّٰى يُقَالَ لَهٗ اَصْبَحْتَ اَصْبَحْتَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک بلال فجر کی اذان رات کے حصے میں ہی دے دیتا ہے[1] تم لوگ ابن ام مکتوم کے اذان دینے تک کھایا پیا کرو[2]۔ راوی کہتا ہے ابن ام مکتوم ایک نابینا شخص تھے وہ اس وقت تک اذان نہ کہتے تھے جب تک لوگ یہ نہ کہیں صبح ہو گئی صبح ہو گئی[3]۔ (بخاری ومسلم)

[1] ۔ تاکہ لوگ قبل از فجر مسل استنجا، اور وضو کر کے نماز کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز کے لیے رات میں ہی اذان کہنا درست ہے۔ جیسا کہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور امام شافعی بھی اسی پر ہیں۔

[2] ۔ رمضان کے مہینے میں سحری کھاؤ پیو۔ تاآنکہ حضرت ابن ام مکتوم اذان دیں۔ حضرت ابن ام مکتوم مشہور صحابی ہیں۔ آپ بھی موذن تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو موذن تھے کہ ایک فجر ہونے سے پہلے اذان کہتا تھا۔ دوسرا فجر ہونے کے بعد۔ غالباً یہ طریقہ رمضان شریف میں ہوتا تھا ایک اذان سحری کے لیے۔ دوسری نماز کے لیے۔ شافعی حضرات کہتے ہیں فجر کے لیے دو موذن ہونے چاہیں۔ ایک فجر سے پہلے رات کے نصف اخیر میں اذان کہے دوسرا فجر کے لیے اول وقت میں اذان کہے۔

[3] ۔ اصبحت اصبحت۔ صبح ہو گئی ہو گئی یعنی صبح نزدیک ہو گئی۔ صبح کے نزدیک ہونے کو بطور مبالغہ کہہ دیتے تھے کہ صبح ہو گئی۔ یہ تاویل ہم نے اس لیے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ ابن ام مکتوم کی اذان تک کھایا پیا کرو۔ اور جب وہ فجر طلوع ہو جانے اور لوگوں کے انہیں مکرر کہنے کے بعد اذان دیتے ہوں۔ تو اس وقت

تک کھانا پینا کیسے جائز ورد اہو سکتا ہے۔ کذا فی لبعض الشروح۔ اسے (خوب سمجھو)

۶۳۰ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ[۱] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمْنَعَنَّكُمْ مِنْ سُحُوْرِكُمْ اَذَانُ بِلَالٍ وَلَا الْفَجْرُ الْمُسْتَطِيْلُ وَلٰكِنَّ الْفَجْرَ الْمُسْتَطِيْرَ فِي الْاُفُقِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَفْظُهُ لِلتِّرْمِذِيِّ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ[۱] آپ مشہور صحابی ہیں اعلیٰ درجے کے حفاظ سے ہیں بصرہ میں رہے ان سے حسن بصری اور شعبی وغیرہ نے روایت کیا) فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے[۱] اور نہ فجر مستطیل[۲] کھانے پینے سے روکے بلکہ افق میں شمالاً جنوباً پھیلنے والی فجر[۳] کے وقت کھانا پینا بند کیا کرو اسے مسلم نے روایت کیا اور لفظ ترمذی کے ہیں۔

ا۔ کیونکہ وہ رات کے اندر ہی اذان کہہ دیتے ہیں۔

۲۔ فجر مستطیل۔ دراز صبح۔ یہ اس سفیدی کا نام ہے جو مشرق سے مغرب کی طرف خط دراز کی طرح بڑھتی ہے اور جلد ختم ہو جاتی ہے۔ پھر تاریکی چھا جاتی ہے۔ اسے صبح کاذب کہتے ہیں اسے بھیڑیے کی دم سے تشبیہ دیتے ہیں

۳۔ لیکن کھانے پینے سے وہ صبح روکتی ہے جو چوڑائی میں کنارہ آسمان میں شمالاً جنوباً پھیلتی اور فجر مستطیل کے بعد نمودار ہوتی اور باقی رہتی ہے۔

۶۳۱ وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ[۱] قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا وَابْنُ عَمٍّ لِي فَقَالَ اِذَا سَافَرْتُمَا فَاَذِّنَا وَاَقِيْمَا وَلْيَؤُمَّكُمَا اَكْبَرُكُمَا (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں اور میرا چچا زاد بھائی[۲] نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے فرمایا جب تم سفر پر روانہ ہو تو سفر کے دوران (نماز کے لیے) اذان و اقامت کہو[۳]۔ اور جو تم میں بڑا ہو وہ امام[۴] بنے۔ (بخاری شریف)

ا۔ آپ کی کنیت ابو سلیمان ہے۔ صحابی ہیں۔ چھ رات حضور کی خدمت میں رہے۔ بصرہ میں قیام کیا عبدالملک کے عہد حکومت میں ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

۲۔ غالباً یہ دونوں حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر کی اجازت لینے آئے تھے۔

۳۔ یعنی سفر کے دوران بھی نماز کے لیے اذان و اقامت کہنا۔

۴۔ اور جب کہ آپ نے یہ فرمایا کہ تم میں جو بزرگ ہو وہ امام بنے تو یہ بات از خود متعین ہو گئی کہ اذان دوسرا جو بڑا نہیں ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ علم و ورع میں دونوں مساوی ہوں۔ یا اکبر سے یہاں افضل مراد ہو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اذان کے لیے افضلیت شرط نہیں۔ مگر اس کے باوجود چاہیے یہی کہ موذن وقت پہچاننے والا صالح

ندین بلند آواز، خوش الحان اور کلمات اذان صحیح و درست ادا کرنے والا ہو۔

٦٣٢ ٤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِىْ اُصَلِّىْ وَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ اَحَدُكُمْ ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمْ اَكْبَرُكُمْ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

٦٣٣ ٥ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ قَفَلَ مِنْ غَزْوَةِ خَيْبَرَ سَارَ لَيْلَةً حَتّٰى اِذَا اَدْرَكَهُ الْكَرٰى عَرَّسَ وَقَالَ لِبِلَالٍ اِكْلَأْ لَنَا اللَّيْلَ فَصَلّٰى بِلَالٌ مَا قُدِّرَ لَهٗ وَنَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُهٗ فَلَمَّا تَقَارَبَ الْفَجْرُ اسْتَنَدَ بِلَالٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ مُوَجِّهَ الْفَجْرِ فَغَلَبَتْ بِلَالًا عَيْنَاهُ وَهُوَ مُسْتَنِدٌ اِلٰى رَاحِلَتِهٖ فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا بِلَالٌ وَّلَا اَحَدٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ حَتّٰى ضَرَبَتْهُمُ الشَّمْسُ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوَّلَهُمْ اسْتِيْقَاظًا فَفَزِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَىْ بِلَالُ فَقَالَ بِلَالٌ اَخَذَ بِنَفْسِىْ الَّذِىْ اَخَذَ

انہیں مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز اس طرح ادا کرو جس طرح تم مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی آدمی تمہارے لیے اذان کہے۔ پھر جو تم میں بزرگ و افضل ہو وہ امام بنے۔ (بخاری و مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ خیبر سے واپس لوٹے تو ساری رات چلتے رہے یہاں تک کہ جب آپ پر نیند طاری ہونے لگی تو آپ سواری سے نیچے اتر پڑے[۱] اور حضرت بلال سے فرمایا۔ (ہم سوتے ہیں تو بیدار رہ کر ہمارا پہرہ دینا) حضرت بلال نماز پڑھنے لگ گئے اور جس قدر آپ کے مقدر میں تھا آپ نے نماز پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب سو گئے۔ جب صبح صادق کا وقت قریب آیا تو حضرت بلال نے فجر کی جانب[۲] منہ کر کے اپنے کجاوے کے ساتھ اپنی پشت سے ٹیک لگا دی۔ تو حضرت بلال پر نیند غالب آ گئی اور انہوں نے اپنے کجاوے کے ساتھ ٹیک لگائی ہوئی تھی تو نہ بیدار ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ حضرت بلال اور نہ ہی صحابہ میں سے کوئی اور آدمی یہاں تک کہ ان پر سورج کی شعاع پڑنے لگی۔ تو ان سب میں پہلے بیدار ہونے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور آپ گھبرا گئے[۳]۔ اور آپ نے فرمایا۔ اے[۴] بلال۔ حضرت بلال نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی اسی چیز نے آ پکڑا

بِنَفْسِكَ قَالَ اقْتَادُوْا فَاقْتَادُوْا رَوَاحِلَهُمْ شَيْئًا ثُمَّ تَوَضَّأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَ بِلَالًا فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى بِهِمُ الصُّبْحَ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَالَ مَنْ نَسِيَ الصَّلٰوةَ فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

جس نے آپ کو پکڑا۔ آپ نے فرمایا یہاں سے اپنے اونٹوں کو نکالو اور ہانکو پیچھے تو لوگ اپنی سواریاں وہاں سے کچھ آگے لے گئے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور حضرت بلال کو حکم دیا حضرت بلال نے نماز کے لیے اقامت کہی۔ آپ نے ان کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی[6] جب آپ نماز پڑھ چکے تو فرمایا جو نماز پڑھنا بھول جائے۔ جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔ کہ اللہ تعالے نے فرمایا ہے۔ قائم کر نماز[7] جب تجھے میری یاد آ جائے[8]۔

(مسلم شریف)

۱۔ تعریس کا معنی ہے مسافر کا آخر شب میں آرام واستراحت کے لیے کسی جگہ اتر پڑنا۔

۲۔ مُوَجَّہ بمعنیٰ متوجہ یہ وجہ بمعنی توجہ سے ماخوذ ہے۔ جس طرح قَدَّمَ تقدم کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور ایک نسخہ میں مُوَجِّہ جیم کی زیر سے بھی آیا ہے۔

۳۔ یعنی آپ اللہ تعالے کی صفت جلالیہ کے مشاہدہ کی بنا پر سو جانے اور نماز فوت ہو جانے سے گھبرا گئے۔

۴۔ یعنی اے بلال یہ کیا ہو گیا۔ اور تو کیوں سو گیا۔ اور تو نے ہماری پاسبانی میں کیوں کوتاہی کی۔

۵۔ اس وادی سے نکلنے کے سبب و وجہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ جو لوگ ممنوع وقت میں نماز قضا کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ جیسے ہمارے اصحاب حنفیہ رحمہم اللہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اس وادی سے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ وادی شیطان کی جگہ تھی۔ پھر آپ نے آفتاب بلند ہوتے پر نماز ادا کی۔ اور جو لوگ وقت ممنوع میں بھی نماز ادا کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ اس وقت کی ممانعت کو نوافل کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔ جیسا کہ حضرات شوافع کا مسلک ہے اور وہ بھی اس وادی سے نکلنے کی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ وادی شیطان کی جگہ تھی۔ جیسا کہ ایک دوسری روایت میں آرہا ہے۔

۶۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے اذان نہیں ہے۔ امام شافعی کے ایک قول کے مطابق ان کا مذہب یہی ہے۔ ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ قضا نماز کے لیے نہ اذان ہے نہ اقامت۔ ہدایہ میں کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ التعریس (خیبر سے واپسی کی رات) کو اذان واقامت کے ساتھ فجر کی قضا نماز پڑھی۔ شیخ ابن الہمام اس معنیٰ میں مسلم، ابو داؤد وغیرہ اور موطا سے احادیث لائے ہیں۔ اور کہا کہ امام مسلم سے اس قصہ میں جو مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو حکم دیا پس بلال نے اقامت کہی وہ ان دوسری روایات کے منافی اور

خلاف نہیں۔ کیسے خلاف ہو سکتی ہیں۔ حالانکہ یہ بات صحت سے ثابت ہو چکی ہے کہ اس موقعہ پر اذان واقامت دونوں کہی گئیں۔ ابن الہمام علیہ الرحمۃ کا کلام ختم ہوا۔

سوال۔ یہ جو کہتے ہیں کہ اذان تو وقت نماز داخل ہونے کی اطلاع دینے اور لوگوں کو جمع کرنے کے لیے ہوتی ہے اور قضا نماز میں ان دونوں چیزوں کی ضرورت نہیں۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اذان اطلاع کے لیے بھی شروع ہوئی ہے۔ اور ان کلمات اذان کا ذکر کر کے ثواب حاصل کرنے کے لیے بھی۔ اسی لیے افضل یہ ہے کہ منفرد (اکیلا نماز پڑھنے والا) بھی اذان واقامت کہے۔ جیسا کہ علامہ سغنانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔

۵۷۔ یعنی نیند وغیرہ کی وجہ سے نماز پڑھنا بھول جائے تو چاہیے کہ جب اسے یاد آئے پڑھ لے۔

۵۸۔ قائم کر نماز جب تجھے میری یاد آئے کہ نماز کا یاد آنا گویا میرا یاد آنا ہے۔

۵۹۔ اشکال۔ کہا جاتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے میری صرف آنکھیں سوتی ہیں۔ دل بیدار رہتا ہے۔ پھر بیداری دل کے باوجود ایسا کیوں ہوا کہ آپ طلوع فجر سے آگاہ نہ ہو سکے۔

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ طلوع وغروب کا دریافت کرنا اس آنکھ کا کام ہے جب آنکھ نیند میں ہو اور بند ہو طلوع وغروب کا پتہ نہ چل سکے گا۔ اگرچہ دل بیدار ہی کیوں نہ ہو۔ علماء نے ایسا ہی کہا ہے۔

سوال۔ کشف، وحی اور الہام کے ذریعے آپ نے کیوں نہ معلوم کر لیا۔

جواب۔ ہم کہتے ہیں کشف ووحی اور الہام سے سرفراز کرنا خدا تعالےٰ کا فعل ہے۔ اگر اس موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے وحی نازل نہیں کی۔ اور اس صورتِ حال کا کشف نہیں کیا تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ اس میں حکمت ہو گی کہ یہ شرعی احکام کے وجود میں آنے کا ذریعہ بنے۔ اور لوگوں کو آپ کی متابعت کا شرف حاصل ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ دل بیدار رہتا ہے۔ مگر ہو سکتا ہے آپ پر ایک ایسی حالت اور شہود کی کیفیت طاری ہو کہ اس میں مستغرق ہو کر مشہود کے ماسوا تمام معانی وصور سے ذہول ہو گیا ہو۔ جیسا کہ بعض اوقات حالت وحی میں یہ حالت وکیفیت رونما ہوتی تھی۔ پس نسیان وغفلت کا سبب دل کا سونا نہ ہو گا۔ بلکہ اس عظیم حالت کا طاری ہونا ہو گا۔ جس کی حقیقت صرف رب العزت ہی جانتا ہے۔ خوب سمجھ لے۔ وباللہ توفیق

٦٣٤/٦ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوۃُ فَلَا تَقُوْمُوْا حَتّٰی تَرَوْنِیْ قَدْ خَرَجْتُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہی جائے تو جب تک مجھے باہر آتا نہ دیکھو کھڑے نہ ہو۔ (بخاری ومسلم)

ف۱۔ فقہائے کرام نے کہا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ حی علی الصلوٰۃ کے نزدیک کھڑا ہونا چاہیے اور شاید کہ حضور علیہ السلام اسی وقت تشریف لاتے ہوں گے۔

۶۳۵/۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا تَاْتُوْهَا تَسْعَوْنَ وَاْتُوْهَا تَمْشُوْنَ وَعَلَيْكُمُ السَّكِيْنَةُ فَمَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاَتِمُّوْا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا كَانَ يَعْمِدُ اِلَی الصَّلٰوةِ فَهُوَ فِی الصَّلٰوةِ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِیْ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت کہی جائے تو نماز کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ آہستگی و وقار سے چلتے ہوئے آؤ۔ اور جتنی نماز پالو[۱] اسے پڑھو۔ اور جو تمہاری رہ گئی ہو اسے پورا کرو[۲] بخاری و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی جب نماز کا ارادہ کرتا اور اس کی طرف چل پڑتا ہے تو وہ نماز میں ہی ہوتا ہے۔ اور یہ باب فصل ثانی سے خالی ہے۔

ف۱۔ یعنی امام کے ساتھ۔

ف۲۔ جو تم نے امام کے ساتھ ادا نہیں کیا اسے امام کے فارغ ہونے کے بعد اٹھ کر ادا کرلو۔ علماء نے کہا ہے۔ کم عقلی و غفلت بلکہ بے عقلی اور حماقت کی یہ علامت ہے کہ انسان نماز کے لیے بھاگے۔ اگر شتابی کرنا چاہتے ہو اور تکبیر اولی پانا چاہتے ہو تو پہلے آؤ اور تیار و مستعد ہو کر آؤ۔ نماز کے لیے جو جلدی اور شتابی محمود اور اچھی ہے وہ یہ ہے۔

ف۳۔ تو نماز کے لیے دوڑنے والے کو اللہ تعالیٰ محدود کر دیتا ہے (اس کے لیے رکاوٹ ڈال دیتا ہے) بندے کو چاہیے کہ ہر جگہ مولیٰ کی یاد میں رہے۔ اور حاضر باش رہے۔ اور بعض علماء سے تکبیر اولی پانے کے لیے جلدی کرنا منقول و ماثور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۶۳۶/۸ عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ عَرَّسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِطَرِيْقِ مَكَّةَ وَوَكَّلَ بِلَالًا اَنْ يُّوْقِظَهُمْ لِلصَّلٰوةِ فَرَقَدَ بِلَالٌ وَّرَقَدُوْا

حضرت زید[۱] بن اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے راستہ[۲] میں رات کو آرام کے لیے اترے۔ حضرت بلال کو نماز کے لیے بیدار کرنے کو مقرر فرمایا۔ بلال بھی سو گئے۔ اور دوسرے سب صحابہ بھی

حَتّٰى اسْتَيْقَظُوْا وَقَدْ طَلَعَتْ عَلَيْهِمُ
الشَّمْسُ فَاسْتَيْقَظَ الْقَوْمُ فَقَدْ فَزِعُوْا
فَاَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اَنْ يَّرْكَبُوْا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْ
ذٰلِكَ الْوَادِيْ وَقَالَ اِنَّ هٰذَا وَادٍ بِهٖ
شَيْطَانٌ فَرَكِبُوْا حَتّٰى خَرَجُوْا مِنْ ذٰلِكَ
الْوَادِيْ ثُمَّ اَمَرَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّنْزِلُوْا وَاَنْ يَّتَوَضَّؤُا
وَاَمَرَ بِلَالًا اَنْ يُّنَادِيَ لِلصَّلٰوةِ اَوْ يُقِيْمَ
فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِالنَّاسِ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ رَاٰى مِنْ فَزَعِهِمْ
فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ قَبَضَ اَرْوَاحَنَا
وَلَوْ شَآءَ لَرَدَّهَا اِلَيْنَا فِيْ حِيْنٍ غَيْرِ هٰذَا
فَاِذَا رَقَدَ اَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلٰوةِ اَوْ نَسِيَهَا
ثُمَّ فَزِعَ اِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيْهَا
فِيْ وَقْتِهَا ثُمَّ الْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَقَالَ
اِنَّ الشَّيْطٰنَ اَتٰى بِلَالًا وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ
فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ لَمْ يَزَلْ يُهَدِّئُهٗ كَمَا
يُهَدَّاُ الصَّبِيُّ حَتّٰى نَامَ ثُمَّ دَعَا رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَالًا فَاَخْبَرَ
بِلَالٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ مِثْلَ الَّذِيْ اَخْبَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبَا بَكْرٍ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ
اَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

سو گئے۔ یہاں تک کہ جب بیدار ہوئے تو ان پر سورج طلوع کر چکا تھا۔ چنانچہ سب لوگ بیدار ہوئے مگر گھبرائے[۴۳] ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ سواریوں پر سوار ہوں یہانتک کہ اس وادی سے نکل جائیں اور فرمایا یہ ایسی وادی ہے جس میں شیطان ہے۔ صحابہ کرام سوار ہوئے اور اس وادی سے نکل گئے۔ پھر انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اتریں اور وضو کریں۔ اور بلال کو حکم دیا کہ نماز کے لیے اذان یا اقامت[۴۴] کہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا[۴۵]۔ اے لوگو۔ بیشک اللہ نے ہماری روحیں قبض کر لیں۔ اگر وہ چاہتا تو اس وقت کے سوا دوسرے وقت (نماز کے صحیح وقت) میں ہماری جانب ہماری روحیں واپس کر دیتا جب تم میں سے کوئی سو جائے نماز پڑھے بغیر یا اسے بھول جائے پھر گھبرا کر نماز کیطرف رخ کرے تو اسی طرح پڑھے جس طرح اسے اپنے وقت میں پڑھتا تھا[۴۶]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ بے شک شیطان بلال کے پاس آیا جب کہ بلال نماز پڑھ رہا تھا تو اسے نیند کے لیے زمین پر ڈال دیا۔ پھر اسے مسلسل تھپکتا[۴۷] رہا۔ جس طرح بچے کو تھپکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بلال کو نیند آگئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلایا۔ تو بلال نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خبر دی تھی پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے سچے

(رَوَاہُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)

رسول ہیں اسے مالک نے بطریق ارسال۵ روایت کیا۔

۵۱۔ آپ بلند پایہ تابعین سے ہیں۔

۵۲۔ شاید کہ واقعہ متعدد ہے۔ یا راوی کو وہم ہوا ہے۔ ورنہ تعریس کا وقوع مدینہ کے راستہ میں ہوا تھا اور اس حدیث کا مضمون بعینہ حضرت ابوہریرہ والی حدیث کا مضمون ہے۔ جو گزشتہ مذکور رہا کہ خیبر سے مدینہ کی جانب واپس آتے وقت ایسا ہوا۔ البتہ ان دونوں مضامین میں قدرے فرق ہے جیسا کہ ظاہر ہوگا۔

۵۳۔ اپنی کوتاہی پر۔

۵۴۔ یہ راوی کا شک ہے۔

۵۵۔ انہیں تسلی دینے اور ان کی گھبراہٹ دور کرنے کے لیے۔

۵۶۔ یعنی اذان، اقامت اور جماعت اور دیگر شرائط وآداب کے ساتھ۔

۵۷۔ صراح میں ہے ہَدَءَ ھَدُءً آرام کرنا اور آرام دینا اور بچے کو ہاتھ سے تھپکنا تاکہ سو جائے۔

۵۸۔ یعنی جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور کی غیب کی خبر دینے کا معجزہ دیکھا۔

۵۹۔ کیونکہ زید بن اسلم تابعی ہیں۔

۶۲۷/۹ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ مُعَلَّقَتَانِ فِیْ اَعْنَاقِ الْمُؤَذِّنِیْنَ لِلْمُسْلِمِیْنَ صِیَامُھُمْ وَصَلٰوتُھُمْ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دو خصلتیں ایسی ہیں جو مسلمانوں کے موذنوں کی گردنوں میں۵۱ لٹکی ہوئی ہیں یعنی ان کے روزے اور ان کی نمازیں۔

(ابن ماجہ)

۵۱۔ اور ان کے ذمے لگادی گئی ہیں۔ تاکہ وہ انہیں نگاہ رکھیں۔ اور ان میں احتیاط کریں۔ اور ان میں دیانتداری سے کام لیں۔

۵۲۔ روزے کے لیے تو افطاری وسحری کا خیال رکھا جائے۔ اور نماز کے لیے اول وآخر وقت کا خیال رکھے

بَابُ الْمَسَاجِدِ وَمَوَاضِعِ الصَّلٰوۃِ

مساجد اور نماز کی جگہوں کا باب

لفظ مَسَاجد، مسجد بکسر جیم کی جمع ہے۔ جیم کا فتح بھی جائز ہے۔ فقہا کے نزدیک مسجد بکسر جیم اس مکان کو کہتے ہیں جو خاص نماز کیلئے تعمیر کیا جاتا ہے۔ اور مسجد فتح جیم کے ساتھ بمعنی سجدہ گاہ پیشانی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور مساجد

ان سات اعضاء کو بھی کہتے ہیں جن کے ساتھ سجدہ کیا جاتا ہے۔ یہاں مواضع صلوٰۃ سے وہ جگہیں مراد ہیں جہاں نماز پڑھی جائے۔ چاہے وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہو یا مکروہ نہ ہو۔ جیساکہ آگے احادیث میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

٦٣٨ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ دَعَا فِيْ نَوَاحِيْهِ كُلِّهَا وَلَمْ يُصَلِّ حَتّٰى خَرَجَ مِنْهُ فَلَمَّا خَرَجَ رَكَعَ رَكْعَتَيْنِ فِيْ قُبُلِ الْكَعْبَةِ وَقَالَ هٰذِهِ الْقِبْلَةُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَرَوَاهُ مُسْلِمٌ عَنْهُ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ۔

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت[1] اللہ میں داخل ہوئے تو اس کے تمام کونوں[2] میں دعا فرمائی۔ اور نماز نہ پڑھی یہانتک کہ باہر نکل آئے۔ جب باہر نکلے تو قبلہ کی طرف[3] منہ کرکے آپ نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور فرمایا یہ ہے[4] قبلہ۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم نے ان سے اور حضرت اسامہ سے روایت کیا۔

[1] یعنی فتح مکہ کے دن۔

[2] یعنی اس کے چاروں کونوں میں۔

[3] قُبُل دو پیش کے ساتھ اور قاف کی پیش اور با ساکن کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔ مگر روایت اولیٰ زیادہ فصیح ہے۔ یعنی مقابل اور سامنے۔

[4] آپ نے قبلہ کی طرف اشارہ کیا اور واضح فرمایا کہ قبلہ کی جانب منہ کرنے کا حکم طے ہو چکا ہے۔ ہرگز منسوخ نہ ہوگا۔ ھذہ القبلہ کا یہ مطلب نہیں کہ قبلہ صرف یہی جانب ہے اور اس کی کسی اور طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں۔ یہ بالکل غلط بات ہے۔ اور نہ ہی اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ قبلہ کے مکان سے باہر کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھنا جائز ہے۔ خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنا درست نہیں۔ جیساکہ فرض نماز کے بارے میں امام مالک کا مذہب ہے اور بعض علماء کا نوافل کے متعلق یہ مذہب ہے (کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز درست نہیں)

٦٣٩ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ هُوَ وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ وَبِلَالُ ابْنُ رَبَاحٍ فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت اسامہ بن زید، حضرت عثمان بن طلحہ الحجبی[1] اور حضرت بلال بن رباح یہ سب حضرات خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو حضرت بلال یا حضرت عثمان نے حضور کے لیے اس کا دروازہ بند کر دیا[2] اور کچھ دیر

فِيْهَا فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِيْنَ خَرَجَ مَا صَنَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جَعَلَ عَمُوْدًا عَنْ يَسَارِهِ وَعَمُوْدَيْنِ عَنْ يَمِيْنِهِ وَثَلَاثَةَ اَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلٰى سِتَّةِ اَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى۔

اس کے اندر رہے۔ میں نے حضرت بلال سے دریافت کیا۔ جب کہ وہ باہر نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اندر) کیا کیا ہے۔ حضرت بلال نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ستون اپنی بائیں جانب کیا اور دو ستون اپنی دائیں جانب اور تین ستون اپنے پیچھے بیت اللہ شریف اس وقت چھ[۳] ستونوں پر تھا۔ تم آپ نے نماز پڑھی[۴]۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(بخاری و مسلم)

۱۔ حضرت عثمان بن طلحہ الحجی رضی اللہ عنہ خانہ کعبہ کے دربان اور اس کے چابی بردار تھے۔

۲۔ تاکہ لوگ اندر نہ آئیں۔ اور ہجوم نہ کریں۔ اور آپ کو تشویش میں نہ ڈالیں۔

۳۔ اگرچہ اس وقت (حضرت شیخ کے زمانہ میں) تین ستونوں پر ہے۔ ان تغیرات کی وجہ سے جو اس مبارک گھر کی تعمیر میں واقع ہوئے ہیں۔ جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

۴۔ اس حدیث میں جو حضرت عمر نے حضرت بلال سے روایت کی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھی تھی۔ اور گزشتہ حدیث سے جو حضرت ابن عباس نے حضرت اسامہ سے روایت کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے خانہ کعبہ کے اندر نماز نہیں پڑھی۔ دونوں احادیث میں تطبیق کی یہ صورت ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جب یہ حضرات خانہ کعبہ میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر دیا اور ہر ایک کا ایک کونے میں دعا میں مصروف ہو گیا ہو، اور حضرت اسامہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایک کونے میں مصروف دعا دیکھا ہو۔ اور خود دوسرے کونے میں چلے گئے ہوں۔ اور خود بھی دعا میں مشغول ہو گئے ہوں۔ اس کے برعکس حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کے بعد نماز ادا کی ہو۔ اس بنا پر بلال نے آپ کو نماز میں دیکھا ہو۔ اور وہ آپ کو نماز میں نہ دیکھ سکے ہوں۔ کیونکہ وہ دور تھے۔ اور دعا میں مشغول تھے۔ پھر نماز بھی تو صرف دو رکعت ہی تھی۔ اور وہ بھی آپ نے ہلکی ادا کی۔ اور دروازہ بھی بند تھا۔ پھر یہ بھی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو پانی لانے بھیج دیا تھا۔ تاکہ اس پانی کے ساتھ ان تصویروں کو بھی صاف کریں۔ اور دھو ڈالیں جو خانہ کعبہ کی دیواروں پر موجود تھیں۔ ہو سکتا ہے کہ حضور کا نماز ادا فرمانا اس وقفہ میں ہوا ہو جب کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ باہر پانی لانے گئے ہوئے تھے۔ لہٰذا مختار و پسندیدہ قول یہی ہے کہ خانہ کعبہ کے اندر نماز ادا کرنا درست ہے۔ نفی کا قول درست نہیں۔

۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةٌ فِیْ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِّنْ اَلْفَ صَلٰوۃٍ فِیْمَا سِوَاهُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری ہر مسجد میں ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ سوائے مسجد خانہ کعبہ کے[1]

(بخاری و مسلم)

[1] کہ اس میں نماز ادا کرنا میری مسجد میں نماز ادا کرنے سے بھی بہتر و افضل ہے۔ چنانچہ روایات میں آیا ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا دوسری کسی بھی مسجد میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ درجہ کا ثواب رکھتی ہے۔ احادیث کے مطابق اور اکثر ائمہ مذہب کے موافق یہی بات ہے۔ بخلاف مالکیہ رحمہم اللہ کے کہ وہ اس عبارت کو اس پر حمل کرتے ہیں کہ میری مسجد میں ایک نماز ادا کرنا مسجد حرام میں نماز پڑھنے سے بھی افضل ہے۔ مگر خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے سے ایک ہزار درجہ سے کم افضل ہے۔ مگر یہ بات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ کہ وہ مدینہ منورہ کو مکہ معظمہ سے افضل جانتے ہیں۔ افضلیت مدینہ کے قول کو تسلیم کرتے ہوئے جیسا کہ ان کا مذہب ہے۔ جواب یہ ہے کہ افضلیت ثواب کے دو گنا ہونے میں منحصر نہیں۔ تو گو مسجد حرام میں نماز ادا کرنا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نماز پڑھنے سے ثواب میں کئی گنا زیادہ ہے لیکن وہ انواع کرامات و برکات اور فتوح و منافع جو مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہیں وہ افضلیت کے لیے کافی ہیں۔ نیز ثواب کا زیادہ ہونا عدد کے اعتبار سے ہے۔ مگر شرف و نفاست و عمدگی (جو مدینہ مطہرہ میں عبادت کے اندر نصیب ہوتی ہے) وہ اس عدد سے الگ چیز ہے۔ اور ایسا ممکن ہے کہ ایک چیز ہزار چیز سے بڑھ کر نفیس ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک موتی ہزار روپے میں آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ مسجد نبوی شریف میں ایک نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب و جوار کی برکت سے اس لاکھ درجہ نماز سے نفیس و عظیم ہو جو مسجد حرام میں ادا کی گئی ہو اور یہ بحث کہ مدینہ طیبہ افضل ہے یا مکہ معظمہ، ہم نے اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار المحبوب میں بہت مکمل و مفصل طور پر بیان کر دی ہے۔ وہاں یہ بحث دیکھ لی جائے۔

۶۹۳ - وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَةِ مَسَاجِدَ مَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ هٰذَا (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نہ کسے جائیں کجاوے[1] مگر صرف تین مسجدوں کی طرف مسجد حرام[2] مسجد اقصی[3] اور میری اس مسجد[4] کی طرف۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی دوسری مساجد کی نسبت مسجد نبوی شریف میں جو نماز پڑھی جائے گی وہ ہزار درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے مگر خانہ کعبہ میں پڑھی گئی نماز سے ہزار درجہ افضل نہیں بلکہ ہزار سے کچھ کم درجہ افضل ہے۔ (مترجم)

ف۱ ۔ یعنی سفر اختیار نہ کیا جائے مگر تین مساجد کی طرف ۔

ف۲ ۔ ایک مسجد کعبہ جسے مسجد حرام کہتے ہیں۔ کہ وہاں شکار و لڑائی وغیرہ حرام ہے ۔

ف۳ ۔ دوسری مسجد بیت المقدس جسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں اس کے سوا اور کوئی مسجد تعمیر نہ ہوئی تھی لہذا مساجد کی انتہا اسی مسجد اقصیٰ تک تھی۔ یا مسجد حرام سے کافی فاصلہ پر واقع ہونے کی بنا پر اسے مسجد اقصیٰ کہتے ہیں ۔

ف۴ ۔ تیسری یہ مسجد (مسجد نبوی شریف) اس حدیث کے ظاہر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ان تین مقامات ہی کی طرف سفر کرنا جائز ہے ان کے علاوہ کسی اور جانب سفر کرنا جائز نہیں۔ کہ ان تین مقامات کو خصوصی فضل و کرامت و عظمت حاصل ہے ۔ اور یہی تین جگہیں اس خصوصیت کے ساتھ مخصوص و ممتاز ہیں۔ بخلاف دوسرے مقامات و مواضع کے کہ وہ فضیلت و شرافت میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اور شارع علیہ السلام کی زبان سے کسی خاص فضل و اشرف کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ تقرب و تعبد کی نیت سے صرف انہیں تین مقامات مقدسہ کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ ہاں کسی حاجت و ضرورت کے تحت کسی اور جانب بھی سفر کی اجازت ہے جیسے تحصیل علم۔ تجارت وغیرہ مباح امور کہ یہ ایک دوسری چیز ہے۔ اور اس ارادے سے سفر جائز ہے ۔

۹ ۔ مگر قبور صالحین اور مقامات متبرکہ کی زیارت کے لیے سفر کرنے میں اختلاف ہے۔ بعض جائز کہتے ہیں اور بعض حرام۔ کذا فی مجمع البحار واللہ اعلم ۔

بعض علماء فرماتے ہیں۔ کہ بہ نیت نذر صرف ان تین مقامات کی طرف سفر کرنا جائز ہے۔ اور اگر ان کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کی نذر مانیں تو یہ نذر پوری کرنا واجب نہ ہوگا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں گفتگو مساجد سے متعلق ہے۔ یعنی مساجد کے لیے اگر سفر کیا جائے تو وہ صرف انہیں تین مساجد کی طرف جائز ہے۔ باقی رہے مساجد کے علاوہ دوسرے مقامات و مقاصد کے لیے سفر کرنا تو وہ اس حدیث کے مفہوم سے خارج ہے۔

بندہ مسکین کاتب حروف عبدالحق بن سیف الدین عفا اللہ عنہ کہتا ہے، ہو سکتا ہے کہ اس سے ان تین مقامات مقدسہ کی شان کا اہتمام بیان کرنا اور ان کی جانب سفر سے عظمت بیان کرنا مطلوب ہو کیونکہ یہ تینوں مقامات متبرک ترین مقامات ہیں۔ یعنی اگر سفر کرنا مطلوب ہو تو ان تین مساجد کی طرف سفر کرنا چاہیے۔ ان کے علاوہ کسی اور جانب کو سفر کا بوجھ لوگ برداشت نہیں کرتے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین مواضع کے سوا کسی اور طرف سفر کرنا جائز ہی نہیں۔ مصرع

دل اگر بار کشد بار نگاری باری ۔

ترجمہ ۔ دل اگر بوجھ اٹھانا چاہے تو کسی صحیح مقصد و کام کے لیے اٹھانا چاہیے ۔

۶۴۲/۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَمِنْبَرِیْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّةِ وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کا حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ[۱] ہے۔ اور میرا منبر میرے حوض پر[۲] ہے
(بخاری و مسلم)

[۱] ۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے بَیْنَ قَبْرِیْ وَمِنْبَرِیْ میری قبر اور میرے منبر کے درمیان۔ اور ایک روایت میں یوں ہے بَیْنَ حُجْرَتِیْ وَمُصَلَّایَ۔ میرے حجرہ اور میری جائے نماز کے درمیان۔ روضہ دراصل سبزہ زار، باغ اور نمناک جگہ کو کہتے ہیں۔

اس حدیث کی تاویل و مراد میں بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ میں عبادت کرنا بہشت میں آنے کا ذریعہ و سبب ہے۔ ایک دوسری حدیث میں ذکر کے حلقوں کو ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ یہ مقدس و متبرک و پاکیزہ جگہ بھی ملائکہ اور جن و کے اجتماع کی جگہ ہے۔ کہ یہ اس جگہ میں آکر اللہ تعالےٰ کا ذکر اور تسبیح و تقدیس کرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں باتیں ضعیف ہیں۔ کہ یہ معنیٰ اس مقام کے ساتھ کچھ خصوصیت نہیں رکھتا۔ کہ تمام مساجد اور متبرک جگہوں کا یہی حکم ہے۔

اہل تحقیق کے نزدیک یہ کلام بلا تاویل اپنے ظاہری معنیٰ پر محمول ہے یا تو معنیٰ یہ ہے کہ بعینہٖ اس بقعہ مبارکہ کو قیامت کے روز اٹھائیں گے اور بہشت میں رکھ دیں گے اس طرح یہ ٹکڑا زمین باقی زمین کی طرح فانی و ہلاک نہ ہوگا۔ یا باین معنیٰ کہ یہ بقعۂ شریفہ بعینہٖ بہشت کا ٹکڑا ہے جو زمین پر لایا گیا ہے۔ جس طرح حجر اسود حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے لیے لایا گیا۔ تو اس روضہ (باغ) کو حبیب پاک علیہ السلام کے لیے لایا گیا۔ اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے یہ ٹکڑا اس عالم دنیا سے دکھائی دیتا ہے۔ دیدہ باطن کے نزدیک اس عالم سے ہے اور انسان جب تک کہ طبیعت ظلمانی سے حجابات میں محجوب اور بشری عادت میں گرفتار رہے، حقائق اشیاء اور امور اُخرویہ کے ادراک سے دور ہے۔ اسی بنا پر جنت کے آثار یعنی بھوک، پیاس نہ لگنا وغیرہ کا ظہور یہاں نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی تاویلات و تحقیقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں بھی ہیں۔ کہ مِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ کہ میرا منبر جو اس وقت مسجد میں قائم ہے میرے حوض پر ہے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ مِنْبَرِیْ عَلٰی تُرْعَۃٍ مِّنْ تُرَعِ الْجَنَّۃِ۔ یعنی میرا منبر جنت سے آنے والے پانی کے راستوں میں سے ایک راستے پر واقع ہے۔ اور جنت کا پانی میرے منبر کے پایہ کے نیچے آتا ہے۔

روایت ہے کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منبر پر تشریف فرما تھے کہ فرمایا میرا قدم جنت کی طرف سے آنے والے پانی کے راستوں میں سے ایک راستے پر ہے۔ ایک روایت اس طرح وارد ہے کہ میرے

پاؤں جنت سے آنے والے کی نالی میں ہیں۔ ترعہ ت کے ضمہ اور قاف ساکن کے ساتھ یعنی حوض میں پانی آنے کی جگہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کی یہ جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔ کہ آپ کا رفیع الشان منبر اس پر قائم ہے۔ بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ اس سے اس منبر کی خبر دینا مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قیامت کے دن ہوگا۔ اور وہ حوض کوثر پر رکھا جائے گا۔ نہ کہ یہ منبر جو مسجد شریف میں ہے۔ مگر یہ قول سیاق حدیث سے بعید ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

۶۴۳ ۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي مَسْجِدَ قُبَاءٍ كُلَّ سَبْتٍ مَاشِيًا وَّرَاكِبًا فَيُصَلِّي فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے کے دن مسجد قبا[1] میں تشریف لایا کرتے تھے۔ کبھی پیدل اور کبھی سواری پر۔ آپ مسجد میں آکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ بخاری ومسلم

[1] مسجد قبا وہ مسجد ہے جو مدینہ منورہ سے قدرے فاصلے پر ہے۔ نیز یہ وہ مسجد ہے جو ابتدائے ہجرت کے ایام میں مدینہ منورہ میں تشریف لانے سے پہلے تعمیر کی گئی۔ اور مشہور قول کے مطابق آیہ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى الى اخر الاٰیہ۔ (البتہ وہ مسجد جو پہلے ہی دن تقویٰ کی بنیاد پر قائم کی گئی) مسجد قبا شریف کی شان میں نازل ہوئی۔ قبا قاف کی پیش کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے جس میں یہ مسجد واقع ہے۔

۶۴۴ ۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبْغَضُ الْبِلَادِ اِلَى اللّٰهِ اَسْوَاقُهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیاری جگہ مسجدیں[1] ہیں۔ اور اس کے نزدیک سب سے بری جگہ بازار[2] ہیں۔

(مسلم شریف)

[1] کیونکہ ان میں خدا تعالےٰ کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور لوگ دین کے کام میں مصروف ہوتے ہیں۔

[2] کہ ان میں لوگ دنیوی کاروبار میں مشغول ہو کر یاد خدا سے غافل ہو جاتے ہیں۔

۶۴۵ ۸ وَعَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ بَنٰى لِلّٰهِ مَسْجِدًا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کے لیے[1] مسجد بناتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلیے جنت میں گھر بناتا ہے[2]۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی خدا تعالےٰ کی رضا حاصل کرنے اور اس کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر کرتا ہے۔

ے۲ ۔ اور ایک روایت میں بَیْتًا مِثْلَہٗ کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ مماثلت ذرفعت، کشادگی، صفائی اور نفاست میں ہے ورنہ دنیا کے مکانات کی مماثلت جنت کے مکانات سے نہیں ہو سکتی۔ ایک دوسری حدیث میں آیا اگرچہ یہ مسجد چڑیا کے گھونسلے جتنی ہو۔ یہ چھوٹی اور تنگ ہونے میں مبالغہ ہے۔

٦٤٦/٩ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ غَدَا اِلَی الْمَسْجِدِ اَوْ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہٗ نُزُلَہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ کُلَّمَا غَدَا اَوْ رَاحَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح کے وقت مسجد میں جاتا ہے۔ یا شام کے وقت اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں مہمانی تیار کرتا ہے۔ جب بھی وہ صبح کو یا شام کو مسجد میں جاتا ہے۔

لہ ۔ اصل میں لفظ نُزُل استعمال ہوا ہے۔ نزن کی پیش زا ساکن یا زا کی پیش کے ساتھ۔ یعنی وہ کھانا جو مہمان کے لیے دن کے پہلے حصے میں تیار کر کے اس کے آگے رکھتے ہیں۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ مسجد گویا ضیافت خانہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں زائرین کو اپنی عطا سے محروم نہیں کرتا کہ وہ کریم اس سے پاک و منزہ ہے کہ اپنے مہمان کو محروم کرے۔ مسجد میں آنے سے متعلق نیات و مراقبات میں سے ایک یہ ہے کہ جب مسجد میں داخل ہو تو اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کے وصول کرنے کی نیت بھی کرے۔ جیسا کہ ابتدائے کتب میں حدیث انما الاعمال بالنیات میں گزرا۔

٦٤٧/١٠ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْظَمُ النَّاسِ اَجْرًا فِی الصَّلٰوۃِ اَبْعَدُھُمْ فَاَبْعَدُھُمْ مَمْشًی وَالَّذِیْ یَنْتَظِرُ الصَّلٰوۃَ حَتّٰی یُصَلِّیَھَا مَعَ الْاِمَامِ اَعْظَمُ اَجْرًا مِّنَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَنَامُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو سب سے زیادہ نماز کا اجر و ثواب اسے ملتا ہے جو دور سے چل کر آئے پھر جو دور سے چل کر آئے۔ اور اس شخص کو جو نماز کی انتظار میں رہے۔ یہاں تک کہ امام کے ساتھ نماز پڑھے۔ اسے زیادہ اجر و ثواب ملتا ہے۔ اس آدمی کی نسبت جو اکیلے نماز پڑھ کر سو جائے۔ لے

(بخاری و مسلم)

لے ۔ اور جماعت کی انتظار نہ کرے۔ اگرچہ اول وقت میں نماز پڑھے۔ اور اگر فرضًا و تقدیرًا قلیل جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ یا ایسے شخص کی اقتدا میں نماز پڑھی جو امامت کا زیادہ حق دار نہیں۔ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص جماعت کثیر کی انتظار کرتا ہے اور ایسے شخص کی اقتدا میں نماز ادا کرتا ہے جو امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ تو اس اعتبار سے وہ عظیم اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ خصوصًا جب اکیلے نماز پڑھ کر سو رہنے کا باعث سستی اور جماعت کی عظمت

میں نہ ہو۔ حنفیہ کے نزدیک فجر کی نماز سفیدی کے وقت باجماعت ادا کرنے میں افضلیت کا یہی راز ہے۔

۶۴۸/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَلَتِ الْبِقَاعُ حَوْلَ الْمَسْجِدِ فَأَرَادَ بَنُوْ سَلِمَةَ أَنْ يَّنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُمْ بَلَغَنِيْ أَنَّكُمْ تُرِيْدُوْنَ أَنْ تَنْتَقِلُوْا قُرْبَ الْمَسْجِدِ قَالُوْا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ أَرَدْنَا ذٰلِكَ فَقَالَ يَا بَنِيْ سَلِمَةَ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں مسجد نبوی کے اردگرد کچھ جگہیں خالی ہوئیں[1]۔ تو بنی سلمہ[2] نے چاہا کہ مسجد کے قریب منتقل ہو جائیں۔ ان کی قلب مکانی کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تم لوگ مسجد کے قریب منتقل ہونا چاہتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ہم نے اس امر کا ارادہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اے بنی سلمہ اپنے گھروں میں ہی رہو کہ تمہارے قدم جو تم مسجد کی طرف اٹھاتے ہو تمہارے اعمال نامے میں لکھے جاتے ہیں اپنے گھروں میں ہی رہو کہ تمہارے قدم جو تم مسجد کی طرف اٹھاتے ہو تمہارے اعمال نامے میں لکھے جاتے ہیں[3] (مسلم شریف)

[1] کہ ان جگہوں میں بسنے والے یا تو فوت ہو گئے یا کسی دوسری جگہ چلے گئے۔

[2] بنو سلمہ لام کی زیر کے ساتھ انصار کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ ان لوگوں کے مکانات مسجد سے دور تھے انہوں نے مسجد کے قریب آنا چاہا۔

[3] آپ نے تاکید و ترغیب کی غرض سے یہ بات مکرر ارشاد فرمائی۔

۶۴۹/۱۲ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهٖ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهٗ إِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ إِلَيْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات آدمی ایسے ہیں جنہیں اس دن اللہ تعالیٰ اپنے سائے[1] میں جگہ دے گا جب کہ کوئی سایہ[2] نہ ہوگا۔ ایک عدل و انصاف کرنے[3] والا بادشاہ۔ دوسرا وہ نوجوان جو[4] اللہ کی عبادت میں جوان ہوا اور پروان چڑھا۔ تیسرا وہ شخص جس کا دل مسجد سے معلق رہے جب کہ وہ اس سے باہر نکلے یہاں تک کہ واپس مسجد میں آجائے اور چوتھا وہ دو آدمی جو صرف اللہ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں[5]۔

وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اسی محبت پر ایک دوسرے سے ملیں۔ اور اسی پر ایک دوسرے سے[6] الگ ہوں۔ پانچواں وہ شخص جس نے تنہائی میں[7] خدا کو یاد کیا تو اس کی آنکھیں بہ پڑیں۔ چھٹا وہ شخص جسے حسب و جمال والی عورت نے بلایا[8] مگر اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا[9] ہوں۔ ساتواں وہ شخص جس نے اس طرح چھپا کر صدقہ دیا کہ اسکے بائیں ہاتھ کو معلوم نہ ہو کہ دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے

(بخاری و مسلم)

ف۱۔ یعنی انہیں اپنی پناہ میں رکھے گا۔

ف۲۔ لغت میں ظل کا معنیٰ سایہ ہے۔ مگر یہ کیفیت، عزت، غلبہ، راحت، اور نعمت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو اللہ تعالےٰ عرش کے نیچے بٹھائے گا۔ چنانچہ قیامت کے سورج سے امن میں ہو جائیں گے۔

ف۳۔ جو خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق رعیت پروری اور داد گستری کرے اور مظلوموں کو انصاف مہیا کرے۔

ف۴۔ بچپن سے صالح اور عبادت گزار ہو اور اسی حالت پر جوانی کو پہنچے۔

ف۵۔ یعنی خدا کے لیے اور اس کے دین کے اور اس کی رضا جوئی اور تقرب کے لیے آپس میں اکٹھے ہوں۔

ف۶۔ یہ ایک دوسرے کے سامنے اور پشت پیچھے خلوص محبت سے کنایہ ہے۔

ف۷۔ تنہائی کی قید اس لیے لگائی کہ تکلف و ریا کا اس میں دخل نہ ہو سکے۔

ف۸۔ تاکہ اسے زنا کی آلودگی میں ڈالے۔

ف۹۔ یہ بات وہ اپنے دل میں کہے یا زبان کے ساتھ اس عورت سے کہے۔

ف۱۰۔ یہ انتہائی پوشیدہ رکھنے سے کنایہ ہے۔

[illegible]/۱۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ ضِعْفًا وَذٰلِكَ أَنَّهٗ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز باجماعت اس کے گھر میں یا بازار میں پڑھنے سے پچیس گنا زیادہ ثواب رکھتی ہے یہ اس لیے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور اچھا وضو کرتا ہے۔ پھر مسجد کی طرف جاتا ہے۔ اسے صرف

اَلْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَتُهٗ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰٓئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلٰوةٍ مَّا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَتِ الصَّلٰوةُ تَحْبِسُهٗ وَزَادَ فِيْ دُعَآءِ الْمَلٰٓئِكَةِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيْهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نماز ہی[ف۲] گھر سے باہر نکالتی ہے تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا ہے اور ایک گناہ معاف ہوتا ہے۔ اور جب وہ نماز پڑھتا ہے تو جب تک اپنی جائے نماز میں رہتا ہے فرشتے اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہتے ہیں اور یوں کہتے ہیں۔ اللہم صلی علیہ اللہم ارحمہ۔ اے اللہ اس پر درود بھیج اے اللہ اس پر رحمت نازل کر۔ اور تمہارا وہ آدمی نماز میں ہی سمجھا[ف۳] جاتا ہے۔ جو نماز کی انتظار میں ہوتا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب مسجد میں داخل ہوا اور نماز نے ہی اسے مسجد میں روک کر رکھا۔ اس روایت میں فرشتوں کی دعا میں یہ الفاظ زیادہ آئے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ، اَللّٰهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ۔ اے اللہ اسے بخش دے۔ اے اللہ اس پر مہربانی فرما۔ جب تک کہ وہ مسجد میں کسی مسلمان کو ہاتھ یا زبان سے تکلیف نہ دے اور اذیت نہ پہنچائے اور جب تک کہ وہ مسجد میں بے وضو نہ ہو[ف۴] (بخاری و مسلم)

ف۱۔ جس میں وہ کسب و تجارت کے لیے بیٹھتا ہے۔

ف۲۔ طریقہ مسنون کے مطابق اسے ادا کرنا اس کی نیت میں ہوتا ہے۔ کوئی اور غرض کارفرما نہیں ہوتی۔

ف۳۔ یہ دوسری نماز کی انتظار کے لیے جائے نماز پر بیٹھنے کی فضیلت کے لیے فرمایا۔ کیونکہ یہ بھی اس کے لیے فرشتوں کی دعا کا ذریعہ ہے۔

ف۴۔ کہ وضو کا ٹوٹنا فرشتوں کی تکلیف : اذیت کا موجب ہے۔ نیز بے وضو ہو جانے سے نماز کی اہلیت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ بعض روایات میں لحدیث .) آیا ہے۔ یعنی جب تک کہ مسجد میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں نہ کرے اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فضیلت اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے جب کہ ایک نماز پڑھ کر دوسری نماز کے لیے اسی جگہ میں بیٹھا رہے۔ اور صبر و برداشت سے کام لے۔ اور اگر نماز ادا کر کے کسی دوسری جگہ چلا جائے تو فضیلت فوت ہو جائے گی۔ بعض مشائخ کا دستور ہے کہ وہ اٹھ کر خلوت میں چلے جاتے ہیں۔ تاکہ ذہن پراگندہ نہ ہو۔ وہ ریا سے بھی محفوظ رہیں۔ یہ ایک صحیح نیت ہے اور اس میں ذکر و تسبیح کی فضیلت حاصل ہے۔ مگر جائے نماز پر بیٹھے رہنے

کی فضیلت امر دیگر ہے۔ جیسا کہ بعض علماء نے تصریح کی ہے۔

۶۵۱/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ اُسَیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَقُلْ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ فَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو اسید[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو یوں کہے۔ اللھم افتح لی ابواب رحمتک۔ اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے[۲] اور مسجد سے باہر نکلے تو کہے اللھم انی اسئلک من فضلک اے اللہ میں تجھ سے تیرا فضل وکرم مانگتا ہوں[۳]۔

ف۱ - ہمزہ کی پیش اور سین کی زبر کے ساتھ انصاری صحابی ساعدی ہیں۔ بعض نے ہمزہ کی زیر سے بھی پڑھا ہے۔

ف۲ - یعنی اس مکان شریف میں آنے کی برکت سے۔ یا نماز کی توفیق عطا کر کے یا نماز میں کشف حقائق کے ساتھ۔

ف۳ - اس فضل وکرم سے رزق حلال مراد ہے جو نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کی تلاش میں نکلتا ہے۔ اور کماتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ فضل وکرم سے دوبارہ مسجد کی طرف لوٹنا مراد ہو۔ جو کہ ثواب پر ثواب کا موجب و ذریعہ ہے۔ جیسا کہ بار اول میں یہ ثواب حاصل ہوا۔

۶۵۲/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَرْکَعْ رَکْعَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یَّجْلِسَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت قتادہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی آدمی مسجد میں داخل ہو تو چاہیے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز[۲] پڑھے۔

(بخاری ومسلم)

ف۱ - حضرت ابو قتادہ انصاری صحابی ہیں۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے۔ جنگ بدر میں شریک ہوئے اس کے علاوہ تمام غزوات میں بھی حاضر ہوئے۔ آپ فضلاء صحابہ میں سے تھے۔

ف۲ - یہ حدیث شافعی حضرات رحمہم اللہ کی دلیل ہے کہ تحیۃ المسجد پڑھنا واجب ہے۔ کہ یہ حضرات امر کو وجوب پر محمول کرتے ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تحیۃ المسجد کی دو رکعت نفل ہیں۔ حدیث کے مضمون کا ظاہری پہلو اس استحباب کو ظاہر کرتا ہے۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ تحیۃ المسجد کی نماز بیٹھنے سے پہلے واجب ہو۔ حالانکہ بالاتفاق ایسا نہیں ہے۔

٦٥٣/١٦ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْدَمُ
مِنْ سَفَرٍ إِلَّا نَهَارًا فِي الضُّحٰى فَإِذَا
قَدِمَ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلّٰى فِيْهِ رَكْعَتَيْنِ
ثُمَّ جَلَسَ فِيْهِ ـ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب[١] بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے واپس تشریف نہ لاتے تھے مگر دن کو چاشت کے وقت جب آپ تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں تشریف لاتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرماتے۔ پھر مسجد میں بیٹھتے[٢]۔

(بخاری و مسلم)

[١] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانا (شریک نہ ہونا) اور آپ کی توبہ کا قصہ اچھے قصوں میں سے ہے۔ آپ شعراء اسلام میں سے ہوئے ہیں۔

[٢] تاکہ لوگ آپ کی زیارت سے مشرف ہوسکیں۔ اور آپ کی خدمت میں حاضری کی سعادت سے مستفید ہوں بعض لوگوں نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے چاشت کی نماز کو سنت قرار دیا ہے۔ مگر اس بارے میں تحقیق وہ ہے۔ جو بابُ صلوٰۃِ الضحیٰ میں آرہی ہے ان شاء اللہ۔ اس حدیث سے مسافر کے واپس آنے پر پہلے مسجد میں بیٹھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ حضور کی عادت مبارک یہ تھی کہ آپ پہلے گھر نہ تشریف لے جاتے مسجد میں تشریف لاتے۔ اور اگر کوئی شخص پہلے گھر جائے اور بیٹھے تو یہ بھی جائز ہے۔ جیسا کہ علما نے کہا ہے۔

٦٥٤/١٧ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ
سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ
فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللّٰهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ
الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهٰذَا

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی کسی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتا ہوا سنے تو کہے خدا کرے تجھے وہ چیز نہ ملے کہ مسجدیں اس کام[١] کے لیے تعمیر نہیں کی گئیں۔

(مسلم)

[١] اور نہ ہی اس قسم کے دوسرے کاموں مثلاً خرید و فروخت وغیرہ معاملات دنیا کے لیے بلکہ وہ عبادت خداوندی کے لیے تعمیر کی گئی ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہ الفاظ زبان اور بلند آواز سے کہے تاکہ جو آدمی عبادت کے لیے نہیں بلکہ دنیوی غرض کے لیے آئے اسے ڈانٹ ڈپٹ ہو۔ محض دل سے یہ بددعا نہ کرے اور یہ نہ چاہے کہ مسلمان کو گم شدہ چیز ملے اور اگر زبان و دل دونوں سے کہے اور یہ ارادہ کرے کہ اس کو اپنے فعل کی سزا ملے اور آئندہ یہ کام نہ کرے۔ تو اس طرح کرنا بھی درست ہے۔ واللہ اعلم۔

٦٥٥/١٨ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ الْمُنْتِنَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَتَاَذّٰى مِمَّا يَتَاَذّٰى مِنْهُ الْاِنْسُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس بد بو دار[1] (پیاز یا لہسن) درخت سے کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب ہرگز نہ آئے۔ کہ ملائکہ کو بھی اس چیز سے اذیت پہنچتی ہے جس سے انسانوں کو اذیت پہنچتی ہے[2]۔

(بخاری و مسلم)

[1] پیاز یا لہسن مراد ہے۔ فصل ثانی میں آ رہا ہے کہ جو شخص ان دو درختوں سے کچھ کھائے تو وہ ہرگز ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔

[2] اور جو چیز بھی ماکولات یا غیر ماکولات میں بد بو دار ہو اس کا یہی حکم ہے۔ جیسے منہ کا گندہ ہونا یا بغلوں کا گندہ ہونا وغیرہ۔ پھر مسجد کے حکم میں ہیں تمام وہ مجالس اور عبادات کے لیے اکٹھا ہونے کی جگہیں۔ جیسے مجلس علم و ذکر اور سب علماؤں کی مجالس خیر۔ اور مسجد سے خاص مسجد نبوی مراد نہیں اسی لیے بعض روایات میں مَسَاجِدَنَا جمع کے لفظ سے آیا ہے۔ اور بعض روایتوں میں مسجدی کا لفظ بھی واقع ہوا ہے۔ اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ساتھ بالاتفاق مخصوص ہے۔ بطریق شک یہ بات نہیں کیونکہ اس چیز کی کراہت مسجد نبوی شریف میں نہایت اشد و بدتر ہے۔

٦٥٦/١٩ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبُزَاقُ فِى الْمَسْجِدِ خَطِيْئَةٌ وَّكَفَّارَتُهَا دَفْنُهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں تھوکنا گناہ[1] ہے۔ اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے دفن کر دیا جائے

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی مسجد میں تھوکنا نہ چاہیے۔ اور اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس کی تلافی یہ ہے کہ اسے زمین میں دفن کر دے۔ بزاق، بصاق یعنی زا، صاد اور سین کے ساتھ یہ سب مترادف الفاظ ہیں۔ بمعنیٰ منہ سے تھوک باہر پھینکنا اور جب تک منہ میں رہے اسے ریق کہتے ہیں۔

٦٥٧/٢٠ وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَىَّ اَعْمَالُ اُمَّتِىْ حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا فَوَجَدْتُّ فِىْ مَحَاسِنِ اَعْمَالِهَا الْاَذٰى

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے تو میں نے اس کے اچھے اعمال سے یہ بات دیکھی کہ راستہ سے تکلیف

يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيْقِ وَوَجَدْتُ فِيْ مَسَاوِيْ أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ[1] تَكُوْنُ فِي الْمَسْجِدِ لَا تُدْفَنُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وہ چیز ہٹادی جائے اور ان کا برا عمل مسجد میں تھوکنا پایا جسے دفن نہ کیا گیا ہو۔ (مسلم شریف)

[1] اصل میں لفظ نخاعہ استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے، سینہ سے آنے والا منہ کا تھوک۔ یا ناک سے نکلنے والا مواد۔

۶۵۸/۲۱ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَبْصُقْ أَمَامَهُ فَإِنَّمَا يُنَاجِي اللّٰهَ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ وَلَا عَنْ يَمِيْنِهِ فَإِنَّ عَنْ يَمِيْنِهِ مَلَكًا وَلْيَبْصُقْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ فَيَدْفِنُهَا وَفِيْ رِوَايَةِ أَبِيْ سَعِيْدٍ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے کوئی شخص نماز کے لیے کھڑا ہو تو اپنے سامنے تھوکے[1] کیونکہ جب تک کہ وہ اپنی جائے نماز میں ہے اپنے رب تعالےٰ سے مناجات[2] کر رہا ہے اور نہ اپنے دائیں تھوکے کہ اس کی دائیں جانب فرشتہ ہوتا ہے[3]۔ اور چاہیے کہ اپنی بائیں جانب تھوکے یا اپنے قدموں کے نیچے پھر اسے دفن کر دے اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ اپنے بائیں قدم کے نیچے دفن[4] کرے[5]۔ (بخاری و مسلم)

[1] یعنی جانب قبلہ کو۔

[2] بعض نسخوں میں فانما کی بجائے فانہ یناجی ربہ آیا ہے لہٰذا اس حالت میں گویا رب تعالیٰ و تقدس اس کے سامنے اور مقابل ہوتا ہے۔ اس لیے قبلے کی جانب تھوکنا ادب کے خلاف ہے۔

[3] جو بڑا عالی مرتبہ فرشتہ اور کاتب حسنات اور رحمت الٰہی کے مظاہر میں سے ہے۔ اور مظاہر غضب پر غالب ہے یا اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو نماز کے وقت نمازی کے دل کی تائید۔ اس میں الہام اور اس کی دعا پر آمین کہنے کے لیے آتا ہے۔ اور نمازی کی زیارت کرنے والے کی طرح ہے اور جس کی زیارت کو آیا ہے اس کا حق ہے کہ اپنے زائر کا احترام ان فرشتوں سے بڑھ کر کرے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ یعنی کراماً کاتبین۔

[4] اس طرح غیر مسجد میں کرے اور جب مسجد میں ہو تو تھوک کپڑے میں لے کر مل دے۔

۶۵۹/۲۲ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ مَرَضِهِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض موت

الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِهِمْ مَسَاجِدَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

ہیں جس سے آپ جانبر نہ ہو سکے، فرمایا۔ اللہ تعالےٰ[1] یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

(بخاری و مسلم)

[1] جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرب موت کو محسوس کیا تو آپ کو خوف لاحق ہوا کہ آپ کی امت بھی آپ کی قبر انور کے ساتھ وہی کچھ نہ کرنا شروع کر دے جو یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے ساتھ کرتے تھے۔ اس لیے اس کی ممانعت پر تنبیہ کرنے کے لیے آپ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

سجدہ گاہ بنانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ان کی قبور کی طرف سجدہ کریں انہیں معبود جانتے ہوئے جس طرح کہ بہت سے بت پرست بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ کہ مقصود و منظور تو خدا تعالیٰ کی عبادت ہی ہو۔ مگر یہ اعتقاد رکھیں کہ حق تعالےٰ کی عبادت اور نماز میں ان کی قبور کی طرف توجہ، قرب و رضائے حق تعالیٰ کا موجب و ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ کہ یہ چیز بھی عبادت پر مشتمل اور اس میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعظیم میں مبالغہ اور زیادتی پائی جاتی ہے۔ یہ دونوں طریق ناپسندیدہ اور نا مشروع ہیں۔ پہلی صورت تو شرک جلی اور کفر ہے۔ دوسری صورت بھی حرام ہے کہ اس میں بھی خدا تعالےٰ کے ساتھ شرک پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس دوسری صورت میں شرک خفی ہے۔ اور دونوں صورتوں کا مرتکب انسان لعنت کا مستحق ہوتا ہے۔

اور بقصد تعظیم و تبرک کسی نبی یا مرد صالح کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا حرام ہے۔ اس حرمت میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔ ہاں اگر اس کے قریب مسجد تعمیر کریں یا نماز ادا کریں بغیر اس کے کہ نماز میں اس کی طرف توجہ کی جائے تاکہ اس کے جسد مطہر کے مدفن کے پڑوس کی برکت اور ان کی روحانیت کی نورانیت کی امداد سے عبادت میں کمال پیدا ہو جائے اور وہ عبادت شرف قبولیت حاصل کر لے۔ تو اس نیت اور اس طریقہ میں کوئی خرابی اور کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر الہیتمی المکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

۲۳/۲۳ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَآئِهِمْ وَصَالِحِیْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا

حضرت جندب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ آگاہ رہو بیشک تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور صالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے تھے۔

فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْهٰكُمْ عَنْ ذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

آگاہ رہو کہ قبور کو سجدہ گاہ نہ بناؤ۔ بے شک میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

(مسلم)

۱؎۔ جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام ہے اور آپ کے نام میں بہت اختلاف ہے۔ آپ کے علاوہ بھی صحابہ کرام میں جندب نام کے حضرات ہیں۔ ایک جندب بن عبداللہ بجلی۔ اور ایک جندب القشری۔ پتہ متعین نہیں ہوسکا کہ یہاں کون سے جندب مراد ہیں۔

۶۶۱/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْا فِیْ بُيُوْتِكُمْ مِّنْ صَلٰوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو۱؎۔ اور اپنے گھروں کو قبریں۲؎ نہ بناؤ۔

(بخاری ومسلم)

۱؎۔ یعنی نفل نماز تاکہ اس کی برکت، نورانیت ان میں اثر کرے۔ اور نور عبادت سے تمہارے گھر منور و روشن ہو جائیں۔

۲؎۔ یعنی اپنے گھروں کو قبروں کی طرح نہ بناؤ۔ کہ مُردوں کی طرح ان میں پڑے رہو۔ اور کوئی کام نہ کرو۔ یا سوئے رہو۔ اور چونکہ نیند بہن ہے موت کی۔ اس لیے جس گھر میں لوگ سوئے ہی رہیں وہ گھر قبر کے مشابہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۶۶۲/۲۵ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

(ترمذی شریف)

۱؎۔ یہ بیان مدینہ طیبہ کے قبلہ سے متعلق ہے کہ مدینہ طیبہ سے قبلہ جانب جنوب واقع ہے۔ مدینہ منورہ مکہ سے جانب شمال میں ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان جہات میں سے کوئی جہت ایسی نہیں کہ اختلاف جہت کی بنا پر کسی نہ کسی قوم کا قبلہ واقع نہ ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ یعنی تم جہاں بھی ہو اپنے چہرے مسجد حرام کی طرف کرو۔

٦٦٣/٢٩ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ خَرَجْنَا وَفْدًا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعْنَاهُ وَصَلَّيْنَا مَعَهٗ وَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّ بِاَرْضِنَا بِيْعَةً لَنَا فَاسْتَوْهَبْنَاهُ مِنْ فَضْلِ طَهُوْرِهٖ فَدَعَا بِمَاءٍ فَتَوَضَّاَ وَتَمَضْمَضَ ثُمَّ صَبَّهٗ لَنَا فِيْ اِدَاوَةٍ وَاَمَرَنَا فَقَالَ اخْرُجُوْا فَاِذَا اَتَيْتُمْ اَرْضَكُمْ فَاكْسِرُوْا بِيْعَتَكُمْ وَانْضَحُوْا مَكَانَهَا بِهٰذَا الْمَاءِ وَاتَّخِذُوْهَا مَسْجِدًا قُلْنَا اِنَّ الْبَلَدَ بَعِيْدٌ وَالْحَرَّ شَدِيْدٌ وَالْمَاءَ يُنْشَفُ فَقَالَ مُدُّوْهُ مِنَ الْمَاءِ فَاِنَّهٗ لَا يَزِيْدُهٗ اِلَّا طِيْبًا۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت طلق[1] بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ وفد[2] کی شکل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہم نے آپ کی بیعت کی اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور ہم نے آپ کو بتلایا کہ ہمارے علاقہ میں ہمارا ایک کلیسا (عبادت خانہ) ہے[3]۔ اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک سے بچے ہوئے پانی سے بخشش طلب[4] کی۔ آپ نے پانی منگوایا اور کلی کی۔ پھر آپ نے اسے چمڑے کے ایک برتن میں ڈال دیا۔ پھر ہمیں فرمایا اب تم لوگ جاؤ اور جب تم لوگ اپنے علاقہ میں پہنچو تو اس کلیسے کو توڑ دو اور اس کی جگہ یہ پانی چھڑک[5] دو اور اس جگہ مسجد بنا دو۔ ہم نے عرض کیا ہمارا علاقہ مدینہ مطہرہ سے دور ہے۔ گرمی سخت ہے اور پانی خشک ہوتا رہتا[6] ہے آپ نے فرمایا۔ اور پانی ملا کر اس پانی کو بڑھاتے رہو[7] کہ یہ پانی مزید ملائے گئے پانی کی برکت میں اضافہ[8] کرے گا۔ (نسائی)

ف۱۔ حضرت طلق بن علی صحابی ہیں۔ ان سے حدیث روایت کی ہے۔ قیس نے اور عبداللہ بن بدر اور ایک جماعت نے۔

ف۲۔ وَفْد واؤ کی زبر اور فا ساکن کے ساتھ اس جماعت کو کہتے ہیں جو کسی قوم کے سردار کے پاس آئے کسی مہم کے لیے، یا زیارت یا ایلچی گری کے لیے۔ حضرت طلق کی یہ جماعت بیعت اسلام کے لیے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔

ف۳۔ دراصل یہ لوگ نصاریٰ تھے۔ حاضر خدمت اقدس ہو کر ایمان لائے اور انہوں نے چاہا کہ کلیسا کو توڑ دیں۔

ف۴۔ استوہبنا کے لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا بچا ہوا پانی اس مال و خزانے کی طرح ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا چاہیے۔

ف۵۔ یعنی وہ کلیسا توڑ دو۔ اور اس جگہ یہ پانی چھڑک دینا تاکہ دین کے انوار و برکات اس جگہ کے شامل

حال ہو جائیں۔

۵۶۔ نشف بمعنی چوسنا۔ جیسے کپڑے کا پانی کو کاغذ کا۔ ایسا ہی کہ حوض کا پانی کو چوسنا۔

۵۷۔ راستے میں اس کے اندر اور پانی ملاتے جانا۔

۵۸۔ یعنی بے شک میرے وضو کا بچا ہوا وہ پانی جو چمڑے کے برتن میں ہے۔ اس مزید ملائے گئے پانی کی برکت میں اضافہ ہی کرے گا۔ یا یہ اور پانی برکت و خوشی میں اضافہ کرے گا۔ یعنی اور پانی ملانے سے اس میں کچھ نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ اگر اور پانی ملائیں گے۔ تو اس میں بھی برکت آ جائے گی۔ ان لوگوں کی نگاہ عالم اسباب پر پڑ رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے عرض کیا۔ چمڑے کے برتن میں پڑا ہوا پانی خشک نہ ہو جائے تو آپ نے اسی عالم اسباب کے مطابق ان کو اس کی تدبیر بتلا دی اور اگر یہ لوگ خاموش رہتے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل و علم پر اکتفا کرتے تو وہ پانی بتمام و کمال ان کے علاقے تک پہنچ جاتا حرارتِ آفتاب اس میں کچھ اثر نہ کر سکتی۔ دراصل شک و تردد اور ظاہر اسباب اختیار کرنا یہ سب چیزیں یقین کے راستے اور عالم قدرت میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ واللہ علی کل شئ قدیر۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اس حدیث پاک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو مبارک کے بچے ہوئے پانی کے تبرک ہونے کا استحباب ظاہر ہوتا ہے۔ نیز آبِ زمزم کی طرح بطور تبرک لے جانے کا ثبوت بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں ہوتے تھے۔ اور حاکم مکہ سے آبِ زمزم منگوایا کرتے تھے اور تبرک کے طور پر رکھتے تھے۔ آپ کے وارثوں یعنی علماء و صلحاء کی فضیلت و شان بھی اسی پر قیاس کرنی چاہیے۔

۶۶۴/۲۷ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فِي الدُّوْرِ وَأَنْ يُنَظَّفَ وَيُطَيَّبَ۔ رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم دیا[۱] اور یہ کہ ان مسجدوں کو پاک رکھا جائے۔ اور خوشبودار کیا جائے[۲]

(ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

[۱] یعنی گھروں محلوں اور قبیلوں میں اگر مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے ارادے سے نہ ہو۔ تاکہ ہر جگہ کے لوگ باجماعت نماز ادا کریں۔

[۲] کہ اس جگہ کی تعظیم کی نیت سے کہ اس جگہ فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ اور مومن بھی خوشی و نشاط محسوس کرتے ہیں ینظف یطیب کے صیغے یا اور تا دونوں طرح آئے ہیں۔

۶۶۵/۲۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْيِيْدِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے مسجدوں کو چونے گچ[۱] کرنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ حضرت ابن عباس[۲] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں البتہ تم لوگ ضرور مسجدوں کو نقش ونگار کرو گے جس طرح یہود ونصاریٰ نے کیا ہے[۳]

(ابوداؤد)

۱ھ۔ اصل میں لفظ تشیید آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے بلند کرنا آراستہ کرنا اور نقش ونگار کرنا۔

۲ھ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے لوگوں کی عادت وحالت بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۳ھ۔ اصل میں لفظ زخرف استعمال ہوا ہے۔ بمعنیٰ طلا اور بمعنی چیز کا کمال حسن وجمال یعنی لوگ مساجد میں نقش ونگار کریں گے۔ اور ان پر سونے کا کام کریں گے۔

بعض متاخرین نے اسے جائز قرار دیا کہ جب لوگ اپنے مکانات کو بلند وآراستہ اور منقش بناتے ہیں۔ اگر لوگ مساجد کو سادہ اینٹ مٹی سے بنائیں گے تو شاید عوام کی نگاہ میں ان کی عزت گر جائے۔ اور وہ لوگوں کو حقیر دکھائی دیں۔

۳۶۶/۲۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَبَاهَى النَّاسُ فِي الْمَسَاجِدِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت کی علامت میں سے ہے کہ[۱] لوگ مسجدوں کے بنانے میں ایک دوسرے پر فخر کریں گے۔

(ابوداؤد، نسائی، دارمی و ابن ماجہ)

۱ھ۔ بے شک علامات قیامت میں سے ہے۔ یہ بات کہ لوگ ایک دوسرے پر فخر کریں گے اور مسجد بنانے میں ناز کریں گے۔ مسجد خوبصورت بنائیں گے۔ ان کا نقش ونگار کریں گے اور اونچی اونچی تعمیر کریں گے یہ سب کچھ ریا ونمائش کی غرض سے ہوگا تاکہ لوگ ان کی مدح وثنا کریں۔

۳۶۷/۳۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ اُجُوْرُ اُمَّتِيْ حَتَّى الْقَذَاةِ يُخْرِجُهَا الرَّجُلُ

انہیں سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت کے اعمال پیش کیے گئے۔ یہاں تک کہ وہ تنکا بھی جو انسان مسجد

مِنَ الْمَسْجِدِ وَ عُرِضَتْ عَلَیَّ ذُنُوْبُ اُمَّتِیْ فَلَمْ اَرَ ذَنْبًا اَعْظَمَ مِنْ سُوْرَۃٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اَوْ اٰیَۃٍ اُوْتِیْہَا رَجُلٌ ثُمَّ نَسِیَہَا رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤٗدَ۔

سے باہر نکلتا ہے[۱] اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے تو میں نے اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہ دیکھا کہ کسی کو قرآن پاک کی سورۃ یا آیت عطا کی گئی پھر اس نے اسے بھلا دیا۔[۲]

(ترمذی وابوداؤد)

[۱] ۔ القذاۃ خس وخاشاک اور گردوخاک جو مسجد سے باہر نکالی جاتی ہے ۔ قذی وہ خاک وخاشاک اور میل جو آنکھ اور پانی میں پڑ جاتی ہے ۔ اس مقام پر یہ اشارہ ہے کہ مسجد کی اہمیت وعظمت انسان کے لیے اس کی آنکھ کی طرح ہے کہ وہ اس کی صفائی اور دیکھ بھال کے لیے ہر قسم کی مشقت وتکلیف برداشت کرتا ہے ۔ یا مسجد حیاتِ معنوی کے یا چشمہ مصفا اور شیریں پانی کی طرح ہے ۔ کہ اگر اس میں کسی نوع کی تیرگی پیدا ہو جائے تو جو شخص اسے پاک صاف کرے گا وہ منظور نظر رحمت اور شراب صفوت سے سیراب ہوگا۔

[۲] ۔ ان الفاظ میں اس انسان کے لیے سخت ڈانٹ اور زجر ہے جو قرآن پاک یاد کرنے کے بعد فراموش کر دے ۔ حضرات شافعیہ کے بعض علماء نے اسے گناہ کبیرہ میں شمار کیا ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔ اللہ تعالٰی ہمیں اس سے پناہ میں رکھے۔

۴۶۸/۳۱ وَ عَنْ بُرَیْدَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بَشِّرِ الْمَشَّائِیْنَ فِی الظُّلَمِ اِلَی الْمَسَاجِدِ بِالنُّوْرِ التَّامِّ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاؤٗدَ وَ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ عَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ وَّ اَنَسٍ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ رات کی تاریکی میں مسجد کو آنے والوں کو قیامت کے دن مکمل[۱] نور عطا ہونے کی بشارت دے دو۔

ترمذی وابوداؤد اور ابن ماجہ نے اسے سہل بن سعد اور انس سے روایت کیا۔

[۱] یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے ۔ نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ۔ ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں دوڑتا ہوگا وہ یوں کہتے ہوں گے اے ہمارے رب ہمارا نور ہمارے لیے مکمل فرما دے۔

۴۶۹/۳۲ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّجُلَ یَتَعَاھَدُ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی آدمی کو مسجد کی خبر گیری[۱] کرتا ہوا دیکھو تو اس کے

الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللهَ يَقُولُ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

مومن ہونے کی گواہی دو۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مسجدوں کی تعمیر وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

(ترمذی، ابن ماجہ)

(دارمی)

١ـ تعہد بمعنی دیکھ بھال، خبر گیری۔ کسی چیز کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا۔ اس کی مرمت کرنا۔ اس کی جاروب کشی کرنا۔ اس میں نماز ادا کرنا۔ عبادت میں مشغول رہنا، ذکر الٰہی کرنا۔ دینی علوم کا درس دینا یہ سب مسجد کی خبر گیری کی اعلیٰ اور افضل اقسام ہیں۔

٦٧/٣٣ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُونٍ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ ائْذَنْ لَنَا فِي الْاِخْتِصَاءِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَصٰى وَلَا اخْتَصٰى إِنَّ خِصَاءَ أُمَّتِي الصِّيَامُ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي السِّيَاحَةِ قَالَ إِنَّ سِيَاحَةَ أُمَّتِي الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللهِ فَقَالَ ائْذَنْ لَنَا فِي التَّرَهُّبِ فَقَالَ إِنَّ تَرَهُّبَ أُمَّتِي الْجُلُوسُ فِي الْمَسَاجِدِ انْتِظَارَ الصَّلٰوةِ۔

رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمیں خصی ہونے کی اجازت دے[1] دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے[2] نہیں جس نے کسی کو خصی کیا یا خود خصی ہو گیا۔ بیشک میری امت کا خصی ہونا یہ ہے کہ وہ روزے[3] رکھے۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا ہمیں گھومنے پھرنے (دشت نوردی) کی اجازت دے دیں فرمایا میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ[4] ہے۔ حضرت عثمان نے عرض کیا ہمیں عزلت وگوشہ نشینی[5] کی اجازت دیں۔ فرمایا۔ میری امت کی عزلت وگوشہ نشینی مسجدوں میں نماز کی انتظار میں بیٹھنا ہے۔ (شرح سنۃ)

١ـ تاکہ ہم لوگ زنا کے خطرے اور اس کے وسوسوں سے بچے رہیں۔

٢ـ یعنی وہ ہمارے طریقہ وسنت پر نہیں۔

٣ـ کہ روزہ سے انسان کی شہوت طبعی ونفسانی ٹوٹتی ہے۔ خصوصاً جب کہ جوارح اعضاء اور قویٰ کو غیر شرع اور غیر پسندیدہ کاموں سے بچائے رکھے۔

٤ـ یعنی میری امت کی سیاحت راہ خدا میں جہاد کے لیے نکلنا اور کفار سے جنگ کرنا ہے۔ یعنی زمین میں گھومنا پھرنا بہ نیت جہاد محمود ومستحسن ہے اس کے بغیر بے ہودہ اور لایعنی ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔

لا سیاحۃ فی الاسلام ۔ یعنی اسلام میں سیاحت نہیں ہے ۔

۵۵ ۔ یعنی ہمیں رہبانیت اختیار کرنے کی اجازت دے دیں، جس طرح بعض اہل کتاب یہود و نصاریٰ کرتے تھے ۔ کہ وہ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کرتے اور مشاغل و لذات دنیا سے بالکل الگ تھلگ ہو جاتے ۔ زنا وغیرہ کے ارد گرد ہرگز نہ گھومتے بلکہ ہر چیز سے یکسوئی اختیار کر لیتے انہیں راہب کہا جاتا ۔ لفظ ترہب رہب سے بنا ہے ۔ بمعنی خوف ۔

۵۶ ۔ کہ سب لوگوں اور ہر چیز سے منہ پھیر کر پروردگار کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائیں وہ رہبانیت جو عیسائی راہبوں نے اختیار رکھی ہے کچھ حیثیت نہیں رکھتی ۔ اس کا انجام بھی اچھا نہیں اور اس پر پوری پابندی بھی نہیں کر سکتے ۔

٦٧١ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ رَبِّیْ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ فَقَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ قَالَ فَوَضَعَ کَفَّہٗ بَیْنَ کَتِفَیَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَھَا بَیْنَ ثَدْیَیَّ فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَتَلَا وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ۔

رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ مُرْسَلًا وَلِلتِّرْمِذِیِّ نَحْوُہٗ عَنْہُ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّمُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ وَزَادَ فِیْہِ قَالَ یَا مُحَمَّدُ ھَلْ تَدْرِیْ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی قُلْتُ نَعَمْ فِی الْکَفَّارَاتِ وَالْکَفَّارَاتُ الْمُکْثُ فِی الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَالْمَشْیُ عَلَی الْاَقْدَامِ

حضرت عبدالرحمٰن بن عائش رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے رب کو دیکھا اچھی صورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا بتاؤ بلند رتبہ فرشتوں کی جماعت کس بارے میں جھگڑ رہی ہے ۔ میں نے عرض کیا تو بہتر جانتا ہے ۔ حضور فرماتے ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اپنا دست پاک میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا تو میں نے اس ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی ۔ تو میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے ۔ اور آپ نے یہ آیت تلاوت کی ۔ وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاھِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ولیکون من الموقنین ۔

اسے دارمی نے مرسلاً روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا الفاظ میں قدرے اختلاف کے ساتھ اسی عبدالرحمٰن، ابن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم سے اور اس میں زیادہ کیا کہ فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا تو جانتا ہے مقربین فرشتے کس چیز میں گفتگو کرتے ہیں ۔ میں نے کہا ہاں گفتگو کرتے ہیں کفارات میں (جن نیک کاموں سے گناہ جھڑتے ہیں) اور

اِلَى الْجَمَاعَاتِ وَاِبْلَاغُ الْوُضُوْءِ فِى الْمَكَارِهِ وَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ عَاشَ بِخَيْرٍ وَّمَاتَ بِخَيْرٍ وَكَانَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِذَا صَلَّيْتَ فَقُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْاَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ فَاِذَا اَرَدْتَّ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِىْ اِلَيْكَ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ قَالَ وَالدَّرَجَاتُ اِفْشَاءُ السَّلَامِ وَاِطْعَامُ الطَّعَامِ وَالصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَلَفْظُ هٰذَا الْحَدِيْثِ كَمَا فِى الْمَصَابِيْحِ لَمْ اَجِدْهُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِلَّا فِىْ شَرْحِ السُّنَّةِ۔

وہ[۱۳] ہیں نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھنا اور باجماعت نمازوں کے لیے پیدل چل کر جانا اور ناگواری[۱۴] کی حالت میں وضو پورا کرنا جا لیسا کرے گا خیر کے ساتھ زندہ رہے گا۔ اور خیر کے ساتھ ہی مرے گا۔ اور وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جائے گا جس طرح آج ہی ماں کے شکم سے پیدا ہوا ہے اور فرمایا اے محمد جب تو نماز پڑھ لے تو کہہ اے اللہ میں تجھ سے نیکی کرنے کا سوال کرتا ہوں اور برائیوں کو چھوڑنے کا اور مسکینوں[۱۵] سے دوستی کا۔ اور جب تو اپنے بندوں کے ساتھ فتنہ کا ارادہ کرے تو مجھ کو اپنی طرف اٹھا لے بغیر فتنہ[۱۶] کے۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ[۱۷] درجات والے عمل[۱۸] یہ ہیں سلام[۱۹] کو عام کرنا، کھانا[۲۰] کھلانا۔ اور رات کو جب لوگ سوئے ہوں نماز پڑھنا[۲۱]۔ اس حدیث کے لفظ جس طرح مصابیح[۲۲] میں ہیں میں نے نہیں پائے۔ عبدالرحمٰن سے مگر شرح سنتہ[۲۳] میں۔

۱ھ۔ عائش یا تحتانیہ اور شین معجمہ کے ساتھ۔ ان عبدالرحمٰن بن عائش کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ ابو حاتم نے کہا جس نے بھی عبدالرحمٰن کی روایت میں سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا اس نے خطا کی۔ واللہ اعلم۔

۲ھ۔ اگر یہ دیکھنا خواب میں ہو جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے تو پھر یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ قولِ مختار کے مطابق شب معراج کو ہوا۔ یا یہ اس امر کے ساتھ ماؤل ہے کہ آپ نے حق تعالیٰ کی تمثیل کو ایک مثالی صورت میں دیکھا۔ واللہ اعلم۔

۳ھ۔ اگر یہ حق تعالیٰ کی شان وصفت کا بیان ہو تو پھر صورت سے مراد صفت ہو گی۔ کہ وہ صفتِ جمال ولطف وکرم کے ساتھ متجلی ہوتا ہے۔ صورت کا اطلاق پھر عام ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں صورت حال یہ ہے۔ اور صورتِ مسئلہ یہ ہے اور اگر فی احسن صورۃ میں حضور علیہ السلام اپنا حال بیان فرما رہے ہوں کہ دیدار حق تعالیٰ کے وقت میں بڑا خوبصورت اور مرغوب الحال تھا تو پھر بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کیوں خوبصورت نہ ہوں گے۔ حالانکہ یہ وقت شہود خاص تجلی تام اور انعام عام کا وقت ہے۔

۴ھ۔ ملائِ قوم کے اکابر۔ اشراف کی جماعت کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کی

فضیلت میں فرشتے بحث و گفتگو کرتے ہیں۔ یا انہیں قبولیت کے مقام میں لے جانے میں آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا وہ انسان کے فضائل و رغائب پر رشک کرتے ہیں۔ کہ جسمانی شہوت کے باوجود ان فضائل و خوبیوں سے مخصوص و مختار اور سرفراز ہے۔

ف۵۔ میں نے اللہ تعالےٰ کے سوال کے جواب میں عرض کیا۔

ف۶۔ اللہ تعالےٰ نے اپنا دست قدرت و انعام میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ دراصل یہ آپ کو مزید فضل و کرم اور اکرام و انعام کے ساتھ مخصوص کرنے سے کنایہ ہے۔ جس طرح بادشاہ اپنے بعض خدام کے ساتھ کرتے ہیں۔ جب کہ انہیں مزید قرب اور افاضہ نعم کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

ف۷۔ یہ قلب اطہر تک فیض کا اثر پہنچنے اور یقین کی ٹھنڈک محسوس ہونے سے کنایہ ہے اور جب اس کا اثر حصول علوم اور وسعت فیض کا موجب و ذریعہ بنا تو فرمایا فعلمت مافی السموات الی آخرہ۔

ف۸۔ یہ تمام کلی و جزوی علوم اور ان کے احاطہ سے عبارت ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کلی و جزوی علوم عطا کر دیے گئے اور آپ کا علم تمام کو محیط ہو گیا۔

ف۹۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کے مناسب اور اس امکان پر استشہاد کے ارادے سے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام آسمانوں اور زمین کے عظیم ملکوت دکھا دیے۔

ف۱۰۔ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔ تاکہ حضرت ابراہیم اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات اور توحید کا یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔

اہل تحقیق نے کہا ہے کہ ان دو روایتوں میں فرق ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام کو آسمان و زمین کا ملک دکھایا مگر حبیب نے جو کچھ آسمان و زمین میں تھا اور اشیاء کی ذوات و صفات ظواہر و باطن سب کو دیکھا۔ حضرت خلیل کو تو آسمان و زمین کے ملکوت سے وجوب ذاتی اور وحدت حق کا یقین ہوا۔ جس طرح اہل استدلال، ارباب سلوک، اور محبان و طالبان کی نوعیت ہوتی ہے۔ اور حبیب پاک کو یقین اور وصول الی اللہ پہلے حاصل ہوا اس کے بعد آپ نے حقائق اور عالم کو جانا جس طرح کہ مجذوبوں، محبوبوں اور مطلوبوں کی شان ہوتی ہے۔ اول توجیہ اس حدیث کے موافق ہے۔ مارایت شیئاً الا رایت اللہ بعدہٗ۔ دوسری توجیہ اس حدیث کے موافق ہے۔ مارایت شیئاً الا رایت اللہ قبلہٗ۔

ف۱۱۔ یعنی عبدالرحمٰن بن عایش جو تابعین سے ہیں۔ بطریق ارسال اسے روایت کرتے ہیں۔

ف۱۲۔ مزید علوم عطا کرنے کیلئے دوبارہ سوال کیا۔

ف۱۳۔ یعنی جو نیک اعمال گناہوں کا کفارہ بنتے ہیں۔ تین ہیں۔ ان میں سے ایک ہے نمازوں کے بعد

مسجدوں میں بیٹھے رہنا ذکر و دعا کے لیے یا دوسری نماز کی انتظار کے لیے۔

ف۱۴۔ جیسے بیماری اور سرد ہوا کے وقت۔

ف۱۵۔ حب المساکین۔ مساکین سے محبت۔ کہ میں انہیں دوست رکھوں۔ یا وہ مجھ سے دوستی کریں۔ مآل و مطلب ایک ہے کہ جب میں ان سے دوستی کروں گا وہ مجھ سے دوستی کریں گے۔ کیونکہ انسان اپنے دوست سے دوستی کرتا ہے۔ جانبین میں ایک ہی محبت ہوتی ہے۔ جس نے دونوں پر پرتو ڈالا ہوتا ہے۔ نتیجۃً محب محبوب ہوتا ہے۔ اور محبوب محب۔

ف۱۶۔ یعنی جب تو اپنے بندوں کو ابتلاء و آزمائش اور گمراہی میں ڈالنا چاہے یعنی ایسی مصیبت و بلا مسلط کرے جس سے ایمان کے چھن جانے کا اندیشہ لاحق ہو جائے۔

ف۱۷۔ کہ دین و ایمان ہی میرے ہاتھ سے نکل جائے۔ یہ اور اس طرح کی دعائیں تعلیم امت اور ان کو ڈرانے کے لیے ہیں۔

ف۱۸۔ کفارات کا بیان کرنے کے بعد اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو مزید تعلیم دینے کے لیے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کی طرف سے مزید علم حاصل ہونے پر اپنی امت کے اضافہ علم کے لیے فرمایا یعنی قال کا فاعل یا تو اللہ تعالےٰ ہے یا رسول پاک علیہ السلام۔

ف۱۹۔ یعنی وہ اعمال جن سے اللہ تعالےٰ کی درگاہ میں بندوں کی قدر و منزلت بڑھتی ہے وہ بھی تین ہیں۔

ف۲۰۔ یعنی ہر آشنا و بیگانہ کو علی الاعلان بلاتمیز سلام کہنا۔

ف۲۱۔ یعنی مسکینوں محتاجوں کو کھانا کھلانا اور ان پر صدقہ کرنا اور ان کی امداد و اعانت کرنا۔

ف۲۲۔ تیسری چیز رات کو اس وقت نماز پڑھنا جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ کہ اس وقت کی نماز صدق و اخلاص کے بہت نزدیک ہے۔ اور اس میں مشقت و ریاضت زیادہ ہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ بندہ خدا کو تواضع جود اور عبادت کا جامع ہونا چاہیے۔ بیت۔

شرفِ مرد بجود است و کرامت بسجود ہر کہ ایں ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

مرد کی بزرگی سخاوت سے ہے۔ اور اس کی عزت عبادت الٰہی سے ہے جس میں یہ دونوں نہ ہوں اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

ف۲۳۔ یعنی اس حدیث کے الفاظ اس طریق پر جو مصابیح میں ہیں۔ میں نے ان کو عبد الرحمٰن بن عائش سے نہیں پایا مگر شرح سنۃ میں اور یہ بھی صاحب مصابیح کی تصنیف ہے۔

۶۷۲/۳۵ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ
کُلُّھُمْ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ رَجُلٌ خَرَجَ
غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی
اللّٰہِ حَتّٰی یَتَوَفَّاہُ فَیُدْخِلَہُ الْجَنَّۃَ
اَوْ یَرُدَّہٗ بِمَا نَالَ مِنْ اَجْرٍ اَوْ غَنِیْمَۃٍ
وَرَجُلٌ رَاحَ اِلَی الْمَسْجِدِ فَھُوَ ضَامِنٌ
عَلَی اللّٰہِ وَرَجُلٌ دَخَلَ بَیْتَہٗ
بِسَلَامٍ فَھُوَ ضَامِنٌ عَلَی اللّٰہِ۔
(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت ابو امامہ[51] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین آدمی وہ ہیں جن کی نجات اللہ کے ذمہ[52] ہے۔ ایک وہ آدمی جو اللہ کے راستے غازی[53] بن نکلا۔ تو وہ اللہ کی ضمانت میں ہے یہاں تک کہ اللہ اسے وفات دے اور جنت[54] میں داخل کرے یا اسے اجر و ثواب کے ساتھ واپس کر دے یا غنیمت[55] دے کر واپس گھر لوٹا دے اور ایک وہ آدمی جو مسجد کو گیا اس کی ضمانت بھی خدا تعالےٰ پر ہے تیسرا وہ شخص جو اپنے گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہوتا ہے اس کی ضمانت بھی اللہ تعالےٰ کے اوپر ہے۔ (ابو داؤد شریف)

۵۱۔ یعنی حضرت ابو امامہ باہلی صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ ایک ابو امامہ تابعی ہیں۔ مگر مشہور یہی صحابی ہیں۔

۵۲۔ کہ خدا تعالےٰ نے وعدہ کی بنا پر اپنے ذمہ کرم لازم کر لیا ہے۔ اور وہ اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرے گا۔ کہ وہ تین آدمیوں کو ہر فتنہ اور خسارے اور دینی و دنیوی ضرر و آفت سے بچائے گا۔

۵۳۔ ان تین میں سے ایک وہ آدمی ہے جو گھر سے ارادہ جہاد سے نکلا۔

۵۴۔ یہ اس کے لیے دینی سعادت ہے۔

۵۵۔ یہ بھی دینی سعادت ہے۔

۵۶۔ یہ دنیوی سعادت ہے۔ مختصر یہ کہ مجاہد فی سبیل اللہ کو ہر حالت میں دینی یا دنیوی سعادت ضرور حاصل ہوتی ہے۔

۵۷۔ یعنی اس کی حفاظت و رعایت اور اسے اجر و ثواب عطا کرنا اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔

۵۸۔ گھر میں سلام کے ساتھ داخل ہونے کے دو معنیٰ ہیں ایک یہ کہ گھر میں داخل ہوتے وقت اہل خانہ کو سلام کہے۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی ضمانت کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالےٰ اسے اور اس کے گھر والوں کو خیر و برکت عطا کرے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ امن و سلامتی کے لیے اپنے گھر میں رہے گھر سے باہر نہ نکلے اور لوگوں کی صحبت و مجلس سے الگ رہے۔ اس صورت میں سلامتی سے آفات و بلیات سے سلامتی مراد ہو گی اور چونکہ یہاں دو قسم سے دوسری قسم ظاہر تھی۔ اس لیے اس کی صراحت نہ فرمائی۔

۷۲۳/۳۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهٖ مُتَطَهِّرًا اِلَى اللّٰهِ مَكْتُوْبَةٍ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْحَاجِّ الْمُحْرِمِ وَمَنْ خَرَجَ اِلٰى تَسْبِيْحِ الضُّحٰى لَا يُنْصِبُهٗ اِلَّا اِيَّاهُ فَاَجْرُهٗ كَاَجْرِ الْمُعْتَمِرِ وَصَلٰوةٌ عَلٰى اَثَرِ صَلٰوةٍ لَا لَغْوَ بَيْنَهُمَا كِتٰبٌ فِيْ عِلِّيِّيْنَ ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ

انہیں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر سے باطہارت فرض نماز ادا کرنے نکلا تو اس کا اجر وثواب محرم[۱] حاجی کے اجر وثواب جتنا ہے اور جو شخص نماز چاشت[۲] کے لیے نکلا اس نے خالص نماز کے لیے ہی یہ مشقت اٹھائی[۳] اسے عمرہ کرنے والے کے برابر ثواب[۴] ملے گا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز اس طرح ادا کرنا کہ دونوں کے درمیان بے ہودہ گفتگو واقع نہ ہو، ایسا عمل ہے جو محافظ ملائکہ کے دیوان میں لکھا جاتا ہے یا اعلیٰ واشرف مراتب والا عمل ہے (علماء نے کہا ہے علیین ساتویں آسمان میں ایک جگہ کا نام ہے)

(احمد وابوداؤد)

۷۲۴/۳۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرَرْتُمْ بِرِيَاضِ الْجَنَّةِ فَارْتَعُوْا قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا رِيَاضُ الْجَنَّةِ قَالَ الْمَسَاجِدُ قِيْلَ وَمَا الرَّتْعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم لوگ جنت کے باغات میں سے گزرو تو ان میں چر لیا کرو۔ (کچھ کھا لیا کرو) عرض کیا گیا یا رسول اللہ جنت کے باغات کیا ہیں۔ فرمایا مسجدیں[۱]۔ عرض کیا گیا چرنے کا کیا مطلب یا رسول اللہ فرمایا سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر، پڑھنا۔

---

[۱] نماز حج کے مشابہ ہے اور وضو احرام کے مشابہ۔ دونوں میں وجہ تشبیہ گھر سے باہر نکلنے کے وقت سے گھر واپس آنے تک اجر وثواب کا ثبوت ہے۔ جیسا کہ باب فضیلت حج میں واقع ہوا ہے۔ تمام وجوہ سے ثواب میں مساوات مراد نہیں ہے۔ یا یہ ناقص کو کامل سے لاحق کرنے کے قبیلہ سے ہے۔ زیادہ رغبت دلانے کے لیے ورنہ اجر وثواب تو مشقت وریاضت کے مطابق ملتا ہے۔ اگر چہ نماز فی نفسہ اہم اور افضل ہے۔

[۲] تسبیح اور سبحہ پیش کے ساتھ نفل نماز کو کہتے ہیں۔

[۳] یعنی سمعہ وریا اور کسی اور غرض کی ملاوٹ اس میں نہ ہو۔

[۴] عمرہ حج کی نسبت اس طرح ہے جس طرح نفل نماز فرض نماز کے سامنے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

اسے ترمذی نے روایت کیا۔

۱؎ یعنی جنت کے باغات مسجدیں ہیں کہ مسجدوں میں نیک عمل کرنا جنت میں داخل ہونے کا ذریعہ ہے۔

٦٧٥/٣٧ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتَى الْمَسْجِدَ لِشَيْءٍ فَهُوَ حَظُّهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسجد میں آدمی جس چیز کے لیے آئے گا وہی اس کا حصہ ۱؎ ہے۔

(ابو داؤد)

۱؎۔ دینی یا دنیوی جس کام کے لیے مسجد میں آیا وہی اس کا حصہ ہے۔ اور وہی اس کے وقت کا حاصل و نتیجہ ہے۔ اس حدیث کا مضمون حدیث انما الاعمال بالنیات کے مضمون کا ایک حصہ ہے۔

٦٧٦/٣٨ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ الْحُسَيْنِ عَنْ جَدَّتِهَا فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاِذَا خَرَجَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَفِيْ رِوَايَتِهِمَا قَالَتْ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَكَذَا اِذَا خَرَجَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ بَدَلَ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ وَّفَاطِمَةُ بِنْتُ الْحُسَيْنِ لَمْ تُدْرِكْ فَاطِمَةَ الْكُبْرٰى۔

حضرت ۱؎ فاطمہ بنت الحسین اپنی جدہ فاطمہ الکبریٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجتے (یعنی فرماتے صلی اللہ علی محمد وسلم یا اللھم صل علی محمد وسلم) اور فرماتے رب اغفرلی ذنوبی ۲؎ وافتح لی ابواب رحمتک۔ اور میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے باہر آتے تو کہتے رب اغفرلی ذنوبی وافتح لی ابواب رحمتک۔ اسے ترمذی احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا۔ احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں اس طرح آیا ہے۔ حضرت فاطمہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت پڑھتے تھے۔ بسم اللہ والسلام علی رسول اللہ بجائے صلی علی محمد وسلم کے۔ ترمذی نے کہا اسکا اسناد متصل نہیں ہے کہ فاطمہ بنت الحسین نے حضرت فاطمہ الکبریٰ کو نہیں پایا۔

⁂ ⁂ ⁂

ف ۱ - حضرت فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہما تابعیہ ہاشمیہ ہیں حضرت علی بن الحسین زین العابدین رضی اللہ عنہم کی ہمشیرہ ہیں۔ ان سے حضرت حسن بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا۔ جب حضرت حسن وفات پا گئے تو عمرو بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کیا۔ یعنی فاطمہ صغریٰ دختر حضرت امام حسین اپنی جدہ (دادی) فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔

ف ۲ - یعنی خداوندا میرے گناہ بخش دے۔ آپ نے یہ الفاظ تعلیم امت کے لیے فرمائے۔ اسی لیے یہاں آپ نے اللہم صل علی یا صلی اللہ علی نہ فرمایا یا اللہم اغفر لمحمد نہ فرمایا۔ یا اس اسم شریف کو صلوۃ و رحمت سے جو مناسبت ہے اور اللہم اغفرلی میں جو انکسار و تواضع پائی جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر آپ نے اللہم اغفرلی کا کلمہ اختیار فرمایا۔

ف ۳ - کیونکہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت آٹھ سال سے زائد عمر کے نہ تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں کوئی راوی متروک ہے۔

$\frac{۶۷۷}{۳۹}$ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَنَاشُدِ الْاَشْعَارِ فِى الْمَسْجِدِ وَعَنِ الْبَيْعِ وَالْاِشْتِرَاءِ فِيْهِ وَاَنْ يَّتَحَلَّقَ النَّاسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فِى الْمَسْجِدِ۔
رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِىُّ

حضرت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اشعار پڑھنے[ف ۱] سے منع فرمایا۔ اور مسجد میں خرید و فروخت سے بھی منع فرمایا[ف ۲] اور اس سے بھی منع فرمایا کہ لوگ جمعہ کے دن نماز سے پہلے حلقہ بنا کر مسجد میں بیٹھیں[ف ۳]۔

(ابوداؤد، ترمذی)

ف ۱ - یعنی ایسے اشعار جو جھوٹ و باطل ہوں کہ ان کا پڑھنا ناجائز ہے خصوصاً مسجد میں جو طاعت و عبادت کی جگہ ہے مگر وہ شعر جو توحید باری تعالیٰ سبحانہ یا نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے متبعین یا مواعظ و نصائح پر مشتمل ہوں وہ ہر حالت میں ہر جگہ محمود و مستحسن ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے لیے جو آپ کی مدح اور آپ کے دشمنوں کی مذمت و ہجو کرتے تھے، مسجد میں منبر رکھتے تھے اور فرماتے تھے روح قدس حسان کی مدد و تائید کرتا ہے۔ جب تک کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مقابلہ اور مدافعت کرتا رہتا ہے۔

ف ۲ - دیگر دنیوی معاملات کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیے۔

ف ۳ - اگرچہ یہ حلقہ بنانا مذاکرہ علم و شغل ذکر کے لیے ہو۔ اس ممانعت کی چند وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ حلقہ بنانا نمازیوں کی ہیئت اجتماع کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز جمعہ کا اجتماع عظیم ذمہ داری کا کام ہے۔ جب تک اس سے فراغت نہ ہو جائے کسی اور کام میں مشغول ہونے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ نماز سے پہلے

حلقہ بنا کر بیٹھنا اس عظیم کام سے غفلت کا وہم ڈالتا ہے۔ ان دو وجہوں کے تحت یہ نہی صرف خطبہ سے خاص نہ ہو گی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ وقت خاموشی اور توجہ سے خطبہ سننے کا وقت ہے۔ اس وجہ کے مطابق نہی خطبہ کے نزدیک حلقہ بنانے سے متعلق ہے۔ پھر پہلی دو وجہوں کے مطابق نہی تنزیہی ہو گی اور تیسری وجہ کے مطابق نہی تحریمی۔

٦٧٨/٤٠ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّبِيْعُ اَوْ يَبْتَاعُ فِى الْمَسْجِدِ فَقُوْلُوْا لَا اَرْبَحَ اللّٰهُ تِجَارَتَكَ وَاِذَا رَاَيْتُمْ مَنْ يَّنْشُدُ فِيْهِ ضَآلَّةً فَقُوْلُوْا لَا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَالدَّارِمِىُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی شخص کو مسجد میں خرید و فروخت کرتا ہوا دیکھو تو کہو اللہ تیری تجارت میں نفع نہ ڈالے اور جب تم کسی آدمی کو مسجد میں گم شدہ چیز تلاش کرتا ہوا دیکھو تو کہو اللہ تعالےٰ وہ چیز تجھے واپس عطا نہ کرے۔ اسے ترمذی اور دارمی نے روایت کیا۔

٦٧٩/٤١ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّسْتَقَادَ فِى الْمَسْجِدِ وَاَنْ يُّنْشَدَ فِيْهِ الْاَشْعَارُ وَاَنْ تُقَامَ فِيْهِ الْحُدُوْدُ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ فِىْ سُنَنِهٖ وَصَاحِبُ جَامِعِ الْاُصُوْلِ فِيْهِ عَنْ حَكِيْمٍ وَّفِى الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرٍ

حضرت حکیم بن حزام[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قصاص لینے سے منع فرمایا اور اس سے بھی منع فرمایا کہ مسجد میں اشعار پڑھے جائیں۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ اس میں حدود قائم کی جائیں[2]۔ ابوداؤد نے اسے اپنے سنن میں روایت کیا۔ اور صاحب جامع الاصول نے اپنے جامع میں حکیم سے روایت کیا۔ اور مصابیح[3] میں جابر سے روایت کیا۔

[1] حزام حائے مہملہ مکسورہ اور زا کے ساتھ۔ آپ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے برادر زادہ ہیں۔ آپ عام الفیل سے تیرہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ ایک سو بیس سال عمر پائی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں گزرے اور ساٹھ سال اسلام میں۔ اشراف قریش اور فضلائے قوم میں سے تھے۔ آپ کے باقی حالات دوسری جگہ مذکور ہیں۔

[2] جیسے حد زنا حد شراب وغیرہ۔ چاہیے کہ حد کے ثبوت کے بعد اس کا اجراء مسجد کے باہر کریں۔ مسجد سے باہر ہی قصاص میں اسے قتل کریں۔

۵۳۔ یعنی جامع الاصول میں حکیم سے حزام کی طرف نسبت کرنے کے بغیر روایت کی۔ ظاہر یہی ہے کہ حکیم سے حکیم بن حزام ہی مراد ہے کہ صحابہ میں یہی ایک حکیم بن حزام ہیں۔ دوسرے حکیم بن معاویہ السمیری میں ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

۵۴۔ اور یہ روایت اصول میں موجود نہیں ہے۔

۶۸۰/۴۲ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الشَّجَرَتَيْنِ يَعْنِي الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَقَالَ مَنْ اَكَلَهُمَا فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا وَقَالَ اِنْ كُنْتُمْ لَا بُدَّ اٰكِلِيْهِمَا فَاَمِيْتُوْهُمَا طَبْخًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت معاویہ بن[1] قرۃ[2] وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو درختوں سے منع فرمایا یعنی پیاز و لہسن سے اور فرمایا جو شخص انہیں کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب[3] نہ آئے۔ اور فرمایا اگر تم نے ضرور کھانا ہی ہو تو پھر ان کو پکا کر مار لو[4]۔

(ابوداؤد)

۱۔ آپ تابعی عالم ہیں۔ یوم الجمل کے دن پیدا ہوئے۔ ابن حبان نے ان کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ آپ کو ستر صحابہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے قتادہ اور شعبہ اور اعمش وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

۲۔ قرۃ قاف کی پیش اور را کی شد کے ساتھ۔

۳۔ گزشتہ صفحات میں مذکور ہو چکا ہے کہ کھانے والی چیزوں میں سے ہر بدبودار چیز کا یہی حکم ہے اور مسجد سے ہر مسجد مراد ہے۔ صرف مسجد نبوی مراد نہیں۔ اور خیر و برکت کی مجالس و مجامع کا بھی یہی حکم ہے۔

۶۸۱/۴۳ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبُرَةَ وَالْحَمَّامَ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام روئے زمین مسجد[1] ہے۔ مگر قبرستان اور حمام۔

(ابوداؤد، ترمذی، دارمی)

۱۔ یعنی مسجد کا ہی حکم رکھتی ہے کہ اس میں بلا کراہت نماز جائز ہے۔

۲۔ مقبرہ یعنی قبرستان کہ اس میں غالباً ناپاکی پھیلی ہوتی ہے۔ اور اس کی مٹی مردہ سے نکلنے والی نجاست

سے ملی ہوتی ہے۔ اور اگر قبرستان میں کوئی پاک و نظیف جگہ ہو تو وہاں نماز پڑھنے میں کوئی حرج و کراہت نہیں بعض اس پر ہیں کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مطلقاً مکروہ ہے۔ اس حدیث کے ظاہر کی بنا پر۔ اور قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بالاتفاق حرام ہے۔ اگر بقصد تعظیم ہو ورنہ اس کا حکم بھی قبرستان کا حکم ہے۔ اور حمام میں اس لیے نماز منع ہے کہ یہ بے پردگی اور شیاطین کی جگہ ہے۔

٦٨٢ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّصَلّٰى فِىْ سَبْعَةِ مَوَاطِنَ فِى الْمَزْبَلَةِ وَالْمَجْزَرَةِ وَالْمَقْبَرَةِ وَقَارِعَةِ الطَّرِيْقِ وَفِى الْحَمَّامِ وَفِىْ مَعَاطِنِ الْاِبِلِ وَفَوْقَ ظَهْرِ بَيْتِ اللّٰهِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات جگہوں میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ کوڑا ڈالنے کی جگہ۔ مذبح میں، قبرستان میں، راستے کے درمیان اور حمام میں اور اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ میں۔ اور بیت اللہ شریف کی چھت پر۔ (ترمذی و ابن ماجہ)

۱۔ اصل میں لفظ مزبلہ استعمال ہوا ہے۔ با کی زبر اور پیش کے ساتھ۔ پاخانہ ڈالنے کی جگہ زبل بمعنی پاخانہ اور دیگر نجاستیں۔ اس کے حکم میں یا اس سے بھی سخت تر ہیں۔

۲۔ مجزرۃ جیم اور زا کے ساتھ حیوانات کے ذبح کرنے کی جگہ۔ چونکہ یہ جگہ بھی نجاستوں سے آلودہ ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں نماز پڑھنا منع ہے۔

۳۔ قارعۃ الطریق لوگوں کی گزرگاہ۔ ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو اس کا دل لوگوں سے مشغول ہوگا۔ نماز یکسو میان نہ رہے گا۔ دوسرے لوگوں کے لیے راستہ تنگ ہو جائے گا۔ تیسری خرابی یہ بھی ہے کہ اگر لوگ بادرست اس کے آگے سے گزریں گے تو گناہ گار ہوں گے اور اگر ان کیلیے گزرنا ضروری ہوگا تو پھر نمازی گناہ گار ہوگا۔

۴۔ تاکہ اونٹوں کے ادھر ادھر بھاگنے اور حرکت کرنے سے نمازی دل تنگ نہ ہو۔

۵۔ ادب کی بنا پر خانہ کعبہ کی چھت پر نماز پڑھنا منع ہے۔

٦٨٣ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلُّوْا فِىْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَلَا تُصَلُّوْا فِىْ اَعْطَانِ الْاِبِلِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکریوں کے بیٹھنے کی جگہ نماز پڑھ سکتے ہو مگر اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہ نہیں پڑھ سکتے۔[1]

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ ۔ (ترمذی شریف)

۱ۓ۔ کہ ان کا ادھر ادھر حرکت کرنا اور بھاگنا پریشانی دل کا باعث بنتا ہے۔ بخلاف بکریوں کے کہ ان میں یہ حرکت نہیں پائی جاتی۔

۲ۓ۔ علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ نہی تحریمی ہے یا تنزیہی۔ دونوں صورتوں میں اس کی یہ علت نہیں کہ وہ جگہ نجس وناپاک ہے۔ ورنہ نماز جائز ہی نہ ہو۔ اور ناپاک جگہیں انہی میں منحصر نہیں ہیں۔ اور پھر دونوں صورتوں میں یوں کہنا چاہیے تھا کہ آپؐ نے نجس جگہ نماز ادا کرنے سے منع فرمایا۔ بلکہ اس ممانعت کی علت نجس جگہ کی ہمسائیگی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص وہاں مصلا بچھائے اور اس پر نماز پڑھے تو بھی نماز مکروہ ہے۔

۶۸۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْہَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔
رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت کی[1] ہے جو قبروں کی زیارت کریں۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو ان قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں۔

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی۔)

۱ۓ۔ واضح ہو کہ ابتداء میں مردوں وعورتوں دونوں کو زیارت قبور کی اجازت نہ تھی۔ اس کے بعد آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب تم قبور کی زیارت کر سکتے ہو۔ اس رخصت واجازت کے بارے میں بعض علماء کہتے ہیں کہ عورتیں بھی اس میں شامل ہیں۔ اگرچہ لفظ صیغہ جمع مذکر کی شکل میں آیا ہے کہ شرع شریف کی عادت ہے کہ اغلب اوقات میں مخاطب مردوں کو کیا جاتا ہے مگر عورتیں بھی اس میں داخل وشامل ہوتی ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں یہ اجازت صرف مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے نہی کا حکم بدستور باقی ہے کہ عورتیں قبر پر جا کر بے صبری اور نوحہ گری کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ یہ حدیث اگر مردوں کو رخصت دینے کے بعد کی ہے تو پھر یہ اس آخری قول (عورتوں کی ممانعت) کی مؤید ہے۔

۲ۓ۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو قبروں کی جانب ان کی تعظیم کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور ان لوگوں پر بھی لعنت کی ہے جو بقصد تعظیم قبر اس پر چراغ جلائیں۔ بعض کے نزدیک چراغ جلانا حرام ہے اگرچہ تعظیم کے لیے نہ بھی ہو۔ کہ اس میں اسراف اور تضیع مال ہے۔ بعض کے نزدیک اگر وہ لوگوں کی گزرگاہ ہے یا اس کے سایہ میں کوئی کام کرنا مطلوب ہے تو پھر جائز ہے۔ اس صورت میں چراغ قبر کے لیے نہیں جلایا گیا۔ بلکہ دوسرے مقصد کے لیے ہے قبر مد نظر نہیں ہے۔

۶۸۵/۴۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ اِنَّ حِبْرًا مِنَ الْیَھُوْدِ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْبِقَاعِ خَیْرٌ فَسَکَتَ عَنْہُ وَقَالَ اَسْکُتُ حَتّٰی یَجِیْٓئَ جِبْرِیْلُ فَسَکَتَ وَجَآءَ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَسَاَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْہَ بِاَعْلَمَ مِنَ السَّآئِلِ وَلٰکِنِّیْ اَسْاَلُ رَبِّیْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ثُمَّ قَالَ جِبْرِیْلُ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰہِ دُنُوًّا مَّا دَنَوْتُ مِنْہُ قَطُّ قَالَ وَکَیْفَ کَانَ یَا جِبْرِیْلُ قَالَ کَانَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ اَسْوَاقُھَا وَخَیْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُھَا۔

رَوَاہُ اَبْنُ حَبَّانَ فِیْ صَحِیْحِہٖ عَنِ ابْنِ عُمَرَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں یہود کے ایک دانشمند نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا سب جگہوں سے بہتر جگہ کونسی ہے۔ آپ اس کا جواب دینے سے خاموش رہے اور فرمایا۔ جبرائیل کے آنے تک خاموش رہ تو وہ خاموش ہو گیا۔ اتنے میں حضرت جبرئیل آ گئے آپ نے جبرئیل سے دریافت کیا جبرئیل نے عرض کیا جس سے (مجھ سے) اس بارے میں سوال کیا گیا ہے۔ وہ سوال کرنے والے سے زیادہ نہیں جانتا[۱]۔ لیکن میں اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے دریافت کرتا ہوں۔ پھر جبرئیل نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے رب کے اتنا قریب ہوا کہ اس سے پہلے اتنا قریب کبھی نہ ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیل تیرے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہونے کی کیا کیفیت تھی۔ جبرئیل نے کہا میرے اور اس کے درمیان نور[۲] کے ستر ہزار پردے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب جگہوں میں سے بری جگہ بازار ہیں۔ اور سب جگہوں سے بہتر جگہ مسجدیں[۳] ہیں۔ اسے ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابن عمر سے روایت کیا[۴]۔

[۱] یعنی جس طرح سب سے بہتر جگہ آپ نہیں جانتے میں بھی نہیں جانتا۔

[۲] من نور (نوری پردے) اس لیے فرمایا کہ جبرائیل ایک روحانی شخصیت ہے۔ اس کے لیے ظلماتی وجسمانی حجابات کوئی وجود نہیں رکھتے۔

واضح ہو کہ یہ حجابات مخلوق کی نسبت سے ہیں۔ خالق کی طرف سے نہیں۔ کہ حق سبحانہٗ محجوب (پردے میں) نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بندے محجوب ہیں۔ جس طرح آفتاب نابینا کے لیے کہ نابینا حجاب میں ہے آفتاب پردے میں نہیں ہے۔ خلق کا خالق سے حجاب دو قسم کا ہے۔ ظلمانی جسمانی اور نورانی روحانی۔ کچھ لوگ تو نعمتوں کی دید کے باعث منعم (حق تعالیٰ) سے محجوب ہیں۔ اور بعض اسباب کی دید کی وجہ سے مسبب الاسباب (اللہ تعالیٰ) سے

محجوب ہیں۔ اور کچھ مباح یا حرام شہوتوں اور کچھ دوسرے طبعی و نفسانی حجابات میں محجوب ہیں اور ملائکہ و بعض مقرب بندے حق تعالیٰ کے اسمائے و معانی اور اس کے افعال کے معانی کے ساتھ محجوب ہیں۔ اور مقرب ملائکہ حق تعالیٰ کے نور ہیبت و کبریا و جلال و تنزیہ کے ساتھ محجوب ہیں۔ بیت۔

بدر و ہمہ پردہ ہائے خیال نماند سر پردہ الا جلال

ترجمہ۔ خیال کے تمام پردے پھٹ جاتے ہیں۔ جلال و عظمت کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔

مختصر یہ کہ صفات، ذات کے لیے پردہ ہیں۔ وَاِنَّهٗ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِيْ (بے شک میرے دل پر بھی پردہ آجاتا ہے) اسی قبیلہ سے ہے۔ کوئی بھی شخص اس ذات کی نسبت بے پردہ نہیں۔ اگر پردہ نہ رہے تو ساری کائنات اس کے نور ذات سے جل جائے۔ بیت

ہست از پردہ گفت و گوئے من و تو چوں پردہ برافتد نہ تو مانی و نہ من

ترجمہ۔ پردہ کی بدولت یہ سب گفتگو ہو رہی ہے۔ اگر پردہ اٹھ جائے تو نہ تو رہے نہ میں رہوں

اس معنی کی طرف اشارہ کتاب کے ابتداء میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم۔ اس کے بعد جبرئیل نے کہا میں خدا تعالیٰ کے انتہائی مرتبہ قرب میں پہنچا تو اس سے دریافت کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ شر البقاع اسواقہا۔

٤۔ اصل کتاب میں جگہ خالی سفید ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

٦٨٦ ٤٨ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ جَآءَ مَسْجِدِيْ هٰذَا لَمْ يَاْتِ اِلَّا لِخَيْرٍ يَتَعَلَّمُهٗ اَوْ يُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَنْ جَآءَ بِغَيْرِ ذٰلِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰى مَتَاعِ غَيْرِهٖ. رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جو شخص میری مسجد[١] میں آئے۔ اور نہ آئے مگر خیر سیکھنے او سکھلانے کے لیے[٢] تو وہ مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے[٣]۔ اور جو شخص کسی اور غرض[٤] کے لیے آیا تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کے سامان کو دیکھتا ہو[٥]۔ (ابن ماجہ اور بیہقی شعب الایمان میں)

---

[١] کہ میری یہ مسجد عظیم الشان اور واضح الرجحان مسجد ہے۔ باقی تمام مساجد اس حکم میں اس کے تابع اور اس کی فروع ہیں۔

[٢] نماز، ذکر، اعتکاف کا بھی یہی حکم ہے۔ تعلیم و تعلم کی تخصیص اس کی فضیلت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

ف۳ ـ یعنی وہ شخص مجاہدہ نفس کی وجہ سے اجر و ثواب میں اس کی طرح ہے جو راہ خدا میں جہاد کر رہا ہو۔

ف۴ ـ یعنی لہو و لعب اور فضول کام یا گزرنے کے لیے۔

ف۵ ـ کیونکہ دیکھنے والے مرد کے پاس وہ سامان نہیں ہوتا اور حسرت بھری اور للچائی ہوئی نگاہ سے اس کے سامان کو دیکھتا ہے۔ آخرت میں بھی یہ شخص جب مسجد میں بیٹھ کر نیک کام کرنے والے کے اجر و ثواب کو دیکھے گا۔ تو افسوس کرے گا اور درد و تکلیف محسوس کرے گا کہ میں اس دولت سے کیوں محروم رہا۔

۶۸۷/۴۹ وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ يَكُوْنُ حَدِيْثُهُمْ فِيْ مَسَاجِدِهِمْ فِيْ اَمْرِ دُنْيَاهُمْ فَلَا تُجَالِسُوْهُمْ فَلَيْسَ لِلّٰهِ فِيْهِمْ حَاجَةٌ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت حسن[1] سے مرسلا روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں پر ایسا زمانہ آئے گا کہ ان کی مسجدوں میں ان کی دنیا کی باتیں ہوں گی ایسے لوگوں کے[2] ساتھ نہ بیٹھنا کہ اللہ تعالے کو ایسے لوگوں کی کچھ حاجت نہیں[3]۔

(بیہقی[4] فی شعب الایمان)

ف۱ ـ یعنی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ۔

ف۲ ـ تاکہ تم بھی ان کے ساتھ شریک نہ سمجھے جاؤ۔ اگر چہ زبان سے ان کے ساتھ موافقت نہ کرو۔

ف۳ ـ یہ اللہ تعالے کے ان سے بیزار ہونے اور ان کی پرواہ نہ کرنے اور ان کی جانب نگاہِ التفات نہ کرنے سے کنایہ ہے اور اس بات سے کنایہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہد اور اس کی پناہ سے باہر نکل آتے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ حاجت سے پاک و منزہ ہے۔

ف۴ ـ یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا مکروہ و ممنوع ہے۔ مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کی مذمت و ممانعت بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ تاہم اس سے ایسی باتیں مراد ہوں گی جو عبث و لایعنی اور کثرت سے اور فحش و غلیظ باتیں ہوں۔ ورنہ ایک دو کلمے جو اس نوعیت کے نہ ہوں اس میں داخل نہیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بیان میں آیا ہے کہ بعض صحابہ فرماتے تھے۔ جب ہم لوگ کھانے کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس کا ذکر کرتے اور دنیا کا ذکر بھی ہم سے کرتے تھے اور آپ کی زیادہ تر مجلس مسجد میں ہوتی تھی۔ واللہ اعلم۔

۶۸۸/۵۰ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنْتُ نَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِيْ رَجُلٌ فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ اذْهَبْ فَأْتِنِيْ بِهٰذَيْنِ فَجِئْتُهُ

حضرت سائب[1] بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں مسجد[2] میں سویا ہوا تھا تو مجھے کسی آدمی نے کنکری ماری۔ میں نے دیکھا تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ نے فرمایا۔ جا ان

بِهِمَا فَقَالَ مِمَّنْ اَنْتُمَا اَوْ مِنْ اَيْنَ اَنْتُمَا قَالَا مِنْ اَهْلِ الطَّائِفِ قَالَ لَوْ كُنْتُمَا مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَاَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ اَصْوَاتَكُمَا فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

دو آدمیوں کو بلا کر لاؤ۳ میں ان کو بلا کر لایا آپ نے ان سے فرمایا تم کس قوم سے تعلق رکھتے ہو۴ یا کسی جگہ سے آئے ہو انہوں نے کہا ہم اہل طائف۵ سے ہیں آپ نے فرمایا اگر تم اہل مدینہ۶ سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۷ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۸ (بخاری شریف)

ف۱۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ خورد سال صحابی ہیں اپنے باپ کے ساتھ حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر سات سال کی تھی۔ اپنے باپ سے حدیث روایت کرتے ہیں قلیل الحدیث ہیں۔ بنی امیہ یا بنی عبدالشمس کے حلیف تھے۔

ف۲۔ یعنی مسجد نبوی شریف میں۔

ف۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ جو مسجد میں تھے اور بلند آواز سے باتیں کر رہے تھے (کہ ان کو بلا کر لاؤ)

ف۴۔ یہ راوی کا شک ہے۔

ف۵۔ طائف حجاز کے ایک مشہور مقام کا نام ہے۔ جو مکہ معظمہ سے تین منزل پر واقع ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر انور یہیں ہے۔

ف۶۔ یعنی اگر تمہیں مسجد نبوی شریف کی عزت و حرمت اور ادب و احترام کا پتہ ہوتا تو تم لوگ عفو و شفقت کے مستحق نہ تھے۔

ف۷۔ اور تمہیں مارتا۔

ف۸۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں خصوصاً مسجد نبوی میں آواز اونچی کرنا ادب کے خلاف ہے کہ مسجد نبوی شریف خاص مقام اور نور و حضور کے وارد ہونے کی جگہ ہے۔ ہاں علمی بحث کے دوران آواز کے بلند ہو جانے میں رخصت ہے۔ (ممانعت نہیں)

۹ ۶۸۹ ۱۵ وَعَنْ مَالِكٍ بَنٰى عُمَرُ رَحْبَةً فِیْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ تُسَمَّى الْبُطَيْحَاءَ وَقَالَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّلْغَطَ اَوْ يُنْشِدَ شِعْرًا اَوْ يَرْفَعَ صَوْتَهٗ فَلْيَخْرُجْ اِلٰى هٰذِهِ الرَّحْبَةِ

حضرت مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کے ایک طرف ایک جگہ۱ بنا دی تھی جسے بطیحا۲ کہتے تھے اور آپ نے فرمایا جو شخص شور۳ و غل کرنا چاہے یا شعر پڑھنا چاہے یا بلند آواز

(رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّأِ)

سے بات کرنا چاہے تو وہ اس جگہ کی طرف نکل آیا کرے اس حدیث کو امام مالک نے موطا میں روایت کیا (یہ ان کی کتاب کا نام ہے)

ف۱۔ یعنی ایک کھلی جگہ

ف۲۔ بُطیحا با کی پیش اور طا کی زبر سے بمعنی کنکریوں والی زمین۔

ف۳۔ اصل لفظ لغط استعمال ہوا ہے۔ غین اور طا مفتوحہ کے ساتھ۔ بمعنی شور و غوغا کرنا۔

۶۹۰/۵۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ رَاَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَاعَةً فِي الْقِبْلَةِ فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِ حَتّٰى رُئِيَ فِيْ وَجْهِهٖ فَقَامَ فَحَكَّهٗ بِيَدِهٖ فَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ فِي الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ وَاِنَّ رَبَّهٗ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ فَلَا يَبْزُقَنَّ اَحَدُكُمْ قِبَلَ قِبْلَتِهٖ وَلٰكِنْ عَنْ يَسَارِهٖ اَوْ تَحْتَ قَدَمِهٖ ثُمَّ اَخَذَ طَرَفَ رِدَائِهٖ فَبَصَقَ فِيْهِ ثُمَّ رَدَّ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَقَالَ اَوْ يَفْعَلُ هٰكَذَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوار قبلہ پر تھوک دیکھا۔ تو یہ چیز آپ کو ناگوار گزری حتیٰ کہ ناگواری کا اثر آپ کے چہرے پر محسوس ہوا پھر آپ کھڑے ہوئے اور اسے اپنے دست اقدس سے کھرچ دیا اور فرمایا تم میں کوئی آدمی جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو وہ اپنے رب تعالےٰ سے مناجات کر رہا ہوتا ہے اور اس کا رب اس کے اور قبلہ کے درمیان ہوتا ہے[ف۲]۔ تو تم میں کوئی آدمی بھی ہرگز قبلہ کی طرف نہ تھوکے[ف۳]۔ بلکہ اپنی بائیں جانب یا اپنے قدموں کے نیچے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کا ایک کنارہ ہاتھ میں لیا اور اس میں تھوکا پھر اس کپڑے کو آپس میں مل دیا۔ اور فرمایا یا اس طرح کرے[ف۴] بخاری

ف۱۔ اصل میں لفظ نخاعہ استعمال ہوا ہے۔ بمعنی وہ تھوک جو حلق سے خارج ہوتا ہے اور اسے نخاع بھی کہتے ہیں۔

ف۲۔ کہ بندے کی توجہ اور حضور حق تعالےٰ کی طرف ہوتا ہے۔

ف۳۔ قبلہ کے ادب و احترام کے لیے۔

ف۴۔ علماء فرماتے ہیں۔ اگر مسجد میں ہو تو اس طرح کرے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اور اگر مسجد میں نہ ہو تو اسے اختیار ہے کہ بائیں جانب تھوکے یا پاؤں کے نیچے دفن کرے۔

۶۹۱/۵۳ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ خَلَّادٍ وَّهُوَ

حضرت السائب بن خلاد سے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

رَجُلٌ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِي الْقِبْلَةِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْمِهٖ حِيْنَ فَرَغَ لَا يُصَلِّيْ لَكُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِكَ اَنْ يُّصَلِّيَ لَهُمْ فَمَنَعُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَعَمْ وَحَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

کے صحابہ میں سے ہے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص کسی قوم کا امام بنا۔ اس امام نے قبلہ کی جانب تھوک[۱] دیا جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ رہے تھے آپ نے اسکی قوم سے کہا جب کہ وہ انکی امامت سے فارغ ہوا یہ شخص اس کے بعد تمہاری امامت نہ کرائے[۲]۔ اس نے اسکے بعد ان کی امامت کرنی چاہی لوگوں نے اسے امام بننے سے روک دیا۔ اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کی اطلاع دی۔ اس مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا[۳]۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ (میں نے منع کیا ہے) اور میرا گمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا تو نے اللہ و رسول کو اذیت[۴] پہنچائی ہے۔ (ابوداؤد شریف)

[۱] اس نے یہ فعل اگر مسجد میں کیا تھا تو یہ سخت برا اور مکروہ فعل تھا اور اگر اس نے باہر ایسا کیا تو بھی اس میں کراہت و برائی موجود تھی کہ قبلہ کے ادب کا ترک اب بھی پایا گیا۔

[۲] لوگوں نے اسے اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے امامت سے برطرف کر دیا ہے۔

[۳] کہ فی الواقع آپ نے مجھے قوم کی امامت سے منع کر دیا ہے۔

[۴] خصوصًا مسجد میں اور خصوصًا جانب قبلہ کو تھوک کر۔

۶۹۲ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ احْتُبِسَ عَنَّا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ عَنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى كِدْنَا نَتَرَاۤءٰى عَيْنَ الشَّمْسِ فَخَرَجَ سَرِيْعًا فَثُوِّبَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَجَوَّزَ فِيْ صَلٰوتِهٖ فَلَمَّا سَلَّمَ دَعَا بِصَوْتِهٖ فَقَالَ لَنَا عَلٰى مَصَافِّكُمْ كَمَا

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک صبح کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کے لیے ہمارے پاس آنے سے رک[۱] گئے (دولت کدہ سے باہر تشریف نہ لائے) یہاں تک کہ قریب تھا کہ ہم سورج کو طلوع ہوتا دیکھ لیں۔ پھر آپ جلدی سے باہر نکلے۔ نماز کے لیے تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی۔ اور جلدی[۲] ادا کی۔ جب سلام پھیرا تو آپ نے بلند آواز سے پکارا۔ اور ہمیں فرمایا اے لوگو اپنی اپنی جگہوں پر صف بستہ بیٹھے رہو۔

أَنْتُمْ ثُمَّ انْفَتَلَ إِلَيْنَا ثُمَّ قَالَ أَمَا إِنِّيْ سَأُحَدِّثُكُمْ مَا حَبَسَنِيْ عَنْكُمُ الْغَدَاةَ إِنِّيْ قُمْتُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَوَضَّأْتُ فَصَلَّيْتُ مَا قُدِّرَ لِيْ فَنَعَسْتُ فِيْ صَلٰوتِيْ حَتَّى اسْتَثْقَلْتُ فَإِذَا أَنَا بِرَبِّيْ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى فِيْ أَحْسَنِ صُوْرَةٍ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ يَا رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ لَا أَدْرِيْ قَالَهَا ثَلٰثًا قَالَ فَرَأَيْتُهٗ وَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ أَنَامِلِهٖ بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَتَجَلّٰى لِيْ كُلُّ شَيْءٍ وَ عَرَفْتُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ قُلْتُ لَبَّيْكَ رَبِّ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْأَعْلٰى قُلْتُ فِي الْكَفَّارَاتِ قَالَ وَ مَا هُنَّ قُلْتُ مَشْيُ الْأَقْدَامِ إِلَى الْجَمَاعَاتِ وَ الْجُلُوْسُ فِي الْمَسَاجِدِ بَعْدَ الصَّلَوَاتِ وَ إِسْبَاغُ الْوُضُوْءِ حِيْنَ الْكَرِيْهَاتِ قَالَ ثُمَّ فِيْمَ قُلْتُ فِي الدَّرَجٰتِ قَالَ وَمَا هُنَّ قُلْتُ إِطْعَامُ الطَّعَامِ وَ لِيْنُ الْكَلَامِ وَ الصَّلٰوةُ بِاللَّيْلِ وَ النَّاسُ نِيَامٌ قَالَ سَلْ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَ تَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَ حُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَ أَنْ تَغْفِرَ لِيْ وَ تَرْحَمَنِيْ وَ إِذَا أَرَدْتَ

پھر آپ نے ہماری طرف منہ پھیرا۔ پھر فرمایا آگاہ رہو میں ابھی تمہیں بتلاتا ہوں۔ کہ صبح کو کس چیز نے مجھے تم سے روکے رکھا۔ میں رات کو اٹھا[2]۔ اور وضو کیا اور جس قدر نماز میرے مقدر میں تھی میں نے پڑھی۔ پھر مجھے نماز میں ہی نیند[3] آگئی یہاں تک کہ نیند کی وجہ سے میری طبیعت[4] بوجھل ہوگئی۔

——— تو اچانک میں نے اپنے رب تبارک و تعالیٰ کو دیکھا بہت اچھی صورت[5] میں تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عرض کیا لبیک (میں خدمت میں حاضر ہوں)، اللہ تعالےٰ نے فرمایا ملاء اعلیٰ[6] (بلند مرتبہ فرشتے) کس بات میں بحث و نزاع کر رہے[7] ہیں۔ میں نے کہا میں نہیں جانتا۔ اللہ تعالےٰ نے یہ کلمہ تین دفعہ دہرایا اور میں نے بھی تینوں دفعہ یہی جواب دیا۔ حضور فرماتے ہیں اس کے بعد میں نے دیکھا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنا دست قدرت میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا۔ یہاں تک کہ میں نے حق تعالیٰ کی انگلیوں کی ٹھنڈک اپنے دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی تو میرے لیے علوم سے ہر چیز ظاہر و روشن ہوگئی اور میں نے ہر چیز کو شناخت کرلیا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے عرض کیا لبیک رَبِّ اے میرے رب میں حاضر خدمت ہوں۔ فرمایا ملاءِ اعلیٰ (بلند مرتبہ فرشتے) کس چیز میں بحث و نزاع کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کفّارات میں یعنی ان نیک اعمال میں جو گذشتہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا وہ (کفارے) کیا ہیں۔ میں نے عرض کیا باجماعت نمازوں کے لیے پیدل چل کر جانا اور نمازوں کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا اور ناخوشگواری

فِتْنَةً فِيْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِيْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ وَاَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنِيْ اِلٰى حُبِّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا حَقٌّ فَادْرُسُوْهَا ثُمَّ تَعَلَّمُوْهَا۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَسَاَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ۔

کی حالت میں کامل و منور کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پھر اور کس چیز میں ملاءِ اعلیٰ بحث و نزاع کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا درجات[١٠] میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ کیا ہیں۔ میں نے عرض کیا کھانا کھلانا[١١]۔ نرم گفتگو[١٢] کرنا۔ اور رات کو اس وقت نماز پڑھنا (شب خیزی کرنا) جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مانگ[١٣]۔ میں نے عرض کیا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِيْنِ وَاَنْ تَغْفِرَلِیْ وَتَرْحَمَنِیْ وَاِذَا اَرَدْتَ فِتْنَةً فِیْ قَوْمٍ فَتَوَفَّنِیْ غَيْرَ مَفْتُوْنٍ[١٤] وَاَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ يُّقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّكَ۔ ترجمہ اے اللہ بیشک میں تجھ سے نیک کام کرنے کی توفیق مانگتا ہوں اور برے کاموں کے چھوڑنے کی ہمت مانگتا ہوں اور مساکین کی محبت مانگتا ہوں۔ اور یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے بخش دے۔ اور میرے اوپر رحم کر۔ اور جب تو کسی قوم کو فتنے میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرے تو مجھے فتنہ میں ڈالے بغیر موت کی آغوش میں لے جانا۔ اور میں تجھ سے تیری محبت[١٥] کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا بھی جو تجھ سے محبت کرتا ہو۔ اور ایسے عمل کی محبت کا سوال کرتا ہوں جو مجھے تیری محبت کے قریب کردے[١٦]۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک یہ بیان بالکل حق و سچ ہے۔ اسے پڑھو اور اس کے معانی والفاظ کو سیکھو اور لوگوں کو ان کی تعلیم دو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور میں نے محمد بن اسماعیل (یعنی بخاری) سے اس حدیث کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

١؎ ۔ یعنی روزانہ عادت والے وقت میں باہر تشریف نہ لائے۔

٢؎ ۔ اپنی عادت کے خلاف فجر کی نماز ادا کی۔

٣؎ ۔ جیسا کہ نماز تہجد کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اٹھنے کی عادت مبارک تھی۔

٤؎ ۔ اصل میں لفظ نعاس نون کی پیش کے ساتھ بمعنی ابتدائی نیند کی گرانی۔

٥؎ ۔ یہ لفظ اس بات میں صریح ہے کہ یہ روایت نیند کی حالت میں تھی اور ایک روایت میں آیا ہے۔ کہ پھر میں بیدار ہو گیا۔ یہ لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ واقعہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد کا ہے۔ واللہ اعلم۔

٦؎ ۔ اچھی حالت یا اچھی صفت میں یہ حق تعالیٰ کی صفت کا بیان ہے یا حضور کی خود اپنی حالت کا جیسا کہ دوسری فصل میں گزرا۔

۱۰۷۔ ملاء اعلیٰ کا معنی گذشتہ عبارت میں گزر چکا ہے۔

۱۰۸۔ سردی اور بیماری کی حالت میں۔

۱۰۹۔ یعنی وہ اعمال جن سے ثواب اور قرب الٰہی میں درجہ بلند ہوتا اور بڑھتا ہے۔

۱۱۰۔ مسکینوں، محتاجوں اور مہمانوں کو یعنی مخلوق کے ساتھ جود و احسان میں سے ایک چیز یہ ہے کہ کھانا کھلایا جائے اس کا نفع عام اور ضرورت زیادہ ہوتی ہے۔

۱۱۱۔ اور لوگوں کے ساتھ خلق و لطف و نرمی سے رہنا۔ اور اپنے ماتحت اور شکستہ دلوں کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا۔

۱۱۲۔ اور اس سے خیرات طلب کریں اور اپنے لیے دعا کریں جو آپ چاہتے ہیں۔

۱۱۳۔ ان الفاظ کا ترجمہ فصل ثانی میں گزرا معمولی فرق کے ساتھ جو یہاں ہے کہ یہاں مغفرت و مہربانی کا بھی سوال کیا گیا ہے۔ اور یہاں ایک زائد بات یہ بھی ہے کہ یہاں وَاَسْئَلُکَ حُبَّکَ الی آخرہ بھی فرمایا۔

۶۹۳/۵۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ قَالَ فَاِذَا قَالَ ذٰلِكَ قَالَ الشَّيْطٰنُ حُفِظَ مِنِّيْ سَائِرَ الْيَوْمِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ کلمات پڑھتے۔ اعوذ باللہ العظیم و بوجہہ الکریم و سلطانہ القدیم من الشیطان الرجیم۔ میں عظمت والے اللہ کے ساتھ پناہ لیتا ہوں اور اس کی کریم ذات کے ساتھ جو تمام بزرگیوں کی جامع ہے (علماء نے کہا ہے تو نے جسے کریم کہہ دیا گویا تمام صفات کمال سے اس کی صفت کردی۔ (اشعۃ اللمعات) حضور نے فرمایا جب بندہ یہ کلمات پڑھ لیتا ہے تو شیطان کہتا ہے یہ بندہ اب سارے دن کے لیے میرے شر سے محفوظ ہو گیا۔ (ابوداؤد)

۶۹۴/۵۶ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِيْ وَثَنًا يُّعْبَدُ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰى قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَآئِهِمْ مَسَاجِدَ۔

حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔ اللہ تعالےٰ کا غضب و غصہ بڑا سخت ہوا یا ہو ان لوگوں پر جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ

رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا ،

بنایا۔ اسے مالک نے مرسلا روایت کیا۔

[1] حضرت عطاء تابعین سے اور ان کے مشاہیر واکابر میں سے ہیں۔ ثقہ کثیر الحدیث ہیں ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ مشہور قول کے مطابق ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔ جب کہ ان کی عمر ۸۴ سال تھی۔

[2] جیساکہ گزشتہ حدیث میں اس کا معنی مذکور ہوا۔

۶۹۵ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ الصَّلٰوةَ فِي الْحِيْطَانِ[1] قَالَ بَعْضُ رُوَاتِهٖ يَعْنِي الْبَسَاتِيْنَ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ الْحَسَنِ[2] بْنِ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَدْ ضَعَّفَهٗ يَحْيَى بْنُ سَعِيْدٍ وَّغَيْرُهٗ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار دیواریوں میں نماز پڑھنے کو پسند کرتے تھے۔ اس کے بعض راویوں نے کہا یعنی ایسے باغات میں جن کے اردگرد چار دیواری ہو۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر حسن بن ابی جعفر کی حدیث سے۔ اور بیشک یحیی بن سعید وغیرہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔

[1] اصل میں لفظ حیطان آیا ہے۔ حدیث کے بعض راویوں نے اس سے باغات مراد لیے ہیں۔ یہ لفظ حائط کی جمع ہے بمعنی دیوار جس نے کسی جگہ کا احاطہ کیا ہو۔ باغات کے معنی ہیں۔ اس لیے یہ لفظ آتا ہے کہ چار دیواری کے انکا احاطہ کیا ہوتا۔

[2] اور کہا ہے کہ حسن بن ابو جعفر روایت میں بڑا جلد باز اور منکر الحدیث ہے یحیی بن سعید جو آئمہ حدیث کے ناقدین میں سے ہے اس سے روایت نہیں کرتا۔ ابو حاتم نے کہا حسن مستجاب الدعوات تھا۔ لیکن جب وہ عبادت میں زیادہ منہمک اور مشغول ہو گیا تو فن حدیث اور اس کے حفظ میں اسے غفلت اور وہم لاحق ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۶۹۶ وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ فِيْ بَيْتِهٖ بِصَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُجَمَّعُ فِيْهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ مَسْجِدِيْ بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى بِخَمْسِيْنَ اَلْفَ صَلٰوةٍ وَّصَلٰوتُهٗ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ اَلْفِ صَلٰوةٍ۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کا گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے ثواب کے برابر ہے۔ اور مسجد محلہ میں اسکا ایک نماز پڑھنا پچیس نمازوں کے برابر ہے۔ اور اسکا جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے ثواب کے برابر ہے اور اس کا مسجد اقصیٰ میں ایک نماز پڑھنا پچاس[1] ہزار نماز کے برابر ہے۔ اور اس کا میری مسجد (مسجد نبوی) میں ایک نماز پڑھنا پچاس ہزار نماز کے برابر ہے اور اسکا مسجد خانہ کعبہ میں

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ایک نماز پڑھنا ایک لاکھ نماز کے ثواب کے برابر ہے (ابن ماجہ)

ل۔ بعض نسخوں میں ایک ہزار کا لفظ آیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس میں یہی درست ہے۔

٦٩٠/٥٩ وَعَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَىُّ مَسْجِدٍ وُّضِعَ فِى الْاَرْضِ اَوَّلَ قَالَ الْمَسْجِدُ الْحَرَامُ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ اَىٌّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصٰى قُلْتُ كَمْ بَيْنَهُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ عَامًا ثُمَّ الْاَرْضُ لَكَ مَسْجِدٌ فَحَيْثُ مَا اَدْرَكَتْكَ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ زمین میں پہلے کونسی مسجد تعمیر کی گئی۔ فرمایا اَلْمَسْجِدُ الْحَرَام یعنی مسجد خانہ کعبہ۔ میں نے کہا پھر کون سی۔ فرمایا پھر مسجد اقصیٰ ل۔ میں نے کہا ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت تھی۔ فرمایا چالیس سال۔ پھر اس کے بعد ساری زمین تیرے لیے مسجد ہے۔ جس جگہ بھی تیرے لیے نماز کا وقت ہو جائے۔ نماز پڑھ لے۔

(بخاری و مسلم)

ل۔ یہاں ایک اشکال پیش کیا گیا ہے۔ کہ کعبہ شریف کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور مسجد بیت المقدس کے بانی حضرت سلیمان علیہ السلام اور ان دونوں بزرگوں کے درمیان ہزار سال سے بھی زیادہ فاصلہ ہے۔ چالیس سال والی بات کس طرح درست ہو سکتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چالیس سال والی حدیث میں ان دونوں مسجدوں کی تعمیر اول کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ نہ تو حضرت ابراہیم خانہ کعبہ کے معمار اول ہیں۔ اور نہ ہی حضرت سلیمان مسجد اقصیٰ کے اول بانی ہیں۔ یہ روایت تحقیق پر مبنی ہے کہ خانہ کعبہ کے معمار اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اس کے بعد آپ کی اولاد زمین میں پھیل گئی۔ تو ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم کی اولاد میں سے کسی نے مسجد اقصیٰ کی بنیاد رکھی ہو۔ پھر اس کے بعد دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی۔

شیخ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ بے شک مجھے اس روایت کا شاہد اور مؤید بھی ملا ہے۔ اور وہ یہ کہ ابن ہشام نے کتاب التیجان میں کہا ہے کہ جب حضرت آدم نے کعبہ کی تعمیر کی تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اب آپ بیت المقدس کو جائیں اور اس کی تعمیر کریں۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے تعمیر خانہ کعبہ کے بعد مسجد اقصیٰ بھی تعمیر کی۔ اور اس میں عبادت الہٰی بجا لائے۔ حضرت آدم کا خانہ کعبہ کو تعمیر کرنا مشہور واقعہ ہے۔ اس روایت کے مطابق دونوں عمارتوں کے درمیان چالیس سال کا وقفہ کوئی بعید بات نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

⁂

بَابُ السَّتْرِ

نماز میں جسم ڈھانپنے کا باب

ستر بمعنی چھپانا۔ یہاں شرمگاہ کا چھپانا مراد ہے۔ کہ یہ بھی شرائط نماز میں سے ہے مولف رحمۃ اللہ اس باب میں وہ احادیث لائے ہیں جو بحالت نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے لباس سے متعلق ہیں۔ اور اس بارے میں مکروہ چیز کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ نماز میں کتنی مقدار ستر عورت واجب و ضروری ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۶۹۸ عَنْ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُشْتَمِلًا بِهٖ فِیْ بَیْتِ اُمِّ سَلَمَةَ وَاضِعًا طَرَفَیْهِ عَلٰی عَاتِقَیْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت عمر بن ابی سلمہ[۵۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ حضرت ام سلمہ کے گھر میں ایک ہی کپڑے میں بشکل اشتمال[۵۲] لپیٹ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اور اس کے دونوں کنارے اپنے دونوں کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔

(بخاری و مسلم[۵۳])

۵۱۔ حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ مخزومی قرشی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب ہیں۔ یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند سے حضرت ام سلمہ کے بیٹے ہیں۔ چھوٹی عمر کے صحابی ہیں۔ آپ ہجرت کے دوسرے سال سرزمین حبشہ میں پیدا ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر نو سال تھی۔ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث اخذ کیں۔ سنہ ۸۳ھ میں عبدالملک کے دور خلافت میں انتقال فرمایا۔

۵۲۔ اشتمال کی صورت یہ ہے کہ کپڑے کا دائیں کنارہ جو دائیں کندھے پر ہوتا ہے۔ دائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر بائیں کندھے پر ڈالا جائے اور کپڑے کا بائیں کنارہ جو بائیں کندھے پر ہے بائیں کندھے کے نیچے سے نکال کر دائیں کندھے پر ڈالا جائے۔ پھر دونوں کناروں کو سینہ پر باندھ دیا جائے۔ غالب یہ ہے کہ دو کناروں کو سینے پر باندھنے کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے۔ جب کہ کپڑے کے کنارے لمبے نہ ہوں اور برہنگی کا اندیشہ ہو۔ اور اگر کپڑا کھلا ہے کنارے لمبے ہیں تو پھر باندھنے کی حاجت نہیں۔ جس طرح فقرائے یمن کے لباس سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسی بنا پر بعض شارحین کے کلام میں باندھنے کی قید کا ذکر نہیں ہے۔ اس اشتمال کو توشیح بھی کہتے ہیں یہ وشاح سے ماخوذ ہے یعنی وہ حمائل جو گردن میں ڈالتے ہیں۔

ف۳۔ یعنی مذکورہ کیفیت کے مطابق جو اشتمال کے معنیٰ میں بیان ہوئی ہے۔

۶۹۹/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُكُمْ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَیْسَ عَلٰى عَاتِقَیْهِ مِنْهُ شَیْءٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی ایک کپڑے میں نماز نہ پڑھے۔ جب کہ اس کے کندھوں پر کوئی چیز ف۱ نہ ہو۔

(بخاری ومسلم)

ف۱۔ یعنی اگر کپڑا اس طریقہ کے مطابق جو اشتمال کے معنیٰ میں بیان ہوا کندھے پر نہ پڑا ہوا ہو تو اس میں نماز نہ پڑھے کہ اس طرح نماز کے اندر برہنہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور ہاتھ سے دونوں کنارے پکڑنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور پکڑنے سے نماز کے اندر ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کی جو سنت ہے وہ فوت ہو جاتی ہے۔ تاہم اگر ستر عورت حاصل رہے تو نماز آئمہ ثلاثہ اور جمہور علماء کے نزدیک درست ہو جاتی ہے۔ مگر امام احمد اور بعض سلف کے نزدیک حدیث کے ظاہر الفاظ پر نگاہ کرتے ہوئے ———— اس صورت میں نماز جائز نہیں۔

۷۰۰/۳ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ فَلْیُخَالِفْ بَیْنَ طَرَفَیْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا جس نے ایک کپڑے میں نماز پڑھی اسے چاہیے کہ اس کے دونوں کنارے مخالف جانبوں پر ڈال ف۱ لے

(بخاری شریف)

ف۱۔ جیسا کہ اشتمال کے معنیٰ میں اس کا طریقہ مذکور ہوا۔

۷۰۱/۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ خَمِیْصَةٍ لَّهَا اَعْلَامٌ فَنَظَرَ اِلٰى اَعْلَامِهَا نَظْرَةً فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اذْهَبُوْا بِخَمِیْصَتِیْ هٰذِهٖ اِلٰى اَبِیْ جَهْمٍ وَاْتُوْنِیْ بِاَنْبِجَانِیَّةِ اَبِیْ جَهْمٍ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِیْ اٰنِفًا عَنْ صَلٰوتِیْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر ف۱ میں نماز پڑھی جس میں دھاریاں تھیں۔ نماز کے دوران آپکی نگاہ ان دھاریوں پر پڑ گئی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا میری یہ چادر ابوجہم ف۲ کے پاس لے جاؤ اور ابوجہم سے اسکی انبجانیہ چادر

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِیْ رِوَايَةٍ لِّلْبُخَارِیِّ قَالَ كُنْتُ اَنْظُرُ اِلٰی عَلَمِهَا وَ اَنَا فِی الصَّلٰوةِ فَاَخَافُ اَنْ يَّفْتِنَنِیْ۔

لے آؤ۔ کہ اس نے ابھی ابھی مجھے نماز سے غفلت میں ڈالا[ھ۴]۔ بخاری و مسلم اور بخاری کی ایک روایت میں اس طرح بھی آیا ہے آپ نے فرمایا میں نماز کے اندر ان دھاریوں کو دیکھتا تھا تو مجھے خوف لاحق ہوا کہ یہ مجھے فتنہ میں ڈال[ھ۵] دیں گی۔

ھ۱۔ خمیصہ کھدر یا صوف کی اس سیاہ چادر کو کہتے ہیں جس میں دھاریاں ہوں۔ اگر اس کا رنگ سیاہ یا اس میں دھاریاں نہ ہوں تو اسے خمیصہ نہیں کہتے۔

ھ۲۔ حضرت ابوجہم مشہور اور معمر صحابی ہیں۔ قریش کے عمر رسیدہ لوگوں میں سے تھے۔ یہ چادر جو انہوں نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت اقدس میں بھیجی تھی۔ جب آپ کی نگاہ اس کی دھاریوں پر پڑی تو آپ کو ناپسند لگی اور آپ نے ان کی وہ چادر واپس بھیج دی۔

ھ۳۔ انبجانیہ۔ ہمزہ کی زیر یا زبر اور نون ساکن اور بار کے کسرہ اور فتح کے ساتھ۔ ریشم کا ہلکی قسم کا کمبل یا چادر۔ یہ انبجان جگہ کی طرف منسوب ہے۔ اس دوسری چادر کا ان سے واپس منگوانا اس بنا پر تھا کہ جب خمیصہ (سیاہ رنگ کی دھاری دار چادر) جو انہوں نے بطور تحفہ بھیجی تھی وہ آپ نے ان کو واپس کر دی تو ان کے دل شکستہ ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے دوسری چادر انبجانیہ ان سے منگوالی۔ اور اس دھاری دار چادر کے پسند نہ آنے کی وجہ یہ بیان فرمائی۔ فَاِنَّهَا اَلْهَتْنِیْ اٰنِفًا عَنْ صَلٰوتِیْ۔ کہ بے شک اس نے مجھے میری نماز سے غافل کیا۔ یعنی میرے ذوق و حضور نماز میں فرق واقع ہوا۔

ھ۴۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہری صُوَر و نقوش، نفوس، طاہرہ اور قلوب صافیہ پر ان کے علو مقام اور کمال نزاہت کے باوجود اثر انداز ہوتی ہیں۔ نظر تحقیق کے مطابق یہ تاثیر و تبدیلی ان کے کمالِ صفا اور غایت لطافت کی بنا پر ہوتی ہے۔ جس طرح صاف سفید کپڑے پر ایک سیاہ داغ بھی پڑ جائے تو نمایاں نظر آتا ہے۔ اور جس قدر وہ کپڑا زیادہ سفید ہوگا اسی قدر وہ کالا نشان زیادہ نمایاں ہوگا۔ گناہوں سے آلودہ اور سیاہ دل لوگ اس حقیقت و معنیٰ سے آگاہ نہیں ہیں۔

میرے (شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) کے نزدیک یہ امت کو تعلیم اور انہیں تنبیہ ہے کہ زینت و نقش و نگار دنیوی کی طرف مائل نہ ہونا چاہیے بلکہ حقیقت پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اس بارے میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے اور غفلت و مشغولیت کے امور سے بچ کر رہنا چاہیے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

۷۰۲/۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ قِرَامٌ لِّعَائِشَةَ سَتَرَتْ بِهٖ جَانِبَ بَيْتِهَا فَقَالَ لَهَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی ایک جانب میں ایک

النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِيْطِيْ عَنَّا قِرَامَكِ هٰذَا فَاِنَّهٗ لَا يَزَالُ تَصَاوِيْرُهٗ تَعْرِضُ لِيْ فِيْ صَلٰوتِيْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

باریک رنگین و منقش پردہ۱ لٹکا ہوا تھا۔ ان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارے آگے سے اس پردے کو ہٹا دے کہ اس کی تصاویر میری نماز میں میرے سامنے آتی رہیں۔

(بخاری شریف)

۱؎ ۔ اصل میں لفظ قرام آیا ہے۔ قاف کی زیر اور الف ساکن کے ساتھ یعنی باریک رنگین اور منقش پردہ ظاہرا یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پردہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دیوار پر لٹکایا ہوا اور دیوار کو اس سے آراستہ کیا ہوا تھا جیسے کہتے ہیں دلہن کی ڈولی کی طرح آپ نے اس پردے سے کوئی چیز بنائی ہوئی تھی۔ بعض کہتے ہیں گھر میں جو سامان ہوتا تھا اس پردے سے چھپایا ہوتا تھا۔ کیونکہ دیواروں کو کپڑوں سے ڈھانپنا اور ان پر پردے لٹکانا ممنوع ہے۔ حضرت عائشہ اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیسے کر سکتی تھیں۔ تاہم ممکن ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ممانعت سے پیشتر ایسا کیا ہو۔ واللہ اعلم۔

۲ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ اُهْدِيَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُّوْجُ حَرِيْرٍ فَلَبِسَهٗ ثُمَّ صَلّٰى فِيْهِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَزَعَهٗ نَزْعًا شَدِيْدًا كَالْكَارِهِ لَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا يَنْبَغِيْ هٰذَا لِلْمُتَّقِيْنَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عقبہ بن عامر۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ریشمی قبا۲ تحفہ بھیجی گئی۔ آپ نے اسے۳ پہنا پھر اس میں نماز پڑھی پھر نماز سے فارغ ہوئے تو اس ریشمی قبا کو ناپسند کرنے والے کی طرح سختی سے اتارا۔ پھر فرمایا یہ پرہیزگاروں کے لائق نہیں۴۔

(بخاری ومسلم)

۱؎ ۔ یعنی حضرت عقبہ بن عامر جہنی جو مشہور صحابی ہیں۔ انہوں نے یہ ہدیہ بھیجا۔

۲؎ ۔ فَرُّوج حریر۔ ریشمی قبا۔ فروج فا کی زبر اور را کی شد کے ساتھ آخر میں جیم۔ وہ قبا جس کا چاک پیچھے ہو۔ جیسا کہ سواری کے لیے لیا کرتے تھے۔ یہ اکیدر نامی سردار اعظم دومۃ الجندل نے ارسال کیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کسی دوسرے نے بھیجا تھا۔

۳؎ ۔ آپ نے ریشم پہننے کی نہی سے پہلے اسے پہنا تھا۔ بعض کہتے ہیں حرمت کے بعد پہنا تھا۔ بھیجنے والے کی دلجوئی کے لیے۔ مگر بعض کا یہ قول بہت بعید اور مضمون اور سیاق حدیث کے خلاف ہے۔

۴؎ ۔ خصوصاً اس ذات کے لیے جو سب سے بزرگ سب سے بہتر اور تمام متقیوں کی سرور و سردار ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اس کا پہننا مباح اور روا ہے مگر عزیمت و افضلیت کے مقام سے دور ہے۔ ہو سکتا ہے ریشم کی حرمت کی ابتدا کا مقدمہ یہی ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۷۰۴ ۷ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ رَجُلٌ اَصِيْدُ فَاُصَلِّيْ فِي الْقَمِيْصِ الْوَاحِدِ قَالَ نَعَمْ وَازْرُرْهُ وَلَوْ بِشَوْكَةٍ ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ ۔

حضرت سلمہ[1] بن الاکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک شکاری آدمی ہوں۔ کیا میں صرف قمیص کے اندر نماز پڑھ لوں۔ فرمایا ہاں پڑھ لیا کر۔ مگر اسے بٹن لگا لیا کر اگرچہ کانٹے کا ہی ہو۔ (ابوداؤد)

ف۱۔ میں صرف ایک قمیص ہی پہنتا ہوں تاکہ شکار کے تعاقب میں آسانی کے ساتھ دوڑ سکوں۔

ف۲۔ یعنی گریبان بند کر لیا کر اگر وہ کھلا اور کشادہ ہو اور رکوع و سجود کے وقت برہنگی کا خطرہ ہو تو ٹھیک نہیں ہے۔

ف۳۔ اور نسائی نے اسی کی مثل روایت کیا۔ دوسرے الفاظ میں۔

۷۰۵ ۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يُصَلِّيْ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اذْهَبْ فَتَوَضَّأْ فَذَهَبَ وَتَوَضَّأَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا لَكَ اَمَرْتَهٗ اَنْ يَتَوَضَّأَ قَالَ اِنَّهٗ كَانَ يُصَلِّيْ وَهُوَ مُسْبِلٌ اِزَارَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَقْبَلُ صَلٰوةَ رَجُلٍ مُسْبِلٍ اِزَارَهٗ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اس اثناء میں کہ ایک آدمی ٹخنوں سے نیچے[ف۱] تہہ بند لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جا اور وضو کر وہ مرد گیا اور وضو کیا۔ پھر آیا۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ کس وجہ سے آپ نے اسے وضو کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص تہہ بند نیچے لٹکائے نماز پڑھ رہا تھا اور بے شک اللہ تعالےٰ اس آدمی کی نماز قبول نہیں کرتا جس نے تہہ بند ٹخنوں کے نیچے لٹکایا ہوا ہو[ف۲]۔ (ابوداؤد)

ف۱۔ اسبال کا معنی لغت میں ہے کپڑے کو ناز و تکبر سے اس قدر نیچے چھوڑ دینا کہ زمین سے لگ جائے۔ یہ اسبال صرف تہہ بند کے ساتھ خاص نہیں۔ چونکہ اس کا استعمال بیشتر تہہ بند میں ہوتا ہے۔ اس لیے

---

[1] حضرت سلمہ بن الاکوع مشہور صحابی ہیں۔ اپنے وقت کے بڑے شجاع اور دلیر انسان تھے۔ سواروں پر پاپیادہ حملہ آور ہوتے تھے۔

حدیث میں تہہ بند کا لفظ آگیا۔

۲۔ یعنی تکبر و غرور کی وجہ سے اسے ثواب نہ ملے گا۔ اگرچہ اصل نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور ذمہ سے بھی ساقط ہو جائے گی۔

یہاں یہ گفتگو باقی ہے کہ نماز کا قبول نہ ہونا اسے دوبارہ وضو کا حکم دینے کی علت کیسے بن گیا۔ اس کے جواب میں دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اسے وضو کا حکم اس لیے دیا کہ اسے پتہ چل جائے کہ وہ معصیت کا مرتکب ہوا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے علم میں یہ چیز قرار پذیر ہو چکی تھی کہ وضو خطاؤں کو مٹاتا ہے۔ اور گناہوں کی بخشش کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اور یہ وضو گناہوں کے اسباب، غصہ و غضب وغیرہ کو بھی دور کرتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا اس کے باطہارت ہونے کے باوجود اسے دوبارہ وضو کا حکم دینے میں یہ راز ہو سکتا ہے کہ وہ شخص فکر مند ہو اور اپنے اس فعل کی قباحت کو محسوس کرے کہ اس نے اس کا ارتکاب کیوں کیا اور اس وجہ سے بھی وضو کا دوبارہ حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری طہارت کا حکم دینے کی برکت سے اللہ تعالیٰ باطن کو تکبر و غرور سے جو اسبال (تہہ بند نیچے لٹکانے) کا موجب بنا، سے پاک کر دے گا۔ کیونکہ ظاہری طہارت باطنی طہارت کے پیدا کرنے میں موثر ہے۔

ظاہری طور پر سمجھ میں یوں آتا ہے کہ اسبال وضو توڑ دیتا ہے یا وضو میں کراہت کا موجب ہے۔ مگر متاخرین نے اس کا بیان ایسے ہی کیا ہے جو یہاں مذکور ہوا۔ (خوب سمجھ لے)

۹۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ حَائِضٍ اِلَّا بِخِمَارٍ۱۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بالغہ عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی مگر چادر کے ساتھ۔۱ (ابوداؤد، ترمذی)

۱۔ بالغہ عورت یعنی جو حیض آنے کی عمر کو پہنچ چکی ہو۔ اس کی نماز قبول نہیں ہوتی مگر سرپوش (چادر) کے ساتھ خِمار خا کی زیر کے ساتھ یعنی ایسی چیز جس سے سر کو چھپایا جائے۔ اب اس کا استعمال عورتوں کے سرپوش میں ہوتا ہے صراح میں کہا خِمار بکسر معجر زنان (عورتوں کا سرپوش) یعنی عورت کے سر اور اس کے بالوں کا نماز میں چھپانا واجب و ضروری ہے۔ یہ مسئلہ آزاد عورت کے لیے ہے۔ لونڈی ستر کے مسائل میں مرد کی طرح ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں سے معلوم ہو چکا ہے۔

۱۰۔ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُصَلِّيْ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کیا

اَلْمَرْأَةُ فِيْ دِرْعٍ وَّ خِمَارٍ لَيْسَ عَلَيْهَا اِزَارٌ قَالَ اِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُّغَطِّيْ ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ ذَكَرَ جَمَاعَةٌ وَّقَفُوْهُ عَلٰى اُمِّ سَلَمَةَ۔

عورت قمیص اور چادر میں کہ تہبند پہنے ہوئے نہ ہو۔ نماز پڑھ سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا جبکہ اس کی قمیص اتنی بڑی اور کھلی ہو کہ وہ پاؤں کی پشتوں کو بھی چھپا لے (تو جائز ہے) اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور بیان کیا کہ ائمہ حدیث کی ایک جماعت نے اس حدیث کا وقف حضرت ام سلمہ پر کیا ہے یعنی انہوں نے کہا ہے یہ حضرت ام سلمہ کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک نہیں اور حدیث موقوف کا معنی مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

۸ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نَهٰى عَنِ السَّدْلِ فِي الصَّلٰوةِ وَ اَنْ يُّغَطِّيَ الرَّجُلُ فَاهُ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں سدل[1] سے منع فرمایا۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ آدمی نماز کے اندر اپنا منہ ڈھانپ[2] کر رکھے۔

(ابوداؤد، ترمذی)

۹ وَ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ خَالِفُوا الْيَهُوْدَ فَاِنَّهُمْ لَا يُصَلُّوْنَ فِيْ نِعَالِهِمْ وَلَا خِفَافِهِمْ۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کی مخالفت کرو کہ وہ اپنے جوتوں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔

---

[1] سدل کی صورت یہ ہے کہ کپڑا سر اور کندھوں پر ڈال لیا جائے۔ اور کنارے نیچے لٹکا دیے جائیں۔ چادر شانہ پر ڈالنا اور اس کے کنارے نیچے لٹکانا بھی سدل اور منع ہے۔ قبا پہننا اور ہاتھ اس کی آستینوں میں نہ ڈالنا۔ بلکہ اندر رکھنا اور آستینوں کا لٹکنا بھی سدل ہے اور منع ہے۔

[2] یعنی منہ کو نماز میں کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانپنا۔ بعض شارحین نے سدل کی تفسیر اس سے کی ہے کہ منہ کی تلثیم کی جائے یعنی دستار کے ایک کنارے سے منہ کو باندھ دیا جائے۔ اس سے ممانعت کا سبب و باعث یہ ہے کہ یہ یہود کا فعل ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ عورتوں کی سیرت و عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس سے نماز کی قرأت اور اس کے حسن میں رکاوٹ واقع ہوتی ہے۔ ڈکار مارنے والا اور وہ آدمی جس کے منہ سے بدبو آتی ہو اس ممانعت سے مستثنیٰ ہے۔ بلکہ ان صورتوں میں ہاتھ سے منہ کو بند کرنا مستحب و مستحسن ہے۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

(ابوداؤد شریف)

[5] ۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہ لوگوں کی مخالفت کے اظہار کے لیے رخصت پر عمل کرنا بھی مستحسن و مرغوب چیز ہے کہ اس میں ان کی مخالفت پائی جاتی ہے، اس لیے رخصت سے نکل کر عزیمت کے حکم میں ہو چکی ہے۔

۱۰/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِاَصْحَابِہٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْہِ فَوَضَعَھُمَا عَنْ یَّسَارِہٖ فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِکَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَھُمْ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَہٗ قَالَ مَا حَمَلَکُمْ عَلٰی اِلْقَآئِکُمْ نِعَالَکُمْ قَالُوْا رَاَیْنَاکَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْکَ فَاَلْقَیْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ فِیْھِمَا قَذَرًا اِذَا جَآءَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰی فِیْ نَعْلَیْہِ قَذَرًا فَلْیَمْسَحْہُ وَلْیُصَلِّ فِیْھِمَا۔

رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنے نعلین مبارک اتار دیے اور اپنی بائیں طرف رکھ لیے[1]۔ جب قوم نے یہ بات دیکھی تو انہوں نے بھی اپنے جوتے اتار دیے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری کر چکے تو فرمایا تمہیں کس چیز نے تمہارے جوتے اتارنے پر آمادہ کیا۔ صحابہ نے عرض کیا ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے جوتے اتار دیے۔ ہم نے بھی جوتے اتار دیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بے شک میرے پاس جبرئیل آیا۔ اور مجھے خبر دی کہ دونوں جوتوں میں نجاست[2] ہے۔ جب تم سے کوئی مسجد میں آئے تو دیکھے اگر جوتوں کے ساتھ نجاست ملی ہے تو اسے کسی چیز کے ساتھ صاف کرے اور ان میں نماز پڑھے[3]۔

(ابوداؤد۔ دارمی)

[1] ۔ شاید کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کوئی نہ تھا ورنہ اس جانب جوتا نہ رکھتے کہ اس بارے میں نہی آچکی ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

[2] ۔ قذر قاف اور ذال کے فتح کے ساتھ یعنی پلیدی اور وہ چیز جس سے طبیعت نفرت کرے۔ ظاہر یہ ہے کہ نعلین مبارک کو کوئی ایسی نجاست نہیں لگی ہوئی تھی۔ جس سے نماز درست نہ ہو۔ بلکہ کوئی ایسی چیز لگی ہوئی تھی جس سے طبیعت نفرت کرے۔ ورنہ آپ از سر نو نماز پڑھتے۔ کیونکہ کچھ نماز ادا کر چکے تھے۔ حضرت جبرئیل کا آپ کو اطلاع دینا اور آپ کا نعلین شریف اتار دینا کمال طہارت و نظافت کی بنا پر تھا جو کہ آپ کی طبیعت شریف کے لائق تھا

بعض شافعی حضرات کہتے ہیں کہ نسیان کی بنا پر اگر نجاست لگی رہے تو اس سے نماز کی درستی میں فرق نہیں پڑتا۔ اس حدیث کے ظاہر پر نگاہ کرتے ہوئے یہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا قول قدیم ہے۔

۳؎۔ جیسا کہ باب تطہیر النجاسات میں گزرا۔

۷۱۱/۱۴ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ فَلَا يَضَعْ نَعْلَيْهِ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلَا عَنْ يَسَارِهٖ فَتَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِ غَيْرِهٖ اِلَّا اَنْ لَّا يَكُوْنَ عَلٰى يَسَارِهٖ اَحَدٌ وَّلْيَضَعْهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَوْ لِيُصَلِّ فِيْهِمَا رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص نماز پڑھے تو اپنا جوتا اپنے دائیں اور بائیں نہ رکھے کہ اگر اپنی بائیں رکھے گا تو وہ دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا۱؎۔ اور چاہیے کہ اپنے سامنے رکھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان میں نماز پڑھ لے اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اس کا معنیٰ روایت کیا۔

۱؎۔ یعنی اگر اپنی بائیں جانب رکھے گا تو دوسرے کی دائیں جانب ہو جائے گا جو اس کے بائیں جانب کھڑا ہے۔ اور جب کہ اپنی دائیں جانب جوتا رکھنا پسند نہیں کرتا تو دوسرے کی دائیں جانب رکھنا کیوں پسند کرے گا۔

بیت۔

ہر چہ بر جانِ خویش نپسندی — نیز بر جانِ دیگرے مپسند
جو چیز تو اپنے لیے پسند نہیں کرتا — دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کر۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۷۱۲/۱۵ عَنْ اَبِىْ سَعِيْدِ الْخُدْرِىِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاَيْتُهٗ يُصَلِّىْ عَلٰى حَصِيْرٍ يَسْجُدُ عَلَيْهِ قَالَ وَرَاَيْتُهٗ يُصَلِّىْ فِىْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ مُتَوَشِّحًا بِهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ چٹائی پر نماز پڑھ رہے تھے اس پر سجدہ کر رہے۱؎ تھے۔ ابوسعید کہتے ہیں اور میں نے دیکھا آپ بشکل اشتمال ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھ رہے تھے (مسلم شریف)

۱؎۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی چیز پر نماز پڑھنا اور سجدہ کرنا جائز ہے جو زمین اور بندے کے درمیان حائل ہو

خواہ وہ چیز زمین سے اُگنے والی چیزوں میں سے ہو یا دوسری چیزوں میں سے۔ اور اس حدیث میں اگرچہ حصیر (چٹائی) کی تخصیص ہے مگر دوسرے دلائل موجود ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ کپڑے یا صوف پر بھی جائز ہے۔ بعض کہتے ہیں جو چیز زمین کی روئیدگی میں سے نہ ہو اس پر ٹھیک نہیں۔

۷۱۳/۱۶ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ حَافِيًا وَّ مُنْتَعِلًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ پابرہنہ نماز پڑھتے تھے اور جوتے کے ساتھ بھی۔

(ابوداؤد)

۷۱۴/۱۷ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ صَلّٰى بِنَا جَابِرٌ فِيْ اِزَارٍ قَدْ عَقَدَهٗ مِنْ قِبَلِ قَفَاهُ وَثِيَابُهٗ مَوْضُوْعَةٌ عَلَى الْمِشْجَبِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ تُصَلِّيْ فِيْ اِزَارٍ وَّاحِدٍ فَقَالَ اِنَّمَا صَنَعْتُ ذٰلِكَ لِيَرَانِيْ اَحْمَقُ مِثْلُكَ وَاَيُّنَا كَانَ لَهٗ ثَوْبَانِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت محمد بن[۱] المنکدر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی ایک تہہ بند میں بیشک آپ نے اپنی گردن کے پیچھے گرہ لگائی ہوئی تھی[۲]۔ اور ان کے کپڑے کھونٹی پر[۳] رکھے ہوئے تھے۔ ایک کہنے والے نے ان سے کہا آپ ایک تہہ بند میں نماز پڑھ رہے ہے۔ حضرت جابر نے فرمایا۔ میں نے ایسا اس لیے کیا ہے تاکہ تیرے جیسا احمق مجھے دیکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی کے پاس دو کپڑے ہوتے تھے۔ (بخاری)

[۱] آپ تابعی ہیں۔ حضرت جابر حضرت انس حضرت عائشہ اور حضرت ابوہریرہ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے حدیث سنی۔

[۲] حضرت جابر بن عبداللہ مشہور انصاری صحابی ہیں۔ جو چادر آپ نے گردن پر باندھی تھی وہ وہی چادر تھی جسے بطور تہہ بند آپ پہنتے تھے۔ آپ نے گردن تک بلند کر کے اس کے کناروں کو گردن سے باندھ دیا اسے ہی پہن کر نماز پڑھی۔

[۳] مشجب میم کی زیر شین ساکن اور جیم کی زیر کے ساتھ یعنی چند لکڑیاں جن کے سرے ملا دیتے ہیں۔ اور ان کے پاؤں کھلے کر دیتے ہیں۔ ان پر کپڑے رکھ دیتے ہیں کبھی ان کے ساتھ پانی کی مشک بھی لٹکا دیتے ہے تاکہ پانی سرد ہو جائے۔ یہاں (دہلی) کے لوگ اسے تپائی کہتے ہیں۔

۴ـہ۔ اور جان لے کہ ایک کپڑے میں بھی نماز جائز ہے اور[۱] سنت کے خلاف نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اسے احمق اس لیے کہا کہ اس نے غور کرنے اور سوال سے پہلے اعتراض کر دیا۔ اس میں اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ترک سنت کا اعتراض ۔ طعن نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا چاہیے۔ اگر بظاہر ٹھیک دکھائی نہ دے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے اہل استقامت علماء راسخین سے سوال و استفسار کرنا درست ہے مگر ان پر اعتراض اور انکار ٹھیک نہیں ہے۔

۷۵۱ وَ عَنْ اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ الصَّلٰوۃُ فِی الثَّوْبِ الْوَاحِدِ سُنَّةٌ كُنَّا نَفْعَلُهُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ لَا يُعَابُ عَلَيْنَا فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ اِنَّمَا كَانَ ذَاكَ اِذْ كَانَ فِی الثِّيَابِ قِلَّةٌ فَاَمَّا اِذَا وَسَّعَ اللّٰهُ فَالصَّلٰوۃُ فِی الثَّوْبَيْنِ اَزْكٰى۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابی[۱] بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک کپڑے میں نماز پڑھنا سنت ہے ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے[۲] اور یہ ہمارے لیے کوئی عیب نہ تھا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اس وقت کی بات ہے جب کپڑوں کی قلت تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے وسعت و کشادگی عطا کر دی تو پھر دو کپڑوں میں ادا کرنا زیادہ بہتر اور زیادہ ثواب کی چیز ہے[۳]۔

(احمد)

۱ـہ۔ آپ مشاہیر و عظماء صحابہ میں سے ہیں۔ کاتب وحی اور حافظ قرآن ہیں۔ آپ کے مناقب بے شمار ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو سید المسلمین کہا کرتے تھے۔

۲ـہ یعنی یہ دین کا وہ راستہ ہے جس پر لوگ چلے ہیں۔ اور یہ جائز و درست ہے۔

۳ـہ۔ کہ دو کپڑوں میں حسن ادب، اظہار نعمت اور اپنی ہیئت کی تحسین پائی جاتی ہے۔

بَابُ السُّتْرَةِ

سُترہ کا باب

سترہ سین کی پیش اور تا ساکن کے ساتھ۔ وہ چیز جس سے کسی چیز کو چھپایا جائے۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جو نمازی کے آگے کھڑی کی جاتی ہے جس سے اس کی سجدہ گاہ متمیز اور واضح ہو جاتی ہے تاکہ گزرنے والا نمازی کے آگے سے نہ

گزرے۔ یہ سترہ دیوار، ستون اور لکڑی وغیرہ کا ہو سکتا ہے۔ چاہیے کہ سترہ کی لمبائی گز سے کم اور موٹائی انگشت سے کم نہ ہو۔ سترہ کے احکام احادیث میں آ رہے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۷۱۶ / ۱ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَغْدُوْ اِلَى الْمُصَلّٰى وَالْعَنَزَةُ بَيْنَ يَدَيْهِ تُحْمَلُ وَتُنْصَبُ بِالْمُصَلّٰى بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

پہلی فصل

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح سویرے اٹھ کر عیدگاہ کو جاتے تھے۔ چھڑی¹ بھی آپ کے آگے آگے لے جائی جاتی تھی اور آپ کی جائے نماز کے آگے گاڑھ دی جاتی تھی، آپ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔

(بخاری شریف)

ا۔ عَنَزَۃ تین زبروں کے ساتھ۔ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں جس کے آگے لوہے کا بھالا لگا ہوتا ہے۔ ایک گز لمبا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یوں تھی کہ آپ کے خادم مصلحتوں اور کاموں کے لیے ساتھ لے کر چلتے تھے۔ ان میں سے ایک کام یہ ہوتا تھا کہ نماز میں اس کا سترہ بناتے تھے۔

۷۱۷ / ۲ وَعَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَهُوَ بِالْاَبْطَحِ فِيْ قُبَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ اَدَمٍ وَرَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ وَضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَاَيْتُ النَّاسَ يَبْتَدِرُوْنَ ذَالِكَ الْوَضُوْءَ فَمَنْ اَصَابَ مِنْهُ شَيْئًا تَمَسَّحَ بِهٖ وَمَنْ لَّمْ يُصِبْ مِنْهُ اَخَذَ مِنْ بَلَلِ يَدِ صَاحِبِهٖ ثُمَّ رَاَيْتُ بِلَالًا اَخَذَ عَنَزَةً فَرَكَزَهَا وَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مُشَمِّرًا صَلّٰى اِلَى

حضرت ابو جحیفہ¹ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ میں وادی ابطح² میں چمڑے³ کے سرخ رنگ کے خیمہ میں دیکھا اور میں نے بلال کو دیکھا کہ انہوں نے آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی پکڑ رکھا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس پانی کے حاصل کرنے کے لیے صحابہ ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے تھے جس شخص کو اس پانی میں سے کچھ مل جاتا وہ اسے اپنے جسم پر مل لیتا اور جسے کچھ نہ ملتا وہ اپنے ساتھی سے تری حاصل کرتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ حضرت بلال نے وہ چھڑی لی اور اسے گاڑھ دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پنڈلی تک ازار پاک اٹھائے ہوئے⁴ سرخ جوڑے میں باہر نکلے۔ آپ نے چھڑی

الْعَنَزَةِ بِالنَّاسِ رَكْعَتَيْنِ وَ رَاَيْتُ النَّاسَ وَ الدَّوَآبَّ يَمُرُّوْنَ بَيْنَ يَدَيِ الْعَنَزَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی طرف منہ کر کے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی اور میں نے دیکھا کہ لوگ اور مویشی چھڑی کے آگے سے گزر رہے تھے ۵؎

(بخاری و مسلم)

۱؎ ۔ جحیفہ پہلے جیم مضموم پھر حائے مفتوح کے ساتھ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ خورد سال صحابی ہیں ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے وقت آپ حد بلوغت کو نہ پہنچے تھے ۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث پاک سنی ۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کے بیت المال کا محافظ مقرر کیا تھا ۔

۲؎ ۔ اَبطح مکہ سے منیٰ جاتے ہوئے راستے میں ایک وادی ہے ۔ اسے محصب اور بطحا کہتے ہیں مکہ معظمہ کو بھی اس وادی کی مناسبت سے بطحا کہہ دیتے تھے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس کی مناسبت سے ابطحی کہتے ہیں ۔ ابطح دراصل پانی کے ایسے برساتی نالے کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں بھی ہوں ۔

۳؎ ۔ اَدَم دو زبروں کے ساتھ دباغت شدہ چمڑے کو کہتے ہیں ۔

۴؎ ۔ حلہ یعنی چادر و تہہ بند دو کپڑوں میں جن میں سرخ دھاریاں تھیں ۔ جس طرح ہمارے علاقوں (ہندوستان) میں لاچہ ہوتا ہے ۔ سرخ سے یہ مراد نہیں کہ آپ نے خالص سرخ لباس زیب تن کیا تھا کہ اس کا پہننا مکروہ تحریمہ کی حد تک ممنوع ہے ۔ اس کی تحقیق باب لباس میں انشاء اللہ آئے گی ۔

۵؎ ۔ اس سے معلوم ہوا کہ سترہ کھڑا کرنے کے بعد انسانوں اور غیر انسانوں کے نمازی کے آگے سے گزرنے میں کوئی نقصان نہیں ۔ اور سترہ کے آگے سے گزرنے والے گناہ گار نہ ہوں گے ۔

۱۸/۳ وَعَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَعْرِضُ رَاحِلَتَهٗ فَيُصَلِّيْ اِلَيْهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ زَادَ الْبُخَارِيُّ قُلْتُ اَفَرَاَيْتَ اِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ قَالَ كَانَ يَاْخُذُ الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهٗ فَيُصَلِّيْ اِلٰى اٰخِرَتِهٖ۔

حضرت نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری کو ۱؎ چوڑائی میں بٹھاتے تھے پھر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے بخاری و مسلم ~~اور بخاری~~ نے یہ عبارت زیادہ کی ۔ میں نے کہا تو مجھے بتلائیں اگر مویشی پھرنے لگیں ۲؎ ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کجاوے کو پکڑتے اور اسے برابر رکھتے ۳؎ اور اس کی پچھلی لکڑی ۴؎ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے ۔

۱؎ ۔ یَعرِض ۔ یا کی زبر ، عین ساکن را کی پیش کے ساتھ ، را کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ۔ مگر را پر پیش پڑھنا

زیادہ فصیح ہے۔ اور یا کی پیش۔ عین کی زبر اور را مشدد کی زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ عرض یا تعریض بمعنی جانور کو چوڑائی میں بٹھانا۔

ے۲۔ یعنی جب اونٹ چارہ چرنے اور پانی پینے کے لیے ادھر ادھر چل پھر رہے ہوں تو اس وقت آپ کیا کرتے تھے۔

ے۳۔ یُعَدِّلُہٗ یا یُعَدِّلُہٗ۔ کا معنیٰ ہے کجاوے کو سیدھا اور ٹھیک کر کے رکھتے۔

ے۴۔ آخرتہ۔ کجاوے کی پچھلی لکڑی۔ آخِرَۃ مد اور بغیر مَدّ کے۔ اور خا کی زیر کے ساتھ بمعنی وہ لکڑی جس کے ساتھ شتر سوار تکیہ لگاتا ہے۔ چونکہ یہ لکڑی بلند ہوتی ہے اس لیے آپ نماز میں اس کا سترہ بناتے تھے۔

۷۱۹ ۴ وَعَنْ طَلْحَۃَ بْنِ عُبَیْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا وَضَعَ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیْہِ مِثْلَ مُؤَخِّرَۃِ الرَّحْلِ فَلْیُصَلِّ وَلَا یُبَالِ مَنْ مَّرَّ وَرَآءَ ذٰلِکَ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی کجاوے کی پچھلی لکڑی ے۱ کی طرح اپنے سامنے رکھ لے اور نماز پڑھے پھر سترہ کے آگے سے جو کچھ گزرے اس کی پروا نہ کرے ے۲۔

(مسلم شریف)

ے۱ مُؤْخِرَۃ میم کی پیش، ہمزہ ساکن خا کے کسرہ اور فتح کے ساتھ اور میم کی پیش ہمزہ کی زبر خا کی شد کے ساتھ بمعنی آخرۃ یعنی پالان کی پچھلی لکڑی۔ آخِرَۃ مُؤخرۃ سے زیادہ فصیح ہے۔ یہاں تک کہ علماء نے کہا ہے کہ حضور نے تو لفظ آخرۃ الرحل ہی فرمایا تھا۔ آگے راوی نے اپنی لغت سے اسے مُؤخرۃ روایت کر دیا۔ قریش کی لغت تمام عرب سے زیادہ فصیح ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افصح قریش ہیں۔

ے۲۔ کہ اس سے اس کے خشوع میں فرق نہ آئے گا۔ یا گزرنے والے کے لیے کوئی حرج نہیں اور نہ وہ گنہگار ہوگا۔

۷۲۰ ۵ وَعَنْ اَبِیْ جُہَیْمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ یَعْلَمُ الْمَآرُّ بَیْنَ یَدَیِ الْمُصَلِّیْ مَاذَا عَلَیْہِ لَکَانَ اَنْ یَّقِفَ اَرْبَعِیْنَ خَیْرًا لَّہٗ مِنْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْہِ قَالَ اَبُو النَّضْرِ لَا اَدْرِیْ قَالَ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا اَوْ

حضرت ابو جہیم ے۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جان لے کہ اس پر کتنا گناہ لازم آتا ہے تو اس کے لیے چالیس تک کھڑے رہنا آگے گزرنے سے بہتر تھا۔ ابو النضر ے۲ نے کہا میں نہیں جانتا کہ چالیس دن فرمایا یا چالیس مہینے یا چالیس سال ے۳۔

شَهْرًا اَوْ سَنَةً ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(بخاری و مسلم)

[1] ابُوجُہَیم جیم کی پیش۔ ہا کی زبر اور یا ساکن کے ساتھ۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زاد ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت تک زندہ رہے۔

[2] ابوالنضر ضاد کے ساتھ اس حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی ہیں۔

[3] دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے چالیس سال فرمایا۔ اور مبالغہ بھی اسی میں ہے۔

۷۲۱ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى شَیْءٍ یَسْتُرُهٗ مِنَ النَّاسِ فَاَرَادَ اَحَدٌ اَنْ یَّجْتَازَ بَیْنَ یَدَیْهِ فَلْیَدْفَعْهُ فَاِنْ اَبٰى فَلْیُقَاتِلْهُ فَاِنَّمَا هُوَ شَیْطَانٌ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ مَعْنَاهُ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی آدمی کسی چیز کی طرف منہ کرکے نماز پڑھے جو اسے لوگوں سے ڈھانک[1] لے (سترہ بن جائے) پھر کوئی آدمی سترے اور نمازی کے درمیان سے گزرنا چاہے تو اسے ہٹا دے اگر باز نہ آئے تو اس سے لڑے[2] کہ بیشک وہ شیطان[3] ہے۔ یہ بخاری کے الفاظ ہیں اور مسلم نے دوسرے الفاظ میں اس معنی کو روایت کیا۔

[1] یعنی اسے سترہ بنالے کہ وہ چیز اس کے اور لوگوں کے درمیان حائل ہوجائے۔

[2] ایک روایت میں فَلْیَقْتُلْهُ آیا ہے یعنی چاہیے کہ اسے قتل کردے۔ یہ اسے ہٹانے اور باز رکھنے میں مبالغہ ہے۔ علماء نے کہا ہے اگر کسی نے ایسی چیز کے ساتھ اسے ہٹایا جس سے ہٹانا عموماً جائز اور درست ہوتا ہے مگر وہ اس چیز کے لگنے سے مرگیا تو قصاص واجب نہ ہوگا۔ مگر دیت میں اختلاف ہے۔

[3] یعنی وہ شیطانی کام کرنے والا ہے کہ نمازی کے خشوع و خضوع کو برباد کرتا ہے۔ یا انسانوں میں سے شیطان مراد ہے کہ شیطان کا اطلاق جن و انس دونوں پر ہوتا ہے۔ اور شریر لوگوں کو شیطان الانس کہتے ہیں۔

۷۲۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقْطَعُ الصَّلٰوةَ الْمَرْاَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ وَیَقِیْ ذٰلِكَ مِثْلُ مُؤْخِرَةِ الرَّحْلِ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز کو عورت، گدھا اور کتا باطل کر دیتے ہیں۔ اور اسے باطل ہونے سے بچا لیتی ہے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند چیز[1]۔

اسے مسلم نے روایت کیا۔

لہ۔ یعنی کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند کسی چیز کو سترہ کے طور پر اگر نمازی نے سامنے رکھ لیا تو پھر نماز باطل نہ ہوگی جیسا کہ گذشتہ احادیث سے معلوم ہوا۔

واضح ہو کہ صحابہ وغیرہم علماء کرام اس پر ہیں کہ ان میں سے کوئی چیز بھی نمازی کی نماز کو باطل نہیں کرتی یہ مذکورہ تین چیزیں ہوں یا ان کے علاوہ اور احادیث جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، سترہ قائم کرنے کی تاکید اور زور دینے پر محمول ہیں۔ یا باطل وقطع کرنے سے مراد یہ ہے کہ نماز کے خشوع وخضوع کو جو نماز کا سر اور اس کی روح ہے، باطل کرتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ قریب ہے کہ نمازی کی نماز باطل ہو جائے۔ نمازی کا دل اس جانب مشغول ہو جانے کی وجہ سے۔ ان تین چیزوں کی تخصیص اس بنا پر کی کہ ان کے ساتھ دل زیادہ مشغول ہوتا ہے۔ عورت میں تو یہ بات ظاہر ہے اور گدھے سے اس بنا پر کہ اس کے ساتھ عموماً بیشتر شیطان رہتا ہے۔ جیسا کہ گدھے کے ڈانکنے کے وقت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کے استحباب سے ظاہر ہوتا ہے۔ اور کتے سے اس وجہ سے کہ اس میں سخت نجاست پائی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حائضہ عورت اور سیاہ کتے کے گزرنے سے نماز قطع اور باطل ہوتی ہے۔ یہ قول حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

۷۲۳/۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ وَاَنَا مُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ كَاعْتِرَاضِ الْجَنَازَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز پڑھتے اور میں آپ کے اور قبلہ کے درمیان اس طرح پڑی ہوتی تھی جس طرح جنازہ پڑا ہوتا ہے لہ۔

(بخاری ومسلم)

لہ۔ مطلب یہ ہے کہ میرا پورا جسم آپ کے آگے پڑا ہوتا تھا یہ نہیں کہ جسم کا کوئی ایک حصہ سامنے ہوتا تھا۔ اس کی ہر طرف حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے عورت کے سامنے آنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

۷۲۴/۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلٰى اَتَانٍ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الْاِحْتِلَامَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ بِمِنًى اِلٰى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ فَنَزَلْتُ وَاَرْسَلْتُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں گدھی لہ پر سوار ہو کر سامنے آیا میں اس وقت بلوغت کے قریب تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کے سامنے کوئی دیوار وغیرہ (سترہ) نہ تھی۔ میں صف کے ایک حصے کے آگے سے گزرا اور گدھی سے نیچے اترا اور اسے چرنے کے

الأَتَانَ تَرْتَعُ وَ دَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لیے چھوڑ دیا۔ اور خود صف میں شامل ہو گیا کسی نے میرے اس عمل پر انکار نہ کیا[2]۔
(بخاری و مسلم)

[1] لفظ اَتَان استعمال ۔۔۔ ہمزہ کی زبر اور زیر دونوں سے آیا ہے۔ حمار کا لفظ مذکر و مونث دونوں کے لیے آتا ہے مگر اتان کا لفظ گدھی کے ساتھ خاص ہے اور اتانہ بھی آیا ہے۔ گدھی کے ذکر سے اس جانب اشارہ ہے کہ اگر گدھی کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو عورت کے گزرنے سے بھی نہیں ٹوٹتی۔

[2] میرے گدھی پر سوار ہو کر صفوں کے آگے سے گزرنے پھر اُسے صفوں کے سامنے چرنے کے لیے چھوڑنے پر کسی نے اعتراض نہ کیا کہ ہماری نماز ٹوٹ گئی کیونکہ مادہ خر کے سامنے آنے سے نماز نہیں ٹوٹتی پھر میں اس وقت بالغ بھی نہ تھا بالغ ہونے کے قریب تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِي

دوسری فصل

۷۲۵ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلّٰى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ شَيْئًا فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصَاهُ فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ مَعَهٗ عَصًا فَلْيَخْطُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضُرُّهٗ مَا مَرَّ أَمَامَهٗ
رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اپنے سامنے کوئی چیز کر لے[1] اور اگر کوئی چیز نہ ملے تو اپنی لاٹھی کھڑی کر دے[2]۔ اگر اس کے پاس عصا بھی نہ ہو تو زمین پر خط کھینچ لے۔ پھر اسے آگے گزرنے والی کوئی چیز مضر نہ دے گی[3]۔

(ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] جیسے دیوار، درخت اور ستون وغیرہ۔

[2] اور اسے زمین میں گاڑھ دے۔ اور اگر زمین سخت ہو تو عصا کو اپنے سامنے طولا رکھ دے۔ عرضاً نہ رکھے۔ تاکہ گاڑھنے کی طرح ہو جائے۔

[3] کہ اس کے خشوع کو باطل نہ کرے گی۔

واضح ہو کہ زمین پر خط کھینچنا امام شافعی کا قول قدیم اور امام احمد کا قول ہے۔ ہمارے مشائخ متاخرین میں سے بھی بعض خط کے قائل ہیں۔ ہمارے اکثر مشائخ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خط کا کوئی اعتبار نہیں۔

امام نے فرمایا الخط لیس بشی۔ خط کوئی چیز نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے بھی اپنے قول جدید میں خط کی نفی کی ہے اور کہا کہ اس بارے میں وارد حدیث ضعیف اور مضطرب ہے۔ پھر خط رکاوٹ بننے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اور دور سے متمیز اور دکھائی نہیں دیتا۔ صاحب ہدایہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اتباع کے لیے سنت اولی اور انفل ہے) خط کھینچنا کچھ نہ کچھ ظہور و امتیاز رکھتا ہے۔ اطمینان کا موجب بھی بن جاتا ہے۔ اور انتشار و اضطراب دور ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد خط کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ہلال کی شکل میں معتبر ہے بعض کے نزدیک جانب قبلہ لمبائی میں۔ اور بعض کے نزدیک دائیں بائیں چوڑائی میں۔ مگر مختار قول یہ ہے کہ لمبائی میں کھینچا جائے جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔

۷۲۶/۱۱ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِیْ حَثْمَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ اِلٰى سُتْرَةٍ فَلْيَدْنُ مِنْهَا لَا يَقْطَعُ الشَّيْطَانُ عَلَيْهِ صَلٰوتَهٗ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت سہل۱؎ بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی سترے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو چاہیے کہ اس کے قریب۲؎ ہو جائے کہ شیطان اس کی نماز باطل نہ کر سکے۳؎ گا۔ (ابو داؤد)

۱؎۔ سہل ہائے مہملہ کی فتح اور جزم کے ساتھ آپ چھوٹی عمر کے صحابی ہیں۔ ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ انصاری ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں فوت ہوگئے ان سے چند احادیث مروی ہیں۔

۲؎۔ تاکہ سجدہ بقدر امکان اس کے قریب واقع ہو۔

۳؎۔ کہ اس طرح نہ تو ابلیس وسوسہ ڈالے گا اور نہ اس پر قادر ہو سکے گا۔ کیونکہ اگر دور کھڑا ہو گا تو نمازی اور سترے کے درمیان سے گزرنے کا احتمال ہے اور اس سے دل میں وسوسہ آئے گا۔

۷۲۷/۱۲ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّیْ اِلٰى عُوْدٍ وَلَا عَمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهٗ عَلٰى حَاجِبِهِ الْاَيْمَنِ اَوِ الْاَيْسَرِ وَلَا يَصْمُدُ لَهٗ صَمْدًا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہوں مگر آپ اسے اپنے دائیں یا بائیں ابرو کے سامنے رکھتے تھے اسے بالکل سامنے۱؎ نہ رکھتے تھے۔ (ابو داؤد)۔

۱؎۔ یعنی ایسا نہ کرتے تھے کہ وہ دونوں آنکھوں کے وسط میں آئے۔ بلکہ آپ تھوڑا ادھر یا ادھر رکھتے تھے

تاکہ بتوں کی عبادت سے مشابہ نہ ہو جائے۔ اس میں آپ کی کمال پاکیزگی کی جانب اشارہ ہے جو اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔

٤٢٨/١٣ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ، أَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِيْ بَادِيَةٍ لَنَا وَمَعَهٗ عَبَّاسٌ فَصَلّٰى فِي الصَّحْرَآءِ لَيْسَ بَيْنَ يَدَيْهِ سُتْرَةٌ وَحِمَارَةٌ لَنَا وَكَلْبَةٌ تَعْبَثَانِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَمَا بَالٰى بِذٰلِكَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَلِلنَّسَآئِيِّ نَحْوُهٗ)

حضرت فضل[۱] بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ ہم لوگ اپنے ایک جنگل[۲] میں تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عباس بھی تھے۔ تو آپ نے صحرا میں نماز پڑھی آپ کے سامنے کوئی سترہ[۳] نہ تھا اور ہماری ایک گدھی اور کتیا دونوں آپ کے سامنے کھیل رہی تھیں آپ نے ان کی کوئی پرواہ[۴] نہ کی۔ (ابوداؤد اور نسائی)

۱۔ فا کی زبر اور ضاد ساکن یہ حضرت ابن عباس کے بھائی کا نام ہے۔

۲۔ عربوں کی عادت ہے کہ شہر سے باہر آجاتے ہیں۔ اور جنگل میں خیمہ زن ہوتے اور اسے اپنی منزل بنالیتے ہیں اور چند روز وہاں گزارتے ہیں۔ ہر گروہ و جماعت کا ایک جنگل اور جگہ مخصوص ہوتی ہے۔ جس میں وہ رہتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل بیت عباس رضی اللہ عنہ کے بادیہ (جنگل) میں تشریف لائے۔

۳۔ یعنی دیوار یا درخت یا لاٹھی وغیرہ کسی چیز کا سترہ سامنے نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ رکھنا ضروری نہیں بلکہ ایک مستحب چیز ہے۔ وہ بھی اس صورت میں جب کہ وہ جگہ لوگوں کی گزرگاہ ہو۔

۴۔ یعنی آپ نے ان کی پرواہ نہ کی اور حمارۃٌ، کلبۃٌ میں تا یا تانیث کے لیے ہے یا وحدت کی ہے۔

٤٢٩/١٤ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقْطَعُ الصَّلٰوةَ شَيْءٌ وَّادْرَءُوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ فَاِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی چیز نماز کو باطل نہیں کرتی۔ اور اپنی طاقت کے مطابق چیز کو آگے سے ہٹاؤ[۱] کہ وہ شیطان ہے (ابوداؤد)

۱۔ تاکہ تمہارا خشوع و خضوع برقرار رہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

٤٣٠/١٥ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سوئی ہوتی

وَ رِجْلَايَ فِيْ قِبْلَتِهٖ فَاِذَا سَجَدَ
غَمَزَنِيْ فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ وَ اِذَا قَامَ
بَسَطْتُهُمَا قَالَتْ وَ الْبُيُوْتُ يَوْمَئِذٍ
لَيْسَ فِيْهَا مَصَابِيْحُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تھی۔ میرے پاؤں آپ کے قبلے میں ہوتے تھے۔ جب آپ سجدہ کرتے تو مجھے ٹھوکر مارتے میں اپنے پاؤں سمیٹ لیتی۔ جب آپ کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں پاؤں پھیلا لیتی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں ان دنوں گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔[۱] (بخاری و مسلم)

[۱] یہ گویا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے حضور کی سجدہ گاہ میں پاؤں پھیلانے کے لیے بیان عذر ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ٹھوکر مارنے کے بعد دوبارہ پاؤں پھیلانا اس وجہ سے ہوتا تھا کہ شاید آپ نے جگہ چھوڑ دی ہے اور اس کے دیر بعد کھڑے ہوئے ہیں۔ یا نیند کی حالت میں انسان پر قدرے غفلت طاری ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

٧٣١/١٦ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لَوْ يَعْلَمُ
اَحَدُكُمْ مَا لَهٗ فِيْ اَنْ يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ
اَخِيْهِ مُعْتَرِضًا فِي الصَّلٰوةِ كَانَ لَاَنْ
يُّقِيْمَ مِائَةَ عَامٍ خَيْرٌ لَّهٗ مِنَ الْخُطْوَةِ
الَّتِيْ خَطَا۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم لوگ یہ جان لو کہ نمازی بھائی کے آگے سے گزرنے میں کیا گناہ ہے۔ تو اس کے لیے سو سال کھڑے رہنا نمازی کے سامنے ایک قدم اٹھانے سے بہتر ہے۔
(ابن ماجہ)

٧٣٢/١٧ وَ عَنْ كَعْبِ الْاَحْبَارِ قَالَ لَوْ يَعْلَمُ
الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيْ مَاذَا عَلَيْهِ
لَكَانَ اَنْ يُّخْسَفَ بِهٖ خَيْرًا لَّهٗ مِنْ اَنْ
يَّمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اَهْوَنَ
عَلَيْهِ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا یہ جان لے کہ اس پر کتنا گناہ لازم آتا ہے تو اسکا زمین میں دھنس جانا نمازی کے آگے سے گزرنے سے بہتر ہے۔ ایک روایت میں خیر لہ کے بجائے اھون علیہ کا لفظ آیا ہے یعنی زمین میں دھنس جانا نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہوتا (مالک)

٧٣٣/١٨ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا صَلّٰى
اَحَدُكُمْ اِلٰى غَيْرِ السُّتْرَةِ فَاِنَّهٗ يَقْطَعُ
صَلٰوتَهُ الْحِمَارُ وَ الْخِنْزِيْرُ وَ الْيَهُوْدِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی بغیر سترہ کے نماز پڑھے تو اس کی نماز کو باطل کر دیتا ہے گدھا، خنزیر، یہودی، مجوسی اور عورت[۱]

وَالْمَجُوْسِيُّ وَالْمَرْأَةُ وَتُجْزِئُ عَنْهُ إِذَا مَرُّوْا بَيْنَ يَدَيْهِ عَلٰى قَذْفَةٍ بِحَجَرٍ
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

جب کہ ان میں سے کوئی چیز اس کے آگے سے گزرے اور کفایت کرتی ہے اس سے جب کہ یہ چیزیں اسکے آگے سے پتھر پھینکنے کے[۲] فاصلے سے گزریں۔ (ابو داؤد)

---

[۱] اس کی تاویل اور مطلب فصل اول میں گزرا۔

[۲] علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد حج کے موقعہ پر کنکری مارنے کی مقدار فاصلہ مراد ہے۔ اور وہ تین گز بیان کیا گیا ہے۔

بَابُ صِفَةِ الصَّلٰوةِ

طریقہ نماز کا بیان

یعنی نماز کا طریقہ اور اس کی صفات کا بیان کہ کس طرح ادا کی جائے۔ اور یہ کہ اس کے ارکان و اجزاء کیا ہیں۔ یہاں سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو چیز حقیقت نماز سے خارج ہے اس کا بیان بھی کیا جائے۔ کہ یہ قبیلہ اعراض میں سے ہے اس کے اجزاء ہی اس کی صفات کہلائیں گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

٧٩٠ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَرَجَعَ فَصَلّٰى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ فَقَالَ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوْ

پہلی فصل

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کے ایک گوشہ میں تشریف فرما تھے۔ اس آدمی نے نماز پڑھی[۱] پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا آپ نے اسے فرمایا وعلیک السلام۔ واپس جا اور نماز پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی وہ آدمی واپس گیا اور نماز پڑھی اور سلام عرض کیا آپ نے فرمایا وعلیک السلام جا اور نماز پڑھ۔ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس مرد نے تیسری بار یا اس کے بعد کہا یا رسول اللہ مجھے نماز کا طریقہ تعلیم فرمائیں۔ تو آپ[۲]

فِی الَّتِیْ بَعْدَھَا عَلِّمْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاَسْبِغِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَۃَ فَکَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَیَسَّرَ مَعَکَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ ارْکَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ رَاکِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَفِیْ رِوَایَۃٍ ثُمَّ ارْفَعْ حَتّٰی تَسْتَوِیَ قَائِمًا ثُمَّ افْعَلْ ذٰلِکَ فِیْ صَلٰوتِکَ کُلِّھَا

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو کامل اور تازہ وضو کر۔ پھر قبلہ کی طرف منہ کر۔ پھر قرآن میں سے وہ پڑھ جو تیرے لیے آسان اور تجھے یاد ہو۔ پھر رکوع کر پورے قرار و سکون سے۔ پھر اپنا سر رکوع سے اوپر اٹھا اور اچھی طرح سیدھا کھڑا ہو جا۔ پھر سجدہ میں جا یہاں تک کر پورے قرار و سکون سے سجدہ کر۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا اور سکون و قرار سے بیٹھ۔[ف۳] اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے[ف۴] پھر سجدہ سے سر اٹھا اور بالکل سیدھا کھڑا ہو جا۔ پھر اپنی ساری نماز میں اسی طرح[ف۵] کر۔

(بخاری و مسلم)

ف۱۔ مگر اس میں تعدیل ارکان اور قومہ و جلسہ وغیرہ ٹھیک طریقہ سے ادا نہ کیا۔

ف۲۔ یعنی آپ نے اسے نماز کا طریقہ تعلیم فرمایا۔ نیز وضو اور قبلہ کی طرف منہ کرنے کا طریقہ بتلایا۔ اور وہ باتیں بھی بتلائیں جو نہایت عمدہ اور نماز کے قریب ترین متعلقات میں سے ہیں۔

ف۳۔ دو سجدوں کے بعد بیٹھنے کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت ہے کہ وہ دوسرے سجدے کے بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھنے سے پہلے ذرا بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے اٹھتے ہیں۔

ف۴۔ یعنی ایک روایت میں ثم ارفع حتی تطمئن جالسًا کے بجائے ثم ارفع حتی تستوی قائمًا ہے یعنی پھر دوسری رکعت کے لیے سر اٹھا۔ اس روایت میں جلسہ استراحت کا کوئی ذکر نہیں۔ جلسہ استراحت کے بارے میں بحث و گفتگو مالک بن الحویرث کی دوسری حدیث میں آ رہی ہے۔

ف۵۔ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف رحمہم اللہ نے رکوع و سجدہ میں طمانیت اور قومہ و جلسہ کو فرض قرار دیا ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے اس آدمی کی نماز کی نفی کر دی تھی۔ اور فرمایا تیری یہ نماز نماز نہیں ہے۔ جا اور پھر پڑھ۔ یہ اس کے فرض ہونے کی علامت ہے۔ کہ جس چیز کے انتفاء سے فعل کا انتفاء ہو جائے اور وہ فعل باطل قرار پائے وہ چیز فرض ہو گی۔

امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک رکوع و سجود میں اطمینان واجب ہے فرض نہیں۔ اور قومہ و جلسہ سنت ہیں۔ امام صاحب اور امام محمد علیہما الرحمۃ اس حدیث کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ نفی نماز سے اس کے کمال کی نفی

مراد ہے اس دلیل کی بنا پر جو اس حدیث کے آخر میں بروایت ابوداؤد ترمذی ونسائی آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو نے اس کو مکمل کیا تو تیری نماز مکمل ہوگئی اور جو تو نے اس میں نقصان کیا تو اسی قدر تیری نماز ناقص ہوگئی۔ اور یہ وجوب سنت کی علامت ہے کہ اس کے بغیر فعل ناقص وناتمام شمار ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوگیا کہ نماز کے لوٹانے کا حکم آپ نے اس لیے دیا کہ پہلی نماز میں کراہت ونقصان واقع ہوگیا تھا نہ اس وجہ سے کہ پہلی نماز باطل ومعدوم تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ پہلی بار ہی منع کر دیتے اور اس سے روک دیتے اور اسے اجازت نہ دیتے کہ فرائض کے بغیر نماز ادا کرے۔ واللہ اعلم۔

۷۳۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَفْتِحُ الصَّلٰوةَ بِالتَّكْبِيْرِ وَالْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَكَانَ اِذَا رَكَعَ لَمْ يُشْخِصْ رَأْسَهٗ وَلَمْ يُصَوِّبْهُ وَلٰكِنْ بَيْنَ ذٰلِكَ وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَائِمًا وَكَانَ اِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السَّجْدَةِ لَمْ يَسْجُدْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ جَالِسًا وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ التَّحِيَّةَ وَكَانَ يَفْرِشُ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَيَنْصِبُ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى وَكَانَ يَنْهٰى. عَنْ عُقْبَةَ الشَّيْطَانِ وَيَنْهٰى اَنْ يَفْتَرِشَ الرَّجُلُ ذِرَاعَيْهِ اِفْتِرَاشَ السَّبُعِ وَكَانَ يَخْتِمُ الصَّلٰوةَ بِالتَّسْلِيْمِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر سے نماز شروع کرتے تھے اور قرات الحمد للہ رب العالمین[1] سے۔ اور جب رکوع جاتے تو اپنے سر کو بلند نہ رکھتے تھے اور نہ اسے پست کرتے تھے بلکہ دونوں کے درمیان رکھتے تھے[2] یعنی پشت وگردن کو برابر رکھتے تھے اور جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو سجدہ میں نہ جاتے جب تک سیدھے کھڑے نہ ہو جاتے اور جب آپ سجدہ سے سر اٹھاتے تو دوبارہ سجدہ میں نہ جاتے جب تک کہ صحیح طرح بیٹھ نہ جاتے اور آپ ہر دو رکعت پر التحیات پڑھتے۔ اور آپ اپنی بائیاں پاؤں بچھا دیتے اور دائیں پاؤں کو کھڑا[3] کرتے۔ اور شیطان کی طرح بیٹھنے[4] سے منع کرتے اور آپ مرد کو درندے[5] کی طرح بازو زمین پر بچھانے سے منع کرتے اور آپ سلام کے لفظ سے اپنی نماز ختم کرتے[6]۔

(مسلم شریف)

---

[1] یعنی قرات سورۂ فاتحہ سے شروع کرتے۔ اس سورۃ کے اول میں کلمہ الحمد واقع ہونے کی وجہ سے اس سورۃ کا نام ہی گویا سورۃ الحمد ہو چکا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں آپ کیا پڑھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے الٓمٓ ذالک الکتاب پڑھتا ہوں۔ اس سے مراد پوری سورت ہوتی ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں پڑھتے تھے

اور اگر یہاں بسم اللہ شریف کو بلند آواز سے نہ پڑھنا مراد ہو تو پھر ہمارے نزدیک بلا کسی تاویل کے یہ درست ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاویل مذکور اختیار کرنا ہوگی کہ ان کے ہاں بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے میں اختلاف ہے۔

۵۲۔ یعنی پشت و گردن کو برابر رکھتے تھے نہ تو سر کو پشت سے اونچا کرتے تھے نہ پشت سے نیچے۔

۵۳۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ آپ پہلے اور دوسرے دونوں قعدوں میں ایسا ہی کرتے تھے۔ یہی حضرت امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب حنفیہ کا مذہب ہے۔ ابوحمید کی حدیث میں پہلے قعدہ میں افتراش (پاؤں بچھانا) اور دوسرے قعدہ میں تورک (سرین پر بیٹھنا) بھی آیا ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ امام مالک کے نزدیک دونوں قعدوں میں تورک ہے۔ بعض کے نزدیک دونوں قعدوں میں افتراش کا ذکر بھی آیا ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر اس نماز میں جس میں دو قعدے ہوتے ہیں۔ آخر میں تورک ہے۔ اور اگر ایک ہی تشہد ہے تو پھر افتراش ہے۔ اس مسئلہ میں چاروں آئمہ کے اقوال مختلف ہیں۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی وجہ و دلیل یہ ہے کہ بہت سی احادیث میں مطلق افتراش واقع ہوا ہے کہ تشہد میں سنت یہ امر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح بیٹھتے تھے۔ اس میں پہلے یا دوسرے قعدے کی کوئی قید نہیں۔ قعدہ میں جس طریق پر حنفیہ بیٹھتے ہیں، زیادہ سخت اور زیادہ محنت طلب ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سب سے افضل عمل وہ ہے جو زیادہ محنت طلب ہو۔ بعض احادیث میں قعدۂ آخیرہ میں بھی تورک کا ذکر آیا۔ یہ بڑھاپے اور کمزوری کی حالت پر محمول ہے کہ آخری قعدہ لمبا ہوتا ہے۔ اس کے لیے آسانی مناسب ہے۔ تورک کا معنی ہے سرین پر بیٹھنا یہاں تورک کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور بائیں پاؤں کو دائیں ران کے نیچے پھیر کر رکھے اور دونوں سرینوں کو زمین پر پھیرے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بائیں پاؤں کو بچھا دے۔ دایاں پاؤں کھڑا کرے اور دونوں پاؤں کو ران کے نیچے سے باہر نکالے اور دونوں سرین ان پر رکھ دے۔

۵۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ شیطان سے منع کرتے تھے۔ عُقبہ عین کی پیش اور قاف ساکن۔ یعنی نماز میں اقعاء کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور یہ نماز میں بالاتفاق مکروہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دونوں سرین زمین سے چپکائے دونوں پنڈلیوں کو کھڑا کرے۔ اور دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔ جس طرح کتا بیٹھتا ہے۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا عُقبہ یہ ہے کہ دونوں سرین ایڑیوں پر رکھے۔ یہ معنی لفظ عقبہ کے زیادہ مناسب ہے۔

۵۵۔ مرد کی قید اس لیے لگائی کہ عورت کے لیے زمین پر بازو بچھانے بہتر ہیں کہ یہ حالت اس کے پردے کے زیادہ مناسب و نزدیک ہے۔

ف۶۔ لفظ سلام کے ساتھ نماز سے باہر آنا امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک فرض اور ہمارے نزدیک واجب ہے۔ اس کی شرح کر دی گئی ہے۔

۳۶) وَعَنْ اَبِىْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ فِىْ نَفَرٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْفَظُكُمْ لِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُهٗ اِذَا كَبَّرَ جَعَلَ يَدَيْهِ حِذَآءَ مَنْكِبَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ اَمْكَنَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهٗ فَاِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ اسْتَوٰى حَتّٰى يَعُوْدَ كُلُّ فَقَارٍ مَّكَانَهٗ فَاِذَا سَجَدَ وَضَعَ يَدَيْهِ غَيْرَ مُفْتَرِشٍ وَّلَا قَابِضِهِمَا وَاسْتَقْبَلَ بِاَطْرَافِ اَصَابِعِ رِجْلَيْهِ الْقِبْلَةَ فَاِذَا جَلَسَ فِى الرَّكْعَتَيْنِ جَلَسَ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْيُمْنٰى فَاِذَا جَلَسَ فِى الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ قَدَّمَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَنَصَبَ الْاُخْرٰى وَقَعَدَ عَلٰى مَقْعَدَتِهٖ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ).

حضرت ابو حمید[ف۱] ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے ایک گروہ[ف۲] میں فرمایا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سب سے زیادہ یاد ہے۔ میں نے آپ کو دیکھا کہ جب آپ تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ مبارک دونوں کندھوں کے برابر کرتے[ف۳]۔ جب آپ رکوع کرتے تو مضبوطی سے دونوں ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے[ف۴] پھر آپ پشت مبارک بالکل دوہری کر دیتے[ف۵]۔ جب رکوع سے سر اوپر اٹھاتے تو سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ یہاں تک کہ آپ کی ہر ہڈی کا جوڑ اپنی جگہ پر آجاتا[ف۶]۔ اور جب آپ سجدہ کرتے تو دونوں ہاتھ اس طرح زمین پر رکھتے کہ نہ زمین پر اپنے بازو بچھاتے اور نہ انہیں پہلو کے ساتھ ملاتے[ف۷]۔ اور اپنے پاؤں کی انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف کرتے۔ جب دو رکعت کے بعد بیٹھتے اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھتے اور دائیں کو کھڑا کرتے۔ جب آخری رکعت میں بیٹھتے بایاں پاؤں آگے نکال لیتے اور دوسرے کو کھڑا کرتے اور اپنی کولی پر بیٹھتے۔ (بخاری شریف)

ف۱۔ حضرت ابو حمید ساعدی مشہور صحابی ہیں۔ انصاری ہیں بنی ساعدہ میں سے ہیں۔ آپ کی حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بیان میں جامع ترین حدیث قرار دیا گیا ہے۔ آپ کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ آپ کے نام میں بڑا اختلاف ہے۔ مشہور عبدالرحمٰن ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

ف۲۔ نفر دونوں زبروں کے ساتھ تین سے دس تک افراد کو کہتے ہیں۔

ف۳۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک نرمہ کان تک اٹھائے جائیں گے۔ یہ بھی احادیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں کان سے بھی زیادہ بلندی تک آیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے متوسط عمل کو اختیار

فرمایا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے ان روایات کی مطابقت کرنے میں فرمایا ہے کہ ہتھیلیاں کندھوں کے برابر تھیں، انگوٹھا کانوں کے برابر اور دوسری انگلیوں کے سرے کانوں سے بھی بلند تھے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف اوقات میں یہ سب صورتیں آپ سے وجود میں آئی ہوں۔ واللہ اعلم۔

٥٤ ـ یعنی دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے مضبوطی سے تھامتے اور انگلیاں مبارک کشادہ رکھتے۔ عطا فرماتے ہیں رکوع کی حالت میں انگلیاں کھول کر رکھے۔ سجدہ میں ملا کر اور تکبیر اور تشہد کے وقت اپنی حالت پر رہنے دے۔

٥٥ ـ ہَصَرَ یعنی آپ پشت مبارک دوہری کرتے تاکہ گردن کے ساتھ برابر ہو جائے۔ ہصر صاد مہملہ کے ساتھ یعنی کھینچنا۔ مائل کرنا اور توڑنا۔

٥٦ ـ فقار۔ فا کی زبر کے ساتھ پشت کی ہڈیوں کے جوڑ اور منکے۔ فقارہ واحد ہے۔ فا کی زبر کے ساتھ۔ اور فقرہ فا کے کسرہ، قاف ساکن اور قاف مفتوح کے ساتھ آتا ہے۔ فقر یعنی درویشی بھی اسی سے مشتق ہے کہ بھوک اور تنگ دستی سے فقیر کی پشت ٹوٹ جاتی ہے۔

٥٧ ـ بلکہ صرف انگلیوں اور ہتھیلیوں کو زمین پر رکھتے تھے۔ اور آپ بازو زمین سے اتنے بلند رکھتے تھے کہ بکری کا چھوٹا بچہ ان کے نیچے سے گزر سکتا تھا۔ اس حدیث میں۔ مذکور نہیں ہوا کہ جب آپ قومہ سے سجدہ کی طرف جاتے تو پہلے زانو زمین پر رکھتے یا دونوں ہاتھ۔ دونوں طرح درست ہے مگر اول صورت زیادہ افضل اور اکثر ائمہ کا مختار مذہب ہے۔

[illegible] وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَاِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَاِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ وَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِى السُّجُوْدِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے اس وقت بھی اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک بلند کرتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور رکوع سے سر اٹھاتے اس وقت بھی دونوں کندھوں تک اٹھاتے اور کہتے سمع اللہ لمن حمدہ یعنی اللہ نے اس بندے کی بات سن لی جس نے اس کی ثنا کی یعنی اسے پسند کیا اور اس کی ثنا اور دعا کو قبول فرمایا اور ربنا لک الحمد پڑھتے۔ اے ہمارے رب تیرے لیے حمد ہے اور تیرے ساتھ ہی حمد مخصوص[۱] ہے اور آپ سجدہ میں اس طرح نہ کرتے[۲] تھے۔

(بخاری و مسلم)

---

[۱] یعنی ہر حمد کو جو کرتے ہیں اور جس کے لیے بھی کرتے ہیں وہ تیری ہی جناب کی طرف لوٹتی اور رجوع کرتی ہے۔

کہ ہر چیز اور ہر بندے کو پیدا کرنے والا تو ہی ہے یا تیری حمد بیان کرنا تیرے ساتھ ہی خاص ہے۔ تیرے سوا تیری حمد کوئی نہیں کر سکتا۔ اور یہ موتی جیسا کہ پرونا چاہیے تیرے سوا کوئی نہیں پرو سکتا۔ بیت۔

مارا چہ حد و حمد و ثنائے تو بود ہم حمد و ثنائے تو سزائے تو بود

ترجمہ۔ ہماری حد اور حمد و ثنا کی کوئی حقیقت نہیں۔ ہر حمد و ثنا کے لائق تیری ہی ذات ہے۔

اور ایک روایت میں اللھم کا لفظ زیادہ آیا ہے۔ اسی طرح لک الحمد سے پہلے لفظ واو زیادہ آیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تسمیع و تحمید (سمع اللہ اور ربنا لک الحمد) دونوں کو جمع کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک منفرد دونوں جمع کرے۔ اور جماعت کی صورت میں امام سمع اللہ اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ کیونکہ حدیث میں اسے امام و مقتدی کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ربنا لک الحمد بھی کہے تاکہ لم تقولون مالا تفعلون میں سے نہ ہو جائے۔ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے)

۲۔ یعنی سجدہ میں رفع یدین نہ کرتے تھے۔ یعنی سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بعض شافعی حضرات یہاں بھی رفع یدین کرتے ہیں۔ مگر مختار یہ ہے کہ نہ کریں۔ اور وہ جو صحت کو پہنچا ہے یہ ہے کہ شافعیہ کے نزدیک شروع نماز کے وقت، رکوع جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا جائے۔ ان تین مواقع کے علاوہ شوافع کے نزدیک بھی رفع یدین کا کوئی ثبوت نہیں۔ جیسا کہ کتاب سفر السعادۃ میں مذکور ہے۔

وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ اِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَاِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَرَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت نافع[۱] سے روایت ہے۔ بیشک ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز میں داخل ہوتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے اور جب رکوع جاتے تو بھی ہاتھ اٹھاتے اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اس وقت بھی رفع یدین کرتے اور جب رکعت کے بعد کھڑے ہوتے تو اس وقت بھی ہاتھ اٹھاتے۔ حضرت ابن عمر نے یہ روایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع[۲] بیان کی۔

(بخاری شریف)

[۱] حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔

[۲] یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ مرفوع حدیث وہ ہوتی ہے کہ قول و فعل میں اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کریں۔ اور جو صحابی سے منقول ہو اسے موقوف کہتے ہیں۔ جیسا کہ مقدمہ میں مذکور ہوا۔

۷۳۹ - وَعَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا أُذُنَيْهِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَقَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَ ذٰلِكَ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا فُرُوْعَ أُذُنَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے۔ یہاں تک کہ دونوں ہاتھ کانوں کے برابر لے جاتے اور جب سر مبارک رکوع سے اٹھاتے تو کہتے سمع اللہ لمن حمدہ اور پہلے کی طرح کرتے یعنی رفع یدین کرتے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے یہاں تک کہ آپ دونوں ہاتھ کانوں کی بلندی تک اٹھاتے[لہ]۔

(بخاری ومسلم)

لہ ۔ واضح ہو کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ ہاتھ اٹھانا احناف اور شافعیہ کے درمیان مختلف فیہ ہے احادیث و آثار دونوں جانب وارد ہیں۔ اس بارے میں جو چیز پایہ ثبوت کو پہنچی ہے یہ ہے کہ یا تو دونوں طریقہ (رفع یدین وغیر رفع یدین) سے آپ نے نماز پڑھی ہے کہ کبھی رفع یدین کیا اور کبھی نہ کیا پھر صحابہ میں سے جس نے جو کیفیت دیکھی وہ روایت کر دی، دوسری صورت یہ ہے کہ ابتدا میں رفع یدین تھا آخر میں منسوخ ہو گیا اور اعاظم صحابہ کرام میں سے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو شرائع اور احکام اسلام کے عالم اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات معلوم کرنے کا بڑا خیال رکھنے والے اور سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے، نے رفع یدین نہیں کیا۔ ان کے اس عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ احتمال ثانی (منسوخ ہونا) ظاہر ہے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی عدم رفع کی روایت کرتے ہیں اور اگر فرضاً و تقدیراً دونوں صورتیں ہوں تو پھر بھی عدم رفع راجح ہے۔ کہ اس میں سکون ہے جو نماز کے خشوع و خضوع کے حال کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ یہاں کافی گفتگو ہے ہم نے وہ سب شرح سفر السعادۃ میں کر دی ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۴۰ - وَعَنْهُ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَإِذَا كَانَ فِيْ وِتْرٍ مِّنْ صَلٰوتِهٖ لَمْ يَنْهَضْ حَتّٰى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

انہیں حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب آپ وتر نماز میں ہوتے (یعنی ایک رکعت کے بعد اور تیسری رکعت کے بعد) تو نہ کھڑے ہوتے یہاں تک کہ ٹھیک ہو کر بیٹھتے[لہ]۔

(بخاری شریف)

لہ ۔ یعنی سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد بیٹھتے پھر کھڑے ہوتے اور یہ جلسہ استراحت ہے جس کے شافعیہ قائل ہیں ان کے نزدیک یہ جلسہ سنت ہے اور اس کی کیفیت وہی ہے جو قعدہ اول کی کیفیت ہے۔ اس جلسہ کے بعد دونوں ہاتھ

زمین پر ٹیک کر کھڑے ہوتے ہیں۔

حضرت امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک اور ایک مختار روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک الیسا جلسۂ استراحت) عذر اور بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے ہوا۔ تو جو شخص معذور یا بوڑھا نہ ہو اس کے لیے سنت نہیں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ ترمذی نے کہا۔ مالک بن الحویرث کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کا اس پر عمل ہے۔ بعض صحابہ بھی اس کے قائل تھے۔ (انتہٰی)

احناف کی دلیل حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اسے بھی ترمذی نے ہی روایت کیا۔ کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں کے سینوں پر اٹھتے تھے۔ یعنی بیٹھنے کے بغیر۔ اگرچہ اس حدیث کے بعض طرق ضعیف ہیں لیکن یہ صحیح لاصل ہے جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا اور ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ نماز میں دونوں قدموں کے سینوں پر اٹھتے تھے۔ یعنی بغیر بیٹھنے کے۔ حضرت علی حضرت عمر حضرت ابن عمر اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے بھی الیسا ہی مروی ہے۔ حضرت نعمان بن ابی عیاش سے مروی ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے بہت سے صحابہ کرام کو پایا کہ جب وہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدے سے سر اٹھاتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ اگر بعض احادیث و اخبار اس کے خلاف آئے ہیں تو وہ بڑھاپے، معذوری اور ضرورت پر محمول ہوں گے۔

۷۴۱ وَعَنْ وَّائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ رَاَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَفَعَ يَدَيْهِ حِيْنَ دَخَلَ فِى الصَّلٰوةِ كَبَّرَ ثُمَّ الْتَحَفَ بِثَوْبِهٖ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى فَلَمَّا اَرَادَ اَنْ يَّرْكَعَ اَخْرَجَ يَدَيْهِ مِنَ الثَّوْبِ ثُمَّ رَفَعَهُمَا وَكَبَّرَ فَرَكَعَ فَلَمَّا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمَّا سَجَدَ سَجَدَ بَيْنَ كَفَّيْهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت وائل[1] بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں داخل ہوتے وقت ہاتھ اٹھائے اور اللہ اکبر کہا[2]۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ کپڑے میں لپیٹ لیے[3] اور آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں پر رکھا[4]۔ پھر جب آپ نے رکوع کا ارادہ کیا تو آپ نے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے پھر انہیں اٹھایا اور تکبیر کہی اور رکوع میں چلے گئے[5]۔ پھر جب آپ نے سمع اللہ لمن حمدہ کہا تو دونوں ہاتھ اٹھائے اور جب آپ نے سجدہ کیا تو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا[6]۔

(مسلم)

[1] ۔ حضرت وائل بن حجر مشہور صحابی ہیں اصل میں شاہان یمن سے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہ میں بڑا معزز مقام رکھتے تھے آپ کے حالات دوسری جگہ میں مذکور ہو چکے ہیں۔

۵۲۔ صحیح مسلم میں بغیر واؤ کے آیا ہے۔

۵۳۔ ظاہر یہ ہے کہ چادر کے اندر کر لیے بعض کہتے ہیں کہ ہاتھ آستینوں میں ڈال لیے۔ کہا گیا ہے کہ شاید شدید سردی کی وجہ سے ایسا کیا۔

۵۴۔ پھر آپ داہنا ہاتھ بائیں پر رکھتے۔ داہنا بائیں پر رکھنا امام مالک رحمۃ اللہ کے سوا سب کے نزدیک متفق علیہ ہے امام مالک کے نزدیک ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کے علاوہ کھلے چھوڑ کر نماز پڑھنا بھی جائز ہے پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور ایک روایت میں احمد کے نزدیک ہاتھ زیر ناف باندھے۔ اور امام شافعی کے نزدیک سینے کے برابر ناف کے اوپر۔ امام احمد سے ایک روایت کے مطابق اسے دونوں طرح باندھنے کا اختیار ہے۔ احادیث دونوں کے لیے آئی ہیں۔ علماء نے کہا اس بارے میں بڑی وسعت ہے۔ جس طرح کرے گا درست ہے۔ داہنا ہاتھ بائیں پر زیر ناف باندھا جائے یا سینے کے برابر ان دونوں میں کوئی بات خصوصیت اور یقین سے ثابت نہیں ہے۔ اور جب کہ صورتِ حال یہ ہے تو پھر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ طریقہ اختیار کیا ہے جو مروج عادت کے مطابق ہے، یعنی زیر ناف ہاتھ باندھنا۔

۵۵۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانے کے لیے ہاتھوں کو کپڑے اور آستینوں سے باہر نکالنا چاہیے۔

۵۶۔ یعنی آپ سر کو دونوں سجدوں کے وقت دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھتے تھے۔

۷۴۲/۹ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رض قَالَ كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُوْنَ اَنْ يَّضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنٰى عَلٰى ذِرَاعِهِ الْيُسْرٰى فِى الصَّلٰوةِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ نماز کے اندر داہنا ہاتھ بائیں بازو پر رکھیں[۱]۔

(بخاری شریف)

[۱] یعنی بازو کے قریب رکھیں۔ جب کہ ہاتھ کو ہاتھ پر یا اس کے پونچے پر رکھتے ہیں تو وہ بازو کے قریب ہی ہو جاتا ہے۔ گویا کہ بازو پر ہی رکھ دیا۔ اور گویا کہ ہاتھ پر رکھا ہی نہیں۔ مرد کی قید کی اتفاقی ہے۔ عورت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

۷۴۳/۱۰ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْكَعُ ثُمَّ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے جب رکوع جاتے پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے جب کہ رکوع سے اپنی پشت مبارک اوپر اٹھاتے

يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ حِيْنَ يَرْفَعُ صُلْبَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ ثُمَّ يَقُوْلُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَهْوِىْ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَسْجُدُ ثُمَّ يُكَبِّرُ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ ثُمَّ يَفْعَلُ ذٰلِكَ فِى الصَّلٰوةِ كُلِّهَا حَتّٰى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِيْنَ يَقُوْمُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوْسِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اور جب کھڑے ہوتے تو کہتے ربنا لک الحمد پھر تکبیر کہتے جب سجدہ کو جاتے پھر تکبیر کہتے جب سر اٹھاتے پھر جب سجدہ کو جاتے تو تکبیر کہتے پھر تکبیر کہتے جب سجدہ سے سر اٹھاتے پھر اسی طرح ساری نمازیں کرتے یہاں تک کہ نماز پوری کرتے۔ اور آپ تکبیر کہتے جب دو رکعتوں کے[1] بعد اٹھ کر کھڑے ہوتے۔

(بخاری و
مسلم)

[1] اس حدیث میں بھی تکبیروں کا ذکر ہے۔ رفع یدین کا کہیں ذکر نہیں۔

۷۴۴/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ طُوْلُ الْقُنُوْتِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل نماز وہ ہے جس میں قنوت[1] لمبی ہو۔

(مسلم)

[1] قنوت کا لفظ قیام، طاعت، خشوع، نماز، دعا اور سکوت و خاموشی کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں قنوت سے قیام مراد ہے۔ تو معلوم ہوا کہ نماز میں طول قیام افضل ہے کہ اس میں مشقت، خدمت اور طاعت زیادہ اور ظاہر تر ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں قیام افضل ہے یا سجدہ۔ یہ حدیث اس گروہ کی دلیل ہے جو قیام کو افضل قرار دیتے ہیں پھر وہ ذکر جو قیام میں کیا جاتا ہے، قرآن ہے اور قرآن تسبیح سے افضل ہے۔ حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ شرح سفر السعادہ میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث لکھ دی ہے۔ وہاں مطالعہ کیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِىْ

دوسری فصل

۷۴۵/۱۲ عَنْ اَبِىْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ رض قَالَ فِىْ عَشْرَةٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَعْلَمُكُمْ

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صحابہ کرام کے درمیان کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تم سب سے

بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا فَاعْرِضْ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ يَرْكَعُ وَيَضَعُ رَاحَتَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ ثُمَّ يَعْتَدِلُ فَلَا يُصَبِّيْ رَأْسَهٗ وَلَا يُقْنِعُ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ فَيَقُوْلُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ثُمَّ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ اَكْبَرُ ثُمَّ يَهْوِيْ اِلَى الْاَرْضِ سَاجِدًا فَيُجَافِيْ يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَيَفْتَحُ اَصَابِعَ رِجْلَيْهِ ثُمَّ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰى مَوْضِعِهٖ مُعْتَدِلًا ثُمَّ يَسْجُدُ ثُمَّ يَقُوْلُ اللهُ اَكْبَرُ وَيَرْفَعُ وَيَثْنِيْ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى فَيَقْعُدُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَعْتَدِلُ حَتّٰى يَرْجِعَ كُلُّ عَظْمٍ اِلٰى مَوْضِعِهٖ ثُمَّ يَنْهَضُ ثُمَّ يَصْنَعُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ اِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يُحَاذِيَ بِهِمَا مَنْكِبَيْهِ كَمَا كَبَّرَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ ثُمَّ يَصْنَعُ ذٰلِكَ فِيْ بَقِيَّةِ صَلٰوتِهٖ حَتّٰى اِذَا كَانَتِ

زیادہ جانتا ہوں[۱]۔ صحابہ نے کہا بیان کیجیے[۲]۔ فرمایا جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک برابر کرتے پھر تکبیر[۳] تحریمہ کہتے پھر قراءت پڑھتے۔ پھر تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے پھر رکوع میں اپنی ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھتے پھر کمر سیدھی[۴] کرتے نہ سر کو جھکاتے اور نہ بلند کرتے[۵] پھر اپنا سر اٹھاتے اور کہتے سمع اللہ لمن حمدہ پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ کندھوں کے برابر کرتے اس حال میں کہ سیدھے کھڑے ہوتے۔ پھر فرماتے اللہ اکبر پھر سجدہ کرنے کے لیے زمین کی طرف جھکتے۔ اپنے دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں سے دور رکھتے۔ اپنے پاؤں کی انگلیاں کھولتے[۶]۔ پھر اپنا سر اٹھاتے اور اپنا بایاں پاؤں موڑتے اور اس پر بیٹھتے پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ ہر ہڈی اپنی جگہ آجاتی[۷]۔ اس حال میں کہ آپ سیدھے ہوتے پھر سجدہ کرتے پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اٹھتے اور بایاں پاؤں موڑتے اور اس پر بیٹھتے[۷] اور اسی طرح سیدھے بیٹھتے کہ ہر ہڈی اپنی جگہ آجاتی۔ پھر کھڑے ہوتے پھر دوسری رکعت میں اسی[۸] طرح کرتے پھر جب دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے[۹] اللہ اکبر کہتے اور دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے جیسے کہ آپ نے تکبیر کہی تھی نماز شروع کرنے کے وقت پھر اپنی باقی نماز میں اسی طرح کرتے۔ یہاں تک کہ جب وہ سجدہ ہوتا جس کے بعد سلام ہے اپنا بایاں پاؤں نکالتے اور کولہے پر بیٹھتے بائیں جانب پر پھر سلام پھیرتے۔ انہوں نے کہا[۱۰] تو نے سچ کہا۔ اسی طرح آپ نماز پڑھا کرتے تھے[۱۱]۔ روایت

السَّجْدَةُ الَّتِيْ فِيْهَا التَّسْلِيْمُ اَخْرَجَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ قَعَدَ مُتَوَرِّكًا عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ سَلَّمَ قَالُوْا صَدَقْتَ هٰكَذَا كَانَ يُصَلِّيْ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ مَعْنَاهُ وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاؤُدَ مِنْ حَدِيْثِ اَبِيْ حُمَيْدٍ ثُمَّ رَكَعَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ كَاَنَّهُ قَابِضٌ عَلَيْهِمَا وَ وَتَّرَ يَدَيْهِ فَنَحَّاهُمَا عَنْ جَنْبَيْهِ وَ قَالَ ثُمَّ سَجَدَ فَاَمْكَنَ اَنْفَهُ وَ جَبْهَتَهُ الْاَرْضَ وَ نَحّٰى يَدَيْهِ عَنْ جَنْبَيْهِ وَ وَضَعَ كَفَّيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ وَ فَرَّجَ بَيْنَ فَخِذَيْهِ غَيْرَ حَامِلٍ بَطْنَهُ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَخِذَيْهِ حَتّٰى فَرَغَ ثُمَّ جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ اَقْبَلَ بِصَدْرِ الْيُمْنٰى عَلٰى قِبْلَتِهِ وَ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَ كَفَّهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ وَ فِيْ اُخْرٰى لَهُ وَ اِذَا قَعَدَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ قَعَدَ عَلٰى بَطْنِ قَدَمِهِ الْيُسْرٰى وَ نَصَبَ الْيُمْنٰى وَ اِذَا كَانَ فِي الرَّابِعَةِ اَفْضٰى بِوَرِكِهِ الْيُسْرٰى اِلَى

کیا اسے ابوداؤد اور دارمی نے اور روایت کیا ترمذی اور ابن ماجہ نے اس کا معنیٰ اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح[۱۲] ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے ابو حمید کی روایت سے کہ آپ نے رکوع کیا پھر اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھے۔ گویا انہیں پکڑنے والے ہیں اور اپنے دونوں ہاتھوں کو چلّے[۱۳] کی مانند کیا اور دور رکھا اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے۔ راوی کہتا ہے پھر سجدہ کیا اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر ٹھہرایا[۱۴]۔ اور دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے[۱۵] دور رکھا۔ اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر رکھے۔ دونوں رانوں کے درمیان کشادگی کی۔ پیٹ مبارک کو رانوں سے دور رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ فارغ ہوئے۔ پھر بیٹھ گئے اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور دائیں کی پشت قبلہ کی طرف کی۔ اور دائیں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور بائیں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھا اور انگلی سے اشارہ کیا[۱۶]۔ یعنی سبابہ انگلی سے ایک دوسری روایت میں ہے جب دو رکعتوں پر بیٹھتے ، بائیں پاؤں کے تلوے پر بیٹھتے اور دایاں کھڑا کرتے اور جب چوتھی رکعت میں ہوتے۔ تو بایاں کولہا زمین پر لگاتے۔ اور دونوں قدم ایک طرف[۱۷] نکال

الْاَرْضِ وَاَخْرَجَ قَدَمَيْهِ مِنْ نَاحِيَةٍ وَّاحِدَةٍ ۔ بیٹتے :

ف۱ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص نفسانی غرض کے لیے نہیں بلکہ دینی مصلحت کے تحت اپنے متعلق بڑا عالم ہونے کا دعویٰ کرے تو یہ درست ہے اس میں کوئی حرج نہیں ۔

ف۲ ۔ ان صحابہ نے کہا جن کے سامنے اس نے یہ دعویٰ کیا تھا ۔

ف۳ ۔ یعنی جب تو دعویٰ کر رہا ہے کہ تو ہم سے زیادہ علم والا ہے تو پھر ہمارے سامنے پیش کر اور اسے ہم پر ظاہر تاکہ ہمیں پتہ چلے کہ تو اپنے دعویٰ میں کہاں تک سچا ہے ۔

ف۴ ۔ یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ آپ ہاتھ پہلے اٹھاتے اور تکبیر اس کے بعد کہتے جیسا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کا مذہب ہے ۔

ف۵ ۔ اس کے بعد اعتدال کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ منہ و سر کو جھکاتے الی آخرہ ۔

ف۶ ۔ اس میں لفظ يُصَبِّىْ یا کی پیش ، صاد مہملہ کی زبر اور با مشددہ کے کسرہ کے ساتھ آیا ہے بمعنی سر نیچے جھکانا ۔ ولا يُقْنِعُ یا کی پیش ۔ قاف ساکن اور نون مکسور کے ساتھ ۔ بمعنی سر کو اوپر اٹھانا ۔ یعنی بحالت رکوع آپ نہ سر کو نیچے کرتے نہ اوپر کرتے بلکہ پشت اور سر کو برابر رکھتے ۔ اولیٰ یہ ہے کہ اعتدال کا معنی اطمینان کا کیا جائے جس طرح دو سجدوں کے درمیان جلسہ استراحت کے بیان میں آئے گا ۔ ابن حبان اور مسلم کی روایت میں لا يُصَبِّىْ ، فا کے بغیر آیا ہے ۔ اس میں یہ معنی زیادہ ظاہر ہے ۔ لفظ يصبي کی مزید تحقیق ہم نے شرح میں کر دی ہے ۔

ف۷ ۔ یعنی آپ دونوں پاؤں کی انگلیاں کھولتے اور دوہری کرتے اس طرح کہ انگلیوں کے سر قبلہ کی طرف ہو جاتے ۔ فتح خا نقطہ والی کے ساتھ بمعنی بیٹھنے کے وقت پاؤں کی انگلیوں کو سست کرنا ۔ اصل لغت میں لفظ فتح کا معنی نرم ہونے کا آتا ہے ۔ جیسا کہ صراح میں ہے ۔

ف۸ یہ اعتدال کی تفسیر و تاکید ہے ۔

ف۸ ۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث پاک سے معلوم ہوا ۔

ف۹ ۔ یعنی سبحانک اللھم کے سوا باقی سب باتیں پہلی رکعت کی طرح کرتے ۔

ف۱۰ ۔ یعنی تشہد پڑھنے کے بعد جب آپ تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہوتے ۔ اس حدیث میں تشہد کا ذکر نہیں ہے جس طرح کہ ابو داؤد کی ایک روایت میں تشہد کا ذکر موجود ہے ۔

ف۱۱ ۔ یعنی جن کے سامنے انہوں نے اپنے زیادہ عالم ہونے کا دعویٰ کیا تھا ان کے تصدیق کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی اس مذکورہ تفصیل سے واقف تھے ۔ اس بنا پر ابو حمید کا دعویٰ اعلمیت (بڑا عالم ہونا) درست نہیں رہتا ۔

لہذا ان کی تصدیق کو اس پر محمول کرنا چاہیے کہ تیری خبر بالکل سچی اور قابل اعتماد ہے۔ واللہ اعلم۔

ف۱۲۔ یہ حدیث سفر السعادۃ، صحیح ابن حبان اور مسلم سے بھی مروی ہے۔

ف۱۳۔ آپ نے دونوں کہنیوں کو پہلوؤں سے دور رکھا تو گویا کہنیاں چلے کے مشابہ ہوگئیں اور پہلو کمان کے مشابہ جس پر وہ چلہ ہوتا ہے۔

ف۱۴۔ اور آپ نے ناک اور پیشانی کو سجدہ میں زمین پر جمایا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ ناک اور پیشانی دونوں پر ہونا چاہیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمیشہ ایسا ہی کرتے رہے۔ احادیث بھی اسی کے موافق اور اسی کی تائید کرتی ہیں۔ تاہم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک ایک پر کفایت کرنا بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ ایک روایت میں صرف پیشانی پر سجدہ کرنا مکروہ بھی نہیں ہے۔ صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نزدیک ان دو میں سے ایک پر سجدہ کرنا جائز نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ سجدہ سات اعضا پر اور ایک روایت میں سات ہڈیوں پر کرنا چاہیے، چہرہ دونوں ہاتھ۔ دو زانو دو پاؤں۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں چہرہ کے بجائے پیشانی کا لفظ آیا ہے۔ اس کی مزید تحقیق باب السجود میں آئے گی انشاء اللہ تعالےٰ

ف۱۵۔ یعنی اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کے وقت اپنی انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا۔ انگشتِ شہادت کو انگشت سبابہ بھی کہتے ہیں نفی کے وقت اٹھائی جائے اور اثبات کے وقت رکھ دی جائے۔ اس انگلی کو سبابہ اس لیے کہتے ہیں کہ عربی لغت میں لفظ سَبٌ کا معنی ہے گالی دینا عرب گالی دیتے وقت اس سے اشارہ کرتے ہیں یہ زمانہ جاہلیت کا طریقہ تھا اسلام میں اس انگلی کو مُسَبِّحُ اور سباحہ کہتے ہیں اور تسبیح و توحید کے وقت اس کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں و یہ اشارہ جہاں توحید الٰہی کی طرف اشارہ ہے شیطان پر بھی گالی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔

ف۱۶۔ یعنی دائیں طرف نکال لیے۔

۷۶۶ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ اَنَّهٗ اَبْصَرَ	روایت ہے حضرت وائل بن حجر ف۱ سے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ
النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ	علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو اپنے
قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى	دونوں ہاتھ اٹھائے حتیٰ کہ کندھوں کے مقابل ہو گئے اور
كَانَتَا بِحِيَالِ مَنْكِبَيْهِ وَحَاذٰى اِبْهَامَيْهِ	اپنے انگوٹھوں کو کانوں کے مقابل کر دیا ف۲ پھر تکبیر کہی۔
اُذُنَيْهِ ثُمَّ كَبَّرَ۔	(ابوداؤد)
رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ	اور اس کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے انگوٹھے
يَرْفَعُ اِبْهَامَيْهِ اِلٰى شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ	کانوں کی گدیوں تک بلند کیے

ف۱۔ حضرت وائل بن حجر پہلے حا پھر جیم کے ساتھ۔ آپ مشہور صحابی ہیں، ملوک یمن کی اولاد میں سے تھے، شرف اسلام سے مشرف ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں بڑے معزز و مکرم تھے۔

٢۔ یہ حدیث بھی حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ہے کہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہی۔

٧٤٧/١٤ - وَعَنْ قَبِيْصَةَ بْنِ هُلْبٍ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّنَا فَيَأْخُذُ شِمَالَهٗ بِيَمِيْنِهٖ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت قبیصہ[١] بن ھلب[٢] سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری امامت کرتے تھے اور اپنا بایاں ہاتھ داہنے سے پکڑتے تھے۔

(ترمذی و ابن ماجہ)

[١]۔ قبیصہ قاف کی زبر اور با کی زیر کے ساتھ۔

[٢]۔ ھا کی پیش لام ساکن کے ساتھ۔ بعض نے کہا ہا کی زبر اور لام ساکن کے ساتھ صحیح ہے۔ آپ تابعی ثقہ ہیں۔ ان کے باپ کو شرف صحبت حاصل ہے۔ ان کے باپ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، سر سے گنجے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا سر پر بال اگ آئے۔ ھلب بالوں کو کہتے ہیں۔ اھلب وہ جس کے سر پر بال ہوں یہ ان کا لقب ہے۔ ان کا نام یزید بن عدی ہے۔ بعض نے یزید بن سلام کہا۔ اول قول زیادہ صحیح ہے۔

٧٤٨/١٥ - وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعِدْ صَلٰوتَكَ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ فَقَالَ عَلِّمْنِيْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ أُصَلِّيْ قَالَ إِذَا تَوَجَّهْتَ إِلَى الْقِبْلَةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ وَمَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ تَقْرَأَ فَإِذَا رَكَعْتَ فَاجْعَلْ رَاحَتَيْكَ عَلٰى رُكْبَتَيْكَ وَمَكِّنْ رُكُوْعَكَ وَامْدُدْ ظَهْرَكَ فَإِذَا رَفَعْتَ فَأَقِمْ صُلْبَكَ وَارْفَعْ رَأْسَكَ حَتّٰى تَرْجِعَ الْعِظَامُ إِلٰى مَفَاصِلِهَا فَإِذَا سَجَدْتَ

حضرت رفاعہ[١] بن رافع سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص آیا اور مسجد میں نماز پڑھی پھر حاضر خدمت ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اپنی نماز دوبارہ پڑھ کہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ اس نے عرض کیا مجھے سکھا دیں کہ کس طرح نماز پڑھوں۔ فرمایا جب تو قبلے کو منہ کرے تو تکبیر کہہ۔ پھر سورۂ فاتحہ اور جو اللہ چاہے[١] پڑھ۔ جب رکوع کرے تو اپنی ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ۔ اور اپنا رکوع مضبوطی سے کر۔ اور اپنی پشت دراز کر۔ جب اپنا سر اٹھائے تو اپنی پشت سیدھی کر۔ یہاں تک کہ ہڈیاں اپنے جوڑوں پر لوٹ جائیں۔ پھر جب سجدہ کرے تو مضبوطی سے سجدہ کر پھر جب اٹھے تو اپنی بائیں ران پر[٢] بیٹھ پھر ہر رکوع اور سجدے میں اسی طرح کر یہاں تک

فَمَكِّنْ لِلسُّجُوْدِ فَاِذَا رَفَعْتَ فَاجْلِسْ
عَلٰى فَخِذِكَ الْيُسْرٰى ثُمَّ اصْنَعْ ذٰلِكَ
فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ وَّسَجْدَةٍ حَتّٰى تَطْمَئِنَّ
هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ وَرَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ
مَعَ تَغْيِيْرٍ يَسِيْرٍ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَ
النَّسَآئِيُّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّلتِّرْمِذِيِّ
قَالَ اِذَا قُمْتَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَتَوَضَّأْ
كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ بِهٖ ثُمَّ تَشَهَّدْ فَاَقِمْ
فَاِنْ كَانَ مَعَكَ قُرْاٰنٌ فَاقْرَأْ وَاِلَّا
فَاحْمَدِ اللّٰهَ وَكَبِّرْهُ وَهَلِّلْهُ ثُمَّ
اِرْكَعْ۔

کہ تجھے اطمینان ہو جائے۔ یہ مصابیح کے لفظ ہیں اور اسے ابو داؤد نے تھوڑے فرق سے روایت کیا اور ترمذی و نسائی نے اس کے معنی روایت[ف۴] کیے۔ ترمذی کی روایت میں ہے جب تو نماز کے لیے اٹھے تو اس طرح وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے۔ پھر کلمہ شہادت پڑھ کر تکبیر[ف۵] کہہ۔ اگر تجھے کچھ قرآن یاد ہو تو اسے پڑھ ورنہ اللہ کی حمد کر اس کی تکبیر و تہلیل کر[ف۶] پھر رکوع کر۔

* * *

[ف۱] حضرت رفاعہ بکسر را ابن رافع آپ انصاری صحابی ہیں۔ قبیلہ بنی خزرج سے ہیں۔ ان کی کنیت ابو معاذ ہے۔ بدری ہیں۔ ان کے باپ فقہا میں سے ہیں۔ آپ مالک ابن رافع اور خلاد ابن رافع کے بھائی ہیں قبیلہ خزرج میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ہی ہیں۔ عقبہ اولیٰ میں حاضر ہوئے۔ جمل و صفین کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔

[ف۲] یعنی جو اللہ تعالٰی چاہے وہ تو پڑھ۔ یہ اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی چاہت کے بغیر بندے کی چاہت سے کچھ نہیں ہوتا۔

[ف۳] یعنی اپنے بائیں قدم پر۔ اس میں احتمال ہے کہ یہ دونوں سجدوں کے بعد ہو اور اس سے جلسہ استراحت مراد ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے سجدہ سے سر اٹھانا مراد ہو۔ بہر صورت اس عبارت میں اختصار پایا جاتا ہے۔

[ف۴] یعنی اس حدیث کا مضمون بعینہٖ حضرت ابوہریرہ والی حدیث کا مضمون ہے جو باب اول میں گزری۔ صرف بعض الفاظ میں قدرے اختلاف ہے۔ باقی مباحث و تحقیقات علمی وہی ہیں جو وہاں مذکور ہوئیں۔

[ف۵] بعض کے نزدیک تشہد سے شہادتین کا پڑھنا مراد ہے کہ وضو کے بعد اس کا پڑھنا بھی فضیلت رکھتا ہے۔ اور اقامت سے نماز ادا کرنا مراد لیتے ہیں۔

[ف۶] اس کی توحید بیان کر۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسے قرآن یاد نہ ہو وہ قرآن کی جگہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھے۔ جیسے وہ شخص جو ایمان لایا مگر اسے نماز کا وقت آنے تک کا موقعہ نہ ملا کہ قرآن یاد کر لیتا تو ایسا

آدمی ذکر و تہلیل و تسبیح کرے۔ بعض شافعیہ کے نزدیک سات بار ذکر کرے۔ سورۂ فاتحہ کی آیات کی تعداد کے مطابق۔ کہ وہ بھی سات ہیں بظاہر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی نو مسلم تھا۔ ابھی تک اس نے دین کے احکام و شرائع نہ سیکھے تھے۔ اسی وجہ سے اس کی نماز کی ادائیگی میں کوتاہی پائی جاتی تھی۔

۷۴۹/۱۶ وَعَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوۃُ مَثْنٰی مَثْنٰی تَشَھُّدٌ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ وَ تَخَشُّعٌ وَّ تَضَرُّعٌ وَّ تَمَسْکُنٌ ثُمَّ تُقْنِعُ یَدَیْکَ یَقُوْلُ تَرْفَعُھُمَا اِلٰی رَبِّکَ مُسْتَقْبِلًا بِبُطُوْنِھِمَا وَجْھَکَ وَتَقُوْلُ یَا رَبِّ یَا رَبِّ وَ مَنْ لَّمْ یَفْعَلْ ذٰلِکَ فَھُوَ کَذَا وَکَذَا وَ فِیْ رِوَایَۃٍ فَھُوَ خِدَاجٌ

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

حضرت فضل[۵۱] بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز دو دو رکعت[۵۲] ہے، ہر دو رکعتوں میں التحیات[۵۳] ہے اور عجز و نیاز مندی ہے اور اظہار مسکنت ہے۔ فرماتے ہیں پھر اپنے ہاتھ[۵۴] اٹھا یعنی اپنے رب کی طرف پھیلا کر ہتھیلیاں تیرے چہرے کی طرف ہوں اور کہہ اے رب اے رب اور جو ایسا نہ کرے وہ ایسا ہے۔ ایسا ہے[۵۵]۔ اور ایک روایت میں ہے وہ ناقص[۵۶] ہے۔

(ترمذی)

۵۱۔ فضل بن عباس آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں آپ کے فضائل مناقب بہت ہیں آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ بعض نے ابو عبداللہ کنیت بتائی ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں طاعون عمواس میں ۱۸ھ میں فوت ہوئے۔ بعض نے کہا جنگ یرموک کے دن شہید ہوئے۔

۵۲۔ یعنی نفل نماز میں افضل یہ ہے کہ دو دو رکعت کرکے پڑھی جائے۔ چاہے دن کا وقت ہو یا رات کا۔ امام شافعیؒ نے یہیں سے اپنا مذہب اخذ کیا۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دن رات میں چار چار رکعت کرکے نفل پڑھنا زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور ابو یوسف و امام محمد کے قول کے مطابق رات میں دو دو اور دن میں چار چار رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور صاحبین (ابو یوسف و امام محمد) کی دلیل تراویح پر قیاس ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں صحت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کے بعد چار رکعت پڑھتے تھے۔ نماز چاشت کی بھی چار کا ذکر آیا ہے۔ پھر چار رکعت پڑھنے میں مشقت زیادہ ہے کہ اس میں تحریمہ لمبی ہے اور جس عبادت میں مشقت زیادہ ہوگی اس کی فضیلت زیادہ ہوگی۔ ———— اور یہ جو آپ نے فرمایا نماز دو دو رکعت ہے اس معنیٰ پر محمول ہے کہ نفل نماز اس سے کم نہیں ہو سکتی یعنی ایک ایک رکعت نہیں ہو سکتی یہ مطلب نہیں کہ دو دو رکعت افضل ہے

اس دلیل کے پیش نظر جو ہم نے ابھی بیان کی ہے کہ چار رکعت میں مشقت زیادہ ہے۔ لہٰذا چار رکعت افضل ہوگی (خوب سمجھ لے) یہ بات بھی صحت کو پہنچ چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی بارہ رکعت پڑھتے تھے۔

ف۳۔ یہ دو دو رکعت کا بیان اور اس کی تاکید ہے۔

ف۴۔ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے جس سے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تفسیر کرتے ہیں یعنی حضور علیہ السلام فرماتے ہیں اور اس قول سے یہ چاہتے ہیں۔

ف۵۔ یہ کنایہ ہے اس شخص کے حال کو نقصان و خسارہ لاحق ہونے سے۔

ف۶۔ کہ یہ نقصان والے آدمی کی نماز ہے۔ خِداج خا کے کسرہ آخر میں جیم بمعنی بچہ کا پوری مدت حمل سے پہلے پیدا ہو جانا (یعنی ناقص الخلقہ)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

ف ۱۶ عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ الْمُعَلّٰى[۱] قَالَ صَلّٰى لَنَا اَبُوْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيُّ فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيْرِ حِيْنَ رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَحِيْنَ سَجَدَ وَحِيْنَ رَفَعَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ وَقَالَ هٰكَذَا رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سعید[۱] بن حارث بن معلی سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہمیں حضرت ابو سعید خدری نے نماز پڑھائی[۲] جب سجدہ سے سر اٹھایا اور جب سجدہ کیا اور جب دو رکعتوں سے اٹھے تو اونچی آواز سے تکبیر کہی۔ فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح (کرتے) دیکھا[۳]۔

(بخاری)

ف۱۔ حضرت سعید بن الحارث بن المُعلّٰی مُعلّٰی میم کی پیش اور لام کی شد کے ساتھ۔ حضرت سعید بن حارث انصاری ہیں مشہور تابعی اور ثقہ ہیں مدینہ مطہرہ کے قاضی تھے۔

ف۲۔ مقصود یہ ہے کہ امام بلند آواز سے تکبیریں کہے اور خاص اس تکبیر کے جہر کی قید اتفاقی ہے۔ شاید کہ صرف اس تکبیر میں بات ہو رہی ہے اور اگر جہر کے لیے یہی مخصوص ہو تو پھر دوسری تکبیرات کو اس پر قیاس کیا جائے گا اور سمع اللہ لمن حمدہ کا بھی اس پر قیاس ہوگا۔ اسماعیلی کی روایت میں دوسری تکبیرات کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسماعیلی نے کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے یا کہیں گئے ہوئے تھے۔ تو ان کی جگہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی۔ انہوں نے تکبیر تحریمہ اور رکوع کی تکبیر میں جہر کیا الحدیث۔ غیر اسماعیلی کی روایت میں بھی یہ زیادتی موجود ہے کہ حضرت ابو ہریرہ نے بھی بلند آواز سے تکبیر کہی۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ سے کہا گیا لوگ آپ کی اس نماز میں اختلاف کر رہے ہیں کہ آپ نے

تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہی ہے۔ اس پر حضرت ابوہریرہ منبر پر تشریف لائے۔ اور فرمایا مجھے تمہارے اختلاف کا کوئی ڈر نہیں تم اختلاف کر دیا نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے اسی طرح نماز پڑھی۔ گویا اس زمانے میں بھی اس میں اختلاف رکھتے تھے کہ تکبیر بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ۔ بنی امیہ کے مروان وغیرہ پست آواز سے کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امارت مروان کے زمانے میں مدینہ پاک میں امامت کراتے تھے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔

۷۵۱/۱۸ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِيْنَ تَكْبِيْرَةً فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ إِنَّهٗ أَحْمَقُ فَقَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

روایت ہے حضرت عکرمہ[1] سے فرماتے ہیں میں نے مکہ معظمہ میں ایک بزرگ[2] کی اقتداء میں نماز پڑھی انہوں نے بائیس تکبیریں کہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس سے کہا یہ بے وقوف[4] ہے۔ فرمایا تمہیں تمہاری ماں روئے[5] یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (بخاری)

ف۱۔ حضرت عکرمہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں فقہائے مکہ میں سے ہیں۔

ف۲۔ یہ بزرگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تھے۔

ف۳۔ یہ چار رکعت کا ذکر ہے تکبیر تحریمہ اور تشہد اول سے اٹھنے کے وقت کی تکبیر ملا کر بائیس تکبیریں بن جاتی ہیں۔

ف۴۔ کہ یہ بزرگ احمق ہے (معاذ اللہ) جاہل اور بے عقل ہے کہ تکبیریں بلند آواز سے کہتا ہے۔

ف۵۔ یہ دعا کے کلمات ہیں جو زجر و ڈانٹ کے موقعہ پر کہے جاتے ہیں۔ اور تعجب کے معنی میں بھی آتے ہیں۔ اس سے حقیقۃً کسی کی موت کی دعا مراد نہیں ہوتی۔

۷۵۲/۱۹ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ مُرْسَلًا قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ فِي الصَّلٰوةِ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ فَلَمْ يَزَلْ تِلْكَ صَلٰوتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى لَقِيَ اللّٰهَ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ

حضرت علی بن الحسین[1] رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں جب جھکتے اور اٹھتے تو تکبیر کہتے[2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز رہی یہاں تک کہ آپ اللہ سے جا ملے۔ (مالک)

ف۱۔ یعنی امام زین العابدین علی بن امام حسین رضی اللہ عنہ سے بطور ارسال مروی ہے۔

ف۲۔ یعنی رکوع اور سجدہ کو جاتے وقت پھر قومہ اور جلسہ اور واپس سر اٹھاتے وقت

۷۵۳/۲۰ وَعَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ لَنَا ابْنُ

حضرت علقمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

مَسْعُوْدٍ اَلَا اُصَلِّیْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ اِلَّا مَرَّةً وَّاحِدَةً مَّعَ تَكْبِيْرِ الْاِفْتِتَاحِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَقَالَ اَبُوْدَاؤُدَ لَيْسَ هُوَ[۲] بِصَحِيْحٍ عَلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى۔

ہم سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہارے سامنے حضور کی نماز نہ پڑھوں تو نماز پڑھی اور اپنے ہاتھ صرف ایک بار ہی یعنی شروع کی تکبیر کے ساتھ اٹھائے ترمذی، ابوداؤد، نسائی اور ابوداؤد نے کہا۔ یہ حدیث اس معنٰی پر صحیح نہیں۔[۲]

⁂ ⁂ ⁂

[۱] علقمہ بن قیس بن مالک رضی اللہ عنہ۔ آپ اکابر فقہا اور مشہور تابعین میں سے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں سے ہیں۔ تابعین میں علقمہ چند ہیں جس علقمہ کو حضرت ابن مسعود سے سماع حاصل ہے وہ یہی ہیں یہ علقمہ حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی روایت کرتے ہیں۔

[۲] "یہ حدیث اس معنٰی میں صحیح نہیں"۔ یاد رہے ترمذی نے یہاں دو باب ذکر کیے ایک باب رفع یدین میں دوسرا باب رفع یدین نہ کرنے میں۔ اور اس دوسرے باب میں یہ حدیث لائے ہیں اور کہا اس باب میں حضرت براء ابن عازب سے بھی حدیث آئی ہے۔ اور ابن مسعود کی حدیث حسن ہے۔ اس کے قائل ہیں بہت سے صحابہ اور تابعین اور سفیان ثوری اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے ہاں حضرت عبداللہ ابن مبارک سے پہلے باب میں ایک حدیث نقل کی کہ رفع یدین میں ثابت ہے اور ابن مسعود کی حدیث عدم رفع میں ثابت نہیں۔ مگر اس حدیث کے علاوہ بھی عدم رفع میں بہت اخبار و آثار وارد ہیں۔ جس طرح گزشتہ بیان میں اجمالاً ہم اشارہ کر آئے ہیں۔

۵۴ وَعَنْ اَبِیْ حُمَيْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوحمید[۱] ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو منہ کعبہ کو کرتے اور اپنے ہاتھ اٹھاتے اور اللہ اکبر کہتے۔ (ابن ماجہ)

[۱] مشہور صحابی انصاری ہیں۔ قبیلہ بنی ساعدہ سے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے حافظ ہیں۔

۷۵۵/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ وَفِیْ مُؤَخَّرِ الصُّفُوْفِ رَجُلٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ظہر کی نماز پڑھائی۔ آخری صف میں ایک شخص تھا جس نے نماز ٹھیک طرح نہ پڑھی

فَاَسَآءَ الصَّلٰوۃَ فَلَمَّا سَلَّمَ نَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا فُلَانُ اَلَا تَتَّقِی اللّٰہَ اَلَا تَرٰی کَیْفَ تُصَلِّیْ اِنَّکُمْ تَرَوْنَ اَنَّہٗ یَخْفٰی عَلَیَّ شَیْءٌ مِّمَّا تَصْنَعُوْنَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرٰی مِنْ خَلْفِیْ کَمَا اَرٰی مِنْ بَیْنِ یَدَیَّ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

جب[1] سلام پھیرا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا کہ کیسے نماز پڑھتا ہے۔ تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھ پر تمہارا کوئی عمل چھپا رہتا ہے۔ اللہ کی قسم میں پیچھے[2] بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے کہ اپنے آگے دیکھتا ہوں۔

(احمد)

[1] اس مرد نے سلام پھیرا۔

[2] واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آگے پیچھے دیکھنا خرق عادت (معجزہ) کے طور پر تھا وحی والہام کے ذریعے اور کبھی کبھی تھا ہمیشہ نہ تھا۔ اس کی موید وہ روایت ہے کہ جب آپ کا ناقہ مبارک گم ہو گیا تو آپ کو معلوم نہ ہوا کہ کدھر گیا ہے تو منافقین نے کہا محمد کہتے ہیں کہ میں آسمان کی خبر دیتا ہوں مگر نہیں جانتے کہ ان کا ناقہ کہاں گیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہی جانتا ہوں جس قدر اللہ مجھے بتلاتا ہے۔ ابھی ابھی مجھے میرے پروردگار نے بتایا ہے کہ اونٹنی فلاں جگہ ہے اور اس کی مہار ایک درخت کی شاخ سے الجھی ہوئی ہے۔ یہ بھی آپ نے فرمایا میں بشر ہوں نہیں جانتا کہ دیوار کے پیچھے کیا ہے۔ یعنی خدا تعالے کے بتلانے کے بغیر میں نہیں جانتا۔

اور بلاشبہ نماز چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں سے سب سے افضل وارفع حالت ہے۔ تو اس حالت میں آپ کو انکشاف حقائق اشیاء اور اعیانِ موجودیہ اطلاع اتم اور اکمل ہوتی تھی۔ اور حق تعالیٰ کی ذات میں آپ کا شہود کائنات سے استغراق اور غائب ہونے کا موجب نہ تھا جس طرح کاملین کہ کائنات میں ہوتے ہیں مگر کائنات سے جدا ہوتے ہیں، کا حال ہے۔ مشائخ قدس اللہ سرہم فرماتے ہیں نماز کشف و حضور کا مقام ہے۔ غیبت استغراق اور اضمحلال کا مقام نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان دیکھنے کا آلہ تھا سوراخ کی مانند مگر یہ قول غریب ہے کسی روایت سے ثابت نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

* * *

بَابُ مَا يَقْرَأُ بَعْدَ التَّكْبِيْرِ

ان چیزوں کا باب جو تکبیر کے بعد پڑھی جاتی ہیں

باب ان چیزوں کے بیان میں جو تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھی جاتی ہیں۔ واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں نماز شروع کرنے کے وقت بہت سے اذکار و دعائیں وارد ہیں۔ جیسے انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض اور سبحانک اللھم وغیرہ۔ یہ اذکار شافعیہ کے نزدیک فرائض و نوافل میں سب یا بعض مستحب ہیں اور حنفیہ، اور امام مالک و امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر مذہب میں سبحانک اللھم الی آخرہ پر اکتفا کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ جو کچھ مروی و منقول ہے نماز تہجد پر محمول ہے۔ بلکہ مطلق نوافل کے لیے ہے۔ کذا فی الھدایہ۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سبحانک اللھم اور انی وجہت دونوں جمع کر کے پڑھے جائیں گے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ کا مختار مذہب یہی ہے۔ پھر نمازی کو اختیار ہے کہ انی وجہت کو ثنا کے بعد پڑھے یا پہلے پڑھے۔ مشہور یہ ہے کہ پہلے ثنا سبحانک اللھم پڑھے پھر انی وجہت وجھی للذی الی آخرہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۷۵۲ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ اِسْكَاتَةً فَقُلْتُ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيْرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ مَا تَقُوْلُ قَالَ اَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِیْ وَبَيْنَ خَطَايَایَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰهُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر اور قراءت کے درمیان کسی قدر خاموش رہتے تھے[1]۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر یا رسول اللہ فدا ہوں۔ آپکی تکبیر اور قراءت کے درمیان خاموشی کیسی[2]۔ اس میں آپ کیا کہتے ہیں۔ فرمایا میں کہتا ہوں اللھم باعد بینی الی آخرہ (ترجمہ) الٰہی میرے اور میری خطاؤں کے درمیان ایسی دوری کر دے جیسی تو نے مشرق و مغرب کے درمیان دوری کی[3]۔ الٰہی مجھے خطاؤں سے ایسا پاک اور صاف کر دے جیسا سفید کپڑا میل سے پاک ہو جاتا ہے[4]۔ الٰہی میری خطائیں پانی اور برف اور اولوں سے دھو دے[5]۔

(بخاری و مسلم)

۵۱ ۔ اصل میں لفظ لَیَسْکُتُ یا کی زبر کاف کی پیش سے ہے جیسا کہ مشہور ہے۔ لَیُسْکِتُ یا کی پیش اور کاف کی زیر کے ساتھ بھی روایت ہے۔ دونوں کا معنیٰ ہے۔ خاموش ہو جانا۔ اِسکاتہ ہمزہ کی زیر سے مصدر ہے بمعنیٰ سکوت (خاموش ہونا) روایت ثانی کے مطابق تو یہ مصدر قیاس کے مطابق ہے اور پہلی روایت کے مطابق خلاف قیاس ہے پھر یہاں سکوت سے بلند آواز سے نہ پڑھنا مراد ہے۔ ذکر سے خاموش رہنا مراد نہیں۔

۵۲ ۔ اسکاتک میں مشہور روایت نصب کے ساتھ ہے۔ ایک روایت اسکاتُک بھی ہے۔

۵۳ ۔ دراصل اس میں گذشتہ گناہوں کی توبہ کے ساتھ معافی طلب کرتے ہیں اور بطور تاکید و مبالغہ بخشش کا سوال کرتے ہیں۔

۵۴ ۔ ایک میں نَقِّ قلبی آیا ہے۔ یعنی میرا دل پاک کر دے۔

۵۵ ۔ ان الفاظ کے ساتھ آپ یہ طلب کرتے ہیں کہ گذشتہ تمام گناہوں کے نشانات مٹ جائیں اور آئندہ گناہوں سے حفاظت و عصمت حاصل ہو جائے۔ سفید کپڑے کی تخصیص صفائی میں مبالغہ کی غرض سے ہے کہ اس میں میل زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ معمولی ہو۔ یا فطرت انسانی کی طرف اشارہ ہے جس پر انسان پیدا ہوا ہے۔

۵۶ ۔ ان الفاظ میں مختلف پاک کرنے والی چیزوں اور اقسام مغفرت کی طرف اشارہ ہے۔ اور غسل و طہارت میں مبالغہ ہے۔ ثلج لام ساکن کے ساتھ بَرَد را کی زبر کے ساتھ۔

۷۵۷/۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ الْمَلِكُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ رَبِّيْ وَأَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ جَمِيْعًا إِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور ایک روایت میں ہے جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر کہتے۔ انی وجہت میں نے اپنی ذات کو اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ میں برائیوں سے بیزار ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں بے شک میری نماز میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔[۵۱] اے اللہ تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو میرا رب ہے۔ اور میں تیرا بندہ ہوں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور اپنی خطا کا اقرار کیا[۵۲] تو میری ساری خطائیں

أَنْتَ وَاهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا
يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَاصْرِفْ
عَنِّيْ سَيِّئَهَا لَا يَصْرِفُ عَنِّيْ سَيِّئَهَا
إِلَّا أَنْتَ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ
كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ
أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ
أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ وَإِذَا رَكَعَ
قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ رَكَعْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ
وَلَكَ أَسْلَمْتُ خَشَعَ لَكَ سَمْعِيْ وَبَصَرِيْ
وَمُخِّيْ وَعَظْمِيْ وَعَصَبِيْ فَإِذَا رَفَعَ
رَأْسَهٗ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ
مِلْأَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
وَمِلْأَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ وَإِذَا
سَجَدَ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ
اٰمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ سَجَدَ وَجْهِيَ
لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَصَوَّرَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ
وَبَصَرَهٗ تَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ
ثُمَّ يَكُوْنُ مِنْ اٰخِرِ مَا يَقُوْلُ بَيْنَ التَّشَهُّدِ
وَالتَّسْلِيْمِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ مَا قَدَّمْتُ
وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ
وَمَا أَسْرَفْتُ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ
مِنِّيْ أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ
لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَ
فِيْ رِوَايَةٍ لِلشَّافِعِيِّ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ
وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ

بخش دے۔ بیشک تیرے سوا کوئی بھی خطائیں نہیں بخش سکتا۔ اور مجھے اچھے اخلاق کی ہدایت دے تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور مجھ سے بری عادتیں دور رکھ۔ تیرے سوا برائیاں کوئی مجھ سے دور نہیں کر سکتا۔ مولیٰ کریم میں حاضر ہوں۔ تیری فرمانبرداری پر آمادہ ہوں[3] ساری بھلائیاں تیرے قبضہ میں ہیں۔ اور برائی تیری طرف منسوب نہیں ہو سکتی[4] میں تجھ پر بھروسہ کرتا ہوں[5]۔ تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں۔ تو برکت والا بلندیوں والا ہے۔ میں تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور جب آپ رکوع میں جاتے تو کہتے تیرے لیے رکوع[6] کیا میں نے۔ تجھ پر ایمان لایا میں۔ تیرا مطیع ہوا میں۔ تیرے حضور میری سماعت و بینائی اور میری[7] مینگ اور میری ہڈی اور میرے پٹھے عاجز اور جھکے ہوئے ہیں پھر جب اپنا سر مبارک اٹھاتے تو کہتے اے اللہ ہمارے رب تیری ہی تعریف ہے آسمان اور زمین اور ان کے درمیان بھر کر۔ اور اسکے علاوہ وہ چیز بھر کر جو تو چاہے[8]۔ اور جب سجدہ کرتے تو کہتے۔ الٰہی تیرے لیے میں نے سجدہ کیا[9]۔ تجھ پر ایمان لایا۔ تیرا مطیع ہوا۔ میری ذات نے اُسے سجدہ کیا جس نے اُسے پیدا فرمایا۔ اسے صورت[10] عطا کی۔ اور اس کے کان اور آنکھیں چیریں[11] (پیدا کیں) برکت والا ہے اللہ بہترین پیدا کرنے والا[12] پھر آخر میں التحیات اور سلام کے درمیان کہتے الٰہی میری اگلی پچھلی میری پوشیدہ میری ظاہری خطائیں اور جو زیادتیاں میں نے کیں[13] اور جنہیں تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے سب بخش دے تو ہی آگے بڑھانے والا اور پیچھے دھکیلنے والا ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں (مسلم)

لَا مَنْجَا مِنْكَ وَلَا مَلْجَا اِلَّا اِلَيْكَ تَبَارَكْتَ ۔

اور شافعی کی[۱۴] ایک روایت میں ہے شر تیری طرف منسوب نہیں ہدایت یافتہ وہ ہے جسے تو ہدایت دے۔ میرا تجھ پر بھروسہ اور تیری طرف توجہ ہے[۱۵]۔ تجھ سے کہیں پناہ نہیں تیری ہی طرف ٹھکانہ ہے۔ تو برکت والا ہے۔

۵۱۔ یعنی میں اسلام لانے والوں، حکم کی بجا آوری کرنے والوں اور امر حق کو تسلیم اور اس کی اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں۔ تشریعی امر ہو یا ارادی۔ اور ایک روایت میں جیساکہ تیسری فصل میں آئے گا انا اول المسلمین آیا ہے۔ میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

علماء نے کہا ہے کہ انا اول المسلمین کا مضمون جناب نبوت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے کہ آپ کے ماسوا جو بھی ہیں اسلام کے اندر آپ ان سب سے اول وسابق ہیں۔ ہر پیغمبر اپنی امت سے اسلام میں اول وسابق ہوتا ہے اور قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ آپ کہیں انا اول المسلمین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور سے ان الفاظ کا صادر ہونا درست نہیں بلکہ جھوٹ اور دروغ ہوگا۔ بعض نے کہا اس سے نماز ہی باطل ہو جائے گی۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ اگر انا اول المسلمین کے لفظ سے اس نے آیت قرآن کی تلاوت کا ارادہ کیا۔ اپنی حالت سے خبر دینے کا ارادہ نہ کیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

بندہ ضعیف عفا اللہ عنہ کہتا ہے۔ اگر اس جملہ کو خبر قرار نہ دیں بلکہ اس سے مقصود انشاء اور تجدید اسلام غایت اطاعت وفرمانبرداری کا اظہار ہو تو یہ معنی بھی درست ہے۔ جس طرح بادشاہوں کے خدام شاہی امر وحکم کے وارد ہونے پر کہتے ہیں جناب کا جو فرمان ہوگا اس کی بجا آوری اور اس کی تعمیل اور اس کے آگے سب سے پہلے میں اپنی گردن رکھوں گا۔ ان الفاظ کا مقصد اظہار رغبت واطاعت ہوتا ہے اولیت حقیقی مراد نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم۔

۵۲۔ اور تو نے فرمایا ہے جو بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے میری درگاہ میں آتا ہے میں اس کو بخش دیتا ہوں۔

۵۳۔ اور تیرے دین کی مدد ونصرت کے لیے ہمہ وقت تیار ہوں۔

۵۴۔ یعنی ادب وتعظیم کی بنا پر۔ اگرچہ پیدائش کے اعتبار سے سب کچھ تیری طرف منسوب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کی خلق وآفرینش میں کوئی شر وبرائی نہیں کہ حق سبحانہ وتعالے کے پیدا کرنے میں بے شمار حکمتیں مضمر ہوتی ہیں کہ شر اگر ہے تو مخلوق کے اعتبار سے ہے۔ چنانچہ فرمایا مِن شَرِّ مَا خَلَقَ۔ بعض علماء فرماتے ہیں الشر لیس الیک کا معنی ہے کہ شر وبرائی کسی کو تیرے نزدیک نہیں کر سکتی کہ شر سے قرب الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کا معنی ہے۔ شر تیری درگاہ تک بلند نہیں ہو سکتا اور نہ تیری جناب میں مقام قبولیت حاصل کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ۔ اسی کی طرف کلمات

طیبہ معود کرتے (چڑھتے) ہیں۔

۵۔ یا اس کا معنیٰ ہے میں تیرے ساتھ ہی مرتا ہوں اور تیرے ساتھ ہی جیتا ہوں ۔ اور تیری قدرت کے ساتھ ہی موجود ہوں اور میں نے تیری طرف ہی آنا اور لوٹنا ہے۔ یا میں تیرے ساتھ قائم ہوں اور تیری چاہت و رغبت رکھنے والا ہوں۔

۶۔ لغت میں رکوع کا معنیٰ ہے پشت خم کرنا۔

۷۔ مغز کا ذکر ہڈی سے پہلے کرنے کی وجہ شاید یہ ہے کہ خشوع باطن سے ظاہر کی طرف آتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے اسی نکتے کی بنا پر ہڈی کو پٹھے پر مقدم کیا گیا ہو۔

۸۔ پس تمام زمین اور آسمان اور جو کچھ انکے درمیان وجود میں آنے والا ہے یعنی ممکنات معدومہ جب کہ حق سبحانہ کے کمال قدرت نے آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب مقدورات و ممکنات کو اپنے قبضہ قدرت میں لے رکھا ہے تو پھر سب اس کی حمد و ستائش سے پُر ہونے چاہییں۔

۹۔ اس میں اخلاص عمل کی طرف اشارہ ہے اور یہ کہ میں تجھ پر ایمان لایا تیرا اسلام قبول کیا اور اپنا سب کچھ تیرے سپرد کیا۔

۱۰۔ یعنی میرا چہرہ۔ صراح میں ہے تصویر یعنی صورت عطا کرنا اور پیدا کرنا۔

۱۱۔ مراد سننے دیکھنے کا آلہ ہے۔ یعنی اس نے میرے کان آنکھ پیدا کیے اور چونکہ یہ دونوں اعضا شگاف کی صورت میں ہیں ایسے انہیں چیرنے سے کہا۔

۱۲۔ پیدا کرنے والا صرف وہی ہے اس کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہے لہذا خالق کی جمع ظاہر کے اعتبار سے لائی گئی ہے۔ یعنی تصویریں کھینچنے والوں کے اعتبار سے۔

۱۳۔ یعنی حد اعتدال سے بڑھا ہوں اور اعمال و مال و جاہ وغیرہ میں مجھ سے بے اعتدالیاں صادر ہوئی ہیں۔

۱۴۔ یعنی امام شافعی کی ایک روایت میں والشر لیس الیک کے بعد یہ کلمات آئے ہیں والمھدی الی آخرہ۔

۱۵۔ لفظ منجا الف سے ہے اور ملجا ہمزہ سے کبھی ملجا کو بھی منجا کی موافقت میں الف سے پڑھتے ہیں۔

۳/۵۸ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ فَدَخَلَ الصَّفَّ وَقَدْ حَفَزَهُ النَّفَسُ فَقَالَ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَهٗ قَالَ اَيُّكُمُ الْمُتَكَلِّمُ بِالْكَلِمَاتِ فَاَرَمَّ الْقَوْمُ فَقَالَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور صف میں داخل ہوا اس کا سانس چڑھا ہوا تھا[۱]۔ اس نے کہا اللہ اکبر الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کی تو فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے لوگ خاموش رہے[۲]۔ پھر فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے قوم پھر خاموش رہی پھر فرمایا تم میں سے یہ کلمات کس نے کہے

اَیُّکُمُ الْمُتَکَلِّمُ بِهَا فَاِنَّهٗ لَمْ یَقُلْ بَاْسًا فَقَالَ رَجُلٌ جِئْتُ وَ قَدْ حَفَزَنِیَ النَّفَسُ فَقُلْتُهَا فَقَالَ لَقَدْ رَاَیْتُ اثْنَیْ عَشَرَ مَلَکًا یَبْتَدِرُوْنَهَا اَیُّهُمْ یَرْفَعُهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس نے کوئی بات بری نہیں کہی تب وہ شخص بولا کہ میں آیا اور میرا سانس پھولا ہوا تھا۔ میں نے یہ کلمات کہے فرمایا کہ میں نے بارہ۵۳ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کے لے جانے میں جلدی کر رہے ہیں کہ کون پہلے بارگاہ الٰہی میں پیش کرے۔ (مسلم)

۵۱۔ یعنی اس مرد کو شقت و تھکاوٹ میں ڈال دیا تھا اس کے سانس نے۔ کیونکہ وہ نماز کے لیے بڑا تیز دوڑ کر آیا تھا اصل میں لفظ حَفَزَ حا و فا و زا کے ساتھ۔ بمعنی کسی کو سختی سے ہٹانا۔ جلدی میں ڈالنا۔ اور کسی کو جگہ سے اکھیڑنا۔

۵۲۔ یعنی نماز پڑھنے والے سب لوگ خاموش رہے۔ اس بنا پر کہ شاید ان سے خطا واقع ہو گئی ہے۔ جو خطاب و عتاب کا موجب بن رہی ہے۔ اَرَمَّ ہمزہ و را کی زبر اور میم کی شد کے ساتھ بمعنی خاموش ہونا۔ روایات میں ازم زا اور میم مخفف کے ساتھ بھی آیا ہے ازم کلام سے رک جانے کے معنیٰ میں آتا ہے۔

۵۳۔ بارہ کے عدد کی وجہ اور راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے۔ بعض محققین نے کہا ہے جواہر و اعراض میں سے ہر ایک کے لیے ایک روح مجرد ہوتی ہے جو ان سے پہلے اور انہیں قائم رکھتی ہے۔ تو گویا حروف مذکورہ جن کی تعداد بارہ ہے اکے کررات گرانے، اور الف وہمزہ کا اعتبار نہ کرنے سے کہ الف کی صرف صورت خط میں ظاہر ہوتی ہے۔ لفظ میں ظاہر نہیں ہوتی۔ اور ثانی یعنی ہمزہ کی نہ خط میں شکل ظاہر ہوتی ہے نہ لفظ میں جیسا کہ دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ میں نے تیس اور چند فرشتے دیکھے یعنی مکررات اور الفات کا اعتبار کرتے ہوئے۔ واللّٰہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

٧٥٩/٤ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ قَالَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰی جَدُّكَ وَ لَا اِلٰهَ غَیْرُكَ. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَارِثَةَ وَ قَدْ تُکُلِّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو کہتے۔ سبحانک اللھم اے اللہ تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں برکت والا ہے تیرا نام۔ اونچی ہے تیری شان۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (ترمذی و ابوداؤد) اور ابن ماجہ نے حضرت سعید سے اسے روایت کیا۔

ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کو ہم سوا حارثہ کے اور کسی سے نہیں جانتے۔ اور حارثہ کے حفظ

فِيْهِ مِنْ قِبَلِ حِفْظِهِ ۔

میں کلام ۱ھ ہے۔

۱ھ۔ حارثہ کے حفظ و ضبط میں کلام ہے یعنی حارثہ ایسا شخص ہے کہ حدیث میں اس کا حفظ و ضبط قوی نہیں۔

واضح ہو کہ سبحانک سے نماز شروع کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین سے ثابت ہے۔ اَجلّہ علماءِ حدیث اس کے قائل ہیں۔ جیسے سفیان ثوری، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ اور علماء ائمہ حدیث نے اسے روایت کیا ہے اور بے شمار علماء تابعین ان طرف گئے۔ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ اور دوسرے مجتہدین نے اسے اختیار کیا۔ ترمذی نے بھی اپنی جامع میں کہا کہ اس باب میں حضرت علی حضرت عائشہ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت جابر حضرت جبیر بن مطعم اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے حدیث آئی ہے اور تابعین وغیرہم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ غایت درجہ یہ ہے کہ امام ترمذی ابوسعید کی جو حدیث حارثہ سے لائے ہیں اس میں کلام ہے۔ اور یہ چیز صحت حدیث کو کوئی نقصان نہیں دیتی۔ کہ دوسرے طرق سے اس کی صحت ثابت ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سبحانک اللہم سے نماز شروع کرنا صحیح، ثابت اور ہمیشہ معمول بہ ہے۔ اس کے ساتھ کچھ اور دعائیں بھی آئی ہیں۔ اس مقام پر مزید گفتگو شرح (عربی) میں کی گئی ہے وہاں مطالعہ کریں۔

۷۶۰/۵ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ ۱ھ اَنَّهٗ رَاٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةً قَالَ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ بُكْرَةً ۲ھ وَّاَصِيْلًا ثَلٰثًا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ مِنْ نَّفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ وَهَمْزِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَّذَكَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَقَالَ عُمَرُ نَفْخُهُ الْكِبْرُ وَنَفْثُهُ الشِّعْرُ وَهَمْزُهُ الْمَوْتَةُ ۔

حضرت جبیر ۱ھ بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا آپ نے کہا اللہ اکبر الی آخرہ اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے اللہ ہی کیلیے سب تعریفیں ہیں اللہ ہی کیلیے سب تعریفیں ہیں اور اللہ ہی کیلیے سب تعریفیں ہیں اور سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا صبح ۲ھ و شام اللہ ہی کی پاکی بولتا ہوں (تین بار) میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان سے اسکے تکبر سے اسکے شعروں سے اسکے وسوسوں ۳ھ سے (ابوداؤد وابن ماجہ) مگر ابن ماجہ نے الحمد للہ کثیرا کا ذکر نہ کیا۔ اور آخر میں کہا من الشیطان الرجیم۔ حضرت عمر ۴ھ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ شیطان کا نفخ تکبر ہے نفث شعر اور ہمز وسوسہ ہے۔

۱ھ۔ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ قرشی نوفلی ہیں۔ عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔ ان کے حالات متعدد جگہ ذکر ہو چکے ہیں۔

۲ھ۔ ان دو اوقات کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ ان میں دن و رات کے ملائکہ کے جمع ہونے کی فضیلت پائی جاتی ہے۔

۳؎۔ یعنی شیطان کے نفخ اس کے نفث اور اس کے ہمز سے پناہ لیتا ہوں۔ نفخ سے تکبر اور خود پسندی مراد ہے جس میں وہ انسان کو ڈالتا ہے۔ اور یہ تکبر اس میں ڈالتا ہے اور اسے اس کی نگاہ میں بزرگ ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح گویا وہ ابلیس اس میں ہوا بھرتا اور اسے برباد کرتا ہے۔ نفث کا معنیٰ ہے دم کرنا۔ اس سے جادو مراد لیا گیا ہے جو وہ انسان پر کرتا ہے یا اس کے کرنے کا باعث بنتا ہے۔ یہ معنیٰ زیادہ مناسب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے کہ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ کہ اس سے ساحر عورتیں مراد ہیں۔ بعض نے کہا نفث سے شعر مراد ہیں جو انسان کے حاشیہ خیال میں آتے اور وہ اس کے اندر ڈالتا اور اس کی زبان سے نکلواتا ہے۔ یعنی برے اشعار جو کفر و فسق کے معانی اور اہل اسلام کی ہجو و مذمت پر مشتمل ہوں۔

اور ہمز سے مراد لوگوں کی غیبت کرنا، ان کے عیب بیان کرنا اور ان کی نکتہ چینی ہے۔ بعض نے کہا ہمز شیطان سے اس کے وسوسے مراد ہیں۔ جو وہ لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالےٰ کے قول اَعُوْذُ بِکَ مِنْ ہَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ سے اس کے وسوسے اور خطرات مراد لیے گئے ہیں۔

۴؎۔ راوی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان تین الفاظ کی تفسیر میں نقل فرمایا کہ آپ نے فرمایا نفخ شیطان کا کبر ہے۔ نفث اس کا شعر، ہمز مرگی کے مانند ایک بیماری ہے۔ یہ بیماری جس انسان کو لاحق ہوتی ہے۔ اسے مردے کی طرح زمین پر ڈالے رکھتی ہے۔ اگر تفسیر کی یہ روایت صحت پر مبنی ہو تو پھر متعین ہو گیا کہ اس لفظ سے مراد یہی معنیٰ ہے۔ جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

۱۱۷/۶ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ اَنَّهٗ حَفِظَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكْتَتَيْنِ سَكْتَةً اِذَا كَبَّرَ وَسَكْتَةً اِذَا فَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ فَصَدَّقَهٗ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت سمرہ[۱] بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو سکوت یاد رکھے۔ ایک خاموشی جب تکبیر[۲] کہتے اور دوسری خاموشی جب غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سے فارغ ہوتے[۳] حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آپ کی تصدیق کی۔ ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ روایت کیا اور دارمی نے اس کی مثل روایت[۴] کی۔

⁂ ⁂ ⁂

۱؎۔ سَمُرَہ سین کی زبر و میم کی پیش بن جُنْدُب جیم کی پیش، دال کی زبر و پیش کے ساتھ مشہور صحابی ہیں۔ کثیر الحدیث ہیں بصرہ میں رہتے تھے۔ حسن بصری اور دوسرے لوگوں نے آپ سے حدیث سنی۔ آپ کے حالات متعدد جگہ بیان ہوئے ہیں۔

۵۲۔ ایک خاموشی جب کہ آپ تکبیر کہتے یعنی اس کے بعد سبحانک اللہم پڑھتے۔ یہاں سکتہ (خاموشی) عدم جہر کے معنی میں ہے۔ مطلق سکوت مراد نہیں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعائے استفتاح (سبحانک اللہم) بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے یہ مقتدیوں کے لیے کرتے تھے تاکہ انہیں سبحانک اللہم پڑھنے کا علم ہو جائے اور وہ اسے پڑھا کریں۔

۵۳۔ اور جب حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو پہنچی جو عظماء صحابہ میں سے ہیں تو انہوں نے اس کی تصدیق کی۔

۵۴۔ واضح ہو کہ پہلا سکتہ (خاموشی) یعنی تکبیر کے متصل بعد متفق علیہ ہے یعنی آئمہ اربعہ وغیرہم اس پر متفق ہیں یہ سکتہ دعائے استفتاح (سبحانک اللہم) پڑھنے کے لیے ہے۔ مگر دوسرا سکتہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے۔ اور امام احمد سے بھی ایک روایت امام شافعی کے مطابق آئی ہے۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا ہے تاکہ مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھ سکیں۔ اور امام کی قراءت کے دوران سورۂ فاتحہ شروع کر کے اس کے ساتھ ٹکراؤ پیدا نہ کریں کہ ایسا کرنے سے ممانعت وارد ہو چکی ہے۔ علماء کرام ایک تیسرا سکتہ بھی بیان کرتے ہیں جو ولا الضالین اور آمین کے درمیان ہوتا ہے تاکہ یہ وہم نہ پڑے کہ آمین فاتحہ میں سے ہے۔ چوتھا سکتہ قراءت سے فارغ ہونے کے بعد ہے۔ تاکہ قراءت اور تکبیر رکوع کے درمیان فرق و امتیاز ہو جائے۔ حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک صرف ایک سکتہ استفتاح ہے یعنی پہلا سکتہ جس میں سبحانک اللہم پڑھتے ہیں اور یہ درحقیقت سکتہ نہیں ہے جیسا کہ بیان ہوا۔

۷۶۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَةِ الثَّانِیَةِ اِسْتَفْتَحَ الْقِرَاءَةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَمْ یَسْكُتْ هٰكَذَا فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ وَ ذَكَرَهُ الْحُمَیْدِیُّ فِیْ اِفْرَادِهٖ وَكَذَا صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنْ مُسْلِمٍ وَّحْدَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوسری رکعت سے اٹھتے تو الحمد للہ رب العالمین سے قراءت شروع کرتے اور خاموش بالکل نہ ہوتے[۱]۔ مسلم میں یوں ہی ہے حمیدی[۲] نے اسے اپنے افراد میں ذکر کیا یوں ہی جامع[۳] والے نے صرف مسلم سے۔

* * *

۱۔ یعنی دعائے استفتاح پڑھنے کے لیے خاموش نہ ہوتے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری رکعت کی ابتداء بسم اللہ سے نہ کرتے تھے۔ شافعیہ رحمہم اللہ جو بسم اللہ کو فاتحہ کا جزو قرار دیتے ہیں اس کی تاویل کرتے ہیں۔ کہ الحمد للہ سے مراد مع بسم اللہ پوری سورۃ مراد ہے) جیسا کہ گزرا۔ یا مراد یہ ہے کہ بسم اللہ بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ رکعت اول سے اٹھنے کا حکم بھی یہی ہے۔ اس حدیث میں دوسری رکعت سے اٹھنے کی تخصیص اس لیے آئی کہ یہاں چونکہ نماز کا

ایک شفع (دو رکعت) پورا ہو جاتا ہے۔ تو وہم ہو سکتا ہے کہ تیسری رکعت کے ابتدا میں بھی شاید دعائے استفتاح پڑھنے کے لیے سکتہ کرتے ہوں۔

۵۲۔ یعنی اس حدیث کو حمیدی نے کتاب جمع بین الصحیحین میں مسلم کے افراد میں ذکر کیا۔

۵۳۔ یعنی اسی طرح صاحب جامع الاصول نے جس نے صحاح ستہ کی احادیث کو جمع کیا، مسلم سے اسے تنہا روایت کیا۔ یہ کلام دراصل مولف کی طرف سے صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ مصنف اسے حسن احادیث میں لایا صحاح میں نہ لایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۷۶۳/۸ عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَفْتَحَ الصَّلٰوةَ كَبَّرَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَعْمَالِ وَأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ وَقِنِيْ سَيِّئَ الْأَعْمَالِ وَسَيِّئَ الْأَخْلَاقِ لَا يَقِيْ سَيِّئَهَا إِلَّا أَنْتَ

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

تیسری فصل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے پھر کہتے۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ الی آخرہ بے شک میری نماز میری قربانی میری زندگی میری موت اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اسکا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اسی کا حکم دیا گیا اور میں پہلا مسلمان ہوں۔ اے اللہ مجھے اچھے اعمال اور اچھے اخلاق کی ہدایت دے کہ اچھی چیزوں کی ہدایت تیرے سوا کوئی نہیں دے سکتا اور مجھے برے اعمال اور بری عادتوں سے بچالے۔ کہ برائیوں سے تیرے سوا کوئی نہیں[1] بچا سکتا۔

(نسائی شریف)

[1] اس حدیث کی شرح فصل اول میں معلوم ہو چکی ہے وہاں لفظ وانا من المسلمین اور یہاں انا اول المسلمین ہے۔ اس فرق کا نکتہ بھی وہاں مذکور ہو چکا۔ یہاں اعمال و اخلاق دونوں کا ذکر ہے وہاں صرف اخلاق کے ذکر کی تخصیص کی اور وہاں اصرف عنی۔ لا یصرف عنی کے الفاظ تھے اور یہاں وقنی ولا یقی ہے۔ دونوں عبارتوں کا معنی ایک ہے محض حسن کلام کے لیے الفاظ الگ لائے گئے ہیں۔

۷۶۴/۹ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا قَالَ

حضرت محمد بن مسلمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نفل نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو کہتے اللہ بہت بڑا ہے میں نے

اللّٰهُ اَكْبَرُ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَذَكَرَ الْحَدِيْثَ مِثْلَ حَدِيْثِ جَابِرٍ اِلَّآ اَنَّهٗ قَالَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ ثُمَّ يَقْرَاُ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

اپنا رخ اسی کی جانب کیا۔ جس نے آسمان و زمین پیدا کیے میں تمام برائیوں سے دور ہوں اور میں مشرکوں[۵۲] میں سے نہیں۔ اور باقی حدیث حضرت جابر کی سی ذکر کی۔ مگر یہ کہا کہ "میں مسلمانوں میں سے ہوں"۔ پھر کہا الٰہی تو بادشاہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ میں تیری حمد کرتا ہوں۔ پھر قراءت[۵۳] فرماتے۔

(نسائی)

۵۱۔ حضرت محمد بن مَسْلَمہ میم اور لام کی زبر اور سین ساکن کے ساتھ۔ آپ انصاری اشہلی ہیں۔ غزوہ تبوک کے سوا تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ غزوہ تبوک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مدینہ منورہ میں چھوڑ کر تبوک گئے۔ فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ حضرت مُصعَب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مدینہ میں اسلام قبول کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آپ نے فتنہ کے ایام میں گوشہ نشینی اختیار کی سنہ ۴۶ھ میں وصال فرمایا۔

۵۲۔ اس کی شرح گذشتہ حدیث گزر چکی۔

۵۳۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد قراءت فرماتے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔ راوی کا مقصود بھی یہاں یہی بیان کرنا ہے کہ قراءت سے آپ سبحانک اللھم پڑھتے تھے۔

بَابُ الْقِرَاْءَةِ فِي الصَّلٰوةِ

نماز میں قراءت کا باب

نماز میں قراءت جمہور آئمہ و علماء کے نزدیک فرض ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ساری نماز میں۔ امام مالک کے نزدیک تین رکعت میں اکثر کو کل کا حکم دیتے ہوئے۔ احناف کے نزدیک دو رکعت میں۔ امام احمد کا مذہب قول مشہور کے مطابق امام شافعی کے موافق ہے اور ایک روایت میں احناف کے موافق۔ اور امام حسن بصری و امام زُفر کے نزدیک ایک رکعت میں اور ابوبکر اصم و سفیان بن عیینہ کے نزدیک قراءت سنت ہے کہ نماز کی اصل بنیاد افعال پر ہے نہ کہ اقوال پر۔ اسی وجہ سے جب افعال پر قدرت نہ رہے تو نماز ہی ساقط ہو جاتی ہے۔ مگر قول پر قدرت نہ ہو تو ساقط نہیں ہوتی کذافی شروح الھدایہ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

٧٦٥/١ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتٰبِ - مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ - وَفِيْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَصَاعِدًا٢ -

پہلی فصل

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھےلہ اس کی نماز نہیں (بخاری ومسلم) اور مسلم کی روایت میں ہے اس کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ اور کچھ اوپر نہ پڑھے۔

⁂

لہ۔ ام القرآن بھی سورۂ فاتحہ کا نام ہے۔ چونکہ یہ سورۃ مقاصد قرآن (ثنا الٰہی عزاسمہ، امر ونہی کی پابندی کرنے، عبادت بجا لانے اور وعدہ وعید) پر مشتمل ہے یا جبکہ یہ سورۃ کتاب کا مبدء ومفتح ہے (جس سے آغاز وافتتاح کیا جائے) تو گویا یہ سورۃ قرآن پاک کا اصل ومنشا قرار پائی۔

٢۔ یعنی آپ سورۃ فاتحہ اور اس سے کچھ زیادہ پڑھتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھتے تھے اور یہ کہ سورۃ فاتحہ پر کفایت نہ کی جائے۔ بلکہ اس سے زیادہ بھی کچھ پڑھا جائے تو درست ہے۔ امام شافعی اور امام احمد نے ایک روایت کے مطابق اس حدیث کو نماز میں سورۃ فاتحہ کی قراءت فرض ہونے کی دلیل قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں اس آدمی کی نماز ہی کی نفی کر دی جس نے یہ سورت نہ پڑھی۔ ہمارے نزدیک حدیث میں نماز کے کامل ہونے کی نفی مراد ہے کہ قرآن مجید میں فرمایا فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن میں سے وہ پڑھو جو تمہیں آسان ہو۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمایا۔ اِقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ قرآن کا وہ حصہ جو تجھے یاد اور آسان ہے وہ پڑھو۔ پس جس چیز کا پڑھنا فرض ہو۔ وہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن میں جو آسان ہو۔ یعنی سورۃ فاتحہ یا کچھ اور وہ پڑھ لو۔ حقیقت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے کہ اس کے بغیر نماز ناقص ہوتی ہے۔

٧٦٦/٢ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً لَّمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَهِيَ خِدَاجٌ ثَلٰثًا غَيْرُ تَمَامٍ فَقِيْلَ لِاَبِيْ هُرَيْرَةَ اِنَّا نَكُوْنُ وَرَآءَ الْاِمَامِ قَالَ اقْرَأْ بِهَا فِيْ نَفْسِكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو نماز پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھے وہ نماز ناقص لہ ہے۔ (تین بار فرمایا) کامل نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے کہا گیا ہم لوگ امام کے پیچھے ہوتے ہیں۔ فرمایا اپنے دل میں پڑھ لو٢۔ کیونکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ
قَالَ اللهُ تَعَالٰى قَسَمْتُ الصَّلٰوةَ بَيْنِيْ
وَبَيْنَ عَبْدِيْ نِصْفَيْنِ وَلِعَبْدِيْ مَا
سَأَلَ فَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اللهُ تَعَالٰى حَمِدَنِيْ عَبْدِيْ
وَإِذَا قَالَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قَالَ اللهُ
تَعَالٰى اَثْنٰى عَلَيَّ عَبْدِيْ وَإِذَا قَالَ
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قَالَ مَجَّدَنِيْ عَبْدِيْ
وَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ
إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ قَالَ هٰذَا بَيْنِيْ وَ
بَيْنَ عَبْدِيْ وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ فَإِذَا
قَالَ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ
الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ
عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ هٰذَا لِعَبْدِيْ
وَلِعَبْدِيْ مَا سَأَلَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کو فرماتے سنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف بانٹ لیا ہے، اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے، بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی۔ اور جب بندہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی اور جب کہتا ہے مالک یوم الدین تو رب تعالیٰ کہتا ہے یہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، اور جب کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ پھر جب بندہ کہتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب علیہم ولا الضالین تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔

(مسلم)

۵۱۔ خداج خا کی زیر کے ساتھ اونٹنی کا اپنے بچہ کو پیٹ سے اس کی مدت حمل پوری ہونے سے پہلے گرا دینا۔ پھر یہ لفظ مطلق نقصان کے لیے بھی آتا ہے۔

۵۲۔ اس طرح کہ اپنے آپ کو سنوا لو۔

۵۳۔ آدھی میرے لیے ہے اور آدھی میرے بندے کے لیے یعنی حمد و ثنا میرے لیے اور دعا و سوال بندے کے لیے۔

۵۴۔ یہاں نماز سے سورۂ فاتحہ مراد ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کی قرارت کی فرضیت کی دلیل بھی یہی چیز ہے (کہ نماز سے سورۃ فاتحہ مراد ہے) پس جب کہ سورۃ فاتحہ کی یہ شان و عظمت ہے تو اس کی قرارت لازماً نمازی کے ذمہ ہے۔ ہم کہتے ہیں۔ بلکہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ فاتحہ عین نماز اور کل نماز ہے (مبالغۃً) جیسے حج کے لیے فرمایا الحج عرفۃ کہ حج وقوف عرفات کا نام ہے۔ خلاصہ گفتگو یہ کہ نماز کا اہم حصہ (چھوٹا) جزو نماز میں داخل ہوگا۔

اس سے تمہارا حرج نہ ہوگا۔ اس میں غور کرو۔ اس کے بعد بندے اور خدا کے درمیان اپنے قول مبارک سے سورۃ فاتحہ کا نصف نصف ہونا بیان فرمایا۔

۵۵۔ یعنی میرے بندے نے مجھے بزرگ جانا اور میری تعظیم بجالایا۔ مجد وسیع شرف و کرم کو کہتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے مجید وہ ہوتا ہے جو شرف ذات کے ساتھ حسن افعال کا بھی جامع ہو۔ یہ تینوں خاص خدا تعالیٰ کے لیے ہیں۔

۵۶۔ یعنی استعانت و استمداد۔

۵۷۔ یہ تینوں چیزیں بندے کے لیے ہیں۔

۵۸۔ خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کی سات آیات ہیں۔ تین خاص خدا تعالیٰ اور اس کی ثنا کے لیے اور تین بندے کے لیے۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بسملہ نہ فاتحہ میں داخل ہے نہ اس کا جزو ہے۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے ان سات میں ایک آیت صراط الذین انعمت علیہم ہے۔

۷۶۷/۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ كَانُوْا يَفْتَتِحُوْنَ الصَّلٰوةَ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما الحمد للہ رب العالمین سے نماز شروع کرتے تھے[۱]۔

(مسلم)

۱۔ گذشتہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ ظاہر یہ ہے کہ حضور اور صحابہ کرام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھتے تھے۔ لیکن اس کا پڑھنا متفق علیہ ہے۔ کسی کا بھی اس میں اختلاف نہیں۔ دوسری احادیث سے بھی ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بھی یہ تھا کہ آپ بسملہ پڑھتے تھے۔ چاہے بسملہ کو فاتحہ کا جزو بنائیں جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔ چاہے نہ بنائیں۔ جیسا کہ حنفیہ کا مذہب ہے۔ لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اسے اول نماز میں ہی پڑھا جائے گا کہ وہ اسے تعوذ (اعوذ باللہ) کی طرح نماز کا آغاز بناتے ہیں۔ ایک روایت میں اُن کے اور ان کے صاحبین کے مذہب کے مطابق ہر رکعت کے اول اسے پڑھنا چاہیے۔ کہ تسمیہ مفتاح (چابی) قراءت ہے۔ اور قراءت کے بارے میں ہر رکعت مستقل حیثیت رکھتی ہے اس بنا پر بھی ہر رکعت میں بسملہ پڑھی جائے گی کہ احتیاط اسی میں ہے۔ پھر علماء کا اختلاف بھی ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہے یا نہیں۔ فاتحہ و سورت کے درمیان یہ اختلاف نہیں۔ مگر امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک سری نماز میں۔ پس امام شافعی اس حدیث کی تاویل کرتے ہیں کہ الحمد للہ سے تمام سورت مراد ہے۔ جیسا کہ گزرا اور احناف کہتے ہیں کہ مراد جہر کی نفی ہے یہ مراد نہیں کہ بسملہ پڑھی نہ جائے گی۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ اگرچہ جہری نماز ہوتی تھی اور

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے بعض حفاظ سے نقل کیا کہ ایسی کوئی حدیث ثابت نہیں ہو سکی جو بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنے میں صریح ہو، مگر یہ کہ ایسی ہر حدیث کی سند میں کلام ہے۔ اور چار مشہور مسانید والے حضرات نے کوئی حدیث اس میں نہیں لائی حالانکہ ان کی کتب ضعیف احادیث پر بھی مشتمل ہیں۔ اور بے شمار صحابہ، تابعین تبع تابعین وغیرہم کا ذکر کیا، کہ وہ بسم اللہ شریف بلند آواز سے نہ پڑھتے اگر کبھی کبھار کسی سے جہر کی روایت آئی ہے تو وہ تعلیم پر محمول ہے۔ یا مقتدیوں کے صف قریب ہونے کی وجہ سے سنا ہو۔ اور ترمذی نے دو باب منعقد کیے ایک بسم اللہ کے بلند آواز سے پڑھنے کا۔ دوسرا بلند آواز سے نہ پڑھنے کا پھر بلند آواز سے نہ پڑھنے والی احادیث کو ترجیح دی۔ اور اکثر اہل علم یعنی صحابہ میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، وغیرہم اور تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم اسی جانب گئے ہیں۔ اس مقام پر شرح (عربی) میں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی جس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب زیادہ صحیح اور زیادہ راجح ہے۔

۷۶۸ ۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَّنَ الْاِمَامُ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ۔ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِیِّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ وَفِیْ اُخْرٰی لِلْبُخَارِیِّ قَالَ اِذَا اَمَّنَ الْقَارِیُٔ فَاَمِّنُوْا فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ تُؤَمِّنُ فَمَنْ وَّافَقَ تَاْمِیْنُهٗ تَاْمِیْنَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِهٖ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین[1] کہو۔ کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے[2]۔ (بخاری و مسلم) اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا جب امام کہے غیر المغضوب علیہم والضالین تو تم کہو آمین کہ بے شک جس کا کلام (ملائکہ کے کلام) کے موافق ہوا اس کے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ اور مسلم کے نزدیک اس کی مثل ہیں۔ اور بخاری کی دوسری روایت ہے کہ فرمایا جب قاری[3] آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ اور جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کے گذشتہ سب گناہ بخش دیے جائیں گے۔

* * *

[1] جب امام آمین کہے تم بھی آمین کہو۔ حدیث کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ امام سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد جب آمین کہے

تو تم بھی آمین کہو۔ بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ جب امام دعا کرے (اھدنا الصراط المستقیم) تا آخر سورت اور یہی امام کی آمین کہنے کا موقعہ ہے تو تم آمین کہنے کے لیے تیار ہوتا کہ اس کے ساتھ مل کر آمین کہہ سکو۔ جس طرح کہتے ہیں جب بادشاہ کوچ کرے (رخت سفر باندھے) تم بھی کوچ کرو یعنی رخت سفر باندھنے اور اس کی تیاری میں معروف ہو جاؤ۔ تاکہ جب اس کی روانگی کا وقت سر پر آ پہنچے تو تم بھی اس کے ساتھ چل پڑو مگر دونوں باتوں کا حاصل معنیٰ ایک ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ جو فرق محسوس ہوتا ہے یہ کہ ہے کہ اول معنیٰ میں امام کا پہلے آمین کہنا مفہوم ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہو تو ٹھیک ہے جیسا کہ تمام افعال میں امام و مقتدی کا حال ہے کہ امام ذرا پہلے کرتا ہے اور مقتدی اس کے ذرا بعد۔ مگر یہاں آمین کہنے میں مقتدی جلدی کرے کہ امام کے ساتھ موافقت و معیت مستحب ہے (خوب سمجھ لو) اس کے بعد امام اور مقتدی دونوں کے آمین کہنے کی علت اور وجہ بیان کی۔ فانہ من وافق الی آخرہ سے۔

۵۲۔ کہ ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ تو تم بھی آمین کہو۔ کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق پڑھی گی۔ اس کے گذشتہ گناہ بخش دیے جائیں گے۔

۵۳۔ واضح ہو کہ ظاہراً ایسا دکھائی دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں۔ کہ جس بندے کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی اس کی استجابت ہو گی اور اس کی دعائے مغفرت ذنوب قبول ہو گی۔ یہ بات کہاں سے آ گئی کہ یوں کہا جائے کہ حق جل و علا نے مغفرت ذنوب کو اس موافقت کے خصائص اور لوازم میں سے کر دیا ہے۔ اور یہ کہ اس موافقت کی بدولت ہی اجابت دعا بھی ہو گی۔

جواب ہو سکتا ہے کہ ملائکہ کرام آمین کہنے والوں کے لیے دعائے مغفرت بھی کرتے ہوں۔ جیسا کہ تم نے نہیں سنا کہ جو نمازی نماز کی انتظار میں بیٹھتے ہیں ملائکہ ان کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور فرشتوں کا کام ہی درحقیقت مومنوں کے لیے دعا و استغفار کرنا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا۔ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ ملائکہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے اور زمین والوں کے لیے استغفار کرتے ہیں خصوصاً امر خیر کے بجا لانے کے وقت۔ تو حاصل معنی یہ ہوا کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گی وہ بخشا گیا اور جو بخشا گیا اس کی دعا قبول ہو گی (خوب سمجھ لو)

۵۴۔ قاری یعنی امام یا مطلق قاری چاہے نماز میں نہ ہو۔

۵۵۔ آمین بمعنی استجب۔ قبول کر یا ایسا ہی ہو۔ بعض نے کہا آمین اسم الٰہی ہے۔ مراد اللہ تعالٰے سے طلب قبولیت ہے۔ بعض نے کہا جنت میں ایک درجہ ہے کہ آمین کہنے والا اس کا مستحق قرار پائے گا۔ مد و قصر اور میم کی شد کے بغیر دونوں طرح آیا ہے۔ اکثر روایات الف کی مد کی ہیں باقی رہا الف کی مد اور میم کی شد سے پڑھنا تو بعض نے کہا یہ خطا ہے اور تحقیق یہ ہے کہ یہ بھی ایک لغت ہے لیکن قلیل ہے (اس میں غور کرو)

۷۶۹ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّیْتُمْ فَاَقِیْمُوْا صُفُوْفَکُمْ ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ یُجِبْکُمُ اللّٰہُ فَاِذَا کَبَّرَ وَرَکَعَ فَکَبِّرُوْا وَارْکَعُوْا فَاِنَّ الْاِمَامَ یَرْکَعُ قَبْلَکُمْ وَیَرْفَعُ قَبْلَکُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَتِلْکَ بِتِلْکَ قَالَ وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰہُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ یَسْمَعُ اللّٰہُ لَکُمْ۔ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّہٗ عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ وَقَتَادَۃَ وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ نماز[۱] پڑھو تو صفیں[۲] سیدھی کرو پھر تم میں سے کوئی تمہارا امام[۳] بنے، جب وہ تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر جب تکبیر کہے اور رکوع کرے تو تم بھی[۴] تکبیر کہو اور رکوع کرو۔ امام تم سے پہلے رکوع میں جائے گا اور تم سے پہلے سر اٹھائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ اس کے بدلے میں ہوا[۵]۔ اور جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم کہو اللہم ربنا لک الحمد۔ اللہ تمہاری[۶] سنے گا (مسلم) اور مسلم کی ابوہریرہ وقتادہ سے ایک روایت میں ہے۔ کہ جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو[۷]۔

* * *

۱۔ یعنی جب تم لوگ جماعت سے نماز ادا کرو۔ چونکہ حدیث کے الفاظ کے انداز سے جماعت کا پتہ چل جاتا ہے۔ اس لیے صریحًا جماعت کا ذکر نہ کیا۔

۲۔ صف لغت میں دھاگے کو کہتے ہیں۔ اقامت صفوف سے انہیں برابر اور سیدھا کرنا مراد ہے۔ کہ ان میں خلاپن اور فاصلہ نہ رہے۔ صف مکمل کرنے کو بھی صف سیدھے کرنے میں شامل کیا گیا ہے۔

۳۔ یعنی تم میں سے جو بھی تمہارا امام بن جائے ٹھیک ہے۔ اور ایک دوسری حدیث میں جو آیا کہ تمہارا امام اعلم واقر (زیادہ عالم اور اچھا قاری) ہونا چاہیے تو وہ اولیٰ اور افضل کا بیان ہے (اور جواز سب کے لیے ہے)

۴۔ کلمہ فا اس پر دلالت کرتا ہے کہ مقتدی تکبیر و رکوع وغیرہ جو فعل کریں امام کے پیچھے اور متصل پیچھے کریں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں فان الامام یرکع قبلکم الی آخرہ۔ کیونکہ امام کی شان اولیت و سبقت ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ امام و مقتدی دونوں کا زمانہ رکوع ایک ہو۔

۵۔ یعنی وہ لحظہ جس میں امام تم سے پہلے رکوع میں گیا اتنی ہی مقدار میں تمہارا امام کے بعد سر اٹھانا اس کے عوض

ہو جائے گا۔ اس طرح تمہارے اور تمہارے امام کے رکوع دونوں کی مقدار وقت ایک جیسی ہو جائے گی۔ اور دونوں کا زمانہ برابر ہو جائے گا۔

۵۶۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری حمد سنے گا۔ ایک روایت میں وربنا لک الحمد آیا ہے۔ اور ایک روایت میں اللہم ربنا لک الحمد اللہم کے اضافہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور ایک روایت میں اللہم اور واو دونوں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بعض نے کہا یہ روایت صحیح نہیں۔ امام سیوطی نے کہا اس کی روایت عبدالرزاق سے آئی ہے۔ صحیح بخاری میں بھی یہ روایت آئی ہے۔ کشمیہنی کی روایت بھی آئی ہے (سیوطی کا کلام ختم ہوا)

اس حدیث میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل ہے کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد۔ امام مالک و امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ امام بھی دونوں کہے اور مقتدی بھی۔ اور منفرد بھی۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک امام دونوں کہے امام طحاوی کا مختار مذہب یہی ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک ایسی ہی روایت آئی ہے۔ اتنی بات ہے کہ ربنا لک الحمد بلند آواز سے نہ کہے بلکہ اپنے دل میں کہے۔ اکیلا نماز پڑھنے والا دونوں کہے۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور ایک پر اکتفا کرے تو بھی جائز ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ربنا لک الحمد پر اکتفا کرے اور جب دونوں کو جمع کرے تو سمع اللہ لمن حمدہ سر اٹھاتے وقت پڑھے اور ربنا لک الحمد حالت قیام میں تمرتاشی نے حنفیہ کی طرف سے ایسا ہی کہا ہے اور کہا اگر سمع اللہ لمن حمدہ رکوع سے سر اٹھاتے وقت نہ کہا تو حالت قیام میں نہ کہے بعض نے کہا اس حالت میں بھی دونوں کہہ لے۔

۵۷۔ جب امام قرأت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔ اور کان لگا کر سنو۔ یہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ مقتدی کے لیے امام کی اقتدا میں قرأت کرنا منع ہے۔ اور یہ کہ اس پر قرأت واجب نہیں رہتی جہری نماز ہو یا سری فصل ثانی کے آخر میں اسی مسئلہ میں مفصل کلام آ رہا ہے۔

۷۷۰/۶ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِی الظُّهْرِ فِی الْاُوْلَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتٰبِ وَسُوْرَتَيْنِ وَفِی الْاُخْرَيَيْنِ بِاُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الْاٰيَةَ اَحْيَانًا وَيُطَوِّلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى مَا لَا يُطِيْلُ فِی الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ وَهٰكَذَا فِی الْعَصْرِ وَهٰكَذَا فِی الصُّبْحِ۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں[۱] پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی ہم کو کوئی آیت سنا[۲] دیتے تھے۔ اور پہلی رکعت میں کسی قدر درازی کرتے۔ جو دوسری رکعت میں نہ کرتے یوں ہی عصر میں اور یونہی صبح میں کرتے[۳]

* * *

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (بخاری ومسلم)

ف۱۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور ایک سورۃ پڑھتے تھے۔

ف۲۔ یعنی جو سورت آپ پڑھتے کبھی کبھی اس کی آیات میں سے کوئی آیت ہمیں سناتے تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سنانا قصد وارادہ سے ہوتا تھا یہ بتلانے کے لیے کہ فاتحہ کے بعد بھی پڑھا جائے۔ یا یہ بتلانے کے لیے کہ فلاں سورۃ پڑھی ہے یا بیان جواز کے لیے آپ نے ایسا کیا کہ اگر سری نماز میں کوئی ایک آیت بلند آواز سے پڑھی گئی تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ بعض کہتے ہیں آپ کا ایسا کرنا آیات میں تدبر کرتے ہوئے غلبہ استغراق پر محمول ہے کہ یہ جہر بے اختیار ہو جاتا تھا مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ سنانا قصد وارادہ سے ہوتا تھا اور ظہر کی قید اتفاقی ہے۔

ف۳۔ واضح ہو کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو لمبا کرنا ائمہ ثلاثہ کا مذہب ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ ظہر وعصر اور صبح میں تو اس بارے میں ان سے نص ہے۔ اور مغرب وعشا کو ان پر قیاس کرتے ہوئے اور عبدالرزاق نے معمر سے اس حدیث کے آخر میں کہا ہم لوگ گمان کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلی رکعت کو لمبا کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ لوگ رکعت اولی پالیں۔ ابوداؤد اور ابن خزیمہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک یہ نماز فجر کے ساتھ خاص ہے کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے ورنہ دونوں رکعتیں استحقاق قراءت میں برابر ہیں۔ اس لیے مقدار میں بھی برابر ہونا چاہیے۔ جیسا کہ آخری حدیث میں آیا ہے کہ ہر رکعت میں تیس آیات کے مقدار ہوتا تھا۔ اور حدیث میں (ہر نماز) کے بارے میں پہلی رکعت کی جو لمبائی مذکور ہے وہ سبحانک، اعوذ باللہ، اور بسم اللہ پر محمول ہے اور اس صورت پر کہ تین آیات سے کم پڑھی جائیں۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ کی شرح میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱؎ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كُنَّا نَحْزُرُ قِيَامَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ فَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِى الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ قَدْرَ قِرَاءَةِ الٓمّٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ وَفِىْ رِوَايَةٍ فِىْ كُلِّ رَكْعَةٍ قَدْرَ ثَلٰثِيْنَ اٰيَةً وَحَزَرْنَا قِيَامَهٗ فِى الْاُخْرَيَيْنِ قَدْرَ النِّصْفِ مِنْ ذٰلِكَ وَحَزَرْنَا فِى الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ۱؎ ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہر وعصر کے قیام کا اندازہ لگاتے تھے۔ تو ہم نے آپ کی ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ الم تنزیل پڑھنے ۲؎ کے بقدر لگایا۔ ایک روایت میں ہے ہر رکعت میں تیس ۳؎ آیات کی مقدار اور ہم نے آخری دو رکعتوں میں قیام کا اندازہ لگایا اس سے آدھے کا لگایا ۴؎۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے قیام کے بقدر اندازہ لگایا۔ اور عصر کی آخری رکعتوں

مِنَ الْعَصْرِ عَلٰی قَدْرِ قِیَامِہٖ فِی
الْاُخْرَیَیْنِ مِنَ الْاُخْرَیَیْنِ مِنَ
الْعَصْرِ عَلَی النِّصْفِ مِنْ ذَالِكَ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

میں اس سے آدھا۔
(مسلم)

* * *

[۱] ۔ اصل میں لفظ حزر استعمال ہوا ہے۔ حائے مہملہ پھر زا اس کے بعد را کے ساتھ اس کا معنی ہے کھیت میں موجود فصل اور درخت پر میوہ کا اندازہ لگانا۔

[۲] ۔ اس سے مراد اس سورۃ کی مقدار آیات کا پڑھنا ہے۔ دو رکعتوں میں یا ایک رکعت میں اس دوسرے معنی کے موافق ہے۔ یہ اگلا لفظ یعنی فی روایۃ کُلِّ رکعۃٍ قدر ثلاثین آیہ یعنی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ ہر رکعت میں آپ تیس آیات کی مقدار پڑھتے تھے۔ کہ اس سورۃ کی انتیس آیات ہیں۔ یعنی اول کے مطابق یہ پہلی روایت کے مخالف ہوگی۔

[۳] ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری دو رکعت میں بھی آپ سورۃ پڑھتے تھے۔ مگر پہلی دو کی نسبت مختصر ہوتی تھیں۔

[۴] ۔ واضح ہو کہ تمام آئمہ اس امر کے قائل ہیں کہ آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ پر کفایت کرنا جائز ہے۔ احناف کے نزدیک اگر ایک بار تسبیح کہے یا خاموش رہے تو بھی جائز ہے۔ مگر قراءت افضل ہے۔ امام نخعی امام ثوری اور کوفہ کے تمام علماء اسی پر ہیں۔ محیط میں ہے اگر دانستہ خاموش رہا۔ تو یہ اس نے اچھا نہ کیا۔ کہ یہ سنت کی مخالفت ہے اور حسن بن زیاد کی ایک روایت میں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے ہے کہ پہلی دو رکعت کے مابعد قراءت واجب ہے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی و ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا پہلی دو رکعت میں قراءت کرو اور آخری دو میں تسبیح پڑھو۔ جیسا کہ شمنی نے ذکر کیا۔ یہ بھی کہا کہ آخری دو رکعت میں اگر کسی نے فاتحہ اور سورۃ پڑھی تو سجدہ سہو نہ ہوگا۔ یہی اصح ہے کیونکہ آخری دو رکعت میں صرف فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ اور ترک سورۃ واجب نہیں ہے۔ امام احمد کے نزدیک اصح یہ ہے کہ آخری دو رکعت میں سورۃ کا پڑھنا مکروہ نہیں ہے کہ تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی آخری دو رکعت میں فاتحہ سے زائد بھی پڑھتے تھے۔ لیکن مستحب یہی کہ سورۃ نہ پڑھی جائے۔

۴۷۲/۸ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ کَانَ
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ
فِی الظُّھْرِ بِاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَفِیْ
رِوَایَۃٍ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی
وَفِی الْعَصْرِ نَحْوَ ذَالِكَ وَفِی الصُّبْحِ

حضرت جابرؓ بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر میں واللیل اذا یغشیٰ پڑھتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ سبح اسم ربک الاعلی[۱] اور عصر میں اسی طرح اور فجر میں اس سے کچھ[۲] دراز

اَطْوَلَ مِنْ ذَالِكَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

۱ے۔ سَمُرہ سین کی زبر اور میم کی پیش کے ساتھ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے والد حضرت سمرہ صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زادہ ہیں۔ حضور علیہ السلام اور حضرت عمر اور حضرت علی سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

۲ے۔ اس بات کا علم کہ آپ یہ دو سورتیں پڑھتے تھے یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلانے سے ہوا۔ یا آپ نے کبھی کبھی بلند آواز سے پڑھ کر کوئی آیت سنوا دی۔

۳ے۔ واضح ہو کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں فلاں فلاں سورت پڑھتے تھے۔ یہ بیان کیے بغیر کہ پہلی رکعت میں یا دوسری میں یا کسی رکعت میں لا علی تعیین پہلی میں یا دوسری میں۔ یہ عبارت ان تمام احتمالات کو شامل ہے۔ مگر اسے دونوں رکعتوں پر محمول کرنے سے ایک تو تکرار سورۃ دوسرا سورتوں کو چھوٹے چھوٹے حصے بنانا لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں باتیں بعید ہیں اگرچہ جائز ہیں۔ مگر اس کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نادر ہے۔ فقہا نے کہا ہے ایک سورۃ کا پڑھنا اگرچہ چھوٹی ہو افضل ہے اس سے کہ لمبی سورۃ پوری پڑھی جائے بلکہ اس کا کچھ حصہ پڑھا جائے۔ یہاں قراءت سے ایک رکعت میں خواہ پہلی ہو یا دوسری، عبارت کے اعتبار سے یہ سب سے ظاہر اور واضح احتمال ہے۔ جامع الاصول میں نسائی کی حدیث سے قطیبہ بن ملک سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز صبح ادا کی۔ اور آپ نے اس کی ایک رکعت میں والنخل باسقات پڑھی۔ اگرچہ ترمذی میں فی الرکعۃ الاولی کا لفظ واقع ہوا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد رکعت اول ہو کہ اکثر احادیث میں رکعت اولی کا بیان آیا ہے۔ اور میں نے ائمہ حنفیہ کے ثقہ فقہائے مکہ معظمہ سے سنا ہے کہ فقہاء نے طوال مفصل اور اوساط و قصر کی تعیین جو کی ہے وہ رکعت اولی سے متعلق ہے۔ یہ بیان و تفصیل جو یہاں کی گئی ہے کسی بھی شرح میں نظر سے نہیں گزری۔ غور کرو۔ واللہ اعلم۔

۷۷۳ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِى الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جبیر بن مطعم ۱ے رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں سورۂ طور پڑھتے سنا۔

(مسلم بخاری)

۱ے۔ مُطعِم میم کی پیش، طائے مہملہ عین کی زیر کے ساتھ صحابی ہیں قرشی ہیں اشراف قریش میں سے ہیں سردار بردبار اور بڑے باوقار انسان تھے۔

۷۷۴ وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ بِنْتِ الْحَارِثِ

حضرت ام الفضل ۱ے بنت الحارث رضی اللہ عنہا سے

قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں والمرسلات عرفًا پڑھتے سُنا۲؎۔

(بخاری و مسلم)

۱؎۔ ام الفضل رضی اللہ عنہا حضرت عباس کی زوجہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس و فضل بن عباس کی والدہ ہیں۔

۲؎۔ واضح ہو کہ ان دو احادیث اور ایک اور حدیث میں جو واقع ہوا کہ آپ نے مغرب کی نماز میں سورۃ اعراف و انفال اور دخان پڑھی۔ اسی طرح وہ احادیث جو دوسری نمازوں میں واقع ہوئی ہیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کوئی قراءت متعین نہیں۔ حالانکہ ائمہ فقہاء نے قرار دیا ہے کہ فجر و ظہر میں طوال مفصل اور عصر و عشاء میں طوال اوسط اور مغرب میں مختصر سورتیں پڑھی جائیں۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی حدیث میں آ رہا ہے کہ کوئی سورت مفصل نہیں نہ صغیر نہ کبیر۔ اور میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے ان کے ساتھ لوگوں کی نماز فرض میں امامت کی ہو۔ فقہاء کرام کی ان سورتوں کی تعیین کی دلیل دراصل حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ خط ہے جو آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا جب کہ وہ آپ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے۔ اس میں آپ نے یہ تفصیل لکھی تھی۔ اس بنا پر ان مخصوص قراءت (طوال مفصل، اوسط اور اقصر کی تعیین ہوئی) مختصر یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں قراءت کا معاملہ کم یا زیادہ ہونے میں مختلف تھا۔ اور یہ اختلاف حالات، اوقات، حکمتوں، مصلحتوں اور تعلیم جواز و رخصت کے باعث مختلف تھا۔ اس کے بعد یہ معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے خط مبارک کے مطابق متعین ہوا۔ اس دلیل و سماع کی بنا پر جو آپ کو حضرت نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ملی ہوگی۔ ہو سکتا ہے غالب حالات و اوقات میں آپ کی قراءت ایسی ہی ہو اور کبھی کبھی آپ نے اس کے خلاف کیا ہو۔ اور دلیل و حجت کے لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول مبارک کافی ہے۔

۵۷۷ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّیْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ثُمَّ يَاْتِیْ فَيَؤُمُّ قَوْمَهٗ فَصَلّٰى لَيْلَةً مَّعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَآءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَاَمَّهُمْ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَانْحَرَفَ رَجُلٌ فَسَلَّمَ ثُمَّ صَلّٰى وَحْدَهٗ وَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تھے۔ پھر آ کر اپنی قوم کی امامت کراتے۔ ایک رات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھی۔ پھر اپنی قوم میں آئے ان کے امام بنے اور سورۃ بقر شروع کر دی۔ ایک شخص پھر گیا اور

انْصَرَفَ فَقَالُوْا لَهٗ اَنَافَقْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا وَاللّٰهِ وَلَاٰتِيَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَاُخْبِرَنَّهٗ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا اَصْحٰبُ نَوَاضِحَ نَعْمَلُ بِالنَّهَارِ وَاِنَّ مُعَاذًا صَلّٰى مَعَكَ الْعِشَآءَ ثُمَّ اَتٰى قَوْمَهٗ فَافْتَتَحَ بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فَاَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى مُعَاذٍ وَّقَالَ يَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنْتَ اِقْرَاْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

اس نے سلام پھیر[1] کر اکیلے نماز پڑھی اور چلا گیا لوگوں نے کہا اے فلاں کیا تو منافق ہو گیا[2] بولا نہیں رب کی قسم[3] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جاؤں گا اور آپ کو یہ خبر ضرور[4] دوں گا[5]۔ پھر وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ اونٹ والے ہیں۔ دن بھر کام کرتے ہیں اور بے شک معاذ نے آپ کے ساتھ نماز عشا پڑھی۔ پھر اپنی قوم میں آئے اور سورۃ بقر شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ پر متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے معاذ کیا تم فتنہ گر ہو[6]۔ الشمس وضحھا۔ والضحٰی۔ واللیل اذا یغشٰی اور سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھا کرو[7]۔

(بخاری ومسلم)

---

[1] ۔ یعنی اس نے نماز توڑ دی اور اس سے باہر نکل آیا۔ یہ مقام سلام پھیرنے کا نہ تھا کہ اس کا مقام آخر نماز ہے۔ مگر اس مرد نے چاہا کہ سلام کے ساتھ نماز سے باہر ہو نماز مکمل ہو جانے کے ساتھ تشبیہ دیتے ہوئے۔

[2] ۔ کہ تو جماعت سے باہر آگیا ہے اور تو نے نماز سے سستی کی ہے۔ جیسا کہ منافقین کے بارے میں ہے۔ وَاِذَا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالٰی۔ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں جی ہارے کھڑے ہوتے ہیں۔

[3] ۔ اور میں سستی اور کسل کی وجہ سے نماز سے باہر نہیں آیا۔ بلکہ ناطاقتی کی وجہ سے اور میں اس لمبی نماز کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور میں اتنی دیر کھڑا نہیں رہ سکتا۔

[4] ۔ ہم لوگ اونٹوں والے ہیں کہ ان کے ساتھ پانی کھینچتے ہیں۔ نَوَاضِح ناضحۃ ضاد نکتہ والے کے ساتھ۔ ناضح پانی کھینچنے والا اونٹ ناضحہ اس کی مونث۔

[5] ۔ اور ہم رات کو تھک جاتے ہیں۔

[6] ۔ یعنی اے معاذ کیا لوگوں کو فتنہ میں ڈالنے والا ہے۔ اور انہیں جماعت سے بھگانے والا ہے اور اختلاف ڈال کر ان میں فساد برپا کرنے والا ہے اور لوگوں کو دین سے دور کرنے والا ہے۔

۷؎۔ واضح ہو کہ حضرت شوافع نے اس حدیث سے یہ دلیل اخذ کی ہے کہ فرض نماز پڑھنے والا نفل نماز پڑھنے والے کی اقتداء کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ حضرت معاذ جب ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کر چکے تو ان کے ذمہ سے فرض ساقط ہو گئے۔ پس جو نماز وہ قوم کے ساتھ آ کر پڑھتے تھے وہ نفل تھی۔ قوم کی نماز فرض تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کے فعل کو ثابت رکھتے ہوئے یہ اعتراض کیا کہ تو نے قراءت دراز کیوں کر دی ہے۔ اور یہ نہ فرمایا کہ تیرا ان لوگوں کی امامت کرانا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تیری نماز نفل ہوتی ہے۔ اور وہ فرض ادا کر رہے ہوتے ہیں۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ یہ دلیل اس وقت تمام ہو سکتی ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں کہ معاذ میری اقتداء میں نماز ادا کرتا ہے۔ اور فرض نماز ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد جا کر اپنی قوم کی امامت کرتا ہے۔ شاید آپ کو اس صورت حال کا علم نہ ہو۔ اس پر امام احمد کی ایک حدیث دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے معاذ فتنہ انداز نہ بن یا تو میرے ساتھ نماز ادا کر یا اپنی قوم کے لیے نماز میں تخفیف کر۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو کاموں کو لفظ یا سے بیان فرمایا اور دو کاموں میں سے ایک کام شروع اور جائز قرار دیا یعنی یا تو ہماسے ساتھ نماز پڑھ اور پھر لوگوں کے ساتھ جا کر نہ پڑھ کہ اس سے فرض والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے لازم آتی ہے یا قوم کے ساتھ جا کر نماز ادا کر۔ اور ہلکی نماز ادا کر۔ اور جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا نہ کریں گے۔ تو وہ بھی فرض نماز پڑھنے والے ہو گئے تو اقتدا فرض والے کی فرض والے کے پیچھے ہو گی۔ شیخ ابن الہمام علیہ الرحمۃ نے ایسا ہی ذکر کیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نفل نماز کی نیت کرتے ہوں۔ تاکہ آپ کے ساتھ جماعت کی فضیلت پائیں۔ اور فرض نماز اپنی قوم کے ساتھ بعد میں پڑھتے ہوں۔

۸۷۶/۱۲ وَعَنِ الْبَرَآءِ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْعِشَآءِ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَمَا سَمِعْتُ اَحَدًا اَحْسَنَ صَوْتًا مِّنْهُ
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء۱؎ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں والتین والزیتون پڑھتے سنا اور آپ سے زیادہ خوش آواز کسی کو نہ سنا۲؎۔
(بخاری و مسلم)

۱؎۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ جمل، صفین اور نہروان کی جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی رہے۔ مصعب بن الزبیر کے زمانہ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

۲؎۔ بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے تو آپ نے عشاء کی دو رکعتوں میں سے ایک میں سورۃ والتین پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو رکعتوں میں سے کسی ایک رکعت کی قراءت کا ذکر ہے۔ جیسا کہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہم نے کہا۔ اور اسے ہم نے تمام احتمالات سے زیادہ ظاہر احتمال قرار دیا۔

۱۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْفَجْرِ بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَنَحْوِهَا وَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ بَعْدُ تَخْفِيْفًا ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں ق والقرآن المجید اور اس جیسی سورتیں پڑھا کرتے تھے پھر بعد میں آپ کی نماز کچھ ہلکی ہو گئی

(مسلم)

۱۔ یعنی ق اور اس جیسی سورتیں فجر میں پڑھتے تھے۔

۲۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے بعد (علاوہ) باقی چار نمازیں ہلکی پڑھتے تھے علماء نے کہا ہے فجر کی قراءت لمبی کرنے کا سبب و وجہ یہ تھی کہ رحمت ربانی کا نزول اور فیض رحمانی کا ورود جو رات کے آخری تیسرے حصے سے شروع ہوتا ہے وہ فجر کی نماز کے اختتام تک اور ایک روایت کے مطابق طلوع فجر تک رہتا ہے۔ لہذا اس وقت قراءت و ذکر و تسبیح زیادہ بہتر و افضل ہے۔ یا نماز صبح میں قراءت دراز کرنے کی وجہ تھی کہ استراحت و نیند کے بعد جو راحت نصیب ہوئی اور اس استراحت کی وجہ سے جو خدمت میں کوتاہی واقع ہوئی اور جو کدورت و زنگ دل کے آئینے پر بیٹھ گیا تو قراءت کا لمبا کرنا اس کی تلافی کا موجب اور اس کوتاہی کا عذر اور اس زنگ و کدورت کا ازالہ ہے مزید یہ کہ امور معاش اور اسباب کی مشغولیت بھی ابھی نہیں ہوتی۔ اور انسان کے لیے یہ ایک ایسا وقت ہے کہ دل و جان اور کان کے موافق ہوتا ہے۔ اس وجہ سے قرآن حکیم کا فہم اور اس میں تدبر آسان تر اور روشن تر ہوتا ہے۔ شرح سفر السعادۃ میں اس سے بڑھ کر کئی اور نکتے بیان کر دیے گئے ہیں ہم نے یہ مذکورہ گفتگو بھی وہاں کی ہے۔

ہمارے حدیث کے شیخ مشائخ جناب امام حجر مکی نے اس عبارت کی شرح میں کہا کہ اس امر کا احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز اس زمانہ کے بعد ہلکی ہو گئی یعنی اول ہجرت میں جب کہ صحابہ کم اور محدود تھے۔ اس وقت آپ قراءت لمبی کرتے تھے۔ بعد میں جب صحابہ کرام تعداد میں زیادہ ہو گئے اور ان میں کام کاج والے۔ تجارت و زراعت پیشہ اور ضعیف و بیمار لوگ بھی شامل ہو گئے تو آپ نے قراءت ہلکی کر دی۔ اور یوں کہنا بھی ممکن ہے کہ عبارت کا معنیٰ یہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قراءت دراز کرنے کے باوجود صحابہ کرام اُسے ہلکی اور مختصر خیال کرتے تھے۔ اس ذوق و حضور و لذت کے باعث جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سننے سے حاصل ہوتی تھی کہ آپ کی قراءت تھوڑے وقت میں زیادہ اور جلدی معلوم ہوتی تھی۔ حدیث انس میں اس معنیٰ کی تصریح بھی موجود ہے کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَخَفَّ صَلٰوةٍ فی تمام یعنی مکمل قراءت کے باوجود آپ کی قراءت ہلکی محسوس ہوتی تھی۔ صاحب سفر السعادۃ نے فرمایا کہ اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ آپ کی مبو

نماز بھی دوسروں کی نمازوں کے مقابلے میں بہت ہلکی محسوس ہوتی تھی۔ اس وجہ سے جس کا ذکر ہوا۔ (یعنی وفور لذت کی بنا پر) اور کسی چیز کا ہلکا ہونا ایک اضافی امر ہے۔ (اسے سمجھو)

۴۴۸
۱۴ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِي الْفَجْرِ وَ اللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو؎۱ بن حریث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز فجر میں وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ پڑھتے سنا؎۲۔

(مسلم)

؎۱ عمرو بن حریث۔ حریث حا کی پیش را کی زبر بعد ثا۔ آپ کی کنیت ابو سعید ہے قرشی مخزومی ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا آپ نے ان کے سر مبارک پر اپنا دست پاک پھیرا تھا اور ان کے لیے خیر و برکت کی دعا کی تھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ بارہ سال کے تھے۔ حضرت ابو بکر اور حضرت ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ اور ان سے عطاء بن السائب وغیرہ

؎۲ اور سورۃ اذا الشمس کورت ہے جس میں یہ کلمہ آیا ہے۔

۴۴۹
۱۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّائِبِ قَالَ صَلّٰى لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصُّبْحَ بِمَكَّةَ فَاسْتَفْتَحَ سُوْرَةَ الْمُؤْمِنِيْنَ حَتّٰى جَآءَ ذِكْرُ مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ اَوْ ذِكْرُ عِيْسٰى اَخَذَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْلَةٌ فَرَكَعَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبد اللہ؎۱ بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ میں نماز پڑھائی۔ سورۃ مومنون شروع کی حتی کہ موسیٰ و ہارون یا عیسیٰ کا ذکر آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانسی آ گئی تو رکوع فرما دیا۔

(مسلم)

؎۱ عبد اللہ بن السائب صحابی ہیں مخزومی ہیں۔ اہل مکہ نے قراءت ان سے سیکھی۔ اور انہوں نے ابی بن کعب سے۔ ان سے مجاہد عطاء نے اور عبد اللہ بن السائب جو تابعی ہے وہ دوسرا شخص ہے۔

؎۲۔ یعنی مکہ معظمہ میں صبح کی نماز نسائی کی ایک روایت میں ہے فتح مکہ کے دن۔ اور آپ نے سورۃ قد افلح المومنون پڑھنا شروع کی۔

؎۳۔ سُعلہ سین کی زبر اور پیش اور عین ساکن کے ساتھ یعنی کھانسی۔ کہتے ہیں یہ کھانسی گریہ کی وجہ سے لاحق ہوئی تھی۔

؎۴۔ اور آگے قراءت نہ کر سکے۔

۸۰۰ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِی الْفَجْرِ یَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالٓمّٓ تَنْزِیْلُ فِی الرَّكْعَةِ الْاُوْلٰى وَفِی الثَّانِیَةِ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن فجر کی پہلی رکعت میں آلم تنزیل اور دوسری میں ھل اَتٰی علے الانسان پڑھتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

لہ ان دو سورتوں کا جمعہ کے روز فجر کی نماز میں پڑھنا شافعیہ کے نزدیک متعارف، ضروری اور ہمیشہ کا دستور ہے حرمین شریفین میں بھی ان کا عمل اسی پر ہے۔ احناف کی کتب میں مذکور ہے کہ نماز کے لیے قرآن میں سے کوئی جگہ متعین نہ کرے اور وہ اسی روایت کو مثال میں پیش کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جیسے ان دو سورتوں کا تعین فجر جمعہ کے لیے اور سورہ جمعہ اور منافقون کا تعین نماز جمعہ کے لیے ہے۔ مگر یہ بات صحت حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد غرابت سے خالی نہیں ہے۔ حنفیہ رحمہم اللہ کے محقق شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے طحاوی اور اسبیجابی سے نقل کیا کہ یہ (تعین کرنا) اس صورت میں ٹھیک نہیں جب کہ وہ اسے لازم و ضروری خیال کرے اور اس کے ماسوا کو مکروہ جانے اور اگر آسان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت سے تبرک حاصل کرنے کے لیے پڑھے تو کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کبھی کبھی دوسری سورتیں بھی پڑھے۔ تاکہ کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ ان سورتوں کے علاوہ اور کسی سورت کا پڑھنا جائز ہی نہیں! اور یہ تحقیقی بات ہے کہ احادیث صحیحہ میں بعض نمازوں کے لیے قرأت کی تعیین آچکی ہے۔ جیسے قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد فجر کی سنتوں میں۔ اور سبح اسم ربک الاعلی اور قل یا ایھا الکفرون اور قل ھو اللہ احد کا وتر نماز میں پڑھنا وغیرہ۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ دلیل کا مقتضا عدم مداومت ہے مداومت عدم نہیں۔ جس طرح کہ حنفیہ حصر کرتے ہیں بلکہ مستحب ہے کہ گاہ بگاہ وہ سورتیں بھی تبرکا بالماثور (منقول و مروی چیز) سے تبرک حاصل کرنے کے لیے پڑھے (ابن الہمام کا کلام ختم ہوا)

بندۂ ضعیف (عبد الحق) عفا اللہ عنہ کہتا ہے اس میں شک نہیں کہ حدیث کی صحت تسلیم کرنے کے بعد وجوب کا وہم پڑھنے کا عذر اور عدم صحت وغیرہ سب نامناسب باتیں ہیں۔ تو خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ عمل دائماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہوا ہے۔ بلکہ کبھی کبھی ڈرانے اور بشارت دینے کے ارادے سے آپ نے یہ سورتیں پڑھی ہیں جیسا کہ وہاں ان دو سورتوں کے پڑھنے کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورتیں مبدا و معاد اور دخول جنت و دوزخ کے معانی پر مشتمل ہیں۔ یہ معانی روز جمعہ میں پائے جائیں گے اور قیامت جمعہ کے دن قائم اور ظاہر ہوگی۔ چنانچہ محافل اور بڑے بڑے مجمع میں آپ سورۃ ق و اقتربت پڑھتے تھے۔ پس اگر کبھی کبھی انہیں پڑھ لیں تو بہتر و افضل ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۸۱ ۱۷ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِىْ رَافِعٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ مَرْوَانُ اَبَا هُرَيْرَةَ عَلَى الْمَدِيْنَةِ وَخَرَجَ اِلٰى مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ الْجُمُعَةَ فَقَرَاَ سُوْرَةَ الْجُمُعَةِ فِى السَّجْدَةِ الْاُوْلٰى وَفِى الْاٰخِرَةِ اِذَا جَآءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهِمَا يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبیداللہ[۱] بن ابی رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں مروان نے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا خلیفہ[۲] بنایا۔ اور خود مکہ معظمہ چلا گیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ہمیں جمعہ پڑھایا آپ نے پہلی رکعت میں سورۃ جمعہ پڑھی اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنافقون پھر فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کے دن یہ سورتیں پڑھتے سنا۔

(مسلم)

ف۱۔ حضرت عبیداللہ بن ابی رافع مدنی ہیں۔ مشہور تابعی ہیں۔ امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث پاک سنی۔ آپ حضرت امیرالمومنین کے کاتب بھی تھے۔ اور ابو رافع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

ف۲۔ یعنی مروان بن الحکم نے اپنی امارت کے زمانہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ پر اپنا جانشین بنایا اور خروج وغیرہ کے لیے مکہ معظمہ چلا گیا۔

۷۸۲ ۱۸ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِى الْعِيْدَيْنِ وَفِى الْجُمُعَةِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ قَالَ وَاِذَا اجْتَمَعَ الْعِيْدُ وَالْجُمُعَةُ فِىْ يَوْمٍ وَّاحِدٍ قَرَأَ بِهِمَا فِى الصَّلٰوتَيْنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت النعمان[۱] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتٰک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب عید اور جمعہ ایک دن میں جمع ہو جاتے تو یہ دونوں سورتیں دونوں نمازوں[۲] میں پڑھتے۔

(مسلم)

ف۱۔ نعمان بن بشیر۔ باء کی زبر اور شین کی زیر سے۔ صحابی ہیں۔ انصار مدینہ میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہی پیدا ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آپ آٹھ سال کے تھے۔ ان کے حالات دوسری جگہوں میں بیان ہو چکے ہیں۔

ف۲۔ اس حدیث سے نماز عید و جمعہ میں ان دو سورتوں کے پڑھنے کے استحباب کی تاکید ثابت ہوتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ جمعہ اور سورۃ منافقون کا جمعہ میں پڑھنا ہمیشہ نہ تھا۔

۷۸۳/۱۹ وَعَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَاَلَ اَبَا وَاقِدِنِ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَاُ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْاَضْحٰى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَاُ فِيْهِمَا بِقٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ۔

حضرت عبید اللہ[1] سے روایت ہے کہ بے شک حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید بقر و عید الفطر میں کونسی سورتیں پڑھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان[2] دونوں میں آپ ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ پڑھتے[3] تھے۔

(مسلم)

[1] یعنی حضرت عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں۔ تابعی اور امام ہیں مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت ابو واقد لیثی بھی صحابی ہیں۔

[2] علماء فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے حضرت ابو واقد لیثی سے دریافت کرنے کا مقصد حاضرین کے ذہن میں مسئلے کو بٹھانا تھا تاکہ سب کو پتہ چل جائے۔ ورنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر وقت قریب ہونے کے باوجود اس سے بے خبر رہنا بعید سی بات ہے۔ واللہ اعلم۔

۷۸۴/۲۰ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ فِىْ رَكْعَتَىِ الْفَجْرِ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو رکعتوں[1] میں قل یا ایها الکفرون اور قل ہو اللہ احد پڑھیں۔

(مسلم)

[1] یہ بات ذہن نشین رہے کہ جب فجر کی دو رکعتیں یا مغرب کی دو رکعتیں کہتے ہیں تو اس سے سنت مراد ہوتی ہے فرض کے لیے صلوٰۃ فجر اور صلوٰۃ مغرب کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

۷۸۵/۲۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَاُ فِىْ رَكْعَتَىِ الْفَجْرِ قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَالَّتِىْ فِىْ اٰلِ عِمْرَانَ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعتوں میں قُولُوا آمنا باللہ وَمَا اُنزِلَ اِلَینا[1] اور آل عمران والی آیت قل یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃٍ سواءٍ بیننا وَبینکم پڑھتے تھے[2]۔

(مسلم)

[1] یہ دونوں آیات سورۃ بقر کی ہیں۔

[2] یہ آل عمران کی آیت ہے اور اسے دوسری رکعت میں آپ پڑھتے تھے۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ ان دو آیات کو آپ کبھی کبھی پڑھتے تھے۔ غالب و اکثر آپ فجر کی سنتوں میں قل یا ایھا الکافرون اور قل ہو اللہ پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سورتوں کا پڑھنا خصوصًا اوساط میں سے مکروہ نہیں ہے۔ اگر کراہت ہے تو فرائض میں ہوگی۔ مگر حق یہ ہے کہ جو چیز پایہ ثبوت اور درجہ صحت کو پہنچ چکی ہے۔ اس کے مکروہ ہونے کا کوئی معنیٰ نہیں۔ اگر اس بارے میں گفتگو کی کوئی گنجائش ہے تو وہ اس کے ثبوت و صحت میں ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۷۸۶/۲۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَفْتَحُ صَلٰوتَہٗ بِبِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِذٰلِکَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع[1] کرتے تھے (ترمذی) اور کہا اس حدیث کا اسناد قوی نہیں۔

[1] ظاہر یہ ہے کہ اس سے بسم اللہ شریف بلند آواز سے پڑھنا مراد ہوگا ورنہ بسم اللہ شریف کے ساتھ نماز کے شروع کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں۔ بعض روایات میں صراحتًہ بھی آچکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ مگر ترک جہر کی احادیث زیادہ صحیح اور راجح ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں گزرا۔

۷۸۷/۲۳ وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَرَءَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقَالَ اٰمِیْنَ مَدَّ بِھَا صَوْتَہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالدَّارِمِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت وائل بن حجر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھا تو کہا آمین اپنی آواز کھینچ کر[2] ترمذی۔ ابوداؤد۔ دارمی ابن ماجہ[3]

[1] حُجر حا کی جیم پر تقدیم کے ساتھ اور کبھی جیم کی حا پر تقدیم کا اشتباہ ہو جاتا ہے۔ ہمارے شیخ اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ اس لفظ کا صحیح تلفظ یاد رکھنے کے لیے دل میں حجرہ کا لفظ یاد رکھا کرو۔

۵۲ یعنی آپ آمین کے ساتھ آواز دراز کرتے تھے۔ اس سے یہ احتمال بھی ہے کہ آپ آمین اونچی آواز سے کہتے تھے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آپ الف لمبا کر کے پڑھتے تھے کہ یہ زیادہ فصیح ہے۔ مگر دوسری روایات جو اور جگہ آئی ہیں ان کے مطابق پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ رفع بہا صوتہٗ یعنی آپ آمین بلند آواز سے کہتے تھے۔ یہ الفاظ آمین کے جہر میں صریح ہیں۔ بعض روایات میں اس طرح آیا ہے کہ آپ اتنی بلند آواز سے آمین کہتے کہ پہلی صف والوں کو سنواتے تھے تو آمین کی آواز سے مسجد لرز اٹھتی تھی۔ ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ صف اوّل میں جو لوگ آپ کے قریب ہوتے تھے وہ اسے سنتے تھے۔ بعض روایات میں آمین پست آواز میں کہنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ علماء نے ان دو روایات میں تطبیق کی صورت یہ بیان کی ہے کہ آہستہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ چیخنے کی حد تک بلند نہ کرتے تھے یعنی جہر میں حد سے نہ بڑھتے تھے اور بلند آواز سے پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اتنی آواز سے پڑھتے تھے کہ صف اوّل میں جو لوگ قریب ہوتے تھے وہ سن لیتے تھے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آیا ہے۔

۵۳ واضح ہو کہ سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہنا بالاتفاق سنت ہے۔ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو یا امام ہو یا مقتدی اگرچہ امام آمین نہ بھی کہے مقتدی کو کہنی چاہیے اور سری نماز میں امام کی قراءت سن لینے کی صورت میں مقتدی کے لیے آمین کہنے میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک آمین کہے ظاہر حدیث کا لحاظ کرتے ہوئے، بعض کے نزدیک نہ کہے کہ ایسے جہر و سماع کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسا کہ ابن الہمام کی شرح ہدایہ میں آیا ہے۔

آمین اونچی آواز سے کہنے میں بھی احادیث آئی ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب یہی ہے۔ امام مالک کے مذہب میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق مطلقاً جہر نہ کرے تاہم جہر میں احادیث زیادہ تعداد میں اور صحیح تر آئی ہیں۔ بعض علماء نے عدم جہر میں بھی حدیث کی صحت کی ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ امام چار چیزیں پوشیدہ کرے۔ اعوذ باللہ، بسم اللہ، آمین اور سبحانک اللہم وبحمدک۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ جہر و اخفا دونوں پر عمل ہوا ہو یعنی کبھی جہر پر اور کبھی اخفا پر واللہ اعلم۔

۸۸۸/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ زُهَیْرٍ النُّمَیْرِیِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاَتَیْنَا عَلٰی رَجُلٍ قَدْ اَلَحَّ فِی الْمَسْئَلَةِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَوْجَبَ اِنْ خَتَمَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ بِاَیِّ شَیْءٍ یَخْتِمُ

حضرت ابو زہیر[۱] نمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات باہر نکلے تو ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے جو دعا کرنے میں بہت مبالغہ کر رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر اس نے مہر لگا دی تو واجب[۲] کر لی۔ قوم میں سے ایک شخص نے کہا کس چیز سے مہر لگائے

قَالَ بِاٰمِيْنَ ۔

فرمایا آمین[۳] سے۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ)

(ابوداؤد)

۱ ـ زبیر زا کی پیش اور با کی زبر کے ساتھ۔ النمیری نون کی پیش اور میم کی زبر کے ساتھ ان کا نام یحیی بن نقیر قاف کے ساتھ) ہے۔ اہل شام میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حدیث آمین میں ہے۔ ابن عبدالبر رضی اللہ عنہ نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے۔ اور کہا اس حدیث کا اسناد قائم نہیں۔

۲ ـ یعنی قبولیت واجابتِ دعا۔ اور حصول مراد۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ اگر اس نے دعا مکمل و پوری کر لی۔ پہلا معنی حدیث "آمین خَاتَمُ رب العَالَمِيْنَ" (آمین رب العالمین کی مہر ہے) کے زیادہ مناسب ہے کہ یہ آمین آفات و بلیات کو دور کرتی ہے۔ جیسے خط کو مہر کے ساتھ محفوظ کر لیتے ہیں یا ہر چیز کو جس پر مہر لگا دی جائے کہ اس میں خرابی داخل نہ ہو اور اس کے اندر سے کوئی چیز باہر نہ آئے۔

۳ ـ آمین مہر کی طرح ہے اور اس کے ساتھ دعا کامل و تمام ہو جاتی ہے۔

۷۸۹/۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْمَغْرِبَ بِسُوْرَةِ الْاَعْرَافِ فَرَّقَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی۔ یہ سورت آپ نے دو رکعتوں میں تقسیم کر دی[۱]۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

(نسائی)

۱ ـ اس میں شک نہیں کہ وقت مغرب میں اتنی گنجائش و وسعت ہے کہ یہ سورت اس میں پڑھی جائے۔ خصوصاً جب کہ شفق سفیدی کا نام ہو یا اس بنا پر آپ نے اتنی لمبی سورت پڑھی کہ آپ کی قرارت میں سرعت و تیزی پائی جاتی تھی اور آپ کم وقت میں زیادہ تلاوت کر لیتے تھے اور اس میں شوق و رغبت میں بھی ترقی ہوتی رہتی تھی۔ بعض شافعی حضرات نے یہاں فرمایا کہ اگر مغرب کا وقت نکل بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کہ صحت نماز کے لیے ٹھیک وقت میں شروع کرنا کافی ہے۔ بعض شافعیہ علیہم الرحمۃ نے فرمایا کہ اس سے سورۃ کا کچھ حصہ مراد ہے۔ اور بخاری ابوداؤد اور نسائی میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سورۃ اعراف پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ اس تفصیل کے بغیر کے ایک رکعت میں یہ سورت پڑھی یا اسے دو رکعت میں تقسیم کیا۔ اور ایک روایت میں سورۃ مائدہ و سورہ اعراف پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے۔

۷۹۰/۲۶ وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ رضی قَالَ كُنْتُ اَقُوْدُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عقبہ[۱] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی

سَلَّمَ نَاقَتَہٗ فِی السَّفَرِ فَقَالَ لِیْ یَا عُقْبَۃُ اَلَا اُعَلِّمُکَ خَیْرَ سُوْرَتَیْنِ قُرِئَتَا فَعَلَّمَنِیْ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ قَالَ فَلَمْ یَرَنِیْ سُرِرْتُ بِهِمَا جِدًّا فَلَمَّا نَزَلَ لِصَلٰوۃِ الصُّبْحِ صَلّٰی بِهِمَا صَلٰوۃَ الصُّبْحِ لِلنَّاسِ فَلَمَّا فَرَغَ الْتَفَتَ اِلَیَّ فَقَالَ یَا عُقْبَۃُ کَیْفَ رَاَیْتَ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِیُّ)

مبارک کی مہار کھینچ رہا تھا کہ آپ نے مجھ سے فرمایا: اے عقبہ کیا میں تجھے دو بہترین سورتیں نہ بتاؤں جو پڑھی جاتی ہیں۔ آپ نے مجھے قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سکھائی۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان دو سورتوں کی وجہ سے زیادہ خوش ہوتے نہ دیکھا[۲]۔ جب نماز صبح کے لیے اترے تو انہیں دو سورتوں سے لوگوں کو فجر کی نماز پڑھائی جب فارغ ہوئے تو میری طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ اے عقبہ تم نے کیسا دیکھا[۳]۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی)

[۱] آپ مشہور صحابی ہیں۔ ان سے بعض صحابہ جیسے جابر و ابن عباس اور تابعین سے بے شمار لوگ روایت کرتے ہیں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی عقبہ بن ابی سفیان کے بعد حضرت معاویہ کی طرف سے مصر کے والی مقرر ہوئے

[۲] یعنی ان دو سورتوں کے بہترین ہونے میں آپ نے مجھے زیادہ خوش نہ دیکھا بلکہ بالکل خوش نہ دیکھا کیونکہ یہ دو سورتیں توحید کے نشانات اور صفات کمال کی تنزیہ پر مشتمل نہیں ہیں جس طرح بعض دوسری سورتیں مشتمل ہیں۔ پھر ان کے مقابلے میں بعض دوسری سورتوں کی افضلیت اور عظیمت بھی وارد ہو چکی ہے۔ جیسے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ

[۳] یعنی تو نے ان دو سورتوں کی شان و فضیلت دیکھی کہ کس قدر زیادہ ہے جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عقبہ کے اندر ان دو سورتوں کی شان و فضیلت میں بُعد محسوس کیا تو نماز فجر میں ان کی تلاوت فرمائی جو کہ کئی وجوہ سے فاضل ترین نماز ہے اور اس میں قراءت دراز کرنا بھی مستحب ہے مگر آپ نے ان دو سورتوں کی تلاوت فرمائی تاکہ لوگ ان کی خیریت وافضلیت سے آگاہ ہو جائیں۔ علماء نے کہا ہے کہ ان دو سورتوں کی افضلیت باب تعوذ میں ہے مطلق افضلیت نہیں ہے اس لیے آپ نے انہیں سفر میں پڑھا جو آفات و خطرات کا محل و موقعہ ہے لفظ قُرِئَتَا اس معنی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔

۹۱ ۲۷ وَعَنْ جَابِرِ ابْنِ سَمُرَۃَ[۱] قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقْرَأُ فِیْ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ وَ قُلْ هُوَ اللّٰهُ

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی رات مغرب کی نماز میں سورہ قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے۔

اَحَدٌ ۔

رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ ۔

(شرح سنۃ) اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر سے روایت کی مگر انہوں نے شب جمعہ کا ذکر نہ کیا۔

* *

[1] اور جمعہ کی رات کی قید ذکر نہ کی۔ بلکہ مطلق روایت کیا آپ نماز مغرب میں یہ دو سورتیں پڑھتے تھے اور لیلۃ الجمعۃ والی حدیث بھی صحیح ہے۔ کذا فی شرح الشیخ

۴۹۲/۲۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَا اُحْصِیْ مَا سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِی الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَفِی الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ بِقُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں شمار نہیں کرسکتا کہ میں نے کتنی دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب کے بعد کی سنتوں اور فجر سے پہلے سنتوں میں قل یاایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے سنا۔

*

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ بَعْدَ الْمَغْرِبِ ۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرۃ سے روایت کیا۔ مگر انہوں نے بعد مغرب کا ذکر نہ کیا[1]۔

[1] اگرچہ ابن عمر نے گذشتہ حدیث میں اسے روایت کیا۔

۴۹۳/۲۹ وَعَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اَحَدٍ اشبه صلٰوةً بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فُلَانٍ قَالَ سُلَيْمَانُ صليت خَلْفَهٗ فَكَانَ يُطِيْلُ الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَيُخَفِّفُ الْاُخْرَيَيْنِ وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ وَيَقْرَأُ فِی الْمَغْرِبِ بِقِصَارِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ فِی الْعِشَآءِ بِوَسَطِ الْمُفَصَّلِ وَيَقْرَأُ

حضرت سلیمان[1] بن یسار سے وہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوہریرۃ نے کہا میں نے کسی کے پیچھے ایسی نماز نہ پڑھی جو زیادہ مشابہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بمقابلہ فلاں آدمی[2] کے۔ سلیمان نے کہا میں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی[3]۔ تو وہ ظہر کی پہلی دو رکعتیں دراز کرتے تھے اور آخری رکعتیں ہلکی[4]۔ اور عصر ہلکی پڑھتے تھے اور مغرب میں قصار مفصل پڑھتے تھے اور عشاء میں وسط مفصل۔ اور

فِي الصُّبْحِ بِطِوَالِ الْمُفَصَّلِ ۔
رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ
مَاجَةَ اِلٰى وَيُخَفِّفُ الْعَصْرَ ۔

صبح میں طوال[۵] مفصل۔
نسائی اور ابن ماجہ نے یہاں تک روایت کی کہ
عصر ہلکی پڑھتے تھے۔

۱ھ حضرت سلیمان بن یسار کبار تابعین اور مدینہ منورہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

۲ھ شارحین حدیث فرماتے ہیں فلاں سے وہ شخص مراد ہے جو مروان بن عبد الملک کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا بعض نے کہا وہ فلاں آدمی حضرت عمر بن عبد العزیز ہیں۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات سے ایک یا دو سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ ہاں اس قسم کی بات حضرت انس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی شان میں کہی ہے۔ جیسا کہ باب الرکوع میں آ رہا ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ حضرت انس نے حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا ہے۔ بعض نے کہا فلاں سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ بعض کہتے ہیں اس سے عمرو بن سلمہ بن نفیع مراد ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی قوم کے امام تھے۔

۳ھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

۴ھ اس طرح کہ آخری دو رکعت ظہر میں سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھتے تھے۔ یا اگر پڑھتے تھے تو چھوٹی سورت پڑھتے تھے۔ مقصد یہ ہے کہ ظہر کی نماز کی قراءت لمبی کرتے تھے۔

۵ھ نماز ظہر کے لیے طوال مفصل کا لفظ استعمال نہ فرمایا بلکہ مجملا اتنا فرمایا کہ ظہر کی قرارت دراز کرتے تھے اور عصر کے لیے تخفیف (ہلکی) کا ذکر فرمایا۔ یہ تفصیل بیان نہ کی کہ اس (عصر) میں قصار (بالکل مختصر) سورتیں پڑھتے تھے یا اوساط یعنی درمیانی پڑھتے تھے۔

آج (شیخ عبد الحق کے زمانہ میں) معمول و مقرر یہ ہے کہ ظہر و فجر میں طوال مفصل، عصر و عشاء میں اوساط سورتیں پڑھی جاتی۔ واضح ہو کہ قول مشہور کے مطابق مفصل سے سورۃ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتیں مراد ہیں۔ ان کو مفصل اس لیے کہتے ہیں کہ ان میں بسملہ کے ساتھ ایک دوسری سے علیحدگی زیادہ مقدار میں پائی جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں ان کو مفصل کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں نسخ کم ہے اور یہ تین قسم ہیں۔ طوال (لمبی) اوساط (درمیانی) قصار (چھوٹی) حجرات سے بروج تک طوال ہیں۔ بروج سے والضحیٰ تک اوساط ہیں۔ اور والضحیٰ سے آخر قرآن تک قصار ہیں۔ فصل اول میں اس بارے میں قدرے گفتگو ہو چکی ہے۔

۸۴۴ وَعَنْ عُبَادَةَ ابْنِ الصَّامِتِ[۱]
قَالَ كُنَّا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فِيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ فَثَقُلَتْ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
فرماتے ہیں ہم لوگ نماز فجر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
پیچھے تھے۔ آپ نے قراءت کی تو آپ پر قرارت بھاری[۲]

عَلَيْهِ الْقِرَآءَةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَلِلنَّسَائِيِّ مَعْنَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِأَبِيْ دَاوُدَ قَالَ وَأَنَا أَقُوْلُ مَا لِيْ يُنَازِعُنِي الْقُرْاٰنُ فَلَا تَقْرَءُوْا بِشَيْءٍ مِّنَ الْقُرْاٰنِ إِذَا جَهَرْتُ إِلَّا بِأُمِّ الْقُرْاٰنِ

ہو گئی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے تلاوت کرتے ہو[۲]۔ ہم نے کہا ہاں۔ یا رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ کے سوا کچھ نہ پڑھا کرو[۳]۔ کیونکہ جو فاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی۔

⁂

ابو داؤد و ترمذی اور نسائی نے اس کے معنی کی روایت کی۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں یوں ہے کہ فرمایا میں دل میں سوچتا[۴] تھا کہ مجھ پر قرآن کیوں بھاری پڑ رہا[۵] ہے۔ لہٰذا جب میں بلند آواز سے قرأت کروں تو الحمد کے سوا کچھ نہ پڑھو[۶]۔

---

[۱] اور اس کا پڑھنا مشکل ہو گیا۔

[۲] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں یہ لفظ فرمائے کہ شاید تم لوگ اپنے امام کے پیچھے قرآن پڑھتے ہو۔ یوں نہ فرمایا کہ میرے پیچھے پڑھتے ہو۔ اس انداز کلام سے اس جانب اشارہ فرمایا کہ مقتدی کی اقتداء اس کا نام ہے کہ وہ خاموشی اختیار کرے اور اپنے امام کی قرأت پر کان لگائے چاہے میں امام ہوں یا کوئی اور۔ ثقل قرأت اور اس کی دشواری کا بظاہر سبب قارئین کی آوازوں کا سنائی دیتا ہے جو وقت اور خاطر شریف کے التفات کی تشویش کا موجب بنا۔ واللہ اعلم۔ تاہم قول مبارک لعلکم تقرؤن۔ اس معنی کے منافی ہے۔ کہ یہ تشویش جہر کی صورت میں لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ یہاں یقینی ہے تو پھر لفظ لعل کیوں استعمال فرمایا۔ بنابریں علماء نے کہا ہے ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ثقل و بوجھ کا سبب وہ تاثر ہو جو اس نقص سے پیدا ہوا جو مقتدیوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے وقت خاموش نہ ہونے اور کان لگا کر نہ سننے سے لاحق ہوا اور کامل بھی کبھی کبھی ناقص کے نقص سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ کتاب الطہارۃ میں گزرا کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز صبح کی قرأت میں رک گئے اور اس رکاوٹ کی وجہ آپ نے یہ بتائی کہ میرے پیچھے کچھ لوگ ایسے کھڑے ہوتے ہیں جو وضو اچھی طرح نہیں کرتے اور آداب کا پوری طرح خیال نہیں رکھتے۔ اور جب آپ نے فرمایا کہ شاید تم لوگ پڑھتے ہو تو لوگوں نے کہا ہاں الی آخرہ۔

[۳] اس حدیث کا ظاہر سورۃ فاتحہ کی فرضیت ثابت کرتا ہے۔ اس کا جواب پیچھے ذکر ہو گیا۔

[۴] یعنی دل میں۔

[۵] یعنی میرے لیے قرآن میں کشمکش محسوس ہوتی ہے اور میرے لیے اس کی قرأت آسان نہیں ہو رہی پھر مجھے

معلوم ہوا کہ اس کا سبب تم لوگوں کا میرے پیچھے الگ الگ اپنی تلاوت کرنا ہے۔

[6] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اذا جہرت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مقتدی سری نمازیں پڑھ لیں تو جائز ہے اس کی تفصیل آئندہ احادیث کی شرح میں آرہی ہے۔

۷۹۵ / ۳۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوةٍ جَهَرَ فِیْهَا بِالْقِرَاءَةِ فَقَالَ هَلْ قَرَاَ مَعِیَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ اٰنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنِّیْ اَقُوْلُ مَا لِیْ اُنَازَعُ الْقُرْاٰنُ قَالَ فَانْتَهَی النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْمَا جَهَرَ فِیْهِ بِالْقِرَاءَةِ مِنَ الصَّلَوَاتِ حِیْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز سے فارغ ہوئے جس میں قرارت اونچی کی جاتی ہے تو فرمایا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قرارت کی۔ ایک شخص نے کہا ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا اسی وجہ سے تو میں سوچتا تھا کہ مجھے کیا ہوا کہ میں قرآن میں جھگڑا[1] کیا جا رہا ہوں۔ فرماتے ہیں کہ پھر لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان نمازوں میں قرارت سے باز رہے جن میں قراءت بلند کی جاتی ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان سنا۔

مالک۔ احمد، ابوداؤد۔ ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

⁂

[1] اصل لفظ اُنازِعُ استعمال ہوا ہے زا کی زبر اور زیر کے ساتھ دونوں روایتیں ہیں۔ اور حدیث اول میں یُنَازِعُنِی القرآن کا لفظ پہلے معنی کی تائید کرتا ہے۔

۷۹۶ / ۳۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ وَالْبَیَاضِیِّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْهِ بِهٖ وَلَا یَجْهَرْ بَعْضُكُمْ عَلٰی بَعْضٍ بِالْقُرْاٰنِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ اَحْمَدُ)

حضرت ابن عمر اور بیاضی[1] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی اپنے رب سے مناجات[2] کرتا ہے تو چاہیے کہ غور کرے کہ اس سے کیا مناجات[3] کرتا ہے اور چاہیے کہ تمہارے بعض بعض پر قرآن اونچا نہ پڑھیں[4]۔ (احمد)

[1] بیاضی با کی زبر یا مخفف اور ضاد معجمہ کے ساتھ بیاضہ بن عامر بن زریق کی طرف منسوب ہے۔ ان کا نام

عبداللہ بن جابر الانصاری الخزرجی البیاضی ہے۔ بیاضی کے لفظ سے مشہور ہیں۔ ان کا نام سے نہیں بلکہ اسی نسبت سے ذکر کیا جاتا ہے۔

۲؎ مناجات کا معنیٰ ہے دو اشخاص کا ایک دوسرے کے ساتھ اسی طرح پوشیدہ بات کرنا کہ کسی دوسرے کو اطلاع نہ ہو سکے۔

۳؎ یعنی ذکر و قرآن میں غور کرے۔ اور ان میں غایتِ حضورِ قلب، تامل، تدبر اور پورے خضوع و خشوع سے کام لے۔

۴؎ نماز میں بھی اور غیر نماز میں بھی۔ جب کہ قریب کوئی نماز پڑھ رہا ہو، یا سویا ہوا ہو، یا کوئی قرآن پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو۔ تاکہ ان کی ایذاء اور تشویش کا موجب نہ بنے اور اس امر پر اجماع ہے کہ مقتدی کے لیے قراءت بلند آواز سے کرنا مکروہ ہے۔ اگرچہ امام کی قراءت نہ سن رہا ہو۔

۷۹۷/۳۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی پیروی۱؎ کی جائے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ اور جب وہ تلاوت کرے تو تم خاموش۲؎ رہو۔

(ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۱؎ تو اس کی موافقت اور متابعت کرنا چاہیے۔

۲؎ کہ قراءت میں اس کی موافقت و متابعت یہی ہے۔ اور اس کے ساتھ خود بھی پڑھتے جانا اس کی مخالفت اور اس کے ساتھ جھگڑا کرنے کے مترادف ہے اور اسے تشویش و پریشانی میں ڈالنے والی بات ہے۔

واضح ہو کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سری اور جہری دونوں قسم کی نمازوں میں مقتدی کے لیے بھی سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ سورۃ فاتحہ کے علاوہ قراءت امام مالک، امام احمد کے نزدیک جائز ہے اور امام شافعی کے نزدیک بھی ایک قول میں صرف سری نماز میں واجب ہے جہری نماز میں ان کے نزدیک بھی امام کی قراءت سننا کافی ہے۔ امام احمد کے بعض ائمہ فقہ کے نزدیک فاتحہ امام کے سکتات میں پڑھے۔ اور ان سکتات کا بیان باب مایقراء بعد التکبیر میں ہو چکا ہے۔ اور ان کے بعض اصحاب کے نزدیک اگر مقتدی بہرہ [illegible] دور ہونے کی وجہ سے نہ سنے تو جہری میں سورۃ فاتحہ پڑھے۔ اور اگر نہ بھی پڑھے تو اس کی نماز ٹھیک ہو جائے گی کہ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے قراءت ہوتی ہے اور اس پر قراءت واجب نہیں ہے اس امام اجل (امام احمد) کے نزدیک مخصوص و معروف یہی ہے۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ نہ سری نمازیں پڑھے۔ نہ جہری میں لیکن ایک روایت میں امام محمد سے اس کا استحباب مروی ہے اور شیخین (امام ابو حنیفہ وابو یوسف) کے نزدیک اس کا پڑھنا مکروہ ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کراہت تحریمی ہے کہ اس بارے میں وعید پہنچی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ کا قول بھی شیخین کے قول کی طرح ہے۔ امام محمد کی عبارات ان کی کتب میں اس بارے میں بالصراحۃ موجود ہیں۔ اور آثار میں فرمایا وبہ ناخذ۔ ہم اسی کا اختیار کریں گے۔ عامہ آثار واخبار میں ایسا ہی آیا ہے اور کہا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کے قول کے مطابق نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ مخفی نہ رہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ دو دلیلوں میں سے قوی تر دلیل پر عمل کیا جائے۔ شیخ ابن الہمام کا کلام ختم ہوا۔

اور امام محمد کا کلام اس کے موطا میں (اس باب میں کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھی جائے) اخبار وآثار سے بھرا پڑا ہے واللہ اعلم۔

ائمہ کرام فرماتے ہیں قراءت نماز کا ایک ایسا رکن ہے جس میں امام ومقتدی دونوں شریک ہیں تھوڑے سے فرق کے ساتھ جس کا امام مالک اور امام احمد نے سری وجہری نمازمیں اعتبار کیا ہے۔ اور احناف کی دلیل یہ حدیث ہے کہ من کان لہ امام فقراۃ الامام قرأۃ لہ۔ جس کا امام ہو تو امام کی قراءت اس کے لیے قراءت ہوگی۔ اور یہ حدیث صحیح ہے بخاری ومسلم کے علاوہ باقی تمام محدثین نے اس کی روایت کی ہے۔ ہدایہ میں کہا وعلیہ اجماع الصحابۃ کہ اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہے شرح (عربی) میں اس سے زیادہ گفتگو کی گئی ہے۔ اس مقام میں غور وتدبر کرو۔

۷۹۸/۳۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رضؓ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اَسْتَطِیْعُ اَنْ اٰخُذَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَیْئًا فَعَلِّمْنِیْ مَا یُجْزِئُنِیْ قَالَ قُلْ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا لِلّٰهِ فَمَا ذَا لِیْ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَعَافِنِیْ وَاهْدِنِیْ وَارْزُقْنِیْ فَقَالَ هٰکَذَا بِیَدَیْهِ وَقَبَضَهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس نے عرض کی میں قرآن میں سے کچھ بھی یاد نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے وہ چیز سکھا دیں[1] جو میرے لیے کافی ہو۔ فرمایا یہ کہہ لیا کرو سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ[2]۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو اللہ کے لیے[3] ہوا۔ میرے لیے کیا ہے[4]۔ فرمایا یوں کہہ الٰہی مجھ پر رحم کر۔ مجھے امن، ہدایت اور روزی عطا کر[5]۔ پھر اس شخص نے دو ہاتھ بند کر کے ان سے یوں اشارہ کیا[6]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ مَلَاَ يَدَيْهِ مِنَ الْخَيْرِ۔

نے فرمایا کہ اس نے اپنے دونوں ہاتھ خیر سے بھر[۶] لیے۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ انْتَهَتْ رِوَايَةُ النَّسَائِيِّ عِنْدَ قَوْلِهٖ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

(ابوداؤد اور نسائی کی روایت الا اللہ پر ختم[۸] ہوگئی۔

ف۱ یعنی قرآن پاک کے بجائے کچھ اور سکھائیں۔

ف۲ اس حدیث کو نماز میں قراءت کے باب میں لانے کے قرینہ سے بظاہر یہ سمجھانا مقصود یہ ہے کہ وہ آدمی قرآن پاک کی اتنی مقدار بھی یاد کرنے کی استطاعت نہ رکھتا تھا جس سے نماز درست ہو جائے۔ مگر یہ بات بہت ہی بعید ہے کیونکہ یہ بات ذہن تسلیم کرنے کو تیار نہیں کہ ایک اعرابی میں کلام کرنے والا شخص اتنی مقدار قرآن یاد کرنے سے عاجز ہو جائے جس مقدار سے کہ نماز درست ہو جاتی ہے۔ اور اگر انہیں کلمات کی مقدار یا اس سے کچھ زائد قرآن پاک سیکھ لیتا تو کافی تھا۔ کہتے ہیں یہ شخص ابھی اسلام لایا ہی تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا اتنے وقت میں قرآن پاک یاد کرنے کی گنجائش نہ تھی اس لیے آپ نے اسے یہ کلمات سکھائے مگر اس سے بھی وہ استبعاد دور نہیں ہوتا۔ لہٰذا ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن پاک کا اتنا حصہ یاد کرے جو اس کے لیے ورد کا کام دے اور اس ورد کے ساتھ اپنے اوقات کو معمور رکھے۔ اور یہ واضح ہے کہ قرآن پاک کا بہت سا حصہ ایسا ہے کہ ورد وظائف کے لیے بہت مناسب ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لیے اس مقدار کا یاد کرنا آسان نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کلمات سکھائے کہ ان میں سے ہر ایک کلمہ خزائن الٰہی میں سے ایک خزانہ ہے تاکہ وہ شخص ان پر مداومت کرے (ہمیشہ انہیں پڑھے) اور روز و شب انہیں اپنا ورد بنائے کذا قالوا۔ واللہ اعلم۔

ف۳ کہ حمد و ثنا، تکبیر و تمجید پر مشتمل ہیں۔

ف۴ یعنی حضرت حق تعالیٰ سے دعا و سوال جو کہ میرا مدعا اور میری مراد ہے۔

ف۵ یہ سوال و جواب از روئے انصاف اس چیز کو ظاہر کرتا ہے کہ اس مرد نے آپ سے ورد و دعا سیکھنے کی چاہت کی تھی نہ کہ صحت نماز کے لیے قرآن سیکھنے کی طلب کی تھی۔

ف۶ یعنی اس شخص نے اشارہ کیا کہ میں نے ان کلمات کو یاد اور محفوظ کر لیا جس طرح کوئی نفیس چیز ہاتھ لگ جائے تو اسے بڑی حفاظت سے رکھتے ہیں۔ اسی بنا پر دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنے والا اور انہیں بند کرنے والا بھی وہی آدمی تھا۔ کلام کا ظاہر سیاق بھی اسی میں ہے اور اس کا مؤید ہے راوی کا یہ کلام کہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ف۷ اور ہو سکتا ہے کہ اشارہ کرنے والے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ اور آپ نے اس مرد کو حفظ کی ترغیب اور فرمان کی بجا آوری کے لیے بطور تنبیہ اشارہ کیا ہو اور جب آپ نے دیکھا کہ یہ مرد حفظ کر رہا ہے اور فرمان کی

بجاآوری کر رہا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس شخص نے اپنے دونوں ہاتھ خیر و برکت سے بھر لیے

[5] یعنی ان کی روایت میں قال یارسول اللہ سے آخر تک کے الفاظ نسائی کی روایت میں نہیں ہیں۔

۷۹۹/۳۵ وَعَنْ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا قَرَأَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى قَالَ سُبْحَانَ [1] رَبِّيَ الْأَعْلٰى۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھتے تو فرماتے[1]۔ سبحان ربی الاعلیٰ

(احمد، ابوداؤد)

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سبّح (تسبیح کر) کی بجاآوری کے لیے کلمہ سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔

۸۰۰/۳۶ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ مِنْكُمْ بِالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ فَانْتَهٰى إِلٰى أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ فَلْيَقُلْ بَلٰى وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ وَمَنْ قَرَأَ لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَانْتَهٰى إِلٰى أَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقَادِرٍ عَلٰى أَنْ يُّحْيِيَ الْمَوْتٰى فَلْيَقُلْ بَلٰى وَمَنْ قَرَأَ وَالْمُرْسَلَاتِ فَبَلَغَ فَبِأَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُوْنَ فَلْيَقُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ إِلٰى قَوْلِهٖ وَأَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو شخص والتین والزیتون پڑھے اور الیس اللہ باحکم الحاکمین پر پہنچے تو کہے ہاں میں اس پر گواہوں میں سے ہوں۔ اور جو آدمی لااقسم بیوم القیامۃ پڑھے اور اَلَیْسَ ذٰالِکَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی پر پہنچے تو کہے ہاں اور جو والمرسلات پڑھے اور فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ پر پہنچے تو کہے ہم اللہ پر ایمان لائے۔

(ابوداؤد)

اور ترمذی کی روایت اس قول تک ہی ہے کہ میں اس پر گواہوں میں سے ہوں[1]۔

⁂

[1] اور اس میں لااقسم بیوم القیامۃ والمرسلات عرفاً ترمذی کی روایت میں نہیں ہے۔ واضح ہو کہ آیات قرآنی کی تلاوت کے وقت اس قسم کے جوابات بہت ہیں۔ شافعیہ کے نزدیک نماز و غیر نماز دونوں حالتیں برابر ہیں۔ وہ نماز میں بھی جائز رکھتے ہیں۔ اس لیے باب القراۃ فی الصلوٰۃ میں اس روایت کو لائے ہیں۔ ورنہ اس روایت کو باب تلاوت قرآن اور اس کے آداب میں لانا چاہیے تھا احناف اور مالکیہ کے نزدیک یہ جوابات غیر حالت نماز پر محمول ہیں

تاکہ یہ وہم نہ پڑے کہ یہ کلمات بھی قرآن میں سے ہیں۔

امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر کوئی شخص ظاہر حدیث پر نظر کرتے ہوئے یہ گمان کرے کہ یہ جواب نماز میں ہوتا تھا۔ توہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ یہ نفل نماز میں ہوتا تھا فرضی نماز میں نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز ادا کرتے تو آیت رحمت پر نہ پہنچتے مگر وہاں رک کر رحمت طلب کرتے اور عذاب کی آیت پر نہ پہنچتے مگر وہاں رک کر عذاب سے پناہ مانگتے اور کسی نے بھی ان نمازوں میں جن میں جہر کیا جاتا ہے فرض نمازوں میں روایت نہیں کیا تورپشتی کا کلام ختم ہوا۔

٨٠١/٣٧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَصْحَابِهٖ فَقَرَأَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةَ الرَّحْمٰنِ مِنْ اَوَّلِهَا اِلٰى اٰخِرِهَا فَسَكَتُوْا فَقَالَ لَقَدْ قَرَأْتُهَا عَلَى الْجِنِّ لَيْلَةَ الْجِنِّ فَكَانُوْا اَحْسَنَ مَرْدُوْدًا مِّنْكُمْ كُنْتُ كُلَّمَا اَتَيْتُ عَلٰى قَوْلِهٖ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ قَالُوْا لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ میں تشریف لائے اور ان کے سامنے اول سے آخر تک سورۃ الرحمٰن پڑھی۔ صحابہ کرام خاموش رہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے یہ سورت شب[1] جن میں جنات پر پڑھی تو وہ تم سے اچھے جواب دینے والے[2] تھے۔ کہ میں جب اس قول پر پہنچتا فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔[3] تو کہتے نہیں اے مولا ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلاتے۔ اور تیرے ہی لیے حمد و ثنا ہے۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

⁂

[1] یعنی وہ رات جس میں جنات میرے پاس آئے اور مجھ پر ایمان لاتے اور قرآن سننے کے لیے میرے پاس جمع ہوئے۔

[2] یعنی جنات جواب دینے اور اللہ کا فرمان قبول کرنے میں تم سے بہت بہتر تھے۔ یہاں رد کا معنی جواب سلام ہے کہ جواب سلام کو رد سلام کہتے ہیں۔ رَدٌّ کا معنی واپس کرنے کا آتا ہے اور مردود بمعنی رد بھی آتا ہے۔ کہا جاتا ہے رَدَّہٗ رَدًّا وَمَرْدُوْدًا۔ اس کے بعد جنات کے اچھے جواب کا ذکر فرمایا۔

[3] یہ انسانوں اور جنات کو خطاب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

٨٠٢/٣٨ عَنْ مُعَاذِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجُهَنِيِّ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ جُهَيْنَةَ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ فِى الصُّبْحِ اِذَا زُلْزِلَتِ فِى الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا فَلَا اَدْرِىْ اَنَسِىَ اَمْ قَرَأَ ذٰلِكَ عَمَدًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

تیسری فصل

حضرت معاذ بن عبداللہ الجہنی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کے ایک آدمی نے ان کو خبر دی کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے فجر کی دونوں رکعتوں میں اذا زلزلت پڑھی یہ مجھے خبر نہیں کہ آپ بھول گئے یا عمداً[2] پڑھی۔

(ابوداؤد)

[1] حضرت معاذ بن عبداللہ الجہنی جیم کی پیش اور ہا کی زبر کے ساتھ، تابعی مدنی ثقہ ہیں۔ ابن سعد نے ان کو اہل مدینہ کے طبقۂ ثالثہ میں ذکر کیا ہے۔ ۱۱۸ھ میں وصال فرمایا۔

[2] شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے بیان جواز اور یہ بات بتانے کے لیے کہ ایک ہی سورۃ کو دو رکعتوں میں تکرار کرنے سے بھی اصل سنت ادا ہو جاتی ہے۔ عمداً اسے پڑھا۔ شیخ ابن حجر کا کلام ختم ہوا۔

اور ہو سکتا ہے کہ اس مقام نے یہ سورۃ بار بار سنانے کا تقاضا کیا ہو، کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول وارد ہے فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ، ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ (جو شخص ایک رائی برابر نیک کام کرے گا۔ اسے دیکھ لے گا۔ اور جو ایک رائی برابر برا عمل کرے گا اسے بھی دیکھ لے گا) حاضرین کو یہ کلمات بار بار سنانا مفید تھا کہ یہ کلمات وعد و وعید کی انواع کے جامع ہیں اور ان میں غایت تاکید و اختصار بھی پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد کی شان میں فرمایا جس نے یہ دو جملے سن کر کہا تھا "میرے لیے یہی دو کلمے کافی ہیں" کہ یہ شخص فقیہ ہے۔ گویا تمام علم فقہ ان دو جملوں میں درج ہے واللہ اعلم۔

٨٠٣/٣٩ وَعَنْ عُرْوَةَ قَالَ اِنَّ اَبَا بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقَ صَلَّى الصُّبْحَ فَقَرَأَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ الْبَقَرَةِ فِى الرَّكْعَتَيْنِ كِلْتَيْهِمَا

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عروۃ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز پڑھی تو دونوں رکعتوں میں سورۃ بقر[2] پڑھی۔

(مالک)

[1] یعنی حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بن اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ آپ قرشی اسدی ہیں۔ اکابر تابعین سے ہیں

اور ثقہ ہیں۔ مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔ فقیہ، عالم کثیر الحدیث ثبت و ثقہ ہیں۔ ہر عیب سے محفوظ اور صائم الدھر تھے۔ سنہ ۲۲ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۹۴ھ میں فوت ہوئے۔

۲ یہاں ظاہر یہ ہے کہ آپ نے سورۃ بقر کو دو رکعت میں تقسیم کر دیا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقہ سے نماز مغرب میں سورۃ اعراف پڑھی۔

۸۰۴/۱۴ وَعَنِ الْفُرَافِصَةِ ابْنِ عُمَيْرٍ الْحَنَفِيِّ قَالَ مَآ اَخَذْتُ سُوْرَةَ يُوْسُفَ اِلَّا مِنْ قِرَآءَةِ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ اِيَّاهَا فِي الصُّبْحِ مِنْ كَثْرَةِ مَا كَانَ يُرَدِّدُهَا۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت فرافصہ۱ بن عمیر۲ حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے سورۃ یوسف نہیں یاد کی مگر حضرت عثمان کے فجر میں پڑھنے سے۔ کیونکہ آپ بار بار یہ سورت نماز فجر میں پڑھا کرتے تھے۔

(مالک)

۱ فرافصہ پہلی فا کے فتح اور دوسری فا کے کسرہ کے ساتھ۔

۲ بن عمیر تصغیر عمر حنفی یمامہ کے ایک قبیلہ بنی حنیفہ کی طرف نسبت ہے۔ آپ مشہور تابعی ہیں۔

۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ایک ہی سورۃ پڑھنے سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔

۸۰۵/۳۱ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ صَلَّيْنَا وَرَآءَ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ الصُّبْحَ فَقَرَاَ فِيْهِمَا بِسُوْرَةِ يُوْسُفَ وَسُوْرَةِ الْحَجِّ قِرَآءَةً بَطِيْئَةً قِيْلَ لَهٗ اِذًا لَقَدْ كَانَ يَقُوْمُ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ قَالَ اَجَلْ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عامر۱ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی آپ نے ان دونوں رکعتوں۲ میں نہایت آہستہ آہستہ سورۃ یوسف اور سورۃ حج پڑھی ان سے کہا گیا پھر تو آپ فجر طلوع ہونے کے ساتھ۳ نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے ہوں گے فرمایا ہاں۔

(مالک)

۱ حضرت عامر بن ربیعہ صحابی ہیں۔ آپ آل خطاب کے حلیف تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے۔ بدر اور اس کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ سنہ ۳۲ھ یا سنہ ۳۵ھ میں فوت ہوئے

۲ بعض نسخوں میں لفظ فیہا آیا ہے یعنی نماز صبح میں۔

۳ تاکہ اس قدر لمبی قراءت کی گنجائش ہو سکے۔

کلہ اَجَل ہمزہ اور جیم کی فتح کے ساتھ۔ یہ کلمۂ تصدیق ہے۔ اور نعم بمعنی ہاں کے معنی میں آتا ہے۔

۸۰۶/۴۲ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ مَا مِنَ الْمُفَصَّلِ سُوْرَةٌ صَغِيْرَةٌ وَّلَا كَبِيْرَةٌ اِلَّا قَدْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ بِهَا النَّاسَ فِى الصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں مفصل کی کوئی چھوٹی بڑی سورۃ ایسی نہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہ سنی ہو جس سے آپ فرض نماز میں لوگوں کی امامت کرتے تھے۔

(مالک)

۸۰۷/۴۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ بِحٰمٓ الدُّخَانِ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِىُّ مُرْسَلًا)

حضرت عبداللہ[1] بن عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز مغرب میں حٰمٓ الدخان پڑھی۔ نسائی نے اس حدیث کو بطریق ارسال روایت کیا۔ (کیونکہ عبداللہ بن عقبہ تابعی ہے)

(اشعۃ اللمعات)

[1] آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ مدنی الاصل ہیں۔ مگر کوفہ میں سکونت پذیر ہو گئے۔ زمانہ نبوت کو پایا عقیلی نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا مگر غلط کیا۔ آپ صحابی نہیں بلکہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

بَابُ الرُّكُوْعِ

رکوع کا باب

لغت میں رکوع کا معنیٰ ہے پشت کو خم کرنا۔ کہتے ہیں رکع الشیخ بڑھاپے کی وجہ سے بوڑھے کی پشت خم ہو گئی۔ رکوع نماز بھی اسی میں سے ہے۔ رکوع بمعنی نماز بھی آیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں رکع المصلی۔ یعنی نمازی نے نماز پڑھی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۰۸/۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الرُّكُوْعَ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکوع اور

وَالسُّجُوْدَ فَوَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَرٰىكُمْ مِنْ بَعْدِیْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

سجدے پورے اور ٹھیک کرو۔ خدا کی قسم میں تم کو اپنے پیچھے سے دیکھتا ہوں۲؎۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ جیسا کہ سنت میں آیا ہے اور باب صفۃ الصلوٰۃ میں گزرا۔

۲؎ یعنی تم لوگ جو کچھ کرتے ہو وہ مجھ سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی شرح باب صفۃ الصلوٰۃ کی تیسری فصل میں گزری۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں۔

٨٠٩/٢ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كَانَ رُكُوْعُ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُوْدُهٗ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ وَاِذَا رَفَعَ مِنَ الرُّكُوْعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُوْدَ قَرِيْبًا مِّنَ السَّوَآءِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ اور دو سجدوں کے درمیان کی نشست اور جب رکوع سے سر اٹھاتے سوائے قیام اور بیٹھنے کے قریبًا برابر تھا۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع اور سجدہ پھر دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا اور جب آپ غیر قیام کے لیے کہ جس میں قراءت کرتے تھے اور سوائے اس بیٹھنے کے جو تشہد کے لیے تھا سب قریب قریب برابر ہوتے تھے یعنی وہ قیام جس میں آپ قراءت کرتے تھے، بے شک لمبا ہوتا تھا اور قعود (بیٹھنا) جس میں آپ التحیات پڑھتے تھے بھی لمبا ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ باقی ارکان رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ سب برابر اور مقدار میں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتے تھے۔

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیام وقعود بھی رکوع وسجود اور قومہ وجلسہ کے برابر ہوتا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ قیام لمبا کرتے تو ان ارکان کو بھی عام اوقات وحالات سے دراز کرتے اور جب قیام میں تخفیف کرتے تو ان ارکان میں بھی تخفیف کرتے اور نماز کے تمام ارکان متناسب اور متشابہ واقع ہوتے تھے۔ یہ مطلب نہیں کہ رکوع و سجود قیام وقعود کے برابر ہوتا تھا۔ ہاں نماز خسوف اور کسوف میں واقع ہوا ہے کہ رکوع وسجود قیام کے برابر ہوتا تھا شارحین نے اس کی بھی یہی تاویل اور اس کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ اس کلام کا باقی ماندہ حصہ فصل ثالث کی پہلی حدیث یعنی عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

٨١٠/٣ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب

لِمَنْ حَمِدَهٗ قَامَ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ ثُمَّ يَسْجُدُ وَيَقْعُدُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ حَتّٰى نَقُوْلَ قَدْ اَوْهَمَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

سمع اللّٰہ لمن حمدہٗ کہتے تو کھڑے رہتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم[1] ہو گیا پھر سجدہ کرتے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھتے حتیٰ کہ ہم کہتے کہ آپ کو وہم ہو گیا۔

(مسلم)

[1] اَوْہَمَ ہمزہ ؛ اور ہا کی زبر اور واو ساکن کے ساتھ یعنی آپ کھڑے رہتے اور بہت دیر کھڑے رہتے یہاں تک کہ ہم سمجھتے کہ آپ نے پہلی رکعت ترک کر کے از سر نو قیام شروع کر دیا ہے۔ بعض نے اس لفظ کی تفسیر نسیان سے کی ہے مگر اس تفسیر میں لغت کے اعتبار سے کلام و اعتراض ہے۔

۸۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَقُوْلَ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے نبی کریم صلی اللّٰہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدہ میں یہ الفاظ زیادہ کہتے تھے۔ الٰہی اے ہمارے رب تو پاک ہے تیری حمد ہے خدایا مجھے بخش دے۔ قرآن[1] پر عمل کرتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی آپ اس تسبیح و استغفار سے قرآن کی مراد بیان کرتے تھے کہ قرآن میں فرمایا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ کہ اس آیت میں آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں یعنی رکوع و سجود میں کیونکہ خضوع و خشوع کے لحاظ سے رکوع و سجود سب سے اعلیٰ حالت ہے۔ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رکوع و سجود کے علاوہ بھی تسبیح و استغفار کرتے تھے۔ علماء نے بیان کیا ہے کہ یہ تسبیح و استغفار و ذکر کا سلسلہ آخر عمر شریف میں زیادہ تر سورہ اذا جاء نصر اللّٰہ کے بعد شروع ہوا۔

۸۱۲ وَعَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت عائشہ رضی اللّٰہ عنہا سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجدہ میں کہتے تھے۔ پاک[1] ہے بے عیب ہے فرشتوں اور روحوں کا رب ہے۔

(مسلم)

[1] سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ طہارت و تنزیہ کے لیے لائے گئے ہیں پیش و فتح دونوں طرح پڑھے جاتے ہیں مگر پیش سے پڑھنا اکثر ہے۔ روح سے مراد حضرت جبرئیل ہیں کہ انہیں روح الامین بھی کہتے ہیں بعض

کہتے ہیں روح اُس فرشتے کا نام ہے جو ارواح پر مقرر ہے۔ یا روح سے جنس ارواح انسانی مراد ہے۔ بعض کہتے ہیں روح ملائکہ سے الگ اور ان سے بڑی مخلوق کا نام ہے۔

۸۱۳/۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّیْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَاَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا وَّسَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَ اَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِی الدُّعَآءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آگاہ رہو مجھے رکوع اور سجدے میں تلاوتِ قرآن سے منع کیا گیا ہے رکوع میں ربّ کی تعظیم کرو اور سجدہ میں دعا میں کوشش کرو۔ کہ وہ دعائیں قبولیت کے لائق ہیں۔

(مسلم)

۱۵ یعنی حق تعالیٰ عزّ اسمہ نے نماز کی ہر ہیئت کو ایک خاص قسم کے ذکر کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔ چنانچہ ہیئت قیام کو جو اول اور اعظم اور خدمت میں زیادہ دخل رکھتی ہے، قرآن سے مخصوص فرمایا جو اعلیٰ و اقدم، اعظم اور افضل اذکار ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے اس تعین و تخصیص کے بعد اب اس امر کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ اس کی خلاف ورزی کی جائے، اگر کوئی شخص خلاف ورزی کرے گا تو وہ حرام یا مکروہ ہے اور یہ عبادت سے متعلق ایک امر و حکم ہے کہ ہماری عقل اس کی (حکمت) کا ادراک نہیں کر سکتی۔

اور بعض لوگ اس کی حکمت و علت بھی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں رکوع و سجود کی ہیئت خضوع و تذلل اور خواری کی حالت ہے۔ اس لیے نہی کر دی کہ کتاب جو کریم و عالی اور عظیم الشان ہے، اس حالت میں اس کی تلاوت کی جائے علامہ طیبی نے خطابی سے نقل کیا کہ گویا مکروہ جانا کہ خلق و خالق کا کلام ایک حالت میں جمع کیا جائے اور دونوں کو برابر کر دیا جائے۔ مگر یہ دونوں نکتے قیل و قال سے خالی نہیں ہیں۔ مگر حقیقت وہی ہے کہ شارع علیہ السلام کے حکم کے مطابق اس کے حکم عبادت کی بجا آوری کی جائے۔ اور اس بحث میں نہ پڑا جائے کہ اس میں حکمت و علت کیا ہے ؎

زبان تازہ کردن باقرار تو ۔۔۔ نہ انگیختن علت از کار تو
ہر چہ نماید کہ بکن آن بکن ۔۔۔ و آنچہ بگوید کہ مگو آن مگو

ترجمہ:۔ ہمیں یہ چاہیے کہ تیرے ذکر سے اپنی زبان تازہ رکھیں نہ یہ کہ تیرے کام میں علت تلاش کرتے پھریں۔

جس چیز کے بارے میں وہ کہے کہ تجھے وہ کرنا چاہیے اور جس چیز کے بارے کہے کہ نہ کہہ تو وہ بات زبان پر نہ لا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ اگر کسی نے رکوع و سجدہ میں قرآن پڑھ لیا تو اس کا کیا حکم ہے اس کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

صحیح یہ ہے کہ فاسد نہ ہوگی اور جب کہ رکوع و سجود میں قرآن پڑھنے سے منع فرما دیا تو اس حالت کے لیے وظیفہ عبادت کی بھی تعیین کر دی۔ اور فرمایا فاما الرکوع الی آخرہٖ۔

۵۲ اور اس کی عظمت کا مشاہدہ کرو جو قرب و تذلل کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔ اسی وجہ سے رکوع میں سبحان ربی العظیم پڑھتے ہیں۔

۵۳ کیونکہ حالت سجدہ میں خصوصی قرب نصیب ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان۔ بے شک میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ دعا دو قسم ہے۔ ایک وہ دعا جو ثنا، تجمید، تکبیر، تقدیس پر مشتمل ہے کہ بندہ پڑھتا ہے اور پروردگار تعالےٰ و تقدس کی حمد و ثنا اور درگاہ عزت و جلال کی ستایش کرتا ہے۔ دوسری قسم دعائے طلب و سوال ہے کہ بندہ طلب حاجات کے لیے اسے پکارتا ہے۔ اور اس کی درگاہِ رحمت و عطا سے اپنے مقاصد مانگتا ہے۔

علماء فرماتے ہیں حضرت کریم وہاب کی مدح و ثنا درحقیقت اس سے طلب و سوال ہے اور جس دعا کا حکم کثرت سے سجدے میں دیا گیا ہے۔ وہ دونوں قسم کی دعا کو شامل ہے۔ یہاں سے ظاہر ہو گیا کہ حنفیہ جو ذکر پر کفایت کرتے ہیں اور صراحتہً دعا کرنے سے منع کرتے ہیں۔ وہ بھی دعا کے حکم کی بجا آوری سے خارج نہیں ہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ بندہ کو چاہیے کہ تعظیم اور ذکر حق میں مخلص ہو تاکہ وہ حدیث مَنْ شَغَلَہٗ ذِکْرِیْ عَنْ مَّسْئَلَتِیْ اَعْطَیْتُہٗ اَفْضَلَ مَا اُعْطِی السَّائِلِیْنَ۔ ترجمہ۔ جسے میرے ذکر نے میرے سوال سے روک رکھا میں اس کو سوال کرنے والوں سے افضل اور بڑھ کر دیتا ہوں) کے مطابق اعظم و اعلیٰ عطا سے فائز ہو۔

اور جمع و تطبیق کی حقیقت یہ ہے کہ نوافل میں صریح دعا کے ساتھ حکم کی بجا آوری کرے اور فرائض و تسبیحات پر کفایت کرے۔ جیسا کہ بعض محققین حنفیہ نے کہا ہے۔

۸۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ فَاِنَّهٗ مَنْ وَّافَقَ قَوْلُهٗ قَوْلَ الْمَلٰٓئِكَةِ غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمع اللہ لمن حمدہٗ کہے تم اللھم ربنا لک الحمد کہو کہ جس کا کلام فرشتوں کے کلام کے موافق ہوگا اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] باب القراۃ فی الصلوٰۃ کی فصل اول میں اس بارے میں کلام گزر چکا ہے۔

۸۱۵/۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ ظَهْرَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَ مِلْاَ الْاَرْضِ وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن۱؎ ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیٹھ رکوع سے اٹھاتے تو کہتے سمع۲؎ اللہ لمن حمدہٗ اللھم ربنالک الحمد ملأ السمٰوات وملأ الارض وملأ ماشئت من شیٔ بعدُ۔

(مسلم)

۱؎ یہ حضرت عبداللہ اور ان کے باپ دونوں صحابی ہیں۔ حدیبیہ اور خیبر میں شریک ہوئے اور یہ آخری صحابی ہیں جو کوفہ میں ۸۷ھ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی اتنی مقدار بھرنے کے ساتھ جو تو اس کے بعد ممکنات معدومۃ کو پیدا کرے گا۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ امام تسمیع وتحمید دونوں کو جمع کر سکتا ہے۔ جیساکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے اور اس میں کلام گزر چکا ہے۔

۸۱۶/۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَفَعَ رَاْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ قَالَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْاَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْاَ الْاَرْضِ وَمِلْاَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَآءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے سر اٹھاتے تو کہتے اے اللہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے آسمان بھر کر زمین بھر کر اور اسکے سوا جو چیز تو چاہے وہ بھر کر۔ تعریف و بزرگی والا ہے جو کچھ بندہ کہے اس کا تو حقدار ہے، ہم سب تیرے بندے ہیں۔ الٰہی جو تو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جو تو روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا۱؎۔ تیرے مقابل کسی دولتمند۲؎ کو دولتمندی فائدہ نہیں دے سکتی۔

(مسلم)

۱؎ بعض روایات میں وَلَا رَادَّ لِمَا قَضَیْتَ بھی آیا ہے یعنی اس چیز کو کوئی رد نہیں کر سکتا جسے تو کسی کے مقدر

میں کر دے۔

[2] جَدّ بمعنی بخت ومال ودولت اور تونگری اور بے نیازی کے معنی میں بھی آتا ہے۔ بعض جد سے دادا مراد لیتے ہیں یعنی اے اللہ تیرے نزدیک عمل اور تیرا فضل فائدہ دیتا ہے نسب فائدہ نہیں دیتا۔ ایک روایت میں جِدّ جیم کی زیر سے بھی آیا ہے۔ یعنی کوشش اور دنیا کی حرص اور دنیا کا مال ومتاع جمع کرنا۔ یا بمعنی تیرے عذاب سے بھاگنا۔ یعنی بندے کی کوشش۔ اس کی دنیا کی حرص۔ اور مال ومتاع جمع کرنا تیرے مقابلے میں کچھ نفع نہیں دے سکتا یا تیرے عذاب سے بھاگنا کچھ نفع نہیں دیتا۔

٨١٠ وَعَنْ رِفَاعَةَ ابْنِ رَافِعٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقَالَ رَجُلٌ وَّرَاءَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ اٰنِفًا قَالَ اَنَا قَالَ رَاَيْتُ بِضْعَةً وَّثَلٰثِيْنَ مَلَكًا يَبْتَدِرُوْنَهَا اَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا اَوَّلُ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت رفاعہ[1] بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے جب آپ نے اپنا سر مبارک رکوع سے اٹھایا تو سمع اللہ لمن حمدہ کہا آپ کے پیچھے ایک شخص نے کہا ربنا ولک الحمد حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ اے ہمارے رب تیرے ہی لیے حمد ہے بہت طیب[2] برکت[3] والی حمد جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا کہ ابھی کس نے یہ کلمات کہے وہ بولا میں نے آپ نے فرمایا میں نے چند اور تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ جلدی کر رہے ہیں کہ پہلے کون لکھے[4]۔

(بخاری شریف)

---

[1] حضرت رفاعہ بدری ہیں۔ انصاری صحابی ہیں۔ ان کے باپ نقباء انصار میں سے ہیں۔ ۴۱ھ میں فوت ہوئے۔

[2] یعنی شرک اور شائبہ ریا سے پاک حمد

[3] یعنی اخلاص وحضور کی بدولت ہر آن بڑھتے اور زیادہ ہونے والی۔

[4] یعنی ان کلمات کی فضیلت وعظمت اور ان کی قبولیت کی وجہ سے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

٨١١ عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلٰوةُ الرَّجُلِ حَتّٰى يُقِيْمَ

حضرت ابی[1] مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کی نماز درست نہیں ہوتی جب تک کہ رکوع وسجود

ظَهْرَهٗ فِى الرُّكُوْعِ وَ السُّجُوْدِ ۔
رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ
وَ النَّسَآئِيُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِيُّ
وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ
صَحِيْحٌ ۔

میں اپنی پشت سیدھی نہ کرے۲؎۔
(ابوداؤد، ترمذی)
(ابن ماجہ، دارمی)
اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن
صحیح ہے۔

۱؎ ان کا نام عقبہ بن عمرو بن ثعلبہ ہے۔ بیعت عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوئے۔ ان کو بدری کہا گیا ہے۔ جمہور اس پر ہیں کہ ان کو بدری اس لیے کہتے ہیں کہ سکونت بدر میں تھی نہ اس بنا پر کہ یہ غزوہ بدر میں شریک تھے۔ کوفہ میں سکونت اختیار کی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یہ حکم امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ظاہر معنی پر محمول ہے کہ قومہ و جلسہ ان کے نزدیک فرض ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک کہ وہ قومہ و جلسہ کو سنت قرار دیتے ہیں، یہ حدیث تشدید و مبالغہ پر محمول ہے یعنی قومہ و جلسہ کی درستی کی تاکید کے لیے آپ نے ایسا فرمایا۔

۸۱۹/۱۲ وَعَنْ عُقْبَۃَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ لَمَّا
نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
اجْعَلُوْهَا فِىْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ
اجْعَلُوْهَا فِىْ سُجُوْدِكُمْ ۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ
الدَّارِمِيُّ ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
فرماتے ہیں جب آیت فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ نازل ہوئی
تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اپنے
رکوع میں کرلو۔ اور جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل
ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے
اپنے سجدے میں رکھو۱؎۔
(ابوداؤد، ابن ماجہ)
(دارمی)

۱؎ مراد یہ ہے کہ سبحان ربی العظیم رکوع میں اور سبحان ربی الاعلی سجدے میں پڑھو۔

۸۲۰/۱۳ وَعَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ
ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ
فَقَالَ فِىْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ
ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَ ذٰلِكَ

حضرت عون بن عبداللہ۱؎ وہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے
روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور
اپنے رکوع میں تین بار سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا
رکوع پورا ہوگیا اور یہ ادنیٰ درجہ ہے اور جب

أَدْنَاهُ وَإِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ أَدْنَاهُ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ لَيْسَ إِسْنَادُهٗ بِمُتَّصِلٍ لِأَنَّ عَوْنًا لَمْ يَلْقَ ابْنَ مَسْعُوْدٍ۔

سجدہ کرے اور اپنے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ تین بار کہہ لے تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ ادنیٰ درجہ[2] ہے۔

ترمذی، ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا اس کی اسناد متصل نہیں۔ کیونکہ عون نے ابن مسعود سے ملاقات[3] نہیں کی۔

[1] یعنی حضرت عون بن عبداللہ بن مسعود ہذلی۔ آپ فقیہہ ثقہ کوفی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بھتیجے کے لڑکے اور عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کے بھائی اور تابعی ہیں۔ آپ نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوموسیٰ سے احادیث سنی۔ اور ان سے حضرت مسعودی و مسعر و قتادہ اور ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم نے احادیث سنیں اور کبھی انہیں دادا کی طرف نسبت کر کے عون بن عتبہ بھی کہہ دیتے ہیں۔ صحابہ کرام سے ان کی غالب و اکثر روایات مرسل ہیں۔ ترمذی نے کہا کہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان کی روایات مرسل ہیں۔

[2] علماء نے کہا ہے یہاں ادنیٰ سے ادنیٰ درجۂ کمال مراد ہے۔ ورنہ اصل کمال صرف ایک بار کہنا ہے۔ تین بار کہنا کمال میں داخل ہے مگر یہ ادنیٰ کمال ہے۔ کمال کا اعلیٰ درجہ پانچ بار یا سات بار کہنا ہے اور انتہائے کمال کے لیے کوئی حد نہیں۔ بعض نے دس بار کہنا اعلیٰ درجۂ کمال قرار دیا ہے۔ اور بعض نے اعلیٰ درجہ اسے قرار دیا ہے کہ اتنی دفعہ پڑھے کہ سہو میں مبتلا نہ ہو۔ بعض نے قریب قیام کی مقدار تک پڑھنے کو اعلیٰ درجہ کمال کہا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات کرتے تھے۔ مگر امام کے لیے مقتدیوں کے حال کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ یہی تفصیل سجدہ کی تسبیح میں کی ہے۔

[3] پس البتہ ابن مسعود کے درمیان ایک راوی ہے جس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور حدیث منقطع کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

۸۲۱/۱۲ وَعَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى وَمَا أَتٰى عَلٰى اٰيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ۔

حضرت حذیفہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے اور رحمت کی آیت پر نہ پہنچتے مگر ٹھہر جاتے اور (رحمت) مانگ

وَ سَاَلَ وَ مَا اَتٰى عَلٰى اٰيَةِ عَذَابٍ اِلَّا وَقَفَ وَ تَعَوَّذَ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ الدَّارِمِيُّ وَ رَوَى النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ اِلْاَعْلٰى وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

لیتے اور عذاب کی آیت پر نہ پہنچتے مگر ٹھہرتے اور (عذاب سے) پناہ مانگتے۔

اسے ترمذی۔ ابوداؤد، دارمی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے الاعلیٰ تک روایت[2] کیا اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح[3] ہے۔

⁂

---

[1] آپ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب راز ہیں۔ انہیں منافقین کا علم تھا۔

[2] اور لفظ ما اٰتی علی اٰیۃ رحمۃ تا آخر کا ذکر نہ کیا۔

[3] بعض روایات میں یہ حدیث صلوٰۃ لیل میں آئی ہے۔ جیسا کہ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۲۲/۱۵ عَنْ عَوْفِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ قُمْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَكَعَ مَكَثَ قَدْرَ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ وَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوْتِ وَ الْمَلَكُوْتِ وَ الْكِبْرِيَاءِ وَ الْعَظَمَةِ ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت عوف[1] بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑا ہوا[2]۔ جب آپ نے رکوع کیا تو سورہ بقر کی مقدار ٹھہرے اور رکوع میں پڑھتے۔ سبحان ذی الجبروت والملکوت والکبریاء والعظمۃ۔ یعنی پاک ہے غلبہ والا ملکوت۔ بڑائی اور عظمت والا۔

(نسائی)

---

[1] آپ صحابی اشجعی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ اشجع نام مرد کی طرف منسوب ہیں۔ سب سے پہلے غزوہ خیبر میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا۔ شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۷۳ھ میں فوت ہوئے آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے احادیث روایت کی ہیں۔ اور ان سے صحابہ میں سے حضرت جابر حضرت ابوہریرہ اور حضرت مقدام بن معدیکرب اور بہت سے تابعین نے احادیث روایت کی ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

[2] بعض نے کہا۔ کھڑا ہونے سے آپ کے ساتھ نماز ادا کرنا مراد ہے۔ اور یہ نماز کسوف میں تھا۔

[3] اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رکوع میں اتنی مقدار رہتے کہ اس میں سورہ بقر پڑھی جا سکتی تھی

جیسا کہ نماز کسوف میں کیا ہے۔ یہاں اس تاویل کی ضرورت نہیں جو رکوع کو قیام کے ساتھ برابر کرنے کے لیے کی جاتی ہے۔ کہ یہ برابری اور مساوات عموماً نماز کسوف میں ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت براء کی حدیث میں فصل اول میں گزر چکا ہے۔

۸۲۳/۱۶ وَعَنِ ابْنِ جُبَيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَنَسَ ابْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اَحَدٍ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْبَهَ صَلٰوةً بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ هٰذَا الْفَتٰى يَعْنِىْ عُمَرَ ابْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ قَالَ فَحَزَرْنَا رُكُوْعَهٗ عَشَرَ تَسْبِيْحَاتٍ وَّسُجُوْدَهٗ عَشَرَ تَسْبِيْحَاتٍ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِىُّ۔

حضرت ابن جبیر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھی جس کی نماز اس جوان (عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ) کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے زیادہ مشابہ ہو۔ آپ نے فرمایا ہم نے ان کو رکوع میں دس تسبیح اور سجدہ میں دس تسبیح کا اندازہ لگایا[2]۔

(ابوداؤد)

(نسائی)

[1] جُبَیر جیم کی پیش اور با کی زبر کے ساتھ۔ مراد حضرت سعید بن جُبیر ہیں۔ جو تابعین میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسری جگہ احاطہ تحریر میں آچکے ہیں۔ اور حجاج ظالم کے ساتھ ان کا قصہ بڑا مشہور ہے۔ (جو اکمال میں درج ہے)

[2] یعنی اس وقت میں کہ ہم لوگ دس تسبیح رکوع میں اور دس تسبیح سجدہ میں کہہ لیتے ہیں۔ اتنا وقت وہ رکوع اور سجدہ میں صرف کرتے تھے۔ اور اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال بھی یہی تھا۔

۸۲۴/۱۷ وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ اِنَّ حُذَيْفَةَ رَاٰى رَجُلًا لَّا يُتِمُّ رُكُوْعَهٗ وَلَا سُجُوْدَهٗ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ دَعَاهُ فَقَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ مَا صَلَّيْتَ قَالَ وَاَحْسَبُهٗ قَالَ وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلٰى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِىْ فَطَرَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ)

حضرت شقیق[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ بیشک حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو اپنا رکوع و سجود پورا نہ کرتا تھا[2]۔ جب اس نے اپنی نماز مکمل کی تو اسے حضرت حذیفہ نے بلایا اور فرمایا تو نے نماز نہیں پڑھی[3]۔ راوی کہتا ہے مجھے گمان ہے کہ حضرت حذیفہ نے اسے یہ بھی کہا کہ اگر تو مرا تو اس طریقہ کے خلاف مرے گا[4] جس پر اللہ تعالےٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا۔

(بخاری)

[1] یعنی حضرت شقیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ جو مشہور تابعی ہیں سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ نے جو کبار صحابہ

ہیں سے ہیں۔ اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دان بھی کہتے ہیں۔ اور آپ منافقین کا علم بھی رکھتے تھے۔ با کمال۔

۲؎ ظاہراً یہ الفاظ ترکِ طمانیت پر محمول ہیں اور اگر اعتدال کو بھی شامل کر لیں تو بہتر ہے۔

۳؎ یعنی یہ نماز صحیح نہیں ہے جو تو نے ادا کی ہے۔

۴؎ یعنی اگر تو اس قسم کی نماز سے توبہ کرنے کے بغیر مر گیا تو خلافِ سنت اور طریقۂ دین اسلام کے خلاف مر گیا جس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا ہے۔ اس میں رکوع و سجود پورا نہ کرنے پر مذمت میں سخت مبالغہ پایا جاتا ہے۔

۸۲۵/۱۸ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْوَءُ النَّاسِ سَرِقَةً الَّذِیْ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالَ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا سُجُوْدَهَا۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں بدترین چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرے۔ صحابہ نے عرض کیا نماز کی چوری کس طرح کرتا ہے۔ فرمایا نماز کا رکوع اور سجدہ پورا اور صحیح نہیں کرتا۔۱؎

(احمد)

۱؎ تو یہ شخص اس انسان کی طرح ہے جو کسی کے مال کی چوری کرتا ہے۔

۸۲۶/۱۹ وَعَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ مُرَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا تَرَوْنَ فِی الشَّارِبِ وَالزَّانِیْ وَالسَّارِقِ وَذَالِكَ قَبْلَ اَنْ تُنْزَلَ فِيْهِمُ الْحُدُوْدُ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هُنَّ فَوَاحِشُ وَفِيْهِنَّ عُقُوْبَةٌ وَاَسْوَءُ السَّرِقَةِ الَّذِیْ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَسْرِقُ مِنْ صَلٰوتِهٖ لَا يُتِمُّ رُكُوْعَهَا وَلَا

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ وَرَوَى الدَّارِمِیُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت النعمان۱؎ بن مرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا اور ان سے دریافت کیا تم لوگ شرابی اور زانی اور چور کے بارے میں کیا کہتے اور رائے رکھتے ہو۲؎ آپ کا یہ فرمانا ان کے بارے میں حدود اور سزاؤں کے نازل ہونے سے پہلے تھا۳؎ صحابہ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ فواحش۴؎ اور کبیرہ گناہ ہیں اور ان پر گرفت اور سزا ہے اور بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز کی چوری کرتا ہے لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! نماز کی چوری کس طرح کرتا ہے فرمایا اس کا رکوع اور سجدہ پورا نہیں کرتا۔ اسے مالک نے روایت کیا اور دارمی نے اس کی مثل روایت کیا۔

[1] نعمان نون کی پیش اور عین ساکن کے ساتھ۔ مُرَّۃَ میم کی پیش اور را کی زبر اور شد کے ساتھ آپ (حضرت نعمان بن مرہ) تابعی ثقہ ہیں۔ انصاری ہیں۔ بعض نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہے مگر یہ وہم ہے حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں اور ان کی احادیث مرسل ہیں۔

[2] کہ ان کی سزا اور نافرمانی کس نوعیت اور کس درجہ کی ہے۔

[3] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شرابی، زانی اور چور کے بارے میں صحابہ کی رائے دریافت کرنا شراب نوشی، زنا کاری اور چوری کے بارے میں آیات نازل ہونے سے پہلے تھا، ظاہراً راوی کے اس قول و بیان کا فائدہ و جہ سوال کا بیان ہے۔ یا یہ کہ حدود کے نازل ہونے کے بعد تو ان مذکورہ افعال بد کے قبیح تر، شنیع تر اور بدتر ہونے میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ واللہ اعلم

[4] فواحش دراصل ان گناہوں کو کہتے ہیں جو سخت قبیح ہوں اور ان کی بدی حد سے تجاوز کر چکی ہو۔

بَابُ السُّجُوْدِ

باب السجود وفضلہ

سجدہ اور اس کی فضیلت کا باب

یعنی یہ باب کیفیت سجدہ اور اس کی فضیلت کے بیان میں ہے۔ سجود کا لغت میں معنیٰ ہے سر زمین پر رکھنا، فروتنی کرنا اور سر نیچے کرنا۔ اور شرع میں سجدہ کا معنیٰ ہے مخصوص طریقہ سے سر زمین پر رکھنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۸۴۷/۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اَسْجُدَ عَلٰى سَبْعَةِ اَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَاَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ[2] وَلَا الشَّعَرَ۔

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں[1]۔ پیشانی پر دونوں ہاتھوں پر دونوں گھٹنوں پر اور دونوں قدموں کے کناروں پر اور یہ کہ ہم کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں[2]۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

(بخاری ومسلم)

۷۱ کہ ان تمام اعضا کو سجدہ میں زمین پر رکھنا چاہیے۔ ایک روایت میں جبہہ کے بجائے وجہ کا لفظ آیا ہے۔ اور ایک روایت میں جبہہ (پیشانی) کے ساتھ الف یعنی ناک کا ذکر بھی آیا ہے۔ اسی بنا پر اکثر آئمہ اس طرف گئے ہیں کہ ناک اور پیشانی دونوں زمین پر رکھنی چاہییں۔ اور ان دونوں کے بغیر سجدہ روا نہ ہوگا۔ مذہب حنفی میں پیشانی اور ناک دونوں سے سجدہ کرنا افضل ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک سے کریں تو بھی کافی ہے۔ پس اگر صرف پیشانی سے سجدہ کریں تو حضرت امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین رضی اللہ عنہم کے نزدیک ایک روایت میں بلاکراہت جائز ہے اور اگر صرف ناک سے سجدہ کریں تو صاحبین کے نزدیک جائز ہے۔ اور امام صاحب سے ایک روایت میں صرف ناک سے سجدہ جائز نہیں ہے اور ایک دوسری روایت میں جائز ہے مگر کراہت کے ساتھ۔ ہاں ہاتھوں اور زانوؤں کا زمین پر رکھنا حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک سنت ہے۔ اور ابواللیث فرماتے ہیں۔ اگر زانو زمین نہ رکھے تو سجدہ جائز نہ ہوگا جیسا کہ شرح ابن الہمام رحمۃ اللہ میں ہے۔ اور پاؤں کے بارے میں مسئلہ یہ ہے کہ اگر دونوں اٹھائے رکھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور ایک پاؤں اٹھائے رکھا تو نماز مکروہ ہوگی۔

۷۲ جیسا کہ بعض لوگ سجدہ میں جاتے وقت کپڑے سمیٹتے ہیں تاکہ خاک آلود نہ ہوں یا بلاضرورت عادت کے طور پر ایسا کرتے ہیں یا دامن جھاڑتے ہیں۔ اور بعض لوگ کمر باندھتے ہیں۔ اور شملہ کو دستار میں نماز کے دوران داخل کرتے ہیں۔ ان سب امور کو بھی اس میں داخل کیا گیا ہے۔ اور بعض نماز میں کمر باندھنے کو مستحب کہتے ہیں۔ اور بعض اسے مکروہ قرار دیتے ہیں۔ بالوں کو سمیٹنے کا مطلب ہے کہ انہیں دستار کے نیچے جمع کیا جائے۔ بعض نے کہا مکروہ یہ ہے کہ انہیں گوندا جائے اور کسی چیز کے ساتھ باندھا جائے اور گرہ لگائی جائے۔ اگر ان صورتوں کے علاوہ ویسے جمع ہو جائیں تو مکروہ نہیں ہے۔

۸۲۸ / ۲۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَدِلُوْا فِى السُّجُوْدِ وَلَا يَبْسُطْ اَحَدُكُمْ ذِرَاعَيْهِ انْبِسَاطَ الْكَلْبِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سجدہ میں اعتدال واطمینان اختیار کرو اور تم میں سے کوئی آدمی اپنے ہاتھ (زمین پر) اس طرح نہ پھیلائے جس طرح کتا پھیلاتا ہے۔

(بخاری ومسلم)

۱ ظاہر یہ ہے کہ اعتدال سے طمانیت وسکون مراد ہے۔ جیسا کہ رکوع میں بھی اعتدال وسکون کا حکم ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا کہ سجدہ میں اعتدال یہ ہے کہ پشت کو زمین پر ہموار کرے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے۔ دونوں بازو زمین سے اٹھا کر رکھے اور شکم کو بازوؤں سے دور رکھے۔

۸۲۹ / ۲۲ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو سجدہ کرتے تو

سَلَّمَ إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَ ارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور دونوں کہنیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھو[۱]

(مسلم)

۱ مگر یہ حکم مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے بازو زمین پر رکھیں اور اپنے پہلوؤں کو ران کے ساتھ ملا دیں کہ یہ ہیئت عورت کے پردہ کے لیے زیادہ بہتر اور قریب ہے۔

۸۳۰/۲۳ وَعَنْ مَيْمُوْنَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ جَافٰى بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى لَوْ أَنَّ بَهْمَةً[۱] أَرَادَتْ أَنْ تَمُرَّ تَحْتَ يَدَيْهِ مَرَّتْ هٰذَا لَفْظُ أَبِيْ دَاوُدَ كَمَا صَرَّحَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِإِسْنَادِهٖ وَلِمُسْلِمٍ بِمَعْنَاهُ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدَ لَوْ شَاءَتْ بَهْمَةٌ أَنْ تَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ لَمَرَّتْ

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک تھا کہ جب آپ سجدہ میں جاتے تو دونوں بازوؤں کو شکم سے دور رکھتے اور شکم کو ران سے الگ رکھتے۔ آپ اتنی مقدار دور رکھتے کہ بکری کا بچہ ان کے نیچے سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا۔ یہ لفظ ابوداؤد کے ہیں جیسا کہ شرح السنۃ میں اپنے اسناد کے ساتھ مؤلف نے اس کی تصریح کی ہے[۲] اور مسلم کی روایت بھی اس کے ہم معنی ہے۔ مگر اس کے الفاظ دوسرے ہیں اور وہ الفاظ یہ ہیں کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو بکری کا بچہ اگر دونوں ہاتھوں کے درمیان سے گزرنا چاہتا تو گزر سکتا تھا[۳]۔

۱ بَہْمَہ با کی زبر اور ہا ساکن کے ساتھ یعنی بکری یا بھیڑ کا بچہ۔ جسے پیدائش کے وقت سخلہ کہتے ہیں (سین کی زبر اور خائے معجمہ کی جزم کے ساتھ) اور جب وہ قدرے بڑا ہو جائے اور چلنے لگے تو اسے بہمہ کہتے ہیں۔

۲ یعنی یہ حدیث جو اس عبارت کے ساتھ مروی ہے ابوداؤد کے الفاظ میں ہے۔ جیسا کہ صاحب مصابیح نے خود اس کی تصریح کی ہے کہ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ صاحب مصابیح نے یہ تصریح شرح سنۃ میں اپنے اسناد کے ساتھ کی ہے۔

۳ اور اس روایت میں جَافٰی بَیْنَ یَدَیْہِ کے الفاظ مذکور نہیں ہیں اور اس روایت میں لفظ اَرَادَتْ کے بجائے لفظ شَاءَتْ اور مَرَّتْ کے بجائے لَمَرَّتْ ہے۔ اس سے مؤلف کا مقصد صاحب مصابیح پر اعتراض کرنا ہے کہ ابوداؤد کے الفاظ فصل اول میں لانا، جو کہ شیخین کی حدیث کے لیے موضوع و متعین ہے، مناسب نہیں ہے۔

۸۳۱/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت عبداللہ[۱] بن مالک بن بُحَینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے تو اپنے

وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ فَرَّجَ بَيْنَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَبْدُوَ بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

دونوں ہاتھوں کے درمیان کشادگی کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہو جاتی۔ ۲

(بخاری و مسلم)

ـہ۱ بُحَینَہ، با کی پیش اور حا کی جزم کے ساتھ۔ یہ حضرت عبداللہ کی ماں کا نام ہے۔ مالک ان کے باپ کا نام ہے۔ اسی لیے اسے تنوین سے پڑھتے ہیں۔ تاکہ لوگ یہ خیال نہ کرلیں کہ یہ مالک بن بحینہ ہیں بلکہ یہ حضرت عبداللہ کی دونوں صفتیں ہیں یعنی ابن مالک اور ابن بحینہ اور آپ ابن بحینہ کے لفظ سے مشہور ہیں۔ آپ صحابی ہیں۔ بنی المطلب بن عبد مناف کے حلیف ہیں۔ اور سابقین صحابہ سے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے دور میں ۵۴ھ اور ۵۸ھ کے درمیان فوت ہوئے۔

ـہ۲ ظاہر یہ ہے کہ اس نماز میں کہ اس صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، جسم مبارک پر کرتہ نہ تھا۔ اس سے بغل مبارک کے گوشت کا ظہور و نمایاں ہونا مراد ہے۔ صحابی نے بیاض الطبیہ (بغلوں کی سفیدی) کا لفظ اس لیے کہا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل مبارک سفید تھی جیسا کہ سارا بدن مبارک گورا اور سفید تھا۔ بغل مبارک میلی اور سیاہ نہ تھی جیسا کہ دوسرے لوگوں کی ہوتی ہیں۔

۸۳۲/۲۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ دِقَّهٗ وَجِلَّهٗ وَاَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ وَسِرَّهٗ۔ اے اللہ میرے سارے گناہ بخش دے چھوٹے ۱ بڑے اگلے پچھلے ظاہر اور چھپے۔ ۲

(مسلم)

ـہ۱ یعنی قلیل و کثیر۔ یا صغیر و کبیر۔ دِق دال کے کسرہ کے ساتھ۔ جِل جیم کی زیر کے ساتھ۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ما لہ دِقٌّ ولا جِلٌّ یعنی دقیق و جلیل۔ یعنی اس کے پاس چھوٹی بڑی کوئی چیز نہیں۔

ـہ۲ بعض نسخوں میں سِرَّہٗ کا لفظ عَلَانِیَتَہٗ سے پہلے آیا ہے۔

~~۸۳۳~~ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهٗ فَوَقَعَتْ يَدِيْ عَلٰى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِيْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں ایک رات میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر سے گم پایا۔ میں نے ٹٹولا تو میرا ہاتھ آپ کے تلووں ۱ پر پڑا۔ حالانکہ آپ سجدہ میں ۲ تھے اور آپ کے تلوے کھڑے ۳ تھے اور آپ کہہ رہے تھے

الْمَسْجِدِ وَ هُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَآ اُحْصِيْ ثَنَآءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

مولا میں تیری رضا کی تیری ناراضگی[ف۴] سے اور تیری معافی کی تیری سزا سے پناہ لیتا ہوں[ف۵]۔ اور تیری تجھ سے پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری تعریف کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے خود تعریف کی[ف۶]

(مسلم شریف)

ف۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا مرد کے جسم کو چھونا وضو کو نہیں توڑتا۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

ف۲ بعض نسخوں میں سجدہ کے بجائے مسجد جیم کی زبر کے ساتھ آیا ہے بمعنی سجدہ گاہ

ف۳ جیسا کہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔

ف۴ سَخَط سین اور خا کی زبر کے ساتھ بمعنی ناراضگی۔

ف۵ یعنی تیری صفات جمالیہ لطیفہ کے پاس تیری صفات جلالیہ قہریہ سے پناہ لیتا ہوں۔ اس کا اور پہلے فقرہ کا معنیٰ یہی ہے کہ جب تیرے سوا کوئی مالک و قادر نہیں تو تجھ سے تیرے پاس پناہ لینے کے سوا کوئی صورت نہیں۔

ف۶ کہ جیسا تو عظیم و بزرگ ہے کوئی تجھے نہیں پہچان سکتا۔ اور جب کہ پہچان نہیں سکتا تو تیری ثنا کس طرح کر سکتا ہے کہ ثنا شناخت کے اندازہ کے مطابق ہوتی ہے۔

۸۳۴/۲۷ وَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الْعَبْدُ مِنْ رَّبِّهٖ وَ هُوَ سَاجِدٌ فَاَكْثِرُوا الدُّعَآءَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے تو اس حالت میں کثرت سے دعا کرو

(مسلم)

۸۳۵/۲۸ وَ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا قَرَاَ ابْنُ اٰدَمَ السَّجْدَةَ فَسَجَدَ اعْتَزَلَ الشَّيْطَانُ يَبْكِيْ يَقُوْلُ يَا وَيْلَتٰى اُمِرَ ابْنُ اٰدَمَ بِالسُّجُوْدِ فَسَجَدَ فَلَهُ الْجَنَّةُ وَ اُمِرْتُ بِالسُّجُوْدِ فَاَبَيْتُ فَلِيَ النَّارُ

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدم کا بیٹا جب آیت سجدہ پڑھتا اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان روتا ہوا اور یہ کہتا ہوا اس سے دور ہو جاتا ہے افسوس مجھ پر ہلاکت غم اور ذلت و شرمندگی ٹوٹ پڑی ابن آدم کو سجدے کا حکم ہوا تو وہ سجدے کا حکم بجا لایا اس کیلیے جنت ہے۔ مجھے

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

۸۳۶/۲۹ وَعَنْ رَبِيْعَةَ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰتِيْهِ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْ غَيْرَ[۴] ذٰلِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

سجدے کا حکم ہوا میں نے اس سے انکار کیا تو میں دوزخی ہوگیا

حضرت ربیعہ[۱] بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہا کرتا تھا میں آپ کے پاس وضو کا پانی اور آپکی ضرورت کی چیزیں لیکر حاضر ہوا[۲]۔ تو آپ نے مجھے فرمایا جو چاہتا ہے مانگ[۳]۔ میں نے عرض کی میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی اور رفاقت[۴] مانگتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی اور چیز مانگ۔ میں نے عرض کیا میرا مقصود و مدعا یہی[۵] ہے۔ آپ نے فرمایا تو کثرتِ سجود سے اپنے نفس کے خلاف میری مدد[۶] کر۔ (مسلم)

[۱] ربیعہ فا کی زبر با کی زیر کے ساتھ۔ بن کعب اسلمی۔ آپ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اصحاب صفہ میں سے ہیں۔ آپ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے۔ اور سفر و حضر میں آپ سے الگ نہ ہوتے تھے۔ قدمائے صحابہ میں سے تھے۔

[۲] جیسے کپڑے، مسواک، شانہ وغیرہ۔

[۳] یعنی دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی میں سے جو کچھ چاہتا ہے مانگ۔

[۴] او غیر ذالک۔ واو کی زبر اور سکون کے ساتھ اور غیر کی پیش اور زبر کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ قاعدہ نحو کے مطابق اس لفظ کی کچھ تحقیق ہے جو اپنے مقام میں مذکور ہے۔ اس کا حاصل معنی یہ ہے کہ کوئی اور چیز مانگ کیونکہ یہ مرتبہ جو تو چاہتا ہے بڑا بلند و عظیم ہے۔

[۵] یعنی میرا مقصود و مدعا یہی ہے جو میں نے عرض کر دیا۔ اس کے سوا میرا کوئی مقصود نہیں۔ بیت

من از تو ہیچ مرادے دگر نخواہم
ہمیں قدر بکنی کز خودم جدا نہ کنی

میں تجھ سے اور کوئی مراد نہیں چاہتا میری مراد صرف یہ ہے کہ تو مجھے اپنے آپ سے جدا نہ کرے۔

[۶] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا اگر تو اپنے مدعا کے حاصل کرنے میں سنجیدہ ہے تو اپنے نفس کے خلاف میری مدد کر اور اپنے مطلب کے حصول کے لیے سجدوں کی کثرت کر یعنی کثرت نماز اور سجدوں میں کثرت سے دعا کرنے سے ہی تو اس مقصد کے قابل اور مستعد ہوگا۔ یعنی میں بھی تیرے مطلوب کے حصول کے لیے سعی و کوشش کرتا ہوں۔ مگر تجھے بھی کوشش اور کام کرنا ہوگا۔ اور بے کار ہو کر پاؤں پر بیٹھ رہنا ٹھیک نہ ہوگا۔ جیسے طبیب بیمار سے کہتا ہے کہ میں علاج کرتا ہوں اور تیری شفایابی کے لیے کوشش کرتا ہوں بشرطیکہ جو کچھ میں کہوں تو بھی اس پر عمل کرے اور میری ہدایات پر کاربند ہو کہ طریق تحصیل شفا اور تدبیر کار یہی چیز ہے۔ بیت۔

فتح قفل ارچہ از کلید است اے عزیز   جنبش از دست تو خواہند نیز

ترجمہ۔ تالا اگرچہ چابی سے کھلتا ہے۔ مگر اس میں تیرے ہاتھ کی حرکت کی بھی ضرورت ہے۔

اس حدیث سے جو بہت سے فوائد اخذ ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ بزرگوں کی خدمت گزاری اور انہیں راضی وخوش رکھنا سعادت اور موہبت وکرامت وعزت کا سبب و ذریعہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون بزرگ وباعزت ہوسکتا ہے کہ آپ سید کائنات اور اجود واکرم اہل جہاں اور خلاصہ موجودات ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم (تو آنکا خدمتگار کس قدر سعادت وعزت سے سرفراز ہوگا)

اب حضرت شیخ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کے بارے میں عقیدہ ملاحظہ فرمائیے) چنانچہ حضرت شیخ فرماتے ہیں۔
واز اطلاق سوال کہ فرمود سل بخواہ تخصیص نکرد بمطلوبے خاص، معلوم میشود کہ کارہمہ بدستِ ہمت وکرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذنِ پروردگارِ خود بدہد۔ بیت

بیت اگر خیریت دنیا وعقبیٰ آرزو داری۔ بدرگاہش بیا و ہرچہ میخواہی تمنا کن

ترجمہ۔ اطلاق سوال سے کہ فرمایا مانگ اور کسی مطلوب خاص کی تخصیص نہ کی، سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے کام آپ کے دست ہمت وعزت کے قبضہ میں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم آپ جو کچھ چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں اپنے پروردگار کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ دنیا وآخرت کی نعمتیں آپ کے جود وسخا کا ایک حصہ ہے اور لوح وقلم کے علوم آپ کے علم شریف میں سے ہیں۔ اگر تو دنیا وآخرت کی خیر وبھلائی کا آرزومند ہے تو آپ کی درگاہ شریف پر آ اور اپنی ہر تمنا پوری کر۔
اس ارشاد میں تنبیہ ہے کہ طالب صادق کو چاہیے کہ اخروی نعمتوں جو باقی ودائم ہیں، کے علاوہ کچھ نہ چاہیے اور دنیوی فانی حظوظ ولذتوں کی طرف التفات نہ کرے۔ خاص کر سب سے کامل واتم اور افضل کمالات یعنی حضور سید کائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کی موافقت ومعیت کا طلبگار رہے۔ تاہم طالب صادق کو چاہیے کہ اس مطلوب کے حصول کے طریق میں اپنی کوتاہی پر راضی نہ ہو۔ اور صرف ہوس وآرزو پر کفایت نہ کرے کہ بے کار بیٹھنا اور آرزو کرنا ٹھنڈے لوہے کو کوٹنے کے مترادف ہے۔ بیت۔

کارکن کار بگذر از گفتار   کاندریں راہ کار دارد کار

ترجمہ۔ باتیں کرنا چھوڑ اور کام کر۔ کہ اس راہ میں کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ع

مزد آں گرفت جان برادر کہ کار کرد

جانِ برادر مزدوری واجرت کا مستحق وہ ہوتا ہے جو کام کرتا ہے

خصوصاً نماز جو تمام کاموں سے بہتر کام ہے اور تمام عبادتوں سے جامع تر اور مکمل تر عبادت ہے۔ جس طرح کہ حقیقت

جامعہ محمدیہ ہے وباللہ التوفیق۔

۸۳۷/۳۰ وَعَنْ مَّعْدَانَ بْنِ طَلْحَۃَ قَالَ لَقِیْتُ ثَوْبَانَ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُہٗ یُدْخِلُنِیَ اللّٰہُ بِہِ الْجَنَّۃَ فَسَکَتَ ثُمَّ سَاَلْتُہٗ فَسَکَتَ ثُمَّ سَاَلْتُہُ الثَّالِثَۃَ فَقَالَ سَاَلْتُ عَنْ ذٰلِکَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَیْکَ بِکَثْرَۃِ السُّجُوْدِ لِلّٰہِ فَاِنَّکَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰہِ سَجْدَۃً اِلَّا رَفَعَکَ اللّٰہُ بِھَا دَرَجَۃً وَّحَطَّ عَنْکَ بِھَا خَطِیْئَۃً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِیْتُ اَبَا الدَّرْدَآءِ فَسَاَلْتُہٗ فَقَالَ لِیْ مِثْلَ مَا قَالَ لِیْ ثَوْبَانُ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت معدان ۱؎ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ملا۔ میں نے کہا مجھے ایسا عمل بتائیں جو میں کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی برکت سے جنت میں داخل کرے آپ خاموش رہے ۲؎ میں نے پھر پوچھا مگر آپ خاموش رہے میں نے تیسری بار پوچھا تو فرمایا کہ میں نے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے زیادہ سجدے اختیار کرو ۳؎۔ کہ تم اللہ کے لیے کوئی سجدہ نہ کرو گے مگر اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے تمہارا درجہ بلند کرے ۴؎ گا اور تمہاری خطا معاف کر ۵؎ دے گا۔ معدان کہتے ہیں پھر میں حضرت ابو الدرداء سے ملا میں نے ان سے بھی پوچھا۔ انہوں نے بھی مجھ سے وہی کہا جو حضرت ثوبان نے کہا ۶؎ تھا۔

(مسلم)

۱؎ مَعْدان میم کی زبر اور عین کی جزم کے ساتھ، بن ابی طلحہ۔ آپ تابعی ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب ابوالدرداء اور ثوبان رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں۔ اور حضرت ثوبان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

۲؎ یعنی حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔ گویا حضرت ثوبان کی خاموشی، تحیر و تفکر کے طور پر تھی کہ دیکھیں سائل کیا کہتا ہے۔ یا سائل کو مزید شوق و رغبت دلانے کے لیے تھی تا کہ جواب کی پورے طور پر قدر کرے۔

۳؎ اور خدا کی رضا کے لیے کثرت سے نماز ادا کرے۔

۴؎ کہ اللہ تعالیٰ ان سجدوں کی کثرت سے درجہ عظیم عطا کرے گا۔ اور درگاہِ قرب و عزت میں بہت بلند درجہ پر فائز کرے گا۔

۵؎ یعنی سجدہ گناہوں اور سیئات کی معافی کا سبب بھی ہے۔ رفع درجات اور زیادتِ حسنات کا موجب بھی اور دونوں طریقوں سے یعنی ضرر و نقصان کو دور کر کے۔ نفع سے ہمکنار کر کے بندے کو فلاح و نجات سے بہرہ ور کرتا ہے۔

[6] یعنی حضرت ثوبان سے سوال کرنے کے بعد یہی سوال میں نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے کیا تو انہوں نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ثوبان نے دیا تھا کہ وہ عمل کثرت سجدہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی کثرت سے عبادت و بندگی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۸۳۸/۳۱ عَنْ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ قَالَ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ وَضَعَ رُکْبَتَیْہِ قَبْلَ یَدَیْہِ وَ اِذَا نَھَضَ رَفَعَ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ۔

حضرت وائل بن حُجر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب سجدہ کرتے تو اپنے گھٹنے ہاتھوں سے پہلے (زمین) پر رکھتے اور جب اٹھتے تو اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اٹھاتے[2]۔

(ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

(ابن ماجہ، دارمی)

[1] حا کی پیش اور جیم کی جزم کے ساتھ۔

[2] علماء نے کہا ہے۔ سجدہ کو جاتے وقت پہلے وہ اعضاء زمین پر رکھے جائیں جو زمین کے قریب ہیں اور اٹھاتے وقت اس کا عکس کرنا چاہیے۔ مگر پیشانی اور ناک کے زمین پر رکھنے میں ترتیب کی ضرورت نہیں کہ یہ دونوں اعضا ایک ہی عضو کے حکم میں ہیں اور بعض کے نزدیک ناک زمین پر پہلے رکھے کہ یہ زمین کے زیادہ نزدیک ہے۔ علامہ شمنی نے کہا ہے۔ کہ اگر کسی عذر موزہ وغیرہ کی وجہ سے زانو زمین پر پہلے رکھتے دشوار ہوں تو اس صورت میں ہاتھ پہلے رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

۸۳۹/۳۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَجَدَ اَحَدُکُمْ فَلَا یَبْرُكْ کَمَا یَبْرُكُ الْبَعِیْرُ وَلْیَضَعْ یَدَیْہِ قَبْلَ رُکْبَتَیْہِ۔ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ قَالَ اَبُوْسُلَیْمَانَ الْخَطَّابِیُّ حَدِیْثُ وَائِلِ ابْنِ حُجْرٍ اَثْبَتُ مِنْ ھٰذَا وَقِیْلَ ھٰذَا مَنْسُوْخٌ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے۔ چاہیے کہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے[1]۔

ابو داؤد۔ نسائی، دارمی۔ ابو سلیمان الخطابی نے کہا، وائل بن حجر کی حدیث اس حدیث سے زیادہ قوی[2] ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے[3]۔

---

[1] یہ حدیث بظاہر حدیث اول کے مخالف ہے کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہاتھ زمین پر گھٹنوں سے

پہلے رکھے اور حدیث اول اس پر دلالت کرتی ہے کہ زانو پہلے زمین پر رکھے جائیں۔ اس مسئلہ میں ائمہ کے درمیان بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ابوحنیفہ و شافعی و احمد بن حنبل نے ان کے مشہور قول کے مطابق حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر عمل کیا ہے اور ہاتھوں سے پہلے زانو زمین پر رکھتے ہیں اور امام مالک امام اوزاعی اور احمد نے اُن سے ایک روایت کے مطابق اور آئمہ حدیث کے ایک گروہ نے حضرت ابوہریرہ کی حدیث پر عمل کیا ہے اور زانو سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے ہیں۔ علماء نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ قوی ہے حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور جب احادیث آپس میں مختلف ہو جائیں تو طریقہ یہ ہے کہ اقوی اور اصح حدیث پر عمل کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابوہریرہ کی حدیث کی ناسخ ہے۔ صحیح ابن خزیمہ میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کی ابتداء کرتے تو پہلے گھٹنے زمین پر رکھتے اور حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہما کی حدیثوں میں ہے کہ ہم لوگ گھٹنوں سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھتے تھے تو ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم پہلے گھٹنے زمین پر رکھیں پھر ہاتھ۔ انہی دو وجہوں کی طرف حضرت مولف اپنے آئندہ قول میں اشارہ کر رہے ہیں۔

۲ خطابی نے کہا جو علماء حدیث اور اس کے شارحین میں سے ہیں کہ حضرت وائل بن حجر کی حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ قوی ہے۔

۳ یعنی بعض نے کہا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام نووی رحمۃ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا مجھ پر طریقہ سنت کے مطابق ان دو مذہبوں میں سے کسی ایک کی ترجیح دوسرے پر ظاہر نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم۔

۸۴۰/۳۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان۱ کہتے تھے الٰہی مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر۔ مجھے ہدایت دے اور مجھے رزق عطا کر۔ (ابوداؤد و ترمذی)

۱ یعنی جب آپ ایک سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

۸۴۱/۳۴ وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ رَبِّ اغْفِرْلِيْ ۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو سجدوں کے درمیان یہ کلمہ۱ کہتے تھے، رَبِّ اغْفِرْلِیْ۔ اے میرے رب مجھے بخش دے

(رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ وَ الدَّارِمِیُّ) (نسائی، دارمی)

[۱] اس حدیث میں اس کلمہ سے زیادہ الفاظ نہیں آئے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اسی کلمہ پر کفایت کرتے تھے اور صرف طلب مغفرت ہی کرتے تھے جو تمام مطالب و مقاصد کی اصل اور سب سے عمدہ ہے۔ اور حضرت حذیفہ نے حضور سے صرف یہی لفظ سنا ہو اور روایت کر دی ہو اور دوسرے اوقات میں آپ اس سے زیادہ پڑھتے ہوں انہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سن کر ان کی روایت کر دی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۸۴۲/۳۵ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ شِبْلٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ عَنْ نُقْرَةِ الْغُرَابِ وَ افْتِرَاشِ السَّبُعِ وَ اَنْ يُّوَطِّنَ الرَّجُلُ الْمَكَانَ فِي الْمَسْجِدِ كَمَا يُوَطِّنُ الْبَعِيْرُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَآئِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ)

تیسری فصل

حضرت عبدالرحمٰن[۱] بن شبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوے کی طرح ٹھونگ[۲] مارنے اور درندے کی طرح پاؤں[۳] بچھانے سے منع فرمایا۔ اور اس سے منع فرمایا کہ کوئی شخص مسجد میں جگہ مقرر کرے[۴] جیسے اونٹ مقرر کر لیتا ہے۔

(ابوداؤد۔ نسائی۔ دارمی)

[۱] شبل شین کی زیر اور با ساکن کے ساتھ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن شبل انصاری صحابی ہیں۔ اہل مدینہ میں شمار ہوتے ہیں۔ حمص میں سکونت اختیار کی۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں فوت ہوئے۔

[۲] مرغ کا ٹھونگ مارنا اور دانہ چننا کنایہ ہے جلد سجدہ کرنے اور اعتدال و اطمینان ملحوظ نہ رکھنے سے۔ اور بعض احادیث میں نقر دیک (مرغ کا دانہ چننا) کے الفاظ واقع ہوئے ہیں۔ اس لفظ میں نقرۃ الغراب کے لفظ سے بھی زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے۔

[۳] درندے جیسے کتا اور شیر وغیرہ اپنے بازو بچھا لیتے ہیں۔ جیسا کہ فصل اول میں حضرت انس کی حدیث میں گزرا۔ بعض احادیث میں افتراس سین مہملہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ بمعنی شکار کرنا۔ اور پھاڑنا اور لفظ افتراش افتراس بسین کا مقدمہ ہے کہ درندہ جب شکار پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ پہلے پاؤں بچھاتا ہے پھر دوڑتا ہے۔

[۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں نمازی مرد کو اس سے منع فرمایا کہ وہ مسجد میں اپنے لیے کوئی جگہ مخصوص کرے۔ اور دوسروں کو اس جگہ سے روک دے۔ جیسا کہ اونٹ کرتا ہے کہ وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ متعین کر لیتا ہے اور دوسرے کو وہاں بیٹھنے نہیں دیتا اور چونکہ مسجد سب لوگوں کی جگہ اور تمام مسلمان اس میں بیٹھنے اور عبادت کرنے کا حق رکھتے ہیں

تو مسجد کی کسی جگہ کو اپنے لیے مختص کر لینا اور دوسروں کو اس سے روکنا مکروہ و ممنوع ہے۔ اس نہی کا اثر مسجد نبوی شریف میں ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگ معہود و متبرک جگہوں کو جیسے منبر شریف کے قریب کی جگہ اور بعض بلند شان والے مسجد نبوی شریف کے ستونوں کو اپنے لیے خاص کر لیتے ہیں۔ اور دوسرے مسلمانوں کو اس نعمت سے محروم رکھتے ہیں۔

۸۴۳/۳۶ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَلِیُّ اِنِّیْ اُحِبُّ لَکَ مَا اُحِبُّ لِنَفْسِیْ وَ اَکْرَہُ لَکَ مَا اَکْرَہُ لِنَفْسِیْ لَا تُقْعِ بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علی میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں اور تیرے لیے وہی چیز ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہوں دو سجدوں کے درمیان اکڑوں[1] نہ بیٹھنا۔

(ترمذی شریف)

[1] دو سجدوں کے درمیان اقعا نہ کرنا۔ اقعا کا معنیٰ ہے سرین زمین پر رکھ لینا اور دونوں زانو کھڑے کر لینا۔ ہدایہ شریف میں اقعا کی یہی تفسیر کی گئی ہے اور صاحب ہدایہ نے یہ تفسیر کر کے فرمایا وہو الصحیح۔ کہ اقعا کی یہی تفسیر صحیح ہے اور شیخ ابن الہمام نے شرح میں فرمایا کہ یہ امام کرخی کے قول سے بچنے کے لیے فرمایا جنہوں نے کہا کہ اقعا کا معنیٰ ہے پاؤں کھڑے کر لینا۔ جس طرح کہ حالت سجدہ میں ہوتا ہے اور سرین کو ایڑیوں پر رکھنا مگر قول اول صحیح ہے کیونکہ اقعا کو کتے کی صفت کہا گیا ہے اور یہ معنیٰ اول کے مناسب ہے اور ثانی صورت (جسے امام کرخی نے بیان کیا) بھی مکروہ ہے۔ لیکن وہ اقعا کا معنیٰ نہیں ہے اور بعض علماء کا اس دوسرے معنیٰ کے مکروہ ہونے میں اختلاف ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ فرمایا اقعا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اس کو معنیٰ اخیر پر حمل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام رحمۃ اللہ میں مذکور ہے۔

۸۴۴/۳۷ وَعَنْ طَلْقِ ابْنِ عَلِیِّ الْحَنَفِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی صَلٰوۃِ عَبْدٍ لَا یُقِیْمُ فِیْھَا صُلْبَہٗ بَیْنَ خُشُوْعِھَا وَ سُجُوْدِھَا۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت طلق[1] بن علی الحنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے کی نماز پر نظر نہیں کرتا جو نماز میں رکوع اور سجدے کے درمیان پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔

(مسند احمد)

[1] حضرت طلق بن علی الحنفی بنی حنیفہ کی طرف منسوب ہیں جو علاقہ یمامہ کا ایک قبیلہ ہے۔ آپ صحابی ہیں حضرت قیس کے والد ہیں۔ اور اس حدیث کے راوی ہیں جس میں آیا ہے کہ آلہ تناسل کو ہاتھ لگانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ جیسا کہ

کتاب الوضوء میں گزرا۔

[2] یعنی اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا۔

۸۴۵/۳۸ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ وَّضَعَ جَبْهَتَهٗ بِالْاَرْضِ فَلْيَضَعْ كَفَّيْهِ عَلَى الَّذِىْ وَضَعَ عَلَيْهِ جَبْهَتَهٗ۔ ثُمَّ اِذَا رَفَعَ فَلْيَرْفَعْهُمَا فَاِنَّ الْيَدَيْنِ تَسْجُدَانِ كَمَا يَسْجُدُ الْوَجْهُ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جو اپنی پیشانی زمین پر رکھے تو اپنے ہاتھ بھی وہیں رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے[2] پھر جب سر اٹھائے تو ہاتھ بھی اٹھائے کیونکہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے ویسے ہی ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں[3]۔

(مالک)

[1] جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[2] یعنی اسے چاہیے کہ ہاتھ بھی زمین پر رکھے یا مراد یہ ہے کہ ہاتھ بھی اس جگہ کے قریب رکھے جہاں پیشانی رکھتا ہے ہاتھوں کو چہرے سے دور اور پیچھے اور آگے نہ رکھے۔ علماء نے کہا ہے کہ اگر بلند جگہ پر سجدہ کر رہا ہے تو ہاتھ بھی اس کے ساتھ بلند جگہ پر رکھے۔ اس سے نیچے نہ رکھے۔ یا عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ ہاتھ بھی زمین پر اسی طرح رکھے جس طرح اس نے پیشانی رکھی ہے۔ یعنی قبلہ رخ کر کے۔

[3] لہٰذا چاہیے کہ پیشانی کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی زمین پر رکھے اور اٹھائے۔ جس طرح پیشانی کو رکھتا اور اٹھاتا ہے اور یہ قول آخری معنیٰ کو ترجیح دیتا ہے۔ جس پر عبارت سابق کو حمل کیا گیا ہے۔

بَابُ التَّشَهُّدِ

التحیات کا باب

شہادت کا معنیٰ ہے ایسی سچی خبر دینا جس میں زبان و دل ایک دوسرے کے موافق ہوں اور گواہی دینے اور علم یقینی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے تشہد کا معنیٰ ہے گواہ بننا اور دل میں جو بات ہو اسے ظاہر کرنا۔ شرع شریف میں تشہد کا معنیٰ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ کہنا اور وہ ذکر کرنا ہے جو نماز کے قعدہ میں کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ذکر شہادتین پر مشتمل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۴۶ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَعَدَ فِي التَّشَهُّدِ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُسْرٰى وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ الْيُمْنٰى وَعَقَدَ ثَلٰثَةً وَّخَمْسِيْنَ وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كَانَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَرَفَعَ إِصْبَعَهُ الْيُمْنَى الَّتِيْ تَلِي الْإِبْهَامَ يَدْعُوْ بِهَا يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى رُكْبَتِهِ بَاسِطَهَا عَلَيْهَا ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب التحیات میں بیٹھتے تو اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھتے اور دایاں ہاتھ دائیں گھٹنے پر اور ترپن کا عقد باندھتے اور کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے[1]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی داہنی انگلی جو انگوٹھے سے ملتی ہے اسے اٹھاتے اس سے اشارہ[2] کرتے اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر بچھاتے[3]۔

(مسلم شریف)

[1] یعنی انگشت سبابہ سے اشارہ کرتے سبابہ اس انگلی کا نام ہے جو انگوٹھے کے ساتھ ملی ہے۔ لفظ سبابہ سب بمعنی گالی دینا سے مشتق ہے۔ عرب کی عادت ہے کہ گالی دینے کے مقام میں اس انگلی سے اشارہ کرتے ہیں۔ شرع شریف کی زبان میں اس انگلی کو مُسَبِّحہ اور انگشت شہادت بھی کہتے ہیں۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کی وحدانیت کی طرف اس انگلی سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ اشارے کی صورت یہ ہے کہ اس انگلی کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ یا لفظ اللہ کہتے وقت اٹھائے اور مشہور یہ ہے کہ نفی کے وقت اٹھائے اور اثبات کے وقت رکھ دے۔ بعض آئمہ شافعیہ سے منقول ہے کہ آخر کلمہ شہادت تک اٹھائے رکھے۔ چاہیے کہ اوپر کی طرف اشارہ نہ کرے۔ تاکہ خدا تعالیٰ کے جہت فوق میں ہونے کا وہم نہ پڑے۔

[2] اس انگلی کے ساتھ دعا کرتے ہوئے۔ دعا سے یہاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہتے وقت اس کی وحدانیت کی طرف اشارہ کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ ذکر ہوا۔ ذکر کو دعا بھی کہتے ہیں کہ یہ انعام واکرام حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔

[3] یعنی آپ جو عقد و اشارہ کرتے تھے دائیں ہاتھ سے ہوتا تھا۔ بایاں ہاتھ بائیں زانو پہ ہی رکھے رکھتے تھے۔

اگر تم یہ کہو تو نے حدیث کی شرح تو کر دی۔ اس کا مضمون ہمیں معلوم ہو گیا لیکن ثلاث وخمیس کا مطلب ہمیں معلوم نہ ہوا کہ کیا ہے۔ تو واضح ہو کہ حساب دان لوگ انگلیاں بند کر کے گرہیں لگاتے اور ان میں سے ہر گرہ سے ایک عدد

معین مراد لیتے اور وضع کرتے ہیں۔ ایک کا عدد۔ دس کا عدد، سو اور ہزار کا عدد۔ چنانچہ ترپن کا یہی عدد جو اس حدیث میں مذکور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے چھنگلیا اور اس کے ساتھ والی اور درمیانی انگلی کو بند کرے اور مُسَبِّحَہ کو جسے انگشت سبابہ بھی کہتے ہیں، بچھائے اور پھیلائے اور انگوٹھے کی ایک طرف کو انگشت شہادت کے ساتھ لگائے۔

امام شافعی اور امام احمد نے ایک روایت کے مطابق اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ دوسری صورت عقد تسعین نوے کے عدد کی گرہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ چھنگلیا اور ساتھ والی انگلی کو بند کرے۔ انگشت شہادت کو پھیلائے اور انگوٹھے کے سر کو درمیانی انگلی کے سر پر رکھے اور دائرہ بنائے۔ حنفیہ کے نزدیک اور امام احمد کے مختار مذہب میں یہی طریقہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ بھی اپنے قول قدیم میں اسی طریقہ کے قائل ہیں۔ اور یہ طریقہ مسلم کی حدیث میں حضرت عبداللہ بن الزبیر سے جو آئندہ حدیث میں آئے گا اور احمد اور ابو داؤد کی حدیث میں جو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اور امام مالک دائیں ہاتھ کی تمام انگلیوں کو بند کرتے ہیں صرف انگشت شہادت کو پھیلاتے ہیں۔ شافعیہ کے ہاں اس دائرے کی ایک اور کیفیت بھی آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ درمیانی انگلی کا سر انگوٹھے کی دونوں گرہوں کے درمیاں رکھا جائے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ تمام انگلیاں زانو پر پھیلائے۔ تاکہ سب کا رخ قبلہ شریف کی طرف ہو جائے جیسا کہ سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ اور بعض احادیث میں گرہ کے بغیر بھی اشارے کا ذکر آیا ہے۔ اور بعض حنفیہ کا پسندیدہ مذہب یہی ہے۔

غالباً اس سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک مختلف تھا۔ کہ کبھی گرہ کی صورت میں اشارہ کرتے اور کبھی بغیر گرہ کے۔ اس بارے میں مختلف روایات کے درمیان مطابقت کی توجیہ بھی یہی ہے۔

یہ بات الگ ہے کہ ماوراء النہر اور ہندوستان کے علماء حنفیہ نے عقد و اشارے کا یہ مذہب ترک کر رکھا ہے متقدمین حنفیہ کے نزدیک مختار مذہب پہلا ہی تھا (یعنی عقد و اشارہ) متاخرین حنفیہ میں اس بارے میں اختلاف رونما ہوا ہے اور علمائے حرمین وغیرہ بلاد عرب کے نزدیک بھی مختار مذہب پہلا ہی ہے اور وہ بھی عقد و اشارہ پر عمل کرتے ہیں۔

حنفیہ رحمہم اللہ کے محقق حضرت شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے نمازی کو چاہیے کہ اول تشہد سے لے کر شہادتین تک انگلیاں زانوں پر پھیلائے رکھے اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے وقت عقد و اشارہ کرے۔ تاکہ دونوں طریقوں کے عمل کا جامع بن جائے اور کہا اشارہ سے ردکنے کا قول روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے اور حضرت شیخ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں جانب عمل کو ترجیح دی ہے۔ ہم نے اس رسالہ میں سے قدرے شرح سفر السعادۃ میں نقل کیا ہے۔ محیط میں کہا دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت اٹھانا ابو حنیفہ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سنت میں سے ہے۔ ایسا ہی حضرت ابو یوسف سے بھی مروی ہے۔ اور

علامہ نجم الدین زاہدی نے کہا کہ اس عمل کے سنت ہونے میں ہمارے اصحاب حنفیہ کی روایات متفق ہیں۔ جب کہ محدثین، فقہائے اور بہت سے صحابہ و تابعین اور علمائے کوفہ و مدینہ منورہ اور سائمہ کا مذہب بھی یہی ہے اور بہت سے اخبار و آثار اس عمل پر دلالت کرتے ہیں تو پھر یہی (عقدہ اشارہ) مذہب اولی اور ارجح قرار پائے گا۔

۸۴۷/۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَعَدَ يَدْعُوْا وَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَيَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَاَشَارَ بِاِصْبَعِهِ السَّبَّابَةِ وَوَضَعَ اِبْهَامَهُ عَلٰى اِصْبَعِهِ الْوُسْطٰى وَيُلْقِمُ كَفَّهُ الْيُسْرٰى رُكْبَتَهُ ـ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھتے تو کلمہ پڑھتے اپنا دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھتے اور بایاں ہاتھ بائیں ران پر۔ اور اپنی کلمے کی انگلی سے اشارہ کرتے[1] اور اپنا انگوٹھا بیچ کی انگلی پر رکھتے[2] اور بائیں ہتھیلی سے گھٹنہ پکڑ لیتے[3]

(مسلم شریف)

---

[1] جیسا کہ گزشتہ حدیث کی تفسیر سے معلوم ہوا۔

[2] یعنی عقد تسعین کرتے جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔

[3] یعنی بایاں گھٹنہ بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں اس طرح کر لیتے جس طرح لقمہ منہ میں ہوتا ہے۔

۸۴۸/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا اِذَا صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْنَا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ قَبْلَ عِبَادِهِ السَّلَامُ عَلٰى جِبْرِيْلَ السَّلَام عَلٰى مِيْكَائِيْلَ السَّلَامُ عَلٰى فُلَانٍ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ لَا تَقُوْلُوا السَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ فَاِذَا جَلَسَ اَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَقُلِ التَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو کہتے اللہ کے بندوں کی طرف سے اللہ پر سلام ہو[1]۔ جبرئیل پر سلام ہو۔ میکائیل پر سلام ہو۔ فلاں پر سلام ہو[2]۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھرے (سلام پھیرا) تو اپنے چہرے سے ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ نہ کہو کہ اللہ پر سلام ہو کہ اللہ تو خود سلام[3] ہے جب تم میں سے کوئی نماز میں بیٹھے تو کہے اللہ ہی کے لیے تحیتیں اور نمازیں اور پاکیزہ کلمے[4] ہیں اے نبی آپ پر سلام ہو[5]۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں

الصَّلَوَاتُ وَ الطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ
اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ
اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ
الصّٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ اِذَا قَالَ ذَالِكَ
اَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِى السَّمَآءِ
وَ الْاَرْضِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ
ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ مِنَ الدُّعَآءِ اَعْجَبَهٗ
اِلَيْهِ فَيَدْعُوْهُ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ہوں۔ ہم پر[۶] اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو[۷]۔ نمازی جب یہ کہتا ہے تو زمین و آسمان کے ہر نیک بندے کو پہنچ جاتا ہے[۸]۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیارے اور رسول ہیں۔ پھر جو دعا اسے پسند ہو اختیار کر لے اور اس سے دعا مانگے۔

(بخاری و
مسلم)

ھ۱ یعنی اللہ کے بندوں پر سلام بھیجنے سے پہلے اللہ پر سلام ہو۔

ھ۲ اور ہم یہ بھی کہتے تھے کہ جبرئیل پر سلام میکائیل پر سلام اور فلاں پر سلام فلاں سے مراد ان کے علاوہ دوسرے ملائکہ ہیں کہ صحابہ ان پر بھی سلام بھیجتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ بعض انبیاء و مرسلین مراد ہوں جن کا ان کے سامنے ذکر ہوتا ہو جیسے حضرت آدم حضرت ابراہیم حضرت نوح وغیرہم علیہم السلام واللہ اعلم۔

ھ۳ کہ خدا تعالےٰ خود سلام ہے یعنی تمام نقائص و آفات سے پاک ہے اور اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ظاہری باطنی آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔ لہٰذا سلامتی اس کے لیے اور اس کی طرف سے ہے۔ سلامتی کی دعا اس کے لیے مناسب ہوتی ہے جو محتاج ہو اور اسے خوف و ڈر ہو۔ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے بمعنی سلامتی والا یا سلامتی عطا کرنے والا۔

ھ۴ التحیات سے قولی عبادات مراد لی گئی ہیں اور صلوات سے عبادات بدنیہ اور طیبات سے مالی عبادات۔ قاعدہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص بادشاہوں کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو پہلے سلام عرض کرتا اور صفت و ثنا کرتا ہے ں کے بعد شاہی دربار میں تحفہ پیش کرتا ہے تاکہ سلطانی لطف و عنایت کا مستحق قرار پائے۔

شیخ محی الدین نودی رحمہ اللہ نے کہا کہ تحیت سلام، ملک، بقا، عظمت اور حیات کے معنیٰ میں آتا ہے یہاں جمع کے صیغے لائے۔ کیونکہ عرب و عجم کے بادشاہوں کے حضور میں ان کی تعظیم و تکریم کے لیے ان کے خدمتگار خاص قسم کے تحفے تحائف لاتے تھے۔ اس لیے فرمایا ہر قسم کے تحیات صرف اللہ کے لیے ہیں۔ دوسروں کے لیے یہ تحائف عارضی اور چند روز کے لیے ہیں۔ بیت۔

خدائے راست بزرگی و ملک بے انباز
دگر بہر کہ بہ بینی بعاریت داد ست

ترجمہ۔ بزرگی اور ملک و سلطنت خدائے وحدہٗ لا شریک کے لیے ہے۔ مخلوقات کے پاس جو کچھ تو دیکھ رہا ہے وہ اسی کا انہیں چند روزہ عاریۃً دیا ہوا ہے۔ اور تحیات سے تعظیم کی تمام اقسام بھی مراد لی گئی ہیں اور صلوات سے تمام فرض و نفل نمازیں اور طیبات سے کلمات طیبہ اور تمام پاکیزہ اعمال بھی مراد لیے گئے ہیں۔

۵۵ یعنی دعائے خیر و سلامتی ہو آپ پر اے پیغمبر اور اس کی مہربانی اور زیادہ سے زیادہ خیر کرم کا نزول آپ پر ہوتا رہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں مخاطب کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کلام کو اپنی اصلی حالت پر رکھا گیا ہے کہ یہ کلام و گفتگو دراصل شب معراج کو پروردگار تعالیٰ و تقدس کی طرف سے آپ کے ساتھ کی گئی اور سلام کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے وقت وہی اصل کلمات باقی اور قائم رکھے۔ تاکہ امت کو وہ حال یاد دلایا جائے نیز وہ حالت ہمیشہ کے لیے تمام حالات و اوقات میں مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے خصوصًا حالت عبادت میں۔ خصوصًا نماز کے آخر میں کہ نورانیت و انکشاف کا وجود اس مقام میں زیادہ اور قوی تر ہوتا ہے اور بعض عارفین نے کہا کہ یہ خطاب (السلام علیک ایہا النبی) اسی بنا پر ہے کہ حقیقت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جملہ موجودات کے ذروں اور تمام افرادِ ممکنات میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذوات کے درمیان حاضر و موجود ہوتے ہیں تو نمازی کو چاہیے کہ اس معنیٰ و حقیقت سے آگاہ رہے۔ اور مشاہدہ سے غافل نہ ہو۔ تاکہ انوار قرب اور اسرار معرفت سے متنور اور فیضیاب ہو۔

۵۶ یعنی ہم سب حاضرین اور ملائکہ اور مومنین جن و انس سب اس سلامتی میں داخل و شامل ہیں۔

۵۷ اور خدا تعالےٰ کے تمام نیکوکار بندوں پر جو حاضر و غائب دور و نزدیک اور آسمان پر اور زمین میں ہیں سب پر سلامتی نازل ہو۔ صلاح فساد کی ضد ہے۔ بندۂ صالح اسے کہتے ہیں جو عبودیت کے حقوق جیسے اور جس طرح ان کا حکم ہے بجا لائے اور استقامت دکھلائے اور کسی طرح سے بھی اس کے ظاہری و باطنی حالات کے کارخانہ میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو۔ مقام صلاح دراصل اعلیٰ ترین منصب اور ارفع ترین مرتبہ ہے۔ اسی لیے حق جل و علا نے انبیاء و رسل کی صالح ہونے کے ساتھ تعریف کی۔ درست بات یہ ہے کہ صلاح کے بہت سے مرتبے ہیں۔ بعض بعض سے فوقیت رکھتے ہیں۔ اور سب کو اپنے صالح ہونے کے مطابق سلامتی سے حصہ ملتا ہے۔ اور صلاح کا اقصیٰ ترین درجہ اور اعلیٰ ترین مرتبہ وہ ہے جو شیخ انس و جان غوث الثقلین حضرت شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز نے اپنی کتاب مستطاب مسمیٰ بفتوح الغیب میں ذکر کیا ہے۔ کہ صلاح زوال ارادہ اور فنائے مطلق کا نام ہے اور بندہ کا مراد حق پر قائم ہو جانا ہے تو صالح در حقیقت یہی شخص ہے جس نے یہ مقام پالیا ہے اور خدا تعالےٰ کی نگرانی اس کی کارساز بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِی نَزَّلَ الْکِتَابَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْن۔ بیشک اللہ ہی میرا والی ہے جس نے کتاب نازل کی ہے۔ اور

وہی صالحین کا دوست اور کارساز ہے۔

اور یہ وہ بندہ ہوتا ہے جو تدبیر کا ہاتھ منافع و مصالح کے اسباب و ذرائع اور نقصان دہ اور فساد انگیز چیزوں کے بچاؤ سے اٹھا لیتا ہے۔ اور اس کارساز حقیقی کا دست تربیت اس کا محافظ و متولی بن جاتا ہے۔ وہ اپنے نفس کی تدبیر و اختیار سے کوئی حرکت نہیں کرتا۔ جس طرح شیر خوار بچہ شیر پلانے والی ماں کے سامنے اور میت غسل دینے والے کے آگے اور گیند بیٹ بلے کے آگے۔ انتہیٰ۔

اور جب بندہ اس حالت کو پہنچ جاتا ہے تو پھر وہ تمام انفسی اور آفاقی آفات سے نجات پا جاتا ہے۔ جب اس نے اپنے آپ کو کارساز حقیقی کے حوالے کر دیا تو سلامتی میں ہو گیا یعنی اسلم تسلم آئیں آ اور سلامتی میں ہو جا۔ اللھم اجعلنا من الصالحین۔ اے اللہ ہمیں صالحین میں سے کر دے۔ جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات پاک کی تخصیص کے علاوہ دوسرے بعض بندوں اور اشخاص پر علی التعین سلام کرنے سے منع فرمایا تو فانہ اذا قال الی آخرہ کے الفاظ سے اس ممانعت کی وجہ بیان فرما دی۔

۵ کہ جب علی العموم سب پر اس نے سلام بھیج دیا تو ہر بندہ صالح کو جو زمین و آسمان میں ہے یہ سلام پہنچ گیا اور اس کے اثر سے فیض یاب ہو گیا۔ لہٰذا چند خاص افراد کی تخصیص کی کیا حاجت ہے پھر اس کے بعد التحیات کے کلمات کا اختتام کلمہ شہادت پر کیا جو خلاصہ کار اور تمام اعمال کی اصل ہے اور فرمایا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور جب بندہ حقیقت اسلام سے موصوف اور مقام قرب و قبولیت میں جاگزین ہو گیا تو دعا و سوال کی طرف اشارہ کیا کہ اب جو چاہے خدا تعالیٰ سے مانگے۔ اس لیے فرمایا ثم لیتخیر من الدعاء الی آخرہ۔

۸۴۹/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا التَّشَهُّدَ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ فَكَانَ يَقُوْلُ اَلتَّحِيَّاتُ الْمُبَارَكَاتُ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبٰتُ لِلّٰهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں التحیات ایسے ہی سکھاتے تھے جس طرح قرآن کی سورت کی تعلیم دیتے تھے تو فرماتے تھے برکت والی تحیتیں اور طیب نمازیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام اور اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں لہ

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَلَمْ اَجِدْ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي الْجَمْعِ بَيْنَ الصَّحِيْحَيْنِ سَلَامٌ عَلَيْكَ وَسَلَامٌ عَلَيْنَا بِغَيْرِ اَلِفٍ وَّلَامٍ وَّلٰكِنْ رَوَاهُ صَاحِبُ الْجَامِعِ عَنِ التِّرْمِذِيِّ۔

(مسلم شریف) اور میں نے صحیحین میں اور صحیحین کی جامع میں سلام علیک اور سلام علینا بغیر الف لام کے نہ پایا۔ لیکن اسے جامع والے نے ترمذی سے روایت کیا۔

لے یہ تشہد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اکثر شافعیہ کا اسی پر عمل ہے۔ احناف کا مذہب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے۔ اور حدیث سابق میں جو مذکور ہوا وہ ابن مسعود کا تشہد تھا۔ ان دونوں تشہدوں میں لفظاً و معنیً فرق موجود ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا تشہد زیادہ صحیح ہے۔ امام احمد کے مذہب میں بھی یہی ہے۔ صحابہ و تابعین میں سے اکثر اہل علم بھی اسی پر ہیں۔ بیشک اسی تشہد کے پڑھنے کا حکم آیا ہے اور اسی کے سیکھنے سکھانے کی تلقین آئی ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں کو یہ تشہد سکھائیں۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا اور اپنا ہاتھ پکڑا اور مجھے التحیات اس طرح سکھایا جس طرح آپ قرآن کی تعلیم دیتے تھے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث متفق علیہ ہے۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت جو انہوں نے روایت کی افراد مسلم میں سے ہے اور اسے اصحاب کتب ستہ نے سوائے بخاری کے روایت کیا اور امام مالک کا تشہد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تشہد ہے یعنی التحیات للہ الزاکیات للہ الطیبات للہ الصلوات للہ۔ السلام علیک ایھا النبی الخ ایسا ہی ابن ابی زید کے رسالہ میں مذکور ہے یہ امام مالک کے مذہب میں رسالہ ہے۔ تاہم علماء نے کہا ہے کہ نماز دونوں طرح سے درست ہے۔ یہ گفتگو اولیٰ اور افضل میں ہے۔

واضح ہو کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے تشہد میں صاحب مصابیح نے سلام علیک سلام علینا بے الف لام کے ذکر کیا ہے اس کے متعلق حضرت مولف (صاحب مشکوٰۃ) فرماتے ہیں میں نے اسے صحیح بخاری کے متن اور صحیح مسلم اور کتاب جمع بین الصحیحین میں نہیں پایا۔ بلکہ اسے صاحب جامع الاصول نے جو صحاح ستہ کا جامع ہے، ترمذی سے روایت کیا ہے۔ لہذا صاحب مصابیح کا اس حدیث کو فصل اول میں لانا درست نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۸۵ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثُمَّ

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت لے ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں

جَلَسَ فَافْتَرَشَ رِجْلَهُ الْيُسْرٰى وَ وَضَعَ يَدَهُ الْيُسْرٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُسْرٰى وَحَدَّ مِرْفَقَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى فَخِذِهِ الْيُمْنٰى وَ قَبَضَ ثِنْتَيْنِ وَحَلَقَ حَلْقَةً ثُمَّ رَفَعَ اِصْبَعَهُ فَرَاَيْتُهُ يُحَرِّكُهَا يَدْعُوْبِهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ الدَّارِمِيُّ)

کہ پھر[۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تو اپنا بایاں پاؤں بچھایا اور اپنا بایاں ہاتھ بائیں ران پر رکھا۔ اور اپنی داہنی کہنی اپنی داہنی ران پر دراز کی۔[۳] دو انگلیاں[۴] بند کیں۔ اور حلقہ بنایا[۵] پھر اپنی انگلی شریف اٹھائی میں نے آپ کو دیکھا کہ اسے ہلاتے[۶] تھے۔ اس سے اشارہ کرتے تھے۔

(ابوداؤد، دارمی)

[۱] جلسہ تشہد کی کیفیت کے بیان میں۔

[۲] یعنی دوسری رکعت میں دوسرے سجدہ سے سر اٹھا کر بیٹھے۔

[۳] یہ مضمون اس حدیث کے موافق ہے جس کی تصحیح امام بیہقی نے کی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں جعل مرفقہ الیمنی علی فخذہ اس لفظ کو اور بھی کئی طریقوں سے پڑھا گیا ہے۔ ہم نے شرح میں ان کا ذکر کر دیا ہے۔

[۴] یعنی چھنگلیا اور اس کی ساتھ والی انگلی۔

[۵] یعنی درمیانی انگلی اور انگوٹھے سے۔ جیسا کہ عقد تسعین ہوتا ہے۔ مذہب حنفی بھی یہی ہے۔ اور امام شافعی کا قول قدیم بھی اسی کے مطابق ہے۔

[۶] حرکت سے کلمہ شہادت پڑھتے وقت توحید کی طرف اشارہ مراد ہے جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

۸۵۱/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُشِيْرُ بِاِصْبَعِهٖ اِذَا دَعَا وَلَا يُحَرِّكُهَا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ زَادَ اَبُوْدَاؤدَ وَ لَا يُجَاوِزُ بَصَرُهٗ اِشَارَتَهٗ۔

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب انگلی سے اشارہ کرتے تو اسے حرکت نہ دیتے[۱] تھے۔ ابوداؤد و نسائی اور ابوداؤد نے یہ الفاظ زیادہ کیے کہ آپ کی نگاہ اشارہ سے تجاوز نہ کرتی تھی۔[۲]

[۱] اس سے پہلی حدیث میں فرمایا کہ آپ انگلی کو حرکت دیتے تھے اور اس حدیث میں فرماتے ہیں کہ حرکت نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ اشارہ کے وقت جب انگلی اٹھاتے تو اسے حرکت ہوتی تھی کہ اٹھانے کو حرکت لازم ہے اور یہاں جو فرمایا کہ حرکت نہ دیتے تھے۔ اس سے مراد ہے کہ بار بار حرکت نہ دیتے تھے اس میں حضرت امام مالک کے مذہب کی نفی ہے کہ ان کے نزدیک آخر تشہد تک انگلی کو حرکت میں رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس انگلی کی رگوں کا تعلق دل سے

ہے۔ اسے حرکت میں رکھنا دل کو بیدار کرنے اور اس کے حضور کا سبب ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۲/۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ یَدْعُوْا بِاِصْبَعَیْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَحِّدْ اَحِّدْ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ بیشک ایک شخص دو انگلیوں[۱] سے اشارہ کر رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک[۲] انگلی سے اشارہ کر۔ ایک انگلی سے اشارہ کر۔

ترمذی۔ نسائی۔ بیہقی فی الدعوات الکبیر۔

[۱] یعنی دونوں ہاتھوں کی انگشتان شہادت سے اشارہ کر رہا تھا۔ شارحین کرام نے کہا ہے کہ وہ مرد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد اور نسائی نے روایت کی ہے۔

[۲] کیونکہ خدا تعالےٰ ایک ہے۔

۸۵۳/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّجْلِسَ الرَّجُلُ فِی الصَّلٰوةِ وَهُوَ مُعْتَمِدٌ عَلٰی یَدِهٖ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَفِیْ رِوَایَةٍ لَّهٗ نَهٰی اَنْ یَّعْتَمِدَ الرَّجُلُ عَلٰی یَدَیْهِ اِذَا نَهَضَ فِی الصَّلٰوةِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے کہ کوئی نماز میں اپنے ہاتھ پر ٹیک لگا کر بیٹھے[۱]۔

احمد۔ ابوداؤد[۲] اور اسی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سے منع کیا دونوں ہاتھوں پر ٹیک لگائے جب نماز میں اٹھے[۳]۔

[۱] یعنی یہ کہ تشہد میں دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دے اور ان پر تکیہ لگائے یا اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں پر تکیہ لگا کر اٹھے۔ دونوں باتوں سے منع فرمایا۔

[۲] آخری معنیٰ دوسری روایت کے زیادہ مناسب ہے۔ جس کا ذکر فی روایۃٍ الخ سے کیا۔

[۳] یہ روایت حنفی مذہب کے مطابق ہے اور مذہب شافعیہ کے خلاف ہے۔ جو جلسۂ استراحت کے قائل ہیں۔ کہ وہ اٹھنے کے وقت دونوں ہاتھوں کے ٹیک لگانے کو مستلزم ہے۔ اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالےٰ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۵۴/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو رکعتوں

سَلَّمَ فِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُوْلَیَیْنِ کَاَنَّہٗ عَلَی الرَّضْفِ حَتّٰی یَقُوْمَ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَآئِیُّ۔

میں ایسے ہوتے تھے کہ گویا آپ گرم پتھر پر[1] ہیں حتیٰ کہ کھڑے ہوئے

(ابوداؤد) (نسائی)

[1] یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قعدۂ اولیٰ میں جو بیٹھتے تھے خواہ نماز تین رکعت والی ہوتی یا چار رکعت والی ہوتی اس میں اس طرح ہوتے کہ آگ سے گرم کیے ہوئے پتھر پر۔ یہاں تک کہ آپ کھڑے ہوتے۔ یہ کنایہ ہے قعدہ اولیٰ سے جلد اٹھنے اور شتابی کرنے سے۔ رضف را کا م زیر اور ضاد کی جزم کے ساتھ اور زبر کے ساتھ بھی آیا ہے بمعنی آگ میں گرم کیا ہوا پتھر جسے دودھ میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ بھی گرم ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۵۵ عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یُعَلِّمُنَا التَّشَہُّدَ کَمَا یُعَلِّمُنَا السُّوْرَۃَ مِنَ الْقُرْاٰنِ بِسْمِ اللّٰہِ وَ بِاللّٰہِ التَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الصَّلَوَاتُ الطَّیِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ اَسْأَلُ اللّٰہَ الْجَنَّۃَ وَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ النَّارِ۔

(رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں التحیات اس طرح سکھاتے تھے جیسے ہمیں قرآن کی سورت سکھاتے۔ اللہ کے نام سے اور اللہ سے[1] تحیتیں اور پاک نمازیں اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں اللہ سے جنت مانگتا ہوں اور آگ سے رب کی پناہ مانگتا ہوں[2]۔

(نسائی شریف)

[1] یعنی اللہ کے نام اور اس کی توفیق و اعانت کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔

[2] یہ بھی التحیات کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اور گویا کہ بسم اللہ سے ابتداء کرنا بھی قرآن کی تعلیم دینے کے ساتھ تشبیہ کی وجہ تشبیہ میں داخل ہے۔ اور امام نووی نے اپنے اذکار میں کہا کہ بخاری و نسائی نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے التحیات میں بسم اللہ کا اضافہ صحت سے ثابت نہیں ہے۔

٨٥٦/١١ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِذَا جَلَسَ فِي الصَّلٰوةِ وَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى رُكْبَتَيْهِ وَاَشَارَ بِإِصْبَعِهٖ وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهِيَ اَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنَ الْحَدِيْدِ يَعْنِي السَّبَّابَةَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں بیٹھتے تو اپنے ہاتھ اپنے گھٹنوں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اپنی نگاہ اس پر لگاتے[1]۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ شیطان پر لوہے سے زیادہ گراں[2] ہے۔ یعنی یہ انگلی (اٹھانا)[3]

(احمد)

[1] یعنی اشارہ کے وقت نگاہ اس پر رکھتے۔ جیسا کہ گزرا۔

[2] جس کے ساتھ مارتے اور قتل کرتے ہیں۔ جیسے تیر اور تلوار سے۔

[3] یعنی اس کے ساتھ اشارہ کرنے کی وجہ سے کہ اس کے توحید اور ایمان پر ثبات اور شیطان کے نمازی کو شرک و کفر میں ڈالنے کے طمع کو کاٹ دینے کی بنا پر۔

٨٥٧/١٢ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ يَقُوْلُ مِنَ السُّنَّةِ إِخْفَاءُ التَّشَهُّدِ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تشہد کو خفی طریقہ پر پڑھنا سنت میں سے ہے[1] ابو داؤد، ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی سنت یہ ہے کہ التحیات بلند آواز سے نہ پڑھا جائے اور اس کے پڑھنے میں جہر نہ کرے۔

بَابُ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِهَا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اور اس کی فضیلت

لفظ صلوٰۃ دعا، رحمت اور استغفار کے معنی میں آتا ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے معنی میں آتا ہے اور اس لفظ کی نسبت جب بندوں کی طرف ہوتی ہے تو جناب حق تعالٰے کی طرف سے اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی کے لیے افاضہ رحمت کی طلب مراد ہوتی ہے۔ اور اللہ سبحانہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کریں۔ علماء کا اجماع ہے کہ یہ حکم وجوب کے لیے ہے۔ پھر بعض نے کہا جب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک زبان پہ آئے درود شریف پڑھنا واجب و ضروری ہے۔ بعض کہتے ہیں ساری عمر میں ایک بار درود بھیجنا فرض ہے، جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک بار گواہی دینا فرض ہے۔ اور زائد دفعہ مستحب و مسنون ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا اسلام کی بہت موکد سنتوں میں سے اور اس کا شعار ہے۔ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں پر درود بھیجنا فرض قرار دیا اور اس کے لیے کوئی وقت معین نہ فرمایا تاکہ جس قدر ہو سکے زیادہ بار پڑھا جائے اور اس میں غفلت و لاپرواہی نہ کی جائے۔ بعض علما نے قول اول کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک التحیات میں درود پاک پڑھنا فرض ہے علما نے کہا ہے کہ امام شافعی کا یہ قول شاذ ہے۔ علماء میں سے کسی عالم نے اس میں ان کی موافقت نہیں کی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درود پاک پڑھنا فی الجملہ واجب اور تشہد میں سنت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک بھیجنے کے فضائل حد و شمار سے باہر ہیں۔ ان فضائل سے چند ایک کا ذکر ہم نے جذب القلوب میں کیا ہے۔ ایک الگ رسالہ بھی اس بارے میں تحریر کیا ہے جس میں بہت سی منتخب باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے۔

پھر اس میں علما کا اختلاف ہے کہ غیر انبیاء پر براہ راست اور بالاستقلال درود بھیجنا جائز ہے یا نہیں۔ جمہور کا مختار مسلک یہ ہے کہ بالاستقلال انبیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں کوئی اور ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔ دوسروں کا ذکر مغفرت، رحمت اور رضوان کے ساتھ کیا جائے گا۔ اور علامہ طیبی نے نقل کیا ہے کہ یہ اختلاف اولیٰ میں اختلاف ہے۔ اور بعض نے کہا حرام ہے یا مکروہ ہے کراہت تحریمی یا تنزیہی۔ اور متقدمین میں اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذریت پاک اور ازواج مطہرات، پر سلام بھیجنا متعارف تھا اور مشائخ اہل سنت و جماعت کی قدیم کتابوں میں ان پر سلام کے الفاظ لکھے ہوئے ملتے ہیں، مگر متاخرین اہل سنت میں اس کا ترک کر دینا متعارف ہو چکا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۸۵۸ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ لَیْلٰی قَالَ لَقِیَنِیْ کَعْبُ ابْنُ عُجْرَۃَ فَقَالَ اَلَا اُھْدِیْ لَکَ ھَدِیَّۃً سَمِعْتُھَا مِنَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ بَلٰی فَاَھْدِھَا لِیْ فَقَالَ سَاَلْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

پہلی فصل

حضرت عبدالرحمٰن[۱] بن ابی لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت کعب بن عجرہ ملے تو بولے۔ کیا میں تمہیں وہ ہدیہ[۲] نہ دوں جو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ میں نے کہا ہاں وہ ہدیہ[۳] مجھے ضرور عنایت کریں۔ فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور عرض کیا یا رسول اللہ!

كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

آپ کے اہل بیت پر درود کیا ہے[۴] کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو سکھایا کہ آپ پر سلام[۵] عرض کریں۔ فرمایا یوں کہو، اے اللہ محمد اور آل محمد پر رحمتیں بھیج۔ جیسے حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمتیں کیں۔ بیشک تو حمد و بزرگی والا ہے[۶] اے اللہ حضرت محمد اور آل محمد پر ایسی ہی برکتیں نازل کر جیسی برکتیں تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر نازل کیں۔ بے شک تو حمد و بزرگی والا ہے[۶]۔

*

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّآ اَنَّ مُسْلِمًا لَّمْ يَذْكُرْ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ فِى الْمَوْضِعَيْنِ۔

(بخاری و مسلم) مگر مسلم نے دونوں جگہ علی ابراہیم کا ذکر نہ کیا۔

[۱] یعنی دونوں لام کی زبر کے ساتھ۔ عجرہ عین کی پیش اور جیم کی جزم اور زبر کے ساتھ یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جو انصاری مدنی ہیں ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا جو کہ سب انصار مدینہ میں سے تھے۔ عبد اللہ بن الحارث نے کہا میں گمان نہیں کرتا کہ اس جیسا بچہ کسی عورت نے جنا ہو۔ خلافت فاروقی کے چھ سال باقی تھے کہ آپ پیدا ہوئے۔ ان کے باپ صحابی ہیں اور غزوہ احد کے شرکا میں سے ہیں۔

[۲] ہدیہ یعنی وہ کلام جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ ھدیہ با کی زبر دال کی زیر اور یا کی شد کے ساتھ۔ بمعنیٰ وہ تحفہ جو احترام و اکرام کے طور پر کسی کو بھیجا جائے اور فقراء کو جو چیز جذبہ رحم و مہربانی کے طور پر دی جاتی ہے اسے صدقہ کہتے ہیں۔

[۳] یہ اس چیز کی تاکید ہے جو لفظ بلی سے سمجھ میں آتی ہے۔

[۴] یعنی اے اہل بیت نبوت آپ پر درود پاک بھیجنے کی کیفیت اور صورت کیا ہے۔ سوال سے مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیفیت درود شریف کا دریافت کرنا ہے اور اہل بیت کا ذکر بالتبع اور ضمناً ہے۔ علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اہل بیت کے لفظ سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ اور اہل آل کے معنیٰ میں ہے۔ بسا اوقات آل فلاں سے خود وہ فلاں مراد لیتے ہیں۔ جیسا کہ آل داؤد میں حضرت داؤد مراد ہیں۔ اور لفظ اہل بیت کہنے اللہ تعالیٰ کے قول مبارک رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل بیت کی طرف اشارہ ہے۔ یہ معنیٰ مراد لینے کا قرینہ ان کا یہ اگلا قول مبارک ہے فان اللہ قد علمنا کیف نسلم علیک۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات اقدس پر تو التحیات میں

درود شریف بھیجنے کی کیفیت بیان کردی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو تعلیم الٰہی بایں معنیٰ کہتے ہیں کہ آپ احکام الٰہی میں زبان مبارک نہ کھولتے مگر وحی خداوندی سے۔

۵۵ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیفیت درود بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

۵۶ تو اپنے کمال و بزرگی کی شان کے مطابق اپنے حبیب پاک علیہ السلام پر درود نازل فرمایا۔

۵۷ یعنی اے خداوند محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل پر برکتیں نازل فرما اور زیادہ سے زیادہ اپنی خیر و نعمت سے آپ کو اور آپ کی آل پاک کو سرفراز فرما۔ جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم علیہ السلام کو برکتوں اور نعمتوں سے نوازا۔

۵۸ یعنی نہ صلوٰۃ میں علی ابراہیم کا لفظ ذکر کیا نہ برکت میں۔ چنانچہ مسلم کے لفظ یوں ہیں کما صلیت علی آل ابراہیم و کما بارکت علی آل ابراہیم اور جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آل ابراہیم میں سے ہیں۔ تو یہ تشبیہ بھی اسی آل پاک سے ہے۔ آل جل سے اس کا اہل و عیال مراد لیتے ہیں اور آل کا لفظ پیروکاروں کے لیے بھی آتا ہے اس معنیٰ کے مطابق ہے یہ حدیث آلی کل مومن یعنی ہر مومن میری آل ہے۔ اور ایک روایت میں کل مومن تقی کا لفظ آیا ہے۔ یعنی ہر مومن متقی میری آل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں آل سے پیروکار مراد ہیں۔ اور بعض نے اس کی تفسیر اہل بیت سے کی ہے یعنی وہ نفوس قدسیہ جن پر صدقہ حرام ہے یعنی بنی ہاشم

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ اہل بیت سے ازواج مطہرات اور آنحضرت کے اولاد امجاد مراد ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان میں داخل ہیں۔ کیونکہ آپ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کی معاشرت ان کے ساتھ تھی کبھی اہل بیت کا لفظ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت علی اور امام حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ جیسا کہ مباہلہ کا قصہ اور حدیث کساء یعنی کمبل شریف اس پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل بیت و یطہرکم (ترجمہ اس کے سوا نہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ دور کردے تم سے ہر قسم کی ناپاکی اے اہل بیت اور تمہیں مکمل طور پر طیب و طاہر کردے) کا خطاب بھی ان کے ساتھ خاص کیا گیا ہے مگر حق یہ ہے کہ ازواج مطہرات بھی اس خطاب میں داخل ہیں کہ اس آیت قرآنی کا سیاق ازواج مطہرات کی اس میں شمولیت کا اعلان کرتا ہے۔ اس کی وجہ تطبیق یہ ہے کہ بیت چند قسم ہے۔ ایک بیت نسب جس طرح جد قریب کی اولاد کو بیت فلاں کہتے ہیں۔ بنو ہاشم اسی معنیٰ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کہلاتے ہیں۔ دوسرا بیت سکنیٰ۔ اس معنیٰ کے مطابق ازواج مطہرات بھی لفظ اہل بیت میں داخل ہیں۔ تیسرا بیت ولادت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک اس معنیٰ کی بنا پر اہل بیت ہیں۔ اس مقام میں مفصل کلام اس رسالہ کے خاتمہ میں۔ جو جنت والوں کی بشارت میں مسمی بہ تحقیق الاشارۃ فی تعیم البشارۃ تالیف کیا گیا ہے ذکر دیا گیا ہے۔

یہاں ایک اشکال کا جواب دینا ابھی باقی ہے اور وہ اشکال یہ ہے کہ تشبیہ کے تقاضا سے لازم آتا ہے کہ درود و برکت

حضرت ابراہیم اور آل ابراہیم پر کامل تر اور قوی تر ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تشبیہ کے لیے شہرت و ظہور کافی ہے۔ مشبہ بہ میں کمال و قوت کی کوئی شرط نہیں۔ لوگوں نے اس کے اور بھی بہت سے جوابات دیے ہیں۔ مگر جب تک ہمارے جواب کے معنی کا وہاں لحاظ و اعتبار نہ کیا جائے وہ جوابات مکمل نہیں ہوتے اور تمام جوابات اور ان میں قیل و قال ہم نے ایک الگ رسالہ میں لکھ دی ہے۔ وہاں سے دیکھ لی جائے۔

۸۵۹/۲ وَعَنْ اَبِیْ حُمَیْدِ[۱]نِ السَّاعِدِیِّ[۲] قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْلُوا اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اٰلِ[۳] اِبْرَاھِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِہٖ وَذُرِّیَّتِہٖ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابو حُمید[۱] ساعدی[۲] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر درود کیسے بھیجیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہو اے اللہ حضرت محمد اور انکی بیویوں انکی اولاد پر ویسی ہی رحمتیں نازل کر جیسی ابراہیم[۳] پر نازل کیں اور حضرت محمد اور انکی بیویوں اور ان کی اولاد پر ویسی ہی برکتیں نازل کر جیسی کہ ابراہیم پر نازل کیں[۴] بیشک تو حمد و بزرگی والا ہے۔

(بخاری و مسلم)

؎۱ حُمَید حا کی پیش اور میم کی زبر کے ساتھ۔

؎۲ الساعدی عین کی زیر کے ساتھ۔

؎۳ بعض نسخوں میں علیٰ آل ابراہیم کا لفظ آیا ہے۔ اسیطرح بعض نسخوں میں کما بارکت کے بعد علیٰ آل ابراہیم کا لفظ آیا ہے شارحین حدیث نے کہا ہے کہ امام احمد کی روایت میں ابراہیم کا لفظ صلوٰۃ میں مذکور ہے۔ اور آل ابراہیم کا ذکر برکت میں ہے۔

؎۴ شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم اسی طرح آل محمد اور آل ابراہیم کا ذکر دراصل حدیث سے ثابت ہے اور بعض راویوں نے اسے حفظ بھی کر لیا ہوا ہے اور بعض نے اسے حفظ نہیں کیا۔ بہر حال یہ صیغہ صلوٰۃ مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے اور پڑھنے کے لیے جو کچھ حدیث میں مذکور ہوا کافی ہے۔ ہم نے مشائخ سے ایسا ہی سنا ہے اور بعض روایات میں جو وارحم محمدًا کما رحمت و ترحمت واقع ہوا ہے وہ صحت کو نہیں پہنچا جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۸۶۰/۳ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میرے اوپر ایک بار درود پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ

عَشْرًا ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

رحمت نازل کرتا ہے۔

(مسلم شریف)

[1] یہاں یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ کیسے درست ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تو ایک بار رحمت نازل ہو اور درود پڑھنے والے پر دس دفعہ ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک بار درود شریف پڑھنا نمازی کا فعل ہے جس کی جزا ہے کہ آیت من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالہا کے حکم و تقاضے کے مطابق یہ ہے کہ اس پر دس بار اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت نازل ہوتی ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود نازل ہو۔ اور فرضاً ایک درود ہی تسلیم کیا جائے تو شاید کہ وہ ایک درود شریف درنفاست میں ایک لاکھ کے برابر ہو۔ جس طرح ایک موتی قیمت میں لاکھ روپوں کے برابر ہو سکتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۸۴۱ / ۴ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً وَّاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرَ صَلَوَاتٍ وَّحُطَّتْ عَنْہُ عَشْرُ خَطِیْئَاتٍ وَّرُفِعَتْ لَہٗ عَشْرُ دَرَجٰتٍ ۔

(رَوَاہُ النَّسَائِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ مجھ پر ایک بار درود پاک پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل کریگا اور اس کے دس گناہ معاف کرے گا۔ اور اس کے دس درجے بلند[1] کیے جائیں گے۔

(نسائی شریف)

[1] یعنی حق تعالیٰ کی درگاہِ قرب میں اس کے دس درجے بلند ہوں گے۔

۸۴۲ / ۵ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْلَی النَّاسِ بِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَکْثَرُھُمْ عَلَیَّ صَلٰوۃً ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز مجھ سے زیادہ قریب وہ ہوگا جو مجھ پر زیادہ تعداد میں درود شریف پڑھے گا۔[1]

(ترمذی)

[1] اور ایک دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ کثرت درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کرنے کا سبب و ذریعہ بنے گا تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حصول قرب کے باعث اللہ تعالیٰ کی رحمت کا وہ نور جو ہر ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر فائض ہوگا اس سے اس بندے کو بھی حصہ ملے گا۔ اور معنیٰ شفاعت کی

حقیقت بھی یہی ہے۔

۸۶۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِی الْاَرْضِ يُبَلِّغُوْنِیْ مِنْ اُمَّتِیَ السَّلَامَ۔

(رَوَاهُ النَّسَآئِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

انہیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین پر سیر و سیاحت کرتے ہیں جو میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔[1]

(نسائی، دارمی)

[1] ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ فرشتے اس بندے اور اس کے باپ کا نام لے کر بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ فلاں بن فلاں یعنی جیسے بندہ مسکین و بیچارہ عبدالحق بن سیف الدین آپ کی خدمت میں درود و سلام عرض کرتا ہے۔

لَكَ الْبِشَارَةُ فَاخْلَعْ مَا عَلَيْكَ فَقَدْ
ذُكِرْتَ ثَمَّ عَلٰی مَا فِيْكَ مِنْ عِوَجٍ

ترجمہ۔ تجھے بشارت ہو اب تو وہ بوجھ اپنے سے اتار دے کہ تیرا تذکرہ تیری کوتاہیوں کے باوجود وہاں (مجلس حضور اقدس میں) ہوا ہے۔

جاں میدہم درآرزو اے قاصد آخر باز گو
در مجلسِ آں نازنین حرفے کہ از ما میرود

ترجمہ۔ اے قاصد میں آرزو میں جان دینے کو تیار ہوں۔ آخر تجھے وہ باتیں بتانی چاہییں جو اس نازنین کی مجلس میں ہمارے متعلق ہوتی ہیں۔

۸۶۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر کوئی شخص سلام نہیں بھیجتا مگر اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں[1]۔

ابوداؤد و بیہقی دعوات کبیر میں۔

[1] یہاں ایک اشکال ہے اور وہ یہ کہ اس حدیث کا مضمون برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات و زندگی والی حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ سلام کے وقت آپ کی روح مبارک کو آپ میں واپس لوٹانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ

بعض اوقات روح پاک آپ سے جدا ہو جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ روح کے لوٹانے سے یہ مراد نہیں ہے کہ روح بدن سے الگ ہو چکی ہوتی ہے اور اسے بدن شریف میں لوٹایا جاتا ہے۔ بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس عالم کی طرف توجہ مبذول کرتے اور اس کے لیے افاقہ پاتے ہیں اور آپ امت کا صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برزخ میں حالات ملکوت میں مشغول اور رب العزۃ کے مشاہدہ میں مستغرق رہتے ہیں۔ جس طرح دنیا میں حالت وحی کے وقت آپ کی کیفیت ہوتی تھی تو اس مشاہدہ واستغراق سے افاقہ پاتے اور باہر آنے کو روح کے لوٹانے سے تعبیر کیا گیا۔ جیساکہ حدیث معراج میں واقع ہوا کہ فاستیقظت وَاَنَا بالمسجد الحرام (یعنی پس میں بیدار ہوا۔ حالانکہ میں مسجد حرام میں تھا) مذہب حق کے مطابق معراج خواب میں نہ تھی۔ لہٰذا مراد یہ ہے کہ آپ اس عالم سے باہر آتے اور افاقہ پاتے ہیں۔ نیز حیات انبیاء صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اور ان کے بدن میں تردد روح ایک بار موت کے بعد حاصل ہو چکی۔ اس کے بعد کوئی زمانہ اور گھڑی خالی نہیں جب میں صلوٰۃ وسلام آپ پر پیش نہ کیا جاتا ہو اس لیے ہر دفعہ کے لیے روح کا بدن سے الگ ہو کر پھر اس میں آنا، عذاب دینے میں داخل ہے۔ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحن عزت وبزرگی کو پاک و منزہ جاننا ضروری اور واجب ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ ہمیشہ زندہ اور حیات ہوں۔ خوب سمجھو۔ وباللہ التوفیق

باقی رہی یہ بات کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سلام کا جواب دینے کی فضیلت قبر انور کے زائرین کے ساتھ خاص ہے جس طرح نماز میں داخل ہونے والا اسلام میں داخل ہوتا ہے۔ یا سب کے لیے عام ہے کہ جو بھی سلام عرض کرے اور جہاں سے بھی کرے۔ جیساکہ تشہد وغیرہ میں ہوتا ہے ظاہر یہی ہے کہ سب کو سلام کا جواب ملتا ہے۔ مگر اتنی سی بات ہے کہ زائرین کا سلام بے واسطہ سن کر اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور دوسروں کا سلام ملائکہ سیاحین (سیر وسیاحت کرنے والے) کے ذریعے سنتے اور جواب دیتے ہیں[1]۔ جیساکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے جو تیسری

---

[1] کہ یہ ان فرشتوں کی ڈیوٹی ہے کہ وہ آستانہ عالیہ تک امت کا سلام پہنچایا کریں۔ یہاں چند باتیں ملحوظ خاطر رہیں۔ ایک یہ کہ فرشتے کے درود پہنچانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس ہر ایک کا درود نہ سنتے ہوں۔ حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دور و قریب کے درود خوان کا درود سنتے بھی ہیں اور درود خوان کی عزت افزائی کے لیے فرشتہ بھی بارگاہِ عالی میں درود پہنچاتا ہے۔ تاکہ درود کی برکت سے ہم گناہ گاروں کا نام بھی فرشتہ کی زبان سے ادا ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم گناہ گاروں کی فریاد وآواز کیوں نہ سنیں گے۔ رب تعالیٰ ہمارے اعمال دیکھتا ہے پھر بھی اس کی بارگاہ میں فرشتے اعمال پیش کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ فرشتے ایسے تیز رفتار ہیں کہ ادھر امتی کے منہ سے درود پاک کے الفاظ نکلے ادھر انہوں نے سبز گنبد میں پیش کر دیا۔ اگر کوئی ایک مجلس میں ہزار بار درود شریف پڑھے تو یہ فرشتہ۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

فصل میں آ رہی ہے۔ ظاہر ہوتا ہے۔

۸۶۵ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَّلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِيْ عِيْدًا وَّصَلُّوْا عَلَيَّ فَاِنَّ صَلٰوتَكُمْ تَبْلُغُنِيْ حَيْثُ كُنْتُمْ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اپنے گھروں کو قبریں[1] نہ بناؤ۔ اور میری قبر کو عید[2] نہ بناؤ اور مجھ پر درود بھیجا کرو کہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے[3]۔ تم جہاں بھی ہو۔

(نسائی)

[1] یعنی قبروں کی طرح نہ بناؤ کہ ان میں مردوں کی طرح پڑے اور سوئے رہو۔ اور ان میں کوئی عبادت اور نماز وغیرہ ادا نہ کرو۔ بلکہ جس طرح تم لوگ مساجد میں عبادت کرتے اور انوار و برکات حاصل کرتے ہو گھروں میں بھی کچھ نہ کچھ عبادت کیا کرو۔ تاکہ اس کے انوار و برکات سے تمہارے گھر بھی روشن و منور ہوں۔ اور تمہارے اہل خانہ بھی اس سے مستفید و مستنیر ہوں۔ اس لیے فرض نمازیں مسجد میں ادا کرو اور نوافل گھروں میں کہ مسجد کی بجائے گھر میں نوافل ادا کرنا افضل ہے یا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں مردے دفن نہ کرو۔ باقی رہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تو آپ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو گھر میں (حجرہ عائشہ) میں دفن کیا گیا۔

[2] اور میری قبر انور کو عید گاہ نہ بنانا کہ زینت کرکے اور سج کر اس پر اجتماع نہ کرنا۔ اور نہ گانے بجانے اور لہو و لعب کا اسے مرکز بنانا۔ کہ یہ چیز موجبِ غفلت اور یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ ایسے افعال بد وہ اپنے انبیاء کی قبروں پر کرتے ہیں۔ بعض اس جملے کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ میری زیارت عید کی طرح نہ کرنا کہ سارے سال میں ایک دو بار سے زیادہ حاضری کے لیے نہ آؤ۔ پس اس میں کثرت سے زیارت اور اس درگاہ بے کس پناہ میں حاضری کی ترغیب و تنبیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بار بار نصیب فرمائے۔

[3] اور یہ فکر نہ کرو کہ ہمارا درود اتنے فاصلے سے آپ کی خدمت میں کیسے پہنچے گا۔ کیونکہ تم جہاں بھی ہو تمہارا درود ہم تک پہنچتا ہے۔ بیت۔

در راہِ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
مے بینمت عیاں و دعاے فرستمت

بقیہ حاشیہ بر صفحہ سابقہ۔ اس کے اور مدینہ طیبہ کے درمیان ہزار چکر لگائے گا۔ یہ نہ ہوگا کہ دن بھر کا درود و سلام تھیلے میں جمع کرکے ڈاک کی طرح شام کو وہاں پہنچائے جیسا کہ اس دور کے بعض جہلاء نے سمجھا۔ از مرآۃ المناجیح جلد۲ بتغیر یسیر (مترجم غفرلہ)

ترجمہ۔ راہ عشق میں دور و نزدیک کا مرحلہ نہیں۔ میں تجھے بالکل عیاں اور ظاہر دیکھتا ہوں اور دعائیں کے تحفے بھیجتا ہوں یہاں بعض مشتاقان جناب کے لیے تسلی اور بشارت ہے کہ اگر وہ مجبوری کی وجہ سے قرب صوری سے محروم ہیں تو انہیں چاہیے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ اور حضور قلبی سے غافل نہ ہوں اور اپنے آپ کو حضور کے صحن سے دور خیال نہ کریں۔ کیونکہ صلوٰۃ وسلام کے وسیلے اور بارگاہ اقدس میں اس کے پہنچنے کے تعلق سے وہ آپ کے نزدیک ہی ہیں۔ ع

قرب جانی چوں بود بعد مکانی سہل ست

جب روحانی قرب نصیب ہے تو پھر جسمانی قرب نہ ہونا آسان چیز ہے۔

۸۶۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانُ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ اَنْ يُّغْفَرَ لَهٗ وَرَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ اَدْرَكَ عِنْدَهٗ اَبَوَاهُ الْكِبَرَ اَوْ اَحَدُهُمَا فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

انہیں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آدمی کی ناک خاک آلود ہو جسکے پاس میرا ذکر ہوا اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے[1] اس کی ناک گرد آلود ہو جسے رمضان کا مہینہ نصیب ہو پھر اس کی بخشش سے پہلے گزر جائے[2] اور اس کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے اس کے ماں باپ یا ان میں سے ایک بڑھاپا پائے اور وہ اسے جنت میں نہ پہنچائیں[3] (ترمذی)

[1] یعنی وہ مرد خوار و ہلاک ہو جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔ اس حدیث کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ مجلس میں جتنی بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے اتنی ہی بار درود پاک پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ درود نہ پڑھنے پر یہاں سخت وعید اور ڈانٹ آئی۔ مگر یہ کہ یوں کہیں کہ وجوب کی دلیل عذاب آخرت کی صورت میں وعید کا لاحق ہونا ہے اور رغم الف (ناک کا خاک آلودہ ہونا) اس قبیلہ سے نہیں ہے۔ بہر حال ان الفاظ کی غایت استحباب و افضلیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ میں حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ ایک طرح کی ڈانٹ ڈپٹ مراد ہوتی ہے۔

[2] یعنی اس ماہ میں عبادت نہ کرے اور اس ماہ کے حقوق ادا نہ کرے جو اس کے گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں۔

[3] یعنی ان کے ساتھ نیک سلوک نہ کرے اور نہ ان کے حقوق ادا کرے اور ان کی رضا اور خوشنودی حاصل نہ کرے جو اس کے بہشت میں پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے۔

۸۶۷/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ طَلْحَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَآءَ ذَاتَ یَوْمٍ وَالْبِشْرُ فِیْ وَجْھِہٖ فَقَالَ اِنَّہٗ جَآءَنِیْ جِبْرَئِیْلُ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقُوْلُ اَمَا یُرْضِیْکَ یَا مُحَمَّدُ اَنْ لَّا یُصَلِّیَ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا صَلَّیْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا وَّلَا یُسَلِّمُ عَلَیْکَ اَحَدٌ مِّنْ اُمَّتِکَ اِلَّا سَلَّمْتُ عَلَیْہِ عَشْرًا

(رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت[۷۱] ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لائے اور خوشی آپ کے چہرہ انور پر تھی، فرمایا میرے پاس حضرت جبریل آئے اور کہا کہ آپ کا رب تعالیٰ فرماتا ہے اے محمد کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تمہارا کوئی امتی تم پر ایک بار درود نہ پڑھے مگر میں اس پر دس رحمتیں کروں اور آپ کا کوئی امتی آپ پر ایک بار سلام نہ بھیجے مگر میں اس پر دس[۷۲] سلام بھیجوں۔

(نسائی، دارمی)

۸۶۸/۱۱ وَعَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُکْثِرُ الصَّلٰوۃَ عَلَیْکَ فَکَمْ اَجْعَلُ لَکَ مِنْ صَلٰوتِیْ فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرُّبُعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ النِّصْفَ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ فَالثُّلُثَیْنِ قَالَ مَا شِئْتَ فَاِنْ زِدْتَّ فَھُوَ خَیْرٌ لَّکَ قُلْتُ اَجْعَلُ لَکَ صَلٰوتِیْ کُلَّھَا قَالَ اِذًا تُکْفٰی ھَمُّکَ وَیُکَفَّرُ لَکَ ذَنْبُکَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابی[۷۳] بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ پر درود پڑھتا ہوں[۷۴] تو کتنا درود مقرر کروں[۷۵]۔ فرمایا جتنا چاہو میں نے کہا چہارم[۷۶] فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا آدھا فرمایا جتنا چاہو اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے میں نے کہا دو تہائی فرمایا جتنا چاہو لیکن اگر درود بڑھا دو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا میں سارا درود ہی[۷۷] پڑھوں گا۔ فرمایا تب تو تمہارے غموں کو کافی ہو گا اور تمہارے گناہ مٹ جائیں گے۔

(ترمذی)

---

[۷۱] حضرت ابو طلحہ انصاری ہیں مشہور صحابی ہیں۔ حضرت انس کی ماں کے خاوند ہیں۔ ان کا نام زید بن سہل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لشکر میں ابو طلحہ کی آواز سو مردوں سے بہتر ہے۔

[۷۲] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس پر خوش ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں بشارت ہے یا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قدر و بزرگی کے شکرانے کے طور پر ہے یا اس وجہ سے آپ خوش تھے کہ اس سے امت کو ثواب ملتا ہے۔ اور آپ کی انتہائی حرص و خواہش امت کے لیے طلب خیر و برکت ہوتی تھی۔

۵۱ آپ عظمائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ کے حالات شریفہ دوسرے مقامات میں لکھے جا چکے ہیں۔

۵۲ یعنی بہت درود شریف پڑھنا چاہتا ہوں تو کتنا وقت اس کے لیے مقرر و معین کروں۔ اس عبارت کا دوسرا معنیٰ یہ ہو سکتا ہے۔ یا رسول اللہ میں آپ پر بہت درود پڑھتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ اس کی تعداد اور وقت مقرر کر لوں۔ اور شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے اپنی شرح میں کہا ہے کہ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے یعنی میں نے اپنے لیے دعا کرنے کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس وقت میں آپ پر درود پڑھوں اور بہت پڑھوں تو کتنی مقدار اس وقت میں سے آپ پر درود شریف پڑھنے میں صرف کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو ان کے اختیار پر چھوڑ دیا اور فرمایا جس قدر زیادہ پڑھے گا بہتر ہوگا۔

۵۳ چہارم یعنی چوتھا حصہ

۵۴ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو سارا وقت مجھ پر درود شریف میں صرف کرے گا تو تیرے لیے کفایت ہو جائے گی اور تیرے تمام دینی و دنیوی مقاصد پورے کر دیے جائیں گے اور تیرے سب ظاہری باطنی اگلے پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

حضور سید کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود پاک پڑھنا تمام مقاصد کے پورا ہونے کا سبب اس لیے بنتا ہے کہ بندہ جب خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق اور پسندیدہ امور کے طلب کرنے کا سوال کرتا اور اس میں صدق و اخلاص کو بروئے کار لاتا ہے اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ کام کو اپنے نفس کے مطالب و مقاصد پر ترجیح دیتا ہے تو ایسا شخص لازماً جزائے کامل اور فیضِ خاص کے قابل ہو جاتا ہے اور اس کے لیے تمام مہمات و مشکلات کے لیے کفایت ہو جاتی ہے۔ من کان للہ کان اللہ لہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور من شغلہ ذکری عن مسئلتی الحدیث یعنی جسے میرے ذکر نے سوال کرنے سے روک دیا۔ الحدیث۔ اور من یتق اللہ یجعل لہ مخرجاً الآیۃ۔ یعنی جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کے لیے ذریعہ بنا دیتا ہے الیٰ آخر الآیۃ۔

درود شریف کے کافی مہمات و مشکلات ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شیخ اجل اکرم عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسکین (عبدالحق) کو مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے روانگی کے وقت وداع کرتے ہوئے فرمایا۔ یہ بات ذہن میں رکھو اور آگاہ رہو کہ اس راہ میں ادائے فرائض کے بعد کوئی عبادت حضور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے برابر نہیں ہے۔ تمہیں چاہیے کہ اپنا سارا وقت اس میں صرف کرو۔ کسی اور کام میں مشغول نہ ہو۔ عرض کیا گیا اس کے لیے کوئی معین تعداد بھی ہے۔ فرمایا یہاں عدد معین کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس قدر پڑھو کہ ہر وقت اسی سے رطبُ اللسان رہو۔ حتیٰ کہ انہیں کے رنگ میں رنگے جاؤ۔ اور اس میں مستغرق رہو۔

۸۸۹/۱۲ وَعَنْ فَضَالَةَ ابْنِ عُبَيْدٍ قَالَ ۵۵ حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

بَيْنَمَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَ فَاحْمِدِ اللهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ ادْعُ تُجَبْ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

فرماتے ہیں اس اثنا میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ایک آدمی آیا اس نے نماز پڑھی پھر کہا، الٰہی مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی تو نے جلدی کی[2] جب تو نماز پڑھ کر بیٹھے[3] تو اللہ کی وہ حمد کر جس کے وہ لائق[4] ہے اور مجھ پر درود بھیج پھر دعا[5] کر۔ فرماتے[6] ہیں اس کے بعد دوسرے شخص نے نماز پڑھی پھر اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے نمازی دعا مانگ کہ قبول ہو گی۔

⁂

ترمذی اور ابو داؤد و نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

---

[1] فضالہ فا کی زبر سے۔ عبید عین کی پیش اور با کی زبر سے یعنی ابو محمد فضالہ بن عُبَید انصاری اوسی صحابی ہیں۔ آپ سب سے پہلے غزوہ اُحد میں شریک ہوئے۔ شجرۃ الرضوان کے نیچے بیعت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ جنگِ خیبر میں بھی حاضر و موجود تھے۔ شام میں منتقل ہو گئے تھے۔ دمشق میں سکونت اختیار کی۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے صفین کے لیے خروج کیا تو آپ کے ذمے دمشق کی قضا کی ذمہ داری سپرد کی گئی۔ صحیح تر قول کے مطابق ۵۳ھ میں دمشق میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

[2] کہ تو نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور مجھ پر درود شریف پڑھنے سے پہلے ہی دعا شروع کر دی۔

[3] بیٹھنے میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے نماز کا قعدہ مراد ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ نماز سے فارغ ہوتے کے بعد دعا کے لیے بیٹھنا مراد ہو۔ یہ دوسرا احتمال سیاقِ حدیث کے زیادہ موافق و اظہر ہے۔

[4] یعنی صفاتِ کمال سے۔

[5] پھر خدا تعالیٰ سے درخواست کر اور جو چاہتا ہے مانگ

[6] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مرد کو دعا کے آداب سکھائے کہ دعا سے پہلے حمد و ثنا اور میرے اوپر درود شریف

پڑھنا چاہیے اس کے بعد دعا کرنی چاہیے۔ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا کے بعد بھی خدا تعالیٰ کی حمد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا چاہیے۔

۸۷۰/۱۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّيْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ مَعَهٗ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَآءِ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَلْ تُعْطَهٗ سَلْ تُعْطَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نماز پڑھ رہا تھا اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم[۵۱] اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے جب میں بیٹھا تو اللہ تعالیٰ کی حمد سے ابتدا کی پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا۔ پھر میں نے اپنے لیے دعا کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مانگ تجھے دیا جائے گا۔ مانگ لے تجھے عطا کیا جائے[۵۲] گا۔ (جو مانگے گا)

(ترمذی)

[۵۱] بعض نسخوں میں یہاں لفظ حاضر موجود ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے بعض صحت شدہ نسخوں میں یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ اور بعض نسخوں میں جو یہ لفظ موجود نہیں تو وہاں مقدر ہے (یعنی نیت میں ہے)

[۵۲] آپ نے یہ جملہ بقصدِ تاکید اور مزید طلب کے لیے مکرر ارشاد فرمایا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۸۷۱/۱۴ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّكْتَالَ بِالْمِكْيَالِ الْاَوْفٰى اِذَا صَلّٰى عَلَيْنَا اَهْلَ الْبَيْتِ فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاَزْوَاجِهٖ وَاُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے پسند ہو کہ اُسے پوری ناپ[۵۳] ملے تو جب ہم اہل بیت پر درود پڑھے[۵۴] تو کہے الٰہی۔ نبی اُمّی حضرت محمد پر اور مسلمانوں کی ماؤں یعنی حضور کی بیویوں پر اور ان کی اولاد پر اور اہل بیت پر رحمت بھیج جیسے تو نے رحمت بھیجی ابراہیم پر رب بے شک تو حمد و بزرگی والا[۵۵] ہے۔

(ابوداؤد)

[۱] یُکتال۔ یا کی زبر اور پیش کے ساتھ صحیح سند کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ زبر کی صورت میں معنیٰ یہ ہوگا۔ جس شخص کو یہ بات اچھی لگتی ہو کہ وہ اپنے ثواب کا پیمانہ پورا پورا بھرے۔ پیش کی صورت میں معنیٰ ہوگا کہ اس کے لیے ثواب کا پیمانہ پورا پورا بھرا جائیگا۔ یعنی جو شخص چاہتا ہو کہ اس کی مراد اتم اور اکمل طریقہ پر حاصل ہو۔

[۲] اسے چاہیے کہ اس طرح درود پاک پڑھے اور بھیجے۔

[۳] اُمّی حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاص لقب ہے۔ جو توریت وانجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں مذکور ہے۔ لغت میں اُمّی اُسے کہتے ہیں جو پڑھنا لکھنا نہ جانتا ہو اور کسی مکتب و مدرسہ میں نہ گیا ہو اور نہ کسی سے سیکھا ہو۔ یہ لفظ اُمّ (ماں) کی طرف منسوب ہے۔ یعنی اسی حالت پر ہو جس پر وہ ماں کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔ ؎

نگارِ من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت
بغمزہ مسئلہ آموزِ صد مدرس شد

میرے معشوق نے جو نہ کسی مکتب و مدرسہ میں گیا اور نہ اس نے خط لکھنا سیکھا آنکھ کے ایک اشارے سے سو مدرس کو مسئلے سکھا دیے۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

وہ یتیم جس نے کسی سے قرآن بھی درست نہ کیا تھا۔ اس نے آکر سابقہ ملتوں کے کتب خانے دھو ڈالے (انہیں منسوخ کر دیا)

بہ تعلیم آداب او را چہ حاجت
کہ او خود ز آغاز آمد مؤدّب

اُسے آداب سکھانے کی کیا حاجت و ضرورت ہے جو آغاز سے ہی با ادب پیدا ہوا ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس معنیٰ کی صحت کے باوجود ام القریٰ (مکہ معظمہ) کی طرف نسبت کی وجہ سے بھی امی کہتے ہیں۔ یا ام الکتاب (لوح محفوظ) کی طرف نسبت کی بنا پر امی کہتے ہیں کہ مکتب ملکوت میں اَدَّبَنِی رَبِّی کے مطابق رب تعالیٰ سے علم و ادب سیکھا صلی اللہ علیہ وسلم۔

۸۷۲/۱۵ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَخِیْلُ الَّذِیْ مَنْ ذُکِرْتُ عِنْدَهٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیٍّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بڑا کنجوس وہ[۱] ہے جس کے سامنے میرا ذکر ہوا اور اس نے مجھ پر درود نہ پڑھا۔

ترمذی اور احمد نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب[۲] ہے۔

۱؎ یعنی وہ آدمی بخیل نہیں جو میلانِ طبیعت اور تقاضائے فطرت کے تحت اپنا مال اپنے سے جدا کرنے کو تیار نہ ہو۔ کہ اس کا یہ بخل اس شخص کے بخل کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا جو سستی اور غفلت کے باعث اور اپنے نفس کی خرابی کی وجہ سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر آپ پر ایک کلمۂ (درود شریف) کہنے کو تیار نہیں، اور ادائے حق اور آپ کی شکر گزاری پر آمادہ نہیں۔ اور دادِ محبت و عقیدت دینے کو تیار نہیں، یہ موقعہ تو وہ ہے کہ جانیں قربان کر دی جائیں چہ جائے کہ صرف ایک کلمہ زبان پر لائیں۔ ؎

مرحبا اے پیکِ مشتاقاں بدہ پیغام دوست
تا کنم جاں از سر رغبت فدائے نام دوست

مرحبا اے مشتاقانِ دید کے قاصد دوست کا پیغام دِہ تا کہ میں رغبت و شوق سے اپنی جان دوست کے نام پر قربان اور فدا کر دوں۔

۲؎ ان الفاظ کے معانی اور ان صفات کے ایک ہی حدیث میں جمع ہونے کی توجیہہ مقدمۂ کتاب میں ذکر ہو چکی ہے۔ وہاں سے یہ معانی ذہن نشین کر لو۔

۹۴۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَیَّ نَائِیًا اُبْلِغْتُهٗ۔

رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ میری قبر کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے میں اُسے سنتا ہوں اور جو دُور سے مجھ پر درود پاک پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچایا[1] جاتا ہے

(بیہقی شعب الایمان میں)

۱؎ کہ اس کام پر مقرر سیاح فرشتے مجھے پہنچاتے ہیں[1]۔ اور دونوں صورتوں میں میں اُسے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کی کیا فضیلت ہے تو خصوصًا کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کی کیا شان ہوگی۔ اگر ساری عمر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے والے کو صرف ایک بار حضور کی طرف سے جواب ملے تو کس قدر سعادت کی بات ہے۔ چہ جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر بار اس کے سلام کا جواب ارشاد فرمائیں اور وہ ہر بار آپ کا جواب سنے۔ بیت

---

[1] حدیث میں اُبْلِغْتُہٗ کا لفظ آیا ہے یعنی دور والوں کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے اس لفظ میں خود سننے کی نفی نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص دلی رغبت و توجہ اور حضورِ قلب سے درود نہیں پڑھتا اور اس کا دل اس کیفیتِ حضور سے دور ہے تو میں بھی اس کے سماع کی طرف توجہ مبذول نہیں کرتا۔ اس کا درود ملائکہ میری خدمت میں لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

بہر سلام مکن رنجہ در جواب آں لب
کہ صد سلام مرا بس یکے جواب از تو

ہر بار سلام کے جواب سے اُس کے لبوں کو تکلیف نہ دے۔ میرے سو سلام کے لیے تیرا ایک جواب کافی ہے۔

٨٧٤/١٧ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ سَبْعِيْنَ صَلٰوةً۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں جو بندہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک بار درود شریف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس پر ستر دفعہ رحمت بھیجتے ہیں[1]۔

(احمد)

٨٧٥/١٨ وَعَنْ رُوَيْفِعٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّقَالَ اَللّٰهُمَّ اَنْزِلْهُ الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت رُوَیفع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود شریف پڑھتا ہے اور کہتا ہے انہیں (حضور کو) قیامت کے دن اپنے قریب ٹھکانے میں اتار، تو اس کے لیے میری شفاعت ثابت و ضروری ہو گئی۔

(احمد)

[1] اگرچہ بظاہر یہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا قول ہے مگر یہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہا ہے۔ کیونکہ اعمال کی کمیت و کیفیت حضرتِ نبوت سے سنے بغیر بیان نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا یہ موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے جیسا کہ مقدمۂ کتاب میں گزرا۔

بقیہ حاشیہ بر صفحہ سابقہ۔ ہمارے بیان کردہ اس مطلب کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ مقدمۂ دلائل الخیرات شریف میں فرمایا أَسْمَعُ صَلٰوةَ أَهْلِ مَحَبَّتِيْ۔ یعنی اہل محبت کا درود شریف میں خود سنتا ہوں۔ علامہ ابن القیم نے اپنی تالیف جلاء الافہام میں ایک حدیث نقل کی اس کے الفاظ ہیں بَلَغَنِيْ صَوْتُهٗ حَيْثُ كَانَ۔ یعنی اس کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے پڑھنے والا جہاں بھی ہو پھر روضۂ انور پر ہزاروں من مٹی وغیرہ درمیان میں حائل ہونے کے باوجود جب آپ روضہ پاک پر خود سنتے ہیں تو یہاں سے کیوں نہیں سن سکتے۔

اور کتاب اخبار الاخیار شریف میں حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کے اس بیان کے مطابق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال و اعمال پر مطلع اور حاضر و ناظر ہیں اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، دور سے سننے میں کوئی استحالہ نہیں۔

[۵۱] یعنی رُوَیفع را کی پیش۔ واو ساکن اور یا کے کسرہ سے۔ بن ثابت رضی اللہ عنہ۔ آپ انصاری ہیں مصریین میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے طرابلس کا امیر مقرر کیا تھا۔ آپ نے ۴۷ھ میں اہل افریقیہ پر فوج کشی کی۔ آپ نے ۵۶ھ میں مقام رقہ یا شام میں انتقال فرمایا۔ اور آپ اہل مصر سے ہیں۔

[۵۲] اگرچہ آپ کی شفاعت تمام مسلمانوں کے لیے ہے۔ تاہم ان الفاظ کے ساتھ درود پاک پڑھنے والوں کے لیے آپ کی شفاعت ضروری اور یقینی ہے اور ان کے لیے خاص شفاعت اور خاص درجہ ہے۔ جس طرح روضہ انور کی زیارت کرنے والوں کے لیے آپ خاص شفاعت کریں گے۔

۸۷۶/۱۹ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى دَخَلَ نَخْلًا فَسَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ حَتّٰى خَشِيْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ تَوَفَّاهُ قَالَ فَجِئْتُ اَنْظُرُ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ مَالَكَ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لَهٗ قَالَ فَقَالَ اِنَّ جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لِيْ اَلَا اُبَشِّرُكَ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ لَكَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْكَ صَلٰوةً صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے یہاں تک کہ ایک باغ میں پہنچے تو بہت لمبا سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ مجھے ڈر محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپکو وفات ہی نہ دیدی ہو حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں میں آکر دیکھنے لگا تو آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا تجھے کیا ہے۔ میں نے (اپنے دل کا خدشہ) بیان کیا اس پر آپ نے فرمایا جبرئیل نے مجھے کہا ہے کہ میں آپ کو یہ خوشخبری نہ دوں کہ اللہ تعالیٰ آپ سے فرماتا ہے جو بندہ آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت کروں گا۔ اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی نازل کروں گا۔

(احمد)

۸۷۷/۲۰ وَعَنْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ اِنَّ الدُّعَآءَ مَوْقُوْفٌ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَا يَصْعَدُ مِنْهُ شَيْءٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ عَلٰى نَبِيِّكَ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ (بندے کی) دعا آسمان و زمین کے درمیان رکی رہتی ہے اس سے کوئی چیز اوپر نہیں چڑھتی حتی کہ تم اپنے نبی پر درود بھیجو۔[1]

(ترمذی)

---

[1] یعنی دعا کی اجابت اور قبولیت درود شریف پڑھنے پر موقوف ہے اور چونکہ درود شریف مستجاب مقبول، اور مقام قبولیت میں پہنچتا ہے اور فضل و رحمتوں سے ملا ہوا ہے۔ اس لیے اس کے طفیل اور توسل سے دعا بھی محل قبولیت

میں پہنچ جاتی ہے۔ ؎

مور مسکین ہوسے داشت کہ بکعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

مسکین چیونٹی کو کعبہ پہنچنے کی ہوس و آرزو تھی۔ اس نے ہاتھ پاؤں کبوتر سے چپٹائے اور آناً فاناً کعبے پہنچ گئی۔

بَابُ الدُّعَآءِ فِى التَّشَهُّدِ

تشہد کے بعد دُعا کا باب

کتب فقہ میں مذکور ہے کہ التحیات اور درود شریف پڑھنے کے بعد نمازی دعا پڑھے۔ جو بھی اسے اچھی لگے مگر اس بات کا خیال رکھے کہ وہ ایسی دعا نہ ہو جو لوگوں کے ساتھ کلام کے مشابہ اور اس کا مانگنا اور طلب کرنا لوگوں سے ممکن نہ ہو۔ اور گذشتہ باب التشہد کے اندر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا کہ ثُمَّ لیتخیر من الدعا اَعْجَبَہ اِلَیہ یعنی پھر جو دعا اسے اچھی لگے اسے اختیار کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص دعائیں بھی مروی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اچھی دعاؤں سے یہی ماثورہ دعائیں مراد ہوں۔ الغرض ان دعاؤں کا اختیار کرنا اور ان سے توسل و تمسک کرنا بہت بہتر بہت فضیلت کی چیز اور بہت کامل ہے کیونکہ یہ ماثورہ دعائیں تمام دنیوی اور اُخروی مقاصد کے لیے کمل تر اور جامع تر ہیں۔ و باللہ التوفیق۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۸۷۸/۱ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْا فِى الصَّلٰوةِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَ فِتْنَةِ الْمَمَاتِ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ لَهٗ قَائِلٌ مَّا اَكْثَرَ مَا تَسْتَعِيْذُ مِنَ الْمَغْرَمِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا غَرِمَ حَدَّثَ فَكَذَبَ وَ وَعَدَ فَاَخْلَفَ ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں (یہ) دعا مانگتے تھے۔ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے[۱]۔ اور تیری پناہ مانگتا ہوں مسیح دجال کے فتنہ سے[۲]۔ اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنوں سے[۳]۔ الٰہی میں تیری پناہ مانگتا ہوں گناہ[۴] اور قرض[۵] سے۔ کسی نے آپ سے عرض کیا۔ حضور آپ قرض سے اس قدر زیادہ پناہ مانگتے ہیں۔ فرمایا آدمی جب مقروض ہوتا ہے تو بات کرتے وقت جھوٹ بولتا ہے اور وعدہ کرتا ہے تو اس کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

ھ۱ عذاب قبر کا تفصیل سے بیان کتاب کے اول میں بابِ اِثباتِ عذاب القبر میں گزر چکا ہے۔

ھ۲ یعنی میں مسیح الدجال کے ابتلا اور آزمائش سے پناہ مانگتا ہوں۔ یہ مسیح دجال آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا۔ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور استدراج کے طور پر اس کے ہاتھ سے خلاف عادت بہت سی چیزیں ظاہر ہوں گی وہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ قرب قیامت کے پوری تفصیل کے ساتھ کتاب کے آخر میں بابِ عَلَامَاتِ الساعۃ میں آ رہے ہیں۔

مسیح ایک مشترک نام ہے جو دَجّال علیہ اللعنۃ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام پر بھی۔ لیکن جب مطلق مسیح بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔ اور جب اس سے دجال ملعون مراد ہوتا ہے تو پھر دجال کہتے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں واقع ہوا ہے۔ ان دونوں کے لیے اس کی وجہ تسمیہ اور اس کے متعلقات کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ اس کے موقعہ و محل میں کیا جائے گا۔

ھ۳ زندگی کے فتنہ سے مراد وہ امور ہیں جو بندے کو دین اسلام سے برگشتہ کرتے ہیں۔ جیسے کجی لغزش، باطل کی طرف میلان اور راہ راست سے انحراف، نیز اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیزوں کی تحصیل کو ترک کر دینا۔ اور بَلاءٌ و محن اور اسباب ضلالت و بطالت کو اختیار کر لینا اور فتنہ مَمات سے حالت نزع میں شیطانی وسوسہ اور منکر و نکیر کا سوال مراد ہے اور اگر بوقت نزع شیطانی وسوسے کو فتنہ زندگی میں داخل کریں اور فتنہ ممات سے قبر و آخرت کی پریشانیاں مراد لیں تو بھی ٹھیک ہے۔

ھ۴ یعنی گناہ اور ایسے کام سے پناہ مانگتا ہوں جو گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنے۔

ھ۵ اور قرض سے جس کا اثر نا دشوار ہو جائے یا جو معصیت اور گناہ کے لیے حاصل کیا جائے اور اگر قرضہ طاعت اور کار خیر کے لیے لیا اور اس کے ادا کرنے سے بے بس بھی نہیں تو ایسے قرضہ سے پناہ مانگنے کی ضرورت نہیں، تاہم اس کے باوجود کہ قرضہ کار خیر کے لیے لیا ہو انسان مشکل میں پڑ جاتا ہے ہو سکتا ہے کہ ادائیگی سے پہلے ہی مر جائے اور اس کا ترکہ قرضہ کی رقم سے کم ہو۔ اور قبر و آخرت میں اس کی گرفت میں آ جائے اور جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی اور نظر بظاہر یہ ایک آسان اور معمولی چیز تھی اس لیے سائل نے سوال کیا۔

ھ۶ آپ نے قرض کی قباحت و شناعت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مقروض انسان کو اپنے حالات و معاملات بیان کرنے پڑتے ہیں۔ وہ اپنے فقر و فاقہ کا اظہار کرتا ہے تاکہ لوگ اسے قرض دیں یا ماضی میں قرضہ نہ ادا کر سکنے پر عذر خواہی اور کوتاہی کے لیے تمہیدیں باندھتا ہے۔ تو لبا اوقات اسے جھوٹ بولنا پڑتا ہے آخری معنیٰ جھوٹ بولنے کے الفاظ کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

۸۷۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِّنَ التَّشَهُّدِ الْاٰخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ مِّنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی جب دوسری التحیات سے فارغ ہو تو چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ دوزخ اور قبر کے عذاب سے۔ زندگی اور موت کے فتنوں سے اور مسیح دجال کے شر سے۔

(مسلم)

۸۸۰/۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو (صحابہ کو) یہ دعا سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے[1] تھے۔ فرماتے تھے کہو اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں دوزخ کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں قبر کے عذاب سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں۔ المسیح الدجال کے فتنہ سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کے فتنہ سے۔

(مسلم)

---

[1] یعنی بڑی تاکید و اہتمام سے تعلیم دیتے تھے اور اس دعا کے پڑھنے اور اسے یاد رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

۸۸۱/۴ وَعَنْ أَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِيْ دُعَاءً أَدْعُوْ بِهٖ فِيْ صَلٰوتِيْ قَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ إِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا وَّلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ إِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا[1] سکھایئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں۔ فرمایا کہو الٰہی میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخش سکتا۔ تو اپنی طرف سے میری بخشش کر۔ مجھ پر رحم کر۔ بیشک تو ہی بخشنے والا مہربان ہے۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی آخری تشہد کے بعد اور فی صلوتی کی قید اس بنا پر لگائی کہ متعارف اور مقرر دعا جو پڑھی جاتی ہے اس کا

محل وموقعہ یہی ہے۔

[2] اکثر روایات میں کثیر ثا کے ساتھ ہے اور مسلم کی بعض روایات میں کبیر با کے ساتھ آیا ہے امام نووی نے اذکار میں کہا دونوں لفظ جمع کر کے پڑھنا بہتر ہے۔

۸۸۲ وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنْتُ اَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَلِّمُ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَعَنْ يَسَارِهٖ حَتّٰى اَرٰى بَيَاضَ خَدِّهٖ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عامر[1] بن سعد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کرتا تھا کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے رخسار کی سفیدی میں دیکھ لیتا[2]۔ (مسلم)

[1] یعنی حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔ آپ تابعی ہیں۔ انہوں نے اپنے والد اور حضرت عثمان غنی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں اور ان سے حضرت زہری وغیرہ نے احادیث سنی ہیں۔

[2] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلام کیوقت اتنی مقدار میں چہرہ انور نمازیوں کی طرف پھیرتے تھے کہ آپ کا پر نور اور روشن رخسارہ دیکھا جا سکتا تھا۔ اس شخص کی سعادت کا کیا ٹھکانا جو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہو۔ بیت

کاشکے اندر نمازم جا شود پہلوئے تو
تا بتقریب سلام افتد نظر بر روے تو

کاش کہ نماز میں میری جگہ تیرا پہلو ہوتا کہ سلام کے بہانے ہی نگاہ تیرے چہرے پر پڑ جائے۔

۸۸۳ وَعَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدُبٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سمرہ[1] بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھ لیتے تو ہماری طرف اپنے چہرۂ انور سے متوجہ ہوتے[2] (بخاری)

[1] سین کی زبر اور میم کی پیش کے ساتھ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے حالات دوسری جگہوں میں لکھے جا چکے ہیں۔

[2] یعنی دائیں یا بائیں سلام پھیرنے کے وقت۔ زیادہ قریب یہ ہے کہ سلام کے بعد کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرتے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد کبھی داہنی جانب رخ کرتے تھے کبھی بائیں جانب۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے اور کبھی پورے طور پر چہرہ انور نمازیوں کی طرف اور پشت قبلہ کی طرف کر کے بیٹھتے تھے۔

۸۸۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْصَرِفُ عَنْ يَمِيْنِهٖ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے دائیں جانب

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

پھرتے تھے۔ (مسلم)

۸۸۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَا یَجْعَلُ اَحَدُکُمْ لِلشَّیْطَانِ شَیْئًا مِّنْ صَلٰوتِہٖ یَرٰی اَنَّ حَقًّا عَلَیْہِ اَنْ لَّا یَنْصَرِفَ اِلَّا عَنْ یَّمِیْنِہٖ لَقَدْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَثِیْرًا یَنْصَرِفُ عَنْ یَّسَارِہٖ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں تم میں کوئی آدمی اپنی نماز سے شیطان کا حصہ مقرر نہ کرے[1]۔ اور وہ یہ کہ یہ سمجھے کہ اس پر واجب ولازم ہے کہ ہمیشہ دائیں جانب رخ کرے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دفعہ بائیں جانب[2] پھرتے دیکھا ہے۔
(بخاری ومسلم)

[1] اصل میں لفظ یری آیا ہے، یا کی زبر اور پیش کے ساتھ۔ دونوں روایتیں ہیں۔ زبر کے ساتھ بمعنی علم اور پیش کی صورت میں بمعنی گمان وخیال۔

[2] حاصل مقام یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں جانب پھر کر بیٹھتے کبھی بائیں جانب کو بیٹھتے بیشتر آپ ایسا ہی کرتے تھے کہ سلام پھیرتے اور دعا کرتے اور حجرہ شریف کی طرف جو بائیں جانب ہے اٹھ کر چلے جاتے کبھی اس کا عکس کرتے کہ بائیں جانب سے پھر کر دائیں جانب پر بیٹھتے علما نے پہلی حالت کو عزیمت پر محمول کیا ہے کہ اس میں دائیں جانب کو ترجیح ہے۔ اکثر حالات میں آپ کا فعل یہی تھا۔ لیکن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ثانی صورت اگرچہ قلیل الوقوع اور رخصت پر عمل ہے مگر سنت کے لیے وجوب کا اعتقاد کر لینا ٹھیک نہیں۔ اور شارع علیہ السلام کے رخصت دینے سے روگردانی نہ کرنی چاہیے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کی طرف سے عطا کردہ رخصتوں پر بھی عمل کیا جائے جس طرح اس کی عزیمتوں پر عمل پیرا ہونا اس کو پسند ہے۔

اور شافعی حضرات نے ان دو احادیث سے یہ اخذ کیا ہے کہ نمازی کو چاہیے کہ جس جانب سے اس کی حاجت وضرورت وابستہ ہو ادھر منہ کرے۔ اگر اسے دائیں جانب سے حاجت وضرورت متعلق ہے تو ادھر منہ کرے۔ مثلاً اس طرف اس کا مکان ہے یا اس طرف اسے کوئی کام ہے تو اس طرف کو پھرے۔ اور اگر بائیں جانب کے ساتھ کام وضرورت متعلق ہے تو اس طرف کو پھر جائے۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسا ہی مروی ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی نمازیوں کی طرف منہ کر کے بھی بیٹھتے تھے۔ آپ ان کی طرف منہ کرتے اور پشت قبلہ شریف کیطرف کرتے اگر نمازیوں سے آپ کو کوئی کام ہوتا مثلاً ان سے ہمکلام ہونا اور گفتگو کرنا ہوتی۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گزرا۔ کہ اِذَا صَلّٰی صَلٰوۃً اَقْبَلَ عَلَیْنَا بِوَجْہِہٖ کہ جب آپ اپنی نماز پڑھ لیتے تو ہماری جانب چہرہ مبارک کر لیتے۔ اور بخاری ومسلم کی حدیث میں آیا ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی نماز سے فارغ ہوتے تو صحابہ کرام کی طرف منہ

کر کے بیٹھتے اور فرماتے تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے۔ آپ ایسے خواب کی طلب کرتے جس میں فتح مکہ کی بشارت ہو اور احادیث بھی اس معنی کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس میں غور کرو۔

۸۸۶/۹ عَنِ الْبَرَاءِ قَالَ كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُوْنَ عَنْ يَمِيْنِهٖ يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ قَالَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ رَبِّ قِنِيْ عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ أَوْ تَجْمَعُ عِبَادَكَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تو آپ کی دائیں جانب ہونا پسند کرتے تھے تاکہ آپ ہم پر اپنے چہرۂ انور سے متوجہ ہوں[1]۔ حضرت براء فرماتے ہیں میں نے آپ کو یہ کہتے سنا یارب مجھے اپنے عذاب سے بچا جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائے گا یا جمع کرے گا[2]۔

(مسلم)

[1] یعنی پہلے سلام میں یعنی اس سے پہلے کہ آپ چہرہ مبارک بائیں جانب کریں، آپ کی نگاہ پہلے ہم پر پڑے۔ اور آپ کے مشاہدۂ جمال کی سعادت پہلے ہمیں نصیب ہو جائے اور ہم لوگ آپ کے خطاب کریم سے مشرف ہوں۔ اور سب سے پہلے ہم لوگ ہی آپ کے روبرو ہو کر انوار و برکات اور اسرار و معارف کا فیض حاصل کریں۔ خصوصًا ایسے وقت میں جب کہ آپ جانب حق سے ہماری جانب رجوع کر رہے ہوں اور نماز سے جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور نہایت شہود کا وقت اور آپ کے غایت قرب کا محل ہے، فارغ ہو کر ہماری جانب رخ کر رہے ہوں۔ اور یہ امام کی دائیں جانب کھڑے ہونے کی وجوہ فضیلت میں سے ایک وجہ ہے۔ اور یہ وہ راز ہے جس کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بزرگ صحابہ کو اپنے نزدیک کھڑے ہونے کا حکم دیتے تھے۔

[2] او تجمع یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ تبعث فرمایا یا تجمع۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندگان خاص اور مقربان درگاہ اس کے عذاب سے ڈرتے اور اس کی رحمت میں پناہ لیتے ہیں۔ باقی یہ کلام تعلیم امت کے لیے ہے تاکہ درگاہ کے آداب سے واقف ہو جائیں۔

۸۸۷/۱۰ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ إِنَّ النِّسَاءَ فِيْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنَّ إِذَا سَلَّمْنَ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ قُمْنَ وَثَبَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ صَلّٰى مِنَ الرِّجَالِ مَا شَاءَ اللّٰهُ فَإِذَا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں جب فرض نماز سے سلام پھیرتیں تو کھڑی ہو جاتیں[1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والے مرد جب تک رب چاہتا بیٹھے رہتے[2]۔ پھر جب رسول اللہ

قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ الرِّجَالُ ۔

رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ فِيْ بَابِ الضِّحْكِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى ۔

صلی اللہ علیہ وسلم اٹھتے تو مرد بھی کھڑے ہو جاتے۔

بخاری۔ اور ہم حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث ہنسی کے باب میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ[۳]

[۱] اور مردوں سے پہلے گھروں کو چلی جاتیں۔

[۲] پھر آپ بعض اوقات صرف اللھم انت السلام ومنک السلام الی آخرہ پڑھنے تک بیٹھتے اور کبھی آپ اتنی دیر بیٹھتے کہ دعا کرتے۔ قرآن پاک پڑھتے اور تبلیغ احکام کرتے اور کبھی آفتاب طلوع ہونے تک مصلی پر تشریف فرما رہتے یہ مختلف قسم کی نشست حالات کے اختلاف کی بنا پر ہوتی تھی۔

[۳] یعنی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں آپ کے نماز فجر سے طلوع آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھنے کا ذکر ہے بباب الضحک میں بیان کریں گے۔ اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبسم فرمانے کا بھی ذکر ہے مولف رحمۃ اللہ نے اس حدیث کا ذکر اس باب میں کرنا زیادہ مناسب خیال کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۸۸۸ ۱۱ عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ اِلَّا اَنَّ اَبَا دَاوٗدَ لَمْ يَذْكُرْ قَالَ مُعَاذٌ وَّاَنَا اُحِبُّكَ ۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا اے معاذ! مجھے تجھ سے محبت ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ سے محبت کرتا ہوں۔ فرمایا تو ہر نماز کے بعد یہ دعائیہ کلمات کہنا نہ چھوڑنا[۱] یارب اپنے ذکر اپنے شکر اور اپنی اچھی عبادت کرنے پر میری مدد کر[۲]۔

احمد۔ ابوداؤد، نسائی

مگر ابوداؤد نے یہ ذکر نہ کیا کہ معاذ نے کہا میں آپ سے محبت کرتا ہوں[۳]۔

---

[۱] اس حدیث کو باب الدعا بعد التشہد میں لانے سے ظاہراً اس دعا کا التحیات کے بعد اور سلام سے پہلے پڑھنا معلوم

ہوتا ہے اور کتاب سفر السعادت سے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پڑھنا ظاہر ہوتا ہے۔

٢ه اور شہود و مراقبہ کی صورت میں ادا کرنے کی توفیق عطا فرما جو درجہ احسان اور ان تعبد ربک کانک تراہ کا مقام ہے

٣ه مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ حدیث اخذ بیدی سے لے کر و یقول انا احبک تک مسلسل ہے۔ اور اس کاتب حروف (عبدالحق) کو بھی بعض علمائے یمن سے اسی طرح مسلسل ملی ہے۔ والحمد للہ علے ذالک۔

۸۸۹/۱۲ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يُسَلِّمُ عَنْ يَّمِيْنِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْمَنِ وَ عَنْ يَّسَارِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهِ الْاَيْسَرِ ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سلام پھیرتے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتیٰ کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دیکھی جاتی تھی اور بائیں جانب اس طرح کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ حتیٰ کہ آپ کے بائیں رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النَّسَائِيُّ وَ لَمْ يَذْكُرِ التِّرْمِذِيُّ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ خَدِّهٖ وَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ عَمَّارِ ابْنِ يَاسِرٍ ۔

ابوداؤد۔ نسائی۔ ترمذی اور ترمذی نے یہ ذکر نہ کیا کہ آپ کے رخسار کی سفیدی دیکھی جاتی تھی[١ه]۔ اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

١ه نہ دائیں جانب میں اور نہ بائیں جانب۔ بلکہ اس نے صرف یہی الفاظ روایت کیا کان یسلم عن یمینہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ اسی طرح دوسری جانب۔ اور یہ حدیث ان آئمہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ابن ماجہ حتی یری بیاض خدہ کے الفاظ ذکر کرتے ہیں۔ ابوداؤد اور نسائی کے موافق ہے یا نہ کرنے میں ترمذی کے موافق ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ترمذی کے موافق ہے۔

۸۹۰/۱۳ وَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ اَكْثَرُ انْصِرَافِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اِلٰى شِقِّهِ الْاَيْسَرِ اِلٰى حُجْرَتِهٖ ۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی نماز سے پھرنا (رخ کرنا) زیادہ تر بائیں طرف اپنے حجرہ کی طرف ہوتا تھا۔

(شرح سنۃ)

۸۹۱/۱۴ وَعَنْ عَطَاءٍ الْخُرَاسَانِيِّ عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّي الْاِمَامُ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِيْ صَلّٰى فِيْهِ حَتّٰى يَتَحَوَّلَ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَقَالَ عَطَاءٌ الْخُرَاسَانِيُّ لَمْ يُدْرِكِ الْمُغِيْرَةَ۔

حضرت عطاؒ[1] خراسانی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ حضرت مغیرہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس جگہ بقایا نماز نہ پڑھے جہاں اس نے فرض پڑھے بلکہ کچھ ہٹ کر پڑھے[2]۔

ابو داؤد۔ اور کہا کہ عطا خراسانی نے مغیرہ کو نہ پایا[3]۔

[1] حضرت عطائے خراسانی مشہور تابعین میں سے ہیں۔ بلخی ہیں۔ سنہ ۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۳۵ھ میں فوت ہوئے۔ ابو حاتم نے کہا ثقہ ہیں۔ نسائی نے کہا لا باس بہ۔ ان سے مالک اور معمر روایت کرتے ہیں۔

[2] علما نے کہا ہے کہ یہ حکم صرف امام کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مقتدیوں کو بھی شامل ہے۔ امام کے ہٹنے کی وجہ یہ ہے تاکہ آنے والے کو یہ وہم نہ پڑے کہ امام نماز فرض میں ہے۔ بعض نے کہا اس لیے وہ جگہ چھوڑے تاکہ اس کی عبادت پر دونوں جگہیں گواہی دیں۔ بعض نے تاکہ بارگاہِ الٰہی میں کثرت عبادت کا اظہار ہو۔ بعض نے کہا تاکہ یہ ظاہر ہو کہ نفل عبادت کا رتبہ فرض عبادت سے کم ہے۔ اور یہ تمام وجوہ امام، مقتدیوں بلکہ تمام نمازیوں کو شامل ہیں۔ لہٰذا چاہیے کہ نفل نماز فرض کی جگہ پر ادا نہ کی جائے۔

[3] کہ عطائے خراسانی نے نہ تو مغیرہ کو پایا اور نہ دیکھا ہے۔ پس یہ حدیث متصل نہ ہوگی۔ کیونکہ حضرت مغیرہ کی وفات ۵۰ھ میں ہوئی اور اسی سال میں حضرت عطائے خراسانی پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے۔

۸۹۲/۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَضَّهُمْ عَلَى الصَّلٰوةِ وَنَهَاهُمْ اَنْ يَّنْصَرِفُوْا قَبْلَ انْصِرَافِهٖ مِنَ الصَّلٰوةِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز کی ترغیب[1] دی اور اس سے منع فرمایا کہ آپ نماز سے فراغت سے پہلے وہ[2] چلے جائیں۔

(ابو داؤد)

[1] یعنی نماز کی محافظت اور ہمیشہ ادا کرنے کی تاکید و ترغیب دی۔ اور حدیث کا سیاق اس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز باجماعت اور تکبیر اولیٰ پانے کے لیے جلدی کرنے کی آپ نے ترغیب دی اور تاکید کی۔

[2] اور اس سے بھی منع فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے سے پہلے فارغ ہو جائیں۔ جیسے کوئی شخص آپ کے سلام پھیرنے سے پہلے سلام پھیر کر نماز سے باہر آ جائے۔ یا سلام پھیرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی

سے اٹھنے سے پہلے اٹھ کر چلا جائے اور دعا و ذکر کی انتظار نہ کرے۔ پہلے معنیٰ کے مطابق نہی تحریمی ہے اور دوسرے معنیٰ کے مطابق نہی تنزیہی۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

$\frac{۸۹۳}{۱۶}$ عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الثَّبَاتَ فِي الْاَمْرِ وَالْعَزِيْمَةَ عَلَى الرُّشْدِ وَاَسْأَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ وَاَسْأَلُكَ قَلْبًا سَلِيْمًا وَّلِسَانًا صَادِقًا وَّاَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ مَا تَعْلَمُ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا تَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُكَ لِمَا تَعْلَمُ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَرَوٰى اَحْمَدُ نَحْوَهٗ)

تیسری فصل

حضرت شداد بن[1] اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز[2] میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے الٰہی میں تجھ سے دین میں استقامت اور ہدایت پر مضبوطی[3] مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری نعمت کا شکر[4] اور تیری اچھی عبادت مانگتا ہوں اور تجھ سے سلامت دل[5] اور سچی زبان مانگتا ہوں۔ اور تجھ سے وہ خیر مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے[6]۔ اور اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو تو جانتا ہے اور اس چیز (گناہ) سے بخشش مانگتا ہوں جسے تو جانتا ہے[7]۔

نسائی اور احمد نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] شداد شین کی زبر اور دال کی شد کے ساتھ۔ بن اوس ہمزہ کی فتح اور واو ساکن کے ساتھ۔ ان کی کنیت ابو یعلیٰ ہے۔

• حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔ انہیں اور ان کے باپ دونوں کو حضور کی صحبت کا شرف حاصل ہے بیت المقدس میں قیام رہا۔ اہل شام میں شمار ہوتے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا۔ شداد کو علم و حلم دونوں خوبیاں دی گئی ہیں۔

[2] یعنی نماز کے آخر میں تشہد کے اندر۔ یا سلام کے بعد نماز کے پیچھے۔ احمد کی روایت میں آیا ہے فِيْهَا اَوْفِيْ دُبُرِهَا۔ یعنی آپ نماز میں یا نماز کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے۔ مگر مولف اسے باب الدعا بعد التشہد میں لایا ہے۔ یہ مقام غور ہے۔

[3] رشد و رشاد کا معنی ہے سیدھے راستے پر ہونا اور اس پر چلنا۔

[4] کہ شکر مزید نعمت کا سبب اور مال کی ہلاکت و زوال سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

[5] یعنی جو تیرے نزدیک نیکی اور خیر ہے۔ نہ وہ جسے میں نیکی اور خیر سمجھتا ہوں۔ کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے

کہ بندہ ایک چیز کو خیر جانتا ہے اور اس سے دوستی کرتا ہے گر واقع میں وہ چیز شر اور بُری ہوتی ہے اور کلمہ مِن تبعیض کا فائدہ دیتا ہے۔ اور اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ ساری خیر و نیکی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتی بلکہ اتنی ہی جو اس کی قسمت میں ہو۔ یا کلمہ مِن زائدہ ہے۔ اور کل خیر اور تمام بھلائیوں کا سوال ماثورہ دعاؤں میں بہت ہے۔

[6] یہ امت کی تعلیم کے طور پر ہے کہ اس طرح دعا کرنی چاہیے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر خیر حاصل ہے اور شر آپ کے نزدیک بھی نہیں جا سکتا۔ اور آپ کا اگلا، پچھلا (نا مناسب فعل و عمل) سب بخش دیا گیا ہے۔ اور اکثر ماثورہ دعائیں اس طرح کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سب عنایات آپ کے شامل حال ہونے کے باوجود اس طرح کی دعائیں تواضع، تذلل اور اظہار بندگی کے طور پر ہیں۔ نیز کبریائے حق اور بے نیاز درگاہ کی عظمت شان کے پیش نظر ہیں۔

۸۹۴/۱۷ وَ عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ صَلٰوتِہٖ بَعْدَ التَّشَھُّدِ اَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰہِ وَ اَحْسَنُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ۔

(رَوَاہُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں التحیات کے بعد کہتے تھے۔ اچھا کلام اللہ کا کلام ہے اور اچھا طریقہ[1] حضرت (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ ہے۔

(النسائی)

[1] ھَدْیٌ ہا کی زبر اور دال کی جزم سے۔ بمعنی نیک سیرت۔ اور یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئی خطبوں میں منقول ہے۔ کہ آپ حمد و ثنا کے بعد یہ کلمات کہتے تھے اور تشہد میں بھی آیا ہے۔ اس کا مضمون و خلاصہ دراصل تاکید اور شہادتین کو مضبوط کرنا ہے۔

۸۹۵/۱۸ وَ عَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسَلِّمُ فِی الصَّلٰوۃِ تَسْلِیْمَۃً تِلْقَآءَ وَجْھِہٖ ثُمَّ یَمِیْلُ اِلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ شَیْئًا۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنے چہرۂ انور کے سامنے سلام[1] پھیرتے تھے۔ پھر قدرے بائیں کروٹ کی طرف مائل ہو جاتے۔[2]

(ترمذی)

[1] یعنی آپ ایک سلام اپنے چہرہ انور کی طرف کرتے تھے۔

[2] یعنی سلام کی ابتداء قبلہ رخ سے کرتے تھے پھر سلام پھیرنے کے دوران قدرے ایک جانب کو پھرتے اور اپنا سلام مکمل کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی دکھائی دیتی تھی۔ جیسا کہ گذشتہ روایات میں مذکور ہوا اس حدیث کے ظاہر معنی کے مطابق امام مالک رحمۃ اللہ کا مذہب ایک سلام ہے دوسرے تینوں آئمہ دو سلام کے قائل ہیں۔

کیونکہ دونوں جانب سلام پھیرنے کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گذشتہ حدیث کی تاویل اور معنی یہ ہے کہ آپ ایک جانب (دائیں جانب) سلام بلند آواز سے کرتے تھے اور دوسری جانب آہستہ اور خفیہ طریقہ پر۔

۸۹۶/۱۹ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ نَّرُدَّ عَلَى الْاِمَامِ وَنَتَحَابَّ وَاَنْ نُّسَلِّمَ بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم امام کا جواب سلام دیں[۱]۔ اور آپس میں محبت و پیار کریں[۲]۔ اور یہ کہ بعض بعض کو سلام کیا کرے

(ابوداؤد)

[۱] یعنی مقتدی امام کے سلام کے جواب کی نیت کریں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مقتدیوں کو سلام کہنے کی نیت کرے۔

[۲] یعنی نمازی سلام کرتے وقت آپس میں ایک دوسرے کو سلام کہنے کی نیت کریں۔ کہ یہ چیز محبت و دوستی کا موجب و ذریعہ ہے۔ تاہم نماز کے سلام میں ملائکہ مقربین کی نیت بھی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا اور فقہ میں مذکور ہے۔

بَابُ الذِّكْرِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ

نماز کے بعد ذکر کا باب

واضح ہو کہ ذکر جہر مطلق اور بعد نماز جائز و مشروع ہے۔ اس کے جواز و مشروعیت میں احادیث آئی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ ان کا ذکر ہوگا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ جن فرضوں کے بعد سنتیں ہیں۔ ان فرضوں کے بعد بھی بیٹھے یا کھڑا ہو جائے۔ پھر بعض کے نزدیک مکان فرض سے اٹھ کر وہیں سنتیں ادا کرے یا دوسری جگہ ہٹ کر سنت پڑھے۔ اکثر علما کے نزدیک مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ کھڑا ہو جائے اور دوسری جگہ سنت پڑھے اور بہتر ہے کہ مقتدی صفیں توڑ دیں اور امام بھی وہاں سے آگے پیچھے ہو جائے۔ تاکہ بعد میں آنے والے لوگوں کو شبہ نہ پڑے کہ لوگ ابھی جماعت میں ہیں۔ اور اس شبہ کے باعث آنے والے جماعت کی اقتدا کی نیت کر کے نماز شروع نہ کریں اور ان کی اقتدا فاسد ہو جائے۔ بعض کہتے ہیں اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعا ثور مختصر دعاؤں میں سے پڑھے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔ تو ٹھیک ہے ان کو فرض کے سلام سے متصل بعد بیٹھ کر پڑھے جیسے اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام اور آیۃ الکرسی۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ دائیں جانب پھرنے کو فضیلت حاصل ہے یا بائیں جانب پھرنے کو۔ صحیح یہ ہے کہ اُسے

دونوں پھرنے کا اختیار ہے۔ اکثر اس پر ہیں کہ بائیں جانب پھرے تاکہ اس کا بایاں دایاں بن جائے اور مسجد نبوی شریف میں نمازیوں کی بائیں جانب کو پھرے جس طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارک ہے وہاں بائیں جانب کے نمازیوں کی طرف رخ کرنا بالاتفاق افضل ہے ایک بات جو یہاں ذہن میں رکھنی چاہیے یہ ہے کہ سنن موکدہ کے بعد اذکار کا پڑھنا بعدیت کے خلاف نہیں ہے کہ بعض اذکار وادعیہ کا فرض نماز کے بعد پڑھنے کا جو ذکر احادیث میں آیا ہے، سنن موکدہ پڑھنے کے بعد ان اذکار کا پڑھنا فرض نماز کے متصل بعد پڑھنے کے حکم میں ہے اس کی تصریح شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے کی ہے۔ لہٰذا نماز مغرب میں فرض نماز کے فوراً بعد کھڑا ہونا اور سنت پڑھنا آیۃ الکرسی اور اسی طرح کے اور اذکار پڑھنے کے منافی نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ نماز فجر و مغرب کے بعد دس بار کلمہ لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وہو علی کل شی قدیر پڑھے اور بعض لوگ جو یہ جلدی کرتے ہیں کہ مغرب کی سنت میں آیۃ الکرسی پڑھتے ہیں تو یہ کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عمل خلاف سنت ہے کہ حدیث میں سنت مغرب میں سورۂ قل یاایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھنے کا حکم آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۸۹۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيْرِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ختم ہونا تکبیر[1] سے پہچانتا تھا۔

(بخاری و مسلم)

[1] شراح حدیث نے تکبیر کی مراد بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے۔ بعض نے کہا یہاں تکبیر سے ذکر مراد ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے متصل بعد بلند آواز سے ذکر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں متعین و مروج اور متعارف تھا۔ چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس ذکر سے نماز ختم ہونے کو پہچانتا تھا۔ اس کے بعد امام بخاری و مسلم۔ اس حدیث کو لائے ہیں تو معلوم ہوا کہ تکبیر سے مراد مطلق ذکر ہے۔ بعض نے کہا تکبیر سے وہ تسبیح، تحمید اور تکبیر مراد ہے جو نماز کے بعد دس دس بار یا تینتیس تینتیس بار پڑھنے کا حکم آیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں نماز کے بعد ایک بار یا تین تین بار تکبیر کہی جاتی تھی۔ بعض کہتے ہیں اس سے ایام منٰی میں تشریق کی تکبیریں مراد ہیں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا۔ اس سے وہ تکبیریں مراد ہیں جو نماز میں رکوع کو جاتے اور اٹھتے اور سجدے کو جاتے اور اٹھتے کہی جاتی ہیں اور حضرت ابن عباس کے قول کی مراد یہ ہے کہ میں نماز کی ہر ہیئت کو اس تکبیر سے پہچانتا تھا۔ کہ ان تکبیروں کے ساتھ وہ ایک ہیئت سے دوسری ہیئت کی طرف منتقل ہوتے تھے مگر یہ وجہ عبارت سے دور ہے۔ بہر تقدیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول

کا معنی متعین کرنے میں خلل وہ پیش آ ہے۔ کہ آپ اس سے کیا معنی مراد لیتے ہیں۔ شاید حضرت ابن عباس نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابن عباس بچے تھے شاید جماعت میں حاضر ہونے کی پابندی نہ کرتے تھے یہ بھی احتمال ہے کہ حاضر تو ہوتے تھے مگر پاس کی پچھلی صفوں میں کھڑے ہوتے تھے اس لیے سلام کے ساتھ نماز کے اختتام کو نہ پہنچ سکتے تھے۔ واللہ علم

۹۹۸/۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو نہ بیٹھتے مگر صرف اس قدر کہ کہتے الہٰی تو سلام ہے اور تجھ سے سلامتی ہے[1] تو برکت والا ہے۔ اے جلال و بزرگی والے[2]۔

(مسلم)

[1] یعنی تو جمیع نقائص و عیوب سے پاک و منزہ ہے اور تمام صفات کمال سے متصف ہے اور تو ہی بندوں کو آفات و بلیات سے محفوظ رکھتا ہے

[2] تو بزرگی والا ہے کہ سلبی اور ثبوتی صفات تیری ذات سے متعلق ہیں۔ پھر یہ ذکر و دعا انہی ہی الفاظ کے ساتھ احادیث میں وارد ہے۔ اور صحت سے ثابت ہے اور بعض لوگ والیک یرجع السلام کے الفاظ بھی زیادہ کرتے ہیں علما نے کہا کہ یہ جملہ روایات میں نہیں آیا اور بعض مشائخ کے اوراد میں اس سے زیادہ کلمات بھی پڑھتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ اضافہ انہوں نے اپنے پاس سے کیا ہے یا کسی روایت میں آیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۸۹۹/۳ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِهٖ اسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ اللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار پڑھتے اور کہتے الہٰی تو سلام ہے۔ تجھ سے سلامتی ہے۔ تو برکت والا ہے۔ اے جلالت اور بزرگی والے۔

(مسلم)

[1] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں اور وقت بے وقت حاضر درگاہ اقدس ہوتے تھے۔

[۲] یعنی آپ سلام پھیرتے اور تین بار استغفار پڑھتے استغفر اللہ استغفر اللہ استغفر اللہ۔ بعض سلف سے اس کی تفسیر یہی منقول ہے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ تین بار یہ پڑھتے استغفر اللہ الذی لا الہ الا ہو الحی القیوم واتوب الیہ۔ پھر بعد استغفار یہ دعا اللہم انت السلام الی آخرہ پڑھتے۔

۹۰۰/۴ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَآ اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے لیے حمد و ثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ الٰہی جو تو عطا کرے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے تو نہ دے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اور تیرے مقابل مالدار انسان کو اس کا مال نفع نہیں سکتا۔[۱]

(بخاری و مسلم)

[۱] اس کی شرح گزشتہ باب الرکوع میں ہو چکی ہے۔ واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلمات اور دوسرے اذکار جو احادیث میں آئے ہیں، پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ بعض اوقات سلام پھیرنے کے ساتھ ہی کچھ پڑھنے کے بغیر اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ بعض اوقات یہ سب اذکار یا ان میں سے کچھ پڑھتے تھے۔ بعض علماء نے ان کی ترتیب کی بیان میں کہا ہے کہ پہلے استغفار پڑھنا چاہیے اس کے بعد دعا اللہم انت السلام الی آخرہ اس کے بعد کلمہ لا الہ الا اللہ وحدہٗ الی آخرہ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اذکار و دعائیں ہیں جو کتب احادیث میں مذکور ہیں۔ روایت میں آیا ہے کہ آپ انہیں نماز کے بعد پڑھتے تھے۔ نماز کے بعد ہونے کا وہی معنی ہے جو بیان ہوا بعد ہونے کو یہ لازم نہیں کہ فرض نماز کے متصل بعد پڑھے۔

۹۰۱/۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْاَعْلٰى لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ

حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے[۱] کہتے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے لیے حمد و ثنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ کے بغیر نہ طاقت ہے نہ قدرت اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم

اِلَّا بِاللّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ
اِلَّآ اِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ
وَلَهُ الثَّنَآءُ الْحَسَنُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اسی کی نعمت ہے اسی کا فضل ہے اور اسی کی اچھی تعریف ہے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اس کے لیے خالص دین رکھتے ہیں اگرچہ کفار ناپسند کریں۔

(مسلم)

[1] یہ حدیث اس میں صریح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ تاہم بعض علما فرماتے ہیں کہ آپ کا بلند آواز سے ذکر کرنا تعلیم امت کے لیے تھا۔ اور نووی نے مہذب میں کہا کہ اس دعا اور دوسری دعاؤں میں بلند آواز سے نہ پڑھنا افضل ہے۔ پڑھنے والا امام ہو چاہے اور کوئی اور اکیلا نماز پڑھنے والا۔ مگر اس صورت میں بلند آواز سے پڑھے۔ جب کسی کو سکھانے کی ضرورت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جہر کرنے کو بھی اسی پر محمول کیا گیا ہے۔ اور لوگوں کو حفظ اور یاد ہو جانے کے بعد اسے مخفی پڑھنا افضل قرار پا گیا۔ مگر حق بات یہ ہے کہ اوقات مختلف ہوتے ہیں۔ کبھی اخفا میں شوق و ذوق نصیب ہوتا ہے اور کبھی بلند آواز سے پڑھنے سے شوق و گرمی بڑھتی ہے۔ اور ذکر بالجہر بلاشبہ مشروع و جائز ہے۔

۹۰۲ وَعَنْ سَعْدٍ اَنَّهٗ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ
هٰٓؤُلَآءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ
يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْٓ
اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَاَعُوْذُبِكَ
مِنَ الْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ اَرْذَلِ
الْعُمُرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا
وَعَذَابِ الْقَبْرِ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سعد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ کلمات سکھاتے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان سے تعوذ کرتے تھے۔ الٰہی میں بزدلی سے تیری پناہ لیتا ہوں۔ کنجوس سے تیری پناہ۔ ردی عمر[2] سے تیری پناہ۔ دنیا کے فتنوں اور عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

(بخاری شریف)

---

[1] یعنی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ۔

[2] اس سے مراد آخر عمر ہے جس میں انسان کی عقل و فکر کام نہیں کرتی قویٰ سست و بےکار ہو جاتے ہیں اور انسان علم و معرفت اور عبادت بجالانے سے رہ جاتا ہے۔

۹۰۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ اِنَّ فُقَرَآءَ
الْمُهَاجِرِيْنَ اَتَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقرائے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا قَدْ ذَهَبَ اَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ الْعُلٰى وَ النَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ فَقَالَ وَ مَا ذَاكَ قَالُوْا يُصَلُّوْنَ كَمَا نُصَلِّىْ وَ يَصُوْمُوْنَ كَمَا نَصُوْمُ وَ يَتَصَدَّقُوْنَ وَ لَا نَتَصَدَّقُ وَ يُعْتِقُوْنَ وَلَا نُعْتِقُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَلَا اُعَلِّمُكُمْ شَيْئًا تُدْرِكُوْنَ بِهٖ مَنْ سَبَقَكُمْ وَ تَسْبِقُوْنَ بِهٖ مَنْ بَعْدَكُمْ وَ لَا يَكُوْنُ اَحَدٌ اَفْضَلَ مِنْكُمْ اِلَّا مَنْ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُمْ قَالُوْا بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ تُسَبِّحُوْنَ وَ تُكَبِّرُوْنَ وَ تَحْمَدُوْنَ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ مَرَّةً قَالَ اَبُوْ صَالِحٍ فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالُوْا سَمِعَ اِخْوَانُنَا اَهْلُ الْاَمْوَالِ بِمَا فَعَلْنَا فَفَعَلُوْا مِثْلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ لَيْسَ قَوْلُ اَبِىْ صَالِحٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ۔ وَ فِىْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِىِّ تُسَبِّحُوْنَ فِىْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ عَشْرًا وَّ تَحْمَدُوْنَ

حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار بڑے درجے[1] اور ہمیشہ کی نعمتیں لے گئے۔ فرمایا وہ کیسے[2]۔ عرض کیا کہ جیسے ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں وہ بھی پڑھتے ہیں اور جیسے ہم روزے رکھتے ہیں وہ بھی رکھتے ہیں۔ اور وہ خیرات کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے وہ غلام آزاد کرتے ہیں ہم نہیں کر سکتے[3]۔ اس پر نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ سکھا دوں جس سے تم آگے والوں[4] کو پکڑ لو اور پیچھے والوں[5] سے آگے بڑھ جاؤ اور تم سے کوئی افضل نہ ہو سکے۔ مگر وہ جو تمہارے کام کی طرح کام کرے۔ فقراء مہاجرین بولے۔ ہاں یا رسول اللّٰہ! فرمایا ہر نماز کے بعد ۳۳، ۳۳ بار تسبیح، تکبیر اور حمد کرو[6]۔ ابو صالح[7] کہتے ہیں پھر مہاجر فقراء رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لوٹے اور عرض کیا کہ ہمارے اس عمل کو ہمارے مالدار بھائیوں نے سن لیا تو انہوں نے بھی یوں ہی کہا[8]۔ تو رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللّٰہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

ابوصالح کا قول صرف مسلم کی روایت میں[9] ہے اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح دس بار حمد اور دس بار تکبیر کہو۔ بجائے ۳۳ بار

عَشْرًا بَدَلَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ کہنے کے[۱۱]

[۱] یعنی اجر و ثواب قرب در رضائے حق، اور دائمی نعمت یعنی بہشت حاصل کر چکے ہیں۔

[۲] یعنی تمہاری اس بات کا کیا مطلب ہے اور ان کے اعلیٰ اور بلند درجات حاصل کر لینے کا سبب کیا ہے۔

[۳] یعنی مالدار لوگ ہماری بدنی عبادات میں شریک ہیں۔ مگر مالی عبادات میں وہ ہم سے ممتاز ہیں۔

[۴] یعنی اس امت کے متقدمین یا پہلی امتوں کے لوگ۔

[۵] یعنی جو لوگ تمہارے بعد ایمان لائیں گے یا تمہارے بعد پیدا ہوں گے۔ یہاں ان فقرا کی عظیم فضیلت و شان آپ نے بیان فرمائی۔ ماسوائے اس شکایت کہ جو انہوں نے کی کہ ہمارا درجہ اغنیاء سے کم ہے اور یہاں ان فقراء کی فضیلت و شان بیان کرنا مقصود ہے۔

[۶] حدیث کی ظاہر عبارت اور اکثر روایات اس میں ہیں کہ تینوں ۳۳، ۳۳ بار پڑھی جائیں اور ایک روایت میں تینوں ملا کر ۳۳ بار کا ذکر آیا ہے بعض میں ہر ایک کلمہ ۱۱، ۱۱ بار پڑھا جائے۔ اور بعض روایات میں تسبیح و تحمید اور تکبیر کا ذکر تقدیم و تاخیر سے آیا ہے۔ اور ایک اور حدیث میں صراحتہً آیا ہے کہ ان تین میں سے جس سے بھی ابتدا کرے گا ٹھیک ہے اور کوئی نقصان نہیں۔

[۷] ابو صالح اس حدیث کے راویوں میں سے ہیں۔ اور تابعی ہیں۔

[۸] لہٰذا پھر وہ ہم سے افضل ہو گئے۔

[۹] لہٰذا کیا کیا جا سکتا ہے۔ تو صبر کرو اور قضائے الٰہی اور اس کی تقسیم پر راضی ہو جاؤ۔ کیونکہ حق سبحانہ نے اپنے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت عطا کی ہے۔

[۱۰] یعنی لیکن ابو صالح کا قول فَرَجَعَ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الیٰ آخرہ صرف مسلم نے روایت کیا اور وہ اس کے روایت کرنے میں منفرد ہے۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ فقراء لوگ اغنیاء سے نصف دن (پانچ سو سال) پہلے جنت میں جائیں گے۔ یعنی اگرچہ مالداروں کی فضیلت و شان فقراء پر ثابت ہو چکی ہے تاہم حق سبحانہ کے لطف و کرم نے اس کی تلافی یوں کر دی کہ فقراء مالداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

واضح ہو کہ حدیث فقراء مہاجرین کے ساتھ خاص ہے تمام فقراء امت کے لیے عام نہیں۔ (یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے) مگر اس صورت میں کہ دوسرے فقرا کے حال کو فقراء مہاجرین کے حال پر قیاس کر لیا جائے (کہ جب فقراء مہاجرین فقراء ہونے کی وجہ سے پہلے جنت میں جائیں گے تو بعد کے فقراء بھی فقراء ہونے کے سبب مالداروں سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے) واللہ اعلم۔

[۱۱] پس ہر کلمہ دس بار پڑھا جائے گا اور مجموعہ تیس بنے گا۔ ایک روایت میں ہر ایک کلمہ ۱۱، ۱۱ بار پڑھنے کا ذکر آیا ہے اس صورت میں مجموعہ ۳۳ بنے گا۔ جیسا کہ میں نے کہا اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ سخی فقیر سے افضل ہے جب کہ دونوں

عمل میں برابر ہوں۔ اور فقیر کے مالدار سے افضل ہونے کے دلائل بھی موجود ہیں۔ اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ غنی شاکر افضل ہے۔ یا فقیر صابر۔ جانبین کے دلائل اپنے مقام پر مذکور ہیں۔ اور فقراء کا اغنیاء سے پہلے بہشت میں جانا اغنیاء کی فضیلت اور ان کی بلندی درجات کے منافی اور خلاف نہیں کہ فقراء کا پہلے بہشت میں جانا ان کے بوجھوں کے ہلکا ہونے اور حساب کے آسان ہونے کی بنا پر ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۴۸ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ اَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلٰوةٍ مَّكْتُوْبَةٍ ثَلٰثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَّ ثَلٰثٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَّ اَرْبَعٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ تَكْبِيْرَةً۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت کعب بن عجرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بعض آگے پیچھے آنے والی چیزیں[۲] وہ ہیں جن کا کہنے والا یا کرنے والا نقصان میں نہیں ہوتا۔ ہر فرض نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح ۳۳ بار حمد۔ اور ۳۴ بار تکبیریں[۳]۔

(مسلم)

[۱] عُجْرَۃَ عین کی پیش۔ جیم کی جزم بعد میں راء کے ساتھ۔ حضرت کعب صحابی ہیں بیعت شجرہ والوں میں سے ہیں۔ ان کے اسلام کا قصہ دوسری جگہوں میں لکھا جا چکا ہے۔

[۲] اصل میں لفظ مُعَقِّبَات استعمال ہوا ہے میم کی پیش۔ عین کی زبر اور قاف مشدد کی زیر اور باء کے ساتھ بمعنی ایک دوسرے کے پیچھے آنے والی چیزیں۔ الفاظ میں یہ کلمات کی صفت ہو کر آتا ہے۔ جس طرح کہ انسانوں کی حفاظت کرنے والے فرشتوں کی صفت کے طور پر قرآن میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ "مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ" یعنی اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ہوتے ہیں انسان کے آگے اور پیچھے جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ کلمات کی صفت یہاں یہ اگلے الفاظ ہیں، یعنی لا یخیب قائلھن۔

[۳] اس طرح مجموعہ سو کا عدد بنے گا۔

۹۴۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَ حَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ وَ كَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِيْنَ فَتِلْكَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح اللہ ۳۳ بار حمد الٰہی اور ۳۳ بار تکبیر کہہ لیا کرے۔ اور یہ ۹۹ ہوئے اور سو پورا کرنے کے لیے کہے

تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ وَ قَالَ تَمَامُ الْمِائَةِ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَ هُوَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ غُفِرَتْ خَطَايَاهُ وَ
اِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ[6] الْبَحْرِ[5]۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر چیز کا مالک ہے۔ اسی کے لیے حمد و ثنا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ اگرچہ سمندر کے جھاگ کی طرح ہوں[5]۔

(مسلم)

---

[1] یعنی ۳۳ بار سبحان اللہ کہے۔

[2] یعنی ۳۳ بار الحمد للہ کہے۔

[3] ۳۳ بار اللہ اکبر کہے۔

[4] بعض روایات میں ولہ الحمد کے بعد یحیی ویمیت کے الفاظ آئے ہیں۔ اور بعض میں حی لا یموت آیا ہے اور بعض روایات میں بیدہ الخیر کا لفظ بھی آیا ہے۔

[5] یعنی کثیر و زیادہ ہونے میں اس کے گناہ سمندر کی جھاگ جتنے بھی ہوں گے تو بخشے جائیں گے۔

[6] اس روایت میں سو کا عدد اس طرح پورا ہوتا ہے اور گذشتہ حدیث میں تکبیر ۳۴ بار پڑھنے سے سو کا عدد پورا ہوتا ہے۔ جس طرح بھی پڑھے ٹھیک اور کافی ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان اپنے مقام پر انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۹۰۲/۱۰ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ
جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ وَ دُبُرُ الصَّلَوَاتِ
الْمَكْتُوْبَاتِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوامامہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کونسی دعا زیادہ سنی جاتی ہے۔ فرمایا آخری رات کے بیچ[2] میں اور فرض نمازوں کے بعد[3]

(ترمذی)

---

[1] حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ پہلے مصر میں قیام رہا پھر وہاں سے حمص منتقل ہو گئے۔ آپ سے بہت کم احادیث مروی ہیں اور آپ کی اکثر احادیث اہل شام کے پاس تھیں۔ علاقہ حمص میں آپ صحابہ کی آخری یادگار تھے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کیں اور بہت سے صحابہ کرام سے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی۔ بعض نے کہا آپ کی عمر اس وقت تیس سال تھی۔ آپ ۸۶ھ یا ۸۱ھ میں بعمر ۹۱ سال

فوت ہو گئے۔

ھ۲ رات کے اندرونی حصے میں۔ یا معنی یہ ہے کہ کونسے وقت میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اور لفظ الآخر جوف کی صفت ہے۔ یعنی میانہ شب میں جو رات کے دوسرے نصف میں ہوتا ہے کہ اس سے مراد وقت سحر ہے۔ جیسا کہ اس کی تفصیل باب قیام اللیل میں آرہی ہے اور لفظ جوف اور الآخر پیش اور زبر دونوں طرح روایت ہے۔ اور زیر سے پڑھنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح لفظ دُبُر میں۔

ھ۳ یعنی فرض نمازوں کے بعد ظاہر عبارت فرض نماز کے متصل بعد پر دلالت کرتی ہے۔ اور اگر اس سے سنت موکدہ کے بعد دعا مراد لی جائے تو امید ہے کہ حدیث پاک سے یہی مراد ہوگا۔ جیسا کہ بیان سابق میں اس طرف اشارہ گزر چکا ہے۔

۹۰۷/۱۱ وَعَنْ عُقْبَةَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَقْرَاَ بِالْمُعَوِّذَاتِ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ۔	حضرت عقبہ[ھ۱] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ نماز کے بعد اعوذ والی سورتیں پڑھ لیا کروں۔
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔	احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی اور بیہقی دعوات کبیر میں۔

ھ۱ عُقبہ عین کی پیش اور قاف کی جزم ہے۔

ھ۲ کہ ہر نماز کے بعد معوِذات پڑھا کروں۔ معوِذات واو کی زیر اور تشدید کیساتھ وہ سورتیں جن کے ابتداء میں لفظ اعوذ آیا ہے اور وہ دو سورتیں ہیں۔ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سوال وارد ہوتا ہے کہ دو سورتوں کے لیے جمع (معوِذات) کا صیغہ کیوں استعمال ہوا۔ جواب یہ ہے کہ بعض اوقات دو کے لیے بھی جمع کا صیغہ بول دیتے ہیں اور بعض کہتے ہیں یہاں سورہ اخلاص یا اس کے ساتھ سورہ کافرون کو بھی معوذات میں داخل کیا گیا ہے۔ یہ تغلیب کے طور پر کہا گیا ہے یا اس اعتبار سے کہ ان دو سورتوں میں توحید کا بیان اور شرک سے براءت مذکور ہے جو شرک سے پناہ لینے کے معنی میں ہے اور بعض کہتے ہیں معوذات سے وہ آیات مراد ہیں جو لفظاً اور معنیً استعاذہ (پناہ) کے معنی پر مشتمل ہیں۔ اور یہ دو سورتیں بھی ان میں داخل ہیں۔ یا کلمات معوذہ مراد ہیں۔ اور ایک روایت معوذتین لفظ تثنیہ سے آیا ہے اس صورت میں کوئی اشکال نہ رہا۔

۹۰۸/۱۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلٰوةِ	حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا ان لوگوں کے ساتھ بیٹھنا جو فجر کی نماز سے سورج

الْغَدَاةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ اَحَبُّ
اِلَيَّ مِنْ اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً مِّنْ وُّلْدِ
اِسْمٰعِيْلَ وَلَاَنْ اَقْعُدَ مَعَ قَوْمٍ
يَّذْكُرُوْنَ اللّٰهَ مِنْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ
اِلٰى اَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ اَحَبُّ اِلَيَّ
اَنْ اُعْتِقَ اَرْبَعَةً۔
(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

نکلنے تک اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں اولاد اسماعیل سے چار غلام آزاد کروں۔ اور میرا اس قوم کے ساتھ بیٹھنا جو عصر کی نماز سے سورج ڈوبنے تک اللہ کا ذکر کریں۔ اس سے زیادہ پسند ہے کہ چار غلام[1] آزاد کروں۔ (ابوداؤد)

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی اولاد اسماعیل سے چار غلام مراد ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں اولاد اسماعیل سے مراد نہ ہوں اول میں ان کے ذکر کی افضلیت ظاہر کرنے کے لیے ہو۔

واضح ہو کہ ذکر کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے سے ظاہراً مراد یہ ہے کہ ان کے ساتھ ذکر میں شریک ہوں اور اگر ان کے ساتھ صرف بیٹھنا مراد لیں تو یہ بھی درست ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے ھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی جَلِیْسُھُمْ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ہمنشین نامراد نہیں۔ یہ حدیث کتاب الدعوات میں آ رہی ہے اور اس دوسرے مفہوم کو درست ظاہر کرتی ہے۔ واضح ہو کہ چار کے عدد کا راز شارع علیہ السلام کو ہی معلوم ہے اسی طرح جہاں بھی عدد مذکور ہوتا ہے۔ بعض علماء عدد کے بارے میں اپنے ظن و تخمین سے فہم کے قریب مناسب چیزیں بھی بیان کرتے ہیں۔ مثلاً یہاں چار کے عدد کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چار عبادتیں جمع ہیں۔ اللہ کا ذکر، بیٹھنا، اس کے لیے جمع ہونا پھر سورج نکلنے اور غروب ہونے تک صبر کرنا اور رکے رہنا۔ اولاد اسماعیل کی تخصیص ان کے شرف اور فضیلت کی وجہ سے کی۔

۹۰/۱۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ
فِىْ جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللّٰهَ حَتّٰى
تَطْلُعَ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ
كَانَتْ لَهٗ كَاَجْرِ حَجَّةٍ وَّعُمْرَةٍ قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ تَامَّةً تَامَّةً تَامَّةً۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فجر کی نماز جماعت سے پڑھے پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے پھر دو رکعتیں[1] پڑھے تو اسے حج اور عمرے جتنا ثواب ملے گا[2]۔ حضرت انس کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[3]۔ پورے حج وعمرہ کا پورے حج وعمرے کا پورے حج وعمرے کا ثواب ملے گا[4]۔ (ترمذی)

[1] دو رکعت کم مقدار ہے۔ بارہ رکعت تک بھی آیا ہے۔ اس نماز کا وقت اس حدیث کے ظاہر حکم کے مطابق

طلوع آفتاب ہے اور بعض کا مذہب یہی ہے۔ مگر جمہور علماء کے نزدیک اس نماز (اشراق) کا وقت سورج ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے پر شروع ہوتا ہے اور بہت سی روایات میں ایسا ہی آیا ہے۔ لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ اس نماز کو اشراق کہتے ہیں۔ بعض روایات میں بھی یہ نماز اس نماز سے موسوم ہے۔ اکثر احادیث میں اس نماز کا نام صلوٰۃ ضحیٰ آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دو نمازیں درحقیقت ایک ہی نماز ہے کہ اس کا ابتدائی وقت سورج بلند ہونے سے شروع ہوتا ہے اور آخر وقت زوال سے پہلے ختم ہوتا ہے۔ اور صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) سے متعلق مزید گفتگو باب صلوٰۃ ضحیٰ میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

؂۲ حج کا ثواب تو فرض نماز باجماعت ادا کرنے سے اور عمرے کا ثواب دو رکعت نفل نماز ادا کرنے سے کہ حج فرض ہے اور عمرہ نفل۔

؂۳ اس عمل پر زیادہ اجر و ثواب کی تاکید و مبالغہ کے لیے فرمایا۔

؂۴ تامّۃ تامّۃ تامّۃ لفظ عمرہ کی صفت ہے یا دونوں کی صفت ہے اور یہ اگرچہ فی الحقیقت حج و عمرہ کے ثواب کے برابر نہیں ہو سکتا کیونکہ ثواب بقدر مشقت ملتا ہے۔ لیکن اس کے مشابہ ضرور ہے اور اس قدر زیادہ ہے کہ گویا عین ان کے ثواب کے برابر ہے۔ اور ناقص کو کامل کے ساتھ لاحق کرنے کے باب میں سے ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۹۱۰/۱۴ عَنِ الْاَرْزَقِ ابْنِ قَيْسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا اِمَامٌ لَّنَا يُكْنٰى اَبَا رِمْثَةَ قَالَ صَلَّيْتُ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ اَوْ مِثْلَ هٰذِهِ الصَّلٰوةِ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يَقُوْمَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ فَصَلّٰى نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَعَنْ يَّسَارِهٖ حَتّٰى رَاَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ اَبِيْ رِمْثَةَ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ فَقَامَ الرَّجُلُ

تیسری فصل

حضرت ارزق؂۱ بن قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہمیں ہمارے امام نے نماز پڑھائی جن کی کنیت ابو رمثہ؂۲ تھی۔ انہوں نے (ابو رمثہ) کہا کہ میں نے یہی؂۳ نماز یا اس طرح؂۴ کی کوئی اور نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی (ابو رمثہ) کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اگلی صف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنے کھڑے ہوتے تھے اور ایک شخص نماز کی پہلی تکبیر میں شامل؂۵ ہوا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر دائیں بائیں سلام پھیرا۔ حتیٰ کہ ہم نے آپ کے رخساروں کی سفیدی دیکھی؂۶۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھرے۔ ابو رمثہ کے پھرنے کی طرح؂۷ تو جس نے نماز کی پہلی

مِنَ الصَّلٰوةِ يَشْفَعُ فَوَثَبَ عُمَرُ فَاَخَذَ بِمَنْكِبَيْهِ فَهَزَّهٗ ثُمَّ قَالَ اجْلِسْ فَاِنَّهٗ لَمْ يَهْلِكْ اَهْلُ الْكِتٰبِ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلٰوتِهِمْ فَصْلٌ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بَصَرَهٗ فَقَالَ اَصَابَ اللّٰهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ -

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

تکبیر پائی تھی[8] وہ نفل پڑھنے کھڑا ہو گیا۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ جلدی اٹھے اور اس کے کندھے کو پکڑ کر ہلایا، پھر فرمایا بیٹھ جا کہ بیشک اہل کتاب صرف اس لیے ہلاک ہوئے کہ ان کی نمازوں کے درمیان فاصلہ نہ تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نگاہ اٹھا کر فرمایا۔ اے خطاب کے بیٹے اللہ تجھے درستی و راستی پر قائم رکھے۔

(ابوداؤد)

[1] اَزْرَق ہمزہ کی زبر پھر زا اس کے بعد را آخر میں قاف کے ساتھ۔ آپ تابعین سے ہیں۔ حارثی بصری ہیں۔ کوفی راویوں میں سے ہیں۔ ثقہ ہیں۔ سنہ ۱۲۱ھ میں فوت ہوئے۔

[2] رِمثہ را کی زیر میم ساکن پھر ثا کے ساتھ۔ حضرت ابورمثہ صحابی ہیں۔

[3] یہی نماز سے اُس نماز کی طرف اشارہ فرمایا جو انہوں نے ادا کی تھی مثلاً ظہر یا عصر کی نماز۔

[4] یہ راوی کا شک ہے۔ مثل اس بنا پر فرمایا کہ یہ نماز جو انہوں نے ادا کی تھی بعینہٖ و بشخصہٖ وہ نماز نہ تھی جو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی تھی۔ اگرچہ دونوں کی نوع ایک تھی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مثل اس اعتبار سے کہا کہ یہ نماز جو انہوں نے ادا کی تھی اس نماز کے سوا تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی تھی۔ جیسے کہ وہ ظہر کی تھی اور یہ مثلاً عصر کی نماز۔ اس میں غور کرو۔

[5] یعنی وہ شخص رکعت اُولیٰ میں ہی شامل ہو گیا تھا۔ مسبوق نہ تھا۔

[6] کہ جو نمازی دائیں جانب تھے انہوں نے دایاں رخسار مبارک دیکھا اور جو بائیں جانب تھے۔ انہوں نے بایاں رخسار مبارک دیکھا۔

[7] ابورمثہ نے اس سے اپنی ذات مراد لی۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابورمثہ یعنی میری طرح پھرے اور اپنے آپ کو لفظ غائب سے بیان کرنا تفنن عبارت ہے۔ اور ان کا یہ پھرنا بائیں جانب تھا یا دائیں جانب۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک مروی ہے۔

[8] اور اس قید کا فائدہ کہ اس نے تکبیر اولیٰ پائی تھی، یہ ہے کہ وہ شخص مسبوق نہ تھا کہ بقیہ نماز پوری کرنے کے لیے اٹھا ہو بلکہ وہ سنت مؤکدہ ادا کرنے اٹھا تھا۔ جیسا کہ راوی کہتا ہے۔ یشفع یعنی وہ ملانا چاہتا تھا کہ وہ نماز (فرض) سے نماز (سنت) ملانے والا تھا یعنی وہ اٹھ کھڑا ہوا تا کہ سنت مؤکدہ ادا کرے۔

۵۹ بعض نسخوں میں بمنکبیہ تثنیہ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اس کے دونوں کندھے پکڑے۔

۵۱۰ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بیٹھ جا۔

۵۱۱ یہاں فاصلہ سے فرض کی جگہ سے ہٹ جانا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا مراد ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ کیا تم لوگ اس سے عاجز ہو کہ جب نماز (فرض) ادا کر لو تو آگے ہو جاؤ یا پیچھے یا دائیں ہو جاؤ یا بائیں۔ یا اس سے کلام کرنا اور نماز سے باہر نکل آنا مراد ہے۔ جیسا کہ مسلم کی روایت میں حضرت سائب سے آیا ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم لوگ ایک نماز کے ساتھ دوسری نماز کو نہ ملائیں بلکہ دونوں نمازوں کے درمیان کلام کریں یا باہر آجائیں۔ اور اس حدیث کو باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں لانا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ فاصلہ نہ کرنے سے بعد نماز ذکر نہ کرنا مراد ہے۔ یعنی فرض نماز کے بعد کچھ ذکر کرے جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے اس کے بعد سنت کے لیے اٹھے، جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔ پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نفل نماز فرض نماز کے ساتھ نہ ملانی چاہیے۔ جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔ اور اس کا بیان گذشتہ صفحات میں مذکور ہوا۔ واللہ اعلم۔

۵۱۲ یعنی اے خطاب کے بیٹے حق تعالیٰ تجھے ہمیشہ صواب کے راستے پر لے جائے اور صواب و درستی کی باتیں ہی تیرے دل میں ڈالے۔ اس عبارت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اس فعل میں درستی اور راستی پر ہیں۔

۹۱۱/۱۵ وَعَنْ زَيْدِ ابْنِ ثَابِتٍ قَالَ اُمِرْنَا اَنْ نُسَبِّحَ فِىْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنَحْمَدُ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِيْنَ وَنُكَبِّرُ اَرْبَعًا وَّثَلٰثِيْنَ فَاُتِىَ رَجُلٌ فِى الْمَنَامِ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقِيْلَ لَهٗ اَمَرَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُسَبِّحُوْا فِىْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ كَذَا وَكَذَا قَالَ الْاَنْصَارِىُّ فِىْ مَنَامِهٖ نَعَمْ قَالَ فَاجْعَلُوْهَا خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ وَاجْعَلُوْا فِيْهَا التَّهْلِيْلَ فَلَمَّا اَصْبَحَ غَدَا عَلَى النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ

حضرت زیدؓ بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہر نماز کے بعد ۳۳ بار تسبیح پڑھیں، ۳۳ بار حمد، اور ۳۴ بار تکبیر۔ پھر ایک انصاری کے خواب میں آنے والا آیا۔ اور آپ سے کہا کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ ہر نماز کے بعد اتنی اتنی تسبیح پڑھو۔ انصاری نے خواب ہی میں کہا ہاں۔ اس نے کہا، انہیں ۲۵، ۲۵ بار کر لو۔ اور ان میں تہلیل بھی کر لو۔ جب صبح ہوئی تو یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ کو خبر دی تو نبی صلی اللہ

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَافْعَلُوْا

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ)

علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی کرلو۔

(احمد، نسائی)

(دارمی)

ف۱ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ کاتب وحی ہیں فقہاء صحابہ اور ان میں جلیل القدر شخصیت اور فرائض کے قائم کرنے والے ہیں۔ ہجرت کے وقت آپ گیارہ سال کے تھے۔ آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں قرآن پاک جمع فرمایا۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں قرآن پاک مصحف عثمان میں نقل کیا۔

ف۲ یعنی ایک انصاری شخص کے خواب میں آیا۔ یعنی اس مرد کے پاس خواب میں فرشتہ آیا۔ حدیث میں آیا ہے بیشک صالح مرد کا خواب خوابوں کے فرشتے کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور غیر صالح انسان کا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔

ف۳ یعنی اس فرشتہ نے خواب میں اس انصاری سے کہا۔

ف۴ یہاں صرف تسبیح کے ذکر پر اکتفا کیا یا تو اختصار کے لیے یا سب (حمد، تکبیر) کو بھی تسبیح کہہ دیا کہ حمد و تکبیر میں بھی اللہ تعالیٰ کی تنزیہ اور تقدیس پائی جاتی ہے۔

ف۵ کہ اس میں ۲۵ بار کلمہ لا الہ الا اللہ بھی شامل کرلو۔ تاکہ سو کا عدد پورا ہو جائے۔

ف۶ یعنی جب کہ یہ نیک انسان کا خواب ہے تو اس طرح بھی کرلو جس طرح یہ مرد صالح کہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواب پر عمل درآمد کا حکم جاری کر کے اس کی توثیق کردی۔ تو اب یہ بھی شرعی حجت و دلیل بن گئی۔ اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تائید و توثیق نہ کرتے تو حجت نہ بن سکتی۔ اسے خوب سمجھو۔

۹۱۲ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ هٰذَا الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ مَنْ قَرَاَ اٰيَةَ الْكُرْسِيِّ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ لَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ اِلَّا الْمَوْتُ وَمَنْ قَرَاَهَا حِيْنَ يَاْخُذُ مَضْجَعَهٗ اٰمَنَهُ اللّٰهُ عَلٰى دَارِهٖ وَدَارِ جَارِهٖ وَاَهْلِ دُوَيْرَاتٍ حَوْلَهٗ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کے تختوں پر فرماتے سنا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اُسے موت کے سوا کوئی چیز جنت کے داخلے سے نہیں روکتی[1]۔ اور جو شخص بستر پہ لیٹتے وقت اسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے گھر اور اس کے پڑوسی کے گھر اور اس کے آس پاس والوں کو امن و عافیت میں رکھتا ہے[2]۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَقَالَ اِسْنَادُهٗ ضَعِیْفٌ ۔

بیہقی فی شعب الایمان ۔ اور کہا اس کی اسناد ضعیف ہے ۔

۵۱ اس عبارت کو مشکل قرار دیا گیا ہے ۔ کیونکہ موت جنت سے روکنے والی نہیں ۔ بلکہ جنت تک پہنچانے والی چیز ہے ۔ لہٰذا ظاہراً عبارۃ حدیث اس طرح ہونی چاہیے تھی ۔ الا الحیاۃ ۔ یعنی زندگی جنت میں پہنچنے سے رکاوٹ ہے کہ زندگی کی وجہ سے اس جہاں دنیا میں بندہ مومن جکڑا ہوا ہے ۔ مگر اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جنت میں جلد پہنچنے میں رکاوٹ موت ہے کہ جب تک موت کا دروازہ عبور نہ کرے بہشت میں داخل نہیں ہو سکتا ۔ اگر راستے میں موت اور مرنے کی شرط نہ ہوتی تو اس آیۃ الکرسی کے پڑھنے کی برکت سے فوراً جنت میں داخل کر دیا جاتا یا مراد یہ ہے کہ اگر بندے کے لیے مطابق حکم کل نفس ذائقۃ الموت (ہر جان نے موت کا مزہ چکھنا ہے) موت کا طاری ہونا اور اسے چکھنا لازم و ضروری نہ ہوتا تو آیۃ الکرسی پڑھنے والا اب تک جنت میں پہنچ چکا ہوتا ۔ لیکن اس معنیٰ کے مطابق یہ لازم آئے گا کہ بہشت میں موت ہو اور بہشت میں چونکہ موت نہیں ۔ اس بنا پر موت کے آنے تک جنت میں پہنچنے میں تاخیر اور دیر ہوتی ہے ۔

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا کہ آیۃ الکرسی پڑھنے والے انسان اور جنت کے درمیان موت رکاوٹ ہے ۔ جب موت واقع ہو گئی اور زندگی اختتام پذیر ہو گئی تو جنت میں داخل ہونا نصیب ہو گیا ۔ بعض کہتے ہیں کہ موت سے قبر میں حشر تک پڑے رہنا مراد ہے ۔ جب قیامت کے دن قبر سے اٹھ کھڑا ہو گا تو سیدھا بلا توقف جنت میں پہنچے گا ۔

۵۲ واضح ہو کہ صاحب سفر السعادۃ نے اس حدیث کی جزو اول (مَنْ قَرَأَ آیۃ الکرسی لم یمنعه من دخول الجنۃ الا الموت) کو نسائی سے روایت کیا اور ایک روایت میں قل ھو اللہ احد کو بھی اس کے ساتھ ملایا اور کہا اس حدیث کو نسائی کے علاوہ بھی ایک جماعت نے جیسے طبرانی، دارقطنی، ابن حبان وغیرہم نے روایت کیا ۔ بعض حفاظ حدیث نے کہا یہ حدیث صحیح ہے ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ۔ اور حفاظ حدیث نے اس بنا پر ابن جوزی پر تنقید کی ہے ۔ اور جزو ثانی کو بایں الفاظ روایت کیا من قرأ آیۃ الکرسی فی دبر الصلوٰۃ المکتوبۃ کان فی ذمۃ اللہ الی الصلوٰۃ الاخریٰ ۔ اور کہا اس حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ۔ ان میں سے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن عمر اور انس بن مالک اور مغیرہ بن شعبہ اور ابو امامہ ہیں رضی اللہ عنہم ۔ اور طرق کا اختلاف اور تعدد اسناد اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کی اصل صحیح موجود ہے ۔ موضوع نہیں ہے اور آیۃ الکرسی کی فضیلت چاہے نماز کے بعد پڑھی جائے یا کسی دوسرے وقت میں، بڑی شان اور درجہ رکھتی ہے ۔ واللہ اعلم ۔

۹۱۳ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ غَنْمٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَالَ قَبْلَ اَنْ یَّنْصَرِفَ وَ

حضرت عبد الرحمٰن بن غنم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو بندہ نماز مغرب اور فجر سے پھرنے

يَثْنِيَ رِجْلَيْهِ مِنْ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ وَالصُّبْحِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ عَشْرَ مَرَّاتٍ كُتِبَ لَهٗ بِكُلِّ وَاحِدٍ عَشْرُ حَسَنَاتٍ وَّمُحِيَتْ عَنْهُ عَشْرُ سَيِّئَاتٍ وَّرُفِعَ لَهٗ عَشْرُ دَرَجَاتٍ وَّكَانَتْ لَهٗ حِرْزًا مِّنْ كُلِّ مَكْرُوْهٍ وَّحِرْزًا مِّنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَلَمْ يَحِلَّ لِذَنْبٍ اَنْ يُّدْرِكَهٗ اِلَّا الشِّرْكُ وَكَانَ مِنْ اَفْضَلِ النَّاسِ عَمَلًا اِلَّا رَجُلًا يَّفْضُلُهٗ يَقُوْلُ اَفْضَلَ مِمَّا قَالَ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اِلٰى قَوْلِهٖ اِلَّا الشِّرْكُ وَلَمْ يَذْكُرْ صَلٰوةَ الْمَغْرِبِ وَلَا بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

اور پاؤں موڑنے له سے پہلے دس بار یہ کہہ لیا کرے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہی ہر شے کا مالک ہے۔ اسی کی حمد و ثنا ہے اسی کے قبضے میں خیر ہے۔ زندگی اور موت دیتا ہے اور ہر چیز پر قادر ہے تو اس کے لیے ہر ایک کے بدلہ میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ دس گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ دس درجے بلند کیے جاتے ہیں۔ اور ہر برائی سے اس کی حفاظت ہوتی ہے۔ شیطان مردود سے امن میں رہتا ہے۔ شرک کے عه سوا کوئی گناہ اسے نہ چھو سکے گا۔ ۳ه اور وہ لوگوں سے عمل میں افضل ہوگا۔ سوائے اس کے جو اس سے زیادہ کہہ لے۔ کہ وہ اس سے بڑھ جائے گا۔

(احمد) اور ترمذی نے اس کی مثل حضرت ابوذر سے اِلَّا الشرک تک ثه روایت کی۔ اور اس نے نہ نماز مغرب کا ذکر کیا اور نہ بیدہ الخیر کا اور فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔

⁂

له عبدالرحمٰن بن غَنْم غین کی زبر اور نون ساکن۔ آپ اشعری شامی ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک میں اسلام لائے مگر آپ کی خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وفات تک یمن میں ان کے ساتھ رہے۔ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ان کو شرف صحبت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نصیب ہوا ہے۔ مگر قول اول زیادہ صحیح ہے۔ آپ قُدمار صحابہ سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ اپنے وقت میں شام کی فقیہ ترین شخصیت تھے۔ کہ شام کے تابعین ان سے علم فقہ حاصل کرتے تھے۔ اور بڑی جلالت و قدر کے مالک تھے۔

عه کہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے کہ کفر سے عفو و مغفرت کا تعلق نہیں ہو سکتا (بغیر توبہ کے)

۸۷ھ میں فوت ہوئے۔ رضی اللہ عنہ۔

۵۲ یعنی ابھی اسی حالت پر بیٹھا ہو جو التحیات میں ہوتی ہے۔

۵۳ بعض روایات میں بیدہٖ الخیر یحیی ویمیت کا لفظ آیا ہے۔

۵۴ اور ایک روایت میں لَمْ یَنْبَغِ اَنْ یُدْرِکَہٗ کا لفظ آیا ہے۔ یعنی جائز نہیں اور کسی گناہ کو یہ جرأت نہیں کہ اس کی طرف رُخ کرے اور اس کا گھیراؤ کرے اور اس پر اثر انداز ہو سکے یعنی توبہ کی توفیق اور استغفار کی برکت اور خدا تعالےٰ کے عفو و مغفرت کی بدولت۔

۵۵ یعنی الفاظ الگ الگ ہیں مگر ان کا معنیٰ ایک ہے۔ اور لفظ الا الشرک تک روایت کیے۔

٩١٤/١٨ وَعَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا قِبَلَ نَجْدٍ فَغَنِمُوْا غَنَائِمَ كَثِيْرَةً وَّاَسْرَعُوا الرَّجْعَةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَّا لَمْ يَخْرُجْ مَا رَاَيْنَا بَعْثًا اَسْرَعَ رَجْعَةً وَّلَا اَفْضَلَ غَنِيْمَةً مِّنْ هٰذَا الْبَعْثِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى قَوْمٍ اَفْضَلَ غَنِيْمَةً وَّاَفْضَلَ رَجْعَةً قَوْمًا شَهِدُوْا صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ جَلَسُوْا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ حَتّٰى طَلَعَتِ الشَّمْسُ فَاُولٰٓئِكَ اَسْرَعُ رَجْعَةً وَّاَفْضَلُ غَنِيْمَةً۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَّحَمَّادُ ابْنُ اَبِيْ حُمَيْدٍ الرَّاوِيْ هُوَ ضَعِيْفٌ فِي الْحَدِيْثِ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقہ[1] نجد کی طرف ایک لشکر روانہ کیا یہ بہت سا مال غنیمت لایا اور جلد ہی لوٹ بھی آیا۔ ہم میں سے ایک شخص بولا جو ان میں نہ گیا تھا کہ ہم نے کوئی ایسا لشکر نہیں دیکھا جو اس لشکر سے جلدی واپس لوٹا ہو۔ اور غنیمت بھی زیادہ لایا ہو۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں وہ قوم نہ بتاؤں جو غنیمت اور واپس لوٹنے میں اس سے بھی افضل و بہتر ہے۔ یہ وہ قوم ہے جو فجر کی نماز میں حاضر ہو پھر سورج نکلنے تک بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرے۔ یہ لوگ جلدی لوٹنے والے اور زیادہ غنیمت حاصل کرنے والے[2] ہیں۔

ترمذی۔ اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور حماد بن حمید راوی حدیث میں ضعیف[3] ہے۔

---

[1] نجد مشہور علاقہ ہے جو تہامہ سے حجاز تک پھیلا ہوا ہے۔ نجد دراصل بلند زمین کو کہتے ہیں۔

[2] جو ایک گھڑی میں بے حد و شمار ثواب حاصل کر لیتے ہیں۔

۵۳ بخاری نے کہا منکر الحدیث ہے۔ ابن معین نے کہا کہ اس کی حدیث کوئی چیز نہیں۔ اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے۔

بَابُ مَا لَا یَجُوْزُ مِنَ الْعَمَلِ فِی الصَّلٰوۃِ وَمَا یُبَاحُ مِنْہُ

ان کاموں کا باب جو نماز میں ناجائز ہیں

اور جو مباح ہے

یعنی یہ باب ان احادیث کے بیان میں ہے جن میں یہ وضاحت آئی ہے کہ فلاں فلاں کام نماز میں ناجائز ہے۔ بعض نسخوں میں وَمَا یُبَاحُ مِنْہُ کا لفظ بھی آیا ہے یعنی اور وہ کام جن کا نماز میں کرنا مباح اور جائز ہے۔

واضح ہو کہ بعض کام ایسے ہیں جو نماز کو فاسد کر دیتے ہیں۔ اور بعض کام مکروہ ہیں اور بعض مباح ہیں ان کی پوری تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ اور نماز میں عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے لیکن عمل کثیر کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں جو کام ایک ہاتھ سے کیا جا سکے وہ قلیل ہے۔ اور جس کام کے کرنے میں دونوں ہاتھ مصروف کرنے پڑیں وہ کثیر ہے۔ یعنی جس کام کے سرانجام دینے میں عادۃً دونوں ہاتھ استعمال ہوتے ہوں جیسے دستار باندھنا، کرتہ آتارنا۔ اور تہہ بند باندھنا اور کمان سے تیر پھینکنا کہ یہ کام نماز کے اندر اگر ایک ہاتھ سے بھی کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور وہ عمل جو عادۃً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہے جیسے تہہ بند اوپر اٹھانا۔ اور ٹوپی سر پر رکھنا اگر یہ عمل دونوں ہاتھوں سے بھی کرے گا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ مگر اکثر علماء نے عمل کثیر کی اس تفسیر کو اختیار کیا ہے کہ اگر نمازی کی حالت یہ ہو کہ دور سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ نماز نہیں پڑھ رہا تو وہ عمل کثیر ہے۔ اور اگر دیکھ کر شک میں پڑ جائے اور شک کرے کہ نماز میں ہے یا نہیں۔ تو وہ عمل قلیل ہے۔

اور بعض کے نزدیک عمل کثیر کی مختار تفسیر یہ ہے کہ تین بار لگاتار ایک فعل کرنا عمل کثیر ہے اور اس سے کم عمل قلیل ہے جیسا کہ شمنی نے ذکر کیا ہے اور کتاب خلاصہ سے نقل کیا کہ اگر ایک شخص ایک آدمی کی امامت کر رہا ہو اس دوران تیسرا آدمی آیا اور اس کی اقتدا کی۔ اور اتنی مقدار آگے بڑھا جتنا فاصلہ امام اور صف اول کے درمیان ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر نماز کے اندر اتنی مقدار چلا جتنا فاصلہ ایک صف کے درمیان ہوتا ہے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر دو صف کے مقدار بیک وقت چلا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایک بار ایک صف کی مقدار چلا اور کھڑا ہو گیا پھر ایک صف کی مقدار اور چلا اور کھڑا ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور فتاویٰ ظہیریہ سے نقل کیا کہ مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ اگر بار بار عمل کیا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے اور حاشیہ شمنی میں علامت ظہیر میں لکھا کہ اگر نماز کے دوران اس جگہ دھوپ آ جائے۔ اور تپش محسوس ہونے لگے۔ اس تپش سے بچنے کے لیے سایہ کی جانب ایک دو قدم چل آئے تو فاسد نہ ہوگی۔

⁂

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۹۱۴/۱ عَنْ مُعَاوِيَةَ ابْنِ الْحَكَمِ قَالَ بَيْنَا اَنَا اُصَلِّيْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِّنَ الْقَوْمِ فَقُلْتُ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِاَبْصَارِهِمْ فَقُلْتُ وَا ۲ ثُكْلَ اُمِّيَاهُ مَا شَاْنُكُمْ تَنْظُرُوْنَ اِلَيَّ فَجَعَلُوْا يَضْرِبُوْنَ بِاَيْدِيْهِمْ عَلٰى اَفْخَاذِهِمْ فَلَمَّا رَاَيْتُهُمْ يُصَمِّتُوْنَنِيْ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبِاَبِيْ هُوَ وَاُمِّيْ مَا رَاَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ اَحْسَنَ تَعْلِيْمًا مِّنْهُ فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِيْ وَلَا ضَرَبَنِيْ وَلَا شَتَمَنِيْ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ لَا يَصْلُحُ فِيْهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ اِنَّمَا هِيَ التَّسْبِيْحُ وَالتَّكْبِيْرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْاٰنِ اَوْ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَقَدْ جَاءَنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ وَاِنَّ مِنَّا رِجَالًا يَاْتُوْنَ الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَاْتِهِمْ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَتَطَيَّرُوْنَ قَالَ ذَاكَ شَيْءٌ يَجِدُوْنَهٗ فِيْ صُدُوْرِهِمْ فَلَا يَصُدَّنَّهُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ

پہلی فصل

حضرت معاویہ بن الحکم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ لوگوں میں سے ایک شخص نے چھینک ماری میں نے کہا یرحمک اللہ (اللہ تجھ پر رحم کرے) تو مجھے لوگوں نے تیز نگاہوں سے دیکھا[3]۔ میں نے کہا۔ ہائے میری ماں کا رونا[4] تمہیں کیا ہوا کہ مجھے دیکھتے ہوئے[5] تو وہ رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ مجھے خاموش کر رہے ہیں[6]۔ تو میں خاموش ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی۔ میرے ماں باپ ان پر نثار میں نے ایسا اچھا سکھانے والا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔ خدا کی قسم نہ مجھے ڈانٹا نہ مارا نہ برا[7] کہا۔ فرمایا ان نمازوں میں انسانی کلام مناسب نہیں[8]۔ یہ صرف تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن[9] ہے۔ یا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[10]۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا زمانہ جاہلیت سے قریب ہے۔ اللہ نے ہمیں اسلام دیا اور ہم میں بعض لوگ کاہنوں کے پاس جاتے ہیں[11]۔ فرمایا تم نہ جاؤ[12]۔ میں نے عرض کیا کہ ہم میں سے بعض لوگ پرندے اڑاتے ہیں[13]۔ فرمایا یہ ایسی بات ہے جسے وہ اپنے دلوں میں پاتے ہیں۔ انہیں یہ بات کاموں سے نہ روکے۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا ہم میں سے بعض لوگ لکیریں کھینچتے ہیں۔ فرمایا ایک

الْأَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهُ فَذَاكَ۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ لٰكِنِّيْ سَكَتُّ هٰكَذَا وَجَدْتُّ فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَكِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَصُحِّحَ فِيْ جَامِعِ الْأُصُوْلِ بِلَفْظَةِ كَذَا فَوْقَ لٰكِنِّيْ۔

پیغمبر خط کھینچتے تھے۔ جس کا خط ان کے موافق ہو گا تو درست[۱۵] ہے۔

(مسلم شریف) اور ان کا قول "میں خاموش ہو گیا" میں نے صحیح مسلم میں یوں ہی پایا۔ اور کتاب حمیدی[۱۶] میں ہے کہ جامع الاصول میں لکنی کے اوپر لفظ کذا سے صحیح کہا۔[۱۷]

---

[۱] معاویہ بن الحکم۔ دو زبروں کے ساتھ صحابی ہیں۔ قبیلہ بنو سلیم میں سے ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں قیام رہا۔

[۲] اور رمانی کے لفظ میں جو رمی سے مشتق ہے شدت اور حدت نگاہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی انہوں نے مجھے تیز تیز نگاہوں سے دیکھا کہ تو نماز کی حالت میں چھینک کا جواب دے رہا ہے۔

[۳] یعنی میری ماں کا لڑکا فوت ہونے پر افسوس۔ ثکل ثاء کی پیش کاف ساکن اور اس کی پیش اور دونوں زبروں کے ساتھ بھی آیا ہے۔ یعنی لڑکے کا مرنا یا اس کے دوست یا کسی اور عزیز کا مرنا اور یہ وہ لفظ ہے جسے عرب لوگ تعجب کے وقت اور کسی امر کو بعید از عقل جانتے ہوئے استعمال کرتے ہیں۔

[۴] یعنی میں نے اپنے دل میں کہا۔

[۵] یعنی زیادہ اظہار تعجب و انکار اور مجھ پر اعتراض کرنے کے لیے۔

[۶] یعنی میں نے سمجھ لیا کہ مجھے خاموش کرنے کے لیے اشارہ کر رہے ہیں۔ اور میری اس حرکت پر انکار کر رہے ہیں۔ تو میری حالت تبدیل ہو گئی اور میں غصہ میں آ گیا کیونکہ میں اپنے فعل کی قباحت سے بے خبر تھا اور وہ حضرات میری حرکت پر شدت سے اظہار نفرت کر رہے تھے اور میں نے چاہا کہ انہیں کوئی جواب دوں اور ان سے انتقام لوں۔ لیکن میں خاموش رہا اور اپنے غصے کو استعمال میں نہ لایا۔

[۷] کہر کا معنی ہے کسی پر سختی کرنا۔ غصے میں چلا کر بات کرنا۔ اور کسی کو ذلیل و خوار سمجھتے ہوئے اس سے ترش روئی سے پیش آنا۔ اور قرآن پاک میں جو آتا ہے واما الیتیم فلا تقہر۔ تو یہاں فلا تکہر بھی پڑھا گیا ہے۔

[۸] یعنی یہ نماز جس کے پڑھنے اور ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں لوگوں جیسی باتیں کرنا ٹھیک اور روا نہیں ہے۔ اور لوگوں جیسی باتیں کرنے سے مراد ایسی باتیں ہیں جن میں انسانوں کو مخاطب کیا جاتا ہے اور ان سے کوئی چیز طلب کی جاتی ہے۔ علماء کرام مسائل میں یہ مسئلہ لائے ہیں کہ اگر ایک شخص نماز میں ہو اس سے لوگ دریافت کریں کہ تیرے پاس کس قسم کا مال ہے اور وہ جواب میں کہے الخیل والبغال والحمیر کہ یہ قرآن مجید کے کلمات ہیں۔ یا کسی آدمی

نے سامنے ایک کتاب رکھی ہو اور ایک شخص یحییٰ نامی پاس کھڑا ہو اور وہ کتاب والا کہے یا یحییٰ خذ الکتاب اگر اس کی مراد معنی کا فائدہ دینا ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر قراءت کا ارادہ ہو تو فاسد نہ ہوگی۔

ف۹ اور انسانوں کے کلام کی جنس سے نہیں۔ چنانچہ اگر ایک آدمی نے قسم کھائی کہ وہ بات نہ کرے گا پھر تسبیح یا تکبیر کہے یا قرآن پڑھے تو اس کی قسم نہ ٹوٹے گی۔

ف۱۰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ کہے یا دوسرے الفاظ کہے جن کا معنی ابھی یہی تھا۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ چھینک والے کو جواب دینا یعنی نماز میں یرحمک اللہ کہنا ناجائز و حرام اور مفسد نماز ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نماز دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ شخص اس مسئلے سے ناواقف تھا کہ نماز میں کلام کرنے کا جواز منسوخ ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس نے معذرت بھی کی کہ میں دورِ جاہلیت سے ابھی ابھی نکلا اور اسلام لایا ہوں مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہ کرنا کیونکہ مجھے پتہ نہ تھا کہ نماز میں کلام کرنا حرام ہے اور نماز کو توڑ دیتا ہے۔ مجھے تو اب اس کا علم ہوا ہے۔

اور امام شافعی اور امام ابو یوسف کے نزدیک اگرچہ نماز میں چھینک کا جواب دینا حرام ہے مگر اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ رحمت و مغفرت کی دعا ہے۔ (یعنی کلمہ یرحمک اللہ) اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نماز لوٹانے کا حکم نہ دیا۔

شیخ ابن الہمام رحمہ اللہ نے کہا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہے یرحمک اللہ تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے کہ یوں کہے یرحمنی اور اگر چھینک مارنے والا اپنے دل میں الحمد للہ کہے تو ظاہر روایت کے مطابق نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کے مطابق یہ بات اس وقت ہے کہ لبوں کو نہ ہلائے بلکہ دل میں الحمد للہ کہے اور اگر لبوں کو ہلائے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

ف۱۱ کاہن عرب میں ایسے لوگوں کی جماعت تھی جو جنات، شیاطین اور ارواح خبیثہ سے مناسبت و تعلق قائم کر لیتی تھی پھر وہ شیاطین وغیرہ ان پر سچی اور جھوٹی باتوں کا القاء کرتے تھے۔ پھر آگے وہ لوگ علم غیب کے مدعی بن کر لوگوں کو آئندہ کی خبریں دیتے تھے۔ اس کا مفصل بیان بَابُ الْکَھَانَۃِ میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

ف۱۲ یعنی جب کہ تو مشرف بہ اسلام ہو چکا ہے۔ تو کاہنوں کے پاس جانے کا خیال دل سے نکال دے۔

ف۱۳ یعنی بد فالی اور بد شگونی کے قائل ہیں۔ اور اس عقیدے کے تحت پرندے اڑاتے ہیں۔ اگر پرندے دائیں جانب اڑ کر جائیں تو اس کام کو نیک اور اچھا خیال کرتے ہیں۔ اور جو کام درپیش ہوتا ہے اسے کرتے ہیں۔ اور اگر پرندے بائیں جانب کو اڑ کر جائیں تو اسے برا خیال جانتے ہیں۔ اور وہ کام نہیں کرتے۔ پرندے اڑاتے ہیں اصل بات یہ ہے۔ اس کے بعد اسلام میں ہر طریقہ سے اور ہر قسم کی بد فالی ممنوع ہے۔ اس کی مزید تفصیل باب الفال الطیرۃ میں آرہی ہے۔

۱۴ یعنی یہ وہم و نحوست کی بات ہے جو ان کے دلوں میں آتی ہے۔ لہٰذا چاہیے کہ وہ اس فال کی بنا پر اس کام سے نہ رکیں جو وہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ سب کچھ قدرت الٰہی سے ہوتا ہے اور مؤثر حقیقی صرف وہ ذات ہے۔ اگر دل میں خلجان اور وہم گزرے تو خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس وہم و خلجان سے گزر جانا چاہیے اور اس موقعہ پر وہ ماثور دعا پڑھنی چاہیے جو ایسے موقعہ کے لیے ہے۔ جیسا کہ دعاؤں کے باب میں اس کا ذکر آئے گا۔

۱۵ اس سے عِلم رمل کی جانب اشارہ کیا کہ بعض لوگ عمل رمل کے لیے خط کھینچتے ہیں اور ان سے بعض احکام اور غیب کے حالات معلوم کرتے ہیں۔

۱۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نبیوں میں سے ایک نبی خط کھینچتے تھے۔ مراد حضرت ادریس ہیں یا حضرت دانیال علیہما السلام۔

۱۷ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صراحتہً ممانعت اس لیے نہ فرمائی کیونکہ اس عمل کی نسبت بعض انبیاء کی طرف ہے۔ ان کی نبوت کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے، باوجودیکہ انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف بھی ہے۔ اور وہ منسوخ بھی ہو چکی ہیں۔

یہیں سے بعض لوگ اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے عِلم رَمل کو مباح قرار دیتے ہیں۔ مگر اکثر علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے اس اباحت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نبی کے خط کے موافق و مطابق ہونے کے ساتھ اسے معلق کیا اور اس کے ساتھ مطابق کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی علم اور ذریعہ نہیں کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ عمل رمل کا یہ خط اس نبی کے خط کے مطابق ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور علمائے سلف رحمہم اللہ تعالیٰ سے رمل کی اشکال و خطوط کے ساتھ مشغول ہونے کی کوئی نص و روایت نہیں آئی۔ (لہٰذا در حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک فَمَنْ وَافَقَ خَطَّہٗ ڈانٹ اور اس عمل سے باز رکھنے اور یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ آج کے لوگ اس نبی کے خطوط سے اپنے خطوط و اشکال موافق کرنے سے عاجز ہیں تو اس تعبیر سے واضح ہو گیا کہ رمل کا عمل شریعت اسلامی میں ممنوع و ناروا ہے اور یہی درست بات ہے۔ تکسیر کی مختلف شکلیں اور اس نوع کے دوسرے عملیات کا بھی یقین سے آراستہ بزرگوں اور محققین مشائخ کے نزدیک یہی حکم ہے (کہ یہ سب کچھ ممنوع ہے) ایک بزرگ نے کہا ہے ؎

بَاعِدِ الْبُوْنِیَ وَ اَشْکَالَہٗ
وَ وَافِقِ النَّسَّاجَ وَ اَمْثَالَہٗ

ترجمہ۔ بونی اور اس کی اشکال (رمل) سے الگ ہو جا۔ اور حضرت نساج رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے خدا رسیدہ حضرات کی موافقت و مطابقت اختیار کر۔

یشیخ ابو العباس بونی وہ ہیں جو علم تکسیر کے اسمار کے اہل دعوت و ماہرین سے ہیں اور حروف کے خواص بیان کرتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ نساج سے یشیخ ابو بکر نساج رحمۃ اللہ مراد ہیں۔ جو شیخ ابو العباس بونی رحمہم اللہ کے ہم عصر ہوئے ہیں۔

۵ اس حدیث کے ابتداء میں لفظ لکنی سکتُ جو مذکور ہوا ہے۔ اس کے بارے میں حضرت مولف فرماتے ہیں کہ میں نے یصحیح مسلم شریف کے متن اور کتاب حمیدی میں جو صحیحین (بخاری و مسلم) کی جامع ہے، اسی طرح پایا ہے۔ اور مولف رحمۃ اللہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس لفظ لکنی سکت کی تصحیح لفظ کذا کے ساتھ جامع الاصول میں کر دی گئی ہے۔ یہ جامع الاصول صحاح ستہ کی جامع ہے اور لفظ کذا لکنی سے پہلے لایا گیا ہے یہ لفظ کذا تصحیح کی علامت ہے۔ یہ دستور ہے کہ جب اُس لفظ پر صحت کا نشان لگانا چاہیں جس کی عدم صحت کا گمان ہوتا ہے تو اُس سے پہلے لفظ کذا لکھتے ہیں جیسے لفظ صاد یا لفظ صحیح لکھتے ہیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ لفظ اصول کی کتابوں میں اسی طرح واقع ہوا ہے اور صحیح ہے اس کے متعلق نہ صحیح ہونے کا گمان درست نہیں ہے۔ اور لکنی کا لفظ لکنی سکت میں زائد معلوم ہوتا ہے یعنی اس قدر الفاظ کافی ہیں فَلَمَّا رَأَیْتُھُمْ یُسَکِّتُوْنِیْ سَکَتُّ (یعنی جب میں نے انہیں دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کر رہے ہیں تو میں خاموش ہو گیا) اور مصابیح میں بھی یہ لفظ نہیں ہے۔ اور اس کی توجیہ کے لیے مقدر عبارت کا اعتبار کرنا پڑتا ہے جیسا کہ ترجمہ میں اس جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۹۱۶/۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ عِنْدِ النَّجَاشِيِّ سَلَّمْنَا عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيْنَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فِي الصَّلٰوةِ فَتَرُدُّ عَلَيْنَا فَقَالَ اِنَّ فِي الصَّلٰوةِ لَشُغْلًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کہ آپ نماز میں ہوتے سلام کرتے تھے۔ آپ ہمیں جواب دیتے تھے جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے آپ کو سلام کیا آپ نے ہمارا جواب نہ دیا۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ ہم آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے اور آپ جواب دیتے تھے۔ فرمایا نماز میں مشغولیت ہے۔

(بخاری و مسلم)

۱۵ جو ملک حبشہ کا بادشاہ تھا۔ اور صحابہ کرام نے کفار مکہ کے شر سے بچنے کے لیے حبشہ کی جانب ہجرت کی تھی۔ اور نجاشی کے پاس پہنچے تھے۔ اس نجاشی کو چونکہ اپنی مذہبی کتابوں تورات و انجیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بارے میں پیشگی علم ہو چکا تھا اور یہ شخص پہلے عیسائی مذہب رکھتا تھا۔ حبشہ میں صحابہ کی تشریف آوری کی بدولت مشرف بہ اسلام ہو گیا اور اس نے صحابہ کرام کے اس کے ملک میں آنے کو غنیمت جانتے ہوئے ان کی بڑی خدمت کی اور اسلام دوستی کا حق ادا کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں تحفے اور ہدیے ارسال کیے۔ نجاشی نون کی زبر کے ساتھ۔ بعض نے نون کی

زیر کے ساتھ بھی نقل کیا ہے۔ اور صاحب قاموس نے نون کی زیر کے ساتھ افصح قرار دیا ہے اور جیم مخفف کے ساتھ اور یہ بھی افصح ہے۔ اور تشدید یا کے ساتھ۔ کہا گیا ہے کہ یا مخفف درست اور صحیح ہے۔ ابن تمین نے کہا۔ یا ساکن ہے کیونکہ وہ اصلی ہے یا نسبت نہیں ہے۔ اور صاحب قاموس نے تشدید کے ساتھ بھی درست قرار دیا ہے۔ مگر تخفیف کو افصح کہا۔ یہ نجاشی ۹ھ میں انتقال کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے ساتھ اس کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھی (مگر فی الحقیقت غائبانہ نہ تھی کیونکہ حضرت جبرئیل نے ان کی لاش اٹھا کر حضور کے سامنے رکھ دی تھی۔ کما فی الحدیث)

؎۲ اپنی پرانی عادت کے مطابق۔

؎۳ یعنی اس بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سلام کا جواب نہ دیا۔

؎۴ نماز میں مصروفیت و مشغولیت ہے کہ نماز خدا تعالیٰ کے ساتھ مناجات اور عبودیت میں استغراق کا مقام ہے۔ مقصود یہ ہے کہ سلام کے جواب کے طور پر گفتگو کرنا بھی لوگوں کے ساتھ کلام کرنے کے مانند ہے پہلے ایسا کرنا مباح تھا۔ مگر اب یہ منسوخ ہو چکا ہے۔

۹۱۷ وَعَنْ مُعَيْقِيبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الرَّجُلِ يُسَوِّي التُّرَابَ حَيْثُ يَسْجُدُ قَالَ إِنْ كُنْتَ فَاعِلًا فَوَاحِدَةً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت معیقیب؎۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں جو سجدہ کی جگہ کی مٹی برابر کرے فرمایا اگر تمہیں کرنا ہے تو صرف ایک بار کرو۔

(بخاری ومسلم)

؎۱ معیقیب میم کی پیش، عین کی زبر یا ساکن قاف کی زیر اور دوسری یا کی جزم کے ساتھ۔ آپ صحابی ہیں۔ مکہ معظمہ میں ایمان لائے۔ حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اور وہاں ایک عرصہ تک مقیم رہے تاآنکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی ان کے سپرد ہوتی تھی اور اسے حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما بیت المال کے لیے استعمال کرتے تھے۔ کاشف میں کہا کہ آپ بدری تھے۔ جذام کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں رہتے تھے اور انہیں کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔ بعض نے کہا امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔ ایک معیقیب اور ہیں وہ تابعی ثقہ ہیں۔ جو ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے اعمش روایت کرتے ہیں۔

؎۲ یعنی ایسا نہ کر اور اگر کرنا ضروری ہو تو پھر صرف ایک بار کر۔ زیادہ دفعہ نہ کر۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سے زیادہ بار سے اس لیے منع کیا کہ اس سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ عمل کثیر کی تفسیر پر مبنی ہے اور یہ تفسیر گزشتہ صفحہ میں گزر چکی ہے۔

۹۱۹/۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْاِلْتِفَاتِ فِي الصَّلٰوةِ فَقَالَ هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطٰنُ مِنْ صَلٰوةِ الْعَبْدِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا فرمایا وہ اچک لینا ہے کہ شیطان بندے کی نماز میں سے اتنا حصہ اچک لیتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

لہ واضح ہو کہ ادھر ادھر متوجہ ہونا اس وقت مکروہ ہے جب کہ گردن اور چہرہ اس قدر پھیرے کہ کعبہ شریف سے چہرہ مڑ جائے اور اگر سینہ بھی اس قدر پھیرے کہ مکمل طور پر کعبہ سے مڑ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور صرف آنکھ کے ایک گوشہ سے دیکھنا جسے ملاحظہ کہتے ہیں یہ نہ مفسد نماز ہے نہ مکروہ۔ مگر نماز میں بار بار ایسا بھی نہ کرے اور اپنی عادت نہ بنائے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کی گئی ہے کہ آپ گوشہ چشم سے مقتدیوں کے حالات ملاحظہ فرماتے تھے۔ مگر اس حدیث کی صحت میں کلام ہے۔ کسی شخص نے حضرت امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ بعض علماء حدیث باسناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ گوشہ چشم سے ادھر ادھر دیکھتے تھے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس بات کا سختی سے رد کیا غصہ سے آپ کی حالت بدل گئی اور آپ پر لرزہ طاری ہو گیا اور آپ نے زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ اور فرمایا اس حدیث کا اسناد صحیح نہیں ہے۔

۹۲۰/۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ رَفْعِهِمْ اَبْصَارَهُمْ عِنْدَ الدُّعَاءِ فِي الصَّلٰوةِ اِلَى السَّمَاءِ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ اَبْصَارُهُمْ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کو چاہیے کہ نماز میں دعا کے وقت آسمان کی طرف اپنی نگاہیں اٹھانے سے باز آ جائیں لہ ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔ (مسلم شریف)

لہ یعنی لوگوں کو چاہیے کہ نماز میں آسمان کی طرف نگاہیں بلند کرنے سے باز آ جائیں۔ اگر اس سے باز نہ آئیں گے تو ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں آسمان کی طرف نگاہ مبارک اٹھایا کرتے تھے جب حق سبحانہ وتعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا۔ جو لوگ اپنی نمازوں میں خشوع (عجز وتواضع اختیار کرتے ہیں) تو آپ نے سر مبارک نیچے جھکا لیا۔

۹۲۱/۷ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ النَّاسَ وَاُمَامَةُ بِنْتُ اَبِي الْعَاصِ عَلٰى عَاتِقِهٖ

حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی امامت کراتے ہوئے دیکھا۔ اس وقت ابو العاص کی بیٹی آپ کے

فَإِذَا رَكَعَ وَضَعَهَا وَإِذَا رَفَعَ مِنَ السُّجُوْدِ أَعَادَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کندھوں پر تھی۱۔ جب آپ رکوع میں جاتے تو اسے زمین پر رکھ دیتے۲ اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اسے پھر اٹھا لیتے۳۔

(بخاری و مسلم)

۱ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ہیں۔ حضرت زینب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک صاحبزادیوں میں سے ایک صاحبزادی ہیں۔ یہ امامہ (بچی) حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی دختر نیک اختر تھیں جو بعض اوقات نماز کے دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آکر لپٹ جاتی تھی۔ آپ اسے اپنے کندھے پر بٹھا کر نماز پڑھتے تھے۔

۲ اور آپ کے رکوع اور سجدہ کرنے تک وہ (امامہ) زمین پر ہی بیٹھی رہتی تھی۔

۳ یہاں کسی کے ذہن میں یہ وہم آسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کو اٹھانا اور زمین پر رکھنا۔ اور پھر اٹھانا تو فعل کثیر ہے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اگر یہ قلیل بھی ہو تو پھر بھی مکروہ تو ضرور ہے۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو اٹھانا قصد و ارادہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ وہ بچی غایت محبت و الفت کی بنا پر جراً سے حضور کا ذات اقدس کے تھی اور غیر حالت نماز میں بھی وہ آپ کے ساتھ رہتی تھیں۔ حالت نماز میں بھی وہ آکر آپ کے ساتھ لپٹ جاتی تھیں۔ رکوع کی حالت میں وہ خود بخود کندھے سے اتر کر زمین پر آجاتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو نیچے نہ اتارتے تھے۔ لہٰذا یہ اٹھانا اور رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہ تھا۔ ان افعال کی نسبت آپ کی طرف کرنا مجازی نسبت ہے اس لیے یہاں اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ اسے فعل کثیر قرار دیا جائے۔ پھر فعل کثیر وہ ہوتا ہے جو مسلسل اور لگاتار کیا جائے۔ یہ فعل اس طرح نہ تھا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعالِ نماز میں طمانیت و سکون بہت ہوتا تھا یا اس کا جواب یہ دیا جائیگا کہ یہ عمل کثیر حرام ہونے سے پہلے تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہو۔ بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کرنا غایت خشوع کی رعایت کی بنا پر تھا کیونکہ اگر آپ اسے اٹھاتے تو وہ گریہ کرتی اور روتی تھی اور اس طرح جو مشغولیت ہو سکتی تھی وہ اسے اٹھانے اور رکھنے سے زیادہ ہوتی تھی۔ پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ نماز فرض تھی یا نفل۔ صحابی کے قول یوم الناس کا ظاہر معنیٰ یہ ہے کہ یہ فرض نماز تھی اور ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ ظہر یا عصر کی نماز تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ نماز نفل کا واقعہ ہے اور کبھی آپ نماز نفل بھی باجماعت ادا کرتے تھے۔ مگر ظاہر قول اول ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۳۲/۸ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَكْظِمْ مَا

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی۱ آئے تو حتی الامکان اسے پی جائے کہ

اسْتَطَاعَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَدْخُلُ ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَایَةِ الْبُخَارِیِّ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُکُمْ فِی الصَّلٰوةِ فَلْیَکْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا یَقُلْ هَا فَاِنَّمَا ذٰلِکُمْ مِنَ الشَّیْطَانِ یَضْحَکُ مِنْهُ ۔

بےشک جماہی کے ذریعے شیطان بندے کے منہ میں داخل ہوتا ہے۔ مسلم شریف اور بخاری کی ایک روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو نماز میں جماہی جائے تو جہاں تک ہوسکے اُسے پی جائے اور زبان سے ہا[۲] کی آواز نہ نکالے کہ ہا کی آواز شیطان کی طرف سے ہوتی ہے کہ وہ اس کے ساتھ ہنستا[۳] ہے۔

[۱] اصل میں لفظ تثاءب ہمزہ کے ساتھ آیا ہے۔ تثاوب یعنی واو کے ساتھ خطا ہے۔ اور اس سے ثؤباء اسم آتا ہے ثا کی پیش ہمزہ کی زبر اور مد کے ساتھ۔ یہ اس سانس کو کہتے ہیں کہ اس سے منہ کھل جاتا ہے۔ اس کا سبب و باعث معدے کا پر ہونا حواس کی کدورت، بدن کا بوجھل اور سست ہونا اور انسان کا سستی اور نیند کی طرف مائل ہونا ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس کی نسبت شیطان کی طرف کی گئی ہے اور کہا ہے التثاءب من الشیطان (جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے) اور اسے روکنے کی صورت یہ ہے کہ منہ اس طرح بند کرے کہ دونوں لب ملائے اور نچلے لب کو دانتوں سے پکڑے یا بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھے۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے فلیکظم فاہ یعنی اپنا منہ بند کرے۔ اس روایت میں لفظ فاہ زیادہ آیا ہے۔

[۲] ہا یہ وہ لفظ ہے کہ جمائی نہ روکنے کی صورت میں آدمی کے منہ سے نکلتا ہے۔ بعض نسخوں میں ہا ہا یعنی مکرر آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ لفظ منہ سے نہ نکالے۔

[۳] شیطان کے ہنسنے سے اس کی خوشنودی اور خوشحالی مراد ہے کہ وہ اس حالت سے بہت خوش ہوتا ہے کیونکہ یہ حالت بندے میں عبادت سے سستی اور کاہلی پیدا کرتی ہے پھر اس حالت میں انسان کی شکل وصورت بھی قبیح اور بری دکھائی دیتی ہے۔

۹۲۳/۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عِفْرِیْتًا مِّنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ الْبَارِحَةَ لِیَقْطَعَ عَلَیَّ صَلٰوتِیْ فَاَمْکَنَنِیَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاَخَذْتُهٗ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَرْبِطَهٗ عَلٰی سَارِیَةٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ حَتّٰی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گزشتہ رات ایک سرکش جن[۱] اچانک نمودار ہوا۔ تاکہ میری نماز برباد کر دے[۲] تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر دسترس عطا کر دی اور میں نے اسے پکڑ لیا اور میں نے چاہا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون کے ساتھ اسے باندھ دوں یہاں تک

تَنْظُرُوْا اِلَیْهِ كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ اَخِیْ سُلَیْمَانَ رَبِّ هَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ فَرَدَدْتُهٗ، خَاسِئًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

کہ تم سب لوگ اسے دیکھو مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آ گئی یعنی رَبِّ ھَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ (یا رب مجھے ایسی حکومت وسلطنت عطا[۳] کر جو میرے بعد کسی اور کے لائق نہ ہو) تو میں نے اسے چھوڑ دیا اور وہ ناکام ونامراد چلا گیا۔

(بخاری ومسلم)

ف۱ یعنی ان خبیث جنآت میں سے ایک جن کہیں سے چھوٹ کر آ گیا جنہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے بند کر دیا تھا۔

ف۲ عفریت عین کی زیر فا کی جزم اور ایک روایت کے مطابق را کی شد کے ساتھ بھی آیا ہے بمعنی قوی سرکش ظالم شیطان۔ عفارہ سے مشتق ہے بمعنی خبث وشیطنت۔ بعض کہتے ہیں کہ عفر وتعفیر سے مشتق ہے۔ بمعنی خاک میں لوٹنا اور دوسرے کو خاک میں لوٹانا۔ یعنی وہ شیطان جو اپنے ساتھی کو خاک پر گرا دیتا ہے۔

ف۳ اس ملک سے جنات وشیاطین کی تسخیر اور ان پر تصرف وتسلط کرنا مراد ہے اور جب کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی۔ اور اس ملک (تسخیر جنآت) کو اپنے لیے مخصوص کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چاہا کہ اس تصرف کا اظہار کریں اور ملک سلیمان میں مداخلت نہ کریں ورنہ فی الحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تصرف وقدرت اور سلطنت کی قوت حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہیں بڑھ کر تھی کہ جن وانس کے ملک وملکوت بلکہ تمام جہان خدا تعالٰے کی تقدیر وتصرف سے صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت وتصرف کے احاطہ میں ہیں[۱]۔

۹۲۴ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَابَهٗ شَیْءٌ فِیْ صَلٰوتِهٖ فَلْیُسَبِّحْ فَاِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَآءِ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ التَّسْبِیْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِیْقُ لِلنِّسَآءِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں کوئی حادثہ پیش آ جائے[۱] اسے چاہیے کہ تسبیح[۲] کہے تالی بجانا تو عورتوں کے لیے ہے۔

اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ تسبیح مردوں کے لیے اور تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔

(بخاری ومسلم)

ف۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مافوق الاسباب قدرت تصرف کے عقیدہ کو کفر وشرک قرار دینے والے (موحدین) حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت کا بغور مطالعہ کریں۔ مترجم غفرلہ۔

۵۱ مثلاً دورانِ نماز کوئی اسے بلائے یا اس سے اندر آنے کی اجازت طلب کرے اور اس اجازت طلب کرنے والے کو پتہ نہ ہو کہ وہ نماز میں ہے۔

۵۲ یعنی نمازی کو چاہیے کہ سبحان اللہ کہے تاکہ اس بلانے والے یا اجازت طلب کرنے والے کو پتہ چل جائے کہ وہ نماز میں ہے۔ یہ نمازی زبان سے سبحان اللہ کہے ہاتھ سے تالی نہ بجائے کہ یہ فعل عورتوں کے لائق ہے۔ مردوں کے عزت و وقار کے لیے مناسب نہیں۔

۵۳ اس تالی اور تصفیق کی شکل یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کی پشت پر مارے۔ ہتھیلی کو ہتھیلی پر کھیل کے طور پر نہ مارے اگر ایسا کرے گی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ کذافی شرح مسلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

۹۳۵ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نُسَلِّمُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَبْلَ اَنْ نَاْتِيَ اَرْضَ الْحَبْشَةِ فَيَرُدُّ عَلَيْنَا فَلَمَّا رَجَعْنَا مِنْ اَرْضِ الْحَبْشَةِ اَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ يُصَلِّيْ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَلَمْ يَرُدَّ عَلَيَّ حَتّٰى اِذَا قَضٰى صَلٰوتَهٗ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ مِنْ اَمْرِهٖ مَا يَشَآءُ وَاِنَّ مِمَّا اَحْدَثَ اَنْ لَّا تَتَكَلَّمُوْا فِي الصَّلٰوةِ فَرَدَّ عَلَيَّ السَّلَامَ وَقَالَ اِنَّمَا الصَّلٰوةُ لِقِرَآءَةِ الْقُرْاٰنِ وَذِكْرِ اللّٰهِ فَاِذَا كُنْتَ فِيْهَا فَلْيَكُنْ ذٰلِكَ شَاْنُكَ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

دوسری فصل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ حبشہ[۱] جانے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے تھے حالانکہ آپ نماز میں ہوتے تھے آپ ہم کو اس کا جواب دیتے تھے پھر جب ہم لوگ سرزمینِ حبشہ سے واپس ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو نماز پڑھتے پایا میں نے آپ کو سلام کیا تو مجھے آپ نے جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ جب اپنی نماز پوری کی تو فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے احکام میں جو چاہتا ہے نیا حکم دیتا ہے اب جو اس نے نیا حکم دیا ہے اس میں یہ ہے کہ نماز میں کلام نہ کرو۔ پھر آپ نے مجھے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ نماز قرآن پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے ہے۔ جب تو نماز میں ہو تو تیرا یہی حال ہونا چاہیے۔

(ابوداؤد شریف)

[۱] یعنی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے۔

۹۲۶/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قُلْتُ لِبِلَالٍ كَيْفَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ حِيْنَ كَانُوْا يُسَلِّمُوْنَ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ كَانَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَفِي رِوَايَةِ النَّسَائِيِّ نَحْوُهٗ وَعِوَضَ بِلَالٍ صُهَيْبٌ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت بلال سے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو کیسے جواب دیتے تھے جب کہ وہ آپ کو نماز میں سلام کرتے تھے فرمایا اپنے ہاتھ سے اشارہ[۱] کرتے تھے۔ (ترمذی)

اور نسائی کی ایک روایت میں بھی اسی طرح ہے اور بجائے بلال کے صہیب[۲] ہے۔

[۱] اس اشارے کا یہ طریقہ تھا کہ ہتھیلی مبارک کو پھیلاتے پھر ہتھیلی کو نیچے کی طرف گھماتے اور پشت کو اوپر کی طرف اٹھاتے یعنی دایاں ہاتھ اٹھاتے تھے۔ جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی کی حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور کبھی صرف انگلی کے اشارہ پر کفایت کرتے۔ جیسا کہ ان تینوں محدثین نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اور صاحب سفر السعادۃ نے کہا ہے کہ کبھی آپ سر مبارک سے اشارہ کرتے تھے مگر ہم نے یہ بات کسی حدیث میں صراحۃً نہیں پائی اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ سلام کا جواب دینا سر اور آنکھ کے اشارہ سے جائز ہے مگر اس بارے میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ واللہ اعلم۔

باقی رہی یہ بات کہ اس طریقہ پر سلام کا جواب دینا نسخ سے پہلے تھا یا نسخ کے بعد اور یہ کہ صرف کلام سے سلام کا جواب دینا منسوخ ہوا (سر اور ہاتھ وغیرہ سے جواب دینا منسوخ نہیں ہوا) ظاہر یہی ہے کہ صرف کلام سے جواب دینا منسوخ ہوا۔

[۲] یعنی نسائی کی روایت میں بلال کی جگہ صہیب واقع ہوا ہے۔ یعنی ترمذی کی روایت میں تو اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا اور نسائی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر نے یہ سوال حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے کیا۔ یہ اختلاف اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ آپ نے دونوں حضرات سے دریافت کیا ہو جیسا کہ فرح الشیخ میں مذکور ہے۔ ترمذی، ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں جو کچھ مذکور ہے یہ ہے کہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا میرا گذر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے ہوا جب کہ آپ نماز ادا فرما رہے تھے میں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے انگلی کے اشارے سے اس کا جواب دیا، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حضرت بلال سے سوال کرنے کا ذکر حضرت بلال کی حدیث میں ہے۔

۹۲۷/۱۳ وَعَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز

عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَ يَرْضٰى فَلَمَّا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ انْصَرَفَ فَقَالَ مَنِ الْمُتَكَلِّمُ فِى الصَّلٰوةِ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّانِيَةَ فَلَمْ يَتَكَلَّمْ اَحَدٌ ثُمَّ قَالَهَا الثَّالِثَةَ فَقَالَ رِفَاعَةُ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَقَدِ ابْتَدَرَهَا بِضْعَةٌ وَّ ثَلٰثُوْنَ مَلَكًا اَيُّهُمْ يَصْعَدُ بِهَا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَآئِىُّ۔

پڑھی۔ مجھے دورانِ نماز چھینک آگئی تو میں نے چھینک کر کہا۔ الحمد للّٰہ حمدًا کثیرًا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضی۔ تمام تعریفیں اللّٰہ کے لیے ہیں بہت تعریفیں اور طیب و پاکیزہ حمدیں برکت والی اور ان پر برکت والی۔ جیسی ہمارا رب چاہیے اور جن سے ہمارا رب راضی اور خوشی ہو جب نبی اکرم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی اور پھرے تو فرمایا نماز میں کلام کرنے والا کون تھا۔ کوئی نہ بولا۔ آپ نے پھر دوبارہ یہی فرمایا مگر کوئی نہ بولا۔ پھر تیسری مرتبہ یہی فرمایا تو حضرت رفاعہ نے عرض کیا یا رسول اللّٰہ میں ہوں اس پر نبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اس میں تیس اور چند فرشتوں نے جلدی کی کہ کون انہیں لے کر چڑھے۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)

[1] رفاعہ را کے کسرہ کے ساتھ۔

[2] مبارکا فیہ یعنی برکت والی حمد و ثنا۔ مبارکا علیہ یعنی حمد و ثنا کرنے والے پر برکت کا نزول ہو۔

[3] یعنی وہ حمد و ثنا اور وہ حمد و ثنا کرنے والا جو خدا تعالٰے کو پسند ہو اور جس سے اللّٰہ تعالٰی راضی ہو۔

[4] حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی ڈانٹ اور زجر کے خوف سے کوئی نہ بولا۔

[5] یعنی جب اس امر کی ضرورت محسوس کی گئی کہ حضور صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا جواب دیا جائے تو حضرت رفاعہ بولے۔

[6] کہ کون ان کلمات کو اٹھا کر بارگاہِ الٰہی کے حضور مقام قبولیت میں لے جائے۔

[7] اس حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ چھینکنے والا اگر دورانِ نماز حمد کے الفاظ زبان سے ادا کرے اگرچہ بلند آواز سے کہے نماز فاسد نہ ہوگی۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللّٰہ علیہ نے کہا کہ نمازی اگر دل میں حمد و ثنا کرے لب نہ ہلائے تو نماز فاسد نہ ہوگی اور اگر لب ہلا کر حمد و ثنا کرے گا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور شیخ موصوف اس حدیث کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حدیث اس وقت سے تعلق رکھتی ہے جب کہ نماز میں ابھی گفتگو کرنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔

واللہ اعلم۔

۹۲۸/۱۴ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّثَاؤُبُ فِي الصَّلٰوةِ مِنَ الشَّيْطَانِ فَاِذَا تَثَاءَبَ اَحَدُكُمْ فَلْيَكْظِمْ[2] مَا اسْتَطَاعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ وَلِابْنِ مَاجَةَ فَلْيَضَعْ يَدَهٗ عَلٰى فِيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں جمائی شیطان[1] کی طرف سے ہے۔ جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو بقدر طاقت اسے روکے[2]۔ ترمذی۔ اور ترمذی کی دوسری روایت میں اور ابن ماجہ میں ہے کہ اپنا ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لے۔

[1] کیونکہ جمائی سستی، نیند، بدن کے بوجھل ہونے اور بے ذوقی کا موجب و سبب ہوتی ہے اور شیطان اس سے خوش ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے۔ چھینک کے پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قوت دماغ، فرح و نشاط کی علامت ہوتی ہے اور جمائی اس کے برعکس ہے۔ تاہم یہ بھی وارد ہوا ہے کہ بڑے زور کی چھینک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے جیسا کہ حد سے بڑھی ہوئی جمائی بھی ابلیس کی طرف سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھینک کے وقت آواز پست رکھتے تھے اور جمائی کے وقت منہ مبارک بند کر لیتے تھے۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب العطاس والتثاؤب میں آ رہی ہے۔

[2] کظم کا معنی ہے ہونٹ بند کر لینا اور لبوں کو دانتوں سے پکڑ لینا بھی آتا ہے جیسا کہ گزرا۔ مگر جب کہ حدیث میں منہ پر ہاتھ رکھنے کا ذکر آگیا ہے تو چاہیے کہ یہی متعین ہو الا یہ کہ اخبار و آثار میں لب بند کرنے کا ذکر بھی آیا ہو۔

۹۲۹/۱۵ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَوَضَّاَ اَحَدُكُمْ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ خَرَجَ عَامِدًا اِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يُشَبِّكَنَّ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ فَاِنَّهٗ فِي الصَّلٰوةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَالدَّارِمِيُّ۔

حضرت کعب بن عجرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص وضو کرے اور اچھے طریقہ[2] سے وضو کرے۔ پھر مسجد جانے کے ارادے سے نکلے تو انگلیوں میں انگلیاں نہ ڈالے کیونکہ وہ نماز میں ہے۔

(احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

[1] عجرہ عین کی پیش اور جیم ساکن سے۔ آپ صحابی ہیں اور اصحاب شجرۃ الرضوان میں سے ہیں۔

[2] یعنی وضو کی شرائط اور اس کے آداب و مستحبات اور پوری توجہ اور حضور سے کرے بزرگ فرماتے ہیں جس قدر وضو میں توجہ، حضور اور اس کے آداب و شرائط کو ملحوظ رکھا جائے گا اسی قدر نماز میں حضور اور خشوع و

خضوع نصیب ہوگا۔

ف۳ تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا فریضہ بجا لائے اور تقرب ومناجات حاصل ہو۔

ف۴ تو ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں نہ ڈالے۔ کیونکہ جب وہ نماز کے ارادے سے مسجد کی جانب چل پڑا تو گویا وہ نماز داخل ہوگیا اور یہ عمل نماز میں منع ہے کیونکہ یہ خشوع وخضوع کے خلاف ہے۔ پھر یہی حکم ہر اس چیز کا ہے جو خشوع وخضوع کے منافی ہو۔ اس حدیث میں اس پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ نماز کو جاتے وقت بھی حضورِ قلب اور خشوع وخضوع اور ادب ووقار سے چلے۔

واضح ہو کہ انگلیوں میں انگلیاں ڈالنے کی ممانعت آئی ہے، علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا شاید اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ یہ ممانعت جھگڑے، فتنے اور ایک دوسرے سے دست وگریبان ہونے کی علامت ہے۔ اس لیے جب ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا تھا تو تشبیک اصابع (انگلیوں میں انگلیاں ڈالی تھیں) کیا تھا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ تشبیک اصابع آپس میں اتفاق واتحاد کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ داروں (بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب) کو خمس مال دینے کے باب میں مذکور ہوا ہے۔ نہی کی ظاہر وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ چیز خشوع وخضوع کی حالت کے خلاف اور نامناسب ہے۔ اسی وجہ سے اس ممانعت کو نماز یا نماز کے لیے جانے کی حالت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تشبیک الاصابع فی المسجد کا باب باندھا ہے پھر اس باب میں دو حدیثیں درج کیں جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے یہ عمل اس وقت ممنوع ہے جب کہ یہ عبث اور فضول طور پر ہو اگر کسی تمثیل یا معنیٰ کا فائدہ پہنچانے کی غرض سے ہو تو جائز ہے جیسا کہ فتنوں کے ذکر میں بیان ہوا۔

۹۳۰/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مُقْبِلًا عَلَی الْعَبْدِ وَهُوَ فِیْ صَلٰوتِهٖ مَالَمْ يَلْتَفِتْ فَاِذَا الْتَفَتَ انْصَرَفَ عَنْهُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ بندے کی طرف متوجہ رہتا ہے[ف۱] جب تک کہ وہ نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھے اور جب ادھر ادھر دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے اعراض کرتا ہے[ف۲]۔

(احمد، ابوداؤد، نسائی)

(دارمی)

ف۱ اور لطف وعنایت اور محبت کی نگاہ سے دیکھتا رہتا ہے جب کہ بندہ نماز میں ہوتا ہے۔

ف۲ اور اس سے اپنی نگاہِ لطف وعنایت پھیر لیتا ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک

حدیث روایت کی اور امام ترمذی نے اسے صحیح بھی قرار دیا کہ بندہ جب نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے عزت وکرامت والے چہرہ سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور جب بندہ نماز میں خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ادھر اُدھر اپنا دھیان منتشر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے تو کسے دیکھتا ہے۔ مجھ سے بہتر کوئی اور ہے کہ مجھے چھوڑ کر تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اپنا رخ میری طرف کر۔ جب بندہ یہ فرمانے پر دوسری بار بھی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ پھر اسی طرح فرماتا ہے۔ تیسری بار پھر اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے اور بندہ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو اللہ تعالیٰ اپنا رخ اس کی طرف سے پھیر لیتا ہے۔ ایک شاعر نے اس مفہوم کو لباسِ مجاز میں اس طرح ادا کیا ہے۔ ؎

آمد سحر آں دلبر خونیں جگراں! گفتا اے تو بر خاطرِ من بارگراں
شرمت بادا کہ من بسویت نگراں باشم تو نہی چشم بسوئے دگراں

ترجمہ۔ خونیں جگر دلبر صبح کے وقت تشریف لایا اور کہا میرا دل تجھ سے بڑے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔
تجھے شرم کرنی چاہیے کہ میں تیری طرف دیکھ رہا ہوں گر تو نے اپنی نگاہ دوسروں کی طرف لگا رکھی ہے۔

۹۳۱/۱۷ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَنَسُ اجْعَلْ بَصَرَكَ حَیْثُ تَسْجُدُ۔ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ سُنَنِ الْکَبِیْرِ مِنْ طَرِیْقِ الْحَسَنِ عَنْ اَنَسٍ یَرْفَعُهٗ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس اپنی نگاہ سجدہ گاہ پر رکھ[1]۔ اس حدیث کو بیہقی نے اپنے سنن کبیر میں بطریق الحسن عن انس مرفوع روایت کیا۔

⁂

[1] اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ پوری نماز کے اندر نگاہ سجدہ گاہ پر جمائے رکھنا مستحب ہے۔ شافعیہ کا عمل یہی ہے جیسا کہ آیہ کریمہ ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ کی تفسیر میں امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام دلالت کرتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مستحب ہے کہ نمازی کی نگاہ حالت قیام میں سجدہ گاہ پر، رکوع میں پاؤں کی پشت پر سجدے میں ناک پر اور التحیات میں اپنی گود کی طرف ہو۔ ان کا یہ بیان اس کے موافق ہے جو علمائے حنفیہ نے کہا ہے حنفیہ اس میں تھوڑا سا اضافہ یہ کرتے ہیں کہ سلام پھیرتے وقت نگاہ کندھوں کی طرف ہو۔ جیسا کہ نہایہ شرح ہدایہ میں مذکور ہے۔ اور بعض علما نے کہا ہے کہ حرم شریف میں نگاہ کعبہ پر رہنی چاہیے۔ اس جگہ راوی کے ذکر میں اصل کتاب کے اندر خالی سفید جگہ ہے اور حاشیہ میں لکھا ہے کہ اسے بیہقی نے اپنے سنن کبیر میں بطریق الحسن عن انس مرفوعاً روایت کیا۔

۹۳۲/۱۸ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا بُنَیَّ اِیَّاكَ وَ الْاِلْتِفَاتَ فِی الصَّلٰوةِ فَاِنَّ

انہیں سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا اے میرے[2] بچے نماز میں ادھر ادھر رخ کرنے سے بچ کیونکہ نماز میں ایسا کرنا

الِالْتِفَاتَ فِي الصَّلٰوةِ هَلَكَةٌ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَفِي التَّطَوُّعِ لَا فِي الْفَرِيْضَةِ ـ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

ہلاکت[2] ہے۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو تو نفل نماز میں کرو[3] نہ کہ فرض نماز میں۔ (ترمذی)

[1] اس طرح کے خطاب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ پر اپنی خاص مہربانی کا اظہار فرمایا۔ کیونکہ ایک تو آپ اس وقت بچے تھے۔ دوسرے وہ پورے صدق واخلاص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آپ کی محبت سے سرشار تھے۔ آپ (حضرت انس) آٹھ سال کے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اس وقت حاضر ہو گئے۔

[2] کہ نماز میں ادھر ادھر التفات کرنا بندے کے لیے آخرت میں ہلاکت ونقصان کا باعث ہے۔ کیونکہ یہ شیطان کی فرمانبرداری اور درگاہ حضرت رحمان جل مجدہٗ سے روگردانی ہے۔ ہَلَکَۃ ھا اور لام کی زبر کے ساتھ بمعنی نیست و نابود ہو جانا۔

[3] یعنی اگر ادھر ادھر التفات کرنے سے کوئی چارہ نہ ہو اور تو اپنی نماز کو کامل درجہ پر ادا کرنے کی خواہش نہ ہو تو پھر نفل نماز میں ایسا کرے کہ اس کا معاملہ فرض نماز سے آسان ہے کہ فرض نماز کا اہتمام اور اسے کامل وتمام کرنا ضروری ہے۔ مگر حقیقت میں نوافل میں نقصان فرض ہی کا نقصان ہے کیونکہ نوافل فرائض ہی کی تکمیل کے لیے ہیں۔

٩٣٣/١٩ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْحَظُ فِي الصَّلٰوةِ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا وَّلَا يَلْوِيْ عُنُقَهٗ خَلْفَ ظَهْرِهٖ ـ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں کن آنکھوں[1] سے دیکھتے تھے اور اپنی گردن پیٹھ کے پیچھے نہ موڑتے[2] تھے۔ (ترمذی ونسائی[3])

[1] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کی غرض سے نماز میں گوشۂ چشم سے دائیں بائیں دیکھ لیتے تھے اور اس طرح دیکھنے سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ یا بعض مقتدیوں کے حالات پر نگاہ ڈالنے کے لیے آپ ایسا کرتے تھے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ ایسا آپ شاید نماز نفل میں کرتے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں گذرا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ شارع علیہ السلام اگر تعلیم جواز کی غرض سے فعل مکروہ بھی کرے تو وہ مکروہ نہ ہوگا۔

[2] مگر دائیں بائیں سر پھیرنے سے قدرے رخ پیٹھ کی طرف پھر جاتا ہے (اس میں غور کرو) اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مکروہ گردن کا موڑنا ہے گوشۂ چشم سے دیکھنا مکروہ نہیں ہے۔

ے۳ گذشتہ بیان میں مذکور ہو چکا ہے کہ اس حدیث کا اسناد صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۳۴/۲۰ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ ثَابِتٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ رَفَعَهٗ قَالَ الْعُطَاسُ وَالنُّعَاسُ وَالتَّثَاءُبُ فِي الصَّلٰوةِ وَالْحَيْضُ وَالْقَيْءُ وَالرُّعَافُ مِنَ الشَّيْطَانِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

عدیؓ[1] بن ثابت اپنے باپ اور اپنے دادا سے مرفوعاً[2] روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نماز میں چھینک[3]، اونگھ، جمائی، حیض، قے اور نکسیر[5] شیطان سے[6] ہے۔

(ترمذی)

ے۱ عدی بن ثابت تابعی انصاری کوفی ہے۔ ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں ذکر کیا۔ ابو حاتم نے کہا صدوق ہے اور بعض نے کہا کہ سخت قسم کا شیعہ ہے۔ بعض نے کہا غالی رافضی ہے لیکن ثقہ ہے۔ یہ شخص شیعہ مسجد کا امام اور ان کا عالم و قاضی تھا۔ سنہ ۱۱۶ھ میں فوت ہوا۔ اس کے دادے کا نام دینار ہے۔

ے۲ یعنی عدی بن ثابت اپنے باپ اور اپنے دادا سے روایت کرتا ہے۔ اس کے دادا نے اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے (حدیث کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک لے گیا ہے)

ے۳ عطاس۔ عین کی پیش طا کی تخفیف کے ساتھ بمعنی چھینک۔

ے۴ نعاس۔ نون کی پیش، عین کی تخفیف (جزم) کے ساتھ بمعنی نیند آ جانا۔ یا نیند کے باعث طبیعت کا بوجھل ہو جانا یا اول نیند۔

ے۵ رُعاف۔ را کی پیش سے۔ بمعنی ناک سے خون بہنا۔ یہ سب عوارض اگر نماز میں لاحق ہوں تو شیطان کی طرف سے ہیں۔ اور اسے راضی اور خوش کرنے کا باعث ہیں۔ کیونکہ ان سے نماز میں نقصان لاحق ہوتا ہے۔ اور چھینک اگرچہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے مگر جب زور اور شدت سے آئے تو بعض اوقات قرات میں رکاوٹ کا موجب بن جاتی ہے اور حضرت حق تعالےٰ کے لیے حضور قلب اور اس کی جناب میں مناجات کے لیے استغراق کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے اور نیند اور جمائی تو ظاہر ہے کہ رکاوٹ کا موجب ہیں۔ مگر حیض اور قے اور نکسیر جب نماز میں لاحق ہوں تو شیطان کی طرف منسوب ہوں گی اور ان تین امور کے نماز میں لاحق ہونے کی تخصیص اور پہلی تین چیزوں کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلی تین چیزیں تو نماز کو باطل نہیں کرتیں مگر ان آخری تین چیزوں کے نماز میں لاحق ہونے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے پھر اگرچہ یہ سب عوارض (امور طبعیہ) بے اختیار انسان پر وارد ہوتے ہیں اور انسان انہیں اپنے سے دور رکھنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ مگر ان کے لاحق ہونے سے چونکہ نماز میں خلل پڑتا اور وہ شیطان کی خوشی اور رضا کا موجب ہے اس لیے ان کی نسبت شیطان کی طرف کر دی۔

۹۳۵/۲۱ وَعَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّيْ وَلِجَوْفِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الْمِرْجَلِ[2] يَعْنِيْ يَبْكِيْ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ وَفِيْ صَدْرِهٖ اَزِيْزٌ كَاَزِيْزِ الرَّحٰى مِنَ الْبُكَآءِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوَى النَّسَآئِيُّ الرِّوَايَةَ الْاُوْلٰى وَاَبُوْدَاوٗدَ الثَّانِيَةَ

حضرت مُطرف[1] بن عبداللہ بن الشخیر سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے شکم مبارک میں ہانڈی کی کھولن[2] تھی یعنی آپ رو رہے تھے اور ایک روایت میں ہے فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اس وقت آپ کے سینہ انور میں رونے سے چکی سی گڑگڑاہٹ تھی۔ احمد اور نسائی نے پہلی روایت اور ابو داؤد نے دوسری روایت کی[3]

[1] مُطَرِّف میم کی پیش طا کی زبر اور شد پھر را اور آخر میں فا۔ شِخِّیر شین کی زیر خا کی زیر اور شد اور آخر میں یا اور را۔ یہ مطرف تابعین سے ہیں اور ان کے والد حضرت عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

[2] مرجل پتھر یا تانبے کی دیگ۔ ازیز ہمزہ کی زبر زائے اُولیٰ کی زیر اور یا ساکن۔ وہ آواز جو ہانڈی اور دیگ کے جوش مارنے کے وقت اس سے بلند ہوتی ہے۔ مِرْجَل۔ میم کی زیر را ساکن اور جیم کے زبر سے یعنی پتھر یا لوہے یا تانبے کی دیگ کتاب مشارق میں کہا مرجل دیگ کو کہتے ہیں بعض کے نزدیک تانبے کی دیگ۔ اس عبارت سے راوی کی مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں سخت گریہ طاری تھا۔

[3] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں گریہ سے نماز باطل نہیں ہوتی۔ ہدایہ میں کہا کوئی شخص اگر بہشت یا دوزخ کی یاد سے نماز میں روئے یا آہ کرے اور اس کی آواز بلند ہو جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اگر یہ رونا اور گریہ کرنا کسی درد یا مصیبت کی بنا پر ہو تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

۹۳۶/۲۲ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَا يَمْسَحِ الْحَصٰى فَاِنَّ الرَّحْمَةَ تُوَاجِهُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو کنکروں کو[1] نہ چھوئے۔ کیونکہ رحمت اس کے سامنے ہوتی ہے[2]۔

احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی
ابن ماجہ

۱؎ یعنی نماز کے دوران کنکریاں ہموار نہ کرے۔ اور ایک روایت ہے فلا یُسَوِّی الحَصٰی۔ یعنی کنکریاں برابر نہ کرے۔

۲؎ اور اس کی طرف متوجہ ہوتی اور اس کا استقبال کرتی اور اس پر نازل ہوتی ہے تو اس مقام میں سوءِ ادب کا مرتکب ہونا اور کنکریوں سے کھیلنا بڑا نامناسب ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے انوارِ فضل و رحمت سے محروم نہ ہو۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے خدا تعالےٰ کی رحمت اُس چیز نازل ہوتی اور پڑتی ہے جو نمازی کے سامنے ہوتی ہے۔ یعنی زمین اور کنکریوں پر۔ تو چاہیے کہ ان کنکریوں پر ہی سجدہ کرے۔ ان میں تبدیلی نہ کرے۔

٩٣٧/٢٣ وَ عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ رَاٰی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ غُلَامًا لَّنَا یُقَالُ لَہٗ اَفْلَحُ اِذَا سَجَدَ نَفَخَ فَقَالَ یَا اَفْلَحُ تَرِّبْ وَجْھَکَ

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ایک لڑکے کو جسے افلح کہا جاتا تھا۱؎، دیکھا کہ جب وہ سجدہ کرتا تو پھونک مارتا۲؎۔ حضور نے اسے فرمایا اے افلح اپنا چہرہ خاک آلودہ کرے۳؎۔ (ترمذی)

۱؎ یعنی جس کا نام افلح تھا۔ اور ایک روایت میں رباح آیا ہے۔

۲؎ یعنی زمین کو پھونک سے صاف کرتا تھا تاکہ اس کا چہرہ گرد آلود نہ ہو۔

۳؎ یعنی پھونک سے جگہ صاف نہ کر بلکہ ایسے ہی سجدہ کر کہ اس صورت میں عاجزی اور تذلل زیادہ ہے۔

٩٣٨/٢٤ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْاِخْتِصَارُ فِی الصَّلٰوۃِ رَاحَۃُ اَھْلِ النَّارِ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنا اہل دوزخ کا آرام۱؎ ہے۔ (شرح سنۃ)

۱؎ دوزخ میں تو آرام و آسائش کا نام تک نہیں۔ مگر اہل دوزخ اس وہم میں ایسا کریں گے کہ شاید اسی طرح انہیں آرام حاصل ہو۔ حالانکہ وہاں آرام کہاں۔ اس حدیث میں کلام فصل اول میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

٩٣٩/٢٥ وَ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اُقْتُلُوا الْاَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلٰوۃِ الْحَیَّۃَ وَ الْعَقْرَبَ۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَ لِلنَّسَآئِیِّ مَعْنَاہُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز کے اندر دو سیاہ چیزوں کو قتل کرو۔ سانپ اور بچھو کو

❁

احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اس حدیث کا معنیٰ روایت کیا۔

[1] یعنی اس معنی کو دوسرے الفاظ میں روایت کیا۔

۹۴۰/۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ تَطَوُّعًا وَالْبَابُ عَلَيْهِ مُغْلَقٌ فَجِئْتُ فَاسْتَفْتَحْتُ فَمَشٰى فَفَتَحَ لِيْ ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى مُصَلَّاهُ وَذَكَرَتْ أَنَّ الْبَابَ كَانَ فِي الْقِبْلَةِ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز پڑھ رہے تھے اور دروازہ آپ پر[1] بند تھا میں آئی، دروازہ کھلوایا آپ چلے اور میرے لیے دروازہ کھولا[2]۔ پھر اپنے مصلی کی طرف لوٹ گئے آپ نے ذکر کیا کہ دروازہ قبلہ کی جانب تھا[3]۔ احمد، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] یعنی دروازہ بند کر کے نماز ادا فرما رہے تھے۔

[2] یعنی چونکہ آپ نماز میں کھڑے تھے۔ چند قدم اٹھا کر آگے بڑھے اور دروازہ کھول دیا۔

[3] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ کی طرف آنے اور اسے کھولنے میں جانب قبلہ سے رخ مڑ جانا لازم نہ آیا۔ اسی طرح واپس مصلا پر تشریف لے جاتے وقت بھی آپ کا رخ مبارک قبلہ کی جانب ہی رہا۔ کیونکہ دروازہ جانب قبلہ واقع تھا۔ شارحین حدیث نے یہ بھی کہا ہے کہ مکان تنگ تھا ایک دو قدم سے زیادہ چلنے کی گنجائش نہ تھی۔

۹۴۱/۲۷ وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَسَا أَحَدُكُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلْيَنْصَرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِ الصَّلٰوةَ۔

رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ مَعَ زِيَادَةٍ وَنُقْصَانٍ۔

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا[1] خارج ہو جائے تو چاہیے کہ واپس پھرے وضو کرے[2] اور اپنی نماز لوٹائے۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کچھ زیادتی اور کمی کے ساتھ روایت کیا۔

[1] یعنی آواز کے بغیر۔

[2] ایک روایت میں ولیتوضؤ واؤ کے ساتھ آیا ہے۔

[3] نماز کے لوٹانے کا حکم افضلیت و اولویت کی بنا پر ہے اور اگر فقہ میں مذکور شرائط کے مطابق جہاں چھوڑی تھی وہیں سے شروع کرے تو بھی درست ہے۔

۹۴۲/۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بیشک وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب

اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوتِہٖ فَلْیَاْخُذْ بِاَنْفِہٖ ثُمَّ لِیَنْصَرِفْ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

تم میں کوئی نماز میں بے وضو ہو جائے تو چاہیے کہ اپنی ناک پکڑ لے[1] اور واپس لوٹے۔

(ابو داؤد)

[1] تاکہ لوگوں کو یہ وہم گزرے کہ شاید نکسیر پھوٹ پڑی ہے یا ناک سے خون بہنا شروع ہو گیا ہے اور نماز میں وضو ٹوٹنے سے پردۂ حیا قائم رہے۔ کیونکہ لوگ اس امر کے عادی ہیں کہ ایسے فعل کو نقص و عیب جانتے اور پس پشت اس کی غیبت کرتے ہیں اور شرم کے مارے اور اس وجہ سے کہ لوگ مجھے عیب لگائیں گے اور بے آبروئی کریں گے، بے وضو ہی نماز نہ پڑھتا رہے۔ اسی وجہ سے علما نے کہا ہے کہ انسان اگر نفس الامر میں سچا ہو مگر ظاہراً کوئی اعتراض والی بات کرے تو یہ ٹھیک نہیں۔ بلکہ چاہیے کہ اپنا ستر اور عیب پوشی کرے تاکہ لوگ اس کی بے آبروئی نہ کریں اور جو عیب اس میں نہیں وہ اس کی طرف منسوب نہ کریں، یہ چیز جھوٹ میں داخل نہیں ہے بلکہ لوگوں کو غلط وہم سے بچانے کا ایک طریقہ ہے۔ اور یہ چیز ریا بھی نہیں بلکہ تحمل اور پردہ پوشی کی ایک شکل ہے اور ایسا کرنے کی شرعاً اجازت ہے۔ کما قال العلماء۔

حکایت۔ امیر المومنین سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت کا واقعہ ہے کہ آپ جماعت کرا رہے تھے کہ دورانِ نماز ایک شخص کا وضو ٹوٹ گیا مگر وہ شرم کے مارے وضو کے لیے نہ گیا۔ اور بے وضو ہی نماز پڑھنی چاہی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا آؤ ہم سب وضو کریں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں اور وضو پر وضو کرنا نور علی نور ہے آپ نے ایسا اس لیے کہا کہ وہ شخص لوگوں کے عیب لگانے سے بچے اور بے وضو نماز پڑھنے کی گمراہی میں نہ پڑے۔

۹۴۳/۲۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْدَثَ اَحَدُکُمْ وَ قَدْ جَلَسَ فِیْ اٰخِرِ صَلٰوتِہٖ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ فَقَدْ جَازَتْ صَلٰوتُہٗ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ اِسْنَادُہٗ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَ قَدِ اضْطَرَبُوْا فِیْ اِسْنَادِہٖ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کا وضو ٹوٹ جائے اور وہ نماز کے آخری قعدہ میں بیٹھ چکا ہو[1] اور ابھی سلام نہ پھیرا ہو تو اس کی نماز درست ہو گئی[2]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا اس حدیث کا اسناد قوی نہیں۔ اور اس حدیث کے راویوں میں اضطراب[3] ہے۔

[1] یعنی تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہو۔

[2] اور اس کی نماز پوری ہو گئی یہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ہے کہ ان کے نزدیک الفاظ سلام سے نماز سے باہر آنا فرض نہیں اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک فرض ہے۔ مگر خروج بالصنعۃ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی فرض ہے۔ لہٰذا یہاں وضو ٹوٹنے کو قصداً توڑنے پر حمل کیا جائے گا۔ تاکہ فعل قصدی کا وجود حاصل

ہو جائے۔ پس اس حدیث کا ظاہر امامین (امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ) کے مذہب کی تائید کرتا ہے جن کے نزدیک فعل مصلی کے ساتھ نماز سے باہر آنا فرض نہیں۔

۳ اور مقدمہ کتاب میں مذکور ہو چکا ہے کہ حدیث مضطرب کسے کہتے ہیں یعنی وہ حدیث جسے مختلف طریقوں سے روایت کیا گیا ہو۔ اور یہ اس کے ضعف کی علامت ہوتی ہے کیونکہ اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے راوی اسے منضبط نہیں کر سکے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

٩٤٤ ٣٠ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَلَمَّا كَبَّرَ انْصَرَفَ وَ اَوْمَا اِلَيْهِمْ اَنْ كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَآءَ وَ رَاْسُهٗ يَقْطُرُ فَصَلّٰى بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ اِنِّىْ كُنْتُ جُنُبًا فَنَسِيْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوٰى مَالِكٌ عَنْ عَطَآءِ بْنِ يَسَارٍ مُرْسَلًا

تیسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لائے جب تکبیر کہی تو واپس لوٹے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ تم ایسے ہی رہو۔ پھر تشریف لے گئے تو غسل کیا پھر تشریف لائے حالانکہ سر مبارک سے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر انہیں نماز پڑھائی۔ جب نماز پڑھ لی تو فرمایا کہ ہم جنبی تھے، غسل کرنا بھول گئے۔[لہ]

(احمد) اور مالک نے عطاؒ بن یسار سے مرسلا روایت کیا۔

لہ اس حدیث سے شافعیہ رحمہم اللہ تعالٰے نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ ظاہر ہونے سے کہ امام کی نماز باطل ہو گئی ہے مقتدیوں کی نماز باطل نہیں ہوتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داخل ہو چکے تھے اور مقتدی بھی نماز شروع کر چکے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنبی ہونا ظاہر ہوا اور آپ کی نماز بھی باطل ہو گئی۔ مگر مقتدی اس پہلے تحریمہ پر ہی کھڑے رہے اور ان کی نماز باطل ہونے اور تکبیر تحریمہ کے لوٹانے کا حکم نہ دیا۔

اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالٰے کا مذہب یہ ہے کہ امام کی نماز کا بطلان مقتدیوں کی نماز کو بھی باطل کر دیتا ہے۔ کیونکہ امام قوم کی نماز کا ضامن ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے الامام ضامن کہ امام مقتدیوں کی نماز کا ضامن ہے۔ حضرات حنفیہ اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مقتدی بھی تکبیر تحریمہ کہہ چکے تھے اور نماز میں داخل ہو چکے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکبیر تحریمہ کے متصل بعد قوم کے تکبیر کہنے سے پہلے ہی اپنے جنبی ہونے کا احساس ہو گیا ہو۔ اور صحیح مسلم میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی مصلائے نماز پر کھڑے ہی ہوئے تھے اور تکبیر تحریمہ نہیں کہی تھی کہ واپس لوٹے اور غسل کیا

لہٰذا اگر کتاب مشکوٰۃ کی اس حدیث اور مسلم کی حدیث کا ایک ہی واقعہ ہے تو اس پر محمول کرنا چاہیے کہ آپ تکبیر تحریمہ کہنے اور نماز میں داخل ہونے ہی والے تھے کہ غسل کرنے کا خیال آ گیا۔ اور اگر یہ دو الگ الگ واقعات ہوں تو پھر جواب وہ ہے جو مذکور ہوا یعنی کہ مقتدیوں کی تکبیر کہنے سے پہلے ہی آپ غسل کے لیے لوٹ گئے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے امام محمد کی کتاب الآثار سے یہ بات نقل کی ہے کہ امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کے بارے میں جو جنبی حالت میں یا بے وضو امامت کرے فرمایا کہ وہ اپنی نماز دوبارہ پڑھے اور مقتدی بھی۔ شیخ ابن الہمام یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود جنبی حالت میں یا بے وضو امامت کی پھر وہ نماز دوبارہ پڑھی اور مقتدیوں کو بھی دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

۵۲ حضرت عطا تابعی ہیں۔

۵۳ ارسال کا معنی مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۴۵/۳۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنْتُ اُصَلِّي الظُّهْرَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاٰخُذُ قَبْضَةً مِّنَ الْحَصٰى لِتَبْرُدَ فِيْ كَفِّيْ اَضَعُهَا لِجَبْهَتِيْ اَسْجُدُ عَلَيْهَا لِشِدَّةِ الْحَرِّ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَى النَّسَائِيُّ نَحْوَهٗ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر پڑھتا تھا۔ اور میں دوران نماز اپنے ہاتھ میں کنکریوں کی ایک مٹھی لیتا تاکہ وہ ٹھنڈی ہو جائیں پھر اس پر اپنی پیشانی رکھ کر سجدہ کرتا تھا[1] شدت تپش کی وجہ سے۔ ابو داؤد اور نسائی نے اس کی مثل روایت کیا۔

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے نماز میں اتنا سا فعل کر لینا معاف ہے اور یہ فعل کثیر بھی نہیں ہے کہ آپ صرف ایک بار مٹھی میں کنکریاں لیتے تھے۔

۹۴۶/۳۲ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فَسَمِعْنَاهُ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَّبَسَطَ يَدَهٗ كَاَنَّهٗ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلٰوةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُوْلُ فِي الصَّلٰوةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُوْلُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ وَرَاَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ قَالَ اِنَّ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو ہم نے سنا کہ آپ کہہ رہے ہیں اعوذ باللہ منک میں تجھ سے اللہ کے پاس پناہ لیتا ہوں۔ پھر آپ نے فرمایا میں تجھ پر لعنت کرتا ہوں اللہ کی لعنت تین بار فرمایا اور آپ نے اپنا دست مبارک بڑھایا گویا آپ کوئی چیز پکڑنا چاہتے ہیں۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو نماز میں وہ کہتے سنا ہے جو ہم نے پہلے کبھی آپ کو کہتے نہیں سنا اور ہم

عَدُوَّ اللّٰهِ اِبْلِيْسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِّنْ نَّارٍ لِيَجْعَلَهٗ فِيْ وَجْهِيْ فَقُلْتُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ فَلَمْ يَسْتَاْخِرْ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرَدْتُّ اَنْ اٰخُذَهٗ وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ اَخِيْنَا سُلَيْمَانَ لَاَصْبَحَ مُوْثَقًا يَلْعَبُ بِهٖ وِلْدَانُ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نے آپکو دیکھا کہ آپ نے دست مبارک کو پھیلایا ہے آپ نے فرمایا اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک انگارا لہ لے کر آیا۔ تا کہ اسے میرے منہ میں ڈالے تو میں نے تین بار اعوذ باللہ منک کہا۔ پھر میں نے کہا میں تجھ پہ اللہ کی لعنت کرتا ہوں مکمل اور پوری لعنت۔ یہ الفاظ بھی تین بار کہے۔ مگر وہ پیچھے نہ ہٹا۔ اور دور نہ ہوا۔ پھر میں نے اُسے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ اللہ کی قسم اگر ہمارے بھائی سلیمان کی دعا نہ لہ ہوتی تو لوگ اسے جکڑا ہوا دیکھتے کہ اہل مدینہ کے بچے اس سے کھیل رہے ہوتے۔

(مسلم)

لہ مراح میں ہے کہ شہاب آگ کے انگارے کو کہتے ہیں۔

لہ جو آپ نے جنات کو مسخر کرنے اور ان پر اپنا تصرف کرنے کے لیے مانگی تھی۔ اس کی شرح حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کی حدیث میں فصل اول کے آخر میں گزر چکی ہے مگر اس حدیث میں عفریت من الجن کا لفظ آیا ہے اور اس حدیث میں ابلیس کا نام آیا ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا جنات پر تصرف اور انہیں مسخر کرنے کے لیے تھی۔ ابلیس کو مسخر کرنے کے لیے نہ تھی۔ اس کا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ جب ابلیس جن کی صورت میں متشکل ہو کر ظاہر ہوتا تو اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کا تصرف اس پر بھی ہوتا تھا جس طرح کہ دوسرے جنات پر۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں حضرت آدم علیہ السلام والا شیطان مراد نہ ہو بلکہ کوئی اور سرکش جن مراد ہو۔ اور ابلیس سے اس کے لغوی معنی مراد ہوں۔ یعنی ابلیس ابلاس بمعنی رحمت الٰہی سے ناامید ہونا مراد ہو۔

۹۴۷/۳۳ وَعَنْ نَّافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ مَرَّ عَلٰى رَجُلٍ وَّهُوَ يُصَلِّيْ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فَرَدَّ الرَّجُلُ كَلَامًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقَالَ لَهٗ اِذَا سُلِّمَ عَلٰى اَحَدِكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلَا يَتَكَلَّمْ وَلْيُشِرْ بِيَدِهٖ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ بیشک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اسے السلام علیکم کہا اس نے کلام (وعلیکم السلام) سے جواب دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اسکے پاس لوٹ کر آئے اور اس سے فرمایا جب تم میں سے کسی کو کوئی سلام کہے اور وہ نماز میں ہو تو کلام سے جواب نہ دے بلکہ ہاتھ کے اشارے سے کرلے لہ

(مالک)

لہ جیسا کہ گزشتہ مذکور ہوا۔

بَابُ السَّهْوِ

بھولنے کا باب

بعض نسخوں میں باب سجود السہو آیا ہے۔ سہو کا معنی ہے آدمی جس کام میں مصروف ہو اسے بھولنا اس سے غافل اور بے خبر ہو جانا اور دل کا کسی اور طرف متوجہ ہونا۔ واضح ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان اقوال میں سہو و نسیان کا طاری ہونا جائز نہیں جو شرعی احکام کے اخبار و ابلاغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آپ کے افعال میں سہو جانے میں اختلاف ہے۔ اہل حق کے نزدیک مختار یہ ہے کہ ان میں سہو لاحق ہونا جائز ہے۔ کیونکہ صحیح احادیث اس میں وارد ہیں۔ لہذا ناچار اس کا قائل ہونا پڑتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی خلل و عیب بھی نہیں۔ بلکہ آپ کا سہو حکمت کو متضمن ہوتا ہے۔ حقیقت میں آپ کا سہو امت پر اکمال نعمت اور ان کے لیے دین کی تکمیل کا موجب ہے تاکہ امت آپ کی اقتدا و اتباع کے شرف سے مشرف ہو۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا اِنَّمَا اُنَسّٰی لِاَسُنَّ۔ یعنی میں اس لیے بھولتا ہوں تاکہ وہ فعل بھی میری سنت قرار پائے اور اگرچہ آپ کی سنت آپ کے قول و امر سے بھی موجود ہو جاتی ہے۔ مثلاً آپ یوں فرما دیں جو شخص نماز میں بھول جائے اس پر سجدہ سہو واجب ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سہو کا واقع ہونا اور فعل سجدہ کا شروع ہونا آپ کے شرف اقتداء کے حصول کو مستلزم و متضمن ہے (خوب سمجھ لو) پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں بھی سہو و نسیان لاحق ہوا وہ کسی مقام خاص میں اشتغال و استغراق کی بنا پر ہوا ہے کہ عقولِ انسانی کے ہاتھ اس مقام کے دامن ادراک کو چھونے سے قاصر و کوتاہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۹۴۸/۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا قَامَ یُصَلِّیْ جَاءَهُ الشَّیْطَانُ فَلَبَسَ حَتّٰی لَا یَدْرِیْ کَمْ صَلّٰی فَاِذَا وَجَدَ ذٰلِكَ اَحَدُکُمْ فَلْیَسْجُدْ سَجْدَتَیْنِ وَهُوَ جَالِسٌ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیشک تم میں سے ایک آدمی جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اس کے پاس شیطان آتا ہے اور اسے شک و شبہ میں ڈالتا ہے یہاں تک کہ وہ نمازی نہیں جانتا کہ اس نے کتنی رکعت پڑھی ہیں جب تم میں کوئی یہ حالت و کیفیت پائے تو چاہیے کہ بیٹھے ہوئے دو سجدے کرے[۲]۔ (بخاری و مسلم)

؎۱ اس کا مصدر لبس ہے۔ لام کی پیش، اور با ساکن سے۔ جس کا معنیٰ ہے کسی پر اس کا کام پوشیدہ کر دینا اور تاریکی کو روشنی سے ملا دینا۔ لبّسَ تشدید اور بغیر شد دونوں طرح مروی ہے بلکہ شدّ مبالغہ اور تکثیر کا فائدہ دیتی ہے۔

؎۲ واضح ہو کہ اس حدیث میں شک کی صورت بیان کی گئی ہے اور شک و سہو میں فرق یہ ہے کہ سہو میں ایک جانب کا یقین ہوتا ہے اور شک میں تردد ہوتا ہے کہ اس طرح ہوا ہے یا اس طرح علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی شک میں نہیں پڑے کیونکہ شک ابلیس کے شبہ ڈالنے سے ہوتا ہے۔ ہاں آپ غلبہ استغراق اور دوسرے عالم کی طرف متوجہ ہونے کے باعث سہو و نسیان میں پڑ جاتے تھے اور شک کا بھی وہی حکم ہے جو سہو کا حکم ہے کہ اس میں بھی دو سجدے کرنے پڑتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۹۴۹/۲ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلٰوتِهٖ فَلَمْ يَدْرِ كَمْ صَلّٰى ثَلٰثًا أَوْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلٰى مَا اسْتَيْقَنَ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ فَإِنْ كَانَ صَلّٰى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهٗ صَلٰوتَهٗ وَإِنْ كَانَ صَلّٰى تَمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتَا تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا وَفِي رِوَايَتِهٖ شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ۔

حضرت عطاء؎۱ ابن یسار سے روایت ہے وہ حضرت ابوسعید سے راوی فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اپنی نماز میں شک لاحق ہو جائے کہ نہ جانے کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ تین یا چار تو شک کو دفع کرے؎۲ اور یقین پر بنا کرے؎۳ پھر سلام سے پہلے؎۴ دو سجدے کرے؎۵ پھر اگر پانچ پڑھ لی ہوں گی؎۶ تو اس کی نماز کو شفعہ کر دیں؎۷ گے اور اگر چار رکعت پوری کرنے کو پڑھی؎۸ تو یہ سجدے شیطان کی ناک گرد آلود کر دیں گے؎۹

مسلم شریف اور مالک نے عطا سے ارسالاً؎۱۰ روایت کی۔ ان کی روایت میں یوں ہے کہ ان دو سجدوں سے نماز کو شفعہ کرے گا؎۱۱

؎۱ آپ تابعی ثقہ اور مشہور شخصیت ہیں۔ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام اور اکابر علمائے مدینہ میں سے ہیں۔

؎۲ یعنی اس رکعت کو شمار نہ کرے جس میں اسے شک لاحق ہوا ہے۔

؎۳ یعنی شک کی صورت میں کم تعداد پر بنا کرے یعنی تین اور چار رکعت میں شک ہو تو تین پر بنا کرے۔

؎۴ جیسا کہ سجدہ سہو کا دستور و طریقہ ہے۔

؎۵ بخاری کی روایت میں یہ قید نہیں ہے۔ یہیں سے آئمہ میں یہ اختلاف واقع ہوا ہے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے

کرے یا سلام کے بعد جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں تفصیل سے ہم یہ مسئلہ بیان کریں گے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فَاِنْ کَانَ صَلّٰی اِلٰی آخرہ سے دو سجدوں کا فائدہ بیان فرمایا۔

۵۶ یعنی اگر شک تین اور چار رکعت میں ہوا اور بنا تین پر کی اور واقع میں چار رکعت تھیں جب اس نے ایک رکعت اور پڑھی تو واقع میں پانچ رکعت ہو گئیں۔ تو یہ دو سجدے ان پانچ کو چھ رکعت کر دیں گے کہ یہ دو سجدے نمازی کے لیے ایک پوری رکعت کا درجہ رکھتے ہیں۔

۵۷ اور اگر تین پر بنا کر کے چار پوری کرنے کے لیے ایک رکعت اور پڑھی تاکہ چار پوری ہو جائیں اور واقع میں اس نے تین ہی پڑھی تھیں تو اس طرح چار رکعت پوری ہو گئیں تو یہ دو سجدے شیطان کو ذلیل کرنے اور اس کی ناک خاک آلودہ کرنے کے لیے ہوں گے۔ یعنی اگرچہ اس صورت میں سہو کے دو سجدوں کی ضرورت نہ تھی۔ جیسا کہ صورت اول میں پانچ کو چھ رکعت بنانے کی ضرورت تھی۔ مگر اس صورت میں بھی یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ شیطان ذلیل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس نے چاہا تھا کہ نمازی کو شک میں ڈالے اور اس کی عبادت خراب کرے۔ لیکن جب نمازی نے اور سجدے کیے اور عبادت میں اضافہ کیا تو یہ چیز شیطان کی ذلت کا باعث ہو گئی۔

۵۸ اس حدیث کو مسلم نے عن عطا بن یسار عن ابی سعید خدری روایت کیا اور امام مالک نے عطا بن یسار سے بطریق ارسال روایت کیا۔ اور حضرت ابو سعید خدری کا ذکر نہ کیا۔ مقدمۂ کتاب میں ارسال کا معنیٰ بیان ہو گیا ہے۔

۵۹ یعنی مالک کی ایک روایت میں بجائے شَفَعْنَ لَہٗ صَلٰوتَہٗ) کہ جیسا کہ مسلم میں مذکور ہوا ہے اس طرح واقع ہوا ہے شَفَعَهَا بِهَاتَيْنِ السَّجْدَتَيْنِ یعنی ان پانچ رکعت کو ان دو سجدوں کے ساتھ شفع بنا لے۔ جیسا کہ اس کی وجہ گذشتہ بیان میں مذکور ہوئی۔

واضح ہو کہ اس حدیث کا ظاہر اس میں ہے کہ شک کی صورت میں اقل پر بنا کرے۔ کہ اس کا یقین ہے اور تحری یعنی ظن غالب پر عمل کرے۔ جمہور ائمہ کا مذہب یہی ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک شک کی صورت میں نماز دوبارہ پڑھے۔ اس مقام پر امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ اگر شک پہلی بار لاحق ہوا ہو یعنی شک میں پڑنے کا عادی نہ ہوا ہو تو تحری یعنی ظن غالب پر عمل کرے۔ ظن غالب سے اگر ایک جہت کمی یا زیادتی کی متعین ہو جائے تو اس پر عمل کرے۔ اور ظن غالب حاصل نہ ہو تو کم پر بنا کرے اور سجدہ سہو کرے کیونکہ ظن غالب پر بنا کرنا شرع میں مقرر قاعدہ اور دستور ہے جیسا کہ قبلہ وغیرہ کے تعین میں اس کا اعتبار ہے۔ اور بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو شک لاحق ہو تو درست پہلو کے لیے تحری کرے اور اس کے مطابق نماز مکمل کرے۔ علامہ شمنی نے اس حدیث کو شرح جامع الاصول میں نسائی کی حدیث سے تحری صواب میں نقل کیا اور امام محمد نے اپنے موطا میں کہا کہ ظن غالب کی تحری میں بہت سے آثار آئے ہیں اور کہا اگر اس طرح نہ کیا جائے تو سہو اور شک سے

نجات پانے کی صورت بڑی مشکل ہے اور ہر بار نماز لوٹانے میں بڑی دقت اور حرج عظیم ہے۔ انتھیٰ۔

بندۂ ضعیف (عبدالحق) (اللہ اسے ہر عیب سے محفوظ رکھے) کہتا ہے کہ حاصل اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس باب میں تین احادیث آئی ہیں۔ حدیث اول اذا شک احدکم فلیستانف اور کما قال یعنی جب تم میں سے کسی کو شک لاحق ہو تو نئے سرے سے نماز پڑھے یا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

دوسری حدیث من شک فی صلوتہ فلیتحر الصواب جسے اپنی نماز میں شک لاحق ہو جائے تو وہ ظن غالب پر عمل کرے۔

تیسری یہ حدیث ہے جو اس باب میں مذکور ہے اور یقین پر بنا کرنے کا فیصلہ کر رہی ہے۔ تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان تینوں احادیث کو جمع کر دیا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ آپ حدیث اول کو پہلی بار شک لاحق ہونے پر حمل کرتے ہیں۔ دوسری حدیث اس پر صورت پر جہاں ظن غالب ایک جانب کا فیصلہ کرے۔ تیسری حدیث کو اس صورت پر حمل کرتے ہیں جہاں تحری نہ پائی گئی ہو۔ یہ امام اعظم واکرم رضی اللہ عنہ کے مذہب کی کمالِ جامعیت اور نہایت تحقیق ہے۔ واللہ اعلم۔

۹۵۰/۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ خَمْسًا فَقِيْلَ لَهٗ اَزِيْدَ فِى الصَّلٰوةِ فَقَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوْا صَلَّيْتَ خَمْسًا فَسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ بَعْدَ مَا سَلَّمَ۔ وَفِىْ رِوَايَةٍ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ فَاِذَا نَسِيْتُ فَذَكِّرُوْنِىْ وَاِذَا شَكَّ اَحَدُكُمْ فِىْ صَلٰوتِهٖ فَلْيَتَحَرَّ الصَّوَابَ فَلْيُتِمَّ عَلَيْهِ ثُمَّ لِيُسَلِّمْ ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پانچ رکعت پڑھ لی۔ آپ سے عرض کیا گیا کیا نماز میں زیادتی کی گئی۔ فرمایا کیا بات ہے[1]۔ لوگوں نے کہا آپ نے پانچ رکعت پڑھ لیں۔ تو آپ نے سلام کے بعد دو سجدے کر لیے اور ایک روایت میں ہے کہ فرمایا میں تم جیسا بشر ہوں تمہاری طرح بھولتا ہوں جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو جب تم میں سے کوئی نماز میں شک کرے تو درستی کو تلاش کرے[2] پھر اس پر نماز پوری کرے[3] پھر سلام پھیرے۔ پھر دو سجدے کرے[4]۔

(بخاری ومسلم)

۱؎ یعنی تمہارا یہ دریافت کرنا کس بنا پر ہے کیا میں نے چار رکعت سے زیادہ پڑھی ہیں۔

۲؎ یعنی ظن غالب سے کام لے کر درست پہلو کو تلاش کرے۔

۳؎ یعنی ظن غالب کے مطابق۔

۴؎ اس حدیث میں اقل پر بنا کا ذکر نہیں ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر تحری سے فائدہ نہ ہو تو اقل پر بنا کر کے نماز

پوری کرے اور شافعیہ رحمہم اللہ تعالےٰ چونکہ تحری کے قائل نہیں ہیں۔ لہٰذا وہ تحری سے اقل مقدار کو اختیار کرنا مراد لیتے ہیں اور فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ تعالےٰ کے نزدیک پانچ رکعت ادا کرنے کی صورت میں تفصیل ہے۔ چنانچہ اگر قعدہ اخیرہ بھول گیا اور پانچ رکعت کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ پانچویں کا سجدہ کرنے سے پہلے پہلے واپس لوٹ آئے اور اگر پانچویں رکعت کا سجدہ بھی کرلیا تو اس کے فرض باطل اور پانچویں رکعت لغو ہو جائے گی اور اگر قعدہ اخیرہ کرکے اٹھا تھا اور سلام سے پہلے پانچویں کے لیے اٹھ کھڑا اگر پانچویں کا ابھی قعدہ نہیں کیا تو واپس قعدہ کی طرف لوٹ آئے اور اگر پانچویں کا سجدہ کرلیا تو فرض مکمل ہو گئے۔ پھر اس کے ساتھ چھٹی رکعت اور ملا کر چھ پوری کرے اور اس صورت میں سجدہ سہو کرنا مستحسن ہے کیونکہ سلام رہ گیا تھا حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی رکعت ساتھ نہ ملائی اور صرف سجدہ سہو پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ اس کا جواب شرح (عربی) میں دے دیا گیا ہے۔ (یہ مقام غور ہے)

۹۵۱/۴ وَعَنِ ابْنِ سِيْرِيْنَ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِحْدٰى صَلٰوتَيِ الْعَشِيِّ قَالَ ابْنُ سِيْرِيْنَ قَدْ سَمَّاهَا اَبُوْ هُرَيْرَةَ وَلٰكِنْ نَسِيْتُ اَنَا قَالَ فَصَلّٰى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ اِلٰى خَشَبَةٍ مَّعْرُوْضَةٍ فِى الْمَسْجِدِ فَاتَّكَاَ عَلَيْهَا كَاَنَّهٗ غَضْبَانُ وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلَى الْيُسْرٰى وَشَبَّكَ بَيْنَ اَصَابِعِهٖ وَوَضَعَ خَدَّهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرٰى وَخَرَجَتْ سَرْعَانُ الْقَوْمِ مِنْ اَبْوَابِ الْمَسْجِدِ فَقَالُوْا قُصِرَتِ الصَّلٰوةُ وَفِى الْقَوْمِ اَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ فَهَابَاهُ اَنْ يُّكَلِّمَاهُ وَفِى الْقَوْمِ رَجُلٌ فِىْ يَدَيْهِ طُوْلٌ يُّقَالُ لَهٗ ذُوالْيَدَيْنِ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت ابن سیرین[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضرت ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام[2] کی دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی۔ ابن سیرین کہتے ہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے وہ نماز بتائی تھی لیکن میں وہ بھول گیا۔ پھر فرماتے ہیں کہ ہمیں دو رکعت پڑھائیں۔ پھر سلام پھیر[3] دیا پھر مسجد میں پڑی ہوئی لکڑی کی طرف تشریف لے گئے اور[4] اس پر ٹیک لگائی۔ گویا غصے میں تھے اور اپنا دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا اور اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور دایاں رخسار مبارک بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا اور قوم کے جلد باز[5] لوگ مسجد کے دروازوں سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ نماز کم ہو گئی اور[6] قوم میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ لیکن انہوں نے کلام کرنے سے خوف کیا[7]۔ اور قوم میں ایک صاحب تھے جن کے ساتھ کچھ لمبے[8] تھے۔ انہیں ہاتھوں والا کہا جاتا تھا۔ وہ بولے یا رسول اللہ آپ بھول گئے یا نماز

اَنَسِیْتَ اَمْ قُصِرَتِ الصَّلٰوۃُ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَ لَمْ تُقْصَرْ فَقَالَ اَکَمَا یَقُوْلُ ذُو الْیَدَیْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ کَبَّرَ وَ سَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ وَکَبَّرَ ثُمَّ کَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُوْدِہٖ اَوْ اَطْوَلَ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ وَ کَبَّرَ فَرُبَمَا سَاَلُوْہُ ثُمَّ سَلَّمَ فَیَقُوْلُ نُبِّئْتُ اَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَیْنٍ قَالَ ثُمَّ سَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَلَفْظُہٗ لِلْبُخَارِیِّ وَ فِیْ اُخْرٰی لَھُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ بَدَلَ لَمْ اَنْسَ وَ لَمْ تُقْصَرْ کُلُّ ذَالِکَ لَمْ یَکُنْ فَقَالَ قَدْ کَانَ بَعْضُ ذَالِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ

کم ہو گئی۔ فرمایا نہ میں بھولا نہ نماز کم ہوئی[9] پھر فرمایا کیا ایسا ہی ہے جیسا ذوالیدین کہتے ہیں لوگوں نے کہا ہاں تو آپ آگے بڑھے اور چھوٹی ہوئی رکعتیں پڑھیں پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور سجدوں کے برابر یا کچھ دراز سجدہ کیا[10]۔ پھر سر اٹھایا اور تکبیر[11] کہی۔ لوگوں نے ان سے پوچھا[12] کہ پھر سلام بھی پھیرا تو آپ[13] کہنے لگے کہ مجھے خبر ملی کہ عمران بن حصین نے کہا۔ پھر سلام[14] پھیرا۔

(مسلم بخاری)

یہ لفظ بخاری کے ہیں۔ اور ان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے "نہ بھولا اور نہ نماز کم ہوئی" کے یہ فرمایا کہ ان میں سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ ذوالیدین نے کہا یا رسول اللہ کچھ تو ہوا ہے[15]۔

*

ترمذی۔ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

---

[1] حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسری جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

[2] یعنی نماز ظہر یا عصر عَشی زوالِ آفتاب سے غروب آفتاب تک کے وقت کو کہتے ہیں۔

[3] یعنی آپ کو سہو ہو گیا کہ دو رکعت پر سلام پھیر دیا تیسری رکعت کے لیے نہ اٹھے۔

[4] مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں فی المسجد کا لفظ نہیں ہے۔ مگر بخاری شریف میں ہے۔

[5] سَرَعَان سین اور را کی زبر سے وہ لوگ جو جانے میں سب سے پہل کریں۔ یہ لفظ را ساکن کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور جزم اور پیش کے ساتھ بھی بیان کیا گیا ہے۔ مراد وہ لوگ ہیں جو نماز ادا کرنے کے بعد ذکر و دعا کے لیے نہیں رکتے۔ بلکہ جلد اور سب سے پہلے مسجد سے نکل کر چلے جاتے ہیں اور وہ لوگ جو معرکہ جنگ سے جلدی اور سب سے پہلے نکل کر واپس آ جائیں انہیں بھی سَرَعَانُ القوم کہتے ہیں۔

عہ یعنی صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت کا مشاہدہ کرتے ہوئے کہ آپ نے دو رکعت پر سلام

پھیر دیا ہے، کہا۔

۶ـه قصرت قاف کی زبر اور صاد کی پیش سے، اور قاف کی پیش اور صاد کی زیر سے دونوں طرح یہ لفظ مروی ہے۔ یعنی کیا چار رکعت سے دو رکعت ہو گئی ہے۔

۷ـه یعنی حقیقت دریافت کرنے سے یہ دونوں بزرگ ڈر گئے۔ جیسے بادشاہ کی ہیبت کے باعث لوگ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔

۸ـه بعض نے کہا ان کو ذوالیدین کہنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ دونوں ہاتھوں سے کام کرتے تھے۔ بعض نے کہا چونکہ ان کے دو بیٹے تھے اس لیے ان کو ذوالیدین کہتے تھے۔ مگر حدیث کا مضمون صریح ہے کہ ان کو ذوالیدین کہنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے ہاتھ لمبے تھے۔ ان کا نام عمیر بن عبد عمرو اور کنیت ابو محمد تھی۔ بعض نے کہا ان کا نام مبارک خرباق تھا (خا کی زیر سے) بعض کہتے ہیں۔ خرباق کسی دوسرے شخص کا نام ہے جسے ذوالشمالین کہتے تھے۔ بعض کہتے ہیں خرباق، ذوالیدین اور ذوالشمالین کے علاوہ کوئی تیسرا شخص ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹ـه یعنی دو رکعت جو رہ گئی تھیں۔

۱۰ـه سجدہ کی درازی، کوتاہی سے معذرت عظمت حق کے مشاہدہ اور خدا تعالےٰ کی تقدیر اور اس کے حکم کے نفاذ کی بنا پر تھی۔

۱۱ـه خلاصہ کلام یہ کہ آپ نے سہو کے دو سجدے کیے۔

۱۲ـه یعنی مذکورہ صورت میں حضرت ابن سیرین کے اس حدیث روایت کرنے کے بعد کئی بار لوگوں نے ان سے استفہام کے طور پر دریافت کیا۔

۱۳ـه کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ثم سَلَّمَ کے الفاظ بھی کہے تھے۔ یعنی سہو کے دو سجدے سلام سے پہلے کیے یا بعد۔

۱۴ـه یعنی مجھے بتایا گیا اور خبر دی گئی ہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے اپنی حدیث میں کہا کہ ثم سَلَّمَ یعنی اس لفظ کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے میں محفوظ نہیں رکھتا۔ لیکن مجھے یہ خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین نے بھی یہ روایت کی ہے اپنی حدیث میں ثم سلم کا لفظ بیان کیا ہے اور میں نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ثم نے سلم کا لفظ بیان کیا، حضرت عمران بن حصین کی حدیث کا لفظ ہے جو میں نے یہاں درج کیا ہے۔ ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ سہو کے دو سجدوں کے بعد بھی تشہد ہوتا ہے۔ کہا نہیں ہوتا اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں ہے کہ فرمایا میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اس میں تشہد پڑھا جائے اور فصل ثانی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تشہد کا ذکر آ رہا ہے۔

واضح ہو کہ شارحین حدیث نے اس حدیث کے مفہوم کے بیان میں کافی لمبی گفتگو کی ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے

اسے فتح الباری میں مکمل طور پر درج کیا ہے اگر میں یہاں وہ پوری گفتگو نقل کروں تو کلام دراز ہو جائے گا مگر یہاں دو باتیں ہیں جنہیں بیان کرنا چاہیے۔

پہلی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کُلُّ ذٰلِکَ لَمْ یَکُنْ سے متعلق ہے۔ یعنی نہ تو نماز کم ہوئی نہ میں بھولا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک قبیلۂ اخبار سے ہے۔ انشاء سے نہیں۔ اور یہ خلاف واقع کلام ہے (کیونکہ آپ بھول تو گئے تھے) اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ نبی سے اخبار میں سہو واقع ہونا جائز نہیں۔ ہاں افعال میں خلاف واقع کے صدور میں اختلاف ہے۔

یہاں دوسری گفتگو یہ ہے کہ آپ نے نئے سرے سے نماز کیوں نہ شروع کی۔ جب کہ آپ نے کلام بھی کیا اور دوسرے افعال کے خلاف نماز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقع ہو گئے۔ بعض علماء نے اشکال اول کے جواب میں فرمایا ہے کہ نسیان کا عدم جواز ان اقوال میں ہے جو تبلیغ شرائع اور احکام وحی سے متعلق ہوں نہ کہ تمام اخبار میں۔ مگر یہ جواب کمزور ہے۔ کیونکہ خلاف واقع خبر دینا کذب و نقص ہے اگرچہ دانستہ طور پر نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا محلِ عزت و بزرگی کا اس کذب و نقص سے پاک و منزہ ہونا ضروری ہے۔ جمہور علماء کا مذہب بھی یہی ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک نہ "نماز کم ہوئی نہ میں بھولا" سے مراد یہ ہے کہ میرے اعتقاد میں ایسا نہیں ہے نہ کہ نفس الامر میں ایسا نہیں ہوا۔ اور بلاشبہ یہ خبر صادق ہے یا یہ قول عدم شعور سے کنایہ ہے۔ گویا آپ نے یوں فرمایا کہ مجھے اس کا شعور نہیں۔ اور یہ بھی سچ اور درست ہے۔

دوسرے اشکال کے جواب میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ کلام اور فعل جو مفسد نماز ہے وہ ہے جو دانستہ ہو۔ نہ کہ وہ کلام جو سہو و نسیان کے طور پر ہو۔ جیسا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب ہے مگر یہ جواب مکمل نہیں۔ کیونکہ حضرت ذوالیدین اور دیگر صحابہ سے آپ کا کلام کرنا سہو کے طور پر نہ تھا۔ مگر یہ کہا جائے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع تھے۔ مستقل حیثیت نہ رکھتے تھے۔ تاہم یہ جواب بھی کمزوری سے خالی نہیں اور مذکورہ جواب حنفی مذہب کے مطابق درست نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک نماز میں کلام عمداً ہو یا سہواً نماز کو توڑ دیتا ہے۔ لہٰذا احناف رحمہم اللہ کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا کلام کرنا اور دوسرے افعال کرنا نماز میں نسخ کلام و افعال سے قبل کا واقعہ ہے۔ یہاں مزید کلام بھی ہے جو شرح عربی میں مذکور ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں کلام کرنا دانستہ ہو یا نادانستہ مفسدِ نماز ہے۔ الا یہ کہ مصلحتِ نماز کے لیے ہو چاہے وہ کلام امام سے صادر ہو چاہے مقتدی سے۔ جیسا کہ حدیث کے اس واقعہ میں مذکور ہے۔ واللہ اعلم

۹۵۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُحَيْنَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهِمُ الظُّهْرَ، فَقَامَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْاُوْلَيَيْنِ ثُمَّ يَجْلِسْ فَقَامَ النَّاسُ

حضرت عبداللہ ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ظہر کی نماز پڑھائی آپ دو رکعت پڑھنے پر نہ بیٹھے بلکہ کھڑے ہو گئے (درمیانی التحیات چھوڑ دیا) تو لوگ بھی آپ کے ساتھ

تَسْلِیْمَہٗ کَبَّرَ وَ ھُوَ جَالِسٌ فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّسَلِّمَ ثُمَّ سَلَّمَ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب آپ نماز پڑھ چکے اور لوگ آپ کے سلام کا انتظار کرنے لگے تو آپ نے بیٹھے ہوئے تکبیر کہی اور سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کیے پھر آپ نے سلام پھیرا۔ (بخاری و مسلم)

ف۱ بُحَینہ با کی پیش حا کی زبر با اور یا ساکن کے ساتھ۔ یہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ماں کا نام ہے۔ جیسا کہ مشہور ہے ان کے باپ کا نام مالک ہے۔ بعض اسناد میں عبداللہ بن مالک بن بحینہ آیا ہے۔ مالک کی تنوین اور ابن کا الف ثابت رکھنے کے ساتھ تاکہ مالک کی صفت قرار نہ پائے۔ آپ صحابی ہیں۔ بنی عبدالمطلب کے حلیف ہیں۔ اور مولفۃ القلوب سے ہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ امارت میں فوت ہوئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

٩٥٣ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِہِمْ فَسَھٰی فَسَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ تَشَھَّدَ ثُمَّ سَلَّمَ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عمران[ف۱] بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ساتھ نماز پڑھی اور آپ بھول گئے تو آپ نے دو سجدے کیے پھر تشہد پڑھا اس کے بعد سلام پھیرا[ف۲]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن غریب ہے[ف۳]۔

ف۱ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات دوسرے مقامات میں تحریر ہو چکے ہیں۔

ف۲ اس حدیث میں سجدہ سہو کی جگہ کی تعیین نہیں کی۔ البتہ تشہد کا ذکر کیا اور دوسری احادیث میں تشہد کا ذکر نہیں آیا۔ یہ حدیث احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ نیز بعض مالکیہ اور شافعیہ بھی اسی پر ہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے۔ کہ درود شریف اور دعا جو آخری تشہد میں پڑھی جاتی ہے۔ اس تشہد میں بھی پڑھے جو سجدہ سہو سے پہلے ہوتا ہے یا اس تشہد میں جو سجدہ سہو کے بعد ہوتا ہے۔ حضرت امام کرخی جو حنفیہ میں سے ہیں، کا پسندیدہ مذہب دوسرا قول ہے اور ہدایہ میں کہا صحیح یہی ہے اور ہدایہ کی بعض شرحوں میں ہے کہ درست یہ ہے کہ پہلے تشہد میں درود و دعا پڑھے طحاوی نے کہا دونوں میں پڑھے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ امام طحاوی کا قول زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ قاضیخان میں ہے۔

ف۳ کیونکہ اس کا راوی تشہد کا اضافہ بیان کرنے یا دوسرے راویوں کی مخالفت کرنے میں متفرد ہے۔ حالانکہ وہ تعداد میں زیادہ ہیں اور حافظ حدیث بھی ہیں اور حاکم نے کہا یہ حدیث شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط کے مطابق بالکل صحیح حدیث ہے۔

مگر بیہقی وابن عبدالبر وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

۹۵۴/۷ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ الْاِمَامُ فِى الرَّكْعَتَيْنِ فَاِنْ ذَكَرَ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَوِىَ قَآئِمًا فَلْيَجْلِسْ وَاِنِ اسْتَوٰى قَآئِمًا فَلَا يَجْلِسْ وَيَسْجُدْ سَجْدَتَىِ السَّهْوِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت المغیرۃ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام دو رکعتوں پر اٹھ کھڑا ہو۔ اگر اسے سیدھا کھڑا ہونے سے قبل یاد آ جائے تو بیٹھ جائے۔ اور اگر سیدھا کھڑا ہو چکا ہو تو پھر نہ بیٹھے اور سہو کے دو سجدے کرے [۱، ۲]

(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

۱؎ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ سجدہ سہو نہ کرے اور ہدایہ میں کہا کہ بعض نے کہا تاخیر واقع ہو جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے۔ مگر صحیح تر بات یہ ہے کہ نہ کرے۔

۲؎ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ سجدہ سہو کرنے نہ کرنے میں اعتبار پورے کھڑے ہونے اور نہ ہونے کا ہے۔ احناف کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر ابھی بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے تو واپس لوٹے اور بیٹھے اور تشہد پڑھے اور اگر قیام کے زیادہ قریب ہو چکا ہے تو واپس نہ لوٹے اور نہ بیٹھے۔ پھر "زیادہ قریب ہونے" کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اگر کمر سے نیچے کا نصف حصہ قیام کے لیے سیدھا ہو گیا ہے تو یہ قیام کے زیادہ قریب ہے ورنہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے۔ بعض نے کہا اگر سرین اور زانو اوپر اٹھا لیے ہیں تو قیام کے زیادہ قریب ہو چکا ہے ورنہ بیٹھنے کے زیادہ قریب ہے۔ ور بعض نے کہا زانو اٹھا لینے کا اعتبار ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا زیادہ قریب کا اعتبار امام ابویوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت کی بنا پر ہے جسے مشائخ بخارا نے اختیار کیا ہے۔ مگر ظاہر مذہب یہ ہے کہ اگر ابھی سیدھا کھڑے ہونے کے نزدیک نہیں ہوا تو واپس لوٹ جائے یہی قول صحیح تر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۵۵/۸ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَسَلَّمَ فِىْ ثَلٰثِ رَكَعَاتٍ ثُمَّ دَخَلَ مَنْزِلَهٗ فَقَامَ اِلَيْهِ رَجُلٌ يُّقَالُ لَهُ الْخِرْبَاقُ وَكَانَ فِىْ يَدَيْهِ

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور تین رکعت پر سلام پھیر دیا۔ پھر اٹھ کر اپنے گھر تشریف لے گئے تو ایک شخص جسے خرباق[۱] کہتے ہیں اور جس کے ہاتھ قدر سے لمبے تھے، اٹھ کر آپ کے پاس جا کھڑا ہوا

طُوْلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَذَكَرَ لَهٗ صَنِيْعَهٗ فَخَرَجَ غَضْبَانَ يَجُرُّ رِدَاءَهٗ حَتّٰى انْتَهٰى اِلَى النَّاسِ فَقَالَ اَصَدَقَ هٰذَا قَالُوْا نَعَمْ فَصَلّٰى رَكْعَةً ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ -

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور کہا یا رسول اللہ اس نے آپ کو یہ فعل یاد دلایا[2] تو آپ غصے[3] میں اپنی چادر مبارک کھینچتے ہوئے باہر تشریف لائے تا آنکہ لوگوں تک آپ پہنچے اور فرمایا کیا یہ آدمی سچ کہتا ہے لوگوں نے کہا ہاں۔ تو آپ نے ایک رکعت[4] اور پڑھی پھر آپ نے سلام پھیرا پھر دو سجدے کیے۔ پھر سلام پھیرا۔[5] (مسلم)

---

[1] تحقیق یہ ہے کہ یہ صاحب وہی حضرت ذوالیدین صحابی ہیں جن کا گذشتہ ذکر ہوا۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے

[2] یعنی تین رکعت پر سلام پھیر دینا یاد دلایا۔

[3] یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس سہو کا سبب کیا تھا۔ نیز اس غصے اور اضطراب کی کیا وجہ تھی۔ واللہ اعلم باسرارہ۔

[4] یعنی وہ رکعت جو رہ گئی تھی اور جس سے سہو ہو گیا تھا۔

[5] پوشیدہ نہ رہے کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی گذشتہ حدیث کے درمیان دو طرح سے مخالفت ہے ایک یہ کہ وہاں دو رکعت پر سلام کا ذکر ہے اور یہاں تین رکعت پر سلام پھیرنے کا ذکر ہے نیز اس حدیث میں کہا کہ آپ نے مسجد میں پڑی ہوئی ایک لکڑی پر تکیہ لگایا۔ یہاں فرماتے ہیں کہ آپ اپنے دولت کدہ میں تشریف لے گئے۔

دوسری وجہ کے بارے میں تو ممکن ہے کہ دونوں باتوں کا وقوع ہوا ہو۔ مگر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک بات کا ذکر کیا اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے دوسرے کا ذکر کیا۔ مگر وجہ اولیٰ میں مخالفت دور کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اسی بنا پر علماء نے کہا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں اور دونوں واقعات کے بیان کرنے والے حضرت ذوالیدین رضی اللہ عنہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۵۶ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى صَلٰوةً يَشُكُّ فِى النُّقْصَانِ فَلْيُصَلِّ حَتّٰى يَشُكَّ فِى الزِّيَادَةِ -

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جس نے اس طرح نماز پڑھی کہ اسے رکعات معینہ کے کم ہونے کا شک[1] ہو تو وہ اتنی رکعت مزید پڑھے کہ اسے رکعات کے زیادہ ہونے کا شک پڑنے لگے[2] (احمد)

---

[1] جیسے چار رکعت والی نماز میں شک پڑ جائے کہ تین رکعت پڑھی ہیں یا چار رکعت۔

۵۲ یعنی کم مقدار پر بنا کرے۔ چنانچہ صورتِ مذکورہ میں تین رکعت قرار دے۔ پس ایک رکعت اور ادا کرے۔ یہاں تک کہ اسے شک پڑے کہ چار رکعت ہو گئی ہیں یا پانچ۔ اس احتمال کی بنا پر کہ نفس الامر میں چار رکعت ہوں اور یہ پانچویں رکعت ہو۔ یہی معنیٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک کا کہ اتنی رکعت زیادہ پڑھے کہ مقررہ مقدار سے زیادہ پڑھ جانے کا شک ہو۔

واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چند مقامات پر سہو واقع ہوا ہے۔ اول قعدہ اولیٰ میں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد ہوا۔ دوم آخری دو رکعت میں۔ جیسا کہ حضرت ذوالیدین کی حدیث میں واقع ہوا۔ سوم آخری ایک رکعت میں جیسا کہ حضرت خرباق کی حدیث میں آیا۔ چہارم پانچویں رکعت بڑھا دینے میں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے۔ آئمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس پر قیاس کرتے ہوئے کہا ہے کہ نمازی اگر نماز کے واجبات میں سے کسی واجب کو بھول کر چھوڑ دے تو اس پر سجدہ سہو واجب ہوتا ہے۔ مگر اصحاب ظواہر سجدہ کرنے میں صرف انہیں مقامات پر کفایت کرتے ہیں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو کیا۔ ان کے علاوہ کسی اور جگہ بھولنے کی صورت میں سجدہ سہو نہیں کرتے۔

یہاں دوسری بات جو ذہن میں رکھنے کے لائق ہے۔ یہ ہے کہ ان احادیث سے جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بعض مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سہو سلام سے پہلے کیا ہے اور بعض مقامات میں سلام کے بعد۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے کبھی اس طرح کیا اور کبھی اس طرح۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ لیکن آئمہ کرام کے مذہب مختلف ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ ہر جگہ سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں۔ اور ان احادیث کو جو سلام سے پہلے سجدہ سہو کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، راجح قرار دیتے ہیں۔ بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جو احادیث بعد سلام میں وارد ہوئی ہیں وہ منسوخ ہیں اور کہتے ہیں کہ آخری فعل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنے کا ہے۔ مگر ان کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکا۔ واللہ اعلم۔

اس کے برعکس امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ ہر جگہ بعد سلام سجدہ سہو کرنے کے قائل ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں کثرت سے احادیث وارد ہیں اور قوی بھی ہیں۔ صحاح ستہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کے بعد سجدہ سہو کرتے تھے۔ اگرچہ حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ سے بعد سلام بھی وارد ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے ذکر کیا۔ اسی طرح ابوداؤد، ابن ماجہ، احمد اور عبدالرزاق نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لِکُلِّ سَہْوٍ سَجْدَتَانِ بَعْدَ مَا یُسَلِّمُ۔ یعنی ہر سہو کے لیے بعد سلام دو سجدے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قول فعل سے زیادہ قوی ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ میں یہ امر ثابت ہو چکا ہے۔ علامہ شمنی رحمۃ اللہ نے کہا کہ یہ قول صحابہ کرام کی ایک جماعت سے منقول ہے۔ جیسے حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عمار بن یاسر، حضرت ابن عباس اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہم۔

حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جہاں سجدہ سہو نقصان کی تلافی کے لیے ہو۔ وہاں سجدہ سہو سلام سے پہلے ہوگا اور جہاں زیادتی کی بنا پر سجدہ سہو لازم آئے وہاں سلام پھیرنے کے بعد کیا جائے اور اگر نقصان اور زیادتی کی دونوں

صورتیں جمع ہو جائیں تو اس صورت میں قبل سلام سجدہ سہو کیا جائے۔ مزنی اور ابو ثور جو آئمہ شافعیہ میں سے ہیں، اسی قول پر ہیں۔ اور ابن عبد البر نے کہا کہ امام مالک کا قول نظرِ عقل کے موافق ہے۔ کیونکہ نقص اور کمی کی صورت میں نقصان کی تلافی مقصود ہوتی ہے۔ اس لیے چاہیے کہ سجدہ سہو اصل نماز میں داخل ہو اور زیادتی کی صورت میں ابلیس کو ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مگر ان کی یہ بات محل نظر ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام سے پہلے سجدہ سہو کیا ہے وہاں سلام سے پہلے سجدہ سہو کرنا چاہیے اور جہاں سلام کے بعد سجدہ سہو کیا ہے وہاں سلام کے بعد سجدہ سہو کرنا چاہیے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ قول زیادہ قوی اور درستی کے زیادہ قریب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی چیز مروی نہ ہوتی تو ہم کہتے کہ سجدہ سہو سلام سے پہلے کرنا چاہیے۔

واضح ہو کہ یہ اختلاف جو مذکور ہوا کہ سجدہ سہو بعد سلام کیا جائے یا سلام سے پہلے، افضلیت۔ و اولویت میں اختلاف ہے۔ اصل جواز میں اختلاف نہیں۔ اس بات کی تصریح آئمہ اربعہ کی کتب میں مذکور ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ سلام ایک طرف ہے یا دونوں طرف تو قول اول امام محمد رحمۃ اللہ کا قول ہے اور فخر الاسلام کا مختار و پسندیدہ قول بھی یہی ہے اور کہا کہ اپنے سامنے کی طرف سلام کہے اور کہا گیا ہے کہ دائیں جانب سلام کرے اور ہدایہ میں کہا کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ دونوں جانب سلام کہے۔ امام شمس الائمہ رحمۃ اللہ کا مختار و پسندیدہ یہی قول ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سجدہ سہو کے بعد تشہد ہے یا نہیں۔ جو مذکور ہوا وہ بعض احادیث میں مذکور ہے۔ اور احناف کا مذہب یہی ہے جیسا کہ گزرا۔

بَابُ سُجُوْدِ الْقُرْآنِ

قرآن کے سجدوں کا باب

واضح ہو کہ سجدۂ تلاوت میں علماء کا اختلاف ہے۔ آئمہ احناف کا مسلک ہے کہ یہ سجدہ واجب ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سنت اور اس کا کرنا نہ کرنے سے افضل و بہتر ہے۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمۃ اللہ کے نزدیک بھی واجب ہے اگر نماز میں ہو۔ سجدۂ تلاوت کے وجوب کے دلائل وہ آیات و احادیث ہیں جو اس کے ترک کی مذمت میں آئی ہیں، نیز وہ تاکید و مبالغہ ہے جو اس کے ادا کرنے میں وارد ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ سجدۂ تلاوت نماز کا جزو ہے۔ مگر تخفیف و آسانی کے لیے صرف سجدہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس بیان کے مطابق یہ سجدہ فرض ہونا چاہیے۔ جس طرح نماز جنازہ میں قیام۔ لیکن چونکہ اس کے دلائل قطعی نہ تھے اس بنا پر اسے واجب قرار

دیا گیا اور ہم اس کی فرضیت کے قائل نہ ہوئے۔

اس بارے میں دوسرے ائمہ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دلیل قرار دیتے ہیں جس میں انہوں نے کہا کہ میں نے سورۃ النجم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلاوت کی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدۂ تلاوت نہ کیا (حالانکہ اس میں سجدہ تلاوت ہے) مگر اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ علی الفور واجب نہیں (کہ آیت کے پڑھتے ہی سجدہ کرنا ضروری ہو تاخیر کرنا جائز نہ ہو) دوسرا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ نہ کرنا سورۃ النجم کے ساتھ خاص ہو کہ اس سجدہ میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر اس سجدے کے لیے بھی باوضو ہونا شرط ہے کہ اس شرط میں کسی کی طرف سے اختلاف منقول نہیں۔ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ وہ بے وضو بھی کر لیتے تھے۔ آئمہ اور علماء میں سے کسی نے ان کے ساتھ اس میں موافقت نہیں کی سوائے امام شعبی رحمہ اللہ کے امام شعبی کے بارے میں یہ بھی مذکور ہے کہ آپ راستے پر چلتے ہوئے اور بے وضو غیر قبلہ کی سمت بھی اشارہ سے سجدہ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ شیخ (ابن حجر) نے کہا۔ سلف میں سے بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ سجدہ تلاوت پڑھنے والے پر واجب ہے سننے والے پر واجب نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر اتفاقاً بلا قصد آیت سجدہ کان میں پڑ گئی تو سجدہ واجب نہ ہوگا۔ بعض نے کہا کہ اگر پڑھنے والے نے سجدہ نہ کیا تو پھر سننے والے پر بھی واجب نہیں گویا پڑھنے والا سننے والے کے لیے امام کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات امام مالک سے بھی روایت کی گئی ہے۔ بعض نے کہا سجدے کا وجوب اسی صورت میں ہے کہ پڑھنے والا قصد و ارادہ سے تلاوت کرے۔ قصہ اور حکایت کے طور پر تلاوت نہ کرے۔ جس طرح قصہ خوان واعظ پڑھتے ہیں تاہم احناف اور جمہور آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ قاری (پڑھنے والے) اور سامع دونوں پر مطلق نماز کی شرائط کے مطابق یہ سجدہ واجب ہے۔ اور مختار و پسندیدہ مذہب یہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۹۵۷ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّجْمِ وَسَجَدَ مَعَهُ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْمُشْرِكُوْنَ وَالْجِنُّ وَالْاِنْسُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ[1] النجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں، مشرکوں اور جن[2] وانس سب نے سجدہ کیا۔

(بخاری)

---

[1] یعنی سورۃ النجم کی آخری آیت میں۔

[2] یعنی ان تمام جنوں اور انسانوں نے جو اس مجلس میں حاضر و موجود تھے۔ اس معنی کے مطابق یہ الفاظ تکریر و تاکید

کے طور پر ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روئے زمین کے تمام جنوں وانسانوں نے سجدہ کیا ہو، جن کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا۔

۳ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سجدہ کی بجا آوری اور حق سبحانہ کی عظیم نعمتوں کی شکر گزاری کے طور پر کیا جو سورہ کے اوائل میں گن گن کر بیان کی گئی ہیں۔ اور مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت میں سجدہ کی بجا آوری اور شکر گزاری کے لیے کیا اور مشرکین کا سجدہ ان کے الٰہوں لات وعزیٰ ومنات کے نام سننے کی بنا پر تھا یا ان کا سجدہ کبریائے الٰہی عزوجل کے غلبہ جلال وسطوت کے ظہور اور اس ذات کی عزت وبزرگی چھا جانے اور اس کے انوار عظمت وہیبت کے چمک اٹھنے کی بنا پر تھا۔ ان پر عظمت وہیبت الٰہی کا اس قدر غلبہ ہوا کہ باطل کی تاب وطاقت فنا ہو کر رہ گئی اور وہ سجدہ کرنے میں بے اختیار ہو گئے اور ان کے انکار وعناد اور ہٹ دھرمی کا اثر بالکل مٹ کر رہ گیا اور ان کا تکبر وغرور مضمحل ہو گیا۔ مشرکین میں سے صرف انہوں نے سجدہ نہ کیا جو سب سے بدبخت اور سرکش تھے۔ انہوں نے سجدہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھوں سے خاک اٹھائی اور اپنے بدصورت ماتھوں اور چہروں پر مل لی۔ اور کہا کہ اتنا ہی کافی ہے جیسا کہ تیسری فصل میں آ رہا ہے۔ یہاں ایک قصہ بیان کیا جاتا ہے جو زندیق اور بے دین لوگوں کا گھڑا ہوا اور سراسر افترا ہے (اللہ ان کو ذلیل وخوار کرے) جسے بعض ان ارباب سیر اور تاریخ نے بھی بیان کر دیا جو عجائب وغرائب کا تذکرہ کرنے کا بڑا شوق رکھتے ہیں۔ علماء محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس قصہ کو من گھڑت قرار دیا اور اس کے ابطال کی تصریح کی ہے۔ وہ قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لات وعزیٰ ومنات کا ذکر کرتے وقت ان کی مدح وثنا بھی کر دی (معاذ اللہ) اور کہا۔

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

یہ بڑی عزت وبلندی والے ہیں اور بیشک انکی شفاعت کی امید بھی رکھی جا سکتی ہے

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر سہواً یہ الفاظ جاری ہو گئے۔ یا ابلیس نے اپنی آواز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کے مشابہ کر کے آپ کی آواز کے ساتھ ملا دی اور مشرکین کو اس نے اپنی یہ آواز اس انداز سے سنوائی کہ انہوں نے اسے حضور کی آواز سمجھ لیا۔ اس بنا پر وہ بھی سجدہ میں گر گئے۔ اور انہوں نے کہا کہ اب محمد نے بھی ہمارے بتوں کی مدح وثنا شروع کر دی ہے۔ لہٰذا ہمارا اور ان کا جھگڑا ختم ہو گیا ہے۔ ہم بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق، زندہ کرنے والا، مارنے والا، سب کچھ جاننے والا، ہمیشہ رہنے والا اور سب کو رزق عطا کرنے والا ہے۔ یہ تو ہمارے صرف سفارشی ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج خود ان کی شفاعت کا اثبات واقرار کر رہے ہیں۔ دراصل یہ قصہ عقلاً ونقلاً کئی طرح سے باطل ومن گھڑت ہے۔ اس قصے کے بارے میں بہت کچھ کہا گیا ہے۔ ہم نے شرح (عربی) میں کسی قدر اس کا بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ہی فرماتا ہے اور وہی راہ راست پر چلاتا ہے۔

۹۵۸/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَجَدْنَا مَعَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ وَ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سورہ اذا السماء انشقت اور سورہ اقرأ باسم ربک میں سجدہ کیا[1]

(مسلم)

[1] اس سے ثابت ہوا کہ ان دو سورتوں میں سجدۂ تلاوت ہے اور اس شخص کا قول مردود ہو گیا جس نے کہا کہ مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آنے کے بعد ان میں سجدہ نہیں کیا۔ جیسا کہ دوسری فصل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے۔

۹۵۹ / ۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ السَّجْدَةَ وَنَحْنُ عِنْدَهٗ فَيَسْجُدُ وَنَسْجُدُ مَعَهٗ فَنَزْدَحِمُ حَتّٰى مَا يَجِدُ اَحَدُنَا لِجَبْهَتِهٖ مَوْضِعًا يَسْجُدُ عَلَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کی آیت تلاوت کرتے اور ہم لوگ آپ کے پاس ہوتے تھے تو آپ سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے تو ہمارے لیے ہجوم کی شکل بن جاتی۔ یہاں تک کہ ہمیں ماتھا رکھنے کی جگہ نہ ملتی جہاں ہم سجدہ کریں[1]

(بخاری و مسلم)

[1] واضح ہو کہ یہ سب مبالغہ و تاکید اور اجتماع و ہجوم بظاہر وجوب سجدہ کی علامت ہے۔ اگر سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوتا تو یہ ہجوم کس لیے ہوتا۔ واللہ اعلم۔

۹۶۰ / ۴ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَرَأْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّجْمِ فَلَمْ يَسْجُدْ فِيْهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سورۃ النجم کی تلاوت کی۔ تو آپ نے اس میں سجدہ نہ کیا[1]

(بخاری و مسلم)

[1] یہ وہی حدیث ہے جسے سجدۂ تلاوت کے عدم وجوب کے قائل دلیل بناتے ہیں۔ اس کا جواب معلوم ہو چکا ہے۔ اسے ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

۹۶۱ / ۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَجْدَةُ صٓ لَيْسَ مِنْ عَزَائِمِ السُّجُوْدِ وَقَدْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِيْهَا وَفِيْ رِوَايَةٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ سورہ ص کا سجدہ ان سجدوں میں سے نہیں ہے۔ جن کے کرنے کا حکم ہے[1]۔ اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ اس میں سجدہ[2] کرتے تھے اور ایک روایت میں

قَالَ مُجَاهِدٌ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ ءَ اَسْجُدُ فِیْ صٓ فَقَرَاَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمَانَ حَتّٰی اَتٰی فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ فَقَالَ نَبِیُّکُمْ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مِمَّنْ اُمِرَ اَنْ یَّقْتَدِیَ بِهِمْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

ہے کہ مجاہد[۳] نے کہا میں نے ابن عباس سے کہا کیا میں سورۃ ص میں سجدہ کروں تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت ومن ذریتہ داؤد و سلیمان فبھداھم اقتدہ تک پڑھی[۴] پھر فرمایا تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں حکم دیا گیا ہے کہ ان کی اقتدا اور پیروی کریں[۵]۔

(بخاری شریف)

[۱] عزیمت کا معنٰی ہے دل کا کسی چیز کا ارادہ کرنا صراح میں ہے عزم عین کی زبر اور پیش سے اور عزیمت ارادہ کرنا اور کسی چیز پر دل رکھ دینا۔ اس کے بعد ضروری اور اہم کام کے لیے استعمال ہونے لگا۔ اور فقہا کی اصطلاح میں اس کا معنٰی ہے وہ حکم جو اپنے اصل پر قائم ہو۔

[۲] علماء نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مقام پر سجدہ کرنا حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ موافقت اور ان کی توبہ کی قبولیت کے شکر کے طور پر تھا اور حدیث میں بھی آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بھائی داؤد نے سجدہ کیا کہ ان کی توبہ قبول ہوئی۔ ہم بھی اس جگہ ان کی شکر گزاری کی خاطر سجدہ کریں گے۔

[۳] حضرت مجاہد تابعین میں سے اور فقہاء اور قراء مکہ میں سے اور اس کے اکابر و اعاظم علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے تیس مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک سنایا تھا۔ ۱۰۴ھ میں وفات پائی۔

[۴] تا آنکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ آیت کے اس مقام تک آئے جہاں اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے کہ آپ بھی ان کی ہدایت کی اقتدا و پیروی کریں۔

[۵] لہٰذا تو اس امر کے زیادہ لائق ہے کہ ان کی اقتدا کرے یعنی جب کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کی موافقت میں سجدہ کیا تو ہمیں بھی یہاں سجدہ کرنا چاہیے۔

یہاں اگر تم یہ سوال کرو کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور دیگر انبیاء سابقین کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور ان کے تابع ہونے کی نسبت کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آپ سب کے مقتدی، متبوع اور سب سے افضل و اکمل ہیں۔ تو اس کا جواب ہم یہ دیں گے کہ یہ نسبت صرف ظاہری طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انبیاء سابقین علیہم السلام سے وجود عنصری کے لحاظ سے آخر میں تشریف لانے کی بنا پر ہے۔ جس طرح آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا تابع بھی کہا گیا بلکہ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل و اکمل ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جب آپ تمام کے تابع اور سب انبیاء کی ہدایت پر عمل پیرا ہوئے تو ضروری طور پر سب انبیاء کے کمالات کے جامع اور سب کی صفات کو اپنے اندر

شامل کرنے والے ہوئے اور اس بنا پر سب سے افضل و اکمل قرار پائے۔ بیت

خوبی و ناز و کرشمہ حرکات و سکنات
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حرکات و سکنات میں خوبی اور ناز و کرشمہ جو تمام خوبان جہاں میں فرداً فرداً پایا جاتا ہے وہ سب تجھ اکیلے میں موجود ہے علیہ افضل الصلوات والتسلیمات اتمہا واکملہا۔

اور یہ حدیث سورہ ص میں سجدہ تلاوت واجب نہ ہونے میں حضرات شوافع کی دلیل ہے۔ اور احناف اور امام مالک اور ایک روایت کے مطابق احمد کے نزدیک واجب ہے جس طرح دوسرے باقی قرآنی سجدے واجب ہیں اور یہ حدیث بھی عدم وجوب پر دلالت نہیں کرتی۔ زیادہ سے زیادہ اس قدر ہے کہ اس میں حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ کی وجہ بیان کی ہے کہ توبہ قبول ہونے کی بنا پر آپ نے سجدہ کیا اور اپنے سجدہ کرنے کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی کہ ہم نے ان کی قبولیت توبہ کی شکر گزاری اور ان سے موافقت کرنے کے لیے کیا اور ہم امتیوں کا سجدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کی اقتداء میں ہے جن کی اقتدا کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور حقیقت میں تمام عبادات (فرائض و واجبات وغیرہ) سب شکر نعمت، حکم کی بجا آوری اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول کہ یہ سجدہ مامور سجدوں میں سے نہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا وجوب ان امور میں سے نہیں جن کا ابتداءً بطور تعبد و بندگی حکم دیا گیا ہے۔ بلکہ وہ اس مذکورہ سبب (قبولیت توبہ و ادا شکر) کے طور پر واجب ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام احمد رحمۃ اللہ ابوبکر بن عبداللہ مزنی سے ناقل ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورۃ ص پڑھ رہا ہوں جب میں آیت سجدہ پر پہنچا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ دوات قلم اور ہر چیز جو وہاں موجود تھی سب سجدہ میں گری ہوئی ہے میں نے یہ قصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اس سے معلوم ہوا کہ یہ سجدہ بھی باقی سجدوں کی طرح ضروری اور اس کے کرنے کا حکم ہے۔ پھر اسی پر حکم طے پا گیا۔ اگرچہ ابتداء میں یہ سجدہ عزائم میں سے نہ تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث تسلیم کر لینے کے بعد اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس قصہ سے پیش آنے سے قبل یہ سجدہ واجب نہ تھا۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۹۶۲ عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اَقْرَاَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَمْسَ عَشْرَةَ سَجْدَةً فِی الْقُرْاٰنِ مِنْهَا ثَلٰثٌ فِی الْمُفَصَّلِ وَ فِیْ سُوْرَةِ

دوسری فصل

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائے ان میں سے تین مفصل سورتوں میں اور دو سورۃ حج

الْحَجِّ سَجْدَتَيْنِ ۔

میں ہیں ۳؎

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

۱؎ بعض نسخوں میں اقرانی کا لفظ آیا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائے اور بتلائے۔

۲؎ یعنی سورہ حجرات سے آخر قرآن تک کی سورتیں۔ مفصل سورتوں کا بیان اور اس میں اختلاف کتاب الصلوٰۃ کے ابتداء میں بیان ہو چکا ہے۔ ان تین سجدوں میں سے ایک سورۃ النجم میں دوسرا اذا السماء انشقت اور تیسرا سورۃ اقراء باسم ربک میں ہے۔

۳؎ اور سورۃ حج میں دو سجدوں کی تعلیم دی۔ ایک آیت اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ میں اور دوسرا آیت یا ایہا الذین اٰمَنُوْا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا میں۔

واضح ہو کہ تمام آئمہ کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآنی سجدوں کی کل تعداد چودہ ہے۔ مگر امام مالک سے ایک روایت میں اور امام شافعی کے قول قدیم میں مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سورہ ص کے سجدہ کے قائل ہیں اور سورۃ حج کے دوسرے سجدہ کے قائل نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ نماز کا سجدہ ہے تلاوت کا سجدہ نہیں۔ اس قرینے کی بنا پر کہ یہاں سجدہ کے ساتھ رکوع کا ذکر بھی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد اس کے برعکس کہتے ہیں اور امام احمد سے ایک روایت کے مطابق قرآن پاک میں پندرہ سجدے ہیں۔ وہ اس طرح کہ ایک سورۃ ص کا سجدہ اور سورۃ حج کے دو سجدے۔ جیسا کہ یہ حدیث بھی سورت حج کے دو سجدے ثابت کرتی ہے۔ اور علماء نے کہا ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اس کے بعض راوی مجہول ہیں

۹۶۳ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فُضِّلَتْ سُوْرَةُ الْحَجِّ بِاَنَّ فِيْهَا سَجْدَتَيْنِ قَالَ نَعَمْ وَمَنْ لَّمْ يَسْجُدْهُمَا فَلَا يَقْرَاْهُمَا ۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ سورت حج کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ اس میں دو سجدے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ جس نے اس کے دو سجدے نہ کرے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَيْسَ اِسْنَادُهٗ بِالْقَوِيِّ وَفِي الْمَصَابِيْحِ فَلَا يَقْرَاْهَا كَمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ ۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ ایسی حدیث ہے جس کا اسناد قوی نہیں ۴؎ اور کتاب مصابیح میں ہے کہ جیسا کہ شرح سنۃ میں ہے۔

⁂

ف۱ یعنی کامل طور پر نہیں پڑھا۔

ف۲ اور یہ حدیث بھی ضعیف ہے جیسا کہ امام ترمذی نے خود اگلے جملے میں فرمایا ہے۔

ف۳ کیونکہ اس کے راویوں میں سے ایک راوی ابن لہیعہ ہے اور وہ اگرچہ ائمہ حدیث میں سے ہے مگر ضعیف ہے۔ کیونکہ آخر عمر میں اس کے حفظ میں خلل اور خلط راہ پا گیا تھا جو اس کی روایت کردہ حدیث میں عدم اعتماد کا موجب بن گیا۔

ف۴ یعنی مصابیح میں فلا یقرءھما ضمیر تثنیہ کے بجائے جس کا مرجع سجدہ کی دو آیتیں ہیں فلا یقرءھا ضمیر واحد کے ساتھ آیا ہے۔ جس کا مرجع پوری سورت حج ہے اور شرح سنتہ میں بھی ایسا ہی ہے مصابیح کے الفاظ میں زیادہ مبالغہ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ جس نے دو سجدے نہ کیے۔ اس نے گویا پوری سورت ہی نہ پڑھی اور ترک سجدہ پوری سورت کی تلاوت کا ثواب فوت کر دیتا ہے۔

۹۶۴/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِیْ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ ثُمَّ قَامَ فَرَکَعَ فَرَاَوْا اَنَّہٗ قَرَاَ تَنْزِیْلَ السَّجْدَۃِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور رکوع کیا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ نے سورۃ تنزیل السجدہ تلاوت کی ہے[۱]۔

(ابوداؤد)

ف۱ یعنی کہ آپ نے سورت الم تنزیل الکتاب پڑھی ہے۔ جس میں سجدہ کی آیت ہے۔ صحابہ کرام کا یہ جاننا اور اعتقاد کرنا محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے اور پھر رکوع جانے کی بنا نہ تھا۔ بلکہ صحابہ نے کوئی آیت سنی تھی جس سے انہیں پتہ چلا کہ آپ نے یہ سورت پڑھی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی سورت سے کوئی آیت صحابہ کو سنوا دیتے تھے تاکہ وہ جان جائیں کہ آپ فلاں آیت پڑھ رہے ہیں یا بے اختیار غایت شوق و حضور کے باعث آپ سے کسی آیت کا جہر ہو جاتا تھا جیسا کہ باب القراۃ میں گزرا۔

پھر اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ سجدہ کرتے اور اٹھنے کے بعد باقی سورت پڑھے بغیر آپ رکوع میں چلے گئے کہ ایسا کرنا جائز ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ باقی سورت پڑھنے کے بعد رکوع کرے۔ پہلی صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ پوری سورت نہ پڑھی جائے اور یہ صورت فی الجملہ جائز ہے۔ یہاں سے یہ لازم نہیں آتا کہ سجدہ کے مقام میں قیام برائے رکوع اور قرارت جائز نہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک ایسا کرنا واجب نہیں ہے اگر ایسا کرے گا تو جائز ہے (خوب سمجھو)

۹۶۵/۸ وَعَنْہُ اَنَّہٗ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقْرَءُ

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے قرآن

عَلَيْنَا الْقُرْاٰنَ فَاِذَا مَرَّ بِالسَّجْدَةِ كَبَّرَ وَ سَجَدَ وَ سَجَدْنَا مَعَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

پاک پڑھتے تھے۔ جب سجدے کی آیت پر سے گزرتے تو تکبیر کہتے اور سجدہ کرتے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے[1]۔

(ابوداؤد)

[1] اس سے معلوم ہوا کہ قاری اور سامع دونوں پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے۔

٩٦٦/٩ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ عَامَ الْفَتْحِ سَجْدَةً فَسَجَدَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مِنْهُمُ الرَّاكِبُ وَالسَّاجِدُ عَلَى الْاَرْضِ حَتّٰى اَنَّ الرَّاكِبَ لَيَسْجُدُ عَلٰى يَدِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال آیت سجدہ پڑھی تو سب لوگوں نے سجدہ کیا ان میں سوار بھی تھے اور زمین پر سجدہ کرنے والے بھی۔ یہاں تک کہ سوار اپنے ہاتھ پر سجدہ کرتا تھا[1]۔

⁂

(ابوداؤد)

[1] ہو سکتا ہے کہ بعض وہ حضرات جو سواری پر تھے انہوں نے نیچے اتر کر زمین پر سجدہ کیا ہو۔ حدیث کا لفظ اس بارے میں صریح نہیں ہے کہ سب لوگ جو سوار تھے ان سب نے سواری کی حالت میں اپنے ہاتھوں پر سجدہ کیا ہو (اسے سمجھو) اور یہ واقعہ اس واقعہ کے علاوہ ہے جو سورۃ النجم سے متعلق ہے جس میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ النجم پڑھی اور مسلمانوں اور کافروں سب نے سجدہ کیا۔ جیسا کہ گزرا۔ کیونکہ وہاں مشرکوں میں ایسا آدمی بھی تھا جس نے مٹھی میں خاک لی اور اپنے منحوس چہرے پر ڈالی اور کہا میرے لیے یہ کافی ہے۔ نیز فتح مکہ کے دن مشرکین موجود نہ تھے۔ لہٰذا سورۃ النجم والا قصہ فتح مکہ سے پہلے کا ہے (غور سے کام لو)

٩٦٧/١٠ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَسْجُدْ فِيْ شَيْءٍ مِنَ الْمُفَصَّلِ مُنْذُ تَحَوَّلَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں کیا[1]۔

⁂

(ابوداؤد)

[1] یعنی اگرچہ مدینہ منورہ کی طرف منتقل ہونے سے قبل قیام مکہ کے دوران آپ نے سجدہ کیا تھا اور سب لوگوں مسلمانوں کافروں اور جن و انس نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا تھا۔

یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مخالف ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ پیغمبر خدا صلی اللہ

علیہ وسلم کے ساتھ سورت اذا السماء انشقت اور سورۃ اقرا باسم ربک میں سجدۂ تلاوت کرتے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ منتقل ہونے کے بعد ہجرت کے ساتویں سال ایمان لائے۔ محدثین نے کہا ہے کہ حضرت ابوہریرہ کی حدیث زیادہ صحیح اور زیادہ راجح ہے۔ اور بہت سے صحابہ کرام نے روایت کی ہے کہ مفصل سورتوں میں سجدہ ہے۔ اور اصول کا قاعدہ ہے کہ مثبت روایت نافی روایت پر فوقیت رکھتی ہے (یعنی وہ حدیث جو کسی حکم کو ثابت کرے اس حدیث پر فوقیت رکھتی ہے جو اس حکم کی نفی کرے)

۹۶۸/۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِ الْقُرْاٰنِ بِاللَّيْلِ سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت قرآنی سجدہائے تلاوت میں یہ الفاظ پڑھتے تھے۔ سَجَدَ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ۔ یعنی سجدہ کیا میرے چہرے[1] نے اس ذات کے آگے جس نے اسے پیدا کیا اور اسے پھاڑ[2] کر اس میں کان اور آنکھیں پیدا کیں۔ اپنی توانائی اور توفیق سے۔ اسے ابوداؤد اور ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

⁂

ف۱ یعنی میرے چہرے یا میری ذات نے۔

ف۲ یعنی کان اور آنکھیں ایک قسم کا شگاف ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے سننے اور دیکھنے کی قوت رکھ دی ہے۔ اس حدیث میں رات کی قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دعا رات کے وقت سنی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رات یا دن کی قید کے بغیر مطلق طور پر بھی یہ دعا پڑھنا وارد ہوا ہے اور آپ سے اس دعا کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ رب انی ظلمت نفسی فاغفرلی۔ اے اللہ میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ مجھے بخش دے اور اس تسبیح کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ سبحان ربنا ان کان وعد ربنا لمفعولا۔ ہمارا رب پاک ہے اور ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ اور حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز کے سجدہ کی مسنون تسبیح سجدہ تلاوت میں کافی ہے۔ کیونکہ نماز کا سجدہ تلاوت کے سجدہ سے افضل ہے جب اس میں وہ تسبیح کافی ہے تو اس میں بطریق اولیٰ کفایت کرے گی۔ مگر اس کے باوجود اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ سجدہ تلاوت میں جو مخصوص دعائیں مروی ہیں ان کا پڑھنا بھی بہت بہتر اور بہت مناسب ہے۔

۹۶۹/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَأَيْتُنِيْ اللَّيْلَةَ وَأَنَا نَائِمٌ كَأَنِّيْ أُصَلِّيْ خَلْفَ شَجَرَةٍ فَسَجَدْتُ فَسَجَدَتِ الشَّجَرَةُ لِسُجُوْدِيْ فَسَمِعْتُهَا تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجْدَةً ثُمَّ سَجَدَ فَسَمِعْتُهٗ وَهُوَ يَقُوْلُ مِثْلَ مَا أَخْبَرَهُ الرَّجُلُ عَنْ قَوْلِ الشَّجَرَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ إِلَّا أَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ وَتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوٗدَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

میں آیا اور کہا یا رسول اللہ میں نے آج رات سوتے میں ایک خواب دیکھا ہے کہ گویا میں ایک درخت کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہوں اور میں نے سجدہ کیا ہے اور درخت نے بھی میرے سجدے کے ساتھ سجدہ کیا ہے[1] پھر میں نے اس درخت کو کہتے ہوئے سنا۔ اے اللہ میرے لیے اس سجدہ کے عوض اپنے پاس اجر و ثواب لکھ دے اور مجھ سے میرا بوجھ اتار دے اور اسے میرے لیے اپنے پاس ذخیرہ بنا اور اسے میری طرف سے قبول کر جس طرح تو نے اپنے بندے داود سے قبول کیا حضرت ابن عباس کہتے ہیں کہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت سجدہ پڑھی پھر آپ نے سجدہ کیا[2] پھر میں نے آپ کو سنا کہ آپ بھی وہی الفاظ پڑھ رہے تھے جن کی خبر اس شخص نے درخت کے پڑھنے کے بارے میں دی تھی۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے مگر ابن ماجہ نے قبول کر اسے میری طرف سے جس طرح تو نے اپنے بندے داؤد سے قبول کیا[3] کا لفظ ذکر نہیں کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

⁂

[1] یعنی میرے سجدہ کے وقت یا میرے سجدہ کی طرح۔

[2] یعنی پھر اسی وقت یا کسی دوسرے وقت یہ دعا پڑھنے کی غرض سے آپ نے سجدہ کیا۔

[3] البتہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس مرد نے سورت ص پڑھی یا کوئی اور سورت۔ ظاہراً روایت میں اس لفظ کے ذکر کرنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سورۃ ص پڑھی ہوگی۔ اور اس وجہ سے بھی کہ یہاں مطلقاً آیت کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے دونوں روایتوں کا معنیٰ دونوں احتمال ہوں۔ مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت جو پہلی روایت میں مطلق آئی ہے اس سے مراد آیات سجدہ میں سے کوئی آیت ہو۔ واللہ اعلم۔

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث دونوں حدیثوں سے غریب ہے۔

⁂

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

٩٧٠/١٣ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ وَالنَّجْمِ فَسَجَدَ فِيْهَا وَسَجَدَ مَنْ كَانَ مَعَهٗ غَيْرَ اَنَّ شَيْخًا مِّنْ قُرَيْشٍ اَخَذَ كَفًّا مِّنْ حَصًى اَوْ تُرَابٍ فَرَفَعَهٗ اِلٰى جَبْهَتِهٖ وَقَالَ يَكْفِيْنِيْ هٰذَا! قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَلَقَدْ رَاَيْتُهٗ بَعْدُ قُتِلَ كَافِرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَزَادَ الْبُخَارِيُّ فِيْ رِوَايَةٍ وَهُوَ اُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ۔

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ والنجم پڑھی تو اس میں سجدہ کیا اور لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کیا مگر قریش میں سے ایک بوڑھے شخص نے کہ اس نے ہاتھ میں کنکریاں یا مٹی لی اور اسے اپنی پیشانی پر ڈالا اور کہا میرے لیے یہ کافی ہے[1] حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں البتہ میں نے اس بوڑھے کو دیکھا کہ کفر کی حالت میں قتل ہوا[2] بخاری و مسلم اور بخاری نے ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ کیے کہ وہ بوڑھا امیۃ بن خلف ہے[3]۔

---

[1] اور اس نے سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور سرکشی اختیار کی۔ باوجودیکہ باقی سب مشرکین نے جو اس کے ساتھ تھے، سجدہ کیا

[2] علماء فرماتے ہیں وہ مقتول امیہ بن خلف تھا۔ خلَف لام کی زبر سے۔ یہ مردود بدر کے دن مارا گیا اور اس کا بھائی ابی بن خلف تھا جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست مبارک سے احد کے دن قتل کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ بوڑھا عتبہ بن ربیعہ ہے۔ اور بعض ولید بن مغیرہ بتلاتے ہیں۔ بعض نے کہا سعید بن العاص مراد ہے مگر ان سب میں صحیح تر قول اول ہے۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقع فتح مکہ سے پہلے کا ہے۔ کیونکہ فتح مکہ کے دن یہ کافر موجود نہ تھا۔

٩٧١/١٤ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَجَدَ فِيْ صٓ وَقَالَ سَجَدَهَا دَاوٗدُ تَوْبَةً وَّنَسْجُدُهَا شُكْرًا۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ صٓ میں سجدہ کیا اور داؤد پیغمبر نے یہاں توبہ کا سجدہ کیا[1] اور ہم یہاں شکر کا سجدہ کرتے ہیں[2]۔

(نسائی)

---

[1] یعنی اس واقعہ میں جو ان کے متعلق سورۃ صٓ میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزمائش میں ڈالا تو وہ توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے اس کوتاہی کے باعث جو ان سے صادر ہوئی تھی۔

[2] یعنی ہم داؤد کی توبہ کی قبولیت کی شکر گزاری کے لیے سجدہ کرتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام شخص واحد کی طرح ہوتے ہیں اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ایک نبی پر افاضہ نعمت گویا تمام انبیاء پر افاضہ نعمت ہوتا ہے۔ اور ہمارے

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے لیے مشفق باپ کی طرح ہیں۔ اس لیے آپ ان پر نعمت یاد کر کے بہت زیادہ خوشی اور مسرت محسوس کرتے ہیں۔

بَابُ اَوْقَاتِ النَّهْيِ

ممانعت نماز کے اوقات

یعنی ان اوقات کے بیان کا باب جن میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ ان تین اوقات کو بھی شامل ہے جن میں نماز پڑھنا حرام ہے یعنی طلوع و غروب آفتاب اور نصف النہار کا وقت۔ اور دو وقت اور ہیں کہ ان میں نماز مکروہ ہے۔ فجر اور عصر کے بعد۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ تین اوقات میں ممانعت فرض و نفل دونوں کو شامل ہے۔ لہٰذا ان تین اوقات میں کوئی نماز جائز نہیں۔ نہ ادا نہ قضا۔ مگر اس دن کی عصر اور نہ نماز جنازہ نہ سجدۂ تلاوت اور نماز جنازہ میں جب کہ ان اوقات میں حاضر ہو۔ اسی طرح سجدۂ تلاوت میں جب کہ آیت سجدہ ان اوقات میں پڑھی جائے، ایک قول کے مطابق ادا کر لینا جائز ہے اسی طرح دیگر کے وقت میں بھی جائز ہے مگر نیت باندھ کر توڑ دے اور وقت مکروہ گزرنے پر قضا کرے۔ اور اسی وقت مکروہ میں پوری کرے تو بھی ذمہ داری سے نکل آئے گا۔ مگر توڑ دینا افضل ہے۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام میں مبسوط سے منقول ہے۔

اور امام شافعی و احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان اوقات میں قضا جائز ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قضا کے بارے میں فرمایا ہے فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا کہ جب یاد آئے قضا نماز پڑھے اور نماز جنازہ جب حاضر ہو اور تحیۃ المسجد بھی اگر اتفاق سے مسجد میں داخل ہو جائے تو ادا کر لے۔ تاہم اگر ان اوقات میں تحیت کے ارادہ سے مسجد کے اندر آئے اور دیر کرے کہ ان اوقات میں ادا کرے تو یہ جائز نہ ہو گا کیونکہ یہ چیز اس میں داخل ہے کہ وہ کوشش اور قصد و ارادہ سے ان ممنوع اوقات میں نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ اس کا یہ عمل حدیث کے حکم کے مطابق ممنوع ہے۔ جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اسی طرح نماز کسوف بھی ان اوقات میں جائز ہے کہ دیر کرنے سے ہو سکتا ہے کہ گرہن ہی ختم ہو جائے اور وضو کے بعد کی دو رکعتیں اور احرام و طواف کی دو رکعات اور سجدۂ تلاوت کی آیت اگر ان دو اوقات مکروہ میں پڑھی گئی۔

پھر احناف کے نزدیک یہ کراہت تمام زمانوں اور جگہوں کو شامل ہے مگر امام شافعی اور ان حضرات کے نزدیک جو ان کے موافق ہیں جمعہ کے روز نصف النہار کے وقت بھی جائز ہے۔ اور ان کے نزدیک مکہ معظمہ میں تمام اوقات میں جائز و روا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک طواف کی رکعتیں فجر اور عصر کے بعد جائز ہیں۔ اور نصف النہار اور طلوع و غروب آفتاب

کے وقت ادا کرنے میں ان سے دو روایتیں آئی ہیں اور امام مالک نے کہا میں نے اہل فضل و کمال کو نہیں پایا مگر وہ پوری توجہ اور کوشش سے نصف النہار میں نماز ادا کرتے تھے، تاہم حنفیہ کا مذہب زیادہ احتیاط پر مبنی ہے کیونکہ جب جائز قرار دینے والی دلیل اور حرام قرار دینے والی دلیل دونوں ایک مسئلے میں جمع ہو جائیں تو حرام قرار دینے والی دلیل کو ترجیح حاصل ہوگی۔ واللّٰہ اعلم

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۹۶۲/۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَتَحَرّٰی[1] اَحَدُکُمْ فَیُصَلِّیْ عِنْدَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوْبِہَا وَفِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ اِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلٰوۃَ حَتّٰی تَبْرُزَ وَاِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَدَعُوا الصَّلٰوۃَ حَتّٰی تَغِیْبَ وَلَا تَحَیَّنُوْا[2] بِصَلٰوتِکُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوْبَہَا فَاِنَّہَا تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

پہلی فصل

حضرت ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص یہ ارادہ نہ کرے کہ طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج کا کنارہ طلوع کر آئے تو نماز پڑھنا چھوڑ دو[2] یہاں تک کہ وہ پوری طرح طلوع کر آئے[3] اور سورج کا کنارہ غروب ہو جائے تو نماز پڑھنا ترک کر دو یہاں تک کہ وہ پوری طرح غروب ہو جائے اور اپنی نماز کیلیے طلوع و غروب آفتاب کا وقت مقرر نہ کرو[4] کیونکہ سورج شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے[5]۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] تحری کا لفظ دراصل بہتر چیز کی طلب و تلاش کے لیے آتا ہے۔ اَلتَّحَرِّیْ کا معنی ہے زیادہ بہتر اور زیادہ مناسب چیز یہاں بمعنی مطلق طلب و تلاش ہے اور اس کا اصل معنی بھی معتبر اور ملحوظ ہے۔ کیونکہ جو شخص نماز کے لیے وقت کا ارادہ کرتا ہے وہ اس وقت کو زیادہ بہتر اور مناسب سمجھ کر ہی اس کا ارادہ کرتا ہے یہیں سے امام شافعی رحمۃ اللّٰہ نے تحیۃ المسجد اور قضائے نماز کی ان اوقات میں بالقصد ادائیگی کو جائز قرار نہیں دیا۔ اگر اتفاقاً یہ نمازیں ان اوقات میں پڑھ لی گئیں تو جائز ہے احناف یہ کہتے ہیں کہ نہی کی حدیث سے ان اوقات میں مطلقاً نماز سے نہی مقصود ہے۔

[2] اس سے مراد وقت طلوع ہے کیونکہ جب آفتاب افق مشرق سے نکلنا شروع ہوتا ہے۔ اس وقت اس کا کنارہ ابرو کے مشابہ ہوتا ہے۔ قاموس میں کہا حاجب الشمس بمعنی کنارہ آفتاب۔ صراح میں کہا حواجب الشمس اس کے کنارے

[3] یعنی تا آنکہ سورج کی ٹکیہ پوری طرح طلوع کر آئے اور اگر ایک نیزہ کی مقدار بلند ہونے تک صبر و انتظار کریں تو بہتر ہے جیسا کہ دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔

[۴] یا نماز کے قریب نہ جاؤ یا اپنی نماز کے لیے طلوع و غروب آفتاب کے وقت کی انتظار نہ کرو یعنی طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز نہ پڑھو۔

[۵] اس عبارت کی شرح باب مواقیت الصلوۃ میں گزر چکی ہے۔ یہاں غروب کا ذکر نہ کیا ایک تو اختصار کے لیے دوسرے طلوع آفتاب پر کفایت کرتے ہوئے۔

٩٦٣/٢ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ثَلٰثُ سَاعَاتٍ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰنَا اَنْ نُّصَلِّيَ فِيْهِنَّ اَوْ نَقْبُرَ فِيْهِنَّ مَوْتَانَا حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ بَازِغَةً حَتّٰى تَرْتَفِعَ وَحِيْنَ تَقُوْمُ قَائِمُ الظَّهِيْرَةِ حَتّٰى تَمِيْلَ الشَّمْسُ وَحِيْنَ تَضَيَّفُ الشَّمْسُ لِلْغُرُوْبِ حَتّٰى تَغْرُبَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں تین اوقات ایسے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز پڑھنے سے منع فرمایا یا یہ کہ ہم ان اوقات میں اپنے مردے[۱] دفن کریں۔ جب سورج اپنی چمک دمک کے ساتھ طلوع ہو رہا ہوتا ہے۔ اور نصف النہار[۲] کے وقت یہاں تک کہ ڈھلنا شروع ہو جائے اور جب سورج غروب ہونے لگے یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔

(مسلم)

[۱] مردے دفن کرنے سے مراد نماز جنازہ ہے۔ ورنہ ان اوقات میں دفن کرنا اور قبر میں اتارنا بالاجماع ممنوع نہیں ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور وہ تین اوقات یہ ہیں جو اس حدیث میں مذکور ہوئے۔

[۲] یعنی دوپہر کو جب سورج کھڑا ہوتا ہے۔ اس سے مراد اس کا سایہ ہے یا خود آفتاب ہے۔

٩٦٤/٣ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ وَلَا صَلٰوةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰى تَغِيْبَ الشَّمْسُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صبح کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج بلند ہو جائے اور عصر کے بعد کوئی نماز نہیں یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے[۱]۔

(بخاری ومسلم)

[۱] مراد نماز کامل کی نفی ہے۔ کیونکہ ان اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے حرام نہیں۔

٩٦٥/٤ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبْسَةَ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عمرو[۱] بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف

الْمَدِيْنَةَ فَقَدِمْتُ الْمَدِيْنَةَ فَدَخَلْتُ
عَلَيْهِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلٰوةِ
فَقَالَ صَلِّ صَلٰوةَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ
عَنِ الصَّلٰوةِ حِيْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ
حَتّٰى تَرْتَفِعَ فَاِنَّهَا تَطْلُعُ حِيْنَ تَطْلُعُ
بَيْنَ قَرْنَیْ شَيْطَانٍ وَّحِيْنَئِذٍ يَّسْجُدُ
لَهَا الْكُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ
مَشْهُوْدَةٌ مَّحْضُوْرَةٌ حَتّٰى يَسْتَقِلَّ
الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ
فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا
اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ
مَّحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّیَ الْعَصْرَ ثُمَّ
اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ
الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَیْ
شَيْطَانٍ وَّحِيْنَئِذٍ يَّسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ
قَالَ قُلْتُ يَا نَبِیَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءُ
حَدِّثْنِیْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ
يُقَرِّبُ وُضُوْءَهٗ فَيُمَضْمِضُ وَيَسْتَنْشِقُ
فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ
وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ
وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ
خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ
مَعَ الْمَآءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَی
الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ
مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَآءِ ثُمَّ يَمْسَحُ

لائے تو میں بھی مدینے آیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے نماز کے متعلق خبر دیجیے[3]۔ فرمایا نماز فجر پڑھو پھر آفتاب طلوع ہونے تک نماز سے باز رہو یہاں تک کہ بلند ہو جائے کیونکہ وہ نکلتے وقت شیطان کے دو سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ اور اس وقت اسے کفار سجدہ کرتے ہیں پھر نماز پڑھو[4] کیونکہ نماز حاضری یا گواہی کا وقت[5] ہے۔ یہاں تک کہ نیزے کا سایہ کم ہو جائے[6] پھر نماز سے باز رہو۔ کیونکہ اس وقت دوزخ تپایا جاتا[7] ہے پھر جب زوال کا سایہ آگے ہو جائے تو نماز پڑھو[8]۔ کیونکہ وہ حاضری اور گواہی کا وقت ہے یہاں تک کہ نماز عصر پڑھ لو۔ پھر سورج ڈوبنے تک نماز سے باز رہو۔ کیونکہ وہ شیطان کے سینگوں کے درمیان ڈوبتا ہے اور اس وقت کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے وضو[9] کے متعلق خبر دیجیے۔ فرمایا ایسا کوئی شخص نہیں جو وضو کا پانی لے[10]۔ پھر کلی کرے۔ ناک[11] میں پانی ڈالے۔ مگر اس کے چہرے، منہ اور نتھنوں[12] کی خطائیں گر جاتی ہیں[13]۔ پھر جب اسی طرح اپنا منہ دھوئے جیسے اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ مگر اس کے چہرے کی خطائیں داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتی ہیں۔ پھر اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے مگر اس کے ہاتھوں کی خطائیں پانی کے ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اپنے سر کا مسح

رَأْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَآءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَآءِ فَاِنْ هُوَ قَامَ فَصَلّٰى فَحَمِدَ اللهَ وَ اَثْنٰى عَلَيْهِ وَ مَجَّدَهٗ بِالَّذِىْ هُوَ لَهٗ اَهْلٌ وَ فَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِيْئَتِهٖ كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کرے۔ مگر اس کے سر کی خطائیں پانی کے ساتھ بالوں کے کناروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اپنے پاؤں دھوئے مگر اس کے پاؤں کی خطائیں پانی کے ساتھ پوروں سے گر جاتی ہیں۔ پھر اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو اللہ تعالیٰ کی وہ حمد و ثنا اور بڑائی کرے جس کے وہ لائق[۴] ہے اور اپنا دل اللہ کے لیے خالی کرے[۵]۔ مگر اپنی خطاؤں سے اس دن کی طرح پھرے گا جس دن اسے ماں نے جنا۔

⁂

(مسلم)

۱؎ عَبَسَہ عین اور سین کی زبر سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ کے حالات شریفہ اور قصہ ابتداء اسلام کئی جگہ مذکور ہوا ہے۔

۲؎ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس صحابی نے نماز کے وقت کے بارے میں دریافت کیا تھا۔

۳؎ اصل میں لفظ اقصر ہمزہ کی زبر سے صیغہ امر ہے مصدر اقصار سے جب کوئی شخص کسی کام کی طاقت رکھتے ہوئے اس سے باز رہے اور اسے نہ کرے تو اس کے لیے کہتے ہیں۔ اُقْصُرْتُ اور اگر کسی کام کے کرنے کی اس میں طاقت ہی نہ ہو اور اس بنا پر اسے نہ کر سکے تو اسے قَصُرَتْ کہتے ہیں یعنی اس کام کے کرنے سے تو قاصر رہا ہے اور یہاں ہمزہ نہیں آتا۔ عربوں کے ہاں اس لفظ کا استعمال یوں ہی آیا ہے۔

۴؎ یعنی نماز نفل وغیرہ جو چاہے ادا کرے۔

۵؎ یعنی اس وقت کی نماز میں یا مطلق نماز کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ یا نمازی کے لیے اس کے نماز پڑھنے پر گواہی دیتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک محضورۃ ضاد نقطہ والے کے ساتھ معنی اول کے مطابق مشہودۃ کی تاکید و تقریر ہے۔ اور ایک روایت میں مشہودۃٌ مکتوبۃٌ آیا ہے۔ یعنی اس نماز کے وقت ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس کے اعمال نامہ میں اس کا اجر و ثواب درج کرتے ہیں۔ اور ملائکہ کرام کتابت اعمال کے لیے بھی آتے ہیں۔

یعنی اس نیزے کا سایہ جو زمین گھاڑا جاتا ہے نیزے سے کم اور بہت چھوٹا ہو جائے۔ جیسا کہ دوپہر کے وقت ہوتا ہے اور لفظ استقلال بلند ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یعنی سایہ نیزہ سے بلند ہو جائے اور زمین پر نہ پڑے

بعض روایات میں حتی یستقل رمح بالظل بھی آیا ہے یعنی نیزہ کے مقابلے میں اس کا سایہ کم ہو جائے اور دونوں عبارتوں کے معنیٰ کا مآل ایک ہی ہے یا قلت اور کمی کے معنی پر محمول ہے۔

۵۷ تسجر کا لفظ جیم کی شد اور تخفیف دونوں طرح روایت آئی ہے۔

۵۸ اور اس کی فضیلت اور درجہ بیان فرمائیں۔

۵۹ وضوء واؤ کی زبر کے ساتھ۔ دراصل اس عبارت میں وضو اور طہارت کے اہتمام کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ وضو کا پانی حاصل کرنے اور اس کی تیاری میں خود کوشش کرے خادم و نوکر کے ذمے نہ لگائے۔ اس مشقت اور اپنے مولیٰ کی عبادت و خدمت میں کسی اور کو شریک نہ کرے۔

۶۰ لیستنشق تین نقطوں والی ثا کے ساتھ۔ لفظ استنشاق میں ناک کی صفائی میں مبالغہ ہے کیونکہ ناک شیطان کے رات بسر کرنے کی جگہ ہے۔ جیسا کہ وضو کے باب میں گزرا۔

۶۱ یعنی منہ اور ناک کے اندر کے حصے کے گناہ اور خطائیں۔ تخرت نقطہ والی خا اور را مشدد کے ساتھ خرور سے بمعنیٰ اوپر سے نیچے گرنا۔ یہ لفظ جیم اور را مخفف سے بھی مروی ہے بمعنیٰ اور جاری ہونا۔

۶۲ یعنی ان صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جس کے وہ لائق ہے۔

۶۳ گویا اس قول میں باطنی گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کرنے کی جانب اشارہ ہے۔ جس طرح وضو سے ظاہری اعضا کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا ارشاد کہیئۃ یوم ولدتہ امہ اس پر بالکل ٹھیک صادق آگیا کہ جس طرح ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت گناہوں سے پاک ہوتا ہے اسی طرح وضو اور نماز ادا کرنے سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔

۹۷۶ وَعَنْ كُرَيْبٍ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَالْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ وَعَبْدَ الرَّحْمٰنِ ابْنَ الْاَزْهَرِ اَرْسَلُوْهُ اِلٰى عَائِشَةَ فَقَالُوْا اِقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَسَلْهَا عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَالَ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَبَلَّغْتُهَا مَا اَرْسَلُوْنِيْ فَقَالَتْ سَلْ اُمَّ سَلَمَةَ فَخَرَجْتُ اِلَيْهِمْ فَرَدُّوْنِيْ اِلٰى اُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت کریب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت ابن عباس حضرت مسور[۲] بن مخرمۃ اور حضرت عبدالرحمٰن ابن[۳] ازہر رضی اللہ عنہم نے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں بھیجا اور کہا کہ ہم سب کا انہیں سلام کہنا اور ان سے عصر کے بعد والی دو رکعت کے متعلق دریافت کرنا[۴]۔ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں وہ پیغام پہنچایا جو مجھے دے کر بھیجا تھا۔ انہوں نے فرمایا ام سلمہ سے پوچھو[۵]۔ میں ان حضرات کی طرف واپس[۶] لوٹا۔ انہوں نے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهٰى عَنْهُمَا ثُمَّ رَاَيْتُهٗ يُصَلِّيْهِمَا ثُمَّ دَخَلَ فَاَرْسَلْتُ اِلَيْهِ الْجَارِيَةَ فَقُلْتُ قُوْلِيْ لَهٗ تَقُوْلُ اُمُّ سَلَمَةَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ سَمِعْتُكَ تَنْهٰى عَنْ هَاتَيْنِ الرَّكْعَتَيْنِ وَاَرَاكَ تُصَلِّيْهِمَا قَالَ يَا ابْنَةَ اَبِيْ اُمَيَّةَ سَاَلْتِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ وَاِنَّهٗ اَتَانِيْ نَاسٌ مِّنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَشَغَلُوْنِيْ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ فَهُمَا هَاتَانِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مجھے ام سلمہ کے پاس بھیجا حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے منع کرتے سنا پھر میں نے آپکو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھا پھر آپ تشریف لائے[۷] تو میں نے ایک[۸] لڑکی کو آپکی خدمت میں بھیجا اور میں نے کہہ دیا کہ آپ سے عرض کرنا یا رسول اللہ ام سلمہ عرض کرتی ہے کہ میں نے آپکو ان دو رکعتوں سے منع کرتے سنا اور آپکو یہ رکعتیں پڑھتے دیکھتی ہوں۔ فرمایا[۹] اے ابو امیہ کی بیٹی[۱۰] تو نے عصر کے بعد دو رکعتیں پڑھنے کے متعلق مجھ سے پوچھا ہے میرے پاس عبدالقیس[۱۱] کے کچھ لوگ آئے تھے جنہوں نے ظہر کے بعد والی دو رکعتوں سے باز رکھا۔ یہ وہی دو رکعتیں ہیں[۱۲]۔ (بخاری ومسلم)

[۱] کریب کاف کی پیش اور را کی زبر سے۔

[۲] مسور میم کی زیر اور سین کی جزم کے ساتھ۔ مخرمہ میم کی زبر خا ساکن اور را کی زبر۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کے لڑکے ہیں کم سن صحابی ہیں۔ یہ ہجرت کے بعد مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے اور ۸ھ میں مکہ سے نقل مکانی کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت ان کی عمر آٹھ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنیں۔ انہیں یاد رکھا اور شہادت عثمان رضی اللہ عنہ تک مکہ معظمہ میں درس حدیث دیتے رہے۔ پھر مستقل طور پر مکہ میں آ گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک مکہ میں ہی تعلیم دیتے رہے آپ نے یزید کی بیعت سے نفرت کا اظہار کیا۔ تا آنکہ یزید نے مکہ کی طرف لشکر بھیجا اس نے آ کر ان کا محاصرہ کر لیا اور حضرت مسور نماز پڑھ رہے تھے کہ دوران نماز آپ کو منجنیق (اس وقت کی ایک طرح کی توپ) کا ایک پتھر لگا جس سے نماز کے اندر ہی شہید ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ

[۳] ازہر ہمزہ کی زبر اور زا ساکن۔ آپ بھی صحابی ہیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ برادر زادہ ہیں غزوہ حنین میں موجود تھے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے ہم عمر لوگوں میں سے ہیں۔ حضرت کریب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آزاد کردہ غلام اور ثقہ ہیں۔

[۴] کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عصر کے بعد کی دو رکعتوں کا حال دریافت کرو۔ کہ ان کا ادا کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہیں یا نہیں۔ گویا ان حضرات نے سن رکھا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پڑھی ہیں۔

۵۵ کہ انہیں اس بارے میں علم ہے۔

۵۶ یہ حضرت کریب رضی اللہ عنہ کا غایت ادب اور ان کی دانائی کا مظہر ہے کہ حضرت عائشہ سے سیدھے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ گئے کیونکہ ان حضرات نے انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا تھا۔ نہ کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس اس لیے پہلے واپس لوٹ کر ان حضرات کے پاس گئے۔ پھر جب ان حضرات نے انہیں حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا تو حضرت ام سلمہ کے پاس گئے۔

۵۷ کہ صرف یہ دو رکعتیں یا مطلق کوئی بھی نماز عصر کی نماز کے بعد ادا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۵۸ گویا آپ نے یہ دو رکعت مسجد میں ادا کی تھیں۔ پھر دولتکدہ میں تشریف لائے یا پہلے آپ گھر کے چبوترے پر تھے پھر گھر میں داخل ہوئے۔

۵۹ یعنی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو۔

۵۱۰ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا۔

۵۱۱ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کا نام سہل بن مغیرہ مخزومی ہے اور ان کی کنیت ابو امیہ تھی۔

۵۱۲ یعنی قبیلہ عبد القیس کے کچھ لوگوں نے دینی احکام سیکھنے کے لیے مجھے مصروف رکھا۔

۵۱۳ یہ دو رکعتیں وہ ظہر کی بعد والی دو رکعتیں ہیں جو میں ادا نہ کر سکا تھا۔

۵۱۴ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دین کی تعلیم دینا، احکام شریعت کی تبلیغ و اشاعت اور لوگوں کو ہدایت کی باتیں سکھانا نفل نماز سے اہم اور افضل ہے۔ اگرچہ یہ نماز سنت مؤکدہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث سے دوسری بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کسی وقتی نماز سے متعلق نفل نماز یعنی سنت مؤکدہ نماز رہ جائے تو اسے وقت گزرنے کے بعد قضا کر لیا جائے۔ جیسا کہ شافعی حضرات کا مذہب یہی ہے۔ مگر حنفیہ کے نزدیک انہیں وقت کے اندر قضا کیا جائے غیر وقت میں قضا نہ کیا جائے۔ (جیسے ظہر کی پہلی چار رکعت سنت مؤکدہ اگر فرض نماز سے پہلے ادا نہیں کیں تو ظہر کی نماز میں فرضوں کے بعد پڑھ لی جائیں) باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت ظہر کے گزرنے کے بعد عصر کے وقت میں یہ دو رکعتیں کیوں پڑھیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے بعد یہ سنتیں شروع کی ہوں اور ان لوگوں کو تعلیم و ہدایت کی ضرورت کے تحت توڑ دی ہوں۔ اس وجہ سے انہیں عصر کے وقت قضا کیا (کہ نوافل کو شروع کرنے کے بعد توڑنے سے ان کی قضا واجب ہو جاتی ہے) واللہ اعلم۔

سوال۔ اگر یہ کہا جائے کہ بے شک یہ حدیث تو صرف اس پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی دو رکعت سنتیں جو عصر کے بعد پڑھیں وہ وفد عبد القیس سے مصروفیت کی بنا پر ظہر کے بعد نہ پڑھی جا سکی تھیں۔ اس لیے انہیں عصر کے بعد پڑھا۔ مگر ان احادیث کا کیا جواب ہو گا جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صحیح البخاری میں مروی ہیں

اور اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو رکعتیں ہمیشہ پابندی سے پڑھی ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں مجھے اس رب تعالےٰ کی قسم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دنیا سے آخرت کی طرف لے گیا آپ نے بعد عصر کی دو رکعت کبھی ترک نہ کیں تاآنکہ آپ نے اپنے پروردگار سے ملاقات کی (دنیا سے رحلت کر گئے)

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ فرماتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلوت وجلوت ہر حالت میں یہ دو رکعت پڑھتے تھے کبھی ترک نہ کرتے تھے اور فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی بعد عصر میرے گھر تشریف نہ لائے مگر دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد نماز پڑھنا مکروہ ہے جمہور علماء بھی اسی پر ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کو اس وقت میں نماز پڑھنے سے روکتے اور سزا دیتے تھے۔ مگر بعد نماز عصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعت پڑھنا بھی ثابت ہے۔ اس بارے میں علماء نے بہت گفتگو کی ہے اس کا کچھ حصہ عربی شرح (لمعات) میں مذکور ہوا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ بعد عصر آپ کا دو رکعت پڑھنا اور پابندی سے پڑھنا آپ کے خصائص میں سے تھا اور امت کو آپ نے اس سے منع فرمایا۔ جس طرح کہ آپ خود وصال کے روزے رکھتے تھے مگر دوسروں کو اس سے منع کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے بعد عصر نماز پڑھنے سے اس لیے منع کیا کہ لوگ غروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنا شروع نہ کر دیں۔ لہذا اگر بعد نماز عصر کوئی نماز غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جائے تو مکروہ نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو مارنا اور سزا دینا بھی اسی خدشے کی بنا پر تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز صبح اور نماز عصر کے بعد اس شخص کے لیے نماز پڑھنا مکروہ ہے جو طلوع وغروب آفتاب کے وقت نماز پڑھنے کا ارادہ کرے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے لَاتَحَیَّنُوْا بِصَلٰوتِکُمْ طُلُوْعَ الشَّمْسِ لَاغُرُوْبَهَا۔ یعنی اپنی نمازوں کے لیے طلوع اور غروب آفتاب کا وقت مقرر نہ کرو۔ جیسا کہ باب کے ابتدا میں گزرا۔ جمہور علماء اس پر ہیں کہ مذکورہ دونوں نمازوں کے بعد مطلق نماز مکروہ ہے۔

منقول ہے کہ حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ لوگوں سے چھپ کر گھر میں دو رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا۔ آپ لوگوں کے سامنے کیوں نہیں پڑھتے۔ فرمایا لوگوں سے ڈر کے مارے ظاہر یہ ہے کہ اس امام اجل کا مذہب اس بارے میں باقی لوگوں کے مذہب کے خلاف تھا اور چونکہ جمہور مسلمان نہ پڑھنے کے قائل تھے اس لیے اس امام نے نہ چاہا کہ برملا لوگوں کے خلاف ایک کام کریں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۹۴۶ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ قَیْسِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ رَاَی النَّبِیُّ

دوسری فصل

حضرت محمدؒ بن ابراہیم حضرت قیس بن عمرو سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُصَلِّيْ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الصُّبْحِ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ الرَّجُلُ اِنِّيْ لَمْ اَكُنْ صَلَّيْتُ الرَّكْعَتَيْنِ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا فَصَلَّيْتُهُمَا الْاٰنَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَقَالَ اِسْنَادُ هٰذَا الْحَدِيْثِ لَيْسَ بِمُتَّصِلٍ لِاَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ اِبْرَاهِيْمَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ قَيْسِ بْنِ عَمْرٍو وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَنُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ قَيْسِ بْنِ تَهْدٍ نَحْوَهٗ۔

صبح کے بعد دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا صبح کی نماز دو دو رکعت ہے[2]۔ اس شخص نے عرض کیا میں نے صبح کے دو فرضوں سے پہلے کی دو رکعتیں نہ پڑھی تھیں[3]۔ میں نے وہ اب پڑھی ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے[4]۔

* * *

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا۔ اور فرمایا۔ اس حدیث کا اسناد متصل نہیں۔ کیونکہ محمد بن ابراہیم کا قیس بن عمرو سے سماع ثابت نہیں ہے اور شرح السنۃ اور نسخ مصابیح میں قیس بن تہد[5] سے اس کی مثل روایت کیا۔

* * *

[1] حضرت محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کم سن تابعین میں سے ہیں۔ اور قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ انصاری صحابی ہیں۔

[2] یعنی کیا تو صبح کی نماز اس طرح ادا کرتا ہے کہ پہلے دو رکعت فرض پڑھتا ہے اور اس کے بعد دو رکعت نفل۔ باوجودیکہ تجھے علم ہے کہ اس نماز کے بعد کوئی نماز جائز نہیں۔

[3] یعنی میں نے فجر کی دو سنتیں نہ پڑھی تھیں۔ اس لیے وہ اب پڑھ رہا ہوں۔

[4] اور اس سے منع نہ کیا۔ بلکہ اس کے فعل کو قائم اور باقی رکھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی سنتیں فرضوں سے پہلے نہ پڑھی ہوں تو فرضوں کے بعد انہیں قضا کر لیا جائے۔ امام شافعی اور امام محمد رحمہما اللہ تعالےٰ کا یہی مذہب ہے، امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سنتوں کی قضا نہ فرضوں کے بعد ہے نہ طلوع آفتاب کے بعد مگر جب کہ فجر کے فرض بھی قضا ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ لیلۃ التعریس (غزوہ خیبر سے واپسی کی ایک رات) میں ہوا۔ امام محمد رحمۃ اللہ نے کہا میں پسند کرتا ہوں کہ ان سنتوں کو زوال سے پہلے پہلے قضا پڑھ لیا جائے۔ شیخین (امام ابوحنیفہ و امام ابویوسف)

فرماتے ہیں سنتوں میں اصل عدم قضا ہے کہ قضا واجب کے ساتھ خاص ہے اور اس بارے میں حدیث وارد نہیں ہوئی مگر اس شکل میں کہ فرض بھی رہ جائیں اور ان کے تابع سنتیں بھی قضا کی جائیں۔ لہٰذا اس صورت کے علاوہ باقی صورتیں اپنی اصل پر باقی رہیں گی۔ یعنی عدم قضا اور محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ کی حدیث ضعیف ہے استدلال کی صلاحیت نہیں رکھتی اور باقی نمازوں کی سنتیں الگ قضا نہ کی جائیں گی۔ اور فرضوں کے تابع ہو کر ان کی قضا میں اختلاف ہے کذا فی الہدایۃ۔ امام ترمذی نے کہا۔ علمائے مکہ کی ایک جماعت، حدیث قیس کے پیش نظر سنتوں کی قضا کی قائل ہے۔ وہ کہتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ مرد فرضوں کے بعد طلوع آفتاب سے قبل دو سنتیں پڑھ لے۔ یہ علماء ایک اور حدیث بھی بیان کرتے ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ۔ جس نے سنت فجر کی دو رکعت نہ پڑھی ہوں وہ طلوع آفتاب کے بعد انہیں پڑھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی عمل مروی ہے اور اسی کے قائل ہیں سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد، اسحاق رحمہم اللہ، انتہیٰ۔

۵ یعنی شرح السنۃ اور مصابیح کے نسخوں میں محمد بن ابراہیم عن قیس بن قہد قاف کی زبر اور ہا ساکن، سے یہ حدیث مروی ہے اور ترمذی نے قیس بن عمرو اور قیس بن قہد دونوں سے روایت کیا اور کہا حفاظ حدیث کے نزدیک صحیح قیس بن عمرو ہے اور تقریب اور کاشف اور ذہبی میں قیس بن عمرو کا ذکر کیا قیس بن قہد کا ذکر نہ کیا بعض کتابوں میں قیس بن عمرو اور قیس بن عمرو اور قیس بن قہد دونوں کا ذکر آیا ہے اور کہا کہ دونوں حضرات بنی نجار سے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ محمد بن ابراہیم التیمی نے فجر کی دو سنتوں والی حدیث جس سے روایت کی وہ قیس بن قہد ہے۔ اور بعض نے کہا قیس بن عمرو سے۔ واللہ اعلم۔

۹۸ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوْا اَحَدًا طَافَ بِهٰذَا الْبَيْتِ وَصَلّٰى اَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت جبیر[۱] بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبد مناف[۲] کی اولاد نہ روکو کسی کو بھی جو اس بیت کا طواف کرے۔ اور رات اور دن کی جس گھڑی میں بھی نماز پڑھے[۳]۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

(النسائی)

---

[۱] یعنی حضرت جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف قرشی نوفلی رضی اللہ عنہ۔ آپ فتح مکہ سے پہلے خیبر کے سال اسلام لائے۔ معززین قریش میں سے تھے۔

[2] ایک روایت میں یا بنی عبد المطلب (اے عبد المطلب کی اولاد) کا لفظ آیا ہے۔

[3] طواف کرنے میں تو جس گھڑی میں بھی ہو خواہ طلوع و غروب اور دوپہر کے وقت ہو خواہ نماز فجر اور نماز عصر کے بعد ہو خواہ کسی اور وقت میں، کسی کا اختلاف نہیں۔ اختلاف نماز ادا کرنے میں ہے امام شافعی کے نزدیک ہر نماز جائز ہے طواف کی دو رکعتیں ہوں یا کوئی اور نماز۔ اس حدیث کے ظاہر معنیٰ کو دلیل بناتے ہوئے۔ امام احمد کے نزدیک طواف کی دو رکعتیں طواف کے تابع ہونے کی وجہ سے جائز ہیں۔ احناف کے نزدیک مکروہ اوقات میں مطلق کوئی نماز جائز نہیں۔ اور کسی کام کے حرام و مکروہ ہونے میں مکہ معظمہ کا حکم بھی دوسرے تمام شہروں کی طرح ہے۔ کیونکہ حدیث نہی عام ہے نیز اس بنا پر بھی کہ حرام کرنے والی دلیل کو جائز قرار دینے والی پر فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نہی کا حکم جواز کو منسوخ کرنے والا ہے۔ واللہ اعلم۔

٩٧٩/٨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰی عَنِ الصَّلٰوةِ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن[1] کے علاوہ ہر دن میں دوپہر کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ سورج ڈھل پڑے[1] (شافعی)

[1] یہ بھی امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ جیسا کہ مذکور رہا۔ اس حدیث کو دلیل بناتے ہوئے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں ممانعت میں وارد احادیث مشہور احادیث ہیں۔ یہ حدیث ضعیف ہے ان کے مقابلے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ یا یہ کہ تعارض کے وقت کسی کام کو حرام قرار دینے والی حدیث جائز قرار دینے والی حدیث سے راجح اور فائق ہوتی ہے۔

٩٨٠/٩ وَعَنْ اَبِی الْخَلِیْلِ عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَرِهَ الصَّلٰوةَ نِصْفَ النَّهَارِ حَتّٰی تَزُوْلَ الشَّمْسُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَقَالَ اِنَّ جَهَنَّمَ تُسَجَّرُ اِلَّا یَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَقَالَ اَبُو الْخَلِیْلِ لَمْ یَلْقَ اَبَا قَتَادَةَ۔

حضرت ابوالخلیل[1] حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے سے پہلے نصف النہار کے وقت نماز پڑھنے کو مکروہ قرار دیتے تھے۔ مگر جمعہ کے دن اور آپ نے فرمایا دوزخ کو تپایا[2] جاتا ہے۔ مگر جمعہ کے دن۔

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور کہا ابوالخلیل نے حضرت ابوقتادہ سے ملاقات نہیں کی[3]

[1] خلیل نقطہ والی خا کے ساتھ۔ آپ ثقہ تابعین سے ہیں۔ اور حضرت ابوقتادہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

رضی اللہ عنہ۔

[2] یعنی دوپہر کے وقت۔ تُسْجَرُ اور تُسَجَّرُ شد اور تخفیف دونوں طرح مروی ہے۔

[3] لہٰذا اس حدیث کا اسناد متصل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۹۸۱/۱۰ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ الصُّنَابِحِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّیْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلٰوۃِ فِیْ تِلْكَ السَّاعَاتِ۔

رَوَاہُ مَالِكٌ وَ اَحْمَدُ وَالنَّسَائِیُّ

حضرت عبداللہ صنابحی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک جب سورج طلوع ہوتا ہے اس وقت اس کے ساتھ شیطان کا سینگ[2] ہوتا ہے۔ جب سورج بلند ہو جاتا ہے تو شیطان کا سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے پھر جب سورج دوپہر کے وقت کو پہنچتا ہے تو شیطان کا سینگ اس کے ساتھ آکر مل جاتا ہے اور جب سورج ڈھل پڑھتا ہے تو وہ سینگ اس سے الگ ہو جاتا ہے اور جب سورج ڈوبنے کے قریب ہوتا ہے تو وہ سینگ اس کے ساتھ پھر آکر مل جاتا ہے اور جب غروب ہو جاتا ہے تو اس سے الگ ہو جاتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا[3]۔ مالک، احمد، نسائی

⁂

⁂

[1] صُنابحی صاد بے نقطہ کی پیش۔ با کی زیر اور حا بے نقطہ سے صنابح کی طرف منسوب ہے جو قبیلہ مرہ کی ایک شاخ ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ بعض نے ابو عبداللہ صنابحی بیان کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ ابو عبداللہ تابعی ہے اور حضرت عبداللہ صحابی ہیں۔

[2] شیطان کے سینگ کا مطلب گذشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

[3] (تعجب کی بات ہے کہ) امام مالک خود اس حدیث کے راوی بھی ہیں مگر دوپہر کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت کے قائل نہیں ہیں۔ الٹا یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اہل فضل و کمال کو نہیں پایا۔ مگر اس حال میں کہ دوپہر کے وقت نماز پڑھنے کی کوشش کرتے اور اس وقت میں نماز پڑھتے تھے۔

۹۸۲/۱۱ وَعَنْ اَبِیْ بَصْرَۃَ الْغِفَارِیِّ قَالَ

حضرت ابو بصرہ[1] الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمُخَمَّصِ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا صَلٰوةٌ عُرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوْهَا فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ وَصَلٰوةَ بَعْدَهَا حَتّٰى يَطْلُعَ الشَّاهِدُ وَالشَّاهِدُ النَّجْمُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ مقام مخمص[2] میں نماز عصر پڑھی۔ فرمایا بیشک یہ نماز تم سے پہلے[3] لوگوں پر پیش کی گئی تو انہوں نے اسے ضائع کر دیا[4]۔ جو شخص اس نماز کی حفاظت کرے گا اسے دوگنا اجر[5] ملے گا۔ اور اس نماز عصر کے بعد کوئی نماز جائز نہیں۔ یہاں تک کہ شاہد[6] (ستارہ) طلوع کر آئے۔ شاہد بمعنی ستارہ۔

(مسلم)

---

[1] بصرہ بائے بے نقطہ اور صاد بے نقطہ سے۔ غفاری نقطہ والے غین کے کسرہ سے۔ آپ صحابی ہیں ان کا نام حمیل ہے حا کی پیش اور میم کی زبر۔ بعض نے جمیل جیم کی زبر اور میم کی زیر کہا۔ اور ایک جماعت نے میم کی زبر کہا۔ مگر یہ وہم ہے۔

[2] مخمص میم کی پیش خا نقطہ والی کی زبر اور میم مفتوح مشدد، آخر میں صاد بے نقطہ۔ ایک جگہ کا نام ہے۔

[3] یعنی پہلی امتوں پر۔

[4] اور اس کا حق بجا نہ لائے اور نہ اسے پابندی سے پڑھا اور قائم کیا۔

[5] ایک اجر تو اس بنا پر کہ یہ ایک نیک عمل ہے اور ہر نیک عمل پر ثواب ملتا ہے۔ دوسرے اسے پابندی کے ساتھ ادا کرنے کا اجر و ثواب بخلاف پہلی امتوں کے کہ انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔

[6] شاہد یعنی حاضر ہونے والا۔ ستارے کو شاہد اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ رات کے وقت سامنے آتا اور حاضر و موجود ہوتا ہے یا اس بنا پر اسے شاہد کہتے ہیں کہ یہ رات کے موجود ہونے کی گواہی دیتا ہے۔ اور مقصود و مطلوب غروب آفتاب ہے۔

۹۸۳/۱۲ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ[1] قَالَ اِنَّكُمْ لَتُصَلُّوْنَ صَلٰوةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَاَيْنَاهُ يُصَلِّيْهِمَا وَلَقَدْ نَهٰى عَنْهُمَا يَعْنِى الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت معاویہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک تم لوگ ایک نماز پڑھتے ہو۔ بیشک ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف نصیب ہوا ہے۔ ہم نے تو آپ کو یہ دو رکعت نماز پڑھتے نہیں دیکھا[2] اور بیشک آپ نے ان کے پڑھنے سے منع فرمایا یعنی عصر کے بعد دو رکعت

(بخاری)

---

[1] یعنی حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما۔

[2] کیونکہ آپ یہ دو رکعت گھر میں پڑھتے تھے۔ اور اس کا مطلب حدیث کریب میں بیان ہو چکا ہے۔

۹۸۴/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ وَقَدْ صَعِدَ عَلٰی دَرَجَةِ الْکَعْبَةِ مَنْ عَرَفَنِیْ فَقَدْ عَرَفَنِیْ وَمَنْ لَّمْ یَعْرِفْنِیْ فَاَنَا جُنْدُبٌ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ وَلَا بَعْدَ الْعَصْرِ حَتّٰی تَغْرُبَ الشَّمْسُ اِلَّا بِمَکَّةَ اِلَّا بِمَکَّةَ اِلَّا بِمَکَّةَ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَزِیْنٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا اور وہ کعبہ شریف کے ایک زینے پر چڑھے ہوئے تھے[1] جس نے مجھے پہچانا[2] اور جس نے مجھے نہیں پہچانا تو میں جندب ہوں[3]۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک کوئی نماز نہیں اور نہ نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک مگر مکہ میں مگر مکہ میں مگر مکہ میں[4]۔

(احمد ورزین)

[1] جس زینے کے ذریعے لوگ خانہ کعبہ میں داخل ہوتے تھے کہ خانہ کعبہ سطح زمین سے بلندی پر تھا۔ اور یہ زینہ اور سیڑھی آج کل (حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کے زمانہ میں) لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور منبر کی شکل میں ہے اور اس کے متعدد درجے اور زینے ہیں۔ اور یہ سیڑھی خانہ کعبہ کے دروازہ کے سامنے زمزم شریف کے پاس رکھی رہتی ہے اور منبر کی طرح اس کے دونوں طرف پائے ہیں۔ جب لوگوں کو خانہ کعبہ کے اندر سے جانا ہوتا ہے تو اسے کھینچ کر در کعبہ کے ساتھ لگا دیتے ہیں پھر لوگ اس پر چڑھ کر خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ اور جب لوگ فارغ ہو جاتے ہیں تو اسے کھینچ کر اپنی جگہ پر لے آتے ہیں۔ اس بات کا احتمال ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایسی ہی صورت ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اور شکل ہو۔ واللہ اعلم۔ غرضیکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس پر چڑھے۔ اور فرمایا۔

[2] یعنی جو شخص مجھے پہچانتا ہے وہ پہچانتا ہے کہ میں سچا اور سچی بات ہی زبان پر لاتا ہوں کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آسمان نے کسی انسان کے سر پر سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی انسان کو اپنے اوپر نہیں اٹھایا جو حضرت ابوذر سے بڑھ کر راست گو ہو۔

[3] یعنی اسے چاہیے کہ مجھے جان پہچان لے کہ میں جندب ہوں تاکہ اسے قرار نصیب ہو اور اس کا دل مطمئن ہو جائے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں سچا ہوں۔

جُنْدُبْ جیم کی پیش نون ساکن پھر دال کی پیش اور زبر۔ یہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام مبارک ہے تو یہ حضرت جندب (ابوذر) روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ الی آخرہ۔

[4] یعنی تین بار مکرر فرمایا۔ بعض نسخوں میں صرف دوبار آیا ہے۔

بَابُ الْجَمَاعَةِ وَفَضْلِهَا

نماز باجماعت اور اس کی فضیلت

آئمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ جماعت سنت ہے یا واجب یا فرض عین یا فرض کفایہ۔ بعض نے کہا فرض عین ہے مگر کسی عذر کے باعث رہ جائے تو الگ بات ہے۔ یہ امام احمد، داؤد، عطا اور ابو ثور کا قول ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں جو شخص اذان سنے اور جماعت کے لیے نہ آئے اس کی نماز درست نہیں ہوتی۔ بعض آئمہ فرماتے ہیں کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ علامہ طیبی نے کہا امام شافعی کی ظاہر تصریحات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ اکثر صحابہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ شیخ ابن الھمام نے نقل کیا ہے کہ ہمارے اکثر مشائخ اس پر ہیں کہ جماعت واجب ہے اور اسے سنت کے نام سے اس بنا پر موسوم کرتے ہیں کہ اس کے وجوب کا ثبوت سنت (حدیث) سے ہے۔ فقہ کی کتاب بدائع میں کہا کہ جماعت سے نماز ادا کرنا ہر آزاد، عاقل بالغ پر واجب ہے۔ اسے مسجد میں آنے سے معذور قرار نہ دیا جائے گا اور اگر مسجد میں جماعت نہ پائے تو پھر اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ تلاش جماعت کے لیے دوسری مسجدوں میں گھومنا واجب نہیں۔ ہاں تلاش کرنا بہتر ہے اور اگر مسجد محلہ میں اکیلا ادا کرے تو بھی بہتر ہے۔ امام قدوری رحمۃ اللہ نے کہا کہ ایسی صورت میں گھر کے اندر ہی اہل خانہ کو جمع کر کے باجماعت نماز ادا کرے۔ پھر اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ اپنے محلے کی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے یا مسجد جامع میں اور دو جامع مسجدیں قریب ہوں تو پہلے تعمیر شدہ مسجد میں جائے اور اگر دونوں برابر ہوں یعنی اکٹھی تعمیر ہوئی ہوں تو پھر قریب ترین میں جا کر نماز پڑھے اور اگر قریب تر مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں دور والی مسجد سے تکبیر کی آواز کان میں پڑی اگر قریب ترین میں داخل ہو چکا ہے تو پھر اسی مسجد میں پڑھے۔ ورنہ دور والی میں جا کر جماعت میں شامل ہو جائے۔

اور علماء کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ کسی عذر کی بنا پر جماعت ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسے بیمار ہونا۔ ہاتھ پھٹے ہوئے ہوں اور تکلیف ہو یا دونوں جانب فالج گرا ہوا ہو کہ چل نہ سکتا ہو۔ یا ظالم سلطان و حاکم سے چھپا ہوا ہو۔ یا اتنا کمزور ہو کہ مسجد تک کا راستہ طے نہ کر سکتا ہو۔ اسی طرح نابینا ہونا بھی حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عذر ہے۔ بعض نے کہا نابینا ہونا سب آئمہ کے نزدیک عذر ہے۔ اسی طرح بارش، کیچڑ، سخت لُو، شدید سردی بھی قول صحیح میں عذر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے ایک روایت بھی ہے کہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ سے پوچھا کہ کیچڑ اور سخت لُو میں نماز باجماعت کا کیا حکم ہے آپ نے فرمایا بہتر ہے کہ جماعت ترک نہ کرے اور امام محمد رحمۃ اللہ

نے ایک حدیث روایت کی کہ اِذَا ابْتَلَّتِ النِّعَالُ فَالصَّلٰوةُ فِي الرِّحَالِ کہ جب جوتوں کے کیچڑ سے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہو تو نماز گھر میں پڑھ لے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۹۸۵ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوةَ الْفَذِّ[۱] بِسَبْعٍ وَّعِشْرِيْنَ دَرَجَةً۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا باجماعت نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجے افضل ہے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] فذّ فا کی زبر اور ذال کی شد سے بمعنی فرد و تنہا۔ ایک روایت میں پچیس درجے کا ذکر آیا ہے۔ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ اکثر روایات میں پچیس ہی آیا ہے۔ صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ستائیس کا عدد آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اولاً پچیس کے عدد کی وحی ہوئی ہو۔ اس کے بعد فضل و انعام کے طور پر زیادہ کر دیا گیا ہو۔ اس اختلاف کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نماز اور نمازی کے حال کے فرق کی وجہ سے یہ اختلاف ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے ستائیس درجے جہری نماز میں ہو اور پچیس سری نماز میں۔ بعض نے کہا قلیل (۲۵) اور کثیر (۲۷) میں کوئی منافات نہیں۔ کیونکہ قلیل کثیر کے ضمن میں موجود ہوتا ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ فضیلت مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے کے ساتھ خاص ہے یا جہاں بھی پڑھی جائے بعض نے کہا مسجد میں نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے۔ بہر حال جو صورت بھی ہو اس عدد کی فضیلت کی تخصیص کا علم شارع علیہ السلام کو ہی ہے۔ ان کے سوا کسی کو اس کی اطلاع نہیں ہو سکتی۔ بعض علماء نے ان اعداد سے متعلق کچھ مناسبات بھی بیان کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۹۸۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبُ ثُمَّ اٰمُرُ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ اٰمُرُ رَجُلًا فَيَؤُمُّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ وَّفِيْ رِوَايَةٍ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس ذات بزرگ و برتر کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ بیشک میں نے ارادہ کیا کہ ایندھن جمع کرنے کا حکم دوں اور وہ جمع کر دیا جائے پھر میں نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں اور اذان کہی جائے۔ پھر میں حکم دوں کسی آدمی کو تو وہ لوگوں کی امامت کرے۔ پھر میں ان لوگوں کے پاس آؤں[۱]

فَاُحَرِّقُ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا اَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَآءَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ وَلِمُسْلِمٍ نَحْوَهٗ

جو نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتے[۵۲]۔ ایک روایت میں لایشہدون الصلوٰۃ کی زیادت مرتجانہ کور ہے[۵۳]۔ تو میں جلا ڈالوں ان پر انکے گھروں کو[۵۴] مجھے اس ذات اقدس کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر انکا کوئی آدمی جان لے کر اسے فربہ ہڈی[۵۵] ملے گی یا دو پائے گائے یا بکری کے اسے ملیں[۵۶] گے تو وہ عشا کی نماز میں ضرور حاضر ہوتا[۵۷]۔ اسے بخاری نے روایت کیا اور مسلم کے ہاں اسکی مثل روایت ہے۔

۵۱ تاکہ انہیں اچانک جا پکڑوں۔ یا یہ معنی ہے کہ میں اس چیز کی مخالفت کروں جو میں نے خود ظاہر کی ہوتی ہے۔ یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز قائم کرنا۔ یا یہ معنی ہے کہ نماز چھوڑ کر سزا اور عذاب دینے کے لیے ان لوگوں کے پاس جاؤں۔

۵۲ یعنی ایک روایت میں یہ زائد الفاظ الی الرجال لایشہدون الصلوٰۃ مرتجانہ کور ہیں۔ اور جہاں یہ الفاظ عبارت حدیث میں موجود نہیں تو بہرحال نیت میں مراد ہیں جیسا کہ ہم نے ترجمہ میں اسے ظاہر کر دیا ہے۔ پھر اس نماز کی تعیین میں احادیث مختلف آئی ہیں کہ جمعہ کی نماز ہے یا عشا یا فجر کی ظاہر یہ ہے کہ حدیث تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔

۵۳ یعنی مکمل طور پر ان کے گھر جلا کر راکھ کر دوں اس طرح کہ وہ خود بھی ان میں جل جائیں۔ اس حدیث میں تاکید و مبالغہ ہے اس بات کا کہ نماز باجماعت میں حاضر نہ ہونے والوں کو ضرور سزا ملنی چاہیے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کام کے لیے اپنے آپ کو نماز کی امامت کے لیے پابند نہیں کرتے کسی اور کو اپنا نائب بناتے ہیں اور خود تارک جماعت لوگوں کو اور ان کے گھروں کو جلانے کے کام میں لگا دینا چاہتے ہیں۔

۵۴ عرق عین کی زبر را ساکن سے وہ ہڈی جس سے گوشت اتار لیا گیا ہو۔ بعض نے کہا عرق وہ ہڈی ہے جس پر پورا گوشت موجود ہو اور جس ہڈی پر سے گوشت اتار لیا گیا ہو اسے عُرق (عین کی پیش) کہتے ہیں۔

۵۶ مرماۃ (میم کی زیر اور زبر) حَسَنَتَیْن۔ یعنی جو اس کی نظر حرص و لالچ اور کمینی ہوس کو اچھے لگتے ہوں اور لفظ مرماتین کی تفسیر گوشت کے دو ٹکڑوں سے بھی کی گئی ہے۔

۵۷ یہ اس کے گھٹیا پن کا بیان ہے کہ اس گھٹیا حقیر دنیوی چیز کی خاطر نماز عشاء کے وقت بھی آ دھمکے گا مگر ثواب آخرت اور درگاہ حق کے قرب کے حصول کے لیے آنے کو تیار نہیں ہوتا۔ یہ اس کی کیسی بے تمیزی اور بے عقلی ہے۔

۹۸۷ / ۳ وَعَنْهُ قَالَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰی فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَيْسَ لِیْ قَائِدٌ يَقُوْدُنِیْ اِلَی الْمَسْجِدِ فَقَالَ

انہیں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک نابینا[۵۸] شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ بے شک واقعہ یہ ہے کہ میرے پاس کوئی ایسا آدمی

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّرَخِّصَ لَهٗ فَيُصَلِّيَ فِيْ بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَآءَ بِالصَّلٰوةِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

نہیں جو مجھے مسجد میں ساتھ لے کر آئے[2] کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اسے رخصت[3] دیدیں کہ وہ اپنے گھر ہی نماز پڑھ لیا کرے[4]۔ آپ نے اسے اجازت دیدی جب وہ پشت پھیر کر جانے لگا تو آپ نے فرمایا کیا تو نماز کے لیے اذان کی آواز سنتا ہے۔ عرض کیا ہاں فرمایا پھر تجھے اذان کا جواب دینا چاہیے[5]۔ (مسلم)

[1] بعض نے کہا اس سے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔ جو مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات میں اس کی تصریح موجود ہے بعض نے کہا کوئی اور صاحب مراد ہیں۔

[2] یقود قود سے مشتق ہے بمعنی گائے بیل وغیرہ کو کھینچنا اور سوق کا معنیٰ ہے جانوروں کو پیچھے سے ہانکنا۔

[3] اور مسجد میں آکر نماز پڑھنے کی پابندی سے آزاد کر دیں۔

[4] اور مسجد میں نہ آئے۔

[5] اس میں کمال تاکید ومبالغہ ہے کہ اذان سن کر مسجد میں ضرور آنا چاہیے۔

٩٨٨/٤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ اَذَّنَ بِالصَّلٰوةِ فِيْ لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَّرِيْحٍ ثُمَّ قَالَ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَاْمُرُ الْمُؤَذِّنَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَّمَطَرٍ يَقُوْلُ اَلَا صَلُّوْا فِي الرِّحَالِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک سردی اور ہوا کی رات میں نماز کے لیے اذان کہی گئی[1]۔ پھر حضرت ابن عمر یا موذن نے کہا لوگو آگاہ رہو اور جان لو کہ نماز اپنے گھروں[2] میں ہی پڑھ لو پھر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سردی اور بارش کی رات میں موذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ آواز دے کر کہے لوگو اپنی اپنی نمازیں گھروں میں ہی پڑھ لو[3]۔

(بخاری ومسلم)

[1] اُذِّنَ ہمزہ کی پیش اور ذال کی زیر اور شد اور ہمزہ اور ذال کی زبر دونوں طرح مروی ہے۔ پہلی روایت کے مطابق معنی ہوگا کہ حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ ان کی مسجد یا ان کے نزدیک نماز کے لیے اذان کہی گئی۔ دوسری روایت کے مطابق معنی ہوگا حضرت ابن عمر نے اذان کہی۔ سیاق حدیث کا ظاہر اسی معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور بخاری کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے خود اذان کہی تھی۔ بہر تقدیر نماز کیلئے اذان کہی تھی۔

[2] رَحل کا معنیٰ ہے مرد اور اس کے سامان وغیرہ کی جگہ۔ اس لفظ کا زیادہ تر اطلاق واستعمال اس چیز کے لیے

ہوتا ہے جو سفر میں مرد کے ساتھ ہو۔ اور بعید نہیں کہ یہ واقعہ سفر میں پیش آیا ہو۔

ف۳ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش اور سردی ان عذروں میں سے ہے جن کے پیش آنے کی صورت میں جماعت کی حاضری معاف ہو جاتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ صلوا فی الرحال میں صیغہ امر (صلوا نماز پڑھو) اباحت اور جواز کیلیے ہے جو رخصت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امت پر غایت شفقت اور آسانی کے لیے استحباب پر محمول ہو۔

۹۸۹/۵ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ عَشَاءُ اَحَدِكُمْ وَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاءِ وَلَا يَعْجَلْ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوْضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَلَا يَاْتِيْهَا حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْهُ وَاِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْاِمَامِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سے کسی کے آگے رات کا کھانا رکھ دیا جائے اور نماز کی تکبیر بھی شروع ہو جائے تو پہلے کھانا کھاؤ اور وہ شخص نماز پڑھنے کیلیے شتابی[1] نہ کرے یہاں تک کہ کھانے سے فارغ[2] ہو جائے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آگے کھانا رکھا جاتا تھا ادھر نماز کی تکبیر شروع ہو جاتی تھی تو آپ کھانے سے فارغ ہونے سے پہلے نماز کے لیے نہ آتے تھے۔ حالانکہ امام کی قرات سن[3] رہے ہوتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

ف۱ لایعجل یا کی زبر عین ساکن اور جیم کی زبر۔

ف۲ عَشا عین کی زبر سے رات کا کھانا۔ اس وقت کی تخصیص اس لیے کی کہ عادت ہے کہ عرب صرف صبح شام کھانا کھاتے ہیں۔ چاشت اور شام کے وقت کھانا نہیں کھاتے اور نماز کا وقت تو صرف شام کو ہوتا ہے۔ چاشت کے وقت کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ ظاہر یہ ہے کہ نماز کے بجائے طعام سے ابتدا کا حکم اس صورت میں ہے کہ کھانے کی ضرورت ہو۔ اور کھانے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ یا بھوک کا غلبہ ہو۔ تاکہ بھوک کا احساس نماز کے خشوع وخضوع میں حائل نہ ہو۔

ف۳ کہ ان کا مکان مسجد شریف کے نزدیک تھا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کمال سنت واتباع سے موصوف تھے آپ سے اس فعل کا وجود میں آنا کمال استقامت ومضبوطی کی بنا پر ہے

۹۹۰/۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا صَلٰوةَ بِحَضْرَةِ الطَّعَامِ وَلَا هُوَ يُدَافِعُهُ الْاَخْبَثَانِ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ کھانا سامنے[1] پڑے ہونے کی صورت میں کوئی نماز نہیں اور نہ اس وقت جبکہ بول اور قضائے حاجت اس پر زور ڈال رہے ہوں[2]

(مسلم)

[1] بعض نسخوں لفظ الطعام الف لام کے ساتھ آیا ہے۔

[2] کیونکہ یہ حالت وضو کے لیے خلل و نقصان کا موجب اور دل کے منتشر ہونے کا باعث ہے۔ اور اگر وقت تنگ ہو کر کھانے یا قضائے حاجت میں مصروف ہونے سے نماز کا وقت گزر جائے گا تو پھر پہلے نماز پڑھے اسے طیبی رحمہ اللہ نے ذکر کیا۔

۹۹۱ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُقِیْمَتِ الصَّلٰوةُ فَلَا صَلٰوةَ اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کی اقامت شروع ہو جائے تو پھر فرض نماز کے سوا کوئی نماز نہیں[1]۔ (مسلم)

[1] خواہ نفل نماز شروع کر چکے ہوں، خواہ بیٹھے ہوئے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی سنتیں بھی جب تکبیر شروع ہو جائے تو چھوڑ دی جائیں اور امام کی موافقت کی جائے اور جماعت میں شامل ہو جائے، امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ اسی کے قائل ہیں اور احناف کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ جانتا ہو کہ سنت پڑھ کر ایک رکعت فرضوں کی مل جائے گی تو پہلے سنت پڑھے پھر فرضوں میں شامل ہو۔ لیکن یہ سنتیں مسجد کے دروازے میں ادا کرے صف کے اندر کھڑے ہو کر ادا نہ کرے تاکہ دونوں فضیلتیں (سنت و فرض ادا کرنے کی) اسے حاصل ہو جائیں۔ ہاں اگر فرض نماز ملنے کی امید نہ ہو تو پھر سنتیں چھوڑ کر جماعت سے مل جائے کہ جماعت کا ثواب مسلم رہے اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا اگر امام کے ساتھ تشہد میں بھی مل جانے کی امید ہو تو سنت پڑھ لے۔ بعض نے کہا تشہد میں شامل ہو جانا امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک رکعت پا لینے کے حکم میں ہے۔ مگر امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک رکعت کا اعتبار نہ ہوگا۔ جیسا کہ نماز جمعہ میں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ فقیہ اسماعیل زاہد رحمۃ اللہ سے جو منقول ہے کہ چاہیے کہ فجر کی سنتیں شروع کرے پھر جماعت میں شمولیت کی نیت سے توڑ دے۔ ایسا کرنے سے وہ لازم و واجب ہو جائیں گی اور ان کی قضا واجب ہو جائے گی تو بعد از ادائے فرض ان کا قضا کرنا جائز ہو جائے گا۔ مگر امام سرخسی رحمۃ اللہ نے ایسا کرنے کی تردید کی ہے کہ یہ عبادت کو فاسد اور باطل کرنے کے ارادہ سے شروع کرنا ہوگا اور یہ منع ہے۔ اگرچہ بعد میں ادا کر لینے کے ارادے سے ہی ہے اور فساد کو دور کرنا مصلحت کے حصول سے مقدم اور فائق ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ حرم شریف میں حنفیہ کے لیے یہ ابتلا و آزمائش چار نمازوں میں لازم ہو چکی ہے اور شافعیہ پر نماز مغرب میں۔ کہ شافعی حضرات تو نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور احناف سنتوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ یا بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان میں سے بعض کے ذمہ اگر نماز قضا ہوتی ہے تو وہ امام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور بعض امام کے ساتھ نفل نماز ادا کرتے ہیں۔ اور بعض شافعی حضرات کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ مگر حنفی کی شافعی کی اقتدا میں نماز ادا کرنے میں کلام ہے۔ کاتب حروف

(حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) بھی اس مقام شریف (حرم شریف) میں اقامت کے دوران ابتداً اس مسئلہ اقتداء میں متردد و مذبذب تھا کبھی اس پر اور کبھی اس پر عمل کرتا تھا۔ میرے اس عمل کی شکایت حضرت شیخ (عبد الوہاب متقی) کی خدمت اقدس میں کی گئی تو انہوں نے فرمایا اس بارے میں مذبذب نہ ہوں اور اپنے مذہب پر قائم و مستقیم رہیں۔ شیخ بزرگ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم سے پہلے علماء جو کچھ طے کر گئے اور ترتیب و قاعدہ بیان کر گئے ہیں۔ اس کے مطابق چلنا اور کاربند رہنا چاہیے۔ اور وحدت و اتحاد کو ہاتھ سے نہ جانے دیں علماء بہتر جانتے ہیں جو وہ طے کر گئے ہیں۔ چنانچہ شیخ رحمۃ اللہ کے فرمان کے مطابق طریقہ میں نے اپنا لیا اور تذبذب جاتا رہا۔

٩٩٢/٨ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَأْذَنَتِ امْرَأَةُ أَحَدِكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کی بیوی مسجد میں جانے کی اجازت طلب کرے تو اسے نہ روکے[1]۔

(بخاری و مسلم)

[1] مسجد میں جانے اور نماز باجماعت ادا کرنے سے منع نہ کرے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اجازت اور حکم بوڑھی عورت کے لیے ہے۔ جسے دیکھنے سے شہوت بیدار نہیں ہوتی۔ اور بن سنور کر اور خوشبو لگا کر نہیں نکلتی۔ مگر آج کے زمانہ (شیخ عبدالحق کے زمانہ میں جو آج سے چار سو سال قبل) میں عورتوں کے لیے نماز باجماعت کے لیے جانا مکروہ ہے۔ زمانے کے فساد و خرابی کی وجہ سے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں مسائل شرعی سیکھنے کے لیے بھی آتی تھیں مگر آج کے زمانہ میں احکام شریعت کے شہرت پا جانے اور ہر طرف پھیل جانے کی وجہ سے ضرورت نہیں رہی۔ نیز پردے میں رہنا عورتوں کے حال کے زیادہ مناسب ہے۔

٩٩٣/٩ وَعَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَتْ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا شَهِدَتْ إِحْدَاكُنَّ الْمَسْجِدَ فَلَا تَمَسَّ طِيْبًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی حضرت زینب[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ ہمیں (عورتوں کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی عورت مسجد میں آئے تو خوشبو لگا کر نہ آئے۔

(مسلم)

---

[1] آپ صحابیہ ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں ان سے ان کے خاوند حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابوہریرۃ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے احادیث روایت کی ہیں۔

٩٩٤/١٠ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ اَصَابَتْ بَخُوْرًا فَلَا تَشْهَدْ مَعَنَا الْعِشَآءَ الْاٰخِرَةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی عورت خوشبودار دھوئیں[۱] سے اپنے جسم کو بسا چکی ہو تو وہ نماز عشا کے لیے ہمارے پاس نہ آئے۔

(مسلم)

---

[۱] بُخور با کی پیش خا کی جزم بمعنی جلی ہوئی خوشبو کا دھواں لینا۔ اور با کی زبر سے وہ چیز جو جلائی جاتی ہے پھر اس کا دھواں کپڑوں اور بدن کے لیے حاصل کیا جاتا ہے جیسے عود اور عنبر وغیرہ۔ یہاں عشاء آخرہ سے نماز عشاء مراد ہے آخرہ کی قید اس لیے ہے کہ بعض دفعہ نماز مغرب پر بھی عشاء کا اطلاق کر دیتے ہیں۔ پھر خاص عشا کی تخصیص اس لیے کی کہ یہ اندھیرے اور تاریکی کا وقت ہوتا ہے اس میں وقوع فتنہ زیادہ اور نزدیک تر ہوتا ہے۔ اس لیے تخصیص نہیں کی کہ یہ چیز وقت عشا میں ہی منحصر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

٩٩٥/١ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوْا نِسَآءَكُمُ الْمَسَاجِدَ وَبُيُوْتُهُنَّ خَيْرٌ لَّهُنَّ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں[۱]۔

(ابو داؤد)

---

[۱] اگر عورتیں نماز کے لیے آنا چاہیں تو انہیں نہ روکو۔ لیکن اگر وہ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں تو بہتر ہے اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔

٩٩٦/٢ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الْمَرْاَةِ فِیْ بَيْتِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِیْ حُجْرَتِهَا وَصَلٰوتُهَا فِیْ مِخْدَعِهَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِهَا فِیْ بَيْتِهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا اس کے حجرہ[۱] میں نماز پڑھنے سے افضل ہے اور اس کا اپنے سامان خانہ[۲] میں نماز پڑھنا اس کے گھر میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

(ابو داؤد)

[۱] حجرہ بمعنی کونا۔ اور چھوٹا کمرہ۔ یہاں اس کی تفسیر گھر کے صحن سے کی گئی ہے۔ زین العرب سے منقول ہے کہ حجرہ سے مراد مکان کی وہ طرف ہوتی ہے جس طرف مکان کے دروازے کھلتے ہوں۔ اس کا مطلب بھی وہی بنتا ہے یعنی گھر کا صحن۔

[۲] مَخْدَع میم کی زیر اور زبر کبھی پیش بھی پڑھتے ہیں۔ اور دال کی زبر۔ بمعنی مکان کا وہ پچھلا کمرہ جس میں قیمتی سامان رکھا جاتا ہے۔ خدع سے مشتق ہے بمعنی چھپا کر رکھنا۔ یعنی عورت جس قدر زیادہ پردے کی جگہ نماز پڑھے۔ زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔

۹۹۷/۱۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ حِبِّیْ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةُ امْرَاَةٍ تَطَیَّبَتْ لِلْمَسْجِدِ حَتّٰی تَغْتَسِلَ غُسْلَهَا مِنَ الْجَنَابَةِ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی اَحْمَدُ وَالنَّسَآئِیُّ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے محبوب[۱] پاک حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس عورت کی نماز قبول نہیں ہوتی جو مسجد میں آنے کے لیے خوشبو لگائے۔ جب تک کہ وہ جنابت والا غسل نہ کرے[۲]۔

(ابوداؤد اور احمد ونسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

[۱] حِبّ حا کی زیر با کی شد سے بمعنی محبوب۔

[۲] اس سے مقصود بدن سے خوشبو کا دھونا ہے۔ اور غسل جنابت سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ خوشبو لگا کر مسجد میں آنا جب قوت شہوانی کو ابھارے اور تیز کرے تو وہ جماع کی طرح ہے۔ اسی لیے اس کی تفسیر زنا سے کی گئی ہے اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ یہ اس وقت ہے جب کہ سارے بدن کو خوشبو ملی ہو اور اگر بدن کے صرف کسی حصہ پر خوشبو لگائی ہو تو پھر اس حصے کو دھوئے۔

۹۹۸/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ عَیْنٍ زَانِیَةٌ وَاِنَّ الْمَرْاَةَ اِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِیَ كَذَا وَكَذَا یَعْنِیْ زَانِیَةً۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَلِاَبِیْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِیِّ نَحْوَهٗ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر آنکھ زنا کرتی ہے[۱]۔ بیشک جو عورت خوشبو لگا کر مجلس[۲] کے پاس سے گزرے تو وہ ایسی ہے ایسی ہے[۳]۔

(ترمذی)

اور ابوداؤد اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

[۱] یعنی ہر وہ آنکھ جو نظر بد اور شہوت سے بیگانی عورت یا بیگانے مرد کو دیکھے وہ زنا کرنے والی ہے۔

[2] جس میں مرد ہوں اور وہ عورت یہ خواہش کرے کہ مرد اس کی طرف نگاہ شہوت سے دیکھیں۔

[3] یعنی زنا کرنے والی ہے۔

۹۹۹/۱۵ وَعَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلٰوتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے ساتھ فجر کی نماز پڑھی جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا کیا فلاں شخص حاضر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر فرمایا فلاں آدمی موجود ہے لوگوں نے کہا نہیں۔ فرمایا بیشک یہ دو نمازیں[1] (فجر و عشا) منافقین پر سب نمازوں سے بھاری ہیں اور اگر تمہیں علم ہو جاتا کہ ان کے ادا کرنے میں اس قدر اجر و ثواب ہے تو ان کے لیے اپنے زانوؤں[2] پر چل کر آتے اور بیشک صف اول ملائکہ کی صف کی طرح[3] ہے اگر تمہیں اسکی فضیلت و شان کا پتہ چل جاتا تو تم اس کے پانے کے لیے جلدی کرتے[4]۔ اور بیشک مرد کی نماز مرد کیساتھ زیادہ افضل و پاکیزہ ہے اس کے اکیلے نماز پڑھنے سے اور دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا اس کے ایک آدمی کے ساتھ مل کر پڑھنے سے افضل ہے اور جتنی جماعت زیادہ ہوگی اتنی ہی اللہ تعالےٰ کو زیادہ محبوب[5] ہوگی۔ (ابوداؤد، نسائی)

---

[1] یعنی صبح اور عشا کی نماز۔ اور عشا کو صبح کے ساتھ ذکر کرنا یا تو قرینہ حال کی بنا پر ہے یا لوگوں کو پہلے سے عشا کے بارے میں علم تھا کہ منافقین اس کے بھی تارک ہیں۔ اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ دو آدمی نفاق میں مشہور تھے۔ واللہ اعلم۔

[2] یعنی ان دو نمازوں کو ادا کرنے کے لیے گرتے اٹھتے حاضر ہوتے۔ "حَبْو" کا معنیٰ ہے ہاتھوں اور سرینوں کے بل راستہ طے کرنا بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے شکم اور سرین کے بل چلنا۔ صراح میں ہے حبو کا معنیٰ ہے بچے کا چوتڑوں کے بل چلنا۔

[3] یعنی فضیلت و شرف میں ان ملائکہ کی صف کی طرح ہے جو کبریائے الٰہی کی درگاہ میں کھڑے ہوتے ہیں۔

[4] اور اسے پانے اور اس تک پہنچنے کے لیے دوڑ کر آتے۔

ﮧ۵ اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

١٠٠٠/١٦ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ ثَلٰثَۃٍ فِیْ قَرْیَۃٍ وَّلَا بَدْوٍ لَّا تُقَامُ فِیْھِمُ الصَّلٰوۃُ اِلَّا قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَیْھِمُ الشَّیْطٰنُ فَعَلَیْکَ بِالْجَمَاعَۃِ فَاِنَّمَا یَاْکُلُ الذِّئْبُ الْقَاصِیَۃَ۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَ النِّسَآئِیُّ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بستی اور گاؤں میں تین آدمی نہیں ہوتے جن میں نماز (باجماعت) قائم نہیں کی جاتی مگر بیشک ان پر شیطان غالب آجاتا ہے تو اے (میرے امتی) تیرے لیے جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے کہ بھیڑیا اسی بکری کو کھاتا ہے جو گلے سے الگ ہوتی ہے۔

(احمد، ابوداؤد)
(النسائی)

ﮧ۱ بعض نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جماعت فرض کفایہ ہے۔ خوب سمجھنا چاہیے۔

١٠٠١/١٧ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیَ فَلَمْ یَمْنَعْہُ مِنَ اتِّبَاعِہٖ عُذْرٌ قَالُوْا وَمَا الْعُذْرُ قَالَ خَوْفٌ اَوْ مَرَضٌ لَمْ تُقْبَلْ مِنْہُ الصَّلٰوۃُ الَّتِیْ صَلّٰی۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ الدَّارُ قُطْنِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس آدمی نے اذان سنی اور اسے اس کی اتباع (پیروی) سے کسی عذر[1] نے نہ روکا۔ لوگوں[2] نے کہا عذر سے کیا مراد[3] ہے فرمایا خوف[4] یا بیماری[5] تو جو نماز اس نے پڑھی وہ قبول نہ ہوگی[6]۔

(ابوداؤد، دارقطنی)

ﮧ۱ یعنی نماز باجماعت کے لیے مسجد میں آنے سے کوئی عذر و بہانہ موجود نہ تھا۔

ﮧ۲ یعنی صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے درمیان آپ سے سوال کیا۔

ﮧ۳ یعنی وہ عذر کیا ہے جس کی وجہ سے کسی کو مسجد میں آنے سے معذور قرار دیا جاسکتا ہے۔

ﮧ۴ یعنی ہلاکت کا خوف، یا دشمن کی طرف سے نقصان کا خوف یا درندے وغیرہ کا ڈر۔

ﮧ۵ یعنی بیماری یا کمزوری جس کی وجہ سے چل کر نہ آسکتا ہو۔

ﮧ۶ یعنی اس کی نماز بے جماعت قبول نہ ہوگی۔ اس حدیث کا ظاہر جماعت کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے یا اس میں نماز باجماعت کی تاکید و مبالغہ کا اہتمام ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۲/۱۸ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ وَوَجَدَ اَحَدُكُمُ الْخَلَاۤءَ فَلْيَبْدَاْ بِالْخَلَاۤءِ ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَآئِيُّ نَحْوَهٗ ۔

حضرت عبداللہ بن ارقم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب نماز کی تکبیر کہی جا رہی ہو اور تم میں کوئی آدمی قضائے حاجت کی ضرورت محسوس کرتا ہو[2] اسے چاہیے کہ پہلے قضائے حاجت سے فارغ ہو[3]۔

(ترمذی، مالک، ابوداؤد، النسائی)

---

[1] آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے سال اسلام لائے۔ آپ کاتب وحی تھے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم کے بھی کاتب تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بلا اجرت و تنخواہ بیت المال کی تولیت کی ذمہ داری پوری کرتے رہے پھر آپ نے اس ذمہ داری سے استعفا دے دیا۔

[2] یعنی بول و براز کے لیے طہارت خانہ میں جانے کی ضرورت محسوس کرتا ہو۔ تاکہ اس سے فراغت حاصل کرے۔

[3] یعنی اگرچہ اس ضرورت کے لیے جماعت ہی چھوڑنی پڑے۔ کیونکہ طہارت کا معاملہ اور اس کی تکمیل اہم اور مقدم ہے

۱۰۰۳/۱۹ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ اَنْ يَّفْعَلَهُنَّ لَا يَؤُمَّنَّ رَجُلٌ قَوْمًا فَيَخُصَّ نَفْسَهٗ بِالدُّعَاۤءِ دُوْنَهُمْ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يَنْظُرْ فِيْ قَعْرِ بَيْتٍ قَبْلَ اَنْ يَّسْتَاْذِنَ فَاِنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ خَانَهُمْ وَلَا يُصَلِّ وَهُوَ حَقِنٌ حَتّٰى يَتَخَفَّفَ

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَلِلتِّرْمِذِيِّ نَحْوَهٗ ۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین کام ایسے ہیں کہ ان کا کرنا کسی کے لیے حلال و جائز نہیں۔ وہ آدمی لوگوں کی امامت نہ کرے کہ جب دعا کرے تو صرف اپنی ذات کے لیے دعا کرے لوگوں کے لیے دعا نہ کرے[1]۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو خیانت کا مرتکب ہو گا اور کسی کے گھر میں بلا اجازت نہ دیکھے اگر ایسا کرے گا تو ان سے خیانت کرے گا اور نماز نہ پڑھے جب کہ اس نے بول براز روک کر رکھا ہوا ہو۔ بلکہ پہلے اس سے فارغ ہو اور اپنے آپ کو ہلکا کرے[2]۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کیا۔

---

[1] یعنی صیغہ واحد سے دعا کیا کرے۔ جو صرف اس کے لیے اپنے ساتھ خاص ہو اور جمع کا صیغہ استعمال نہ کرے جو سب کو شامل ہو۔

۵۲ حقن نون سے۔ یعنی بول روک رکھنا۔ اس کے حکم میں ہے پاخانے کو روکنے والا۔ اور اس کے لیے لفظ حقب با کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

۱۰۰۴/۲۰ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُؤَخِّرُوا الصَّلٰوةَ لِطَعَامٍ وَّلَا لِغَيْرِهٖ (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھانے یا کسی اور کام کی خاطر نماز میں دیر نہ کرو[۱] (شرح السنۃ)

---

[۱] علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس حالت پر محمول ہے جب کہ نماز کا وقت جا رہا ہو یا اس پر محمول ہے کہ کھانا سامنے نہ آیا ہو بلکہ سامنے آنے کے قریب ہو۔ اور گذشتہ حدیث میں جو گزرا وہ کھانا سامنے آجانے پر محمول ہے۔ بعض علماء نے کہا یہ نہی دراصل کھانا نہ لانے سے متعلق ہے یعنی نماز کے وقت کھانا سامنے نہ لایا جائے تاکہ ادائیگی نماز میں تاخیر کا سبب نہ بنے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۰۵/۵۲۱ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ اِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهٗ اَوْ مَرِيْضٌ اِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُّسْلِمًا فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ سُنَنَ الْهُدٰى وَاِنَّهُنَّ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک ہم لوگ اور صحابہ کرام اس بات کو جانتے تھے کہ نماز باجماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا مگر وہ منافق جسکے نفاق کو لوگ جانتے تھے[۱] یا بیمار (جو مسجد میں آنے کی بالکل طاقت و قدرت نہ رکھتا تھا) بیشک مریض نماز باجماعت میں شامل ہونے کے لیے دو مردوں کے درمیان اور ان کے سہارے چل کر آتا تھا[۲] اور نماز میں شامل ہوتا تھا اور آپ نے فرمایا بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہدایت[۳] کے راستے پر ڈالنے والی سنتوں کی تعلیم دی۔ اور بیشک ان سنن ھدیٰ میں سے ایک سنت یہ ہے کہ اس مسجد میں آکر نماز ادا کی جائے جس میں اذان ہوتی ہو[۴]۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جس کے لیے یہ،

وَلَوْ اَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ كَمَا يُصَلِّيْ هٰذَا الْمُتَخَلِّفُ فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُوْرَ ثُمَّ يَعْمِدُ اِلٰى مَسْجِدٍ مِّنْ هٰذِهِ الْمَسَاجِدِ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ خَطْوَةٍ يَّخْطُوْهَا حَسَنَةً وَّرَفَعَهٗ بِهَا دَرَجَةً وَّحَطَّ عَنْهُ بِهَا سَيِّئَةً وَّلَقَدْ رَاَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا اِلَّا مُنَافِقٌ مَّعْلُوْمُ النِّفَاقِ وَلَقَدْ كَانَ الرَّجُلُ يُؤْتٰى بِهٖ يُهَادٰى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتّٰى يُقَامَ فِي الصَّفِّ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بات باعث مسرت ہو کہ وہ کل خداتعالیٰ سے اسلام کی حالت میں ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ ان پانچ نمازوں کی حفاظت کرے جہاں بھی انکے لیے اذان دی جاتی ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنن ھدیٰ عطا کی ہیں اور انکے راستے پر چلایا ہے اور ان پانچ نمازوں کی حفاظت سنن ھدیٰ میں سے ہے اگر تم لوگ اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھ لو گے جس طرح کہ یہ منافق اپنے گھر میں ہی نماز پڑھتا ہے تو تم اپنے نبی کی سنت کے تارک بن جاؤ گے اور اگر تم لوگ اپنے نبی کی سنت ترک کر دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور نہیں ہے کوئی آدمی جو طہارت کرتا ہے اور اچھی طہارت کرتا ہے پھر ان مساجد میں سے کسی مسجد کو جاتا ہے مگر اللہ تعالے اس کیلئے ہر قدم پر جو وہ اٹھاتا ہے ایک نیکی لکھ دیتا ہے اور اس کے ساتھ اس کا درجہ بلند کرتا اور اس کی برکت سے اس کی برائی اور گناہ مٹا دیتا اور ہمیں اور صحابہ کو اس کا علم تھا کہ اس نماز سے پیچھے نہیں رہتا مگر منافق جس کا نفاق سب کو معلوم تھا بیشک (بیمار) آدمی کو لایا جاتا تھا دو آدمیوں کے سہارے جھولتے ہوئے یہاں تک کہ اسے صف میں لاکر کھڑا کیا جاتا تھا۔ (مسلم)

---

[1] یعنی جس کے منافق ہونے کی تحقیق ہو چکی تھی اور جس کا نفاق ظاہر ہو چکا ہوتا تھا اور جس کا نفاق ابھی پوشیدہ ہی ہوتا تھا وہ بھی نماز باجماعت سے پیچھے نہ رہتا تھا۔

[2] اس کلام کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ نماز باجماعت واجب ہے۔

[3] یعنی وہ سنتیں جنہیں اختیار کرنا اور ان پر عمل کرنا ہدایت کا موجب اور قرب و رضائے الٰہی کی درگاہ میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ سنن ہدیٰ کا اکثر اور بیشتر اطلاق و استعمال سنت موکدہ کے لیے آتا ہے۔ سنن غیر موکدہ کے لیے لفظ سنن زوائد استعمال ہوتا ہے۔

[4] یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ جماعت سنت ہے واجب نہیں۔ مگر جب کہ یہاں سنت سے طریقہ مسلوکہ فی الدین (وہ طریقہ جس پر اہل اسلام دین میں چلتے ہیں) مراد لیا جائے یا یہ مراد لیا جائے کہ اس کا ثبوت سنت نبوی

(حدیث پاک) سے ہے۔

۵۴ یعنی جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ قیامت کے دن خوشی خوشی اور مومن کامل بن کر اللہ سے ملاقات کرے تو اسے چاہیے کہ الی آخرہٖ۔

۵۵ حدیث پاک کے ان الفاظ کا ظاہر سیاق اس میں ہے کہ نماز کی محافظت سے انہیں باجماعت ادا کرنا مراد ہے جیسا کہ اس پر اگلا قول حیث ینادی بھن دلالت کرتا ہے۔

۵۶ یعنی مسجد میں ادا کرے۔

۵۷ یعنی ہدایت کے طریقہ پر چلنے کے مترادف ہے۔

۵۸ متخلف یعنی پیچھے رہنے والا اور مقام قرب وخیر سے دور ہو جانے والا۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے کوئی خاص شخص مراد ہے جو نماز باجماعت میں نہ آتا تھا اور حاشیہ میں ہے کہ یہ ایک شخص مدینہ منورہ کا حاکم تھا جس میں نفاق کا نشان پایا جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔

۵۹ یعنی اس کے آداب وشرائط کے ساتھ

۶۰ یعنی اپنی درگاہِ قرب وعزت میں اس کا درجہ بلند کرتا ہے۔

۶۱ مُھادَاۃ کا معنی ہے کسی کو دو آدمیوں کا تھام کر لانا۔ اس طرح کہ ایک نے اسے ایک طرف سے پکڑا ہوا ہو اور دوسرے نے دوسری طرف سے۔

۱۰۰۶/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَوْلَا مَا فِی الْبُیُوْتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالذُّرِّیَّۃِ اَقَمْتُ صَلٰوۃَ الْعِشَآءِ وَاَمَرْتُ فِتْیَانِیْ یُحْرِقُوْنَ مَا فِی الْبُیُوْتِ بِالنَّارِ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں نماز عشا قائم کرتا اور اپنے خادموں کو حکم دیتا کہ گھروں میں جو کچھ ہے ہر چیز کو مکمل طور پر جلا دیتے۔ بلکہ ان مردوں کو بھی جو شرعًا مکلف ہیں مگر نماز باجماعت کے لیے مسجد میں حاضر نہیں ہوتے انکو بھی ساتھ ہی آگ میں جلا دیتے[۱]۔ (احمد)

[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تارک جماعت کی سزا اسے آگ میں جلانا ہے۔ یہ سزا کسی جرم پر دینے کا ذکر نہیں آیا۔ ماسوائے ترک جماعت اور غنیمت میں خیانت کرنے پر۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہاں بھی ڈانٹ اور تشدید مراد ہے حقیقت کلام مراد نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۷/۲۳ وَعَنْہُ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ

اور انہیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْمَسْجِدِ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَلَا يَخْرُجْ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُصَلِّيَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب تم مسجد میں موجود ہو اور نماز کے لیے اذان ہو جائے تو تم میں کوئی شخص باہر نہ جائے یہاں تک کہ نماز پڑھ لے[1]

(احمد)

[1] واضح ہو کہ اس باب میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں اور ابو داؤد میں سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے بھی آیا ہے کہ اذان کے بعد مسجد سے باہر نہ آئے گا مگر منافق اور وہ جسے تقضائے حاجت باہر نکالے مگر وہ واپس آنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ مذہب احناف کے مطابق یہ نہی اس امر کے ساتھ مقید ہے کہ اس آدمی کے ساتھ کسی دوسری مسجد کا انتظام متعلق نہ ہو ورنہ اس کے لیے نکلنا مکروہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کا نکلنا درحقیقت تکمیل ہے اگرچہ صورت میں ترک جماعت ہے اور اگر عصر مغرب اور فجر پہلے پڑھ چکا ہے تو باہر جاسکتا ہے عصر اور فجر میں تو اس لیے کہ ان کے بعد نفل پڑھنا منع ہے اور مغرب میں اس لیے کہ تین رکعت نفل جائز نہیں۔ اور ظہر و عشا میں بھی باہر نکلنے میں حرج نہیں کیونکہ وہ اذان کی اجابت عملاً کر چکا ہے اور داعی حق (موذن) کی آواز پر لبیک کہہ چکا ہے۔ مگر جب کہ موذن تکبیر کہنا شروع کر دے تو پھر جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ اس پر ترک جماعت کی تہمت نہ لگے اور دوسرے آئمہ کے نزدیک نماز دوبارہ پڑھے اور امام احمد کے نزدیک اگر پہلے جماعت کے ساتھ نماز پڑھ چکا ہے تو پھر بھی دوبارہ جماعت میں شامل ہو جائے اور احناف کے نزدیک نہی کی حدیث مقدم اور راجح ہے کہ اس کا مضمون دائمہ ہے۔ دوسرے یہ حدیث زیادہ صحیح ہے اور اس وجہ سے بھی کہ حرام قرار دینے والی دلیل جائز قرار دینے والی دلیل پر فوقیت رکھتی ہے۔ یا احناف کے نزدیک شامل ہونے کی اجازت نہی سے پہلے تھی۔ یہ توجیہ دلائل میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے ہے اور بعض احادیث میں مذکورہ استثناء بھی وارد ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۰۸/۲۲ وَعَنْ اَبِي الشَّعْثَاءِ قَالَ خَرَجَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ بَعْدَ مَا اُذِّنَ فِيْهِ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَمَّا هٰذَا فَقَدْ عَصٰى اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الشعثاء[1][2] سے روایت ہے کہ ایک آدمی مسجد میں اذان ہونے کے بعد اس سے باہر نکلا۔ تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص نے حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی ہے۔

(مسلم)

[1] الشعثا شین معجمہ کی زبر اور عین خالی اور ثا اور مد سے۔

[2] آپ ثقہ تابعین سے ہیں۔

۱۰۰۹/۲۵ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَہُ الْاَذَانُ فِی الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ یَخْرُجْ لِحَاجَۃٍ وَّھُوَ لَا یُرِیْدُ الرَّجْعَۃَ[1] فَھُوَ مُنَافِقٌ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اذان نے مسجد میں پالیا پھر وہ اس سے باہر نکلا اگر کسی ضروری کام کے لیے باہر نہ نکلا اور اس کا واپس[1] آنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ منافق ہے۔

(ابن ماجہ)

[1] اصل میں لفظ رجعت آیا ہے اور یہ را کی زیر یا زبر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

۱۰۱۰/۲۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ یُجِبْہُ فَلَا صَلٰوۃَ لَہٗ اِلَّا مِنْ عُذْرٍ۔

(رَوَاہُ الدَّارَ قُطْنِیُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے اذان سنی اور اسکا جواب نہ دیا (مسجد میں آکر نماز ادا نہ کی) تو اس کی نماز نہیں مگر کسی عذر کی وجہ سے۔ ان عذروں میں سے جن کا پیچھے ذکر ہوا۔

(دار قطنی)

۱۰۱۱/۲۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ اُمِّ مَکْتُوْمٍ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَدِیْنَۃَ کَثِیْرَۃُ الْھَوَامِّ وَالسِّبَاعِ وَاَنَا ضَرِیْرُ الْبَصَرِ فَھَلْ تَجِدُ لِیْ مِنْ رُخْصَۃٍ قَالَ ھَلْ تَسْمَعُ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَحَیَّ ھَلًا وَلَمْ یُرَخِّصْ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت عبداللہ[1] بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک اس شہر مدینہ میں بہت زیادہ کیڑے مکوڑے (سانپ بچھو وغیرہ) اور درندے ہیں اور میں ایک نابینا آدمی ہوں تو کیا میرے لیے رخصت اور آسانی ہے آپ نے فرمایا کیا تو حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح کی آواز سنتا ہے[2] عرض کیا ہاں سنتا ہوں تو فرمایا پھر اس آواز کی اجابت کر اور آ[3] (مسجد میں آکر نماز ادا کر) اور آپ نے اسے گھر نماز پڑھنے کی اجازت نہ دی

(ابوداؤد۔ نسائی)

---

[1] آپ مشہور نابینا صحابی ہیں۔

[2] جس میں نجات پانے اور مقصود حاصل کر لینے کی بشارت ہے۔ غرض اذان کا سننا ہے۔ حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کی تخصیص کی وجہ وہ ہے جو مذکور ہوئی (مقصود فلاح پانے کی بشارت)

[3] علماء نے کہا ہے کہ حَیَّ اور ہلا دو کلمہ ہے جو ابھارنے اور جلدی کے معنٰی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور یہ لفظ

احبّ کی جگہ آتا ہے اور حاشیہ میں کہا حَیَّهَل آ اور شتابی کرنے کے معنی میں آتا ہے اور یہ حَیَّ اور هَل سے مرکب ہے دونوں کلمے جلدی کرنے کا معنیٰ دیتے ہیں۔ جب توقف کرنا چاہے تو حَیَّ هَلاَ کہے اور حالت وصل میں تنوین پڑھنا بھی روا ہے یعنی حَیَّ هَلاً۔ اس لفظ کی تحقیق باب الاذان میں بھی گزر چکی ہے۔

١٠١٢/٢٨ وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ اَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ام الدرداء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں مجھ پر داخل ہوئے حضرت ابوالدرداء اور وہ غصے میں تھے۔ میں نے کہا آپ کے غضب ناک ہونے کی کیا وجہ ہے۔ آپ نے فرمایا میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے کاموں میں کوئی کام نہیں دیکھتا ماسوائے اس کے کہ یہ سب اکٹھی نماز پڑھتے ہیں[1]

(بخاری)

[1] یعنی ان میں صرف یہ ایک نیک کام باقی رہ گیا ہے۔ مگر اسے بھی بعض ترک کر دیتے ہیں۔

١٠١٣/٢٩ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ اَبِيْ حَثْمَةَ قَالَ اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَدَ سُلَيْمَانَ بْنَ اَبِيْ حَثْمَةَ فِيْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ وَاِنَّ عُمَرَ غَدَا اِلَى السُّوْقِ وَمَسْكَنُ سُلَيْمَانَ بَيْنَ الْمَسْجِدِ وَالسُّوْقِ فَمَرَّ عَلَى الشِّفَاءِ اُمِّ سُلَيْمَانَ فَقَالَ لَهَا لَمْ اَرَ سُلَيْمَانَ فِي الصُّبْحِ فَقَالَتْ اِنَّهُ بَاتَ يُصَلِّيْ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَقَالَ عُمَرُ لَاَنْ اَشْهَدَ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فِيْ جَمَاعَةٍ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنْ اَنْ اَقُوْمَ لَيْلَةً۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت ابوبکر بن سلیمان بن ابی حثمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا بیشک عمر رضی اللہ عنہ نے ایک صبح کی نماز میں سلیمان بن ابی حثمہ کو نہ پایا۔ اور بیشک عمر رضی اللہ عنہ صبح کے وقت بازار کی طرف گئے تو آپ کا گزر حضرت سلیمان کی ماں حضرت شفاء[2] کے پاس سے ہوا۔ اور سلیمان کا مکان مسجد اور بازار کے درمیان تھا آپ نے اس کی ماں سے کہا میں نے آج صبح سلیمان کو نہیں دیکھا اس کی ماں نے عرض کیا وہ ساری رات نماز پڑھتا رہا تو اس پر نیند غالب آ گئی۔ حضرت عمر نے فرمایا بیشک میرا صبح کی نماز کی جماعت میں حاضر ہونا مجھے زیادہ محبوب ہے اس امر سے کہ میں ساری رات نماز پڑھتا رہوں[3] اور فجر کی جماعت کو ضائع کر دوں۔

(مالک)

---

[1] حَثْمَہ حا کی فتح اور ثار حضرت سلیمان کبار تابعین میں سے ہیں۔ قرشی عدوی ہیں۔ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

انہیں جماعت میں نہ پایا اور نہ دیکھا۔ اور وہ نماز فجر کی جماعت میں شریک نہ ہوئے۔

٥٢ شفا شین کی زیر اس کے بعد فا ریہ حضرت سلیمان کی ماں کا نام ہے۔ آپ ابتدائے اسلام میں ہجرت کرنے والی عورتوں میں سے ہیں اور بڑی عقلمند صاحب فضیلت اور نمازی خواتین میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس قیلولہ فرمانے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کا نام لیلی اور لقب ام شفا ہے اور لقب کا استعمال زیادہ ہو چکا ہے۔

٥٣ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ صبح کی نماز باجماعت ادا کرنا رات کی نماز اور تہجد سے افضل ہے۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ اگر قیام لیل (رات کو نماز پڑھنا) فجر کی نماز پڑھنے میں بوجہ بنتا ہو تو قیام لیل کا ترک کر دینا بہتر ہے۔

$\frac{1014}{30}$ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِثْنَانِ فَمَا فَوْقَھُمَا جَمَاعَۃٌ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو اور دو سے زیادہ انسان جماعت[٥٤] ہیں۔

(ابن ماجہ)

٥٤ کہ اگر دو ہوں تو ایک امام بنے اور دوسرا مقتدی اور جماعت سے نماز پڑھیں۔

$\frac{1015}{31}$ وَعَنْ بِلَالِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَمْنَعُوا النِّسَآءَ حُظُوْظَھُنَّ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِذَا اسْتَاْذَنَّکُمْ فَقَالَ بِلَالٌ وَّاللّٰہِ لَنَمْنَعُھُنَّ فَقَالَ لَہٗ عَبْدُ اللّٰہِ اَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَقُوْلُ اَنْتَ لَنَمْنَعُھُنَّ وَفِیْ رِوَایَۃِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ فَاَقْبَلَ عَلَیْہِ عَبْدُ اللّٰہِ فَسَبَّہٗ سَبًّا مَّا سَمِعْتُہٗ سَبَّہٗ مِثْلَہٗ قَطُّ وَقَالَ اُخْبِرُکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ وَاللّٰہِ لَنَمْنَعُھُنَّ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت بلال[٥٥] بن عبد اللہ بن عمر اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میرے باپ عبد اللہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کو ان کے مساجد کے حصہ سے منع نہ کرو جبکہ وہ مسجد میں جانے کی تم سے اجازت طلب کریں تو بلال نے کہا اللہ کی قسم ہم ضرور اپنی عورتوں کو منع کریں گے۔ اس پر حضرت عبد اللہ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اور تو کہتا[٥٦] ہے کہ ہم ضرور عورتوں کو منع کریں گے اور سالم کی اپنے باپ سے ایک روایت میں ہے کہ عبد اللہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے ایسی گالیاں دیں کہ میں نے انہیں ایسی گالیاں دیتے کبھی نہ سنا تھا اور اسے کہا میں تجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خبر دیتا ہوں اور اس کے جواب میں تو کہتا ہے کہ واللہ ہم ضرور عورتوں کو روکیں گے[٥٧]

(مسلم)

[1] آپ تابعی مدنی صالح الحدیث ہیں۔

[2] یعنی آپ نے ڈانٹ اور زجر کے طور پر کہا۔

[3] بعض روایات میں آیا ہے کہ اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے زندگی بھر کلام نہ کیا اور ان سے ناراض رہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی کی رائے نص کے مقابلے میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

۱۰۱۶/۴۲ وَعَنْ مُجَاهِدٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلٌ اَهْلَهٗ اَنْ يَّاْتُوا الْمَسَاجِدَ فَقَالَ ابْنٌ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَاِنَّا نَمْنَعُهُنَّ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اُحَدِّثُكَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقُوْلُ هٰذَا قَالَ فَمَا كَلَّمَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ حَتّٰى مَاتَ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت مجاہد[1] سے وہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مرد بھی اپنے اہل[2] کو مسجدوں میں آنے سے نہ روکے اس پر حضرت عبداللہ کے ایک لڑکے[3] نے کہا کہ بیشک ہم لوگ تو ضرور انکو روکیں گے حضرت عبداللہ نے یہ سن کر کہا میں تیرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تو آگے سے یہ کہتا ہے تو حضرت نے اس لڑکے سے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ فوت ہو گئے[4]۔ (احمد)

[1] حضرت مجاہد علماء تابعین اور ان کے قاریوں میں سے ہوئے ہیں۔ آپ دین کی بزرگ شخصیتوں میں سے ہیں۔

[2] جیسے بیوی، ماں، بہن وغیرہ کو۔

[3] اس سے مراد بھی بلال ہی ہیں۔ اس حدیث میں ان کو مبہم بیان کیا ان کے نام کی تعیین نہ کی۔

[4] اس حدیث میں یہ امر بیان کیا گیا ہے کہ ترک سنت کی بنا پر اولاد سے قطع تعلق کرنا روا ہے۔

بَابُ تَسْوِيَةِ الصَّفِّ

صف سیدھی کرنے کا باب

تسویۃ الصف سے مراد یہ ہے کہ نماز میں مل کر کھڑے ہوں اپنے درمیان بالکل فاصلہ نہ چھوڑیں۔ اور آگے پیچھے نہ

کھڑے ہوں۔ بلکہ سیدھے اور برابر کھڑے ہوں اور اگر صفیں زیادہ ہوں تو ایک سمت میں کھڑے ہوں۔ دونوں صفوں کا درمیانی فاصلہ خطوط متوازیہ کی طرح ہر جگہ سے برابر ہو۔ پھر ترتیب کو ملحوظ رکھیں۔ یہ صف کے ظاہری آداب ہیں جنہیں نظر انداز کرنا باطن کے حالات میں خلل کا موجب ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں۔ اَلظَّاہِرُ عُنْوَانُ الْبَاطِنِ۔ ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آ رہا ہے کہ آپس میں مل کر اور برابر کھڑے ہو اور آپس میں اختلاف نہ کرو تاکہ تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا نہ ہو۔ جیسا کہ اس کی شرح کی جائے گی۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۰۱۷/۱ عَنِ النُّعْمَانَ بْنُ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَاَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ حَتّٰى رَاٰى اَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا فَقَا[illegible] حَتّٰى كَادَ اَنْ يُّكَبِّرَ فَرَاٰى رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهٗ مِنَ الصَّفِّ فَقَالَ عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پہلی فصل

حضرت نعمان[1] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفیں سیدھی کیا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ گویا آپ ان کے ساتھ تیر کو سیدھا کرتے ہیں[2] یہاں تک کہ آپ نے سمجھ لیا کہ یہ مسئلہ ہمارے ذہن نشین ہو گیا ہے[3] پھر ایک دن آپ باہر نکلے اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور تکبیر کہنے کے قریب ہو گئے کہ آپ نے ایک آدمی دیکھا جس کا سینہ صف سے باہر نکلا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا اللہ کے بندو تم لوگ ضرور اپنی صفوں کو درست کرو گے یا پھر اللہ تعالٰے تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا[4]۔

(مسلم)

---

[1] بَشِیر با کی فتح اور شین کی زیر۔ آپ کمسن صحابہ میں سے ہیں۔ آپ ہجرت سے چودہ مہینے بعد پیدا ہوئے۔ آپ انصار میں ہجرت کے بعد سب سے پہلے پیدا ہونے والے بچے ہیں۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ مہاجرین میں پہلے مولود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۸ سال اور ۷ ماہ تھی۔ اہل مدینہ کہتے ہیں کہ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سماع حاصل نہیں۔ اور اہل عراق کہتے ہیں کہ آپ کا سماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح ہے۔

[2] قِداح قِدحٌ بکسر قاف کی جمع ہے۔ قدح تیر کی اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کے آگے ابھی پیکان کو نہ لگایا گیا ہو پیکان لگانے کے بعد اسے سہم کہتے ہیں اور یہ کسی چیز کے بالکل صحیح سیدھا ہونے کی مثال ہے کہ گویا اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو سیدھا اور ہموار کیا جاتا ہے۔ یہاں اس امر کی تاکید ہے کہ صفوں کو اس قدر سیدھا اور درست کیا جائے

کہ ان کے ساتھ تیر کی لکڑی کو بھی سیدھا کیا جا سکے اور بعض شارحین کہتے ہیں کہ یہ عبارت قلب پر محمول ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ گویا ان صفوں کو تیروں کے ساتھ سیدھا کیا جا رہا ہے۔

[۳] یعنی آپ نے خیال فرمالیا اور جان لیا کہ ہم لوگ آپ کے قول و فعل سے نماز میں اس سنت اور اس ادب کو سیکھ گئے ہیں۔

[۴] یا یہ بات ہوگی کہ بے شک اللہ تعالےٰ تمہاری ذوات اور نفوس میں اختلاف ڈال دے گا۔ جیسا کہ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے کہ اے لوگو آپس میں اختلاف نہ کرنا تاکہ تمہارے مختلف نہ ہو جائیں اور یہ اس سبب کی بنا پر ہوگا کہ اختلاف کرنے، کسی کے آگے ہونے اور ایک دوسرے کے برابر نہ ہونے سے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت کینہ، وحشت اور ایک دوسرے کے خلاف عداوت کی تخم ریزی ہوتی ہے۔ اس سے یہ خطرہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ دین میں اختلاف واقع ہونا شروع ہو جائے اور شوکت و عزتِ اسلام میں کمزوری پیدا ہونے لگے۔ یا خدا کی اطاعت نہ کرنے اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے سے دلوں پر تاریکی اور میل کچیل چڑھنی شروع ہو جائے جو تمہارے ظاہر اجسام میں سرایت کرنا شروع کر دے ان توجیہات کے باوجود یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اختلاف پیدا ہوتے میں کوئی راز اور خاصیت ہو۔ جیسا کہ احادیث کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں مخالفتِ وجوہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ چہروں کو پشت کی طرف پھیر دے گا۔ یا بعض حیوانات کی شکل میں تمہاری صورتیں مسخ کر دے گا۔ جیسا کہ امام کی مخالفت کرنے والے کے بارے میں فرمایا وہ شخص نہیں ڈرتا جو اپنا سر امام سے پہلے سجدے سے اٹھا لیتا ہے کہ اللہ اس کی شکل گدھے کی صورت میں بدل دے۔

۱۰۱۸/۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَاَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ وَتَرَاصُّوْا فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ قَالَ اَتِمُّوا الصُّفُوْفَ فَاِنِّيْ اَرَاكُمْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِيْ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے ہماری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا اپنی صفیں سیدھی کرو۔ اور آپس میں مل کر کھڑے ہو۔[۱] کیونکہ میں تمہیں اپنی پشت کے پیچھے دیکھتا ہوں۔[۲] اسے بخاری نے روایت کیا اور متفق علیہ حدیث میں اس طرح آیا ہے اپنی صفوں کو درست کرو کہ بیشک میں اپنی پشت پیچھے دیکھتا ہوں۔

[۱] تاکہ درمیان میں فاصلہ نہ رہے اور جس طرح دیوار بناتے وقت پتھر اینٹ کو ایک دوسرے سے ملا کر رکھتے ہو بالکل اسی طرح نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہو اور پوری نماز میں تمہاری یہی حالت رہے۔ اس سے غفلت نہ کرنا۔

[2] یعنی دل سے یا ظاہری آنکھ سے بطریق معجزہ اور نماز میں مجھے ایک خاص قسم کی نورانیت حاصل ہوتی ہے جسکی بدولت تمہاری حالت مجھ پر منکشف ہو جاتی ہے۔ اس معنیٰ کی تحقیق گذشتہ گزر چکی ہے۔

[3] اتمام صفوف کا معنیٰ یا تو انہیں سیدھا کرنے کا ہے یا اس کا معنیٰ ہے جب تک صف اول پوری نہ ہو دوسری صف نہ بناؤ۔ بہتر یہ ہے کہ اس لفظ سے دونوں معنیٰ مراد لیے جائیں۔

۱۰۱۹ ۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَاِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ اِقَامَةِ الصَّلٰوةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِّنْ تَمَامِ الصَّلٰوةِ۔

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی صفیں سیدھی اور درست کیا کرو کہ بیشک صفوں کا سیدھا کرنا نماز کے قائم کرنے میں داخل ہے[1]۔ (بخاری ومسلم) مگر مسلم کے نزدیک من اقامۃ الصلوٰۃ کے بجائے من تمام الصلوٰۃ کا لفظ آیا ہے[2]۔

[1] جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور جس کی مدح بہت سی آیات میں آئی ہے۔ جیسے یقیمون الصلوٰۃ۔ اقیموا الصلوٰۃ۔ المقیمین الصلوٰۃ وغیرہ۔ علماء نے کہا ہے کہ جہاں بھی نماز اور نمازی کی مدح کی گئی ہے وہ نماز قائم کرنے کے ساتھ کی گئی ہے۔ اصل نماز پر تو بعض جگہ مذمت بھی آئی ہے۔ جیسے فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ (ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں)

[2] مگر دونوں عبارتوں کا مآل ایک ہی ہے۔

۱۰۲۰ ۴ وَعَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلٰوةِ وَيَقُوْلُ اسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ قَالَ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ فَاَنْتُمُ الْيَوْمَ اَشَدُّ اخْتِلَافًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو مسعود[1] انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہمارے کندھوں کو ہاتھ لگاتے تھے[2] اور فرماتے تھے اپنی صفوں کو درست کرو۔ اور آپس میں اختلاف نہ کرو تاکہ تمہارے دلوں میں اختلاف واقع نہ ہو[3]۔ اور چاہیے کہ تم میں سے جو اصحاب عقل و فہم ہیں وہ میرے ساتھ[4] کھڑے ہوں[5] پھر وہ کھڑے ہوں جو رتبے میں ان کے قریب ہوں[6] پھر وہ جو ان کے قریب ہوں[7]۔ حضرت ابو مسعود نے کہا تم لوگ آج بہت زیادہ اختلاف میں پڑے ہوئے ہو[8]۔ (مسلم)

ف۱ آپ مشہور انصاری صحابی ہیں یہ ابن مسعود کے علاوہ ہیں۔

ف۲ اور اپنے دست مبارک سے انہیں نماز میں برابر اور ہموار کرتے اور صفیں درست فرماتے تھے۔

ف۳ اس جملے کی شرح گزشتہ حدیث کے ضمن میں مذکور ہو چکی ہے۔

ف۴ لِيَلِنِيْ یا کے حذف اور تخفیف نون سے۔ بعض نسخوں میں لِيَلِيَنِّيْ ثبوت یا اور نون تاکید سے آیا ہے۔ بعض راویوں نے ثبوت یا اور اس کی جزم کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ غلط ہے مگر درست بات یہ ہے کہ اسے پڑھنا بھی صحیح ہے تاہم یہ استعمال نادر اور قلیل الوقوع ہے۔

ف۵ اس جملے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب صفوف کا بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میرے ساتھ اور صف اول میں کھڑے ہوں جو عاقل و بالغ ہیں۔ احلام کبھی حلم بکسر حا کی جمع لاتے ہیں بمعنی مضبوطی اور وقار اور حلم کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ غصے کے ابال اور جوش کے وقت نفس کو قابو میں رکھے۔ اور حلم کی تفسیر عقل سے بھی کرتے ہیں کیونکہ تحمل و وقار عقلمندی کے لیے لازم ہے اور کبھی احلام کو حلم بضم حا کی جمع قرار دیتے ہیں بمعنی بالغ آدمی کو خواب آنا۔ نُھٰی نون کی پیش اور ھا کی زبر بمعنی عقل۔ کیونکہ عقل انسان کو ناشائستہ کاموں سے باز رکھتی ہے۔ معنی اول کے مطابق لفظ النُّھٰی تاکید و تفسیر ہوگا۔ اہل عقل و فضل کو ساتھ کھڑا کرنے میں حکمت یہ ہے کہ وہ کیفیت نماز اور اس کے احکام کو پوری طرح سمجھ کر یاد کریں گے پھر آگے امت تک پہنچائیں گے۔

ف۶ جیسے بچے اور وہ جو قریب البلوغ ہوں۔ جن کو مراہق بھی کہتے ہیں۔

ف۷ جیسے خنثیٰ (ہیجڑے) جن مردوں اور عورتوں دونوں کی علامت موجود ہوتی ہے۔ اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ان کے بعد عورتوں کی صف ہونی چاہیے۔

ف۸ اور یہ خرابی صفوں کو درست نہ کرنے اور شارع علیہ السلام کے حکم کی بجا آوری نہ کرنے کے سبب ہے۔

۱۰۲۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَلِيَنِيْ مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثَلٰثًا وَاِيَّاكُمْ وَهَيْشَاتِ الْاَسْوَاقِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے نماز میں میرے ساتھ وہ لوگ کھڑے ہوا کریں جو ارباب عقل و فہم ہیں پھر وہ لوگ جو ان کے قریب ہوں۔ آپ نے یہ بات تین[ف۱] مرتبہ فرمائی۔ اور اپنے آپ کو مسجدوں میں شور و غل مچانے سے دور رکھو[ف۲] (مسلم)

ف۱ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثم الذین یلونہم کا فقرہ تین بار دہرایا تو اس حدیث کے مطابق صف کے مراتب چار ہوں گے۔ گزشتہ حدیث میں آپ نے عورتوں کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ خنثیٰ کے بعد انہیں کی صف متعین ہے اور ہدایہ

میں ذکر کیا کہ پہلی صف مردوں کی، دوسری بچوں کی اس کے بعد عورتوں کی صف ہو گی۔ صاحب ہدایہ نے خُناثی کا ذکر نہ کیا۔ شیخ ابن الہمام نے کہا خناثی کی صف بچوں اور عورتوں کے درمیان ہو۔ ایسا ہی کتاب وقایہ میں ہے۔ یہی مذہب شافعیہ کا ہے جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ کی شرح میں مذکور ہے۔

۲ یعنی جس طرح تم لوگ بازاروں میں شور و غل مچاتے ہو مسجدوں میں اس سے باز رہو۔ یا ایاکم وہیشات الاسواق کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح بازاروں میں بے پردہ عورتیں اور مرد مل کر چلتے اور خلط ملط کرتے ہیں مسجدوں میں اس طرح نہ کرو۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ بازاروں اور اس کے کام کاج سے حتی المقدور دور رہو تاکہ جماعت میں شمولیت سے اور نماز میں میرے ساتھ کھڑے ہونے سے تمہاری مصروفیت رکاوٹ نہ بنے۔ بعض نے کہا حدیث کا معنیٰ یہ ہے کہ بازاروں اور ایسی جگہوں میں نماز ادا کرنے سے بچو جہاں شور و غل کے باعث حضور قلب میں خلل واقع ہوتا ہے۔ میں نے مشائخ سے ایسا ہی سنا ہے۔ ہیشات ہیشہ کی جمع۔ ہوشہ بمعنیٰ فتنہ، ہیجان (جوش میں آنا) اور اضطراب۔ نیز لفظ گروہ کے معنیٰ میں بھی آتا ہے

۱۰۲۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ اَصْحَابِهٖ تَاَخُّرًا[1] فَقَالَ لَهُمْ تَقَدَّمُوْا وَاْتَمُّوْا بِیْ وَلْیَاْتَمَّ بِکُمْ مَنْ بَعْدَکُمْ لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ حَتّٰی یُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب میں پیچھے پیچھے رہنا[1] دیکھا تو ان سے فرمایا آگے آؤ اور میری اقتدا کرو[2] اور تمہاری اقتدا تمہارے بعد والے کریں[3] اور ایک قوم مسلسل پیچھے ہٹتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو پیچھے دھکیل دیتا ہے۔[4] (مسلم)

۱ یعنی نمازی صفوں میں۔ یا علم حاصل کرنے اور مزید طلب کرنے میں۔ معنیٰ اول کے مطابق آپ کے قول مبارک تقدموا کا معنیٰ ہو گا آگے آؤ اور صف اول میں کھڑے ہو۔

۲ یعنی میرے ساتھ مل کر کھڑے ہو تاکہ میرے افعال نماز دیکھ کر اس کے مطابق کرو۔

۳ یعنی وہ لوگ تمہاری اقتدا کریں جو تمہارے پیچھے کھڑے ہیں کیونکہ پچھلی صف اگلی صف کی اقتدا کرتی ہے۔ اور اس کے افعال دیکھ کر کرتی ہے اور جو سب سے آگے ہوتے ہیں وہ امام کے حالات اور اس کی حرکات و سکنات کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور امام کی اتباع کرنے میں سب سے اول اور سب سے جلدی کرنے والے ہوتے ہیں۔

۴ اللہ تعالیٰ انہیں ثواب عظیم سے دور کر دیتا ہے اور اپنے فضل و رحمت سے ہٹا دیتا ہے۔ دوسرے معنیٰ کے مطابق اس کا معنیٰ ہو گا کہ طلب علم و معرفت اور اکتساب فضائل و کمالات کی طلب میں قدم آگے رکھو اور جلدی دکھلاؤ اور اس باب میں میری اقتدا کرو کہ میں مرتبہ رسالت رکھنے اور میرے اگلے پچھلے ذنوب کی مغفرت ہو چکی ہے [illegible] میں کس طرح عمل

دریاضت اور طلب میں کوشش و مبالغہ کرتا ہوں۔ یا یہ آگے ہونے اور مزید طلب کا بیان ہے یعنی آگے ہونا اور مزید نیکی طلب کرنا یہی ہے کہ تم لوگ میری اتباع کرو۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ آپ فرمادیں اگر تم لوگ اللہ کے دوست بننا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تمہیں اپنا دوست بنالے گا۔ اور جب تم لوگ دین میں کامل ہو جاؤ گے تو دوسروں کی تکمیل کرو گے۔ اور دوسرے لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے وہ تمہاری اتباع کریں گے یا یہ حکم بعد والوں کو ہے کہ وہ بھی تمہاری متابعت میں اپنے آپ کو طالب اور پیاسا ظاہر کریں اور جو شخص طلب سے دور جا پڑا اور اس میں سستی دکھائی وہ مرتبہ قرب و وصول سے دور کر دیا گیا سے

تو راہ نرفتہ ازاں معذوری ورنہ کہ زد ایں درکہ برو نکشودند

ترجمہ۔ تو راستے پر چلا ہی نہیں اس لیے محروم ہے ورنہ کون ہے جس نے یہ دروازہ کھٹکھٹایا اور دروازہ نہ کھولا گیا
تو جہاں تک ہو سکے کوتاہی نہ کرو۔ ے

اندریں راہ چناں گراں نکنی دست و پائے بزن زیاں نکنی

ترجمہ۔ اس راستے میں بوجھل نہ بن۔ ہاتھ پاؤں مار اکوشش کرتا کہ نقصان نہ کر بیٹھے۔

حدیث کی ظاہر عبارت بھی اس معنیٰ میں ہے۔ مگر بعض محدثین نے اسے صفیں درست کرنے پر چسپاں کیا ہے اور یہ بھی طلب و کمال کا ایک فرد ہے مگر حدیث کا معنیٰ صرف اس کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

١٠٢٣ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰنَا حِلَقًا فَقَالَ مَالِىْ اَرَاكُمْ عِزِيْنَ ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ اَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلٰٓئِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا قَالَ يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰى وَيَتَرَاصُّوْنَ فِى الصَّفِّ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[1] بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری طرف نکل کر تشریف لائے ہمیں آپ نے حلقوں[2] کی شکل میں دیکھا تو فرمایا مجھے کیا ہے کہ میں تمہیں حلقہ حلقہ بنائے بیٹھے دیکھتا ہوں[3] پھر آپ تشریف لائے تو فرمایا تم لوگ اپنی صفیں اس طرح کیوں نہیں بناتے جس طرح فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ملائکہ اپنے رب کے پاس کیسی صفیں بناتے ہیں۔ فرمایا اگلی صفوں کو مکمل کرتے[4] ہیں اور آپس میں بالکل جڑ کر کھڑے ہوتے ہیں۔

(مسلم)

---

[1] حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں قبیلہ بنی عامر سے ہیں۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیرہ زاد ہیں۔

[٥٢] حِلقا حا کی زیر سے جمع حلقہ حا کی زبر اور لام ساکن۔ جیسے بَدرہ اور بِدر، اور قَصعہ و قِصَع۔ مشہور لغت یہی ہے۔ بعض نے کہا حَلَقا حا کی زبر سے ہے جیسے تَمَر و تَمرۃ۔ حلقہ لام کی زبر سے بھی آیا ہے اور اسکی جمع حَلَقا دو زبروں کے ساتھ آتی ہے تاہم بعض علماء اس کا انکار کرتے ہیں۔

[٥٣] یہ ان کے اس حالت میں بیٹھنے سے ممانعت ہے کیونکہ اس طرح بیٹھنا دلوں کے متفرق ہونے اور ان کے درمیان اختلاف و مباینت کی علامت ہے۔ اور آپس میں اختلاف و انتشار کا موجب و سبب ہے۔ عِزُہ عین کی زیر زا ساکن، بمعنیٰ جمع شدہ گروہ۔ عِزین جمع۔ اور باب الجمعۃ میں آتا ہے کہ یہ حلقے بنا کر بیٹھنا جمعہ کے دن خطبہ کے وقت یا نماز سے پہلے تھا۔

عہ یعنی اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں۔

[٥٤] اگر یہ کہو کہ پہلی صف تو ایک ہی ہوتی ہے۔ پھر صیغہ جمع کیوں لایا گیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ملائکہ کرام آسمان و زمین میں ہر جگہ صفیں بناتے ہیں اور ہر جگہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں۔

١٠٢٤/٨ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ صُفُوْفِ الرِّجَالِ اَوَّلُهَا وَشَرُّهَا اٰخِرُهَا وَخَيْرُ صُفُوْفِ النِّسَآءِ اٰخِرُهَا وَشَرُّهَا اَوَّلُهَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مردوں کی سب سے افضل صف پہلی صف ہوتی ہے اور ان کی سب سے بُری صف ان کی آخری صف ہوتی ہے۔ اور عورتوں کی سب سے افضل صف انکی آخری صف ہوتی ہے اور انکی سب سے بُری صف انکی پہلی صف ہوتی ہے[١]

(مسلم)

[١] یعنی مردوں کو چاہیے کہ اپنی صفیں آگے بنائیں اور عورتوں کی صفوں سے آگے رکھیں اور عورتوں کی صفیں مردوں کے بعد اور پیچھے ہوں۔ جیسا کہ صفوں کی ترتیب کے بیان میں گزرا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

١٠٢٥/٩ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ اِنِّیْ لَاَرٰی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفوں کو جوڑ کر[١] اور ہموار و سیدھی رکھو اور ایک دوسرے کے قریب ہو کر کھڑے ہو[٢]۔ اور اپنی گردنوں کو برابر کرو۔ کیونکہ وہ ذات جس کے قبضہ

الشَّیْطٰنَ یَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ کَاَنَّھَا الْحَذَفُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

قدرت میں میری جان ہے بیشک میں دیکھتا ہوں کہ شیطان صفوں کے درمیانی فاصلے میں داخل ہوتا ہے گویا کہ وہ سیاہ رنگ کی بکری ہے۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی اس طرح مل کر کھڑے ہو جس طرح دیوار کی چنائی میں اینٹ پتھر جوڑ کر رکھے جاتے ہیں۔

[2] اس میں اس بات سے منع کیا کہ آپس میں فاصلہ رکھ کر نہ کھڑے ہو۔

[3] حَذَف حا مہملہ اور ذال معجمہ دونوں پر زبر، آخر میں فا، حجاز و یمن کی سیاہ رنگ کی بکریاں۔ جیسا کہ شرح الشیخ میں آیا ہے۔ اور راوی نے حدیث حضرت ابوامامہ میں بکری کے چھوٹے بچوں سے اس کی تفسیر کی ہے۔ ایک روایت میں کَاَنَّھَا بَنَاتُ حَذَفٍ آیا ہے یعنی بکریوں کے بچے۔

۱۰۲۶ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِیْ یَلِیْہِ فَمَا کَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْیَکُنْ فِی الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلے اگلی صف کو مکمل کرو پھر اس کے بعد والی کو اور جو کمی رہ جائے وہ سب سے آخری صف میں ہو۔

(ابوداؤد)

۱۰۲۷ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ یَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوْلٰی وَمَا مِنْ خُطْوَۃٍ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ مِنْ خُطْوَۃٍ یَمْشِیْھَا یَصِلُ بِھَا صَفًّا۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ اور اس کے فرشتے پہلی صفوں والوں پر درود بھیجتے ہیں[1]۔ اور اللہ کے نزدیک کوئی قدم اس قدم سے زیادہ محبوب و پسندیدہ نہیں جو صف کو پورا کرنے کے لیے اٹھایا گیا ہو[2]۔

(ابوداؤد)

[1] جب آپ نے پہلی صف کی فضیلت بیان کر دی تو پھر دوسری صف کی فضیلت کی طرف بھی اشارہ کیا جو اس کے ساتھ ملی ہوتی ہے اور بعد والی صفوں پر اسے فضیلت حاصل ہوتی ہے اور الذین یلون الصفوف الاولیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس صف میں کھڑے ہوتے ہیں، لیکن یہ معنی ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔

[2] یعنی اگر کسی صف میں فرجہ (فاصلہ) ہو تو قدم اٹھا کر وہاں کھڑا ہو اور اسے ملا دے۔ اور تمشیہا تصل تا خطاب کے ساتھ بھی آیا ہے۔

۱۰۲۸/۱۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صفوں میں دائیں جانب کھڑے ہونے والوں پر درود بھیجتے ہیں[1]۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی ان لوگوں پر جو صف میں دائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ امام کے دائیں جانب کھڑے ہوتا اگرچہ امام سے دور ہی ہو افضل ہے ان لوگوں سے جو امام کی بائیں جانب کھڑے ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ امام کے قریب ہی کیوں نہ ہوں۔ بعض علماء شافعیہ نے کہا ہے کہ یہ مسجد نبوی شریف کے علاوہ مساجد کے لیے ہے۔ مسجد نبوی شریف میں امام کی بائیں جانب کھڑے ہونا زیادہ فضیلت رکھتا ہے کیونکہ قبر شریف اسی جانب ہے۔ اللہ تعالےٰ اس قائل کو اپنی رحمت سے نوازے۔

۱۰۲۹/۱۳ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا اِذَا قُمْنَا اِلَى الصَّلٰوةِ فَاِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب ہم نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں کو سیدھا کرتے تھے[1] جب ہم لوگ ٹھیک ہو کر کھڑے ہو جاتے تو پھر آپ تکبیر کہتے تھے۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی ہاتھ یا اشارہ سے صفیں سیدھی کرتے تھے۔

۱۰۳۰/۱۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَنْ يَمِيْنِهٖ اعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَعَنْ يَسَارِهٖ اعْتَدِلُوْا سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم داہنی جانب فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو۔ اور بائیں طرف فرماتے درست رہو صفیں سیدھی کرو[1]۔ (ابوداؤد)

[1] یہ آپ صفوں کی درستی کے لیے انتہائی اہتمام و احتیاط کی بنا پر کرتے تھے۔

۱۰۳۱/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِيَارُكُمْ اَلْيَنُكُمْ مَنَاكِبَ فِي الصَّلٰوةِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو نماز میں اپنے شانے بہت نرم[1] رکھتے ہیں۔ (ابوداؤد)

[1] اس کے چند معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ایک معنی یہ ہے کہ صف میں کھڑا نمازی دوسرے ایسے نمازی کے لیے اپنے شانے نرم رکھے جس کا کندھا صف سے باہر نکلا ہوا اور آگے پیچھے ہو اور وہ اسے صف سیدھی کرنے کے لیے آگے پیچھے کرے۔ بعض نے کہا اگر کوئی نمازی صف میں داخل ہونا چاہیے تو اسے منع نہ کرے۔ بلکہ اجازت دے کہ وہ صف میں کھڑا ہو خصوصاً جب کہ آنے والا صف میں موجود فاصلے کو پر کرنے کے لیے آ کر کھڑا ہو۔ بعض کہتے ہیں کندھے نرم کرنے سے نماز میں سکون، خشوع اور سکینت و وقار مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۰۳۲/۱۶ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُوْلُ اسْتَوُوْا[1] اسْتَوُوْا اسْتَوُوْا فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرٰىكُمْ مِّنْ خَلْفِيْ كَمَا اَرٰىكُمْ مِّنْ بَيْنِ يَدَيَّ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

تیسری فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے سیدھے رہو سیدھے رہو سیدھے رہو[1]۔ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ میں تم کو اپنے پیچھے سے ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے تمہیں اپنے آگے سے دیکھتا ہوں۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا کہ اپنی صفیں سیدھی اور درست کر کے نماز میں کھڑے ہو۔

۱۰۳۳/۱۷ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصَّفِّ الْاَوَّلِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَعَلَى الثَّانِيْ قَالَ وَعَلَى الثَّانِيْ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابوامامہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اور دوسری صف پر[2]۔ آپ نے فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور صف دوم پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ اور اس کے فرشتے صف اول پر درود بھیجتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اور دوسری صف پر آپ نے فرمایا اور دوسری پر[3] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنی

وَسَلَّمَ سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَحَاذُوْا بَيْنَ مَنَاكِبِكُمْ وَلِيْنُوْا فِيْ اَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَسُدُّوا الْخَلَلَ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَ بِمَنْزِلَةِ الْحَذَفِ يَعْنِيْ اَوْلَادِ الضَّانِ الصِّغَارَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

صفیں سیدھی کرو۔ اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو۲ہ کشادگیاں بھرو کیونکہ شیطان تمہارے درمیان بکری کے چھوٹے بچے کی شکل میں گھس جاتا ہے۔

(احمد)

لہ اُمامہ ہمزہ کی پیش۔

۲ہ یعنی دوسری صف کے لیے بھی فرمائیں کہ صف اول پر بھی درود نازل ہو اور دوسری پر بھی۔ اسے عطفِ تلقینی کہتے ہیں کہ مخاطب متکلم کو تلقین کرتا ہے کہ عطف کرے اور اسے بھی ذکر کرے۔

۳ہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے التماس کرنے سے اب پہلی اور دوسری صف پر مشترکہ درود بھیجنے کی وحی آگئی ہو اور آپ کے اس انداز سے یہ ظاہر ہو گیا کہ صف اول کو دوسری پر بہت فضیلت حاصل ہے اور دوسری صف کا درجہ پہلی صف سے کم ہے۔

لہ یہ عبارت معنی اول کے مطابق جو حدیث ابن عباس میں گزرا کے زیادہ مناسب ہے اور لفظ لینوا دونوں طرح روایت کیا گیا ہے۔ مگر شد کے بغیر صحیح ہے۔

$\frac{۱۰۳۴}{۱۸}$ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقِيْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَيْنَ الْمَنَاكِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِيْنُوْا بِاَيْدِيْ اِخْوَانِكُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ وَّصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَهُ قَطَعَهُ اللّٰهُ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَرَوَى النَّسَآئِيُّ مِنْهُ قَوْلَهٗ وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفیں سیدھی کرو اور اپنے کندھوں کے درمیان مقابلہ رکھو۔ کشادگیاں بند کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو۔ شیطان کے لیے کشادگیاں نہ چھوڑو۔ اور جو صف کو ملائے اللہ اسے ملائے لہ۔ اور جو صف کو توڑے اللہ اسے توڑے۔ ابو داؤد۔ اور نسائی نے ان سے ہی مَنْ وَصَلَ سے آخر تک روایت کی لہ

لہ یعنی اللہ تعالٰے اسے اپنے فضل و رحمت سے ہمکنار کرے۔

[2] جو صف میں رخنہ رکھے اور اسے توڑ کر کھڑا ہو اللہ تعالیٰ اسے مقام قرب و رحمت اور عزت سے الگ کر دے

[3] یعنی نسائی نے اول حدیث کو اقیموا الصفوف سے لے کر اس قول تک روایت نہ کیا۔

۱۰۳۵/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَسَّطُوا الْاِمَامَ وَسُدُّوا الْخَلَلَ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام کو بیچ میں رکھو[1] اور کشادگیاں بند کرو۔ (ابوداؤد)

---

[1] اور اس کے پیچھے اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو۔

۱۰۳۶/۲۰ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ قَوْمٌ يَتَاَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰى يُؤَخِّرَهُمُ اللهُ فِى النَّارِ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قوم پہلی صف سے پیچھے ہوتی رہے گی[1]۔ حتیٰ کہ اللہ انہیں آگ میں پیچھے کرے گا۔ (اور دوزخ میں ڈالے گا) (ابوداؤد)

---

[1] اور مقام فضل و ثواب میں آگے بڑھنا ترک کر دیں گے۔

۱۰۳۷/۲۱ وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ قَالَ رَاٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يُّصَلِّىْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

حضرت وابصہ[1] ابن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھتے دیکھا تو اسے نماز لوٹانے کا حکم دیا[2] (احمد، ترمذی) ابوداؤد اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے[3]۔

---

[1] با کی زیر اور صاد مہملہ، مَعبد میم کی زبر اور عین ساکن۔ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے۔ ۹ھ میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ آپ پر گریہ و زاری کا غلبہ رہتا تھا۔ پہلے کوفہ میں قیام کیا پھر جزیرہ میں آ گئے۔ مقام رقہ میں انتقال فرمایا آپ کی قبر انور بھی رقہ میں ہے۔

[2] آپ نے اسے آگے بڑھنے میں کوتاہی کرنے پر تغلیظ اور ڈانٹ کے طور یہ فرمایا نماز کے بطلان یا فساد کی بنا پر نہ فرمایا۔ اور امام احمد اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک اگر نماز اکیلے پڑھے گا تو باطل ہو جائے گی جب کہ اگلی صف میں داخل ہونے کی

گنجائش موجود ہو۔ اس حدیث اور دوسری احادیث کی بنا پر اور ان آئمہ کے بعض اہل مذہب نے نماز جنازہ کو اس سے مستثناء کیا ہے۔ جب کہ جنازے کی نماز میں پانچ آدمی ہوں۔ تین صفیں بنانے کے لیے کہ تین صفیں بنانا مستحب ہے۔ بخلاف عورت کے کہ وہ اکیلی ہی مردوں کی صف کے پیچھے نماز ادا کرے گی ان آئمہ کے نزدیک اس وقت نماز فاسد ہو گی۔ جب کہ وہ پوری نماز اکیلا پچھلی صف میں ادا کرے اور اگر اس نے صرف تکبیر تحریمہ اکیلے پچھلی صف میں باندھی اس کے بعد اگلی صف میں شامل ہو گیا تو نماز فاسد نہ ہو گی۔ جیسا کہ باب الموقف میں حضرت ابوبکرہ کی حدیث سے معلوم ہو گا۔ پھر امام احمد کے نزدیک امام کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والے کا بھی یہی حکم ہے۔

۳ اور ابن حبان اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا۔ وہ ایک دوسری صحیح حدیث بھی روایت کرتے ہیں۔ لاصلوٰۃ للذی خلف الصف۔ یعنی جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھے۔ اس کی نماز نہیں ہوتی۔ مگر دوسرے آئمہ کے نزدیک یہ حدیث نفی کمال پر محمول ہے۔

بَابُ الْمَوْقِفِ

نماز کی جگہ کا بیان

یعنی یہ باب اس بیان میں ہے کہ نماز میں امام کہاں کھڑا ہو اور مقتدی کہاں۔ امام آگے کھڑا ہو یا مقتدی امام کے پہلو میں دائیں جانب کھڑا ہو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١٠٣٨/١ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ فِیْ بَیْتِ خَالَتِیْ مَیْمُوْنَةَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فَقُمْتُ عَنْ یَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِیَدِیْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ فَعَدَلَنِیْ كَذٰلِكَ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ اِلَی الشِّقِّ الْاَیْمَنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ میمونہ کے گھر رات گزاری۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھے میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پیٹھ کے پیچھے سے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اسی طرح پیٹھ کے پیچھے سے دائیں طرف گھما لیا۔

(بخاری ومسلم)

[1] جو ازواج مطہرات میں سے ہیں۔

[2] میں بھی اٹھا اور وضو کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی مہیا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور میں بھی آپ کے ساتھ کھڑا ہوا۔

[3] یہ حدیث اس جگہ مختصر بیان ہوئی ہے مکمل حدیث باب قیام اللیل میں آئے گی انشاء اللہ تعالےٰ۔

[4] یا اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوسری طرف" کرنے کا نقشہ اور کیفیت بیان کی۔ اور لفظ کذالک اس حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ امثال وحکایات بیان کرتے وقت ایسا کرنا خصوصاً اہل عرب کی عادت ہے کہ لفظ اشارہ استعمال کرتے ہیں۔ خوب سمجھو۔

١٠٣٩/٢ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّيَ فَجِئْتُ
حَتّٰى قُمْتُ عَنْ يَسَارِهٖ فَاَخَذَ بِيَدِيْ
فَاَدَارَنِيْ حَتّٰى اَقَامَنِيْ عَنْ يَمِيْنِهٖ
ثُمَّ جَآءَ جَبَّارُ بْنُ صَخْرٍ فَقَامَ عَنْ
يَسَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَاَخَذَ بِيَدَيْنَا جَمِيْعًا فَدَفَعَنَا
حَتّٰى اَقَامَنَا خَلْفَهٗ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے[1] لیے کھڑے ہوئے پھر
میں آیا حتیٰ کہ آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تو آپ نے میرا
ہاتھ پکڑا اور مجھے گھمایا۔ یہاں تک کر اپنے دائیں مجھے
کھڑا کیا۔ پھر جبار[2] بن صخر آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے بائیں کھڑے ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے ہم دونوں کا ہاتھ پکڑا اور ہمیں پیچھے کیا حتیٰ کہ
ہمیں اپنے پیچھے کھڑا کیا۔[3]
(مسلم)

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ رات کی نماز تھی۔ جیسا کہ حدیث ابن عباس میں تھا۔ رات کے نوافل کے علاوہ دوسرے نوافل کا بھی احتمال ہے کہ کبھی کبھار آپ نے وہ جماعت سے ادا کیے ہوں۔

[2] جبار شدسے۔ ابن صخر آپ انصار میں سے ہیں۔ اور ان ستر خوش نصیب حضرات میں سے ہیں جو لیلۃ العقبہ میں حاضر تھے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ اگر مقتدی صرف ایک ہو تو وہ امام کے ساتھ اس کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر زیادہ ہوں تو امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

١٠٤٠/٣ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلَّيْتُ اَنَا وَ
يَتِيْمٌ فِيْ بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے
ہیں کہ میں نے اور ایک یتیم نے اپنے گھر میں نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور ام سلیم[1] ہمارے

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پیچھے تھیں۔ (مسلم)

ف۱ ام سُلیم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بچے کا بالغ مرد کے ساتھ نماز میں کھڑے ہونا درست ہے کیونکہ یتیم بچے ہی کو کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یتیم حضرت انس کے بھائی کا نام ہے اور وہ بچے نہ تھے۔ لہٰذا اس حدیث میں اس امر پر کوئی دلالت نہیں کہ بچہ مرد کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ مگر اس کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ چونکہ یہ نفل نماز تھی اس لیے اس میں نرمی کو روا رکھا جا سکتا ہے اور گذشتہ بیان کردہ احکام فرض نماز سے متعلق تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۴۱/۴ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى بِهٖ وَبِاُمِّهٖ اَوْ خَالَتِهٖ قَالَ فَاَقَامَنِيْ عَنْ يَّمِيْنِهٖ وَاَقَامَ الْمَرْاَةَ خَلْفَنَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اور ان کی ماں یا خالہ[1] کو نماز پڑھائی۔ فرماتے ہیں مجھے تو آپ نے اپنے دائیں کھڑا کیا۔ اور عورت کو ہمارے پیچھے[2]۔

(مسلم)

ف۱ یہ راوی کا شک ہے۔

ف۲ یعنی میری ماں یا میری خالہ کو۔ اور اس حدیث میں یتیم کا ذکر نہیں ہے۔

۱۰۴۲/۵ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ اَنَّهٗ انْتَهٰى اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ فَرَكَعَ قَبْلَ اَنْ يَّصِلَ اِلَى الصَّفِّ ثُمَّ مَشٰى اِلَى الصَّفِّ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَّلَا تَعُدْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوبکرہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے، حالانکہ آپ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع کر دیا۔ پھر صف تک[2] چلے۔ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو فرمایا اللہ تمہاری حرص بڑھائے[3] مگر دوبارہ ایسا نہ کرنا[4]۔

(بخاری)

ف۱ بکرۃ تا کے ساتھ۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔

ف۲ حضرت ابوبکرۃ نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی نماز کی نیت کی اور تکبیر تحریمہ باندھ لی۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رکوع میں پا لیں اور رکعت پا لیں اور تکبیر اولیٰ کی فضیلت بھی حاصل کر لیں۔

ف۳ یعنی اللہ تعالیٰ تجھ میں طلب خیر اور مقام قرب تک وصول کی حرص اور زیادہ کرے۔

ف۴ تاکہ منفرد کی صف کے پیچھے یا صف تک پہنچنے سے پہلے رکوع اور صف کی طرف چلتے ہوئے نماز میں اقتداء

لازم نہ آئے۔ یہ حکم ہے کہ جہاں تکبیر تحریمہ باندھی ہے وہیں کھڑا ہو جائے۔ پس یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز میں اکیلے آدمی کا صف میں کھڑا ہونا نماز کو باطل نہیں کرتا کیونکہ آپ نے اس آدمی کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا۔ بعض راوی اس لفظ تَعُدْ عین کی جزم اور دال کی پیش سے بیان کرتے ہیں اور اسے عَدْوٌ سے مشتق مانتے ہیں، بمعنی دوڑنا یعنی دوڑنے میں اس قدر شتابی نہ کرنا کہ دوڑنے کی نوبت آجائے۔ مگر پہلی روایت روایۃً اور درایۃً صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۴۳/۶ عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ أَمَرَنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كُنَّا ثَلٰثَةً أَنْ يَتَقَدَّمَنَا أَحَدُنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ جب ہم تین ہوں تو ہم میں سے ایک آگے بڑھ جائے۔[1]

(ترمذی)

[1] یعنی ایک امام بن جائے اور دو اس کے مقتدی۔

۱۰۴۴/۷ وَعَنْ عَمَّارٍ أَنَّهٗ أَمَّ النَّاسَ بِالْمَدَائِنِ وَقَامَ عَلٰى دُكَّانٍ يُصَلِّيْ وَالنَّاسُ أَسْفَلَ مِنْهُ فَتَقَدَّمَ حُذَيْفَةُ فَأَخَذَ عَلٰى يَدَيْهِ فَاتَّبَعَهٗ عَمَّارٌ حَتّٰى أَنْزَلَهٗ حُذَيْفَةُ فَلَمَّا فَرَغَ عَمَّارٌ مِنْ صَلٰوتِهٖ قَالَ لَهٗ حُذَيْفَةُ أَلَمْ تَسْمَعْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِذَا أَمَّ الرَّجُلُ الْقَوْمَ فَلَا يَقُمْ فِيْ مَقَامٍ أَرْفَعَ مِنْ مَقَامِهِمْ أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ فَقَالَ عَمَّارٌ لِذٰلِكَ اتَّبَعْتُكَ حِيْنَ أَخَذْتَ عَلٰى يَدَيَّ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

حضرت عمار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے مدائن میں لوگوں کی امامت کی اور اونچی جگہ پر نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے لوگ ان سے نیچے تھے۔ حضرت حذیفہ آگے بڑھے اور ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عمار ان کے پیچھے لگ گئے حتیٰ کہ انہیں حذیفہ نے نیچے اتار دیا۔ جب عمار نماز سے فارغ ہوئے تو ان سے حذیفہ نے کہا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے نہ سنا کہ جب کوئی شخص قوم کی امامت کرے۔ تو اس کی جگہ سے اونچی جگہ کھڑا نہ ہو یا اس کی مثل[2] عمار نے کہا کہ اسی لیے جب آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا میں آپ کے پیچھے ہو لیا۔[3]

(ابو داؤد)

---

[1] حضرت عمار رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے ہیں۔ جنگ صفین میں

شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا تقتلک الفئۃ الباغیۃ، یعنی تجھے باغی گروہ قتل کرے گا۔ مدائن ایک شہر کا نام ہے۔

۵۲ حضور کا مشخص لفظ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھا۔ اس بنا پر آپ کو شک تھا کہ آپ نے یہ لفظ کہا یا اور کوئی لفظ۔

۵۳ اور میں نے آپ کی بات مان لی اور نیچے اتر آیا۔

۵۴ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار اس مسئلہ کو جانتے تھے اور آپ نے یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہوا تھا۔ یہاں اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب حضرت عمار یہ مسئلہ جانتے تھے تو پھر آپ نے پہلے اس فعل کا ارتکاب کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شاید آپ کو اس کی یادداشت ذہن سے نکل چکی تھی۔ جب حضرت حذیفہ نے یاد دلایا تو آپ کو یاد آگیا۔ یا حضرت عمار کا فعل خلاف اولیٰ تھا نفس جواز کے خلاف نہ تھا اور حضرت حذیفہ کے توجہ دلانے سے آپ نے اولیٰ اور افضل فعل کو اختیار کر لیا۔

واضح ہو کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا مکروہ ہے کہ تنہا امام اونچی جگہ کھڑا ہو۔ اور مقتدی نیچے کھڑے ہوں، کیونکہ یہ اہل کتاب کے ساتھ تشبہ ہے کہ یہ لوگ امام کے لیے بلند جگہ مخصوص کرتے ہیں اور اگر امام کے ساتھ بھی کچھ لوگ کھڑے ہوں تو پھر مکروہ نہیں ہے۔ اسی طرح اگر سب مقتدی اونچی جگہ کھڑے ہوں اور امام نیچے کھڑا ہو تو عدم تشبہ کی وجہ سے ظاہر روایت کے مطابق مکروہ نہ ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صورت بھی مکروہ ہے۔ اور یہ اسی وجہ سے کہ اس میں امام کی ہتک ہے۔ اور امام کے حق عزت و احترام میں کوتاہی ہے۔ پھر بلند جگہ کی بلندی میں جس کے ساتھ کراہت متعلق ہے، اختلاف ہے بعض نے کہا درمیانہ قد آدمی کی اونچائی تک بلندی مراد ہے۔ بعض نے کہا اتنی مقدار بلندی مراد ہے جس سے امام اور مقتدیوں کی جگہ میں فرق و امتیاز محسوس ہو۔ بعض نے کہا ایک گز بلندی مراد ہے جس طرح سترہ کی بلندی ایک گز ہوتی ہے۔ اور یہ قول پسندیدہ ہے اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا دوسری وجہ زیادہ مناسب ہے کہ اس میں امام کی ہتک کے پہلو کا شبہ موجود ہے۔ ایک گز کی بلندی کی صورت میں کوئی خرابی اور کوتاہی نہیں ہے۔ اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ حضرت عمار کتنی بلندی پر کھڑے تھے۔ اگر اس بلندی علم ہوتا تو اس شخص پر حجت و دلیل قائم ہو جاتی جو اس کے مخالف ہے اور تحقیق سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف بلند ہوتا تھا اس لیے یہ تخصیص کرنا پڑے گی کہ بلندی اس سے زیادہ ہو یا یہ کہ کہا جائے گا کہ کراہت اس صورت میں ہے جب کہ بلندی پر کھڑے ہونے کی کوئی غرض صحیح نہ ہو یا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے شمار کیا جائے گا۔ واللہ اعلم انتہیٰ۔

$\frac{1045}{8}$ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ أَنَّهُ سُئِلَ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ الْمِنْبَرُ

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ان سے دریافت کیا گیا کہ منبر کس چیز کا تھا۔ فرمایا

فَقَالَ هُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ عَمِلَهٗ فُلَانٌ مَوْلٰى فُلَانَةَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ عُمِلَ وَوُضِعَ فَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ وَكَبَّرَ وَقَامَ النَّاسُ خَلْفَهٗ فَقَرَأَ وَرَكَعَ النَّاسُ خَلْفَهٗ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى فَسَجَدَ عَلَى الْاَرْضِ ثُمَّ عَادَ اِلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ قَرَءَ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ ثُمَّ رَجَعَ الْقَهْقَرٰى حَتّٰى سَجَدَ بِالْاَرْضِ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ نَحْوُهٗ وَقَالَ فِيْ اٰخِرِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ فَقَالَ يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا صَنَعْتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوْا بِيْ وَلِتَعَلَّمُوْا صَلٰوتِيْ۔

جنگل کے جھاؤ[۵۲] کا اسے فلاں فلانی کے مولیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا[۵۳] اور جب بنایا اور رکھا گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر کھڑے ہوئے قبلے کی طرف منہ کیا اور تکبیر کہی لوگ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے آپ نے قراءت کی اور رکوع کیا اور لوگوں نے آپ کے پیچھے رکوع کیا، پھر اپنا سر اٹھایا پھر الٹے پاؤں لوٹے۔ پھر زمین پر سجدہ کیا پھر منبر کی طرف لوٹے۔ پھر قراءت کی پھر رکوع کیا پھر سر اٹھایا، پھر پیچھے لوٹے۔ حتیٰ کہ زمین پر سجدہ کیا یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ اور مسلم و بخاری میں اس کی مثل ہے اور اس کے آخر میں بخاری نے فرمایا کہ جب فارغ ہوئے تو لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اے لوگو۔ میں نے یہ اس لیے کیا تاکہ تم میری اقتدا کرو اور میری نماز کو جان لو۔

⁂

---

[۵۱] آپ انصاری ہیں۔ اور آخری صحابی ہیں جنہوں نے مدینہ پاک میں وفات پائی۔

[۵۲] یعنی آپ کا منبر شریف کس لکڑی کا تھا، یہ مطلب اس وقت ہوگا جب کہ سائل کو پہلے سے پتہ ہو کہ وہ لکڑی کا تھا ورنہ اس سوال کا جواب یہ ہوگا کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا تھا پتھر کا تھا یا لکڑی کا۔ جواب کی ظاہر عبارت ھُوَ مِنْ اَثْلِ الْغَابَةِ۔ یعنی وہ جنگل کے جھاؤ کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا معنیٰ مراد ہے۔ اَثْلٌ۔ ہمزہ کی زبر ثاء کی جزم۔ درختِ طَرفاء۔ راء کی جزم آخر میں مد یعنی جھاؤ۔ بعض نے کہا اثل ایک درخت ہے جھاؤ کی طرح مگر اس سے بڑا ہوتا ہے۔ غابہ" بامخفف۔ یعنی جنگل پھر اس کا غالب استعمال اس جگہ کے لیے ہونے لگا جہاں گھنے درخت ہوں۔ شیخ ابن حجر کی شرح میں کہا کہ غابہ مدینہ طیبہ سے تین میل کی مسافت پر ایک جگہ ہے۔

[۵۳] یعنی وہ منبر فلاں آدمی نے جو فلاں عورت کا غلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا تھا۔ اس غلام کا نام باقوم رومی تھا۔ بعض نے کہا اس کا نام میمون تھا۔ مشہور تر قول اول ہے۔ اس کے نام میں اور اقوال میں بھی ہیں۔ جرلائق

اعتبار نہیں۔ مگر عورت کا نام معلوم نہ ہو سکا۔ بعض نے کہا اس کا نام عُدَاثۃ تھا آپ نے اس عورت سے فرمایا تھا کہ تیرے بڑھئی غلام کو ہمارے لیے منبر بنانا چاہیے تو آپ کے لیے منبر تیار کیا گیا جس کے تین زینے تھے۔ ہر زینے کی بلندی ایک بالشت تھی اور چوڑائی ایک گز تو وہ منبر مسجد شریف میں رکھ دیا گیا۔

۴ہ یعنی میں نے منبر پر اور بلند جگہ پر اس لیے نماز ادا کی ہے تاکہ تم لوگ میری اقتدا اور پیروی کرو۔ اور میری نماز کو جان لو بعض نسخوں میں لام کی شد تَعَلَّمُوْا کا صیغہ آیا ہے یعنی تاکہ میری نماز سیکھ لو کہ میں اسے کسی صفت اور کیفیت سے ادا کرتا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل مبارک ان مقامات میں سے ہے جو امام کے مقتدیوں سے بلند ہونے کی کراہت سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ گذشتہ حدیث میں اس کی جانب اشارہ گزرا اور ائمہ شافعیہ نے کہا امام کا اونچے مقام پر کھڑا ہونا اس وقت مکروہ ہے جبکہ کسی غرض و ضرورت کے لیے نہ ہو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہاں غرض کیفیت نماز کی تعلیم و تبلیغ تھی۔ پھر یہاں یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ فعل کثیر تھا جو مفسد نماز ہے۔ کیونکہ منبر شریف کے تین پائے قریب قریب تھے۔ جن سے اترنا اور ان پر چڑھنا ایک یا دو قدم سے میسر تھا خصوصًا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نچلے پایہ پر کھڑے ہوئے ہوں۔ واللہ اعلم۔

١٠٤٦/٩ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حُجْرَتِهٖ وَالنَّاسُ يَأْتَمُّوْنَ بِهٖ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرِ
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ میں نماز پڑھی اور لوگ حجرے سے باہر آپ کی اقتداء کر رہے تھےلہ
(ابوداؤد)

لہ محدثین نے کہا ہے کہ یہاں حجرہ سے مراد وہ جگہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹائی کی بنائی تھی۔ جب کہ آپ نے اعتکاف کا ارادہ کیا تھا اور نماز سے رمضان شریف کی ان چند راتوں کی نماز مراد ہے جو آپ نے اس میں کھڑے ہو کر پڑھی اور لوگ باہر کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے تھے اور جب لوگوں نے زیادہ ہجوم کرنا شروع کر دیا تو آپ نے اس نماز کا پڑھنا ترک کر دیا کہ ہم پر فرض ہی نہ ہو جائے۔ جیسا کہ اس حدیث میں اپنے مقام میں آئے گا۔ حجرہ سے حضرت عائشہ یا دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کا حجرہ مراد نہیں کہ آپ اس میں کھڑے ہوں اور لوگ مسجد میں کھڑے ہو کر آپ کی اقتدا کر رہے ہوں کیونکہ اس طرح یہ ممکن نہیں کہ لوگ امام کو دیکھ سکیں۔ جیسا کہ بعض علماء نے کہا۔ یا بعض علماء کے نزدیک امام کے اقوال و الفاظ پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ اور یہ چیز بظاہر اس صورت میں مفقود ہے۔ اور اگر حجرہ ازواج مطہرات میں ہی ایسا کیا ہو تو پھر یہ مرض موت کا واقعہ ہے۔ کہ آپ اس وقت معذور تھے۔ جیسا کہ علماء نے فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

* * *

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۰۴۷/۱۰ عَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ اَلَا اُحَدِّثُكُمْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَصَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ فَذَكَرَ صَلٰوتَهٗ ثُمَّ قَالَ هٰكَذَا صَلٰوةُ قَالَ عَبْدُ الْاَعْلٰى لَا اَحْسِبُهٗ اِلَّا قَالَ اُمَّتِیْ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

تیسری فصل

حضرت ابو مالک الاشعری[1] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی خبر نہ دوں[2] حضرت ابو مالک نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز قائم کی۔ آپ نے اپنے پیچھے مردوں کی صف بنائی۔ انکے پیچھے بچوں کی صف[3] بنائی۔ پھر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز کی کیفیت بیان کی پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابو مالک نے فرمایا نماز اس طرح ہوتی ہے۔ عبد الاعلیٰ راوی کہتا ہے میں گمان نہیں کرتا مگر یہ کہ آپ نے فرمایا میری امت کی نماز اس طرح ہے۔ (ابوداؤد)

---

[1] حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ سے ہیں۔ انہیں ابو مالک اشجعی بھی کہتے ہیں۔ ان کے نام میں اختلاف ہے۔

[2] یعنی آپ کے نماز میں کھڑے ہونے صفوں کی ترتیب اور کیفیت نماز کے بارے میں خبر نہ دوں۔

[3] یہاں عورتوں کا ذکر شاید اس لیے نہیں کیا کہ یہاں عورتیں موجود نہ تھیں۔

۱۰۴۸/۱۱ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ عَبَّادٍ قَالَ بَيْنَا اَنَا فِی الْمَسْجِدِ فِی الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ فَجَبَذَنِیْ رَجُلٌ مِّنْ خَلْفِیْ جَبْذَةً فَنَحَّانِیْ وَقَامَ مَقَامِیْ فَوَاللهِ مَا عَقَلْتُ صَلٰوتِیْ فَلَمَّا انْصَرَفَ اِذَا هُوَ اُبَیُّ بْنُ كَعْبٍ فَقَالَ يَا فَتٰى لَا يَسُوْءُكَ اللهُ اِنَّ هٰذَا عَهْدٌ مِّنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا اَنْ نَلِيَهٗ ثُمَّ اسْتَقْبَلَ

حضرت قیس[1] بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ اس حال میں کہ میں مسجد میں پہلی صف میں تھا کہ مجھے پیچھے سے کسی نے کھینچا۔ مجھے ہٹا دیا اور میری جگہ خود کھڑا ہو گیا۔ خدا کی قسم مجھے اپنی نماز کی خبر نہ رہی[2] جب فارغ ہوئے تو وہ ابی بن کعب تھے[3] فرمایا اے جوان اللہ تجھے کبھی غمگین نہ کرے[4] یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم سے عہد ہے کہ آپ سے قریب رہیں[5] پھر آپ قبلہ رو مڑے اور فرمایا رب کعبہ کی قسم۔ حکومتوں والے[6] ہلاک ہو گئے۔ تین بار کہا۔ پھر

الْقِبْلَةَ فَقَالَ هَلَكَ اَهْلُ الْعَقْدِ
وَرَبِّ الْكَعْبَةِ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ وَاللّٰهِ
مَا عَلَيْهِمْ وَلٰكِنْ آسٰى عَلٰى مَنْ اَضَلُّوْا
قُلْتُ يَا اَبَا يَعْقُوْبَ مَا تَعْنِيْ بِاَهْلِ
الْعَقْدِ قَالَ الْاُمَرَآءَ

(رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ)

فرمایا خدا کی قسم ان پر غم نہیں کرتا۔ لیکن ان پر غم کرتا جنہوں نے انہیں[۷] بھٹکایا۔ میں[۸] نے کہا "اے ابو یعقوب[۹] عقد والوں سے آپ کی کیا مراد ہے فرمایا امیر لوگ۔

(النسائی)

۱ے عُبّاد عین کی پیش با مشدد یا مخفف قیس بن عباد طبقہ اولیٰ اور تابعین بصرہ سے ہے۔ ثقہ ہے۔ قلیل الحدیث ہے۔ خیار صالحین سے ہے۔ تشیعہ افکار کا حامل تھا۔ بڑا اللہ کو یاد کرنے والا اور عبادت گذار تھا۔ حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابی بن کعب اور عبداللہ بن سلام سے حدیث روایت کرتا ہے۔ اس سے حضرت حسن بصری نے حدیث روایت کی ہے۔ حجاج بن یوسف نے اسے قتل کیا۔

۲ے یعنی اللہ کی قسم میں اپنی نماز نہ پا سکا اور یہ چیز فراموش کر گیا کہ کس طرح نماز ادا کروں کہ چند رکعت ادا کر چکا ہوں۔ میری یہ حالت غصے اور غضب کی بنا پر ہوئی جو انہوں نے مجھے کھینچا اور افضل جگہ سے مجھے پیچھے ہٹا دیا باوجودیکہ میں پہلے اس جگہ میں کھڑا ہو گیا تھا۔

۳ے جو عظمائے صحابہ میں سے تھے۔

۴ے یعنی اس فعل کی وجہ سے جو میں نے تجھ سے کیا۔ تجھے غم اور صدمہ محسوس نہ کرنا چاہیے۔

۵ے یعنی ہم لوگ کہ اہل عقل و فہم اور علم و فضل والے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کھڑے ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ہم اسی کے مطابق عمل کرنا چاہتے ہیں۔

۶ے اہل عقد یعنی امراء جو رعایا کے احکام کی حفاظت و نگران اور تمام دینی و دنیوی احکام کا اہتمام کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ نماز کی صفوں میں کھڑے کرنے کا اہتمام بھی ان کے ذمے ہے۔

۷ے لیکن میں ان کا غم کھاتا ہوں جنہیں امراء گمراہ کرتے ہیں۔ یعنی رعیت جو امراء و حکام کی پیروی کرتی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عبارت کا معنی یہ ہو کہ مجھے ان لوگوں کی حالت پر افسوس ہے جو امراء کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور یہ گمراہ کرنے والے وہ علماء ہیں جو امور شریعت میں مداہنت کرتے ہیں۔ اور اس طرح امراء احکام گمراہی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے رعیت کا فساد امراء و سلاطین کے فساد کے باعث ہوتا ہے اور سلاطین کا فساد علماء کے فساد کی وجہ سے ہوتا ہے۔ وغیرہ

ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا غم و صدمہ ان امراء کے بارے میں تھا جو ان کے زمانہ کے بعد بنی امیہ میں سے ہونے والے تھے۔ اور طیبی نے کہا ہے کہ شاید ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد کے امراء پر چوٹ کی ہو۔ انتہیٰ

واضح ہو کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی موت خلافت عثمانی کے دور میں ہوئی۔ بعض نے کہا خلافت فاروقی کے دور میں ہوئی۔ مگر قول اول صحیح تر ہے۔ ممکن ہے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بعض امراء و حکام کے متعلق شکایت ہو خصوصًا امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے بعض حکام کے بارے میں۔ واللہ اعلم۔

[8] یعنی قیس بن عباد کہتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے کہا۔

[9] ابو یعقوب حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

بَابُ الْاِمَامَةِ

امامت کا باب

امامت بمعنی پیشوا بننا۔ امام بمعنی پیشوا۔ یہاں امامت سے نماز کی امامت مراد ہے۔ جسے امامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور کاروبار عالم میں پیشوائی اور اہلِ جہان کے امور میں تصرف کو امامت کبریٰ کہتے ہیں۔ اس باب میں اس امر کا بیان ہے کہ امامت کا کون مستحق ہے اور کون اس کے مناسب اور افضل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

1049 / 1 عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَؤُمُّ الْقَوْمَ اَقْرَاُهُمْ لِكِتَابِ اللّٰهِ فَاِنْ كَانُوْا فِی الْقُرْاٰنِ سَوَآءً فَاَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ فَاِنْ كَانُوْا فِی السُّنَّةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً فَاِنْ كَانُوْا فِی الْهِجْرَةِ سَوَآءً فَاَقْدَمُهُمْ سِنًّا وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ سُلْطَانِهٖ وَلَا يَقْعُدْ فِیْ بَيْتِهٖ عَلٰى تَكْرِمَتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ لَّهٗ وَلَا يَؤُمَّنَّ

پہلی فصل

حضرت ابو مسعود[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ شخص قوم کی امامت کرے جو کتاب اللہ کا زیادہ قاری[2] ہو۔ اگر قرأت میں سب برابر ہوں تو سنت کا زیادہ جاننے والا[3]۔ اگر سنت میں سب برابر ہوں تو پہلے ہجرت کرنے والا[4]۔ اگر ہجرت میں سب برابر ہوں تو زیادہ عمر رسیدہ[5] کوئی شخص کسی شخص کی ولایت کی جگہ امامت نہ کرے[6] اور نہ اس کے گھر میں اس کے بغیر اجازت اعلیٰ مقام پر بیٹھے[7]

(مسلم)

اور مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ کوئی شخص کسی شخص

الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِیْ اَهْلِهٖ ۔ کہ اس کے گھر میں امامت نہ کرے؎۸

؎۱ یعنی حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ۔

؎۲ یعنی قرآن حکیم کو تجوید کے مطابق زیادہ عمدہ اور بہتر پڑھنے والا اور مخارج حروف وصفات اور اس کے قواعد وقوانین کا زیادہ خیال رکھنے والا۔ مگر اس کے باوجود نماز کے ارکان اور ضروری مسائل واحکام کا عالم بھی ہو۔ اگرچہ مسائل کی تفاصیل اور نماز کے اندر پیش آنے والے حوادث ونوائب کی جزئیات سے پوری طرح آگاہ نہ ہو۔

؎۳ یعنی جو احکام نماز اور مسائل وحوادث کو بہتر جانتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ قرارت مسنونہ پر بھی ٹھیک طرح حادی ہو یہ حضرت امام احمد اور ان کے بہت سے اصحاب کا مذہب ہے۔ اور امام ابویوسف بھی اس حدیث اور ابوسعید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث کی بنا پر جو آگے آرہی ہے، اسی جانب ہیں۔ مگر امام ابوحنیفہ و امام شافعی کا مذہب اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ زیادہ علم والا اور زیادہ فقہ جاننے والا صرف اچھی قرارت جاننے والے سے فوقیت رکھتا ہے۔ کیونکہ قرارت کی تو نماز کے صرف ایک رکن میں ضرورت ہے مگر علم کی تمام ارکان میں ضرورت ہے۔

فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ وہ احادیث جو قرآن اچھا پڑھنے والے کی فوقیت وافضلیت پر دلالت کرتی ہیں، ان کی دلالت اس بنا پر ہے کہ دورِ صحابہ میں اچھا قاری علم میں بھی افضل واعلیٰ ہوتا تھا۔ کیونکہ یہ حضرات قرآن سیکھنے کے ساتھ ساتھ احکام کا علم بھی حاصل کرتے تھے۔ لہٰذا اس وجہ سے اچھے قاری کو امامت کے لیے افضل قرار دیا گیا۔ مگر ہمارے زمانہ میں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے ہم نے زیادہ علم رکھنے والے کو امامت کے لیے افضل وبہتر قرار دیا ہے۔ کذا فی الهدایہ۔

سوال۔ اگر تم یہ کہو کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا معنیٰ کیا ہوگا۔ فان کانوا فی القراءۃ سواءً فاعلمهم بالسنۃ۔ یعنی اگر علم قراءت میں سب برابر ہوں تو پھر امامت کے زیادہ لائق وہ ہوگا جو سنت کا علم سب سے زیادہ جانتا ہو۔ کیونکہ تمہاری بیان کردہ تاویل کے مطابق قرأت میں مساوات وبرابری علم میں مساوات کو مستلزم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قول ظاہر اور اغلب کے اعتبار سے ہے۔ قطعی اور کلی نہیں۔ کیونکہ یہ چیز طے شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعب زیادہ قاری تھے اور حضرت ابن مسعود علم میں بڑھ کر تھے۔ اس لیے یہ ممکن ہے کہ قراءت میں تو دو شخص برابر ہوں مگر علم میں ایک دوسرے پر فوقیت رکھتا ہو تو شارع علیہ السلام نے اس متصور وممکن صورت کو بھی بیان فرما دیا۔ جب کہ ایسی صورت کسی موقعہ پر پائی جائے یا آپ نے یہ صورت ہمارے زمانے کے پیش نظر بیان فرما دی کہ قرارت میں دو آدمی مساوی ہوں مگر علم میں مساوی نہ ہوں۔ جیسا کہ ہدایہ کی بعض شروح میں ایا ہے۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اقرأ کا معنیٰ اعلم بالکتاب ہے۔ یعنی جو کتاب اللہ کا علم زیادہ رکھتا ہو۔ جیسا کہ انہوں نے اس کا دعویٰ کیا ہے (کہ اقرأ کا معنیٰ یہی ہے) اور وہ مفہوم جس پر حدیث دلالت کرتی ہے۔ یہ ہے کہ اگر قرأت اور احکام کتاب کے علم میں برابر ہوں تو پھر وہ شخص امامت کا زیادہ مستحق ہے جو حدیث اور سنت کے علم میں بڑھ کر ہو۔

علما نے یہ بھی کہا ہے کہ بہترین دلیل جس سے ثابت ہوتا ہے کہ زیادہ علم امام بننے کے زیادہ لائق ہے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض موت میں حضور نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے آگے کیا۔ حالانکہ صحابہ میں حضرتِ ابوبکر سے بڑھ کر قاری موجود تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسی لیے آگے کیا گیا کہ وہ کتاب و سنت کے سب سے بڑھ کر عالم تھے۔ دلیل اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک ہے اقرأکم اُبی تم میں سب سے بڑھ کر قاری ابی بن کعب ہے اور دلیل ثانی ابو سعید کا یہ ارشاد ہے کان ابوبکر اعلمنا۔ یعنی ہم میں سب سے بڑے عالم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا آخری واقعہ ہے۔ جیسا کہ شیخ نے کہا۔

۵۴ یعنی اگر نماز پڑھنے والے علم سنت و قراءت میں برابر ہوں تو پھر امامت کے لیے اسے آگے کریں جس نے ہجرت کرنے میں پیش قدمی کی ہو۔ یعنی جس نے مدینہ طیبہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کی ہو اور اس فضیلت میں سبقت لے چکا ہو وہ امامت نماز کے لیے اولی اور زیادہ حق دار ہے۔ اور فقہ میں قراءت اور علم میں برابر ہونے کی صورت میں زیادہ متقی اور پرہیز گار کو امامت کے لیے افضل قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ جب وطن سے ہجرت کرنا منسوخ ہو چکا تو ہجرت وطن کے بجائے گناہوں اور خطاؤں سے ہجرت جو انسانی طبیعت کا وطن ہے، کا اعتبار کیا گیا۔ ایک حدیث میں آیا ہے المھاجر من ھجر الخطایا والذنوب۔ یعنی مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو ترک کر دے۔

۵۵ یعنی اگر علم، قراءت اور ہجرت اور ورع و تقویٰ میں سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرے جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ اس حدیث میں مراتب آئمہ نماز اتنے ہی بیان ہوئے ہیں اور علما نے کہا ہے کہ اگر عمر میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو ان سب سے زیادہ خوش شکل اور حسین و جمیل ہو اور شکل و صورت میں بھی سب برابر ہوں تو پھر وہ امامت کا زیادہ اہل ہے کہ جو ان میں زیادہ شریف النسب ہو۔ اور اگر ان سب مذکورہ امور میں برابر ہوں تو پھر امامت کے لیے قرعہ اندازی کریں یا قوم جسے امام بنا لے۔ کذا ذکرہ الشیخ ابن الہمام۔ علما نے یہ بھی کہا ہے کہ مسافر اور مقیم امامت میں برابر ہیں۔ بعض کے نزدیک مقیم اولی ہے۔ یعنی مقیم نمازیوں کے لیے مقیم امام بہتر ہے اور کتاب حاوی میں جو امام شافعی رحمۃ اللہ کے مذہب کی کتاب ہے، اس کے بعد نسب کو مقدم قرار دیا اس کے بعد خوش لباس امام کو پھر خوش آواز کو اس کے بعد خوش شکل امام کو۔

۵۶ لا یَؤُمَّنَّ یا کی زبر، ہمزہ کی پیش، میم کی زبر اور نون مشدد۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کے محل ولایت و اختیار اور اس کے مقام حکم و سلطنت میں اور اس جگہ جو اس کے ملک و تصرف میں ہو، امامت نہ کرائے۔ جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ فی اہلہ یعنی اس کے اہل اور اس کے دائرہ تصرف میں۔ یعنی کسی جگہ کے والی کے دائرہ ولایت میں امامت نہ کرائے بلکہ ترتیب کا لحاظ کرے۔ یعنی سب سے پہلے امام اعظم کا حق ہے اور پھر اس کے مقرر کردہ خلفاء اور حکام کو خصوصاً عیدوں اور جمعوں کی امامت میں۔ اسی طرح امام قبیلہ اور امام اہلِ خانہ۔ ہاں ان کی اجازت سے امام بن سکتا ہے

کیونکہ ان کے بلا اجازت امام بننا اس کے امر سلطنت و عزت کو کمزور کرنے اور آپس میں بغض اور قطع تعلقی اور مخالفت کا موجب ہے۔ حالانکہ اسلام میں جماعت کا حکم جوا نسا در مشروعیت ہی ان خرابیوں (بغض، قطع تعلقی۔ مخالفت) کو دور کرنے کے لیے آیا ہے۔ مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ عظیم فضل و شرف کے باوجود حجاج بن یوسف کے پیچھے نماز ادا کرتے تھے جو بلاشبہ ایک ظالم و فاسق انسان تھا۔

۵۷ لَایَقْعُدُ دال کی جزم اور پیش۔ یعنی کوئی آدمی دوسرے آدمی کی جائے تکرمہ پر نہ بیٹھے۔ تکرمہ سے مراد دری اور مسلی اور تکیہ ہے جو اس نے اپنے لیے بچھا رکھا ہوتا ہے۔ تکرمہ کا اصل تکریم و اکرام ہے یعنی اس کی عزت والی جائے نشست۔ بعض نے تکرمہ سے دسترخوان مراد لیا ہے مگر پہلا معنٰی زیادہ درست ہے۔ ہاں اس کی اجازت اور اذن سے بیٹھ سکتا ہے۔ اس استثنار کا تعلق دونوں حکموں لایومن اور لایقعد کے ساتھ ہے۔

۵۸ اس روایت میں سلطانہ کی جگہ فی اہلہ کی لفظ آیا ہے اسی وجہ سے لفظ سلطان کی تفسیر یہاں اس کی ملک و حکم سے کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

۱۰۵۰/۲ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانُوْا ثَلٰثَةً فَلْيَؤُمَّهُمْ اَحَدُهُمْ وَاَحَقُّهُمْ بِالْاِمَامَةِ اَقْرَاُهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَ ذُكِرَ حَدِيْثُ مَالِكِ ابْنِ الْحُوَيْرِثِ فِيْ بَابٍ بَعْدَ بَابِ فَضْلِ الْاَذَانِ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب[۵۱] تین مسلمان اکٹھے ہوں تو ایک ان میں امام بنے اور ان میں امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو قرآن اچھا پڑھتا ہو۔ مسلم اور مالک بن حویرث[۵۲] رضی اللہ عنہ کی حدیث فضل اذان کے بعد آنے والے باب میں ذکر کی گئی ہے[۵۳]۔

۵۱ تین افراد کی قید اتفاقی ہے اگر اس سے زیادہ یا کم ہوں تو بھی یہی حکم ہے۔

۵۲ حویرث۔ حا کی پیش واو کی زبر اور را کی زیر

۵۳ اس حدیث میں یہ حکم ہے کہ جب دو مسلمان اکٹھے ہوں تو ایک اذان کہے اور دوسرا امامت کرے تو مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے اس حدیث کا وہاں ذکر کرنا مناسب جانا اور صاحب مصابیح نے یہاں اس حدیث کا ذکر کر دیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۵۱/۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُؤَذِّنْ لَكُمْ خِيَارُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ قُرَّآؤُكُمْ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے اذان وہ دے جو تم میں بہتر ہو[۵۴]۔ اور امامت وہ کرائے جو تم میں زیادہ قاری ہو[۵۵]۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ) (ابو داؤد)

۱ھ یعنی جو تم میں نیک اور دیانتدار ہو۔ کیونکہ لوگوں کے اوقات نماز و روزہ کا معاملہ اس کے سپرد ہے تو چاہیے کہ موذن امین اور دیندار ہو۔ چونکہ موذنوں کے لیے یہ حکم بھی ہے کہ بلند جگہ کھڑے ہو کر اذان دیں۔ اس صورت میں موذن کی نگاہ لوگوں کے گھروں کے اندر بھی جا سکتی ہے اس لیے چاہیے کہ اس کی نگاہ محارم پر نہ پڑے، اور اُن کے پوشیدہ امور دیکھنے سے پرہیز کرے۔

۱۰۵۲ وَعَنْ اَبِیْ عَطِیَّۃَ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ کَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَیْرِثِ یَاْتِیْنَا اِلٰی مُصَلَّانَا یَتَحَدَّثُ فَحَضَرَتِ الصَّلٰوۃُ یَوْمًا قَالَ اَبُوْعَطِیَّۃَ فَقُلْنَا لَہٗ تَقَدَّمْ فَصَلِّہٗ قَالَ لَنَا قَدِّمُوْا رَجُلًا مِّنْکُمْ یُصَلِّیْ بِکُمْ وَسَاُحَدِّثُکُمْ لِمَ لَا اُصَلِّیْ بِکُمْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، یَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَوْمًا فَلَا یَؤُمَّھُمْ وَلْیَؤُمَّھُمْ رَجُلٌ مِّنْھُمْ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ اِلَّا اَنَّہٗ اقْتَصَرَ عَلٰی لَفْظِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو عطیہ عقیلی۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت مالک بن۲ الحویرث رضی اللہ عنہ ہماری جائے۳ نماز میں تشریف لایا کرتے اور بات چیت کیا کرتے تھے ایک دن نماز کا وقت ہو گیا ابو عطیہ کہتے ہیں ہم نے ان سے کہا آپ آگے ہوں اور امام بنیں انہوں نے کہا تم لوگ اپنے میں سے کسی کو آگے کرو کہ وہ امامت کرے میں ابھی تمہیں بتاؤں گا کہ میں تمہارا امام کیوں نہیں بنتا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ جو آدمی کسی قوم کی زیارت کو جائے وہ ان کا امام نہ بنے بلکہ ان میں سے کوئی امام بنے۔ ابو داؤد ترمذی۔ نسائی اور ترمذی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لفظ پر کفایت کی ہے۔

۱ھ عقیلی عین کی پیش قاف کی زبر، آپ تابعین کے طبقہ ثالثہ میں سے ہیں۔

۲ھ آپ صحابہ میں سے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور بیس روز آپ کی خدمت و صحبت میں رہے۔

۳ھ یہ جگہ یا تو مسجد ہو گی یا اور کوئی جگہ جو انہوں نے نماز کے لیے متعین کر رکھی تھی۔

۴ھ یہ نہی وانکار اذن نہ ہونے کی صورت میں ہے مگر حضرت مالک نے اسے مطلق پر حمل کیا اور امامت نہ کرانے میں مصلحت دیکھی۔

۵ھ اور مالک نے تشریف لانے اور انہیں امامت کی تکلیف دینے اور ان کا امامت سے انکار نہ کرنے ذکر نہ کیا۔

۱۰۵۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اسْتَخْلَفَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَ أُمِّ مَكْتُوْمٍ يَؤُمُّ النَّاسَ وَهُوَ أَعْمٰى۔

(رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن[۱] ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو (اپنا) قائم مقام بنایا کہ وہ لوگوں کے امام بنیں حالانکہ وہ ایک نابینا شخص تھے[۲]۔ (ابوداؤد)

[۱] حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے اور قدیم الاسلام اور مہاجرین اولین میں سے ہیں اور سورہ عبس وتولی کے سبب نزول ہیں علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم تیرہ مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ نماز بنے۔ ان میں سے ایک بار غزوہ تبوک کے وقت خلیفہ نماز مقرر ہوئے۔ حالانکہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مدینہ طیبہ میں موجود تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اہل وعیال کی حفاظت کے لیے خلیفہ بنا کر تشریف لے گئے تھے۔ اس موقعہ پر حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ بنانے کا باعث یہ تھا کہ اگر حضرت علی کو ہی نماز کا خلیفہ بھی بنایا جاتا تو پھر اہل وعیال کی ذمہ داری میں خلل واقع ہوتا۔

[۲] اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ ایک نابینا شخص کا امام بننا بلا کراہت جائز ہے اور حنفی مذہب کی روایات فقہیہ میں بھی آیا ہے کہ اگر نابینا آدمی قوم کا مقتدا بنے تو جائز ہے بعض نے کہا کہ اگر زیادہ علم والا نابینا ہی ہو تو اسے امام بنانا اولیٰ اور بہتر ہے۔ جیسا کہ شرح کنز میں مبسوط سے منقول ہے۔ کتاب اشباہ والنظائر میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور میں نے شیخ اجل اکرم اعلم حضرت عبدالوہاب متقی مکی رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آخر عمر میں ان کی بینائی جاتی رہی اور اس حالت میں اپنے ساتھیوں کی امامت کرتے تھے۔ میرے دل میں ان کی امامت کی بات کھٹکتی تھی مگر ازراہ ادب اور اس اعتماد کی بنا پر کہ جو کچھ آپ کرتے ہیں خلاف سنت نہیں ہو سکتا، سوال کی جرأت نہ کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے فقہ میں ایک چیز پائی جو نابینا کی امامت کے جواز کو واضح کرتی تھی۔ اس حدیث میں اس امر کی دلیل بھی ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کی امامت جائز ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہوتے ہوئے اس عذر کی بنا پر جو مذکور ہوا حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو حضور نے امامت کے لیے مقرر فرمایا۔

۴۲ وَعَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تُجَاوِزُ صَلٰوتُهُمْ اٰذَانَهُمُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ وَامْرَأَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَإِمَامُ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كٰرِهُوْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی نماز انکے کانوں سے آگے نہیں بڑھتی[۱]۔ ایک بھاگا ہوا غلام یہانتک کہ واپس آ جائے۔ دوسری وہ عورت جو اس حال میں رات بسر کرے کہ اسکا خاوند اس سے ناراض ہو[۲] تیسرا وہ امام جو کسی قوم کا امام بنا ہوا ہو اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوں[۳]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی مقام قبولیت اور رضائے حق کے مقام تک نہیں پہنچتی۔

[2] یعنی کسی حق اور جائز بات پر ناراض ہو اور اگر کسی ناجائز بات پر ناراض ہو تو پھر معاملہ الٹ ہو جائے گا

[3] یعنی کسی شرعی مذموم امر کی بنا پر اس سے ناخوش ہوں۔

١٠٥٥/٤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ صَلٰوتُهُمْ مَنْ تَقَدَّمَ قَوْمًا وَّهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَرَجُلٌ اَتَى الصَّلٰوةَ دِبَارًا وَّالدِّبَارُ اَنْ يَّاْتِيَهَا بَعْدَ اَنْ تَفُوْتَهٗ وَرَجُلٌ اعْتَبَدَ مُحَرَّرَةً۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمیوں کی نماز قبول نہیں ہوتی وہ جو لوگوں کا امام بن بیٹھے اور لوگ اسے ناپسند جانتے ہوں۔ وہ آدمی جو کمزور وقت میں نماز پڑھے یعنی[1] وقت فوت ہونے کے بعد آئے۔ تیسرا وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنالے[2]

(ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] اصل میں لفظ دِبار دال کی زیر سے آیا ہے۔ یعنی وقت کامل مستحب گزرنے کے بعد آدمی کا نماز پڑھنا۔

[2] یعنی غلام کو آزاد کرنے کے بعد اس پر جبر و قہر یا اس کی آزادی کو پوشیدہ رکھ کر غلام کی طرح اس سے خدمت لیتا ہے یا کسی آزاد پر غلام ہونے کا دعوی کرے اور اس کا مالک بن جائے اور اس میں مالکانہ حیثیت سے تصرف کرے

١٠٥٦/٨ وَعَنْ سَلَامَةَ بِنْتِ الْحُرِّ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يَّتَدَافَعَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ لَا يَجِدُوْنَ اِمَامًا يُّصَلِّيْ بِهِمْ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت سلامۃ[1] بن الحر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی قیامت کی علامات سے ہے کہ اہل مسجد امامت نماز کو ایک دوسرے پر ڈالیں گے۔ اور کوئی ایسا آدمی نہ پائیں گے جو انہیں نماز پڑھائے۔[2]

(احمد۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] سین کی زبر اور لام مخفف حُر حا کی پیش۔ آپ قبیلہ ازد سے ہیں۔ بعض نے کہا قبیلہ اسد سے ہیں صحابیہ ہیں۔ ان کی احادیث اہل کوفہ کے پاس ہیں۔

[2] ان کے جہل اور امامت کی نا اہلی کی بنا پر۔ دراصل یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ آخر زمانہ میں جہالت اور فسق پھیل جائے گا۔

۱۰۵۷/۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجِهَادُ وَاجِبٌ عَلَيْكُمْ مَعَ كُلِّ اَمِيْرٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَّاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ[1] وَالصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْكُمْ خَلْفَ كُلِّ مُسْلِمٍ بَرًّا كَانَ اَوْ فَاجِرًا وَّاِنْ عَمِلَ الْكَبَائِرَ[2]۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر امیر وقت کے ساتھ ہوکر کافروں سے جہاد کرنا فرض ہے وہ امیر نیک ہو یا فاسق و فاجر اور ہر مسلمان کے پیچھے نماز ادا کرنا فرض ہے وہ مسلمان نیک ہو یا فاسق و فاجر۔ اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب[1] ہو اور نماز جنازہ ہر مسلم پر فرض ہے چاہے وہ نیک ہو یا فاجر اور اگرچہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب[2] تھا۔

(ابوداؤد)

---

[1] یعنی اس کی اقتدا میں نماز ادا کرنا جائز ہے۔ اگرچہ مکروہ ہے۔ یا اس کے جواز کا عقیدہ رکھنا واجب و ضروری ہے بعض نے اس حدیث سے وجوب جماعت پر استدلال کیا ہے۔ مگر ایسے شخص کی اقتدا میں اس وقت نماز پڑھی جائے جب کہ اس کا فسق حد کفر کو نہ پہنچا ہو اور کوئی مرد صالح موجود نہ ہو۔

[2] اور وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقروض کی نماز نہ پڑھی جو اپنے پیچھے کچھ بھی ترکہ چھوڑ کر نہ گیا تھا تو اس سے مقصود زجر اور ڈانٹ تھی۔ اسی طرح اس پر آپ نے نماز جنازہ نہ پڑھی جس کو زنا کی حد لگی تھی (کہ زجر و ڈانٹ کے طور پر نہ پڑھی) اب علماء کا اتفاق ہے کہ ان سب پر نماز جنازہ پڑھنا فرض ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں صرف خلیفہ اس کی نماز جنازہ میں شریک نہ ہو باقی سب لوگ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۰۵۸/۱ عَنْ عَمْرِو بْنِ سَلِمَةَ قَالَ كُنَّا بِمَاءٍ[1] مَمَرَّ النَّاسِ يَمُرُّ بِنَا الرُّكْبَانُ نَسْاَلُهُمْ مَا لِلنَّاسِ مَا لِلنَّاسِ مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُوْنَ يَزْعَمُ اَنَّ اللّٰهَ اَرْسَلَهٗ اَوْحٰى اِلَيْهِ اَوْحٰى اِلَيْهِ كَذَا وَكُنْتُ اَحْفَظُ ذٰلِكَ الْكَلَامَ فَكَاَنَّمَا يُغَرّٰى فِيْ صَدْرِيْ وَكَانَتِ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِاِسْلَامِهِمُ الْفَتْحَ فَيَقُوْلُوْنَ

تیسری فصل

حضرت عمرو بن سلمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ گھاٹ پر رہتے تھے۔ ہم پر قافلے گزرتے[2] تھے۔ ہم ان سے دریافت کرتے تھے کہ لوگوں کے کیا حالات ہیں[3]۔ اور ان صاحب کا کیا حال ہے[4] وہ کہتے کہ وہ (مدعی نبوت) فرماتے ہیں کہ اللہ نے انہیں رسول بنایا ہے انہیں فلاں فلاں وحی[5] کی۔ میں اس وحی کو یاد کرتا رہتا تھا[6]۔ گویا وہ میرے سینے میں پیوست[7] ہو جاتی تھی اہل عرب اسلام قبول کرنے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہتے

اُتْرُكُوْهُ وَ قَوْمَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِیٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِاِسْلَامِهِمْ وَ بَدَرَ اَبِیْ قَوْمِیْ بِاِسْلَامِهِمْ فَلَمَّا قَدِمَ قَالَ جِئْتُكُمْ وَ اللّٰهِ مِنْ عِنْدِ النَّبِیِّ حَقًّا فَقَالَ صَلُّوْا صَلٰوةَ كَذَا فِیْ حِيْنِ كَذَا وَ صَلٰوةَ كَذَا فِیْ حِيْنِ كَذَا فَاِذَا حَضَرَتِ الصَّلٰوةُ فَلْيُؤَذِّنْ اَحَدُكُمْ فَلْيَؤُمَّكُمْ اَكْثَرُكُمْ قُرْاٰنًا فَنَظَرُوْا فَلَمْ يَكُنْ اَحَدٌ اَكْثَرَ قُرْاٰنًا مِّنِّیْ لِمَا كُنْتُ اَتَلَقّٰى مِنَ الرُّكْبَانِ فَقَدَّمُوْنِیْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَنَا ابْنُ سِتٍّ اَوْ سَبْعِ سِنِيْنَ وَ كَانَتْ عَلَیَّ بُرْدَةٌ كُنْتُ اِذَا سَجَدْتُ تَقَلَّصَتْ عَنِّیْ فَقَالَتِ امْرَاَةٌ مِّنَ الْحَیِّ اَلَا تُغَطُّوْنَ عَنَّا اسْتَ قَارِئِكُمْ فَاشْتَرَوْا فَقَطَعُوْا لِیْ قَمِيْصًا فَمَا فَرِحْتُ بِشَیْءٍ فَرَحِیْ بِذٰلِكَ الْقَمِيْصِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

تھے کہ انہیں ان کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو[8]۔ اگر وہ ان پر غالب آ جائیں تو سچے نبی ہیں[9]۔ جب فتح مکہ کا واقعہ ہو گیا[10] تو ہر قوم اسلام لانے میں جلدی کرنے لگی[11]۔ میرے والد اپنی قوم کی طرف سے اسلام لانے جلدی پہنچ گئے[12] جب آئے تو بولے۔ خدا کی قسم میں سچے نبی کے پاس سے ہو کر آ رہا ہوں۔ فرمایا کہ فلاں نماز فلاں وقت میں اور فلاں نماز فلاں وقت میں پڑھا کرو[13]۔ جب وقت نماز آئے تو تمہارا کوئی فرد اذان دے اور امامت وہ کرے جسے قرآن زیادہ یاد ہو۔ انہوں نے دیکھا کہ مجھ سے زیادہ قرآن دان کوئی نہ تھا کیونکہ میں قافلوں سے سن کر یاد کرتا رہتا تھا۔ انہوں نے مجھے ہی آگے کر دیا۔ حالانکہ میں عمر میں چھ یا سات سال کا تھا۔ مجھ پر ایک چادر تھی۔ کہ جب میں سجدہ کرتا تو چڑھ جاتی (کھل جاتی) تھی[14] قبیلہ کی ایک عورت بولی کہ اپنے قاری کے چوتڑ کیوں نہیں ڈھکتے تو اس پر انہوں نے میرے لیے قمیص خرید کر کٹوائی۔ مجھے جتنی خوشی اس قمیص سے ہوئی اتنی کسی چیز سے نہ ہوئی تھی[15]۔

(بخاری)[16]

---

[1] سلمہ سین کی زیر کمسن صحابی ہیں۔ ان کی صحبت میں اختلاف ہے۔ لفظ سلمہ ہر جگہ سین کی زیر سے ہے۔ مگر عمرو بن سلمہ اور بنو سلمہ جو انصار کا ایک قبیلہ ہے۔

[2] پیدل بھی اور سوار بھی۔

[3] یعنی ظہور اسلام کی کیفیت و حالت میں ہے اور تکرار غایت تعجب کی بنا پر ہے۔

[4] اور اس مرد کی شان و صفت کیا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف سے کنایہ ہے۔

[5] یہ قرآن عظیم سے کنایہ ہے۔ جو گزرنے والے سوار انہیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے۔ لغت میں وحی کا معنیٰ ہے اشارہ

اور پیغام۔ اور دل میں کوئی بات ڈالنا۔

۵۶ یعنی قرآن مجید کی وہ آیات جو وہ پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جو جو حالات بیان کرتے تھے۔

۵۷ اصل میں لفظ یغری آیا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کا چسپاں ہو جانا۔ غرا سے مدّ سے یا غیر مد سے مشتق ہے۔

۵۸ کہ اگر مکہ فتح ہو گیا تو ہم لوگ بھی اسلام لے آئیں گے۔

۵۹ یعنی عرب کے لوگ کہتے تھے اس مرد کو اس کی قوم کے ساتھ چھوڑ دو یعنی قریش کے ساتھ جو بزرگ ترین اور رئیس ترین عرب میں اور مکہ کے باشندے ہیں جو عرب بلکہ سارے جہاں سے اشرف ترین جگہ ہے۔

۵۱۰ یعنی ہجرت کے آٹھویں سال۔

۵۱۱ جیسا کہ سورۃ اذا جاء نصر اللہ کا مضمون اس کی خبر دے رہا ہے۔

۵۱۲ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ عمرو بن سلمہ اپنے باپ کے ہمراہ تھے یا نہ تھے اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا نہیں۔ حدیث کے الفاظ کا ظاہر انداز اس پر دلالت کرتا ہے کہ آپ صحابی ہیں۔ واللہ اعلم۔

۵۱۳ یعنی نماز کے تمام اوقات کی تعیین فرما دی۔

۵۱۴ یہاں تک کہ میرا ستر برہنہ ہو جاتا تھا۔

۵۱۵ یعنی اس عجیب و غریب قمیص کے ملنے پر کیونکہ کمسن ہونے اور اقتضاء طبیعت کے باعث میں نے اس سے قبل کبھی قمیص زیب تن نہ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اس مرتبہ پر پہنچا دیا۔

۵۱۶ اس حدیث سے شافعیہ نے نابالغ کی امامت کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ تاہم بالغ اولیٰ ہے۔ اگرچہ نابالغ فقہ و قراءت میں فائق ہی ہو۔ کیونکہ نابالغ کی امامت کی صحت میں علماء کا اختلاف ہے۔ یہ اختلاف دراصل اس اختلاف کی طرف رجوع کرتا ہے کہ فرض والے کی نفل والے کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ گذشتہ باب القراۃ میں اس مسئلے پر گفتگو ہو چکی ہے۔ اور آئندہ بَابُ مَنْ صَلّٰی مَرَّتَیْنِ میں بھی اس مسئلہ پر مزید گفتگو ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

١٠٥٩/١١ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ الْمَدِيْنَةَ كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلٰى اَبِيْ حُذَيْفَةَ وَفِيْهِمْ عُمَرُ وَ اَبُوْ سَلَمَةَ ابْنُ عَبْدِ الْاَسَدِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب مہاجرین اولین مدینہ منورہ آئے[۱]۔ تو اس وقت ان کی امامت سالم مولیٰ[۲] ابو حذیفہ کرتے تھے۔ حالانکہ ان میں حضرت عمر بن الخطاب اور ابو سلمہ بن عبد الاسد بھی تھے[۳]۔

(بخاری)

---

[۱] جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ کے حکم سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ چکے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں

حضرات میں سے تھے۔

[۲] یہ ملک فارس سے تعلق رکھتے تھے اور فضلائے موالی اور خیار صحابہ میں سے تھے۔ اور قرّاء قرآن میں شمار ہوتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ چار حضرات سے قرآن حاصل کرو۔ ان میں ایک حضرت سالم کو شمار کیا۔

[۳] یہ حضرات کبار صحابہ میں سے تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے حضرت سالم کا امامت کرنا یا تو اس بنا پر تھا کہ وہ اچھے قاری تھے یا کسی اور مصلحت کی بنا پر۔ واللہ اعلم۔

۱۰۶۰/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تَرْفَعُ لَهُمْ صَلٰوتُهُمْ فَوْقَ رُءُوْسِهِمْ شِبْرًا رَجُلٌ اَمَّ قَوْمًا وَهُمْ لَهٗ كَارِهُوْنَ وَامْرَاَةٌ بَاتَتْ وَزَوْجُهَا عَلَيْهَا سَاخِطٌ وَاَخَوَانِ مُتَصَارِمَانِ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کی نمازیں ان کے سروں سے ایک بالشت بھی بلند نہیں ہوتیں۔ وہ آدمی جو لوگوں کی امامت کرے اور لوگ اسے ناپسند کرتے ہوں۔ وہ عورت جو اس حال میں رات گزارے کہ خاوند اس پر ناراض ہو اور دو مسلمان بھائی جو آپس میں قطع تعلق کرلیں[۱]۔

(ابن ماجہ)

[۱] یعنی اسلامی حقوق سلام وکلام وغیرہ کو نظرانداز کردیں یعنی تین دن سے زیادہ آپس میں قطع تعلق کو باقی رکھیں۔ اس مسئلے کی قدرے تفصیل ہے جو اپنے مقام میں مذکور ہے۔

بَابُ مَا عَلَى الْاِمَامِ

امام پر کیا لازم ہے

یعنی ان حقوق کا بیان جو مقتدیوں کے لیے امام کے ذمہ ہیں۔ امام کے ذمہ اہم چیز یہ ہے کہ مقتدیوں کے حال کا لحاظ کرتے ہوئے ہلکی نماز پڑھے۔ کیونکہ مقتدیوں میں بیمار بھی ہوتے ہیں۔ بوڑھے اور کام کاج کرنے والے بھی۔ لہٰذا نماز کو مناسب مقدار سے زیادہ لمبا نہ کرے کہ مقتدی جماعت میں شامل ہونے سے گریز کریں۔ واضح ہو کہ نماز کے ہلکا کرنے اور لمبا نہ کرنے سے یہ مراد نہیں کہ قرأت اور تسبیحات میں اندازہ سنت کو ترک کردے اور آداب وسنن کی رعایت کرنے میں سستی کرے۔ چہ جائیکہ واجبات بھی ترک کرے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ قدر کفایت پر اکتفا کرے۔ چنانچہ فقہ میں مذکور مفصل

سورتوں کی تلاوت کرے اور تسبیحات میں قدر کفایت یہ ہے کہ تین بار کہنے پر کفایت کرے۔ اور قومہ و جلسہ کی رعایت کرے احادیث میں اکثر و بیشتر تخفیف سے مراد قرادت میں تخفیف ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١٠٦١ / ١ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا صَلَّيْتُ وَرَآءَ اِمَامٍ قَطُّ اَخَفَّ صَلوٰةً وَّلَا اَتَمَّ صَلوٰةً مِّنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَآءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فصل اوّل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو ہلکی بھی ہو اور مکمل بھی[1]۔ اور بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے رونے کی آواز سنتے تھے تو نماز ہلکی کر دیتے تاکہ اس کی ماں پریشان نہ ہو۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز ہلکی بھی ہوتی تھی اور کامل و مکمل بھی۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں آیا ہے۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخف الناس صلوۃ فی تمام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ ہلکی نماز پڑھتے تھے مگر آپ کی نماز کامل و تام بھی ہوتی تھی۔ بعض نے کہا معنیٰ یہ ہے کہ قرادت میں تخفیف کرتے اور رکوع و سجدہ اور تعدیل ارکان میں فرق نہ آنے دیتے۔ بعض کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دوسروں کی نماز کی نسبت بہت ہی ہلکی اور کم لمبی ہوتی تھی یعنی اگر کوئی دوسرا اتنی لمبی قرادت کرتا تو گراں محسوس ہوتی تھی بخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ آپ کی قرادت ذوق و نشاط اور لذت و حضور قلب کا موجب بنتی تھی۔ کیونکہ آپ نہایت خوش آواز اور قرآن پاک بھی نہایت صحت سے پڑھتے تھے۔ پھر آپ کی تلاوت کے دوران انوار و اسرار کا ظہور ہوتا تھا اور آپ کی قرادت میں سرعت اور زبان مبارک میں ایسا کمال و اعجاز تھا کہ تھوڑے وقت میں زیادہ قرادت کر لیتے تھے۔ اس لیے نماز مغرب میں آپ کبھی سورۂ اعراف اور ایک روایت کے مطابق اس سے بھی زیادہ قرآن پاک پڑھ لیتے تھے۔ بعض کہتے ہیں ہلکی قرادت ایک اضافی چیز ہے کہ بہت سی لمبی قرائتیں اس سے زیادہ قرادت کے سامنے ہلکی اور کم ہو جاتی ہیں۔ اور تھوڑی قرادت اس سے چھوٹی کی نسبت لمبی ہوتی ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تخفیف (ہلکی قرادت) اور تطویل (لمبی قراوت) دونوں پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

بندہ حقیر کاتب سطور عبد الحق بن سیف الدین عفی عنہما کہتا ہے ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ آپ جب صحابہ کرام میں شوق و ایثار محسوس کرتے تو قرادت دراز کرتے اور کبھی عذر اور کام کی وجہ سے تھوڑی قرادت کرتے تھے۔ یہ معنی سیاق حدیث کے مطابق زیادہ مناسب ہے۔ جیسا کہ حدیث کے یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں۔ وَاِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَآءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ اَنْ تُفْتَنَ اُمُّهٗ۔

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز کو ہلکا کرتے۔ اس اندیشے کی بنا پر کہ اس کی ماں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائے۔ یعنی بچے کو چپ کرانے کے لیے نماز نہ توڑ دے۔ یا اس کا خشوع و خضوع برباد نہ ہو جائے۔

۱۰۶۲/۲ وَعَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَدْخُلُ فِي الصَّلٰوةِ وَاَنَا اُرِيْدُ اِطَالَتَهَا فَاَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَاَتَجَوَّزُ فِيْ صَلٰوتِيْ مِمَّا اَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ اُمِّهٖ مِنْ بُكَائِهٖ ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو قتادہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز میں داخل ہوتا ہوں اور میرا اسے لمبا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ اس دوران میں بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز ہلکی اور مختصر کرتا ہوں[2] اس بنا پر جو اس بچے کی ماں میں سخت صدمہ اور اثر محسوس کرتا ہوں بچے کے رونے کی وجہ سے[3]۔

(بخاری)

[1] حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ فضلائے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بیعت عقبہ میں موجود تھے، غزوۂ بدر میں حاضر تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے غزوات میں بھی شریک ہوئے، غزوہ احد یا بدر میں ان کی آنکھ چوٹ کی وجہ سے باہر نکل آئی۔ اور آپ کے ہاتھ پر آگری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی جگہ پر رکھ دیا اور وہ دوسری آنکھ سے بھی اچھی اور بہتر ہو گئی۔

[2] یعنی اسے دراز کرنا ترک کر دیتا ہوں اور اذکار و وظائف میں بھی اختصار کرتا اور جلدی ختم کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

[3] یہ آپ کی اپنی امت اور ضعیف لوگوں پر غایت شفقت و رحم ہے کہ ایسے بلند ترین مقام میں بھی امت کو یاد رکھتے اور ان کی رعایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے آپ کو بہتر جزا عطا کرے۔ شعر

خواجہ را بین کہ در نشیمن راز بندہ را یاد میکند بہ نیاز !
قاصد ار زیر آید از چرخ بلند تا شکستہ پایگاں بردے تنند

ترجمہ۔ آقا کی عنایت و مہربانی دیکھ کر مقام راز میں بھی اپنے غلام کو نیاز و تواضع کی بنا پر یاد رکھتا ہے۔
اللہ کا قاصد نبی بلند مقام و آسمان سے نیچے آتا ہے تو شکستہ پا (عاجز لوگ) بے تکلفی کی بنا پر ناز و ادا سے پیش آتے ہیں۔

۱۰۶۳/۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ فَاِنَّ فِيْهِمُ السَّقِيْمَ وَالضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَاِذَا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے (امامت کرے) تو ہلکی نماز پڑھے کہ بیشک ان میں بیمار، کمزور اور

صَلّٰی اَحَدُكُمْ لِنَفْسِهٖ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَآءَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

زیادہ عمر والے بھی ہوتے ہیں اور جب اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے نماز لمبی کرے۔ (بخاری و مسلم)

۱۰۶۴/۴ وَعَنْ قَيْسِ بْنِ اَبِیْ حَازِمٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُوْ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَ تَاَخَّرُ عَنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ مِنْ اَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيْلُ بِنَا فَمَا رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ مَوْعِظَةٍ اَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِيْنَ فَاَيُّكُمْ مَا صَلّٰی بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ فَاِنَّ فِيْهِمُ الضَّعِيْفَ وَالْكَبِيْرَ وَذَا الْحَاجَةِ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت[1] قیس بن ابو حازم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے ابو مسعود نے خبر دی کہ بیشک ایک آدمی نے کہا۔ واللہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک میں فجر کی نماز میں فلاں آدمی[2] کی وجہ سے شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ نماز لمبی کرتا ہے تو نہ دیکھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نصیحت میں زیادہ غضبناک اس دن کی نسبت۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے اور بھگانے والے[3] ہیں تو جو آدمی بھی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو چاہیے کہ ہلکی نماز پڑھائے[4]۔ کیونکہ ان میں کمزور اور بوڑھے اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں۔[5]

(بخاری و مسلم)

---

[1] حازم حا اور زا سے۔ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔ جاہلیت اور اسلام دونوں زمانے پائے۔

[2] اور جماعت میں شریک نہیں ہوتا۔ اس نے ایک آدمی کا نام لیا۔ علماء نے کہا ہے کہ مراد حضرت ابی بن کعب ہیں بعض نے کہا حضرت معاذ بن جبل مراد ہیں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

[3] اور نیکی و خیر کے کاموں سے دور کرنے کا باعث بنتے ہیں۔

[4] اور اتنی لمبی نہ کرے کہ مقتدیوں کے ملال کا باعث بنے۔ اور جماعت میں شمولیت سے لوگوں کو روک دے۔

[5] جو ضعف و پیری کی بنا پر کھڑے ہونے کی طاقت نہیں رکھتا اور کام کاج والے نے ضروری اور جلدی جانا ہوتا ہے۔

۱۰۶۵/۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلُّوْنَ لَكُمْ فَاِنْ اَصَابُوْا فَلَكُمْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں امام نماز پڑھایا کریں گے اگر وہ درست نماز پڑھایا کریں

وَاِنْ اَخْطَاءُوْا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنْ فَصْلِ الثَّانِيْ۔

تو تمہارے لیے مفید ہے[1] اور اگر خطا کریں تو تمہارے لیے مفید[2] اور ان کے لیے نقصان دہ ہے[3]۔ (بخاری)
اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے[4]

[1] اور ان کے لیے بھی مفید ہے مگر اس کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ قرینہ مقام سے اس کی سمجھ آ جاتی ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں "وَلَهُمْ" کا لفظ صراحۃً موجود ہے۔

[2] اور اگر وہ امام ناراست اور نادرست نماز پڑھائیں گے تو تمہیں پھر بھی اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ جو تم نے ٹھیک اور درست نماز ادا کی اور جماعت میں شمولیت کی نیت و ارادہ کیا۔

[3] یعنی غلط اور نادرست نماز پڑھانے کا وبال ان کے ذمہ ہوگا۔ کہ انہوں نے نماز کی ادائیگی میں نقص و کوتاہی کی۔ یہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وصیت ہے کہ غلط سلاطین و امراء کا دور ابتلاء و آزمائش کا وقت ہوگا اور میرے بعد آئے گا اور سلاطین و امراء نمازیں پڑھائیں گے اور اس کی ادائیگی کے وقت احکام و آداب نماز کا لحاظ نہ رکھیں گے۔ بلکہ اس میں کوتاہی اور خرابی کے مرتکب ہوں گے۔ ایسے وقت کے لیے آپ نے یہ وصیت فرمائی کہ تم لوگ اپنی نمازیں درست اور ٹھیک ادا کرنا۔ اگر تمہارے امام (سلاطین و امراء) بھی ٹھیک طرح نمازیں ادا کریں گے تو بہت بہتر ہے۔ ورنہ تمہیں ان کی خرابی اور کوتاہی سے کوئی نقصان نہ ہوگا۔

شافعی حضرات اس حدیث سے یہ دلیل پکڑتے ہیں کہ امام کی نماز کا فساد مقتدیوں کی نماز میں فساد پیدا نہیں کرتا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہراً یہاں خرابی اور نادرستی سے سنن اور مستحبات کا ترک مراد ہے۔ شرائط و ارکان نماز کا ترک مراد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

[4] جس میں صاحب مصابیح حسن احادیث لایا کرتے ہیں۔ مولف تیسری فصل یہاں لائے اور کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۶۴ / ۹ عَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِي الْعَاصِ قَالَ اٰخِرُ مَا عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَمَمْتَ قَوْمًا فَاَخِفَّ بِهِمُ الصَّلٰوةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عثمان بن[1] ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے جو آخری عہد کیا یہ تھا کہ جب تم کسی قوم کی امامت کرو تو انہیں ہلکی نماز پڑھاؤ۔
(مسلم)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُ اَنَّ رَسُوْلَ

اس کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ لَہٗ اُمَّ قَوْمَکَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اَجِدُ فِیْ نَفْسِیْ شَیْئًا قَالَ اُدْنُہْ فَاَجْلَسَنِیْ بَیْنَ یَدَیْہِ ثُمَّ وَضَعَ کَفَّہٗ فِیْ صَدْرِیْ بَیْنَ ثَدْیَیَّ ثُمَّ قَالَ تَحَوَّلْ فَوَضَعَهَا فِیْ ظَهْرِیْ بَیْنَ کَتِفَیَّ ثُمَّ قَالَ اُمَّ قَوْمَکَ فَمَنْ اَمَّ قَوْمًا فَلْیُخَفِّفْ فَاِنَّ فِیْهِمُ الْکَبِیْرَ وَ اِنَّ فِیْهِمُ الْمَرِیْضَ وَ اِنَّ فِیْهِمُ الضَّعِیْفَ وَ اِنَّ فِیْهِمْ ذَا الْحَاجَةِ فَاِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمْ وَحْدَہٗ فَلْیُصَلِّ کَیْفَ شَآءَ ۔

علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو۔ فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے دل میں کچھ پاتا ہوں [۵۲]۔ فرمایا قریب آؤ۔ مجھے اپنے سامنے بٹھایا۔ اپنا ہاتھ میرے سینے پر دونوں پستانوں کے درمیان رکھا۔ پھر فرمایا پھر و تو اپنا ہاتھ میری پیٹھ میں دونوں کندھوں کے درمیان رکھا۔ پھر فرمایا اپنی قوم کی امامت کرو۔ جو کسی قوم کا امام ہو تو نماز ہلکی پڑھائے کہ ان میں بوڑھے، بیمار، مریض اور کمزور اور کام کاج والے ہیں۔ اور جب کوئی اکیلے نماز پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔

[۵۱] ثقفی صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کے دو سال تک طائف کے عامل رہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو بنی ثقیف مرتد ہونے لگے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے میری قوم تم اسلام لانے میں بھی سب سے پیچھے تھے۔ اب مرتد ہونے میں سب سے پہل کرنے لگے ہو۔ اور آپ اپنی قوم میں سب سے چھوٹی عمر والے تھے۔

[۵۲] یعنی امام بننے کی صورت میں اپنے اندر عجب و کبر پیدا ہونے کا مجھے اندیشہ ہے۔ یا میں حقوق امامت اور اس کی شرائط پوری کرنے کی اپنے اندر ہمت نہیں رکھتا۔ یا مجھے امامت کے دوران وسوسہ آنے کا خوف ہے۔

[۵۳] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت اور تصرف سے وہ چیز دور ہو گئی جو اقامت امامت کے لیے رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔

۱۰۶۷ وَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَاْمُرُنَا بِالتَّخْفِیْفِ وَ یَؤُمُّنَا بِالصَّآفَّاتِ ۔

(رَوَاهُ النَّسَآئِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہلکی نماز پڑھنے [۱] کا حکم دیتے تھے اور ہماری امامت سورۂ والصافات [۲] سے کرتے تھے۔ (نسائی)

[۱] یعنی یہ کہ ہم ہلکی نماز پڑھیں اور تھوڑی قرارت کریں۔

[۲] یعنی سورۂ والصافات اور اس جیسی دوسری سورتوں کی تلاوت کرتے تھے۔ یعنی آپ خود قرات لمبی کرتے تھے مگر آپ کی قرات لمبی ہونے کے باوجود ہلکی اور مختصر محسوس ہوتی تھی۔ ان وجوہات کی بنا پر جو گذشتہ ایک حدیث کے تحت بیان کی گئی ہیں۔

بَابُ مَا عَلَى الْمَامُوْمِ مِنَ الْمُتَابَعَةِ وَحُكْمِ الْمَسْبُوْقِ

مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے

یعنی یہ باب اس چیز کے بیان میں ہے کہ اونچا ہونے اور نیچے جانے میں مقتدی پر امام کی پیروی لازم ہے اور مسبوق کا بیان جس نے امام کے ساتھ نماز کا کچھ حصہ نہیں پایا ہوتا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۰۶۸ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ كُنَّا نُصَلِّيْ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ لَمْ يَحْنُ[۲] اَحَدٌ مِّنَّا ظَهْرَهٗ حَتّٰى يَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَبْهَتَهٗ عَلَى الْاَرْضِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فصل اول

حضرت براء[۱] بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو ہم میں سے کوئی اس وقت تک پیٹھ نہ جھکاتا جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پیشانی مبارک زمین پر نہ رکھتے۔

(بخاری و مسلم)

[۱] عازب عین اور زا سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ سب سے پہلے جس غزوے میں آپ شریک ہوئے وہ غزوہ خندق ہے۔ اس سے پہلے آپ چھوٹی عمر کے شمار ہوتے تھے۔ آپ جمل، صفین اور نہروان میں امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے۔

[۲] اصل میں لفظ لَمْ يَحْنُ آیا ہے۔ یا کی زبر حا ساکن اور نون پر پیش اور زیر۔ از باب نَصَرَ يَنْصُرُ یا از باب ضَرَبَ يَضْرِبُ۔

[۳] یعنی ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سجدہ میں نہ جاتے تھے بلکہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہم لوگ

کھڑے رہتے تھے۔ اور جب آپ اپنی پیشانی مبارک زمین پر رکھ دیتے تو ہم سجدہ کے لیے جھکتے تھے۔

۱۰۶۹/۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ اِمَامُكُمْ فَلَا تَسْبِقُوْنِىْ بِالرُّكُوْعِ وَلَا بِالسُّجُوْدِ وَلَا بِالْقِيَامِ وَلَا بِالْاِنْصِرَافِ فَاِنِّىْ اَرٰىكُمْ اَمَامِىْ وَمِنْ خَلْفِىْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک دن ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی جب نماز پوری ہوگئی تو آپ اپنے چہرہ انور سے ہماری جانب متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا اے لوگو میں تمہارا امام ہوں لہٰذا رکوع سجدے قیام اور فراغت میں مجھ سے آگے نہ بڑھو۔ کیونکہ میں تم کو اپنے آگے سے بھی دیکھتا ہوں اور پیچھے سے بھی۔

(مسلم)

ف۱ اپنا چہرہ انور ہماری جانب کر کے تشریف فرما ہوئے۔

ف۲ یعنی مجھ سے پہلے رکوع سجود میں نہ جاؤ۔ اور رکوع سے سر نہ اٹھاؤ اور سجدہ سے نہ اٹھو۔ انصراف سے مراد سلام ہے۔ یا نماز کی جگہ سے اٹھنا اور مسجد سے باہر آنا۔ اول زیادہ ظاہر ہے اور یہ خیال نہ کرنا کہ میں تمہارے حالات سے باخبر نہیں ہوں۔

۱۰۷۰/۳ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَادِرُوا الْاِمَامَ اِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِيْنَ وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا اَنَّ الْبُخَارِىَّ لَمْ يَذْكُرْ وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا امام سے جلدی نہ کرو۔ جب وہ تکبیر کہے تو تم تکبیر کہو۔ جب وہ ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو۔ اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو۔ اور جب سمع اللہ لمن حمدہٗ کہے تو تم ربنا لک الحمد کہو۔ ف۱

(بخاری ومسلم)

مگر بخاری نے یہ ذکر نہ کیا کہ جب وہ ولا الضالین کہے۔

وَاِذَا قَالَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔

[1] یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کا منصب سمع اللہ لمن حمدہ کہنا ہے۔ اور مقتدی کے ذمے یہ ہے کہ ربنا لک الحمد کہے۔ یہ دونوں کلمات دونوں کے درمیان تقسیم ہیں۔ اس کلام کی تحقیق گذشتہ بیان میں ہو چکی ہے۔

۱۰۷۱/۴ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْاَيْمَنُ فَصَلّٰى صَلٰوةً مِّنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَآءَهٗ قُعُوْدًا فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا صَلّٰى قَآئِمًا فَصَلُّوْا قِيَامًا وَاِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوْا وَاِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوْا وَاِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَاِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا اَجْمَعُوْنَ قَالَ الْحُمَيْدِيُّ قَوْلُهٗ اِذَا صَلّٰى جَالِسًا فَصَلُّوْا جُلُوْسًا هُوَ فِيْ مَرَضِهِ الْقَدِيْمِ ثُمَّ صَلّٰى بَعْدَ ذَالِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهٗ قِيَامٌ لَمْ يَاْمُرْهُمْ بِالْقُعُوْدِ وَاِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ فَالْاٰخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا لَفْظُ الْبُخَارِيِّ وَاتَّفَقَ مُسْلِمٌ اِلٰى اَجْمَعُوْنَ وَزَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَا تَخْتَلِفُوْا عَلَيْهِ وَاِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوْا ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے تو اس سے گر گئے[1] اور آپ کی دائیں جانب چھل گئی[2]۔ پھر آپ نے کوئی نماز بیٹھ کر پڑھی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ جب وہ نماز کھڑے ہو کر پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو۔ جب رکوع کرے تو رکوع کرو۔ جب اٹھے تم بھی اٹھو۔ جب کہے سمع اللہ لمن حمدہ تو تم ربنا لک الحمد کہو[3]۔ جب وہ بیٹھ کر پڑھے تو تم سب بیٹھ کر پڑھو۔ حمیدی[4] فرماتے ہیں یہ حکم کہ بیٹھ کر پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ آپ کے پرانے مرض میں تھا۔ پھر اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بیٹھ کر پڑھی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ انہیں بیٹھنے کا حکم نہ دیا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل لیا جاتا ہے اور یہ آخری[5] ہے۔ یہ بخاری کے لفظ ہیں۔ مسلم سے اجمعون تک متفق ہیں۔

اور ایک روایت میں یہ زیادہ ہے کہ امام کی مخالفت نہ کرو۔ جب سجدہ کرے تم بھی سجدہ کرو[6]۔

۵۱ اس قسم کے طبعی افعال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بتقاضائے بشریت واقع ہو جاتے تھے۔ ایسا کوئی معجزہ کے طور پر نہ ہوتا تھا۔

۵۲ اور کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے کی قوت نہ رہی۔ جحش پہلے جیم پھر حا۔

۵۳ مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں یہ بھی ہے واذا سجد فاسجدوا۔ یعنی جب امام سجدہ میں جائے تو تم بھی سجدے میں جاؤ محدثین نے کہا ہے کہ بخاری میں نہیں ہے۔

۵۴ یعنی اس حمیدی نے جو شیوخ بخاری سے ہے۔ نہ کہ اس حمیدی نے جو کتاب الجمع بین الصحیحین کا مولف ہے اور یہ اگلی عبارت بھی بخاری کی ہے جو وہ حمیدی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک اذا صلی جالسًا فصلوا جلوسًا قدیم بیماری کے زمانے کا قول ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عارض و لاحق تھی۔ کیونکہ آپ گھوڑے یا کسی اور سواری پر سے گرے ہوئے تھے۔

۵۵ اور آپ کا آخری فعل پہلے فعل کا ناسخ ہوتا ہے۔

۵۶ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بخاری کے لفظ میں نہیں ہے جیسا کہ میں نے کہا اس میں غور کرو

١٠٦٢ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا ثَقُلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهٗ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ مُرُوْا اَبَابَكْرٍ اَنْ يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ خِفَّةً فَقَامَ يُهَادٰى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ تَخُطَّانِ فِي الْاَرْضِ حَتّٰى دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلَمَّا سَمِعَ اَبُوْبَكْرٍ حِسَّهٗ ذَهَبَ يَتَاَخَّرُ فَجَاءَ حَتّٰى جَلَسَ عَنْ يَّسَارِ اَبِيْ بَكْرٍ فَكَانَ اَبُوْبَكْرٍ يُصَلِّيْ قَائِمًا وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ قَاعِدًا يَقْتَدِيْ اَبُوْبَكْرٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار ہو گئے[1] تو حضرت بلال آپ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آئے[2] فرمایا ابوبکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں[3]۔ چنانچہ اس زمانے میں ابوبکر نماز پڑھاتے رہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں کچھ ہلکا پن پایا تو اٹھے ہوئے کہ دو شخصوں کے درمیان آپ کو لایا گیا[4] اور آپ کے قدم زمین پر گھسٹتے تھے[5]۔ حتیٰ کہ مسجد میں تشریف لائے۔ جب صدیق اکبر نے آپ کی آہٹ محسوس کی تو پیچھے ہٹنے لگے[6] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ نہ ہٹو[7]۔ پس آپ تشریف لائے اور حضرت صدیق کی بائیں طرف بیٹھ گئے۔ حضرت صدیق اکبر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر اور

بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ النَّاسُ يَقْتَدُوْنَ بِصَلٰوةِ اَبِيْ بَكْرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا يُسْمِعُ اَبُوْبَكْرٍ النَّاسَ التَّكْبِيْرَ۔

صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اقتدا کر رہے تھے۔ اور لوگ صدیق اکبر کی نماز کی ف۸ بخاری ومسلم اورسان دونوں کی دوسری روایت میں ہے کہ صدیق اکبر لوگوں کو تکبیر سنا رہے تھے ف۹

ف۱ اور ضعف انتہا کو پہنچ گیا۔

ف۲ کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اور سب لوگ مسجد میں جمع ہیں۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ اذان کے بعد اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری میں دیر ہو جاتی تھی تو حضرت بلال اطلاع دینے کے لیے آپ کی خدمت اقدس میں آتے تھے۔ اس عادت کے مطابق اس موقعہ پر بھی حاضر ہوئے یہ معلوم کرنے کے لیے کہ آپ خود بہ نفس نفیس مسجد میں تشریف لاکر مسجد کو منور کریں گے اور امامت فرمائیں گے یا صحابہ میں سے کسی کو امامت کا حکم دیتے ہیں۔

ف۳ یعنی میری طرف سے ابوبکر کو کہو کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور ان کی امامت کریں۔

ف۴ کہ آپ کے ہاتھ دونوں مردوں کے کندھوں پر تھے اور آپ آہستہ آہستہ اور جھکے ہوئے مسجد کی طرف آرہے تھے۔

ف۵ کیونکہ آپ میں پاؤں اٹھانے کی سکت اور طاقت بالکل نہ تھی۔ گذشتہ بیان ہو چکا ہے کہ انبیاء صلوات اللہ وسلامہ علیہم کو عوارض بدنی اور صفات جسمانی پر بشری حد میں رکھا گیا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کی صفات جلالی کا مشاہدہ کرکے اس کا حق بندگی بجا لائیں۔ ہاں اظہار معجزہ کے وقت ان سے قدرت الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اور ان سے خرق عادت کام صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ کمال ملکی کمال بشری کے علاوہ ہے کہ کمال بشری مرتبہ ناسوت و ملکوت اور کمال جسمانی و روحانی کا جامع ہے۔ ع

یار ما این دارد و آن نیز ہم
ہمارا یار یہ کمال بھی رکھتا ہے اور وہ کمال بھی

اظہار معجزہ کے وقت قدرت کاملہ جو ان سے ظاہر ہوتی ہے اور خرق عادت امور کا صدور جو ان سے ہوتا ہے وہ امر دیگر ہے۔

ف۶ اور ایک جانب کو ہوگئے تاکہ پیچھے ہٹ جائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے ہو کر امامت کریں۔ صراح میں ہے تحسّ یعنی آہٹ محسوس کی۔

ف۷ آپ نے یہ اشارہ اعضا سر اور ہاتھ اور آنکھ اور ابرو سے کیا۔

ف۸ یعنی لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افعال کو دیکھ کر نماز ادا کر رہے تھے۔ ورنہ امام تو خود حضور صلی اللہ

علیہ وسلم تھے۔ اور سب لوگ آپ کی اقتدا کر رہے تھے۔ جب کہ وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال نہیں دیکھتے تھے اور آپ کی تکبیریں نہ سنتے تھے وہ حضرت ابو بکر کے افعال اور ان کی تکبیریں دیکھ اور سن کر اپنی نماز ادا کر رہے تھے گویا وہ حضرت ابو بکر کی اقتداء کر رہے تھے۔

۵۹ سوال: جب کہ حضرت ابو بکر اس نماز میں لوگوں کے امام نہ تھے۔ تو اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک نماز پہ جانشین، بنانا ان کی خلافت کی دلیل نہ بن سکے گا۔ جواب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امامت کا جو حکم دیا تھا وہ آپ کی خلافت کی دلیل ہے اور آپ کی علالت کے دوران کئی دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور سب لوگ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔ ہاں اس دن کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس تشریف لے آئے تو آپ نے خود امامت کی اور اگر آپ کا یہ فعل آپ کے قول سابق کا ناسخ قرار دیا جائے۔ جیسا کہ شیعہ حضرات کا خیال وہم ہے۔ تو چاہیے تھا کہ آپ اپنے قول سے اسے منسوخ کرتے اور کسی دوسرے کو نماز پڑھانے کا حکم دیتے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم تشریف آوری کے وقت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت متعین تھی۔ ایک دوسرے موقعہ پر کہ بنی عمرو بن عوف کے درمیان جو قبا کے باشندے تھے، آپ صلح کرانے تشریف لے گئے۔ جب نماز کا وقت آخر ہو گیا، حضرت بلال نے اذان کہی اور سب صحابہ نے حضرت ابو بکر کو امام بنایا۔ اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود امامت کرائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ ابو بکر اپنی جگہ پر قائم رہے اور امامت کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں یہ نماز پڑھی۔ جیسا کہ صحیح البخاری میں مذکور ہے۔

۱۰۴۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا یَخْشَی الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ اَنْ یُّحَوِّلَ اللّٰهُ رَاْسَهٗ رَاْسَ حِمَارٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)	حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا وہ آدمی نہیں ڈرتا جو اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے کہ اللہ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے لہ (بخاری ومسلم)

لہ ایک اور روایت میں اس طرح آیا ہے کہ اللہ اس کی شکل گدھے کی شکل میں بدل دے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اس آدمی کی بے وقوفی اور بے سمجھی سے کنایہ ہے جو امامت کا معنی و مطلب نہیں سمجھتا۔ کہ اتباع و پیروی آپس میں اتفاق واتحاد میں ہے۔ اور یہ گدھا پن ہے کہ ایک آدمی کو امام بنائیں پھر اس کی اتباع اور پیروی نہ کریں۔ امام غزالی نے کہا کہ ان الفاظ کا یہی مفہوم متعین ہے۔ ورنہ ہم لوگ دیکھتے ہیں امام کی اتباع نہ کرنے والے کا چہرہ اور صورت گدھے کی شکل میں تبدیل نہیں ہوتا۔ پوشیدہ نہ رہے کہ حدیث سے جو ثابت ہے یہ ہے کہ شکل کے مسخ ہونے کا ڈر ہے۔ نہ ہو کہ

ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ نے کہا۔ مراد یہ ہے کہ بے وقوفی میں وہ شخص گدھے کی مانند ہے۔ ورنہ اس امت میں مسخ ناجائز ہے اور ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ اس کی شکل کا بگاڑ آخرت میں ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ کیونکہ اس امت کے دنیا میں مسخ صور میں اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۴۷ عَنْ عَلِیٍّ وَّمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الصَّلٰوۃَ وَالْاِمَامُ عَلٰی حَالٍ فَلْیَصْنَعْ کَمَا یَصْنَعُ الْاِمَامُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ۔

حضرت علی اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آدمی نماز کو آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ بھی وہی فعل کرے جو امام کر رہا ہے[1]۔ (ترمذی) اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] تو مقتدی کو چاہیے کہ تکبیر تحریمہ کہے اور اسی فعل میں شامل ہو جائے جس میں امام ہے۔ لیکن رکعت اس صورت میں پائے گا جب کہ رکوع میں داخل ہو نہ کہ اس کے بعد۔

۱۰۴۸ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ وَنَحْنُ سُجُوْدٌ فَاسْجُدُوْا وَلَا تَعُدُّوْہُ شَیْئًا وَّمَنْ اَدْرَکَ رَکْعَۃً فَقَدْ اَدْرَکَ الصَّلٰوۃَ ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم نماز کے لیے آؤ اور ہم سجدے میں ہوں تو تم بھی سجدے میں شامل ہو جاؤ اور اسے کچھ شمار نہ کرو[1]۔ اور جس نے رکعت پالی اس نے نماز پالی[2]۔

(ابوداؤد)

[1] اور اسے رکعت کا پالینا نہ سمجھو جس طرح رکوع میں ہے۔

[2] اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ رکعت سے رکوع اور لفظ صلوٰۃ سے رکعت مراد ہے۔ یعنی جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے رکعت پالی۔ اور اس کی ایک رکعت شمار ہو گئی۔ جیسا کہ ہم نے کہا ہے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ جس نے رکعت پالی اس نے امام کے ساتھ نماز پالی۔ اور اسے نماز باجماعت کا ثواب اور اس کی فضیلت حاصل ہو گئی۔ ہدایہ میں کہا جس نے ظہر کی ایک رکعت پائی اور تین رکعتیں نہ پائیں اس نے ظہر کی جماعت نہ پائی۔ یعنی اس کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس نے ظہر کی نماز جماعت سے ادا کی ہے۔ اسی لیے وہ شخص اپنی قسم میں حانث نہ ہوگا جس نے یہ قسم کھائی کہ لا اصلی

الظهر بجماعة مجھے قسم ہے کہ میں ظہر کی نماز جماعت سے نہ پڑھوں گا بلکہ ایسے آدمی کو جماعت کا صرف ثواب ملتا ہے اور یہ غیر جمعہ میں ہے۔ جمعہ کے بارے میں مذہب یہ ہے کہ جس نے امام کو جمعہ کی نماز میں پالیا اس نے جمعہ پالیا اور جو رکعت رہ گئی اسے پڑھ دے۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک اگر اس نے دوسری رکعت کا اکثر حصہ پالیا جیسا کہ رکوع میں جا ملا تو جمعہ پالیا اور دوسری رکعت کا کم حصہ پایا تو پھر ظہر کی نماز پڑھے اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اسی پر جمعہ کی بنا کرے۔ اگرچہ امام کو التحیات یا سجدہ سہو میں پائے۔

۱۰۷۶/۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن باجماعت نماز ادا کرے اور تکبیر اولیٰ پالے[1] اس کے لیے دو براتیں لکھی جاتی ہیں۔ ایک آگ سے برات اور دوسری نفاق سے[2]۔

(ترمذی[3])

---

[1] جو شخص خالص اللہ کے لیے نماز پڑھے اور کسی غرض کا شائبہ اس میں نہ ہو۔ اس طرح چالیس دن کرے۔ تکبیر اولیٰ سے ظاہر یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت موجود ہو۔ اور علماء نے کہا ہے کہ اگر سبحانک اللّٰھم میں امام کو پالے تو تکبیر اولیٰ میں شامل ہو گیا اور بعض کے نزدیک پہلی رکعت میں شامل ہو گیا تو تکبیر اولیٰ پانے کے لیے یہ کافی ہے۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ مراد نفاق سے برات یہ ہے کہ اس کی نماز ریا اور سستی سے محفوظ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں۔ اس کی نسبت منافقین کی طرف کی گئی ہے۔ اور باقی نفاق کی صفات یعنی جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی جو احادیث میں نفاق کی علامات قرار دی گئی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بھی اسے پاک کر دیتا ہے۔ ممکن ہے اس سے آخرت میں اس عذاب سے نجات مراد ہو۔ جو منافقوں کے ساتھ خاص ہے۔

[3] لیکن امام ترمذی نے اس میں کلام کیا ہے۔

۱۰۷۷/۱۰ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ وُضُوْءَهٗ ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مِثْلَ اَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا[1] پھر مسجد کی طرف چلا اور لوگوں کو پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں[2]۔ اللہ تعالیٰ اسے ان کا ثواب دیتا ہے جنہوں نے اسے باجماعت ادا کیا اور جماعت کے لیے حاضر ہوئے[3] انکو انکا ثواب ملنے سے انکے ثواب

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنِّسَآئِيُّ)

یں کوئی کمی نہ ہو گی[3] (ابوداؤد، نسائی)

[1] یعنی تر و تازہ اور خوب سیراب ہو کر۔ شرائط اور آداب اور حضور دلی کے ساتھ۔

[2] مگر یہ اسی صورت میں ہے جب کہ یہ تاخیر اس کی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے نہ ہو۔ بلکہ وہ صحیح وقت پر اور سچی نیت سے گیا ہو۔

[3] کیونکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والوں کو تو ان کے فعل کا ثواب ملے گا اور اس کو اس کی نیت کا۔

١٠٧٨/١١ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ وَّقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَلَا رَجُلٌ يَّتَصَدَّقُ عَلٰى هٰذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهٗ فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلّٰى مَعَهٗ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک آدمی آیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تھے تو آپ نے فرمایا کوئی ایسا آدمی نہیں جو اس[1] پر صدقہ اور احسان کرے کہ اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے[2]۔ ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ نماز پڑھی[3]۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

[1] کہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہے۔

[2] تاکہ وہ بھی جماعت کا ثواب پائے، اور اس کے درجات حاصل کرے۔ یہ اس کا احسان ہو گا جو وہ اس پر کرے گا۔

[3] کہتے ہیں کہ سنن بیہقی میں آیا ہے کہ وہ مرد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٠٧٩/١٢ عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَآئِشَةَ فَقُلْتُ اَلَا تُحَدِّثِيْنِيْ عَنْ مَّرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ بَلٰى ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ فَقُلْنَا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ فَقَالَ ضَعُوْا لِيْ مَآءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ فَفَعَلْنَا فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ

حضرت عبیداللہ[1] بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی بابت کچھ بتائیں گی؟ فرمایا ہاں ضرور۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت بیمار ہو[2] گئے تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یا رسول نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں۔ فرمایا ہمارے لیے لگن[3] میں پانی رکھو۔ فرماتی ہیں ہم نے ایسا کر دیا[4]

لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ
فَقَالَ اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ
يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ
ضَعُوْا لِيْ مَآءً فِي الْمِخْضَبِ قَالَتْ
فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوْءَ
فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَصَلَّى
النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعُوْا لِيْ مَآءً فِي
الْمِخْضَبِ فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ ذَهَبَ
لِيَنُوْءَ فَاُغْمِيَ عَلَيْهِ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ
اَصَلَّى النَّاسُ قُلْنَا لَا هُمْ يَنْتَظِرُوْنَكَ
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ النَّاسُ عُكُوْفٌ فِي
الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُوْنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِصَلٰوةِ الْعِشَآءِ الْاٰخِرَةِ فَاَرْسَلَ
النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرٍ بِاَنْ
يُّصَلِّيَ بِالنَّاسِ فَاَتَاهُ الرَّسُوْلُ فَقَالَ
اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ يَاْمُرُكَ اَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ
فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَ كَانَ رَجُلًا رَقِيْقًا
يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ
اَنْتَ اَحَقُّ بِذٰلِكَ فَصَلّٰى اَبُوْبَكْرٍ
تِلْكَ الْاَيَّامَ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَجَدَ فِيْ نَفْسِهٖ
خِفَّةً وَّ خَرَجَ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا
الْعَبَّاسُ لِصَلٰوةِ الظُّهْرِ وَ اَبُوْبَكْرٍ يُّصَلِّيْ

آپ نے غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ ہوا۔ تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے کہا یا رسول اللہ نہیں وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ فرماتی ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ پھر کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں وہ لوگ آپ کے منتظر ہیں۔ فرمایا ہمارے لیے لگن میں پانی رکھو۔ پھر بیٹھے پھر غسل کیا پھر اٹھنے لگے تو بے ہوش ہو گئے پھر افاقہ ہوا تو فرمایا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ نہیں وہ آپ کے منتظر ہیں۔ اور لوگ مسجد میں ٹھہرے ہوئے آخری عشاء کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو پیغام بھیجا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ آپ کے پاس قاصد آیا عرض کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو حکم دیتے ہیں کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ ابوبکر بہت نرم دل انسان تھے فرمایا اے عمر تم لوگوں کو نماز پڑھاؤ۔ عمر فاروق نے عرض کیا اس کے حق دار آپ ہی ہیں۔ چنانچہ اس زمانے میں ابوبکر صدیق نماز پڑھاتے رہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جی میں ہلکا پن محسوس کیا اور دو شخصوں کے درمیان نماز ظہر کے لیے نکلے۔ جن میں سے ایک عباس تھے۔ اور ابوبکر

بِالنَّاسِ فَلَمَّا رَاٰهُ اَبُوْبَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَاَخَّرَ فَاَوْمَاَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاَنْ لَّا يَتَاَخَّرَ فَقَالَ اَجْلِسَانِيْ اِلٰى جَنْبِهٖ فَاَجْلَسَاهُ اِلٰى جَنْبِ اَبِيْ بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ وَقَالَ عُبَيْدُ اللّٰهِ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهٗ اَلَا اَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِيْ عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيْثَهَا فَمَا اَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّهٗ قَالَ اَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِيْ كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ قُلْتُ لَا قَالَ هُوَ عَلِيٌّ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق نے آپکو دیکھا تو پیچھے جانے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ پیچھے نہ جاؤ۔ فرمایا مجھے ابوبکر کے برابر بٹھا دو۔ ان دونوں نے آپکو ابوبکر کے برابر بٹھا دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے۔ عبیداللہ کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عبداللہ بن عباس کے پاس گیا اور ان سے عرض کیا کہ کیا میں آپ پر وہ حدیث پیش نہ کروں جو مجھے حضرت عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے متعلق سنائی فرمایا لاؤ میں نے آپ پر انکی پوری حدیث پیش کر دی۔ آپ نے اس کا کچھ بھی انکار نہ کیا بجز اس کے کہ فرمایا کیا حضرت عائشہ نے تمہیں ان صاحب کا نام بھی بتایا جو حضرت عباس کے ساتھ تھے۔ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا وہ علی تھے۔[۵۱]

(بخاری ومسلم)۔

---

[۵۱] حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود الہذلی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ کے بیٹے ہیں۔ آپ فقیہہ تھے آنکھوں سے نابینا تھے۔ اونچے درجے کے تابعین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ مدینہ طیبہ کے سات فقہاء میں سے ہیں۔ بہت سے صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل تھا۔ آپ ثقہ، امام اور مامون ہیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے معلم واستاد ہیں۔ آپ کے چند اشعار بھی ہیں۔ سنہ ۹۲ھ میں اور بقول بعض سنہ ۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ بھی اکابر تابعین سے ہیں۔ بعض نے ان کو صحابہ میں ذکر کیا ہے۔ اور ان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ثابت کی ہے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔ ابن سعد نے کہا آپ تابعی ہیں اور کثیر الفتوی ہیں اور بہت بڑے محدث ہیں۔ سنہ ۷۴ھ میں فوت ہوئے۔

[۵۲] تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے قول مبارک سے واقعہ بیان کرنا شروع کر دیا۔

[۵۳] اصل میں لفظ مخضب میم کی زیر خا ساکن۔ فتح ضاد بانقطہ والی سے۔ ایک قسم کا برتن ہے۔

[۵۴] اور میں نے آپ کے لیے مخضب میں پانی رکھا۔

[۵۵] بے ہوشی جب کہ مرض کی جنس سے ہو تو اس کا انبیاء علیہم السلام پر طاری ہونا جائز ہے۔ بخلاف دیوانگی کے کہ

وہ نقص و عیب ہے اور شافعی حضرات نے یہ قید لگائی ہے کہ بے ہوشی زیادہ وقت تک نہ ہو۔

۵۶ آخرہ کا لفظ نماز مغرب سے احتراز کے لیے ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ مغرب کو بھی عشاء کہتے دیتے ہیں۔

۵۷ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ ابتداءً نہ جانتے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت ہی ضروری اور لازم ہے اور یہ کہ آپ کا حکم وجوب کے لیے ہے آخر کار انہیں معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق کے لیے امامت کرنا واجب و ضروری ہے جیسا کہ دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔

۵۸ اور یہ سترہ دن کا عرصہ تھا۔

۵۹ بعض نسخوں میں من نفسہ کے بجائے فی نفسہ آیا ہے۔ یعنی آپ نے اپنی ذات میں ہلکا پن اور آرام محسوس کیا۔

۶۰ یہاں یہ سوال کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عباس کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام کیوں نہ لیا۔ بعض نے کہا حضرت عائشہ کی حضرت علی کے ساتھ کچھ ناراضگی تھی۔ اور ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ واقعہ افک میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کی بریت زور شور سے نہ کی تھی جس طرح کہ دوسرے صحابہ کرام نے کی تھی۔ جیسا کہ سیاق قصہ افک سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر یہ وجہ ضعیف ہے۔ کیونکہ حضرت عائشہ نے حضرت علی کا کئی مواقع میں نام لیا ہے اور اس واقعہ افک کے بعد حضرت علی کی مدح بھی کی ہے۔ تو حاشا و کلا کہ نام نہ لینے کی وجہ یہ ہو۔ اور ناراضگی اس حد تک پہنچی ہوئی ہو کہ حضرت عائشہ حضرت علی کا اپنی زبان پر نام لانا بھی گوارا نہ کریں۔ بلکہ بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث کی ایک روایت میں حضرت عائشہ نے آپ، کا نام بھی لیا ہے۔ لہٰذا درست اور ٹھیک بات وہ ہے جو بعض نے کہی ہے کہ نام نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ دوسری جانب کا آدمی مقرر و متعین نہ تھا جس طرح حضرت عباس دوسری جانب متعین تھے۔ بلکہ دوسری جانب باری باری لوگ آپ کو تھامتے تھے۔ کبھی حضرت علی کبھی حضرت اسامہ یا حضرت فضل بن عباس۔ اسی لیے ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ نے کہا دوسری جانب اہل بیت میں سے ایک مرد تھا۔ تاکہ بطریق اجمال سب کو شامل ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۰۸۰/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ مَنْ اَدْرَکَ الرَّکْعَۃَ فَقَدْ اَدْرَکَ السَّجْدَۃَ وَمَنْ فَاتَتْہُ قِرَاءَۃُ اُمِّ الْقُرْاٰنِ فَقَدْ فَاتَہٗ خَیْرٌ کَثِیْرٌ۔
(رَوَاہُ مَالِکٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرمایا کرتے تھے جس نے رکعت پالی اس نے سجدہ پا لیا[۱] اور جس کی سورۃ ام القرآن (سورۃ فاتحہ) فوت[۲] ہو گئی اس کی خیر کثیر فوت ہو گئی۔
(مالک)

---

[۱] یعنی جس نے رکوع پا لیا اس نے رکعت پالی۔ یہاں رکعت کو سجدہ سے تعبیر کیا۔ کیونکہ سجدہ سے رکعت مکمل ہوتی ہے۔

۲ے یہ حدیث سورۂ فاتحہ کی عدم فرضیت پر دلالت کرتی ہے۔ شیخ ابن حجر اپنی شرح میں کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے جس کی سورۃ فاتحہ امام کے پیچھے مسبوق ہونے کی وجہ سے فوت ہوگئی اور یہ کہ حدیث مسبوق کے بارے میں ہے۔ جو دیر کے بعد آتا ہے اور فاتحہ نہیں پڑھ سکتا اور اس میں جماعت کو ابتداء میں ہی پانے کی ترغیب دینا تاکید ہے تاکہ یہ خیر کثیر فوت نہ ہو۔ یعنی اگر یہ اس نے رکوع پا لینے سے رکعت پالی لیکن اس کا ثواب کثیر سورۂ فاتحہ کے فوت ہونے کی وجہ سے فوت ہوگیا۔

۱۰۸۱ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ الَّذِیْ یَرْفَعُ رَاْسَهٗ وَ یَخْفِضُهٗ قَبْلَ الْاِمَامِ فَاِنَّمَا نَاصِیَتُهٗ بِیَدِ الشَّیْطٰنِ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

انہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے کہا جو شخص اپنا سر امام سے پہلے اوپر اور نیچے کرتا ہے تو اس کی پیشانی شیطان کے ہاتھ میں ہوتی ہے[لہ]۔ (مالک)

لہ کہ وہ اس کی پیشانی کو خلاف شریعت اور خلاف سنت ہلاتا اور پھیرتا ہے۔

بَابُ مَنْ صَلّٰی صَلٰوةً مَرَّتَیْنِ

وہ آدمی جو ایک نماز دو مرتبہ پڑھے

یعنی یہ باب اس شخص کے حال کے بیان میں ہے جو نماز دوبارہ ادا کرے۔ اور یہ مختلف صورتوں کو شامل ہے۔ اس سے مقصود و مطلوب جیسا کہ احادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب ایک آدمی فرض نماز ادا کرے پھر مسجد جماعت میں آیا تو پھر جماعت کے ساتھ ادا کرے اس تفصیل کے مطابق جو فقہ میں مذکور ہے۔ اور اس اختلاف کے مطابق جو آئمہ کے درمیان واقع ہے اس کا کچھ حصہ باب اوقات ممنوعہ میں گزر چکا ہے اور اگر اس نے ایک بار جماعت سے ادا کر لی ہو اس کے بعد لوگوں کی امامت کرے جیسا کہ حدیث معاذ میں آرہا ہے۔ اور شافعیہ کے نزدیک تکرار فرض سے موسوم ہے۔ تاہم یہ حقیقۃً تکرار فرض نہیں بلکہ دوسری بار پڑھنا نفل ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک قول مشہور کے مطابق فرض کی نیت کرے اور اس صورت میں لازم آتا ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل والے کی اقتدا کرے اور یہ ان کے نزدیک جائز ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

۱۰۸۲ عَنْ جَابِرٍ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت

جَبَلٍ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ يَأْتِيْ قَوْمَهٗ فَيُصَلِّيْ بِهِمْ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے پھر اپنی قوم میں آتے اور ان کی امامت[1] کرتے۔ (بخاری و مسلم)

[1] اور مسلم میں یہ لفظ بھی ہے۔ تلک الصلوٰۃ۔ یعنی وہ نماز اپنی قوم میں آکر دوبارہ بصورت امام پڑھتے جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہوتی تھی اور بخاری میں اس طرح ہے۔ الصلوٰۃ المکتوبۃ۔ یعنی آپ اپنی قوم میں آکر وہی فرض نماز دوبارہ بصورت امام ادا کرتے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہوتی تھی۔

۱۰۸۳/۲ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّيْ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَآءَ ثُمَّ يَرْجِعُ اِلٰى قَوْمِهٖ فَيُصَلِّيْ بِهِمُ الْعِشَآءَ وَهِيَ نَافِلَةٌ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَالْبُخَارِيُّ۔

انہیں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عشاء پڑھتے۔ پھر اپنی قوم میں تشریف لاتے اور انہیں نماز عشاء پڑھاتے اور یہ ان کی نفل نماز ہوتی تھی[1]۔ (بیہقی۔ دار قطنی)

[1] اور قوم کی یہ فرض نماز ہوتی تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل والے کے ساتھ درست ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ وھی لہٗ نافلۃ کا جملہ بخاری و مسلم میں نہیں ہے۔ شرح شیخ ابن حجر میں کہا کہ عبدالرزاق شافعی اور طحاوی نے یہ جملہ روایت کیا ہے اور مشکوٰۃ میں یہاں بیاض ہے۔ بعض نے کہا یہ زائد جملہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا ہے جو انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر کہا ہے اسی وجہ سے امام شافعی کے علاوہ کسی اور نے ان زائد الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔ اور کتاب مشکوٰۃ میں یہاں بیاض (سفید جگہ) ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولف کو سنن میں سے کسی کتاب میں یہ زائد الفاظ نہیں ملے۔ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ نے کہا کہ علمائے حدیث نے کہا قول وھی لہٗ نافلۃ حدیث جابر میں غیر محفوظ ہے۔ امام احمد کی حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ سے فرمایا اے معاذ ہمارے ساتھ نماز ادا کر یا اپنی قوم کے لیے آسانی اور تخفیف کر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ لینے کی صورت میں انہیں اپنی قوم کی امامت نماز نہ کرنی چاہیے تھی کیونکہ اس صورت میں حضرت معاذ کی قوم کے ساتھ نماز نفل ہوگی اور اس صورت میں فرض والے کی اقتدا نفل والے کے ساتھ ہوگی جو جائز نہیں ہے۔ اور امام احمد کی یہ حدیث اس زیادتی کے منافی ہے۔ حضرت معاذ کی نماز کا قصہ باب قرأت میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۰۸۴/۳ عَنْ زَيْدِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّتَهٗ فَصَلَّيْتُ مَعَهٗ صَلٰوةَ الصُّبْحِ فِيْ مَسْجِدِ الْخَيْفِ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ وَانْحَرَفَ فَاِذَا هُوَ بِرَجُلَيْنِ فِيْ اٰخِرِ الْقَوْمِ لَمْ يُصَلِّيَا مَعَهٗ قَالَ عَلَيَّ بِهِمَا فَجِيْءَ بِهِمَا تُرْعَدُ فَرَائِصُهُمَا فَقَالَ مَا مَنَعَكُمَا اَنْ تُصَلِّيَا مَعَنَا فَقَالَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا كُنَّا قَدْ صَلَّيْنَا فِيْ رِحَالِنَا قَالَ فَلَا تَفْعَلَا اِذَا صَلَّيْتُمَا فِيْ رِحَالِكُمَا ثُمَّ اَتَيْتُمَا مَسْجِدَ جَمَاعَةٍ فَصَلِّيَا مَعَهُمْ فَاِنَّهَا لَكُمَا نَافِلَةٌ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ۔

دوسری فصل

حضرت زید[1] بن الاسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے حج میں حاضر ہوا[2]۔ تو میں نے آپ کے ساتھ مسجد خیف[3] میں نماز فجر پڑھی جب آپ نماز پوری کر چکے اور پھرے تو نمازیوں کے آخر میں دو شخص[4] تھے جنہوں نے آپ کے ساتھ نماز نہ پڑھی تھی۔ فرمایا انہیں میرے پاس لاؤ انہیں لایا گیا کہ ان کے کندھے کانپ رہے[5] تھے فرمایا تمہیں ہمارے ساتھ نماز پڑھنے سے کس چیز نے روکا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنی منزلوں[6] میں نماز پڑھ چکے تھے۔ فرمایا ایسا نہ کرو[7] جب تم اپنی منزلوں میں نماز پڑھ لو۔ پھر جماعت کی مسجد میں آؤ تو ان کے ساتھ بھی پڑھ لو۔ کہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔

(ترمذی، ابوداؤد)

(نسائی)

[1] انہیں شرف صحابیت حاصل ہے۔ اہل طائف میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی حدیث اہل کوفہ کے پاس ہے۔ بعض نے انہیں یزید بن ابی الاسود کہا ہے۔

[2] جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔

[3] یہ مسجد منیٰ میں ہے۔ خیف دراصل پہاڑ کے دامن میں واقع گہرائی اور نشیب کو کہتے ہیں۔ یہ مسجد چونکہ ایسے ہی نشیب میں واقع ہے۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔

[4] یہ دو آدمی سب سے آخر میں بیٹھے ہوئے تھے۔

[5] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوف اور ہیبت کی وجہ سے۔ کیونکہ آپ کے غضب و جلال کے وقت پہاڑ بھی اپنی جگہ پر قائم نہ رہ سکتا تھا۔ فرائص فریصہ (فا اور صاد مہملہ) کی جمع ہے۔ یعنی گوشت کا وہ ٹکڑا جو پہلو

اور کندھے کے درمیان ہوتا ہے اور خوف و ڈر کے وقت لرز اٹھتا ہے۔ کبھی گائے کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا یہ حصہ لرز اٹھتا ہے۔ اور لوگ اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

[۵۶] اور اس جگہ میں پڑھ لی ہے جہاں ہم نے اپنا اپنا سامان رکھا ہوا ہے۔

[۵۷] یعنی نماز کی جماعت کے وقت اپنی منزلوں اور جا ہائے رہائش میں داخل نہ ہوا کرو۔

[۵۸] خواہ پہلے تم نے با جماعت نماز ادا کی ہو یا بغیر جماعت کے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۰۸۵/۴ عَنْ بُسْرِ بْنِ مِحْجَنٍ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّهٗ كَانَ فِیْ مَجْلِسٍ مَّعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاُذِّنَ بِالصَّلٰوةِ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى وَرَجَعَ وَمِحْجَنٌ فِیْ مَجْلِسِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ اَنْ تُصَلِّیَ مَعَ النَّاسِ اَلَسْتَ بِرَجُلٍ مُّسْلِمٍ فَقَالَ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلٰكِنِّیْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِیْ اَهْلِیْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا جِئْتَ الْمَسْجِدَ وَكُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ فَاُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَصَلِّ مَعَ النَّاسِ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَّالنَّسَائِیُّ)

تیسری فصل

حضرت بُسر[۱] بن مِحجَن[۲] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ نماز کی اذان ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ نماز پڑھی اور واپس ہوئے مِحجن اپنی جگہ پر ہی رہے[۳]۔ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے تمہیں کس چیز نے روکا۔ کیا تم مسلمان نہیں ہو۔ انہوں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ۔ لیکن میں اپنے گھر میں نماز پڑھ چکا تھا۔ تب ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں آؤ اور تم نے پہلے نماز پڑھ لی ہو اور نماز کی تکبیر کہی جائے تو لوگوں کے ساتھ نماز پڑھ لو۔ اگرچہ پہلے پڑھ چکے ہو۔

(مالک)

(نسائی)

---

[۱] بُسر با موحدہ اور سین مہملہ کے ساتھ۔

[۲] مِحجَن میم کی زیر۔ حا ساکن اور جیم کی زبر۔ صحیح تر قول کے مطابق حضرت بسر تابعی ہیں۔ اور ان کے باپ حضرت محجن صحابی ہیں۔

[۳] اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز نہ پڑھی۔ یہاں حضرت محجن نے اپنے آپ کو لفظ غائب سے تعبیر کیا اور یوں نہ کہا کہ میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ یہ انداز بیان آپ نے اس لیے اختیار کیا تاکہ اس منصب کو صریحًا اپنی طرف نسبت کرنے سے گریز کریں اور اپنے آپ کو مقام حضور سے کم مرتبہ تصور کرنے کی وجہ سے بھی۔

۱۰۸۶/۵ وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَسَدِ بْنِ خُزَيْمَةَ اَنَّهٗ سَاَلَ اَبَا اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيَّ قَالَ يُصَلِّيْ اَحَدُنَا فِيْ مَنْزِلَةِ الصَّلٰوةَ ثُمَّ يَاْتِي الْمَسْجِدَ وَتُقَامُ الصَّلٰوةُ فَاُصَلِّيْ مَعَهُمْ فَاَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ شَيْئًا مِّنْ ذٰلِكَ فَقَالَ اَبُوْ اَيُّوْبَ سَاَلْنَا عَنْ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَذَالِكَ لَهٗ سَهْمُ جَمْعٍ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَّاَبُوْ دَاؤدَ)

اسد[۱] بن خزیمہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ اس نے حضرت ابو ایوب[۲] انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ہم میں سے کوئی آدمی[۳] اپنی جگہ نماز پڑھ لے۔ پھر مسجد میں آئے اور نماز کی تکبیر ہو گیا میں ان کے ساتھ نماز پڑھ لوں۔ میرے دل میں اس سے کچھ شبہ[۴] ہے۔ ابو ایوب نے کہا کہ ہم نے اس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا یہ اس کے لیے ڈبل حصہ[۵] ہے۔

(مالک)

(ابوداؤد)

[۱] لفظ اسد شیر کے لیے مشہور ہے۔ اور مضر کے ایک قبیلہ کے باپ کا نام بھی ہے۔ اور اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہے۔

[۲] حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہجرت میں انہی کے گھر کو اپنی تشریف آوری سے شرف فرمایا۔ اور انہیں کے گھر قیام فرمایا تھا۔

[۳] یہ وہ اپنی ذات سے کنایہ کر رہے ہیں میں گھر میں نماز ادا کرتا ہوں پھر مسجد میں آتا ہوں۔

[۴] یعنی مکرر نماز پڑھنے اور نفل و فرض میں امام کی مخالفت کی بنا پر۔ بعض نے کہا اجد فی نفسی شیاء من ذالک سے مراد سے خوشی، راحت، اُنس اور حضور قلب مراد ہے۔

[۵] کہ اسے جماعت کا ثواب ملے گا۔ اس لیے کوئی خدشہ اور کراہت نہ ہونی چاہیے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے جماعت کی فضیلت اور اس کا ثواب ملتا ہے۔ اور عبارت کا معنی دوسری توجیہ سے بالکل ظاہر ہے۔ یعنی تو جو جماعت میں کثرت سے ہو کر اپنے اندر سکون، حضور اور نورانیت محسوس کرتا ہے یہ سب جماعت کا اثر ہے۔

۱۰۸۷/۶ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ جِئْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت یزید[۱] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الصَّلٰوةِ فَجَلَسْتُ وَلَمْ اَدْخُلْ مَعَهُمْ فِي الصَّلٰوةِ فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰنِيْ جَالِسًا فَقَالَ اَلَمْ تُسْلِمْ يَا يَزِيْدُ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللهِ قَدْ اَسْلَمْتُ قَالَ وَمَا مَنَعَكَ اَنْ تَدْخُلَ مَعَ النَّاسِ فِيْ صَلٰوتِهِمْ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ قَدْ صَلَّيْتُ فِيْ مَنْزِلِيْ اَحْسَبُ اَنْ قَدْ صَلَّيْتُمْ فَقَالَ اِذَا جِئْتَ الصَّلٰوةَ فَوَجَدْتَ النَّاسَ فَصَلِّ مَعَهُمْ وَاِنْ كُنْتَ قَدْ صَلَّيْتَ تَكُنْ لَكَ نَافِلَةً وَّهٰذِهٖ مَكْتُوْبَةٌ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آپ نماز میں تھے تو بیٹھ گیا اور ان کے ساتھ نماز میں شامل نہ ہوا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو مجھے بیٹھا ہوا دیکھا فرمایا اے یزید تم مسلمان نہیں ہوئے۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ فرمایا تمہیں لوگوں کے ساتھ نماز میں شرکت سے کس نے منع کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نماز اپنی جگہ میں پڑھ چکا ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ آپ حضرات نماز پڑھ چکے ہیں۔ فرمایا جب تم نماز کو آؤ۔ اور لوگوں کو پاؤ تو ان کے ساتھ نماز پڑھو۔ اگرچہ تم پہلے پڑھ چکے ہو یہ نماز تمہاری نفل ہو جائے گی۔ اور وہ فرض ہے[2]

(ابوداؤد)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی

---

[1] یزید یا اور زا سے۔ آپ صحابی ہیں۔ جنگ حنین میں مشرکین کے ساتھ اسلامی مجاہدین کے مقابلے کے لیے آئے بعد میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

[2] یعنی پہلی نماز فرض ہو جائے گی۔ یہ معنیٰ بظاہر ان احادیث کے موافق ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ دوسری نماز نفل ہو گی۔ کیونکہ فرض نماز تو پہلی بار پڑھنے سے اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ لفظ تکن کی ضمیر اس نماز کی طرف لوٹتی ہے جو اس نے پہلے ادا کی ہوتی ہے۔ اور لفظ ھذہٖ سے اس دوسری نماز کی طرف اشارہ ہے جو اس نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہوتی ہے اور کہا کہ وہ نماز واقع میں وقت کے اندر ادا ہوئی اور قضاءً و ذمے سے ساقط کر دیتی ہے، نفل نماز کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور وہ نماز جو اس نے جماعت کے ساتھ ادا کی ہوتی ہے اور قضا کو ذمہ سے ساقط نہیں کرتی۔ فرض نماز کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس دلیل کی بنا پر کہ اصل نماز وہی ہے جو جماعت کے ساتھ ادا کی جائے اور جو نماز با جماعت ادا نہیں ہوتی اس کا کوئی اعتبار اور اس کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ اس میں غور کرو۔

سَاَلَہٗ فَقَالَ اِنِّیْ اُصَلِّیْ فِیْ بَیْتِیْ ثُمَّ
اُدْرِکُ الصَّلٰوۃَ فِی الْمَسْجِدِ مَعَ
الْاِمَامِ اَفَاُصَلِّیْ مَعَہٗ قَالَ لَہٗ
نَعَمْ قَالَ الرَّجُلُ اَیَّتَہُمَا اَجْعَلُ
صَلٰوتِیْ قَالَ ابْنُ عُمَرَ وَ ذٰلِكَ
اِلَیْكَ اِنَّمَا ذٰلِكَ اِلَی اللّٰہِ عَزَّ وَ
جَلَّ یَجْعَلُ اَیَّتَہُمَا شَآءَ۔
(رَوَاہُ مَالِكٌ)

شخص نے ان سے پوچھا کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھتا ہوں، پھر امام کے ساتھ مسجد میں نماز پاتا ہوں۔ کیا اس کے ساتھ بھی پڑھوں؟ فرمایا ہاں۔ اس نے کہا کہ ان دونوں میں سے اپنی نماز کسے سمجھوں[1]۔ حضرت ابن عمر نے فرمایا کیا یہ تمہارا کام ہے؟[2] یہ تو اللہ عزوجل کا کام ہے کہ ان میں سے جسے فرض نماز قرار دے (مالک)

[1] یعنی پہلی کو اپنی نماز فرض قرار دوں یا دوسری کو یعنی ان میں سے فرض نماز کونسی ہوگی۔

[2] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے استفہام کے طور پر کہا کہ ان دو نمازوں میں سے ایک کو فرض کی حیثیت دینا تیرا کام نہیں۔ بعض میں و ما ذالک ایک نفی کے ساتھ آیا ہے یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ ان دو میں سے جسے چاہے فرض قرار دے۔ اس حدیث میں اس چیز کی تائید ہے جس کی طرف بعض شافعیہ گئے ہیں اور اسے امام غزالی رحمہ اللہ نے اختیار کیا کہ ان دو میں سے کوئی ایک غیر معین نماز فرض ہے۔ تاہم اکثر احادیث اس بارے میں صریح ہیں کہ دوسری نماز نفل ہے۔ اور پہلی فرض اور یہی معنیٰ قیاس کے بھی موافق ہے۔ کیونکہ بندہ پہلی نماز ادا کرنے سے فرض سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اس لیے پہلی نماز فرض نماز قرار پائے گی۔ واللہ اعلم۔

۱۰۸۹ وَ عَنْ سُلَیْمَانَ مَوْلٰی مَیْمُوْنَۃَ
قَالَ اَتَیْنَا ابْنَ عُمَرَ عَلَی الْبَلَاطِ
وَ ہُمْ یُصَلُّوْنَ فَقُلْتُ اَلَا تُصَلِّیْ
مَعَہُمْ قَالَ قَدْ صَلَّیْتُ وَ اِنِّیْ
سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تُصَلُّوْا صَلٰوۃً
فِیْ یَوْمٍ مَرَّتَیْنِ۔

حضرت سلیمان[1] مولیٰ میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ مقام بلاط[2] میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے۔ لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں نے عرض کیا کہ کیا آپ انکے ساتھ نماز نہیں پڑھتے فرمایا میں پڑھ چکا ہوں اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ایک دن میں ایک نماز کو دوبار نہ پڑھو[3] (احمد۔ ابوداؤد، نسائی)

[1] حضرت سلیمان ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اکابر تابعین میں سے ہیں ثقہ فقیہ فاضل عابد متقی اور دلیل وحجت ہیں۔ اور سات فقہا میں سے ہیں۔ انہیں سلیمان بن یسار بھی کہتے ہیں۔ بعض نے کہا سلیمان مولائے میمونہ سلیمان بن یسار نہیں ہیں مگر اس میں نظر و اعتراض ہے۔

ے ۲ بلاط با اور لام مخفف سے مدینہ پاک میں ایک جگہ کا نام ہے جسے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لیے مسجد کے باہر بنایا تھا۔ تاکہ آپس میں لوگ بات چیت کرنا چاہیں تو وہاں بیٹھ کر کریں مسجد میں بیٹھ کر نہ کریں۔ بلاط در اصل ایک قسم کا پتھر ہے۔ جیسا کہ بعض شروح میں آیا ہے صراح میں ہے بلاط وہ پتھر جو حویلی کے صحن میں بچھائے جاتے ہیں۔

ے ۳ یہ حدیث بظاہر گذشتہ احادیث اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کے خلاف ہے۔ ان احادیث کے درمیان تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے جو پہلی نماز جماعت سے ادا کر چکا ہو۔ اور دوسری احادیث اس شخص کے بارے میں ہیں جس نے پہلی نماز اکیلے پڑھی ہو۔ جیسا کہ احناف کا مذہب ہے۔ یا اس شخص کے بارے میں ہے جو اکیلا نماز پڑھنا چاہتا ہو۔ اور شافعی حضرات کا مذہب یہ ہے کہ اس کی اکیلے نماز ہی نہ ہوگی۔ اور صحیح اور درست قرار نہ دی جائے گی۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔ کیونکہ اصل دستور یہ ہے کہ ایک بار نماز پڑھنے کے بعد دوبارہ اس کا اعادہ نہ کیا جائے۔ مگر اس جگہ جہاں اس کا اعادہ کرنا وارد ہوا ہے جیسے جماعت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے اسے دوبارہ پڑھنا۔ لہٰذا اعادہ صرف وہاں ہوگا جہاں اسکا اعادہ وارد ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے اور یہ تاویل آپ کے قول مبارک الا تصلی معہم (قوان کے ساتھ نماز پڑھ لیا کرو) کے منافی ہے۔ کیونکہ یہ ارشاد جماعت میں شمولیت کے بارے میں ظاہر ہے اور علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث کی صحت اور حسن میں بھی کلام ہے اور جو احادیث اس کے خلاف پر دلالت کرتی ہیں وہ اس سے صحیح یا صحیح تر ہیں۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کو دوبارہ اقامت صلوٰۃ پراختیار کے طور پر حمل کیا جائے گا یا اس صورت پر حمل کیا جائے گا جب کہ نماز پہلے جماعت کے ساتھ پڑھ لی ہو اور بے شک بعض محدثین نے گمان کیا ہے کہ یزید بن الاسود کی حدیث ابن عمر کی حدیث کی ناسخ ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ بات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حجۃ الوداع کے موقعہ پر سنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے آخری ایام ہیں۔ اور کہا یہ قول درست نہیں کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے ساتھ رہے ہیں۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر نے آپ سے حضرت یزید بن الاسود کے بعد سنا ہو۔ لہٰذا نسخ پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ۔ اکثر احادیث ہر نماز کے لیے عام ہیں لیکن مجتہدین نے دوسری احادیث کے پیش نظر جو بعض اوقات میں کراہت نماز پر دلالت کرتی ہیں۔ ان کی تخصیص کی ہے۔ جیسا کہ اس آئندہ حدیث کی بناء پر تخصیص کی ہے۔

۹ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اِنَّ عَبْدَاللّٰهِ
اِبْنَ عُمَرَ كَانَ يَقُوْلُ مَنْ صَلَّى
الْمَغْرِبَ اَوِ الصُّبْحَ ثُمَّ اَدْرَكَهُمَا
مَعَ الْاِمَامِ فَلَا يُعِدْ لَهُمَا
(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع ۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت
عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے جس نے مغرب
یا فجر کی نماز پڑھ لی پھر اس نے یہی نماز امام کے
ساتھ پالی تو اب انہیں نہ لوٹائے ۲۔

(۱۰ مک)

۱ے حضرت نافع حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد غلام ہیں۔ بلند پایہ فقیہ اور اکابر تابعین سے ہیں۔

۲ے فلا یُعید یا کی زبر عین کی پیش سے۔ یہ حدیث بظاہر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اور اگر مراد وہی ہے جو انہوں نے بطور روایت کہی ہے تو پھر یہ مرفوع ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی مؤید ہے۔ جو فرماتے ہیں کہ ان دو نمازوں کا اعادہ نہیں۔ احناف کے نزدیک نماز عصر بھی اس میں داخل ہے۔ امام شافعی کے نزدیک مطلقاً ہر نماز کا اعادہ جائز ہے۔ اس حدیث میں اس جانب بھی اشارہ موجود ہے کہ اس نے پہلی نماز جماعت سے نہ پڑھی تھی۔

بَابُ السُّنَنِ وَفَضَائِلِهَا

سنتوں اور ان کے فضائل کا باب

سنتوں سے وہ نمازیں مراد ہیں جو دن رات میں فرض نمازوں کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ بلاناغہ پڑھی ہیں۔ دوسروں کو ان کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ہو یا نہ فرمائی ہو۔ جیسے عصر کی سنتیں کہ ان کی تاکید نہیں فرمائی۔ قسم اول (جن کی تاکید فرمائی) کو سنن رواتب کہتے ہیں۔ رواتب رتوب سے مشتق ہے یعنی دوام وثبوت۔ ترتیب بھی اسی سے مشتق ہے۔ ممکن ہے سنن راتبہ سنن مؤکدہ سے عام ہوں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۰۹ عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ

پہلی فصل

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اس کے لیے جنت میں گھر بنایا جائے گا: چار ظہر سے پہلے دو ظہر کے بعد دو رکعت مغرب کے بعد دو عشاء کے بعد اور دو رکعتیں فجر سے پہلے (ترمذی نے)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کوئی مسلمان بندہ ایسا نہیں کہ اللہ کے لیے ہر دن

يُصَلِّيْ لِلّٰهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيْضَةٍ اِلَّا بَنَى اللّٰهُ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ اَوْ اِلَّا بُنِيَ لَهٗ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ۔ [۴]

بارہ رکعتیں نفل پڑھا کرے فرض کے علاوہ مگر اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔ یا جنت میں گھر بنایا جائے گا۔

۱؎ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سے ہیں۔ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ہمشیرہ ہیں۔

۲؎ نماز ظہر کا ذکر سب سے پہلے کیا کیونکہ اوقات نماز کی تعلیم کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام نے سب سے پہلے اسی نماز کی امامت کی۔ اسی وجہ سے اس نماز کو صلوٰۃ الاولیٰ بھی کہتے ہیں اور فارسی میں اس کا ترجمہ ہے نماز پیشین۔ یعنی پہلی نماز۔

۳؎ مصابیح میں یہ حدیث فصل اول میں ذکر کی گئی جو بخاری و مسلم کی احادیث کے لیے مقرر ہے

۴؎ یہاں دن سے دن رات مراد ہے اور غیر فریضہ کا لفظ تطوع (نفل) کی تاکید کے لیے ہے۔

۱۰۹۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهٖ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهٖ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت ظہر سے پہلے اور دو رکعت ظہر کے بعد اور دو رکعت مغرب کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں پڑھیں[۱] اور دو رکعت عشاء کے بعد آپ کے گھر میں اور کہا کہ مجھ سے حضرت حفصہ نے[۲] بیان کیا کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلوع فجر کے ساتھ دو ہلکی رکعتیں پڑھا کرتے تھے[۳]۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یہ حدیث حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ کی دلیل ہے کہ ظہر سے پہلے سنت دو رکعت ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث اختلاف الفاظ کے ساتھ مختلف کتب حدیث میں موجود ہے۔ احناف کے نزدیک ظہر سے قبل چار رکعت سنت ہیں اور اس کے ثبوت میں بھی احادیث وارد ہیں۔ جو کہ حضرت علی حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں۔ ترمذی نے کہا صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ ان کے بعد والے بھی اکثر اسی پر ہیں۔ اور یہی سفیان ابن المبارک اور اسحاق کا قول ہے۔ امام شافعی اور امام احمد سے بھی چار رکعت کا ایک قول موجود ہے۔ لیکن دو سلام کے ساتھ۔ ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی چار اور کبھی دو رکعت پڑھتے ہوں جس صحابی نے جو دیکھا اس کی روایت کر دی۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گھر میں چار رکعت پڑھتے ہوں۔ ازواج مطہرات نے ان کی روایت کی ہو۔ اور جب مسجد میں تشریف لاتے ہوں تو دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھتے ہوں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں ظہر کی سنتیں گمان کر لیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اعتقاد یہ ہو کہ ظہر سے پہلے سنت دو رکعت ہیں اور چار رکعت جو آپ ادا کرتے تھے وہ چاشت کی چار رکعت ہوتی تھیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

۵۲ اس سے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مراد ہے۔ اور حضرت ابن عمران کے بھائی ہیں۔

۵۳ اور جب کہ اس وقت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں موجود نہ ہوتے تھے۔ اس لیے حضرت حفصہ سے سن کر یہ روایت کی۔ یہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ حضرت ابن عمر نے کہا یہ وہ وقت ہے کہ میں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو رکعت بھی آپ گھر میں ہی پڑھتے تھے اور احادیث میں صراحۃً بھی ایسا آیا ہے۔ جیسا کہ باب صلوٰۃ اللیل میں آرہا ہے۔

۱۰۹۳ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَلِّيْ بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ فِيْ بَيْتِهٖ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

انہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ گھر میں آتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔

(بخاری و مسلم)

۱۰۹۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهٖ فَقَالَتْ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ بَيْتِيْ قَبْلَ الظُّهْرِ اَرْبَعًا ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْمَغْرِبَ ثُمَّ يَدْخُلُ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ الْعِشَآءَ وَيَدْخُلُ بَيْتِيْ فَيُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ وَكَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ فِيْهِنَّ الْوِتْرُ

حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے گھر میں ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے۔ پھر تشریف لے جاتے لوگوں کو نماز پڑھاتے[۵۴] اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعت پڑھتے اور لوگوں کو نماز مغرب پڑھاتے پھر تشریف لاتے اور دو رکعتیں پڑھتے پھر لوگوں کو عشاء پڑھاتے اور میرے گھر میں تشریف لاتے تو دو رکعتیں پڑھتے اور رات میں نو رکعتیں پڑھتے تھے[۵۵] جن میں وتر بھی ہیں[۵۶] اور رات میں بہت

وَكَانَ يُصَلِّيْ لَيْلًا طَوِيْلًا قَاعِدًا وَقَالَ إِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ وَكَانَ إِذَا قَرَأَ قَاعِدًا رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَاعِدٌ وَكَانَ إِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَزَادَ أَبُوْ دَاوٗدَ ثُمَّ يَخْرُجُ فَيُصَلِّيْ بِالنَّاسِ

دیر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے اور بہت دیر تک بیٹھ کر۔ اور جب کھڑے[4] ہوتے قراءت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی کھڑے[5] ہوئے ہی کرتے اور جب بیٹھ کر قراءت کرتے تو رکوع اور سجدہ بھی بیٹھ کر ہی کرتے۔ اور جب فجر طلوع ہوتی تو دو رکعتیں پڑھتے[6] مسلم۔ اور ابو داؤد نے یہ بڑھایا کہ پھر جاتے۔ لوگوں کو فجر پڑھاتے۔

[1] حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ مشاہیر تابعین سے ہیں اور ان میں ثقہ شخصیت ہیں۔ آپ نے حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عائشہ حضرت ابوذر اور دیگر صحابہ سے احادیث سنیں۔ ۱۰۸ھ میں فوت ہوئے۔

[2] یعنی ظہر کے فرض پڑھاتے

[3] یعنی وتر نماز ایک رکعت یا تین رکعت، رات کی نماز کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف روایات ہیں۔ چھ، آٹھ، نو، دس گیارہ اور تیرہ رکعت آپ کا یہ مختلف عمل مختلف اوقات میں ہوتا تھا۔ اس کی مزید تحقیق اپنی جگہ ئے گی۔

[4] یعنی رکوع و سجود کے لیے حالت قیام سے منتقل ہوتے۔ ایسا نہ کرتے کہ پہلے بیٹھتے پھر رکوع اور سجدہ کرتے۔

[5] اس صورت میں کھڑے ہو کر رکوع اور سجدہ کو جانے کا ذکر بھی آیا ہے۔ یعنی بیٹھ کر قراءت کرتے۔ پھر رکوع و سجدہ کے لیے پہلے بیٹھے ہوں اور پھر رکوع و سجدہ کیا ہو۔ خلاصہ یہ کہ آپ کی نماز تین صورتوں میں ہوتی تھی۔ پوری نماز کھڑے ہو کر۔ پوری نماز بیٹھ کر۔ قراءت بیٹھ کر۔ اور رکوع و سجدہ کھڑے ہو کر۔ ایسی صورت نہ ہوتی تھی کہ قراءت کھڑے ہو کر کریں اور رکوع و سجدہ بیٹھ کر۔

[6] یعنی دو رکعت سنت فجر

۱۰۹۵/۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنَ النَّوَافِلِ أَشَدَّ تَعَاهُدًا مِّنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی سنتوں سے زیادہ کسی نفل کی حفاظت نہ فرماتے تھے۔[1]
(بخاری و مسلم)

[1] یعنی جس طرح کی حفاظت و پابندی فجر کی دو سنتوں کی کرتے تھے کسی اور سنت کی نہ کرتے تھے۔ یعنی آپ کے

نزدیک یہ دو سنتیں سب سے زیادہ تاکید والی تھیں۔ چنانچہ آپ سفر و حضر میں کبھی ان کو ترک نہ فرماتے۔ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ فجر کی ان سنتوں کو بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ہے

۱۰۹۶/۶ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی دو رکعتیں دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے سب سے بہتر ہیں۔[1] (مسلم)

[1] فجر کی دو سنتیں بہتر ہیں اس عالم سفلی سے و اس مقام ساز و سامان سے جو اس میں ہے۔ اگرچہ اسے راہِ خدا میں ہی صرف کیا جائے۔ جیسا کہ اس کی فضیلت میں آیا ہے کہ یہ دو رکعتیں تمہارے لیے اس سے بہتر ہیں کہ تم لوگ اس کے راستہ میں سونا چاندی بھی خرچ کرو۔ اس معنیٰ کے مطابق سنتوں کا بہتر ہونا درست ہے کیونکہ مطلب یہ بنتا ہے کہ اگرچہ راہ خدا میں خرچ کرنا بھی بہتر ہے۔ مگر فجر کی سنتیں اس سے بھی بہتر ہیں۔ اور دنیا کا وہ ساز و سامان جسے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے لوگ بخل کرتے ہیں اس میں تو بالکل بہتری نہیں۔ تاکہ ان سنتوں کو اس سے بہتر قرار دیا جائے۔ اس لیے اس عبارت کی ایک توجیہہ علماء یہ کرتے ہیں کہ اہل دنیا کے زعم و اعتقاد کے مطابق کہ وہ ساز و سامان دنیوی کو بہت بہتر خیال کرتے ہیں۔ تو انہیں جاننا چاہیے کہ یہ سنتیں اس سے بہتر ہیں۔ اور تمہارے گمان و خیال کے مطابق بھی یہ عبادت بہتر اور اعلیٰ ہے۔ اس میں غور کرو۔

علماء نے کہا ہے کہ سب سنتوں سے زیادہ قوی اور مؤکد فجر کی سنتیں ہیں۔ پھر مغرب کی۔ اس کے بعد بعد ظہر کی دو سنتیں۔ اس کے بعد عشاء کی دو سنتیں۔ اور ان سب کے بعد ظہر کی چار سنتیں۔ بعض علماء نے کہا کہ ظہر کی پہلی چار اور بعد کی دو سنتیں قوت و تاکید میں برابر ہیں۔ جیسا کہ شمنی نے ذکر کیا۔

۱۰۹۷/۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةَ اَنْ يَّتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ[1] بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب سے پہلے دو سنتیں پڑھو مغرب سے پہلے دو سنتیں پڑھو۔ تیسری بار فرمایا جو چاہے اس خوف سے کہ لوگ اسے سنت بنا لیں۔[2] (بخاری و مسلم)

[1] مُغفل میم کی پیش۔ فا مشدد کی زبر اس کے بعد غین۔ آپ صحابی ہیں۔ اصحاب شجرہ الرضوان میں سے ہیں۔ پہلے مدینہ طیبہ میں سکونت پذیر رہے۔ پھر بصرہ میں رہائش اختیار کر لی۔ امام حسن بصری وغیرہ نے ان سے احادیث سنی ہیں۔

[2] یعنی میں نے لوگوں کی مشیت واختیار سے اسے معلق کیا ہے۔ اس امر کو ناپسند جانتے ہوئے کہ لوگ انہیں سنت موکدہ اور شریعت لازمہ دائمہ ہی تصور نہ کرلیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ میں نے اسے مستحب قرار دیا ہے تاکہ جو شخص ان کا ثواب لینا چاہے پڑھ لے۔ صحابہ وتابعین کے اکثر سلف وخلف کا عمل اسی پر ہے اور بعض سے فقہا اس کے خلاف ہیں۔ اس پر گفتگو باب فضل اذان میں گزر چکی ہے۔ اور حدیث بین کل اذانین صلوٰۃ میں بھی اس پر بحث ہوئی ہے فصل ثالث میں اس کے بارے میں مزید گفتگو آرہی ہے۔

۱۰۹۸/۸ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ مِنْکُمْ مُصَلِّیًا بَعْدَ الْجُمُعَةِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِیْ اُخْرٰی لَهٗ قَالَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعًا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص تم میں سے بعد جمعہ پڑھنا چاہے تو وہ چار رکعت پڑھے مسلم۔ اور مسلم ہی کی روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو اس کے بعد چار رکعت پڑھے[1]

[1] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے تیسری فصل میں حضرت عطا سے حضرت ابن عمر سے آرہا ہے کہ آپ بعد جمعہ چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اس مقام کی مکمل تحقیق ان شاء اللہ تعالیٰ باب الجمعۃ میں آرہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۰۹۹/۹ عَنْ اُمِّ حَبِیْبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَافَظَ عَلٰی اَرْبَعِ رَکَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَاَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے جس نے چار رکعت ظہر سے پہلے اور چار رکعت بعد ظہر پر پابندی کی اللہ تعالیٰ اسے آتش دوزخ پر حرام کردیتا ہے[1]

(احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد)

(نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] بعض روایات میں آیا ہے کہ بعد کی چار رکعت دو سلام سے پڑھے۔ پھر اس میں کلام ہے کہ یہ چار رکعت تحیۃ المسجد کے ساتھ ہیں یا اس کے علاوہ۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کے علاوہ ہیں۔

۱۱۰۰/۱۰ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّھْرِ لَیْسَ فِیْھِنَّ تَسْلِیْمٌ تُفْتَحُ لَھُنَّ اَبْوَابُ السَّمَآءِ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابوایوب، انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر سے پہلے چار رکعتیں جن میں سلام نہیں ہوتا، پڑھنے سے ان کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔[1]

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اور وہ مقام قبولیت میں پہنچ جاتی ہیں۔ اور ان کی برکت سے آسمان سے انوار و فضل و رحمت کا نزول ہوتا ہے پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان سے ظہر کی چار رکعت سنت موکدہ مراد ہیں یا کوئی اور مستقل نماز جو اس وقت میں ادا کی جاتی ہو اور اسے وقت زوال کی نماز کہتے ہیں۔ دراصل یہ ان لوگوں کا مسلک ہے جو ظہر سے پہلے دو رکعت سنت موکدہ کے قائل ہیں اور جو حضرات ظہر سے قبل چار رکعت کے قائل ہیں وہ اس میں متردد ہیں۔ تاہم اس فضیلت کا ثبوت اس کے مخالف نہیں کہ یہ رکعتیں رواتب اور موکدہ ہیں یا نہیں۔ مختار مذہب یہ ہے کہ غیر رواتب ہیں۔

۱۱۰۱/۱۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ السَّآئِبِ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا بَعْدَ اَنْ تَزُوْلَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّھْرِ وَقَالَ اِنَّھَا سَاعَۃٌ تُفْتَحُ فِیْھَا اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَاُحِبُّ اَنْ یَّصْعَدَ لِیْ فِیْھَا عَمَلٌ صَالِحٌ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عبداللہ[1] بن السائب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ڈھلنے کے بعد اور ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ وہ گھڑی ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ تو میں پسند کرتا ہوں کہ میرے لیے اس وقت نیک عمل اوپر اٹھایا جائے[2]

(ترمذی)

[1] آپ صحابی ہیں۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے قرآن پاک پڑھا۔ مجاہد اور اہل مکہ نے ان سے علم حاصل کیا ایک عبداللہ بن السائب تابعی ہے بظاہر یہ ہے کہ یہاں صحابی مراد ہے۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گھڑی اجابت و قبولیت کی گھڑی ہے ہر نیک عمل جو اس گھڑی میں کیا جائے مقبول ہے تو نماز جو افضل اعمال سے ہے اس گھڑی میں اس کا ادا کرنا بہت اچھا اور افضل ہوگا اور پہلی حدیث جس میں فرمایا کہ ان رکعات کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ وہ بھی انہی معنی پر محمول ہے۔

۱۱۰۲/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلّٰى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا (رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَأَبُو دَاوُدَ)

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس بندے پر[1] رحم کرے جو عصر سے پہلے چار رکعت پڑھے۔ احمد، ترمذی، ابوداؤد۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب[2] ہے۔

[1] رحم اللہ کے عنوان سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ چار رکعت مستحب ہے۔

[2] اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اپنی صحیحین میں اس کی روایت کی اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے۔

۱۱۰۳/۱۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ يَفْصِلُ بَيْنَهُنَّ بِالتَّسْلِيمِ عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے۔ جن کے درمیان مقرب فرشتوں اور ان کے مطیع مسلمانوں اور مومنوں پر سلام سے فاصلہ[1] کرتے تھے۔ (ترمذی)

[1] یعنی نماز میں جو سلام کیا جاتا ہے اس میں فرشتوں اور حاضرین جماعت کی نیت کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر سے پہلے جو چار رکعت پڑھی جاتی ہیں ان میں سلام مستحب ہے۔ بعض ظہر سے پہلی چار رکعت کو بھی ان پر قیاس کرتے ہیں۔ اور بغوی نے کہا یہاں پر تسلیم سے تشہد مراد ہے۔ تشہد کو تسلیم و سلام اس لیے کہا کہ تشہد کے آخر میں سلام کہا جاتا ہے۔

۱۱۰۴/۱۴ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَبْلَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ۔ (رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ)

انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے دو رکعت[1] پڑھتے تھے۔ (ابوداؤد)

[1] عصر سے پہلے کی سنتوں میں دونوں روایتیں آئی ہیں۔ لہٰذا نمازی کو اختیار ہے کہ دو پڑھے یا چار پڑھے مگر چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔

۱۱۰۵/۱۵ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

صَلّٰی بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَکَعَاتٍ لَمْ یَتَکَلَّمْ فِیْمَا بَیْنَهُنَّ بِسُوْءٍ عُدِلْنَ لَهٗ بِعِبَادَةِ ثِنْتَیْ عَشَرَةَ سَنَةً. رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ عُمَرَ بْنِ اَبِیْ خَثْعَمٍ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ یَقُوْلُ هُوَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ وَضَعَّفَهٗ جِدًّا۔

جس نے بعد مغرب اس طرح چھ رکعت پڑھیں کہ ان کے درمیان کوئی بری بات نہ کی[1]۔ تو یہ چھ رکعت بارہ سال کی عبادت کے برابر ہیں۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے نہیں جانتے مگر عمر ابن ابی خثعم[3] کی حدیث سے۔ اور میں نے محمد بن اسماعیل سے سنا کہ فرماتے تھے وہ (عمر ابن ابی خثعم) منکر الحدیث ہے۔ اور اس نے اس کو سخت ضعیف کہا ہے[4]۔

[1] جو گناہ پر مشتمل ہو ایسی کوئی بات نہ کی۔ بلکہ تسبیح اور ذکر میں مشغول رہا۔

[2] کہ ہر رکعت کے بدلے دو سال کی عبادت کا ثواب ملے گا۔

[3] خثعم خا کی زبر ثا ساکن۔ منکر حدیث کا معنیٰ مقدمہ کتاب میں بیان ہو چکا ہے۔

[4] میزان الاعتدال میں کہا کہ عمر بن عبداللہ بن ابی خثعم موضوع حدیثوں کی روایت کرتا ہے۔ اس لیے اس کا ذکر درست نہیں مگر اعتراض و انکار کی نیت سے۔ اس نے روایت کی ہے یحیٰ سے اس نے ابو سلمہ سے اس نے حضرت ابو ہریرہ سے کہ من صلی بعد المغرب۔ الحدیث۔ لوگ ان چھ رکعتوں کو صلوٰۃ الاوابین کہتے ہیں۔ مگر حدیث میں کہیں یہ نام نہیں آیا۔ اگر آیا ہے تو باب صلوٰۃ الضحیٰ میں آیا ہے۔ جیسا کہ کتاب شمائل میں مذکور ہے۔

۱۱۰۹/۱۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی بَعْدَ الْمَغْرِبِ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً بَنَی اللّٰهُ لَهٗ بَیْتًا فِی الْجَنَّةِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مغرب کے بعد بیس رکعت پڑھیں اللہ تعالےٰ اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے۔ (ترمذی[1])

[1] مگر امام ترمذی نے بطریق تعلیق اسے روایت کیا۔ بعض شروح میں کہا گیا ہے کہ اسے ابن ماجہ نے باسند روایت کیا اور دوسرے محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند میں یعقوب بن الولید ایک شخص ہے اور وہ کذاب اور وضاع (اپنے پاس سے حدیثیں گھڑنے والا) ہے۔ جیسا کہ امام احمد وغیرہ نے کہا۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۰/۱۷ وَعَنْهَا قَالَتْ مَا صَلّٰی رَسُوْلُ

حضرت عائشہ ہی سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ اِلَّا صَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ اَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کبھی نماز عشاء نہ پڑھی اور پھر میرے پاس تشریف لائے مگر آپ چار یا چھ[1] رکعات پڑھتے تھے۔

(ابوداؤد)

[1] مشہور روایات میں عشاء کے بعد دو رکعت کا ذکر آیا ہے۔ بعض روایات میں چار رکعت کا ذکر بھی آیا ہے۔ مگر چھ رکعت کا ذکر اس حدیث کے سوا اور کسی میں نہیں آیا۔ واللّٰہ اعلم۔ بعض حواشی میں کہا کہ یہاں عشاء سے مغرب مراد ہے۔ گویا اس قول کا باعث ترمذی کی حدیث ہے۔ جو بعد مغرب چھ رکعت کے بارے میں آئی ہے۔ اس تردد اور شک کے ساتھ کہ وہ چھ رکعت دو رکعت سنت مؤکدہ کے ساتھ ہیں یا ان کے علاوہ۔ اسے خوب سمجھو۔ مگر عشاء سے قبل چار رکعت مستحب کے بارے میں جیسا کہ فقہ میں مذکور ہے کوئی حدیث نظر سے نہیں گزری۔ اسی لیے اہل حرمین یہ چار رکعت نہیں پڑھتے بلکہ انہیں جانتے ہی نہیں جیسا کہ کتاب سنن الہدیٰ میں مذکور ہے۔

۱۰۸/۱۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَدْبَارَ النُّجُوْمِ الرَّكْعَتَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ الرَّكْعَتَانِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ادبار[1] النجوم سے فجر سے پہلے کی دو سنتیں مراد ہیں۔ اور ادبار السجود سے مغرب کی بعد کی دو سنتیں۔

(ترمذی)

[1] یعنی ابن عباس رضی اللّٰہ عنہ فرماتے ہیں کہ تسبیح سے جو ادبار النجوم (ہمزہ کی زیر) میں آخر سورۃ طور میں مذکور ہے، فجر کی دو سنتیں مراد ہیں۔ جنہیں ستاروں کے ڈوبنے کے وقت پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ادبار السجود (ہمزہ کی زبر) کی تسبیح سے جو سورۃ قاف میں واقع ہے، اس سے بعد مغرب کی دو سنتیں مراد ہیں اور سجود سے فریضہ مغرب۔ قاضی بیضاوی نے تفسیر میں کہا کہ ادبار السجود سے فرض نمازوں کے بعد کے نوافل مراد ہیں۔ بعض نے کہا بعد عشاء کے وتر مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ سورۃ قاف میں واقع لفظ ادبار دُبُر کی جمع ہے اور نافع، ابن کثیر، خلف اور حمزہ نے اسے زیر سے پڑھا ہے۔ اور سورہ طور کے آخر میں جو ادبار آیا ہے اسے ہمزہ کی زیر اور زبر دونوں قراءت شاذہ میں پڑھا گیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۰۹/۱۹ عَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

حضرت عمر رضی اللّٰہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّھْرِ بَعْدَ الزَّوَالِ تُحْسَبُ بِمِثْلِھِنَّ فِیْ صَلٰوۃِ السَّحَرِ وَمَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا وَھُوَ یُسَبِّحُ اللّٰہَ تِلْکَ السَّاعَۃَ ثُمَّ قَرَءَ یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُھُمْ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ظہر سے پہلے زوال کے بعد کی چار رکعتیں[1] اتنی ہی تہجد کی رکعتوں کے برابر شمار کی جاتی ہیں[2]۔ اور نہیں ہے کوئی چیز مگر وہ اس گھڑی اللہ کی تسبیح کرتی ہے پھر تلاوت فرمائی[3]۔ یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُھُمْ وَعَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ (جھکتے ہیں ان کے سائے دائیں بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے پوری عاجزی کے ساتھ۔ ترمذی۔ بیہقی فی شعب الایمان

[1] یہ چار رکعت احتمال رکھتی ہیں کہ سنت ظہر ہوں یا وقت زوال کی چار رکعتیں۔

[2] یعنی یہ چار رکعتیں فضیلت و ثواب میں سحری کی چار رکعتوں کے برابر قرار دی جاتی ہیں۔ اور نماز تہجد کی بڑی ہی فضیلت اور درجہ ہے۔ یعنی اس وقت میں نماز ادا کرنا تہجد کے وقت عبادت کی طرح ہے۔ علامہ طیبی نے کہا کہ یہاں نماز سحر سے فجر کی دو سنت اور دو فرض مراد ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ لفظ سحر کے زیادہ مناسب اور اظہر تہجد کی نماز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فجر کی چار رکعت پر عمل کرنے کا باعث چار کا عدد ہے۔ کیونکہ نماز تہجد تو چار رکعت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اور سفر السعادۃ میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ زوال کے بعد آٹھ رکعت پڑھتے تھے اور فرماتے تھے یہ آٹھ رکعت قیام لیل تہجد کے برابر ہو جاتی ہیں۔ آپ کا یہ بیان مرفوع حدیث کے حکم میں ہے کیونکہ رکعتوں کی مقدار اور ان کا ثواب شارع علیہ السلام سے سننے کے بغیر معلوم نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تحقیق ہو چکی ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے کہ نماز سحر کو آپ قیام لیل پر محمول کرتے ہیں کہ نماز تہجد سے انسب اور لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آٹھ رکعت سے وقت زوال اور سنت ظہر کی آٹھ رکعت کا مجموعہ مراد ہے۔ بعض مشائخ قدس سرہم نے کہا کہ اس میں راز اور سر یہ ہے کہ یہ دونوں وقت نزول رحمت اور حصول قربت کے اوقات ہیں۔ کیونکہ نصف النہار کے بعد رحمت و قبولیت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ اور آخری نصف شب میں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اور جب کہ یہ دو ایک دوسرے سے مناسبت رکھتے ہیں تو ان دونوں اوقات میں نماز بھی ایک دوسرے کے برابر اور مساوی ہوگی اور جب کہ آخر شب میں نزول رحمت زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے تو وقت زوال کی نماز کو اس کے برابر اور مشابہ قرار دیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول مبارک سے وقت زوال کی فضیلت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے کہا وما من شے الا وھو یسبح اللہ تلک الساعۃ۔ یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو

اس وقت میں اللہ تعالےٰ کی تسبیح نہ کرتی ہو۔

[2] پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت یتفیؤ ظلالهم الی آخرہٖ تلاوت فرمائی۔ اس آیت کا اول حصہ یہ ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خلق اللہ مِن شَیٔ۔ یعنی کیا وہ لوگ نہیں دیکھتے جو پروردگار کے آگے نہیں جھکتے اور نہ اس کی عبادت بجالاتے ہیں کہ ساری سایہ دار مخلوق کہ اس کے سائے جھکتے اور دائیں بائیں اللہ کے آگے سجدہ ریز ہیں اور اپنے آپ کو اس ذات اقدس کے سامنے عاجز و ذلیل کرتے ہیں۔ سجدہ سے مراد ان کی فرمانبرداری اور اطاعت ہے خواہ بتقاضائے طبع ہو یا اختیار سے۔ یہ سب اس کے امرارادی کے آگے مطیع ہیں اور اس کام اور تدبیر میں مصروف ہیں جس کے لیے اللہ تعالےٰ شانہ نے انہیں پیدا کیا ہے۔

١١١٠/٢٠ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ قَطُّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعتیں کبھی نہ چھوڑیں۔

(بخاری و مسلم)

وَفِیْ رِوَايَةٍ لِلْبُخَارِیِّ قَالَتْ وَالَّذِیْ ذَهَبَ بِهٖ مَا تَرَكَهُمَا حَتّٰى لَقِیَ اللّٰهَ۔

اور بخاری کی روایت میں ہے فرماتی ہیں اس کی قسم جو انہیں لے گیا حضور نے اللہ سے ملنے تک وہ دونوں کبھی نہ چھوڑیں[1]

[1] باب اوقات نہی میں اس پر گفتگو اور بحث گزر چکی ہے۔ اجمالی طور پر اس کا بیان یہ ہے کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت ظہر کی دو سنتیں ہیں۔ جو ایک وفد کے آنے اور اس کے ساتھ مشغولیت کے باعث رہ گئی تھیں۔ آپ نے بعد عصر انہیں قضا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک یہ تھی کہ جب آپ کوئی عمل کرتے تو پھر ہمیشہ اس کی پابندی کرتے مگر یہ بیان قدرے بعید ہے (اتنا تحقیقی نہیں) بعض کہتے ہیں یہ مغرب سے پہلے۔ اور اذان کے بعد دو رکعت تھیں۔ مگر یہ قول بھی بعید ہے۔ کیونکہ حدیث کا ظاہر مفہوم اس میں ہے کہ یہ دو رکعت نماز عصر کے بعد اور مغرب سے پہلے تھیں۔ اور یہ بھی ہے کہ مغرب کے بعد دو رکعت پڑھنے کا فعل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں ہے۔ ہاں بعض صحابہ پڑھتے تھے اور آپ نے انہیں دو رکعت قبل مغرب بعد اذان کے نہ پڑھنے کا حکم دیا نہ ان سے منع کیا۔ جیسا کہ آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ متعدد احادیث میں آیا ہے کہ یہ عصر کی دو راتب (جنہیں آپ عموماً عصر سے پہلے پڑھتے تھے) سنتیں تھیں۔ کسی عارضے کے باعث نہ پڑھی تھیں۔ مختصر یہ کہ بعد عصر نماز پڑھنے سے نہی کے بارے میں بہت سے اخبار و آثار وارد ہیں۔ جمہور بھی اسی پر ہیں۔ لہٰذا احسن یہ ہے کہ اس کا جواب یہ دیا جائے کہ عصر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دو رکعت پڑھنا آپ کے خصائص میں سے تھا۔ جیسا کہ اس کا ذکر بعض

متاخرین نے کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۱/۲۱ وَعَنِ الْمُخْتَارِ بْنِ فُلْفُلٍ قَالَ قَالَ سَأَلْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ التَّطَوُّعِ بَعْدَ الْعَصْرِ فَقَالَ كَانَ عُمَرُ يَضْرِبُ الْأَيْدِيَ عَلٰى صَلٰوةٍ بَعْدَ الْعَصْرِ وَكُنَّا نُصَلِّيْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ غُرُوْبِ الشَّمْسِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْمَغْرِبِ فَقُلْتُ لَهٗ أَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْهِمَا قَالَ كَانَ يَرَانَا نُصَلِّيْهِمَا فَلَمْ يَأْمُرْنَا وَلَمْ يَنْهَنَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت مختار[۱] بن فلفل سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے عصر کے بعد کے نفلوں کے بارے میں پوچھا تو فرمایا کہ حضرت عمر بعد نماز عصر نماز پڑھنے پر لوگوں کے ہاتھوں پر مارتے[۲] تھے حالانکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں آفتاب غروب ہونے کے بعد مغرب کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ پڑھتے تھے۔ فرمایا کہ ہمیں پڑھتے دیکھتے تھے تو نہ ہمیں حکم دیتے تھے اور نہ منع کرتے تھے[۳]۔

(مسلم)

۱؎ فلفل دونوں فا کی پیش اور لام ساکن۔ آپ مخزومی ہیں تابعی ہیں۔ کوفہ کے رہنے والے اور ثقہ ہیں۔ انہوں نے حضرت انس سے حدیث سنی اور ان سے ثوری وغیرہ نے

۲؎ یعنی ان کے پڑھنے سے منع کرتے تھے۔

۳؎ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی سے بعد عصر نماز پڑھنے کا جواز ثابت ہو گیا۔ محدثین نے یہاں کہا ہے کہ شاید حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول ماترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی آخرہ سے واقف نہ تھے اور نہ ہی حضرت انس کے قول کنا نصلی علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پڑھتے تھے، سے بھی آگاہ نہ تھے۔ بعض نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو عصر کے بعد نماز پڑھنے پر مارنے کا سبب یہ تھا کہ آپ کو ڈر محسوس ہوا کہ لوگ وقت غروب میں بھی یہ نماز پڑھنا شروع کر دیں۔ اس اندیشہ کے بغیر مکروہ نہیں اور یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ ان کے سوا دوسرے حضرات کے نزدیک بعد عصر مطلقاً نماز مکروہ ہے۔ بہر صورت بعد عصر نماز کی کراہت کا مسئلہ اور اس کے بارے میں وارد شدہ حدیث اختلاف واضطراب سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۲/۲۲ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كُنَّا بِالْمَدِيْنَةِ فَإِذَا أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ لِصَلٰوةِ الْمَغْرِبِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ مدینہ میں تھے۔ جب موذن نماز مغرب کی

اِبْتَدَرُوا السَّوَارِیَ فَرَکَعُوْا رَکْعَتَیْنِ حَتّٰی اِنَّ الرَّجُلَ الْغَرِیْبَ لَیَدْخُلُ الْمَسْجِدَ فَیَحْسَبُ اَنَّ الصَّلٰوۃَ قَدْ صُلِّیَتْ مِنْ کَثْرَۃِ مَنْ یُّصَلِّیْهِمَا

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

اذان دیتا تو لوگ ستونوں کی طرف بھاگتے[۱]۔ اور دو رکعتیں پڑھتے حتیٰ کہ اجنبی آدمی مسجد میں آتا تو سمجھتا کہ نماز پڑھی گئی[۲]۔ ان پڑھنے والوں کے ہجوم کی وجہ سے[۳]۔

(مسلم)

[۱] اور ستونوں کے پیچھے کھڑے ہوتے۔

[۲] اور یہ کہ اب لوگ بعد مغرب کی سنتیں پڑھ رہے ہیں۔

[۳] گویا ان صحابہ نے قبل غروب نماز کی نہی سے یہ سمجھا تھا کہ بعد غروب نماز مغرب سے پہلے نفل پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

۱۱۱۳/۲۲ وَعَنْ مَرْثَدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَتَیْتُ عُقْبَةَ الْجُهَنِیَّ فَقُلْتُ اَلَا اُعْجِبُكَ مِنْ اَبِیْ تَمِیْمٍ یَرْكَعُ رَكْعَتَیْنِ قَبْلَ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ فَقَالَ عُقْبَةُ اِنَّا كُنَّا نَفْعَلُهٗ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قلت فَمَا یَمْنَعُكَ الْاٰنَ قَالَ الشُّغْلُ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت مرثد[۱] بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں عقبۃ الجہنی کے پاس آیا اور میں نے کہا کیا میں آپ کو ابو تمیم کی عجیب بات نہ بتاؤں[۲]۔ یہ شخص نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھتا ہے۔ اس پر حضرت عقبہ نے کہا ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسا کرتے تھے۔ میں نے کہا اب آپ کو اس سے کس چیز نے روک دیا ہے۔ کہا کام کاج کی مصروفیت نے[۳]۔

(بخاری)

[۱] مرثد میم کی زبر۔ را ساکن اور ثا کی زبر۔ آپ تابعی ہیں اہل مصر کے مفتی تھے۔ عبد العزیز بن مروان عبد الملک بن مروان کا بھائی انہیں فتویٰ کے لیے بلاتا اور اپنے سامنے بٹھاتا۔ ابن حبان نے انہیں ثقہ لوگوں میں ذکر کیا ہے۔

[۲] ابو تمیم بلند درجہ تابعی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں اسلام لائے۔

[۳] نیز یہ سنت مؤکدہ بھی نہیں۔ نووی نے کہا کہ مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ یہ دو رکعت مستحب ہیں۔ کیونکہ ان کے بارے میں احادیث صحیحہ صریحہ آئی ہیں۔

۱۱۱۴/۲۲ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتٰی مَسْجِدَ بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ

حضرت کعب[۱] بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی عبد الاشہل[۲] میں تشریف لائے اور اس

فَصَلّٰى فِيْهِ الْمَغْرِبَ فَلَمَّا قَضَوْا صَلَاتَهُمْ رَاٰهُمْ يُسَبِّحُوْنَ بَعْدَهَا فَقَالَ هٰذِهٖ صَلٰوةُ الْبُيُوْتِ۔ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

میں نماز مغرب ادا کی۔ جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے انہیں دیکھا کہ وہ اس کے بعد تسبیح کرتے ہیں (نفل پڑھتے ہیں)[3]۔ فرمایا یہ گھروں کی نماز ہے[4]۔ (ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ قَامَ نَاسٌ يَتَنَفَّلُوْنَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الصَّلٰوةِ فِي الْبُيُوْتِ

ترمذی اور نسائی کی روایت میں ہے لوگ نفل پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تم لوگ گھروں میں پڑھا کرو[5]

[1] عُجرہ عین کی پیش جیم کی زبر۔ آپ صحابی ہیں۔ بیعت شجرہ رضوان کے اصحاب میں سے ہیں۔ ان کے حالات دوسرے مواضع میں ذکر ہو چکے ہیں۔

[2] بنی عبدالاشہل ایک قبیلہ کا نام ہے۔

[3] اس سے مغرب کے بعد کی دو سنتیں مراد ہیں۔ یعنی آپ نے دیکھا کہ مسجد میں ہی یہ دو سنتیں بھی پڑھ رہے تھے۔

[4] یعنی یہ مغرب کی سنتیں یا مطلق نفل نماز گھروں میں پڑھنی چاہیے نہ کہ مسجد میں۔

[5] واضح ہو کہ نماز نفل یعنی غیر فرض گھر میں پڑھنی چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک بھی یہ تھا۔ مگر کسی سبب یا عذر کی بنا پر خصوصًا مغرب کی سنتیں آپ نے کبھی مسجد میں ادا نہیں کیں۔ بعض علماء نے کہا اگر مغرب کی سنتیں مسجد میں پڑھیں تو سنت ادا نہ ہوگی۔ بعض نے کہا یہ سنتیں مسجد میں ادا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی مخالفت کی۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حکم وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ مگر جمہور اس پر ہیں کہ یہ امر استحباب کے لیے ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سنتیں گھر میں پڑھی جائیں۔ حاشیہ مدیہ میں جامع صغیر سے لکھا کہ اگر ایک آدمی نے نماز مغرب مسجد میں پڑھی اگر اسے اندیشہ ہو کہ گھر میں جانے سے کسی کام میں مشغول ہو جائے گا تو یہ سنتیں مسجد میں ہی پڑھ لے۔ اور اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو پھر افضل یہ ہے کہ گھر جا کر پڑھے اور اگر گھر میں جانا میسر نہ ہو تو پھر مسجد کے دروازے سے باہر پڑھے۔ اگر امام نے مسجد کے اندر کے حصے میں پڑھی ہو۔ اور اگر امام نے مسجد کے خارجی حصہ میں نماز ادا کی ہو تو پھر یہ بھی سنتیں مسجد کے خارجی حصے میں ادا کرے اور اگر ایسی مسجد ہو کہ اس کا اندرونی اور بیرونی حصہ الگ الگ نہ ہو تو پھر کسی ستون کے پہلو میں یا کسی کونے میں یہ سنتیں پڑھے۔

۱۱۱۵/۲۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کے

سَلَّمَ يُطِيْلُ الْقِرَاءَةَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ حَتّٰى يَتَفَرَّقَ اَهْلُ الْمَسْجِدِ ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

بعد کی دو رکعتوں میں قرأت لمبی کرتے تھے یہاں تک کہ اہل مسجد منتشر ہو جاتے تھے[1]

(ابوداؤد)

[1] اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے یہ سنتیں مسجد میں پڑھی تھیں۔ آپ کا یہ عمل کسی سبب اور عذر پر محمول ہے جس کی وجہ سے آپ گھر نہ جا سکے اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ گھر میں پڑھی ہوں اور حضرت ابن عباس نے آپ کو اس حالت میں پایا۔ کیونکہ آپ کا گھر مسجد کے متصل تھا۔ مسجد اور گھر کے درمیان صرف ایک دیوار تھی۔ پھر اس دیوار میں ایک دروازہ تھا جو مسجد کی طرف کھلتا تھا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ سنت مغرب میں یہ لمبی قرأت کبھی کبھار آپ نے کی۔ کیونکہ یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دو رکعتوں میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

۱۱۱۶/۲۶ وَعَنْ مَكْحُوْلٍ يَبْلُغُ بِهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَلّٰى بَعْدَ الْمَغْرِبِ قَبْلَ اَنْ يَّتَكَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ رُفِعَتْ صَلٰوتُهٗ فِيْ عِلِّيِّيْنَ مُرْسَلًا ۔

وَعَنْ حُذَيْفَةَ نَحْوَهٗ وَزَادَ فَكَانَ يَقُوْلُ عَجِّلُوا الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فَاِنَّهُمَا تُرْفَعَانِ مَعَ الْمَكْتُوْبَةِ رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ الزِّيَادَةَ عَنْهُ نَحْوَهَا فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ۔

حضرت مکحول[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوع بیان کرتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کوئی مغرب کے بعد بات کرنے سے پہلے دو رکعتیں اور ایک روایت میں ہے کہ چار رکعتیں پڑھ لے تو اس کی نماز علیین[2] میں اٹھائی جاتی ہے۔ مرسل[3] اور حضرت حذیفہ[4] سے اسی کی مثل ہے اور زیادہ کیا کہ کہتے تھے کہ مغرب کے بعد دو رکعتیں جلدی[5] پڑھو کیونکہ وہ دونوں فرضوں کے ساتھ اٹھائی جاتی ہیں[6]۔ ان دونوں حدیثوں کو رزین نے روایت کیا اور بیہقی نے ذیلی سے زیادتی کو شعب الایمان میں اس کی مثل روایت کی

⁂

[1] حضرت مکحول شامی ہیں مشہور تابعین سے ہیں اور ان کے بلند مرتبہ ثقہ حضرات میں سے ہیں۔

[2] علیین ساتویں آسمان سے اوپر ایک جگہ ہے۔ بعض نے کہا یہ ساتویں آسمان کا نام ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ملائکہ کے دیوان کا نام ہے جس میں وہ صالحین کے اعمال لے کر جاتے ہیں۔ بعض نے کہا یہ جناب عزت حق تعالیٰ کی درگاہ میں سب

سے اعلیٰ، اشرف اور اقرب جگہ کا نام ہے۔

[۳] یعنی مکحول نے اسے بطریق ارسال روایت کیا۔ یہ حضرت مکحول کثیر الارسال شخصیت تھے۔

[۴] اور حضرت حذیفہ سے جو صحابہ میں سے ہیں اسی حدیث کی مانند روایت کی گئی ہے۔

[۵] یعنی فرضوں کے متصل ان کو پڑھو۔

[۶] اس لیے انہیں فاصلہ کے بغیر جلدی ادا کرو۔ تاکہ اعمال لے جانے والے ملائکہ کو انتظار نہ کرنی پڑے۔ ظاہر یہ ہے کہ قراءت اور دعا یا ذکر جس فرضوں کے بعد ثبوت صحیح روایات سے ہو چکا ہے۔ اس جلدی کے منافی نہیں۔ یا یوں کہا جائے گا کہ ان اذکار کا دو رکعتوں کے بعد پڑھنا اس جلدی کے منافی نہیں ہے۔ اور گذشتہ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں اس طرح کی کچھ گفتگو گزر چکی ہے۔ البتہ یہاں ایک چیز دل میں کھٹکتی ہے۔ کہ ان دو رکعت کی گھر میں ادائیگی کی فضیلت ثابت ہو چکی ہے۔ اب اگر کسی کا گھر مسجد سے دور ہو تو گھر جانے سے اس جلد ادائیگی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے تو وہ کیا کرے۔ اس کے جواب کی دو صورتیں ہیں ان دو میں ظاہر یہ ہے کہ گھر ہی جا کر پڑھے کہ گھر میں پڑھنے کے بارے میں تاکید زیادہ آئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۱۱۸/۲۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَطَآءٍ قَالَ اِنَّ نَافِعَ بْنَ جُبَيْرٍ اَرْسَلَهٗ اِلَى السَّآئِبِ يَسْئَلُهٗ عَنْ شَیْءٍ رَاٰهُ مِنْهُ مُعَاوِيَةُ فِی الصَّلٰوةِ فَقَالَ نَعَمْ صَلَّيْتُ مَعَهُ الْجُمُعَةَ فِی الْمَقْصُوْرَةِ فَلَمَّا سَلَّمَ الْاِمَامُ قُمْتُ فِیْ مَقَامِیْ فَصَلَّيْتُ فَلَمَّا دَخَلَ اَرْسَلَ اِلَیَّ فَقَالَ لَا تَعُدْ لِمَا فَعَلْتَ اِذَا صَلَّيْتَ الْجُمُعَةَ فَلَا تَصِلْهَا بِصَلٰوةٍ حَتّٰى تَكَلَّمَ اَوْ تَخْرُجَ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِذٰلِكَ اَنْ لَّا نُوْصِلَ لِصَلٰوةٍ حَتّٰى نَتَكَلَّمَ اَوْ نَخْرُجَ۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت عمرو[۱] بن عطا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نافع بن جبیر نے انہیں حضرت سائب کے پاس اس چیز کے پوچھنے کے لیے بھیجا جو حضرت امیر معاویہ نے ان سے نماز میں دیکھی تھی[۲]۔ انہوں نے فرمایا ہاں میں نے امیر معاویہ کے ساتھ مقصورے[۳] میں جمعہ پڑھا جب امام نے سلام پھیرا تو میں اسی جگہ کھڑا ہو گیا اور وہیں نماز پڑھی۔ جب وہ[۴] گئے تو مجھے بلایا اور فرمایا یہ کام آئندہ نہ کرنا[۵]۔ جب جمعہ پڑھو تو اسے اور نماز سے نہ ملاؤ۔ یہاں تک کہ کوئی بات کر لو یا ہٹ جاؤ۔ کیونکہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا کہ ہم بغیر کلام کیے یا بغیر ہٹے نماز کو نماز سے نہ ملائیں[۶]

(مسلم)

[۱] آپ تابعی ہیں اور نافع بن جبیر بن مطعم بھی تابعی ہیں اور حضرت سائب صحابی ہیں۔

[۲] اور اس سے منع کیا ہو۔

[۳] مقصورہ مسجد کی وہ جگہ ہے جو کبرٰی اور امراء کے لیے بنائی جاتی ہے۔ یہ لفظ قصر سے مشتق ہے بمعنی اونچا محل

[۴] یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب اپنے گھر گئے۔

[۵] یعنی جہاں فرض نماز پڑھی جائے آئندہ وہیں نفل نماز نہ پڑھنا۔

[۶] مشکوٰۃ کے بعض نسخوں میں لفظ صلوٰۃ نہیں ہے۔ تو عبارت کا ظاہر مطلب یہ ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ جمعہ کے ساتھ دوسری نماز نہ ملائیں جب تک کہ بات نہ کرلیں یا مسجد سے باہر نکل آئیں۔

$\frac{1119}{29}$ وَعَنْ عَطَاءٍ قَالَ كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا صَلَّى الْجُمُعَةَ بِمَكَّةَ تَقَدَّمَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَتَقَدَّمُ فَيُصَلِّي أَرْبَعًا وَإِذَا كَانَ بِالْمَدِينَةِ صَلَّى الْجُمُعَةَ ثُمَّ رَجَعَ إِلَى بَيْتِهِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ فِي الْمَسْجِدِ فَقِيلَ لَهُ فَقَالَ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ۔ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ

وَفِي رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ صَلَّى بَعْدَ الْجُمُعَةِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذٰلِكَ أَرْبَعًا

حضرت عطا[۱] رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب جمعہ کی نماز مکہ معظمہ میں پڑھتے تو اس جگہ سے جہاں جمعہ پڑھا ہوتا ذرا آگے ہوتے[۲] اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر اور آگے ہوتے اور چار رکعت پڑھتے[۳] اور جب مدینہ طیبہ میں جمعہ کی نماز پڑھتے تو اس کے ساتھ ہی گھر آجاتے۔ اور گھر آکر دو رکعت نماز پڑھتے۔ مسجد میں نہ پڑھتے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا گیا کہ آپ ایسا (گھر میں آکر پڑھتے ہیں مسجد میں نہیں پڑھتے) کیوں کرتے ہیں۔ تو فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی[۴] کرتے تھے ابوداؤد اور ترمذی کی روایت ہے۔ میں نے حضرت ابن عمر کو دیکھا کہ آپ نے جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھیں پھر اس کے بعد چار رکعت پڑھیں[۵]

⁂

[۱] یعنی یہ عطا نام کے کئی آدمی گزرے ہیں۔ یہ بزرگ بھی تابعی ہیں۔

[۲] تو آپ کا یہ ذرا آگے ہونا نماز جمعہ کے مابین فاصلہ کی حیثیت رکھتا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو گزرا کہ نماز جمعہ کے بعد دوسری نماز پڑھنے سے پہلے کلام کرے یا مسجد سے باہر نکل آئے۔ حضرت ابن عمر کے آگے بڑھنے سے یہ شرط پوری ہو جاتی تھی اور آپ کا یہ فعل کلام کرتے یا مسجد سے باہر نکلنے کی طرح تھا۔

[۳] اس طرح کل چھ رکعت بن جاتی تھیں جو آپ جمعہ کے بعد پڑھتے تھے مکہ معظمہ میں آپ اسی طرح کرتے تھے۔

۵۴ علماء نے کہا ہے کہ شاید مکہ اور مدینہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ میں فرق کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں آپ کا مکان مسجد نبوی شریف کے نزدیک اور اس کے بالکل متصل تھا۔ اور مکہ میں مسافر ہوتے تھے اور آپ کی رہائش حرم سے دور تھی۔ اسی لیے ذرا آگے بڑھنے کو آپ گھر واپس آنے کی حیثیت دے لیتے تھے اور مکہ معظمہ میں جو آپ جمعہ کے بعد چھ رکعت پڑھتے تھے تو اس کی وجہ یہ بھی کہ حرم شریف مکہ میں ہر عبادت کا ثواب دوگنا ہے۔ ترمذی نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نماز جمعہ کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم دیتے پھر چار رکعت کا، مولف (صاحب مشکوٰۃ) نے بھی حدیث علی ترمذی سے نقل کیا ہے اور کہا ہے وفی روایۃ الترمذی الی آخرہ۔ جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا۔

۵۵ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جمعہ کے بعد چار رکعت سنت ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک چھ رکعت ہیں پہلے چار پھر دو یہ جمعہ کے بعد کی نماز کا حکم ہے۔ جمعہ سے پہلے سنت نماز ثابت ہے۔ بعض محدثین نے اس کا انکار کیا ہے اور اس انکار میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ بعض نے کہا کہ جو لوگ جمعہ سے پہلے سنت نماز ثابت کرتے ہیں وہ ظہر پر قیاس کرتے ہیں مگر قیاس کے ساتھ سنت کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے مگر حق بات یہ ہے کہ جمعہ سے قبل بھی سنت نماز ثابت ہے۔ اس میں گفتگو طویل ہے ہم نے شرح سفر السعادۃ میں وہ گفتگو کر دی ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

بَابُ صَلٰوۃِ اللَّیۡلِ

رات کی نماز کا باب

واضح ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز شب کے بارے میں مختلف روایات آئی ہیں۔ مختلف ایام میں مختلف رکعات کی صورت میں آپ پڑھتے تھے پھر نفل عبادت ادا کرنے والا امتی مختار ہے کہ حضور کے جس طریقہ پر بھی عمل پیرا ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا شرف حاصل کرے گا اور اگر متعدد اوقات میں آپ کے سب طریقوں پر عمل کرے تو یہ زیادہ موافق اور زیادہ مناسب ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رات کی نماز کی رکعات کی تعداد ۱۳، ۱۱، ۹ اور سات آئی ہے۔ بعض علماء نے پانچ رکعت بھی بیان کی ہیں۔ البتہ تیرہ رکعت سے زیادہ نہ ہوتی تھی۔ پھر بعض علماء تو اس تعداد میں سنت فجر کو بھی شامل کرتے ہیں۔ بعض شامل نہیں کرتے۔ شامل نہ کرنا زیادہ صحیح اور زیادہ درست ہے۔ پھر وتر نماز کبھی آپ ایک رکعت پڑھتے۔ کبھی تین رکعت۔ بعض روایات میں عدد وتر کو اس تعداد میں شمار کیا اور بعض

میں اس سے خارج رکھا۔ اور بعض روایات میں ایک رکعت کو وتر کہا۔ بعض میں تین رکعت کو۔ بعض روایات میں پانچ رکعت اور بعض میں سات رکعت کو بھی وتر کہہ دیا۔ اور بعض روایات میں ساری نماز شب کو وتر کہہ دیا۔ جیسا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ رکعت وتر پڑھتے تھے۔ جب آپ بوڑھے ہو گئے تو پھر سات رکعات وتر پڑھتے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اے اہل قرآن وتر نماز ادا کیا کرو۔ اس سے آپ نے نماز شب مراد لی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز وتر ملانے سے ساری نماز شب وتر بن جاتی ہے۔ جس طرح دن کی ساری نمازیں نماز مغرب شامل کرنے سے وتر یعنی طاق رکعتیں بن جاتی ہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ نماز تہجد صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی یا اولا امت پر بھی فرض تھی۔ بعد میں امت سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ مشہور اور مختار یہ ہے کہ امت پر سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آخر عمر تک فرض رہی۔ اس بات کی تحقیق اپنی جگہ کر دی گئی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١١٢٠/١ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ مِنْ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ فَيَسْجُدُ السَّجْدَةَ مِنْ ذَالِكَ قَدْرَ مَا يَقْرَاُ اَحَدُكُمْ خَمْسِيْنَ اٰيَةً قَبْلَ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ مِنْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَتَبَيَّنَ لَهُ الْفَجْرُ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ حَتّٰى يَاْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلْاِقَامَةِ فَيَخْرُجُ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

پہلی فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء سے فراغت کے بعد نماز فجر تک گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے اور ایک رکعت کے ساتھ وتر ادا کرتے تھے۔ اس میں آنا دراز سجدہ کرتے تھے کہ تم لوگ آپ کے سر مبارک اٹھانے سے پہلے پہلے پچاس آیتیں پڑھ سکتے ہو[لہ]۔ پھر جب موذن فجر کی اذان سے خاموش ہو جاتا[لہ] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صبح صادق ظاہر ہو جاتی[سہ] تو کھڑے ہوتے اور دو ہلکی رکعتیں پڑھتے[عہ]۔ پھر آپ اپنے دائیں پہلو پر سو جاتے[ھ]۔ یہاں تک کہ موذن اقامت کے لیے آپ کے پاس آتا تو آپ گھر سے باہر تشریف لاتے۔

(بخاری و مسلم)

[1] اس عبارت کی شرح میں متعدد توجیہات بیان کی گئی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ وتر کے سجدوں میں کوئی سجدہ بہت لمبا کرتے۔ یا وتر نماز کے تمام سجدے اتنے طویل ہوتے تھے کہ قرآن پڑھنے والا اس عرصہ میں پچاس آیتیں پڑھ سکتا تھا۔ بعض شافعیہ نے اس سجدہ کو سجدہ شکر پر حمل کیا ہے کہ آپ اس فعل کے بجالانے کی توفیق ملنے پر شکرانہ کے طور پر کرتے تھے۔ نماز کے باہر صرف سجدہ کرنے میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ باب سجود الشکر میں آئے گا اور وہ جو بعض علاقوں میں وتروں کے بعد معروف طریقہ پر دو سجدے کرتے ہیں تو اس کی فضیلت بعض ضعیف اور مجروح فقہی روایات میں آئی ہے اور لوگ اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ شکر پر حمل کرتے ہیں مگر اخبار و آثار میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور مختار فقہی روایات میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اور حرمین شریفین میں بلکہ تمام دیار عرب میں اس پر کوئی عمل نہیں کیا جاتا اور اس بارے میں جو حدیث روایت کی جاتی ہے۔ علماء نے اس حدیث کو موضوع اور من گھڑت کہا ہے اور اس حدیث کے موضوع ہونے کے آثار واضح ہیں اور ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام اس سجدے کی سنیت یا استحباب کا قائل نہیں ہے۔ دیار عرب کے اکثر حنفیہ اس سجدے کو جانتے تک نہیں۔ اس کا مکروہ ہونا نقل کرتے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

[2] اکثر روایات میں سکت تائے فوقانی سے آیا ہے جو سکوت بمعنیٰ خاموشی سے مشتق ہے۔ یعنی جب مؤذن اذان فجر دے کر خاموش ہو جاتا اور بعض نے یہ لفظ سکب بائے موحدہ سے بھی روایت کیا ہے۔ یہ سکبٌ (انڈیلنا) سے نکلا ہے۔ اس کا مطلب بھی دراصل خاموش ہونا ہے۔ یعنی جب مؤذن لوگوں کے کانوں میں اذان انڈیل دیتا۔

[3] اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادائے سنت کے لیے صرف مؤذن کی اذان پر کفایت نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اس امر کا امکان ہوتا ہے کہ مؤذن نے رات گزرنے میں خطا کی ہو۔ بلکہ آپ خود فجر ہونے کی تحقیق کرتے تھے۔

[4] جیسا کہ سنت فجر کے بارے میں آیا ہے کہ آپ اسی کی پہلی رکعت میں سورۃ قل یا ایہا الکافرون اور دوسری میں قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے۔

[5] ہم اس کی شرح تیسری حدیث کے تحت کریں گے۔

۱۱۲۱/۲ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ إِنْ كُنْتُ مُسْتَيْقِظَةً حَدَّثَنِي وَإِلَّا اضْطَجَعَ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے اگر میں جاگ رہی ہوتی تو آپ مجھ سے باتیں کرتے[1] ورنہ سو جاتے۔
(مسلم)

---

[1] اور امام بخاری نے بھی باب الحدیث بعد رکعتی الفجر اور باب من یحدث بعد الرکعتین ولم یضطجع میں اس حدیث کو روایت کیا۔ اس حدیث سے سنت فجر کے بعد بات چیت کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ امام ترمذی نے سنت فجر کے

بعد کلام کرنے کے بارے میں ایک باب باندھا ہے اور اس باب میں حضرت عائشہ سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کی ہے۔ کہ اِذَا صَلّٰی رَکْعَتَی الْفَجْرِ فَاِنْ کَانَ لَہٗ اِلَیَّ حَاجَۃٌ کَلَّمَنِیْ وَ اِلَّا خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوۃِ یعنی جب آپ فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو اگر مجھ سے آپ کو کوئی کام ہوتا تو مجھ سے گفتگو فرماتے ورنہ نماز کے لیے تشریف لے جاتے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور یہ بھی کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض علمائے صحابہ طلوع فجر کے بعد سے نماز فجر ادا کرنے تک کلام کرنا مکروہ جانتے تھے مگر یہ کہ ذکر الٰہی کیا جائے یا کوئی بہت ضروری بات۔ یہی احمد اور اسحٰق کا قول ہے۔ انتہیٰ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ سے گفتگو کرنا اسی نوعیت کا تھا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ کا قول فان کانت لہ الی حاجۃ اس امر کو ظاہر کرتا ہے اور اگر اس قسم کی ضروری بات نہ بھی ہو تو بات کر لینا سنت کو باطل نہیں کرتا نہ اس سے سنتیں دوبارہ پڑھنی پڑتی ہیں مگر جب کہ اس وقت میں احتیاط اور تکمیل ثواب کے پیش نظر بات کرنے کو شدید مکروہ قرار دیا جائے۔

۱۱۲۲/۳ وَ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اِذَا صَلّٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ اضْطَجَعَ عَلٰى شِقِّهِ الْاَيْمَنِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فجر کی دو سنتیں پڑھ لیتے تو اپنے دائیں پہلو پر سو جاتے[لہ]

(بخاری و مسلم)

واضح ہو کہ اس حدیث میں دو طرح کا کلام ہے۔ ایک سنت فجر کے بعد سونا دوسرے دائیں پہلو پر سونا۔ قول اول کے متعلق تو یہ ہے کہ بعض ظاہریہ اس سونے کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ بعض اسے فرض نماز کی صحت کی شرط قرار دیتے ہیں کہ اگر نہ سوئے گا تو اس کی فرض نماز باطل ہو جائے گی اور ایک جماعت اس وقت سونے کو مکروہ قرار دیتی اور بدعت کہتی ہے۔ پوشیدہ نہ رہے کہ اسے بدعت کہنا حق سے بعید بات ہے۔ کیونکہ اس وقت نیند کے بارے میں احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ لہٰذا یوں کہا جائے گا کہ اولاً سونا جائز تھا بعد میں منسوخ ہو گیا یا اس وقت نیند کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ یا اس نیند کو بقصد استراحت پر محمول کیا جائے گا نہ کہ اس وقت سونے کو عبادت قرار دیا جائے۔ یوں ہی اس نیند کو واجب و ضروری قرار دینا بھی بعید ہے۔ کیونکہ اس بارے میں روایات مختلف آئی ہیں۔

اور بعض روایات میں سونے کا ذکر نہیں آیا۔ صرف اس قدر آیا ہے کہ آپ سنتیں پڑھتے اور باہر مسجد کی طرف نکل آتے۔ لہٰذا قول مختار و پسندیدہ یہ ہے کہ سونا مستحب ہے۔ مکروہ یا واجب نہیں۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ارادے سے سوئے کہ قدرے آرام حاصل کرے۔ اور نماز تہجد کے باعث جو ثقل و تھکاوٹ لاحق ہو چکی ہے دور ہو جائے۔ تو بہتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی ارادے کے تحت نیند کرتے تھے۔ امام مالک کا بھی یہی مذہب ہے۔

دوسری بات یعنی آپ کا دائیں پہلو پر سونا تو یہ آپ کی ہمیشہ عادت مبارکہ تھی۔ علماء نے کہا ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے تاکہ گہری میں نیند نہ سو جائیں۔ کیونکہ قلب یعنی گوشت کا صنوبری ٹکڑا بائیں جانب ہے۔ اگر بندہ بائیں پہلو پر سوئے تو دل کو قرار حاصل ہوگا اور اس پر استراحت کا غلبہ نہ ہوگا اور نہ ہی گہری نیند کی بے ہوشی اس پر طاری ہوگی۔ اور اس کے لیے نیند سے اٹھ بیٹھنا اور بیدار ہونا آسان ہوگا۔ اسی وجہ سے اطبا نے بھی بائیں پہلو پر سونے کی تلقین کی ہے کیونکہ دل راحت طلب کرتا ہے اور نیند کی حالت میں کھانا ہضم ہوتا ہے۔ کیونکہ حرارت غریزی اندرون بدن داخل ہو جاتی ہے اور جس قدر نیند کا غلبہ زیادہ ہوگا راحت زیادہ حاصل ہوگی اور کھانا وافر طور پر ہضم ہوگا۔ اور صاحب شرع علیہ السلام نے نیند ہلکی رکھنے اور رات کو بیداری میسر آنے کے لیے دائیں پہلو پر سونے کو اختیار کیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے کم کھانا بھی ضروری ہے۔

واضح ہو کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو سنتیں پڑھنے کے بعد دائیں پہلو پر سو جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کے خراٹوں کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اس کے بعد اٹھتے اور تازہ وضو کیے بغیر نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔ نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ نے فرمایا ہے
(میری آنکھیں سوتی ہیں میرا دل نہیں سوتا) بعض کہتے ہیں کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کی خصوصیت ہے اور باب الاذان قصہ لیلۃ التعریس میں اس مقام سے متعلق کچھ بیان ہو چکا ہے۔ اسے ذہن نشین کر لیا جائے۔

۱۱۲۳ ۴ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً مِنْهَا الْوِتْرُ وَرَكْعَتَا الْفَجْرِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت تیرہ رکعت[۲] پڑھتے تھے۔ ان میں وتر[۱] بھی ہوتے تھے اور فجر کی دو سنتیں بھی۔ (مسلم)

[۱] یعنی ایک رکعت یا تین رکعات وتر

[۲] یعنی ان تیرہ رکعات میں جو آپ رات کو پڑھتے تھے دو رکعت سنت فجر کو شامل کیا گیا ہے کیونکہ یہ دو رکعتیں رات کے قریب اس کے متصل اور اختتام شب کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ رات میں آپ کی اصل نماز گیارہ رکعات ہوتی تھی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں آیا ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ آپ کی رات کی نماز فجر کی سنتوں کے علاوہ تیرہ رکعات ہوتی تھی۔ مگر وتر ان تیرہ رکعت میں داخل ہیں۔

۱۱۲۴ ۵ وَعَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ	حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَّ تِسْعٌ وَّ اِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً سِوَى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ[۱])

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا سات رکعت، نو رکعت اور گیارہ رکعات ہوتی تھی[۲]۔ فجر کی دو سنتوں کے علاوہ[۳]
(بخاری)

---

[۱] حضرت مسروق رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں۔ آپ چھوٹی عمر میں چورے گئے تھے۔ اس بنا پر آپ کا یہ نام پڑ گیا۔

[۲] یعنی کبھی سات کبھی نو اور کبھی گیارہ رکعات

[۳] ظاہر یہ ہے کہ اس استثناء کا تعلق گیارہ رکعات سے ہے۔ اور اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ تیرہ رکعت سنت فجر کو ملا کر ہوتی تھیں۔

۱۱۲۵/۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ افْتَتَحَ صَلٰوتَهٗ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز کے لیے اٹھتے تو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرتے[۱]
(مسلم)

---

[۱] اس سے وہ دو رکعت مراد ہیں جو آپ وضو کے بعد ادا کرتے تھے اور انہیں ہلکا پڑھنا مستحب ہے اس بارے میں قولاً اور فعلاً روایات آ چکی ہیں۔

۱۱۲۶/۷ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ اَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحِ الصَّلٰوةَ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص رات کو اٹھے تو دو ہلکی رکعتوں سے شروع کرے۔
(مسلم)

۱۱۲۷/۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بِتُّ عِنْدَ خَالَتِيْ مَيْمُوْنَةَ لَيْلَةً وَّالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا فَتَحَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَهْلِهٖ سَاعَةً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ایک رات اپنی خالہ حضرت میمونہ[۱] کے ہاں بسر کی اس رات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے پاس تھے آپ اپنے گھر والوں کے ساتھ کچھ دیر باتیں کرتے رہے[۲] پھر سو گئے

ثُمَّ رَقَدَ فَلَمَّا كَانَ ثُلُثُ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ اَوْ بَعْضُهٗ قَعَدَ فَنَظَرَ اِلَى السَّمَآءِ فَقَرَاَ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ اِلَى الْقِرْبَةِ فَاَطْلَقَ شِنَاقَهَا ثُمَّ صَبَّ فِی الْجَفْنَةِ ثُمَّ تَوَضَّاَ وُضُوْءًا حَسَنًا بَیْنَ الْوُضُوْئَیْنِ لَمْ یُكْثِرْ وَقَدْ اَبْلَغَ فَقَامَ فَصَلّٰى فَقُمْتُ وَتَوَضَّاْتُ فَقُمْتُ عَنْ یَّسَارِهٖ فَاَخَذَ بِاُذُنِیْ فَاَدَارَنِیْ عَنْ یَّمِیْنِهٖ فَتَتَامَّتْ صَلٰوتُهٗ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً ثُمَّ اضْطَجَعَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ وَكَانَ اِذَا نَامَ نَفَخَ فَاٰذَنَهٗ بِلَالٌ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى وَلَمْ یَتَوَضَّاْ وَكَانَ فِیْ دُعَآئِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَّعَنْ یَّسَارِیْ نُوْرًا وَّفَوْقِیْ نُوْرًا وَّتَحْتِیْ نُوْرًا وَّعَنْ اَمَامِیْ نُوْرًا وَّخَلْفِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّزَادَ بَعْضُهُمْ وَفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا وَّذَكَرَ وَعَصَبِیْ وَلَحْمِیْ وَدَمِیْ وَشَعْرِیْ وَ

جب رات کا آخری تہائی حصہ یا اس کا (چھوٹا حصہ) باقی رہ گیا تو آپ بیدار ہوئے اور اٹھ بیٹھے۔ پھر آپ نے آسمان کی طرف نگاہ بلند کی اور یہ آیت پڑھی۔

ختم سورۃ تک[٣]۔ بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں البتہ اہل عقل کے لیے نشانیاں ہیں پھر آپ کھڑے ہوئے اور ایک مشک[٤] کے پاس گئے اور اس کا منہ کھولا[٥] پھر ایک ٹب[٦] میں پانی ڈالا۔ پھر آپ نے دو وضوؤں کے درمیانی[٧] کا وضو کیا کہ آپ نے زیادہ پانی نہ بہایا مگر ہر عضو تک اچھی طرح پانی پہنچایا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور نماز پڑھنے لگے۔ میں بھی کھڑا ہوا اور وضو کیا اور آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا آپ نے میرے کان پکڑ کر مجھے اپنی دائیں جانب گھما دیا تو آپ کی تیرہ رکعت نماز مکمل ہو گئی[٨]۔ پھر آپ لیٹ گئے اور آپ کو نیند آ گئی۔ یہاں تک کہ آپ کے خراٹوں کی آواز آنے لگی اور یہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب نیند طاری ہوتی تو آپ کے خراٹوں کی آواز آتی تھی[٩]۔ پھر حضرت بلال نے آ کر آپ کو نماز کی اطلاع[١٠] دی۔ تو آپ نے نماز پڑھی[١١] اور تازہ وضو نہ کیا[١٢]۔ اور آپ کی دعا میں سے[١٣] یہ کلمات تھے اے میرے اللہ میرے دل میں نور بھر دے اور میری آنکھوں میں اور کانوں میں نور ڈال دے۔ اور میرے دائیں اور

بَشَرِیْ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ
وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا وَ اجْعَلْ فِیْ
نَفْسِیْ نُوْرًا وَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَ
فِیْ اُخْرٰی لِمُسْلِمٍ اَللّٰھُمَّ اَعْطِنِیْ
نُوْرًا۔

بائیں نور کر دے اور میرے اوپر میرے نیچے میرے آگے اور میرے پیچھے نور کر دے[۱۶] اور میرے پٹھوں کو نور کر دے اور میرے گوشت، میرے خون اور میرے بالوں اور چمڑے میں نور پیدا کر دے[۱۷]۔ بخاری و مسلم۔ اور ان دونوں کی ایک دوسری روایت میں یہ لفظ آئے ہیں اور میری روح[۱۸] میں نور پیدا کر دے اور مجھے اعظم نور عطا فرما اور مسلم کی ایک دوسری روایت ہے اے میرے اللہ مجھے نور عطا کر[۱۹]

⁂

---

[۱] یعنی ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں بچے تھے۔

[۲] یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ضرورت و مصلحت کے تحت عشا کے بعد باتیں کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ باب اوقات الصلوٰۃ میں بھی گزرا۔

[۳] بعض روایات میں لاتخلف المیعاد تک پانچ آیتیں پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ کھڑے ہونے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کے وقت بھی ان آیات کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں سواک کے وقت بھی ان کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔

[۴] اصل میں لفظ قِربۃ آیا ہے۔ قاف کی زیر اور را ساکن۔ یعنی مشک

[۵] عربی میں لفظ شِناق آیا ہے۔ شین کی زیر نون مخفف۔ آخر میں قاف۔ یعنی ڈوری یا رسی جس کے ساتھ مشک کا منہ باندھتے ہیں۔

[۶] اصل میں لفظ جَفنَۃ ہے۔ جیم کی زبر فا ساکن اور نون۔ یعنی بہت بڑا پیالہ (م ب)

[۷] یعنی آپ کے اس وضو میں نہ اسراف تھا اور نہ ہی ضرورت سے بھی کم پانی۔ یعنی آپ نے فضول پانی نہ بہایا جو حد اسراف کو پہنچ جائے اور نہ اتنا کم کہ اعضائے وضو کو تر و تازہ بھی کر سکے جیسا کہ فرمایا۔ لم یکثر وقد ابلغ۔

[۸] یہ تیرہ رکعت نماز وتروں کے ساتھ ہو گی۔ سنت فجر کی دو رکعتیں اس کے علاوہ ہیں۔ اس طرح یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ فجر کی دو سنتیں بھی ان تیرہ رکعت میں شامل ہیں۔ اور جب کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ رات کی نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ مبارک مختلف تھا۔ اس لیے کبھی اتنی اور کبھی اتنی رکعات پڑھتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز شب کا قطب و مدار حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احادیث ہیں۔

۹ه اور یہ سانس کی نالی کے کشادہ ہونے اور قوائے جسمانی کے صاف. اور سُدّہ وغیرہ سے محفوظ ہونے کی علامت تھی۔

۱۰ه اور اس بات کی اطلاع دی کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ سب نمازی حاضر ہیں اور مسجد میں جمع ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا یہ اطلاع دینا اذان کی اطلاع دینے کے علاوہ ہے۔ اذان کی اطلاع آپ کو اس وقت دی جاتی تھی جب کہ دیر ہو رہی ہوتی تھی اور آپ گہری نیند سوئے ہوتے تھے۔

۱۱ه یعنی آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور سنتیں پڑھیں۔

۱۲ه یعنی نیند سے بیدار ہو کر تازہ وضو نہ کیا۔ کیونکہ نیند سے آپ کا وضو نہ ٹوٹتا تھا۔ جیسا کہ گزشتہ بیان میں معلوم ہوا۔

۱۳ه یعنی اس دعا کے کلمات جو آپ سنت فجر اور فرض کے درمیان پڑھتے تھے۔ اکثر مشائخ کا عمل اسی پر ہے اور تہجد کے بعد اس دعا کے پڑھنے کا ذکر آیا ہے۔ ممکن ہے کہ اس حدیث میں بھی اس دعا کو تہجد پر محمول کیا جائے اور اسے دعائے طویل کہتے ہیں۔ حضرت امام شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ نے عوارف میں فرمایا۔ ہم نے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس دعا کو اپنا ہمیشہ کا ورد بنایا مگر اس شخص نے جسے اللہ تعالےٰ نے برکت اور نور سے بہرہ ور فرمایا ہے اور لمبی دعا ہے اس کے آخر میں یہ کلمات ہیں اللھم فی قلبی نورا الی آخرہ

۱۴ه تاکہ ہر چہ سمت نور ایمان و یقین اور شہود الہٰی میرے شامل حال ہو جائے اور میرا سارا وجود نورانی ہو جائے بلکہ یہ نور مجھے ذات حق تعالےٰ میں فانی کر دے۔

۱۵ه یعنی ایسا نور جو دائرہ حواس و جہات سے باہر ہو۔

۱۶ه یعنی بعض راویوں نے وفی لسانی نورا کا اضافہ کیا۔ یعنی میری زبان میں نور پیدا کر دے تاکہ دوسروں کو جو نور شہود اور استفاضہ اسرار وجود کرنا چاہتے ہیں میری نورانی زبان سے جو ابہام اور توہمات کی ظلمت سے محفوظ ہے، تعبیر کروں۔ اور وحی و الہام کے نور کی تائید سے جو اوہام کاذبہ کی معمولی سی ملاوٹ سے بھی پاک ہے۔ لوگوں کو راہ راست کی ہدایت، کروں۔

۱۷ه بعض نے اس طرح روایت کی اَجْعَلْ فِیْ عَصَبِیْ نورًا۔ و شعری نورًا۔ وبشری نورًا۔ یعنی میرے پٹھوں میں نور ڈال دے۔ میرے گوشت میں نور پیدا کر دے۔ میرے خون میں نور بھر دے۔ میرے بالوں میں نور ڈال دے اور میرے چمڑے میں نور بھر دے۔

۱۸ه نفس روحِ حیوانی سے عبارت ہے جو روح اور جسم کے درمیان برزخ و پردہ ہے۔ اور نور و لطافت اور ظلمت و کدورت کے وسط میں ہے۔ تاکہ میری روحانیت نور احکام سے متصف ہو جائے اور نورانیت کی بہت غالب آ جائے اور خیر و طاعت میں بھی اضافہ ہو۔ جیسا کہ فرمایا واعظم لی نورًا یعنی میرے لیے نور عظیم پیدا کر دے۔

۵۱۹ اس فقرے میں گذشتہ تمام تفصیلات کو مجملاً بیان کر دیا۔ یعنی اے اللہ اپنی نورانیت سے وہ حصہ عطا کر جس سے میرا ظاہر اور باطن۔ میرا جسم روح۔ زیر و زبر پیش و پس اور میرا دایاں بایاں پوری طرح روشن منور ہو جائے یہاں تک کہ میں اس طرح ہو جاؤں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے ؎

از درونم نمے روی بیروں
دگرفتی درون و بیروں را

ترجمہ۔ تو میرے باطن سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اگرچہ تو میرے ظاہر و باطن کو اپنی گرفت میں لے لے۔

اور جب کہ نور خاص اسم الٰہی اور اس کی ذات مقدس کا مصداق ہے تو کسی نے اس دعا کا حاصل اور خلاصہ بیان کرتے ہوئے یوں کہا۔ ؎

سرتاپایم فدائے سرتاپایت

یعنی میں سر سے پاؤں تک تیرے سرتاپاؤں پر فدا اور قربان ہوں

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ بے شک اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

۱۱۲۸/۹ وَعَنْهُ اَنَّهٗ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّاَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ اَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّاُ وَيَقْرَاُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيٰتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلٰثٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ روایت ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس¹ سو گئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور مسواک اور یہ پڑھتے ہوئے وضو کیا۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ختم سورۃ تک۔ پھر آپ کھڑے ہوئے اور دو رکعتیں پڑھیں۔ ان دونوں رکعتوں میں قیام، رکوع اور سجدہ لمبا کیا پھر لوٹے (بستر کی طرف) اور سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے پھر آپ نے تین بار اسی طرح کیا کہ آپ ہر بار مسواک کرتے، وضو فرماتے، اور یہ آیات پڑھتے۔ پھر آپ نے تین رکعت وتر ادا کیں۔

(مسلم)

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ بھی حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر پیش آیا کہ حضرت ابن عباس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سو گئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سو گئے۔

[2] اس حدیث میں دلیل ہے کہ وتر تین رکعت مشروع ہیں۔ بہت سی روایات میں نماز وتر ایک رکعت بھی آئی ہے۔ شافعی حضرات نے اس بارے میں مبالغہ سے کام لیا ہے اور تین رکعت وتر کے قول کو ضعیف کہا ہے۔ حالانکہ تین رکعت وتر کے ثبوت میں احادیث اور آثار صحیحہ ہیں۔ حق یہ ہے کہ وتر تین رکعت ہیں یا ایک رکعت علمائے صحابہ اور ان کے بعد کے علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ جیسا کہ باب الوتر میں آ رہا ہے۔ پھر یہ اختلاف اولیٰ اور افضل میں ہے یعنی تین رکعت وتر پڑھنا افضل اور اولیٰ ہے یا ایک رکعت پڑھنا۔ ورنہ کسی کے نزدیک بھی تین رکعت وتر پڑھنا ممنوع نہیں

۱۱۲۹/۱۰ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدِ الْجُهَنِيِّ أَنَّهُ قَالَ لَأَرْمُقَنَّ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّيْلَةَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ طَوِيْلَتَيْنِ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا ثُمَّ أَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَوَاهُ مُسْلِمٌ قَوْلُهُ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُوْنَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ هٰكَذَا فِيْ صَحِيْحِ مُسْلِمٍ وَأَفْرَادِهِ مِنْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَمُوَطَّأِ مَالِكٍ وَسُنَنِ أَبِيْ دَاوُدَ وَجَامِعِ الْأُصُوْلِ۔

حضرت زید بن خالد جہنی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا[2] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز ضرور دیکھوں گا تو آپ نے دو ہلکی رکعتیں پڑھیں۔ پھر دو رکعتیں دراز دراز دراز پڑھیں[3]۔ پھر دو رکعتیں پڑھیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں۔ پھر دو رکعتیں جو پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان پہلی دو سے ہلکی تھیں پھر دو رکعتیں پڑھیں جو ان پہلی دو سے ہلکی تھیں[4]۔ پھر وتر پڑھے۔ یہ تیرہ رکعتیں ہوئیں[5]۔

اسے مسلم نے روایت کیا اس قول تک کہ پھر دو رکعتیں پڑھیں اور وہ دونوں اپنی پہلی رکعتوں سے کم تھیں۔ چار[6] بار۔ یوں ہی صحیح مسلم[7] میں کتاب حمیدی کے افراد[8] میں موطا امام مالک سنن ابو داؤد اور جامع الاصول[9] میں ہے۔

---

[1] جیم کی پیش اور ہا کی زبر۔ حضرت زید مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ، حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں اور ان سے ابوسلمہ، عطا بن ابی یسار وغیرہ احادیث روایت کرتے ہیں۔

۸۰ھ میں کوفہ میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی اپنے آپ سے کہا۔

۳؎ یعنی بہت ہی لمبی

۴؎ تو یہ پانچ دوگانے ہوئے۔ اس ترتیب سے کہ ہر بعد دوگانہ پہلے دوگانہ سے ہلکا تھا۔

۵؎ اگر دو ہلکی رکعتوں کو اس نماز میں شامل نہ سمجھا جائے تو پھر یہ حدیث تین رکعت وتر پر مبنی ہوگی اور اگر شامل قرار دیا جائے تو اس صورت میں وتر ایک رکعت ہوں گے۔ پہلی معنیٰ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ ہلکی دو رکعتیں تحیۃ الوضو کے دو نفل ہوتے تھے۔ نہ کہ رات کی نماز۔

۶؎ یعنی مؤلف نے کہا کہ قول ثم صلی رکعتین وہما دون اللتین قبلہما اربع مرات۔ یعنی یہ قول چار بار ہے۔ جس کا مجموعہ آٹھ رکعت بنتا ہے اور پہلی دو رکعتوں کے ساتھ جو بہت لمبی تھیں، دس رکعتیں بنتی ہیں۔

۷؎ اور کتاب حمیدی میں جس میں صحیحین کی حدیثوں کو جمع کیا اور افراد مسلم میں۔ اور اس میں تین قسم کی احادیث ہیں۔ ایک وہ جو بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہیں جنہیں دونوں نے روایت کیا۔ دوسری وہ جس میں بخاری اکیلے ہیں۔ اور امام بخاری اس سے مخصوص ہیں اور ان کی روایت کرتے ہیں وہ متفرد ہیں۔ تیسری قسم وہ کہ اس میں امام مسلم اکیلے ہیں۔ اور وہ اس کی روایت میں متفرد ہیں۔ امام بخاری نے انہیں روایت نہیں کیا۔ پس صحیح مسلم کے متن میں یہ عبارت چار دفعہ واقع ہوئی اور کتاب حمیدی میں بھی ایسا ہی ہے

۸؎ جامع الاصول وہ کتاب ہے جس میں صحاح ستہ کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ اور یہ مبالغہ آمیز کلام مولف کی جانب سے صاحب مصابیح پر ایک طرح کا اعتراض ہے کہ اس نے اس قول کو تین بار ذکر کیا جس کا مجموعہ گیارہ رکعت بنتی ہیں۔ بعض شارحین نے یہ توجیہہ کی ہے کہ تین بار لفظ طویلتین طویلتین طویلتین چھ رکعت پر محمول ہے اور ان میں حرف عطف محذوف ہے۔ اور دو ہلکی رکعتیں اس سے خارج ہیں اور وتر ایک رکعت پڑھا اس توجیہہ کے مطابق تیرہ رکعت بنیں۔ مگر اس توجیہہ میں تکلف پایا جاتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ لفظ طویلتین کا تکرار تاکید اور تطویل میں مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا۔

۱۱۳۰ / ۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا بَدَّنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَثَقُلَ كَانَ اَكْثَرُ صَلٰوتِهٖ جَالِسًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کی وجہ سے گراں بدن ہو گئے۱؎ تو آپ کی زیادہ تر نماز بیٹھ کر ہوتی تھی۲؎ (بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جب ضعف پیری کی وجہ سے آپ تن دار ہو گئے اور بڑھاپے کے باعث آپ کو اپنا جسم مبارک بھاری محسوس ہونے لگا۔

۲؎ یعنی نماز شب یا مطلق نوافل آپ بیٹھ کر ادا کرتے تھے۔ واضح ہو کہ لفظ بدّن دال مخفف اور اس کی پیش

سے روایت کیا گیا ہے اور یہ بدانت سے مشتق ہے بمعنی فربہ پن اور جسم کا بوجھل ہونا۔ یہ لفظ دال کی زبر اور شد سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ یہ تبدین سے مشتق ہے بمعنی بڑھاپا۔ بعض علماء نے اس روایت کو زیادہ پسند کیا ہے۔ کیونکہ آپ کے حلیہ شریف کے بیان میں علماء نے یوں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معتدل الخلق (معتدل وجود والے) اور چھریرے بدن والے تھے۔ اور فربہ اس کے منافی ہے۔ بعض علماء نے پہلی روایت کو ترجیح دی ہے۔ حضرت عائشہ کی حدیث کی وجہ سے اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ **فَلَمَّا اَسَنَّ وَاَخَذَہُ اللَّحْمُ** ۔ (جب آپ معمر ہو گئے اور گوشت بڑھ گیا) گوشت کا اعتدال کے طور پر بڑھنا اعتدال پر پیدا ہونے اور جسم کے سڈول ہونے کے منافی نہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۱۳۱/۱۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِیْ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ فَذَكَرَ عِشْرِيْنَ سُوْرَةً مِّنْ اَوَّلِ الْمُفَصَّلِ عَلٰى تَالِيْفِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ سُوْرَتَيْنِ فِیْ رَكْعَةٍ اٰخِرُهُنَّ حٰمٓ الدُّخَانِ وَعَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک دوسری سے ملتی جلتی[1] سورتوں کو خوب جانتا ہوں جنہیں آپ ایک دوسری سے ملاتے تھے تو حضرت ابن مسعود نے اپنی تالیف کے مطابق اول مفصل[2] سے لے کر بیس سورتوں کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت میں دو سورتیں پڑھتے تھے ان بیس میں آخری یہ دو سورتیں تھیں حٰمٓ الدخان اور عم یتساءلون[3] (بخاری ومسلم)

[1] یعنی جو سورتیں قدر و منزلت اور لمبی چھوٹی ہونے میں ایک دوسری کی نظیر اور مثل تھیں۔ آپ ان کو ایک دوسری سے ملا کر پڑھتے تھے۔

[2] مفصل کا معنی باب القراءت میں بیان ہو چکا ہے کہ قول مشہور کے مطابق سورہ حجرات سے تا آخر قرآن مفصل سورتیں ہیں مگر یہ سورتیں جو ایک دوسری کی نظیر و مثل ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی جمع وتالیف قرآن کے مطابق ہیں۔ بعض صحابہ نے بعض مصلحتوں کے تحت قرآن پاک کی ایک خاص ترتیب بنا رکھی تھی۔ جیسے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے جمع کیا تھا۔ علماء یہ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی قرآن پاک کے نزول کے موافق ایک ترتیب دے رکھی تھی۔ اس ترتیب سے ناسخ و منسوخ کا پتہ چل جاتا تھا۔ مگر اس کے بعد جب ثابت ہو گیا کہ قرآن پاک کی ترتیب وحی کے مطابق ہے۔ اور قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور یہ کہ حضرت جبرئیل نازل کرتے وقت کہتے تھے کہ اس سورت کو فلاں سورت کے بعد رکھا جائے اور اس آیت کو فلاں جگہ اور اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا اور صحابہ کے اتفاق سے عثمانی مصاحف لکھ کر تیار ہو گئے۔ تو پھر کسی اختلاف و اشتباہ کی گنجائش نہ رہی۔ اور آپ ایک دوسری سے ملتی جلتی سورتوں کو جو ملاتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دو سورتوں کو ایک رکعت میں پڑھتے تھے۔

۵۳ علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے وہ بیس سورتیں اس ترتیب سے ذکر کی ہیں جو امام سیوطی کی تفسیر اتقان میں بیان کردہ ترتیب کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۱۳۲/۱۳ عَنْ حُذَیْفَۃَ اَنَّہٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ فَکَانَ یَقُوْلُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ثَلٰثًا ذُو الْمَلَکُوْتِ وَ الْجَبَرُوْتِ وَالْکِبْرِیَآءِ وَ الْعَظَمَۃِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَاَ الْبَقَرَۃَ ثُمَّ رَکَعَ فَکَانَ رُکُوْعُہٗ نَحْوًا مِّنْ قِیَامِہٖ فَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ الرُّکُوْعِ فَکَانَ قِیَامُہٗ نَحْوًا مِّنْ رُکُوْعِہٖ ثُمَّ یَقُوْلُ لِرَبِّیَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَکَانَ سُجُوْدُہٗ نَحْوًا مِّنْ قِیَامِہٖ فَکَانَ یَقُوْلُ فِیْ سُجُوْدِہٖ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ثُمَّ رَفَعَ رَاْسَہٗ مِنَ السُّجُوْدِ وَکَانَ یَقْعُدُ فِیْمَا بَیْنَ السَّجْدَتَیْنِ نَحْوًا مِّنْ سُجُوْدِہٖ وَکَانَ یَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ فَصَلّٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ قَرَاَ فِیْھِنَّ الْبَقَرَۃَ وَ اٰلَ عِمْرَانَ وَ النِّسَآءَ وَ الْمَآئِدَۃَ اَوِ الْاَنْعَامَ شَکَّ شُعْبَۃُ۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

دوسری فصل

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ تین بار فرماتے تھے اللہ بڑا ہے ملکوت جبروت اور کبریائی والا ہے۔ پھر نماز شروع کی تو سورہ بقرہ پڑھی پھر رکوع کیا تو آپ کا رکوع آپ کے قیام کے مثل تھا۵۴۔ اپنے رکوع میں سبحان ربی العظیم کہتے تھے۵۵۔ پھر رکوع سے سر مبارک اٹھایا تو آپ کا قومہ رکوع کی مثل تھا۵۶۔ فرماتے تھے۔ ربی الحمد میرے رب کے لیے حمد و ثنا ہے۵۷۔ پھر سجدہ کیا۔ تو آپ کا سجدہ قومہ کی مثل تھا۔ اپنے سجدہ میں فرماتے تھے سبحان ربی الاعلیٰ۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا۔ اور آپ دو سجدوں کے درمیان سجدے کی مثل ہی بیٹھتے تھے۔ اور کہتے تھے مولیٰ مجھے بخش دے۵۸ اور آپ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ جن میں آل عمران، نسا، مائدہ، یا انعام پڑھیں۔ شک شعبہ کو ہے۵۹۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی تین بار اللہ اکبر کہا۔ پھر ذوالملکوت والجبروت والکبریا والعظمۃ کے الفاظ پڑھے۔ ملکوت ملک کا مبالغہ ہے جبروت جبر بمعنی قہر و غلبہ کا صیغہ مبالغہ ہے۔ یہ صیغہ مبالغہ کے معنیٰ میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے رحموت۔ رغبوت اور کبریا او عظمت دونوں قریب المعنیٰ ہیں اور اگر ایک کو ذات پر اور دوسرے (عظمت) کو صفات پر حمل کیا جائے تو یہ بھی درست ہے۔

[2] یعنی پھر آپ نے دعائے استفتاح سبحانک اللھم پڑھی اور شروع نماز کی دعائیں گذشتہ باب مایقرء بعد التکبیر میں گزر چکی ہیں۔

[3] یعنی لمبائی میں۔ کہ جس طرح قیام کو مقررہ عادت کی مقدار سے قرأت کی درازی سے دراز کیا رکوع کو بھی ذکر و تسبیح کے ذریعہ قیام کی مقدار دراز کیا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیام و رکوع فی الحقیقت درازی میں برابر تھے۔ بلکہ درازی میں ایک دوسرے کے نزدیک تھے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ بعض اوقات دونوں برابر بھی ہوتے تھے۔ جیسا کہ نسائی نے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے روایت کیا۔ ہم نے شرح میں اسے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

[4] روایات میں اس کے علاوہ اور اذکار اور دعائیں بھی آئی ہیں۔

[5] یعنی لمبائی اور درازی میں قومہ رکوع کی طرح تھا۔

[6] یہ الفاظ آپ نے مکرر پڑھے۔ اس کے علاوہ اور اذکار بھی آتے ہیں۔

[7] بعض روایات میں اس سے زائد کلمات میں آئے ہیں۔ جیسا کہ باب السجود میں گزرا۔

[8] یعنی یہ شعبہ کو شک ہے جو حدیث کا راوی ہے کہ چوتھی رکعت میں سورۃ مائدہ پڑھی یا سورۃ انعام۔

١١٣٣/١٤ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَامَ بِعَشْرِ اٰيَاتٍ لَّمْ يُكْتَبْ مِنَ الْغَافِلِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِمِائَةِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْقَانِتِيْنَ وَمَنْ قَامَ بِاَلْفِ اٰيَةٍ كُتِبَ مِنَ الْمُقَنْطِرِيْنَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کی نماز میں دس آیات پڑھتا ہے وہ غافلوں میں نہیں لکھا جاتا۔[1] اور جو شخص سو آیات کے ساتھ قیام اللیل کرتا ہے وہ اطاعت گزار لوگوں میں لکھا جاتا ہے۔[2] اور جو رات کی نماز میں ایک ہزار آیت پڑھتا ہے اس کا نام عظیم ثواب حاصل کرنے والوں میں لکھ دیا جاتا ہے۔[3] (ابوداؤد)

[1] یعنی دو رکعت یا گیارہ رکعت میں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ آیات سورۃ فاتحہ کے علاوہ ہیں۔ یعنی صرف دس آیات پڑھنے کی مقدار رات کو اٹھ کر نماز میں پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ ایسا کرنے والے سے غفلت کا نام اٹھا لیا جاتا ہے۔ اور یہ

اسے غفلت کے نام سے موسوم نہیں کیا جاتا اور اسے غفلت کی پستی سے نکال لیا جاتا ہے اور یہ سب سے کم درجہ ہے۔

۲ے قانتین یعنی اطاعت کرنے والے اور خدا تعالٰے کے حکم کی بجا آوری کرنے والے اور نماز کو دراز کرتے والے۔ یہ درمیانہ درجہ ہے۔ قانتین قنوت سے مشتق ہے بمعنی طاعت، طول قیام اور خشوع و خضوع۔

۳ے اور ان لوگوں کی طرح ہوتا ہے جو بہت سامال و اسباب حاصل کر لیتے ہیں۔ قنطار مال کثیر کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قنطار کا لفظ کم از کم ستر ہزار دینار پر بولا جاتا ہے۔ اور یہ ثواب کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اس سے بھی بلند بہت سے درجے ہیں۔ اللہ تعالٰے ہمیں یہ مدارج عطا کرے۔

۱۱۳۴/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَتْ قِرَآءَةُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ یَرْفَعُ طَوْرًا وَّ یَخْفِضُ طَوْرًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرادت اس طرح ہوتی تھی کہ کبھی آپ آواز بلند کرتے کبھی پست کرتے تھے ۱ے (ابوداؤد)

۱ے یعنی تقاضائے وقت کے مطابق۔ عطاء نے کہا ہے کہ اگر آپ تنہا نماز پڑھ رہے ہوتے تو بلند آواز سے پڑھتے اور اگر وہاں کوئی سو رہا ہوتا تو پھر پست آواز سے پڑھتے۔

۱۱۳۵/۱۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی قَدْرِ مَا یَسْمَعُهٗ مَنْ فِی الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِی الْبَیْتِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنی بلند قراءت فرماتے کہ صحن ۱ے میں بیٹھا ہوا آدمی آپ کی آواز سن لیتا تھا جب کہ آپ مکان کے اندر پڑھ رہے ہوتے تھے۔ (ابوداؤد)

۱ے حجرہ کی تفسیر صحن خانہ اور دیوان خانہ سے کی گئی ہے۔ بعض شارحین نے کہا کہ حجرہ اور بیت سے ایک ہی جگہ مراد ہے یعنی جب آپ گھر کے صحن کے اندر پڑھتے تو گھر میں پاس بیٹھنے والا آپ کی قرارت سنتا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب آپ نماز مسجد میں ادا کرتے تو مسجد کے باہر تک آپ کی آواز جاتی تھی۔

۱۱۳۶/۱۷ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَکْرٍ یُّصَلِّیْ وَهُوَ یَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ یُصَلِّیْ رَافِعًا

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات باہر نکلے تو آپ کا آمنا سامنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے ہوا۔ صدیق اکبر آہستہ آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمر کے پاس سے گزرے

صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّيْطَانَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا اَبَا بَكْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اَخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَيْئًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ)

اور وہ بلند آواز سے قراءت کر رہے تھے حضرت ابوقتادہ کہتے ہیں جب دونوں حضرات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر میں تیرے قریب سے گزرا تو نماز میں پست آواز سے قرآن پڑھ رہا تھا[1]۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ میں اس ذات کو سنوا رہا تھا جسکے حضور مناجات کر رہا تھا[2] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا میں تیرے قریب سے گزرا تو نماز میں بلند آواز سے قراءت کر رہا تھا[3]۔ حضرت عمر نے عرض کیا میں سونے والوں[4] اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو بیدار کرتا ہوں اور شیطان کو دفع کرتا ہوں[5]، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر سے فرمایا اے ابوبکر تو اپنی آواز ذرا اونچی کر اور حضرت عمر سے فرمایا تو اپنی آواز قدرے پست کر[6]۔ ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] کہ تو نے اپنی آواز کس لیے اتنی پست کر رکھی ہے۔

[2] اور جس سے راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہوں۔

[3] کہ تیرے بلند آواز سے پڑھنے کا کیا سبب و باعث ہے۔

[4] جو عبادت کے وقت بیدار نہیں ہوتے مگر بیدار رہنا چاہتے ہیں، نیند کی گرانی اور ابلیس کی مداخلت انہیں بیدار نہیں ہونے دیتی۔

[5] تاکہ وہ قرآن پاک سننے سے بھاگ جائے اور دائرہ وسواس کے گرد نہ گھوم سکے۔ شیطان تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سایہ سے بھی بھاگتا تھا اور جب آپ قرآن پڑھ رہے ہوتے تھے تو اس وقت ابلیس اس مکان کے قریب بھی نہ آسکتا تھا۔ ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی نیت بیان کی دونوں کا مقصد و موقف درست ہے۔ جیسا کہ علماء فرماتے ہیں۔ جب کوئی شخص پاس نماز پڑھ رہا ہو تو بلند آواز سے ذکر نہ کرنا چاہیے اور نہ قرآن بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔ مگر سوئے ہوئے آدمی کے پاس بلند آواز سے پڑھنا چاہیے۔ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ غفلت میں پڑے ہوئے بیدار ہو جائیں۔ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے جو آدمی نمازی ہو اور اتفاق سے سویا ہوا ہو اسے نماز کے لیے جگانا چاہیے اور جو ایسا نہ ہو اسے نہ جگانا چاہیے۔ تاکہ اس

ایک گھڑی میں نماز کا مکلف نہ بن سکے دور صحابہ کے تمام لوگ نماز کے پابند تھے اور اس بارے میں پوری کوشش سے کام لیتے تھے۔

۵۶ یہ وسط و اعتدال کے طریقہ پر چلنے کی ہدایت ہے۔ اور اس عادت کو تبدیل کرنے کا حکم ہے جسے ان حضرات نے اختیار کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ مریدین کے بارے میں مرشدین کاملین کا طریقہ اور تصرف ہوتا ہے۔

۱۱۳۷/۱۸ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَصْبَحَ بِاٰیَةٍ وَ الْاٰیَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔
(رَوَاهُ النِّسَآئِیُّ وَ اَبْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات ایک ہی آیت کا تکرار کرتے رہے یہاں تک کہ صبح کر دی۱۔ اور وہ یہ آیت تھی۲ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ اگر تو انکو عذاب دے تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر نہیں تو بخش دے تو بیشک تو غالب حکمت والا ہے

(ترمذی و ابن ماجہ)

۱ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی آیت کے ساتھ صبح تک قیام لیل کیا۔ کہ نماز میں اس ایک آیت کا تکرار اور اس میں تدبر کرتے رہے۔ بعض شافعیہ کہتے ہیں کہ اس میں دلالت ہے کہ قیام میں سورۃ فاتحہ کا تکرار نماز کو باطل نہیں کرتا اور نہ ایک ہی آیت کے تکرار سے نماز میں کوئی ضرر و نقصان لاحق ہوتا ہے۔ بلکہ نشاط و خوشی کے وقت ایسا کرنا مستحب ہے میں نے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ بعض اوقات اہدنا الصراط تا آخر سورت طبیعت کو اچھا لگتا اور ذوق عطا کرتا ہے۔ ایسے وقت میں کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا فرض نماز میں ایسا نہ کرنا چاہیے نفل نماز میں ایسا کرنے کا اختیار ہے۔

۲ یعنی وہ آیت جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری رات پڑھتے رہے، یہ تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ الی آخر یہ آیت دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کے بارے میں قول ہے کہ آپ نے درگاہ حق تعالیٰ میں عرض کیا کہ اگر تو ان کو عذاب میں مبتلا کرے تو وہ تیرے بندے ہیں کیا کر سکتے ہیں اور اپنی کوتاہیوں کی بنا پر اس کے مستحق ہیں اور تیری رحمت و مغفرت کے لائق ... اور اگر ان کے مستحق عذاب ہونے کے باوجود تو ان کو بخش دے تو تو غالب ذات ہے کسی کی کیا مجال ہے کہ تجھے کہ سکے کہ تو نے ایسا کیوں اور کیا کیا ہے۔ اس میں ضرور کوئی حکمت و مصلحت ہو گی۔ گویا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درگاہ عزت میں اپنی امت کا حال عرض کیا اور ان کے لیے مغفرت چاہی۔

۱۱۳۸/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُكُمْ رَكْعَتَیِ الْفَجْرِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی فجر کی دو رکعت سنت پڑھے تو اپنے

فَلْيَضْطَجِعْ عَلٰى يَمِيْنِهٖ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ)

دائیں پہلو پر سو جائے[1]
(ترمذی، ابو داؤد)

[1] اس حدیث کی شرح گزر چکی ہے۔ اس حدیث میں ایسا کرنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ اسی وجہ سے بعض اہل ظواہر اسے واجب قرار دیتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۳۹/۲۰ عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ اَيُّ الْعَمَلِ كَانَ اَحَبَّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتِ الدَّائِمُ قُلْتُ فَاَيَّ حِيْنٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ قَالَتْ كَانَ يَقُوْمُ اِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت مسروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب سے محبوب عمل کونسا تھا فرمایا وہ عمل جو ہمیشہ کیا جائے[1]۔ میں نے عرض کیا آپ رات کس وقت اٹھتے تھے فرمایا جب آواز دینے والا (مرغ) آواز دیتا[2] تو اٹھ کھڑے ہوتے۔ (بخاری ومسلم)

[1] اور جس پر عمل کرنے والا ہمیشگی کرے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اگرچہ وہ قلیل عمل ہی ہو۔

[2] علماء نے کہا ہے کہ مرغ کی عادت ہے کہ وہ نصف شب کے بعد یا اس کے قریب بانگ دیتا ہے شاید یہ اختلاف مرغ کے مختلف علاقوں کے اختلاف کے باعث ہوتا ہو۔ اور ہمارے بلاد ہندوستان وپاکستان میں غالب طور پر مرغ رات کے تیسرے حصے کے آخر میں بلکہ رات کے آخری چھٹے حصے میں بانگ دیتا ہے۔

۱۱۴۰/۲۱ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَا كُنَّا نَشَاءُ اَنْ نَرٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْنَاهُ وَلَا نَشَاءُ اَنْ نَرَاهُ نَائِمًا اِلَّا رَاَيْنَاهُ (رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نہ چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں نماز پڑھتا ہوا دیکھیں مگر آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھتے اور ہم نہ چاہتے تھے کہ آپکو سویا ہوا دیکھیں مگر آپکو سویا ہوا پاتے تھے[1] (نسائی)

[1] یعنی آپ رات کو نیند بھی کرتے اور قیام بھی۔ نہ ساری رات بیدار رہتے نہ ساری رات سوتے۔ لہذا ہم آپ کو سویا ہوا بھی پاتے اور عبادت کرتا ہوا بھی۔

۱۱۴۱/۲۲ وَعَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ

حضرت حمید[1] بن عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْتُ وَاَنَا فِيْ سَفَرٍ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَرْقُبَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ حَتّٰى اَرٰى فِعْلَهٗ فَلَمَّا صَلّٰى صَلٰوةَ الْعِشَآءِ وَهِيَ الْعَتَمَةُ اضْطَجَعَ هَوِيًّا مِّنَ اللَّيْلِ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَنَظَرَ فِي الْاُفُقِ فَقَالَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا حَتّٰى بَلَغَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ثُمَّ اَهْوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى فِرَاشِهٖ فَاسْتَلَّ مِنْهُ سِوَاكًا ثُمَّ اَفْرَغَ فِيْ قَدَحٍ مِّنْ اِدَاوَةٍ عِنْدَهٗ مَآءً فَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى حَتّٰى قُلْتُ قَدْ صَلّٰى قَدْرَ مَا نَامَ ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتّٰى قُلْتُ قَدْ نَامَ قَدْرَ مَا صَلّٰى ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَفَعَلَ كَمَا فَعَلَ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَقَالَ مِثْلَ مَا قَالَ فَفَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَبْلَ الْفَجْرِ۔

(رَوَاهُ النَّسَآئِيُّ)

کے صحابہ میں سے ایک شخص نے کہا کہ میں نے سوچا حالانکہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھا کہ قسم خدا کی میں نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوں گا[2]۔ حتیٰ کہ آپ کا عمل دیکھ لوں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشا یعنی عتمہ[3] پڑھ لی۔ تو کافی رات تک[4] لیٹے رہے پھر جاگے تو کنارہ آسمان میں نظر فرمائی[5] پھر کہا ہمارے رب تو نے اسے بیکار پیدا نہ کیا۔ یہاں تک کہ لاتخلف المیعاد تک پہنچ گئے[6]۔ پھر اپنے بستر کی طرف جھکے۔ وہاں سے مسواک نکالی[7] پھر اس برتن سے جو آپ کے پاس رکھا تھا پانی پیالے میں انڈھیلا۔ پھر مسواک کی پھر کھڑے ہوئے نماز پڑھتے رہے۔ حتیٰ کہ میں نے سوچا کہ آپ نے سونے کے بقدر نماز پڑھ لی۔ پھر لیٹ گئے حتیٰ کہ میں نے کہا کہ آپ بقدر نماز سو لیے۔ پھر بیدار ہو گئے تو جیسا پہلی بار کیا تھا ویسا ہی کیا اور جو پہلے فرمایا تھا ویسا ہی فرمایا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر سے پہلے یہ کام تین بار کیا۔

(نسائی)

---

[1] حمید حا کی پیش۔ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔

[2] یعنی میں چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو دیکھوں۔ اس میں غور کروں اور اسے محفوظ رکھوں۔

[3] یعنی وہ نماز عشا جسے عتمہ کہتے ہیں۔ یہ لفظ مغرب کی نماز سے احتراز کے لیے ہے کہ اسے بھی عشا کہا جاتا ہے

اول زمانہ میں عرب کے دیہاتی مغرب کو عشا اور عشا کو عتمہ یعنی تاریکی کہتے تھے۔ اس کے بعد عشاء کو عتمہ کہنے سے روک دیا گیا۔ اس معنیٰ کی تحقیق باب اوقات صلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

[۴] اصل میں لفظ ہَوِیًّا آیا ہے۔ ھا کی زبر واو کی زیر اور یا کی شد۔ یعنی زمانہ طویل۔ بعض نے کہا یہ لفظ رات کے ساتھ خاص ہے۔

[۵] یعنی آسمان میں اور اکثر روایات میں فی السماء کا لفظ واقع ہوا ہے اور اس روایت میں افق کا ذکر گویا اس بنا پر آیا ہے کہ ستارے افق میں اور اس کے قریب زیادہ روشن اور تاباں دکھائی دیتے ہیں۔

[۶] دوسری روایات میں آتا ہے کہ آپ اس آیت کی ابتدا ان فی خلق السموات والارض سے کرتے تھے اور آخر سورۃ یا لا تخلف المیعاد تک پڑھتے تھے۔

[۷] اصل عربی میں لفظ سَلّ آیا ہے۔ یعنی کسی چیز کو نرمی سے کھینچنا۔ جس طرح شمشیر کو نیام سے نکال لیتے ہیں۔

۱۱۴۲/۲۳ وَعَنْ يَعْلَى[۱] بْنِ مَمْلَكٍ اَنَّهٗ سَاَلَ اُمَّ سَلَمَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلٰوتِهٖ فَقَالَتْ وَمَا لَكُمْ وَصَلٰوتَهٗ كَانَ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَنَامُ قَدْرَ مَا صَلّٰى حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ نَعَتَتْ قِرَاءَتَهٗ فَاِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُّفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ[۴]۔

حضرت یعلیٰ[۱] بن مملک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرارت اور نماز کے بارے میں پوچھا انہوں نے فرمایا کہ تمہیں ان کی نماز سے کیا نسبت[۲]۔ آپ نماز پڑھتے تھے۔ پھر نماز کے بقدر سوتے تھے۔ پھر سونے کے بقدر نماز پڑھتے تھے پھر نماز کے بقدر سوتے تھے، حتیٰ کہ صبح کرتے۔ پھر آپ کی قرارت بیان کی[۳] تو ایسی قرارت کرنے لگیں کہ ایک ایک حرف صاف جدا جدا کر کے

(ابو داؤد، ترمذی، نسائی)

[۱] یا کی زبر عین ساکن۔ لام پر زبر۔ مملک پہلی میم کی پیش دوسری میم ساکن لام کی زبر۔ یعلی بن مملک طبقہ ثالثہ میں سے اور تابعین میں سے ہیں۔

[۲] یعنی تمہارا آپ کی نماز سے کیا کام اور آپ کی نماز کے بارے میں تم کیا پوچھتے ہو اور آپ کی نماز کی طرح تم لوگ کس طرح نماز پڑھ سکتے ہو۔ بعض شارحین کہتے ہیں کہ اس کلمہ سے حضرت ام سلمہ کی مراد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آنے پر آپ کے حالات کو یاد کر کے ان پر حسرت اور افسوس کا اظہار ہے۔ پھر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی نماز کا ذکر فرمایا جو اہم اور افضل ہے۔

[۵۳] اور اس کی کیفیت بیان فرمانے لگیں۔

بَابُ مَا يَقُوْلُ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ

جب رات میں اٹھے تو کیا پڑھے

یعنی ان اذکار و دعاؤں کا باب جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم اور ہمیشہ اور تمام اوقات و حالات میں پڑھتے تھے خصوصًا قیام لیل میں جو اوقات و حالات میں افضل اور رحمت ربانی اور انوار رحمانی کے چمکنے اور قربت و اجابت کے آثار کے ظہور اور نور و حضور کے ظاہر ہونے کا وقت و موقعہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۱۴۳/۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَتَهَجَّدُ قَالَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ قَيِّمُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ مَلِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَلَكَ الْحَمْدُ اَنْتَ الْحَقُّ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ وَلِقَاءُكَ حَقٌّ وَقَوْلُكَ حَقٌّ وَالْجَنَّةُ حَقٌّ وَالنَّارُ حَقٌّ وَالنَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَمُحَمَّدٌ حَقٌّ وَالسَّاعَةُ حَقٌّ اَللّٰهُمَّ لَكَ اَسْلَمْتُ وَبِكَ اٰمَنْتُ وَعَلَيْكَ

پہلی فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد پڑھنے کے لیے اٹھتے[۱] تو کہتے الہٰی تیرے لیے حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں[۲] کا قائم رکھنے والا ہے۔ تیرے لیے ہی حمد ہے۔ تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا نور ہے[۳] اور تیری ہی حمد ہے تو آسمانوں اور زمین اور ان کے اندر والوں کا بادشاہ ہے[۴]۔ اور تیری ہی حمد ہے تو حق[۵] ہے اور تیرا وعدہ حق ہے۔ تجھ سے ملنا حق ہے[۶]۔ اور تیری بات حق ہے[۷]۔ جنت حق ہے۔ دوزخ حق ہے نبی حق ہیں۔ جناب محمد حق ہیں۔ قیامت حق ہیں اے اللہ تیرے لیے میں اسلام لایا[۸]۔ تجھ پر میں ایمان لایا اور تجھ پر میں نے بھروسہ کیا اور تیری طرف میں نے رجوع کیا[۹]۔ تیرے بھروسے پر میں کفار سے

تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْكَ اَنَبْتُ وَ بِكَ
خَاصَمْتُ وَ اِلَيْكَ حَاكَمْتُ فَاغْفِرْلِیْ
مَا قَدَّمْتُ وَ مَا اَخَّرْتُ وَ مَا
اَسْرَرْتُ وَ مَا اَعْلَنْتُ وَ مَا
اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ
وَ اَنْتَ الْمُؤَخِّرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ
وَ لَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

لڑتا ہوں ۱۰؎۔ اور تجھ سے فیصلہ چاہتا ہوں ۱۱؎۔ میرے اگلے
پچھلے چھپے کھلے بخش دے اور وہ بخش جنہیں
تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔ تو ہی آگے
بڑھانے والا ہے اور تو ہی پیچھے ہٹانے والا
ہے ۱۲؎۔ تو ہی معبود ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود
نہیں ۱۳؎۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جب آپ رات کے بعض حصے میں نماز تہجد کے لیے اُٹھتے۔ لغت میں ہجود اور تہجد کا لفظ نیند اور بیداری دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔ اس کے بعد اس کا استعمال زیادہ تر اس نماز کے لیے ہونے لگا جو نیند سے بیدار ہو کر پڑھی جاتی ہے۔ بعض نے تہجد کا معنیٰ نیند ترک کرنے کا کیا ہے جس طرح لفظ تاثم کا معنیٰ ہے اثم (گناہ) کو چھوڑ دینا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز تہجد کے لیے اُٹھتے تو یہ دعا پڑھتے۔

۲؎ اور جو ان دونوں کے اندر ہیں یعنی ملائکہ، جنات اور انسان۔ یعنی تو ہی مخلوق کی حفاظت کا ذمہ دار اور ان کے امور کا مدبر اور انہیں قائم رکھنے والا ہے کہ اگر ایک سانس کے لیے بھی اس فیض کے حصول کا سلسلہ بند ہو جائے تو سارے عالم کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ بیت

گر نرسد قافلہ بہ قافلہ   فیض تو برہم فتد این سلسلہ

یعنی اگر تیرا فیض قافلہ در قافلہ نہ پہنچے تو یہ سلسلہ کائنات درہم برہم ہو کر رہ جائے۔

اور قیومیت کی تخصیص عقلاء کے ساتھ کہ کلمہ مَن عقلاء کے لیے آتا ہے اس بنا پر ہے کہ ان کے لیے قیومیت کے ذکر سے ان کا شرف و اہتمام ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل کا موجود ہونا یہ وہم ڈالتا ہے کہ ذوی العقول چیزیں بہ نفس خود قائم ہیں اور اپنے امور کی خود مدبر ہیں اور لفظ قیم، قیوم اور قیام سب مبالغہ کے صیغے ہیں۔ اور ان تینوں لفظوں کے ساتھ روایت آئی ہے قیام لیل کے ذکر کے مقام میں ان الفاظ کا ذکر مناسب ہے۔

۳؎ تو ہی آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے، کو روشن رکھنے اور وجود عطا کرنے والا ہے۔ یہ تمام مخلوق سے کنایہ ہے قوم کی اصطلاح میں نور اسے کہتے ہیں جو خود ظاہر اور اپنے غیر کو ظاہر کرنے والا ہو۔ اس معنیٰ کی تفسیر آیۃ اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض سے تلاش کرنی چاہیے۔ کاتب حروف (حضرت شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) کو بھی اس کے ذکر میں ایک مستقل رسالہ لکھنے کی توفیق نصیب ہوئی ہے۔ اس مقام میں نور کا ذکر کرنے کی وجہ بالکل ظاہر و عیاں ہے۔

۴؎ ملک (بادشاہ) کا ذکر بھی یہاں مناسب ہے کیونکہ نصف شب میں بادشاہِ بادشاہاں کی یاد آیۃ تؤتی الملک من تشاء (تو جسے چاہتا ہے بادشاہی عطا کرتا ہے) کے مطابق اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے کوچہ کے گداؤں کو عطا فرماتا ہے چنانچہ اکابر اولیاء میں سے ایک بزرگ نے کہا ہے۔ بیت

زانگہ کہ یافتم خبر از ملکِ نیم شب
صد ملکِ نیم روز بیک جو نمے خرم

ترجمہ۔ جب سے مجھے ملک نیم شب میسر آیا ہے میں سو ایسے ملک ایک جو کے عوض لینے کو تیار نہیں ہوں۔ جن پر نصف دن تک سورج چمکتا رہتا ہے۔

۵؎ یعنی تمام کمالات کے ساتھ تو ہی حمد وثنا کے لائق ہے۔ اور معدوم و باطل ہونے کے وہم کے بغیر تیری ہی ذات موجود، ثابت اور قائم ہے تیرے سوا جو کچھ ہے اپنی حد ذات میں معدوم و باطل ہے۔ اس کے موجود اور ثابت ہونے کا زیور اسے تیری ذات سے عاریۃً ملا ہے۔

۶؎ تیرا وعدہ حق ہے جو تو نے اپنے بندگان خاص سے دنیا میں مدد و نصرت کا اور آخرت میں اجر و ثواب خصوصًا اپنی ذات کے دیدار کا کر رکھا ہے اور عاشق لوگ اس وعدہ کے بھروسے پر خوش ہیں۔ اگر اغیار کی زحمت اور اس دار دنیا کی محنت و مشقت نہ ہوتی تو کونسی سختی تھی جو یہ مسکین عشاق اپنی جان پر نہ ڈھاتے۔ بیت

مرا امید وصال تو زندہ میدارد
دگرنہ صد رہم از ہجر تست بیم ہلاک

ترجمہ۔ مجھے تیرے وصال کی امید زندہ رکھتی ہے۔ ورنہ مجھے تیرے ہجر سے سو راستوں پہ ہلاک ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

۷؎ دار آخرت کی طرف جانا اور تیری درگاہ عزت و کبریا میں جانا اور تیرا دیدار برحق ہے۔

۸؎ تیرا قول صادق اور جس جس چیز کی تو نے خبر دی ہے سب حق ہے۔ یہ مجمل بیان ہے۔ اس تفصیل اس طرح بیان فرمائی والجنۃ حق والنار حق الی آخرہ۔

۹؎ اللھم لک اسلمت یعنی خداوندا میں تیرے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہوں۔ تیرے آگے عاجزی اور فروتنی کرتا ہوں۔ اور تیرے احکام تشریعی و ارادی کی بجا آوری کرتا ہوں اور انہیں تسلیم کرتا ہوں۔

۱۰؎ یعنی ظاہر و باطن میں ہی تیری طرف ہی لوٹتا ہوں۔ توبہ و انابت دونوں کا معنیٰ رجوع ہے۔ تاہم انابت کا مقام اعلیٰ وارفع ہے۔

۱۱؎ یعنی تیری حجت و دلیل اور تیری عطا کردہ قوت و نصرت سے دین کے دشمنوں سے لڑتا ہوں۔

۱۲؎ یعنی میں اپنا ہر معاملہ تیرے ہی سامنے پیش کرتا ہوں کیونکہ تیرا حکم ہی نافذ و جاری ہے نہ کہ تیرے غیر کا۔ اور تیری ہی ذات کو اپنے اور ان کے درمیان جو دین و دنیا میں مخالفت پر کمر بستہ ہیں، قاضی اور حکم بناتا ہوں کیونکہ کسی امر کا فیصلہ قاضی کے سپرد ہوتا ہے۔

[13] یعنی میرے گناہوں کو۔

[14] یہ غیر کی الوہیت کی نفی کی تاکید و تصریح ہے، یہ بات جان لینے کے بعد کہ الوہیت حق تعالےٰ کی ذات میں ہی بند ہے

۱۱۴۴/۲ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ افْتَتَحَ صَلٰوتَهٗ فَقَالَ اللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرَئِيْلَ وَمِيْكَآئِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ اهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے اور نماز شروع کرتے تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ جبرئیل میکائیل اسرافیل کے رب آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے[1] غیب و شہادت کو جاننے والے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ہر اس چیز میں فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ ہر اختلافی معاملے میں میری حق کی طرف راہ نمائی فرما[2]۔ اپنے اذن اور اپنی توفیق سے بیشک تو صراط مستقیم پر چلنے اور قائم رہنے کی ہدایت دیتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔

(مسلم)

[1] اور انہیں عدم سے وجود میں لانے والے۔

[2] اور مجھے اس پر ثابت قدم رکھ۔ اور اس ثابت قدمی میں مزید قوت و استحکام عطا کر۔ کیونکہ قرب کے مقامات اور انوار تجلیات بے حد و نہایت ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعا کا حکم دیا گیا۔ رَبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا (اے میرے رب میرے علم میں اضافہ کر)

۱۱۴۵/۳ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَارَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

حضرت عبادۃ[1] بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی رات کو جاگا[2]۔ اور کہا کوئی الٰہ نہیں سوائے اللہ کے وہ وحدہ لاشریک ہے۔ اسی کی بادشاہی ہے اور وہی حمد و ثنا کے لائق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ پاک ہے۔ سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور برائی سے بچنے اور نیک کام

وَاللهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ ثُمَّ قَالَ رَبِّ اغْفِرْلِيْ اَوْ قَالَ ثُمَّ دَعَا اُسْتُجِيْبَ لَهٗ فَاِنْ تَوَضَّاَ وَصَلّٰى قُبِلَتْ صَلٰوتُهٗ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

کرنے کی قوت و طاقت نہیں مگر اللہ کی توفیق سے۔ پھر اس نے کہا اے میرے رب مجھے بخش دے یا اس طرح کہا[3] پھر دعا کی تو اس کی دعا قبول کی جاتی ہے[4] پھر اگر اس نے وضو کیا اور نماز پڑھی تو اس کی نماز قبول ہو جاتی ہے[5] (بخاری)

[1] حضرت عبادہؓ مشہور صحابی ہیں۔ نقباء انصار میں سے ہیں بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں موجود تھے، جنگ بدر اور باقی تمام غزوات میں شریک ہوئے دراز قد اور حسین و جمیل اور جسیم انسان تھے۔

[2] تعار یعنی بیدار ہوا اور پہلو بدلا یہ لفظ عربی میں اس بیداری کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جس میں آواز بھی ہو، جیسا کہ بیدار ہونے کے وقت عادۃً ہوتا ہے۔ یہ عرار سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے شتر مرغ کی آواز۔

[3] یہ راوی کو شک ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص یہ اللھم اغفرلی فرمائی یا مطلق دعا کرنے کا ذکر فرمایا جو بندے اپنے مقصد کے لیے کرتے ہیں۔

[4] بعض علماء فرماتے ہیں یہ دعا جو بندہ اس وقت کرتا ہے درہم الکیس کے نام سے موسوم ہے۔ یعنی جس طرح وہ شخص جس کی جیب میں ہر وقت پیسے موجود ہوں ــــــ اپنے مطلب کی چیز خریدنے کو تیار ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ دعا اجابت کے لیے تیار اور بالکل قریب ہے۔

[5] اس کی یہ دعا تو قبول ہو چکی ہوتی ہے۔ پھر وضو کر کے جب نماز پڑھتا ہے تو وہ بھی درجہ قبولیت کو پہنچ جاتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۱۴۶/۴ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَيْقَظَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَاَسْئَلُكَ رَحْمَتَكَ اَللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو بیدار ہوتے تو کہتے کوئی معبود نہیں سوائے تیرے۔ اے اللہ تو پاک ہے میں تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری تنزیہ کرتا ہوں۔ میں اپنے گناہوں کی تجھ سے مغفرت چاہتا ہوں اور تجھ سے تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرے علم کو زیادہ کر[1] اور جب کہ تو نے مجھے ہدایت دی تو اس کے بعد میرے دل کو ہر کجی[2] سے محفوظ رکھ اور مجھے اپنے پاس سے رحمت

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ)

عطا کر۔[۴] بیشک تو ہی کامل عطا کرنے والا ہے۔[۵] (ابوداؤد)

[۱] میں تیری ایسی تنزیہہ کرتا ہوں جو تیری ذات کے لائق ہے۔

[۲] کہ مراتب علم کی کوئی انتہا نہیں اور جب کہ صفات و افعال الٰہی کی کوئی نہایت نہیں۔ اور اس کی تجلیات غیر متناہی ہیں تو بندہ کا علم بھی ہمیشہ ترقی کرتا اور بڑھتا رہتا ہے۔

[۳] میرے دل کو اسلام سے کفر کی طرف اور طاعت سے معصیت کی طرف اور حق سے باطل کی طرف نہ پھرنے دے۔

[۴] یعنی مجھے اپنے مقام قرب خاص سے عظیم رحمت عطا کر۔

[۵] کہ تیری عطا کا کوئی شمار نہیں ہو سکتا اور وہ حدو شمار سے باہر ہے۔

۱۱۴۷ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيْتُ عَلٰى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُ مِنَ اللَّيْلِ فَيَسْأَلُ اللهَ خَيْرًا اِلَّا اَعْطَاهُ اللهُ اِيَّاهُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہیں جو باوضو اور پاک و طاہر ذکر الٰہی کرتے ہوئے سوتا ہے۔ پھر رات میں اٹھتا ہے (عبادت کے لیے) اور اللہ تعالےٰ سے خیر کا سوال کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اسے عطا کر دیتا ہے۔ (احمد، ابوداؤد)

۱۱۴۸ وَعَنْ شَرِيْقِ الْهَوْزَنِيِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَسَاَلْتُهَا بِمَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْتَتِحُ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ فَقَالَتْ سَاَلْتَنِيْ عَنْ شَيْءٍ مَا سَاَلَنِيْ عَنْهُ اَحَدٌ قَبْلَكَ كَانَ اِذَا هَبَّ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ عَشْرًا وَحَمِدَ اللهَ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ عَشْرًا وَقَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ عَشْرًا وَاسْتَغْفَرَ اللهَ عَشْرًا وَهَلَّلَ اللهَ عَشْرًا ثُمَّ قَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ

حضرت شریق[۱] الہوزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے آپ سے سوال کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں اٹھتے تھے تو کس ذکر سے آغاز کرتے تھے حضرت عائشہ نے فرمایا تو نے مجھ سے ایسی بات کا سوال کیا ہے جس کا تجھ سے پہلے کسی نے مجھ سے سوال نہیں کیا۔ رات میں جب آپ بیدار ہوتے تو دس بار اللہ اکبر کہتے۔ دس بار الحمد للہ کہتے۔ دس بار سبحان اللہ وبحمدہ کہتے۔ دس بار سبحان الملک القدوس کہتے دس بار کلمہ استغفر دس بار کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتے پھر آپ دس بار یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ بے شک میں تجھ سے دنیا اور دن قیامت کی تنگی سے

الْقِيمَةِ عَشْرًا ثُمَّ يَفْتَتِحُ الصَّلٰوةَ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

پناہ لیتا ہوں۔ پھر نماز شروع کرتے[2]

(ابوداؤد)

[1] شریق شین کی زبر راکی زیر اور قاف۔ ہوزنی۔ ھاکی زبر واو ساکن زاکی زبر۔ آپ تابعی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

[2] اس ورد کو معشرات سبع کہتے ہیں۔ جیسے مسبعات عشر کہ ایک مشہور ورد کا نام ہے اس میں دس چیزیں ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو سات بار پڑھتے ہیں۔ یہاں سات چیزیں ہیں جنہیں دس دس بار پڑھا جاتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۱۴۹ عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ كَبَّرَ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ[1] وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ثُمَّ يَقُوْلُ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ مِنْ هَمْزِهٖ[2] وَنَفْخِهٖ وَنَفْثِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَزَادَ اَبُوْدَاؤُدَ بَعْدَ قَوْلِهٖ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثَلٰثًا وَفِیْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ ثُمَّ يَقْرَاُ۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں بیدار ہوتے تو اللہ اکبر کہتے پھر کہتے پاک ہے اے اللہ تیری ذات میں تیری حمد و ثنا کے ساتھ تیری پاکی بیان کرتا ہوں۔ تیرا نام بہت برکت والا ہے اور تیری ذات[1] بلند ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں پھر کہتے اللہ اکبر کبیرًا پھر کہتے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم۔ میں اللہ سمیع و علیم کے پاس شیطان مردود سے پناہ لیتا ہوں۔ اس کے وسوسے اور اسکے تکبر[2] سے اور اس کے دم جھاڑ سے۔ ترمذی۔ ابوداؤد نسائی اور ابوداؤد نے قول غیرک کے بعد ان الفاظ کو زیادہ کیا پھر تین بار لا الہ الا اللہ کہتے اور اس حدیث کے آخر میں یہ کلمہ زیادہ کیا پھر آپ سورۃ فاتحہ پڑھتے اور قرارت شروع کرتے۔

[1] جدّ بمعنی بخت، غنا، عظمت اور بزرگی۔

[2] جس میں وہ انسان کو مبتلا کرتا اور اسے برباد کرتا ہے۔

۱۱۵۰ وَعَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ كُنْتُ اَبِيْتُ عِنْدَ حُجْرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنْتُ

حضرت[1] ربیعہ بن کعب الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ کے پاس رات بسر کرتا تھا تو میں آپ کو سنتا تھا جب آپ

أَسْمَعُهُ إِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ يَقُوْلُ سُبْحَانَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الْهَوِيَّ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ الْهَوِيَّ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَ التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَ قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

رات میں اٹھتے تو دیر[2] تک یہ کلمہ پڑھتے سبحان رب العالمین پھر دیر تک یہ کلمہ پڑھتے۔ سبحان اللہ و بحمدہٖ نسائی۔

اور ترمذی کے ہاں اس کی مثل ہے۔

اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

---

[1] حضرت ربیعہ اسلمی اصحاب صفہ اور قدماء صحابہ میں سے ہیں۔ سفر و حضر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے

[2] اصل میں لفظ الہوی ہے۔ ہا کی زبر اور یا کی تشدید سے بمعنیٰ زمانہ طویل۔

بَابُ التَّحْرِيْضِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ

رات میں اٹھنے کی ترغیب کا باب

لغت میں تحریض کا لفظ کسی کو کسی چیز پر ابھارنے اور گرم کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے۔ قیام لیل پر تحریض کا معنیٰ ہے۔ رات میں اٹھنے کی رغبت دلانا نہ اٹھنے پر ڈرانا اور اس پر عمل کرنے کے فضائل اور نہ اٹھنے کے نقائص بیان کرنا۔ قیام لیل کے فضائل بے شمار ہیں۔ سب سے عمدہ اور بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس وقت بندوں پر خدا تعالیٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ ایسا کرنے والا خدا تعالےٰ کے فضل و کرم کے قریب ہوتا ہے۔ شب بیداری کرنے والوں کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس وقت جو کچھ خدا تعالےٰ سے مانگا جاتا ہے۔ عطا ہوتا ہے اور گناہ بخشے جاتے ہیں۔ بے شک خدائے جلّ و علیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ السلام سے وعدہ کر رکھا ہے کہ نماز تہجد کے لیے اٹھیں میں تجھے مقام محمود عطا کروں گا۔ اور یہ ضروری بات ہے کہ اس شب بیداری کے عمل میں آپ کی پیروی کرنے والوں کو بھی اس مقام اور اس وقت کی نورانیت سے پرتو اور حصہ ملے گا۔ مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالےٰ نے کہا ہے کہ اس دنیا میں بہشت کی لذت کا نمونہ وہ لذت و آرام ہے جو سحری کے وقت خدا تعالےٰ سے چاپلوسی اور مناجات سے حاصل ہوتا ہے۔ ؎

روبروے دل بنشین کاں دلبر خرگاہے وقت سحری آید یا نیم شبی باشد

ترجمہ۔ دل کے روبرو ہو کر بیٹھ جا کیونکہ نازک اندام معشوق سحری کے وقت آئے گا یا نیم شب کے وقت۔

⁂

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۱۵۱ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْقِدُ الشَّيْطَانُ عَلٰى قَافِيَةِ رَأْسِ اَحَدِكُمْ اِذَا هُوَ نَامَ ثَلٰثَ عُقَدٍ يَضْرِبُ عَلٰى كُلِّ عُقْدَةٍ عَلَيْكَ لَيْلٌ طَوِيْلٌ فَارْقُدْ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَذَكَرَ اللّٰهَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ تَوَضَّاَ انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاِنْ صَلّٰى انْحَلَّتْ عُقْدَةٌ فَاَصْبَحَ نَشِيْطًا طَيِّبَ النَّفْسِ وَاِلَّا اَصْبَحَ خَبِيْثَ النَّفْسِ كَسْلَانَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فصل اول

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم سوئے ہوتے ہو تو شیطان تمہارے سر کے پیچھے تین گرہیں[1] لگا دیتا ہے۔ ہر گرہ لگاتے ہوئے سونے والے کے دل میں یہ بات ڈالتا ہے تیرے سونے کے لیے ابھی کافی رات باقی ہے اس لیے تو سو یارہ۔ پس اگر وہ جاگ اٹھتا ہے اور اللہ کا ذکر کرتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے پھر جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ بھی کھل جاتی ہے[2] تو وہ بندہ خوش اور پاک نفس حالت میں صبح کرتا ہے ورنہ پلید نفس اور سستی اور کاہلی کی حالت میں صبح کرتا ہے (بخاری و مسلم)

۱۱۵۲ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيْلَ لَهٗ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ اَفَلَا اَكُوْنُ عَبْدًا

حضرت مغیرہ[1] سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام لیل فرمایا (شب بیداری کی) یہاں تک کہ آپ کے دونوں قدم مبارک سوج گئے آپ سے کہا گیا کہ آپ اس قدر مشقت کیوں کرتے حالانکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ حضور

---

[1] جس طرح جادوگر لوگ جب انسان پر جادو کرتے ہیں تو وہ بھی گرہیں لگاتے ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ شیطان کا گرہ لگانا یا حقیقت پر محمول ہے یا مجاز اور تصویر و تمثیل ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی کو مضبوط باندھنا چاہتا ہے وہ (عموماً) تین گرہیں لگاتا ہے تاکہ وہ ہل نہ سکے اور نہ بھاگ سکے مگر جب کہ وہ گرہیں کھول دی جائیں۔ اس کلام سے دراصل یہ بتلانا مقصود ہے کہ شیطان سونے والے کے لیے نیند کو محبوب بنایا اور آرام و راحت کو اس کے لیے آراستہ اور پسندیدہ بناتا ہے اور اس کے لیے حرکت کرنے کو تنگ کر دیتا ہے۔

[2] بعض روایات میں یہاں عقدہ بلفظ جمع (عُقَد) آیا ہے۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوگا کہ اس کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔

شَكُوْرًا ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں [2] (بخاری و مسلم)

[1] حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یعنی تو کیا میں حق تعالےٰ کی نعمتوں پر اس کا شکر نہ کروں خصوصًا اس نعمت عظیم پر کہ میرے سارے گناہ بخش دیے گئے ہیں۔ اس معنی کی تحقیق دوسرے مقام پر کر دی گئی ہے۔

١١٥٣ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ ذُكِرَ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقِيْلَ لَهٗ مَا زَالَ نَائِمًا حَتّٰى أَصْبَحَ مَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ قَالَ ذٰلِكَ رَجُلٌ بَالَ الشَّيْطٰنُ فِيْ أُذُنِهٖ أَوْ قَالَ فِيْ أُذُنَيْهِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کا ذکر کیا گیا اس آدمی کے بارے میں کسی نے کہا کہ یہ آدمی ساری رات سویا رہا ہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور وہ نماز کے لیے بھی نہیں اٹھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ آدمی ہے جس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا۔ یا [1] آپ نے فرمایا اس کے دونوں کانوں میں [2]۔ (بخاری و مسلم)

[1] راوی کو شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فی اذنہ فرمایا یا فی اذنیہ۔ یعنی اس کے ایک کان میں یا دونوں کانوں میں۔

[2] واضح ہو کہ اس کی حقیقت کا علم صرف شارع علیہ السلام کو ہے اور ظاہر معنیٰ پر حمل کرنا بھی ممکن ہے کیونکہ شیطان کی طرف کھانے پینے قے کرنے اور جائے پاخانہ سے زور سے ہوا خارج کرنے وغیرہ امور کی نسبت کی گئی ہے تو اس کی طرف بول کی نسبت بھی ناممکن نہ ہوگی۔ بعض اوقات ان کی مناسب تاویلات بھی کی گئی ہیں۔ چنانچہ بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک مثال ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی نماز سے غفلت اور موذن کی آواز نہ سننے کے لیے دی اور آپ نے اس شخص کو اس آدمی کے حال سے تشبیہ دی جس کے کان میں بول پڑنے سے اس کے کان بھاری ہو گئے ہوں۔ اور اس وجہ سے اس کی حس سمع برباد و تباہ ہو گئی ہو۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ شیطان نے اس کے کان کلام باطل اور لغو سے پر کر دیے اس وجہ سے اس کی قوت سماعت میں گرانی پیدا ہو گئی۔ اب اس کے لیے دعوت حق سننا مشکل ہو گیا یہ دو وجہیں اس جانب رخ رکھتی ہیں کہ وہ آدمی نماز صبح کے لیے بھی نہ اٹھا۔ اور نماز فجر کی اذان بھی نہ سنی۔ تاہم ظاہر یہ ہے کہ اس سے نماز شب مراد ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض نے کہا یہ اس شخص پر نیند طاری ہو جانے سے کنایہ ہے اور کان کی تخصیص اس بنا پر کی کہ یہ بیداری کا آلہ اور ذریعہ ہے۔ واللہ اعلم۔

١١٥٤ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتِ اسْتَيْقَظَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات گھبرائے

لَيْلَةً فَزِعًا يَقُوْلُ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا ذَا أُنْزِلَ اللَّيْلَةَ مِنَ الْخَزَائِنِ وَمَا ذَا أُنْزِلَ مِنَ الْفِتَنِ مَنْ يُوْقِظُ صَوَاحِبَ الْحُجُرَاتِ يُرِيْدُ أَزْوَاجَهُ لِكَيْ يُصَلِّيْنَ رُبَّ كَاسِيَةٍ فِي الدُّنْيَا عَارِيَةٌ فِي الْاٰخِرَةِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہوئے اور یہ کہتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اللہ پاک ہے آج رات رحمت کے کیا خزانے نازل کیے گئے ہیں اور کیا فتنے اتارے گئے ہیں[1]۔ کون ہے جو حجروں میں رہنے والیوں کو بیدار کرے۔ اس سے آپ اپنی ازواج مطہرات مراد لیتے ہیں تاکہ وہ نماز ادا کریں۔ بہت سی وہ عورتیں[2] جو دنیا میں لباس زیب تن کیے ہیں آخرت میں ننگی ہوں گی۔

(بخاری)

---

[1] یعنی مختلف قسم کے عذاب۔

[2] یعنی بہت سی عورتیں یا لباس والے جنہوں نے قسم قسم کے زیورات اور سوٹ پہن رکھے ہیں۔ آخرت میں برہنہ ہوں گے۔ کسوت کا معنیٰ ہے کسی کو کپڑا پہنانا۔ یہاں یہ لفظ لابس (لباس پہنے ہوئے) کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی صیغہ اسم فاعل۔ لفظ عاریۃ کے قرینے کی وجہ سے یا اپنے معنیٰ پر ہی بقصد مبالغہ محمول ہے۔ یعنی دنیا میں دوسروں کو لباس پہناتی تھیں مگر آخرت میں خود ننگی ہوں گی۔

۱۱۵۵ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِيْنَ يَبْقٰى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ يَقُوْلُ مَنْ يَدْعُوْنِيْ فَأَسْتَجِيْبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِيْ فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِيْ فَأَغْفِرَ لَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ ثُمَّ يَبْسُطُ يَدَيْهِ يَقُوْلُ مَنْ يُقْرِضُ غَيْرَ عَدُوْمٍ وَلَا ظَلُوْمٍ حَتّٰى يَنْفَجِرَ الْفَجْرُ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب تبارک و تعالیٰ ہر رات میں آسمان دنیا پر نزول[1] فرماتا ہے جبکہ رات کا آخری تیسرا حصہ[2] باقی رہ جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے تو میں اس کی دعا قبول کروں اور کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں[3] اور کون ہے جو مجھ سے بخشش چاہے تو میں اس کو بخشش دوں بخاری و مسلم اور مسلم کی ایک روایت میں ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے جو اس ذات کو قرض دے جو فقیر نہیں اور نہ ظلم کرنے[4] والا ہے۔ یہاں تک کہ فجر پھوٹ پڑتی ہے[5]

---

[1] یعنی اس کی رحمت خاص اور فضل خاص جو رات میں سب سے نچلے آسمان پر نازل ہوتا ہے۔ محققین کے نزدیک نزول اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک صفت ہے جیسے ید اور استواء وغیرہ جو متشابہات میں سے ہیں۔ کہ ان پر ایمان

لانا چاہیے اور ان کی کیفیت و نوعیت کے سمجھنے کے درپے نہ ہونا چاہیے۔ یعنی اللہ تعالےٰ اس صفت کے ساتھ سحری کے وقت تجلی فرماتا ہے۔

۲؎ یعنی سحری کا وقت

۳؎ واضح ہو کہ دعا کے لیے پڑھنے کا لفظ آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ یارب اس کے مقابل لفظ اجابت و قبول آتا ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لبیک عبدی اے میرے بندے میں تیری ہر حاجت پوری کرنے کو تیار ہوں۔ اور لفظ سوال مانگنے اور طلب کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس کے جواب میں لفظ اعطا استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسم اعظم کی صفت میں واقع ہوا ہے کہ جب اسم اعظم کے ساتھ دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کرلی جاتی ہے اور جب اسم اعظم کے ساتھ سوال کیا جاتا ہے تو وہ چیز اسے دے دی جاتی ہے اور کبھی دعا اور سوال ایک دوسرے کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

۴؎ جو مال نہیں رکھتا اور قرض لے کر قرض ادا کرنا چاہتا ہے اور نہ وہ ظالم ہے کہ مال و دولت کے ہوتے ہوئے کسی پر ظلم کرے اور کسی کا حق اسے نہ دے۔ قرض ادا نہ کرنے میں یہ دو چیزیں رکاوٹ ہیں۔ ایک فقر دوسرا ظلم اللہ تعالےٰ ان دونوں باتوں سے پاک و منزہ ہے۔

۵؎ یعنی اللہ تعالےٰ یہ باتیں اپنی زبان لطف و کرم سے فرماتا ہے یہاں تک کہ فجر پھوٹ پڑتی اور صبح ہو جاتی ہے

۱۱۵۶/۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ فِي اللَّيْلِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا رَجُلٌ مُسْلِمٌ يَسْاَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِّنْ اَمْرِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اِلَّا اَعْطَاهُ اِيَّاهُ وَذٰلِكَ كُلَّ لَيْلَةٍ۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے بیشک رات میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ نہیں پاتا اسے کوئی مسلمان کہ اللہ تعالیٰ سے اس دنیا و آخرت کی بھلائی مانگے مگر رب تعالےٰ اسے یہ دیتا ہے اور یہ گھڑی ہر رات میں ہے۔[۱]

(مسلم)

۱؎ یعنی کسی مخصوص شب میں یہ گھڑی نہیں ہوتی جیسے جمعہ وغیرہ۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ گھڑی متعین ہے یا مبہم بعض کہتے ہیں مبہم ہے جیسے شب قدر اور جمعہ کے دن کی گھڑی۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ گھڑی نصف شب کا وقت ہے۔

۱۱۵۷/۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالےٰ

سَلَّمَ اَحَبُّ الصَّلٰوۃِ اِلَی اللّٰہِ صَلٰوۃُ دَاؤدَ وَاَحَبُّ الصِّیَامِ اِلَی اللّٰہِ صِیَامُ دَاؤدَ کَانَ یَنَامُ نِصْفَ اللَّیْلِ وَ یَقُوْمُ ثُلُثَہٗ وَ یَنَامُ سُدُسَہٗ وَ یَصُوْمُ یَوْمًا وَّ یُفْطِرُ یَوْمًا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

کے نزدیک سب سے محبوب اور پیاری نماز حضرت داؤد کی نماز ہے اور اللہ کے ہاں سب روزوں سے پیارا روزہ حضرت داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے کہ نصف رات تک سوتے تھے اور تیسرا حصہ شب میں اٹھتے تھے پھر چھٹا حصہ شب سو جاتے تھے[1] اور آپ ایک دن روزہ رکھتے ایک دن افطار کرتے[2]۔ (روزہ نہ رکھتے) (بخاری و مسلم)

[1] کہ آپ رات کو اس طرح تقسیم کرتے تھے۔ اول شب میں سو جاتے۔ پھر تیسرا حصہ شب جاگتے اور آخری چھٹا حصہ شب سو جاتے۔ اس طرح رات کے دو حصے سوتے اور ایک حصہ نمازیں گزارتے۔

[2] یہاں مشکل امر یہ ہے کہ سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم حضرت داؤد علیہ السلام کے اس عمل پر دائماً عمل پیرا نہ تھے تو پھر یہ عمل اللہ کے نزدیک سب سے محبوب عمل کیسے بن گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب ترین عمل کو کیسے ترک کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ فعل مذکور کا محبوب تر ہونا بعض اعتبارات سے ہے نہ کہ ہر لحاظ سے۔ اور وہ بعض وجوہ و اعتبارات یہ ہیں کہ یہ عمل اعتدال کے زیادہ قریب اور حفظ صحت کے لحاظ سے زیادہ مفید ہے اور اس وجہ سے بھی کہ رات کے آخری چھٹے حصے میں سو جانا تھکاوٹ و مشقت کو دور کرتا ہے اور رنگ کی زردی اور شکستگی کی صورت میں عبادت کا اثر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ یہ بیان تو نماز سے متعلق ہے۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے کا محبوب اور پسندیدہ تر ہونے کا بیان باب صیام میں انشاء اللہ تعالیٰ آ رہا ہے۔ اور حضور سید انبیاء علیہ من الصلوٰۃ افضلہا و اکملہا کا بیان احوال و اوقات کے تقاضوں کے مطابق مختلف ہوتا تھا۔ اور لاتعداد حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتا تھا جو آپ کی ذات کریم اور آپ کی امت مرحومہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ آپ کی امت میں کمزور اور طاقتور ہر قسم کے لوگ تھے۔ اسے خوب سمجھو و باللہ التوفیق۔

۱۱۵۸ وَ عَنْ عَآئِشَۃَ قَالَتْ کَانَ تَعْنِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَنَامُ اَوَّلَ اللَّیْلِ وَ یُحْیِیْ اٰخِرَہٗ ثُمَّ اِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ اِلٰی اَھْلِہٖ قَضٰی حَاجَتَہٗ ثُمَّ یَنَامُ فَاِنْ کَانَ عِنْدَ النِّدَآءِ الْاَوَّلِ جُنُبًا وَّثَبَ فَاَفَاضَ عَلَیْہِ الْمَآءَ وَ اِنْ لَّمْ یَکُنْ جُنُبًا تَوَضَّاَ لِلصَّلٰوۃِ ثُمَّ صَلّٰی

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول رات میں سو جاتے اور اس کے آخری حصے میں جاگتے[1]۔ پھر اگر آپ کو اپنے گھر والوں سے کوئی حاجت ہوتی تو اپنی حاجت کو پورا کرتے اور اسی حالت میں سو جاتے[2]۔ پھر اگر اذان اول کے وقت جنبی ہوتے[3] تو اچھل پڑتے[4] اور اپنے اوپر پانی بہاتے اور اگر جنبی نہ ہوتے تو وضو کرتے پھر دو رکعتیں پڑھتے[5]۔

رَكْعَتَيْنِ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(بخاری ومسلم)

[1] اور آخر شب کو زندہ رکھتے یعنی اس میں جاگتے۔ رات کی بیداری کو اسے زندہ رکھنے سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ زمانے کی زندگی اس میں عبادت کرنے سے ہے اور وہ زمانہ جس میں عبادت نہ کی جائے، گویا مردہ ہے۔ یا اس سے نفس کو شب بیداری اور عبادت سے زندہ کرنا مراد ہے۔ کیونکہ نیند موت کی طرح ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے النوم اخ الموت۔ نیند موت کی بہن ہے۔ احیاء لیل میں یہ دونوں معنیٰ بیان کیے گئے ہیں۔ پہلا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے۔ حدیث کا لفظ بھی اس پہلے معنیٰ میں زیادہ ظاہر ہے۔ خوب سمجھو۔ یہ بات باقی رہی کہ اول شب میں کتنا وقت سوتے تھے اور آخر شب میں کتنی دیر جاگتے اور عبادت کرتے تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ نصف نصف کرتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ آدھی رات تک سوتے تھے اور آدھی رات جاگتے تھے اگرچہ رات کو بیداری مختلف صورتوں میں ہوتی تھی۔ واللہ اعلم۔

[2] یعنی بے غسل کیے سو جاتے۔ البتہ وضو کر لیتے تھے اور یہ وضو نیند کی طہارت ہے۔

[3] تقضائے حاجت (جماع) میں مشغول ہونے کی وجہ سے۔

[4] ندائے اول سے مراد اذانِ اول ہے۔ اذان کو اولیٰ کہنے کی وجہ یا تو اقامت کی نسبت سے ہے یا اس موذن کا اطلاع کی نسبت جو آپ کے در اقدس پر حاضر ہو کر آپ کو دیتا تھا۔

[5] یعنی فجر کی دو سنتیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

۱۱۵۹ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصّٰلِحِيْنَ قَبْلَكُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَّكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ وَمَكْفَرَةٌ[1] لِّلسَّيِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ[2] عَنِ الْاِثْمِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

دوسری فصل

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رات میں اٹھنا اپنے اوپر لازم جانو کیونکہ وہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور تمہیں رب تعالےٰ کے قریب کرتا اور گناہوں کی بخشش[1] کا ذریعہ اور برائیوں[2] سے روکنے کا سبب ہے۔

(ترمذی)

---

[1] اصل عربی میں لفظ مکفرۃ آیا ہے۔ میم کی زبر کاف ساکن فا کی زبر، بمعنیٰ ستر و پوشیدہ کرنا۔ کفارہ گناہ کا بھی یہی معنیٰ ہے۔

[2] مَنہاۃ میم کی زبر اور نون ساکن۔ تمام حسنات گناہوں کا کفارہ ہیں اور نماز مطلقاً فحش، و منکر سے روکتی ہے اور رات کی نماز تہجد نہایت فضیلت کی بنا پر اس معنی (بخشش و مغفرت) میں زیادہ اتم اور اکمل ہے۔

$\frac{۱۱۶۰}{۱۰}$ وَ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ اِلْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ یَّضْحَکُ اللّٰہُ اِلَیْھِمْ الرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ وَ الْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوۃِ وَ الْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالٰے ان کے لیے ہنستا ہے[1] ایک وہ آدمی جو رات میں اٹھ کر نماز پڑھے دوسری وہ قوم جو نماز میں ٹھیک صفیں بنائے[2]۔ تیسری وہ قوم جو دشمن سے لڑائی کے وقت صفیں بنائے[3]

(شرح السنۃ)

[1] یہ کنایہ ہے رضا و لطف سے اور مسرت و رحمت کے متوجہ ہونے سے احادیث میں جو رب تعالٰی کی طرف ہنسنے کی نسبت اور اس کا اطلاق ہوا ہے، متشابہات میں سے ہے۔

[2] اور متوجہ ہو اور خدا تعالٰی کی جناب قرب کی جانب اپنا رخ کرے۔

[3] اور دشمنان دین کے قتل کرنے میں کمربستہ ہو اور مولٰی تعالٰے کی محبت میں اپنی روح کو نثار کر دینے اور دین کی سربلندی کے لیے ہمت باندھے

$\frac{۱۱۶۱}{۱۱}$ وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اَقْرَبُ مَا یَکُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَکُوْنَ مِمَّنْ یَّذْکُرُ اللّٰہَ تِلْکَ السَّاعَۃَ فَکُنْ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ قَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ اِسْنَادًا۔

حضرت عمرو بن عبسہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رات کے آخری حصے کے درمیان اللہ تعالٰی بندے کے بہت قریب ہوتا ہے[2]۔ اور بندہ اپنے رب کے بہت قریب حالت سجدہ میں ہوتا ہے[3]۔ اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ ان لوگوں میں ہو جائے جو اس گھڑی میں اللہ تعالٰی کی یاد کرتے ہیں تو ہو جا[4]۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ اسناد کے لحاظ سے۔

---

[1] عین واو اور سین کی زبر۔

[2] بندے سے اللہ تعالٰی کا قریب ہونا اس قرب سے اتم اور اکمل ہے۔ جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس آئندہ قول مبارک میں ارشاد فرمایا ہے۔

۳ وہاں بندہ سجدہ کے ذریعہ خدا تعالٰی کا قرب چاہتا ہے اور یہاں خدائے پروردگار تعالٰی و تقدس رحمت کے ساتھ نزول کرتا ہے اور بندے کے قریب ہوتا ہے۔ رات کی نماز مذکورہ دونوں قربوں پر مشتمل ہے۔

۴ اور جو لوگ حضور مولٰی اور نزول قرب کی خواہش رکھتے ہیں تو بھی ان میں سے ہو جا۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین اور آپ کی درگاہ کے محبوب لوگوں میں سے ہیں۔ نورِ نبوت کے ظہور کے ابتدا میں جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تھے اور حضرت عمرو بن عبسہ اپنے وطن میں تو ان کے دل میں یکایک نورِ توحید داخل ہوا اور شرک و بت پرستی سے آپ کو نفرت ہو گئی۔ اس دوران آپ نے سنا کہ مکہ میں ایک ایسا مرد پیدا ہوا ہے جو لوگوں کو توحید کی دعوت دیتا اور بتوں کی عبادت سے روکتا ہے۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے آپ کے بارے میں حالات معلوم کیے۔ ان دنوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حکم الٰہی سے دشمنانِ دین کی نظروں سے پوشیدہ رہتے تھے۔ حضرت عمرو نے آ کر دریافت کیا کہ یہاں کوئی ایسا مرد پیدا ہوا ہے جس نے تمہاری راہ و روش چھوڑ دی ہے اور ایک نئے دین کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے لوگوں نے کہا ہاں ایک دیوانہ ہے جس نے آباؤ اجداد کا طریقہ چھوڑ کر ایک نئی رسم کی طرح ڈالی ہے۔ ؎

دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی

ترجمہ۔ تو پہلے اپنا دیوانہ بناتا ہے پھر دونوں جہاں اس کو بخش دیتا ہے۔ تیرا دیوانہ دو جہاں کو کیا کرے گا

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا وہ دیوانہ کہاں مل سکتا ہے۔ لوگوں نے کہا وہ نصف رات کے وقت باہر آتا ہے اور اس گھر (بیت اللہ) کے گرد گھومتا ہے۔ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نصف شب کے وقت باہر نکلے اور کعبہ کے پردوں میں جا کر چھپ گئے۔ اچانک آپ نے ایک مرد دیکھا کہ نمودار ہوا ہے ایسا کامل مرد کہ سب مرد اس کے آستانے کی خاک ہیں اور وہ لا الٰہ اللہ لا الٰہ الا اللہ کہہ رہا ہے اور خانہ کعبہ کے اردگرد طواف کرتا ہے۔ حضرت عمرو پردوں سے باہر نکلے اور سلام عرض کیا اور پوچھا تو کون مرد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خدا کا رسول ہوں میرا دین لا الٰہ الا اللہ ہے۔ حضرت عمرو نے کہا میں بھی اسی دین کو چاہتا ہوں۔ اس طرح آپ اسی وقت ایمان لے آئے۔ آپ تیسرے یا چوتھے مسلمان ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وداع کیا اور فرمایا میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے جب وہ وعدہ پورا ہو جائے گا تو میرے پاس آنا۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آ گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں رہنے لگے اور درجہ کمال کو پہنچے۔ یہ حدیث اسی وقت سے تعلق رکھتی ہے

۱۱۴۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی وَاَیْقَظَ امْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰی اس مرد پر رحم کرے جو رات میں اٹھتا ہے اور نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو جگاتا ہے وہ بھی نماز

اَبَتْ نَضَحَ فِيْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَ اَيْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰى فَاِنْ اَبٰى نَضَحَتْ فِيْ وَجْهِهِ الْمَاءَ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ)

پڑھتی ہے۔ اگر وہ اٹھنے سے انکار کرتی ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحم کرے جو رات میں اٹھتی اور نماز پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بیدار کرتی ہے تو وہ بھی نماز پڑھتا ہے اگر اٹھنے سے انکار کرتا ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے[١]۔

(ابوداؤد ونسائی)

[١] یعنی خاوند بیوی کو چاہیے کہ طاعت و عبادت میں ایک دوسرے کے ممد ومعاون بنیں اور دوستوں و رفقار کو آپس میں ایسا ہی کرنا چاہیے۔

١١٦٣/١٣ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفُ اللَّيْلِ الْاٰخِرُ وَدُبُرُ الصَّلٰوتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ کونسی دعا سنی جاتی ہے[١]۔ فرمایا رات کے نصف آخر کے درمیان کی دعا[٢]۔ اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا[٣]۔ (ترمذی)

[١] اور اجابت و قبولیت کا مقام حاصل کرتی ہے۔

[٢] یا اس عبارت کا معنیٰ ہے کہ آپ سے دریافت کیا گیا دعا کس وقت مستجاب ہوتی ہے۔ فرمایا رات کے وقت

[٣] یہ عبارت تشہد کے آخر کی دعا کو شامل ہے اور نماز کے آخر میں اس کے متصل بعد کے ذکر و دعا کو بھی جو احادیث میں مذکور و منقول ہے اور یہ حدیث باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں گزر چکی ہے۔

١١٦٤/١٤ وَعَنْ اَبِيْ مَالِكِ الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا تُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا اَعَدَّهَا اللّٰهُ لِمَنْ اَلَانَ الْكَلَامَ وَاَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ

حضرت ابومالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے بالاخانے ہیں جن کا ظاہر ان کے اندر سے نظر آتا ہے اور ان کا اندر کا حصہ باہر سے دکھائی دیتا ہے[١]۔ یہ بالاخانے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنائے ہیں جو نرم کلام کرتا ہے[٢] کھانا کھلاتا ہے، لگاتار روزے رکھتا ہے[٣]۔ اور رات کو اٹھ کر نماز

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ وَفِيْ رِوَايَتِهِ لِمَنْ اَطَابَ الْكَلَامَ۔

پڑھتا ہے جبکہ لوگ سوئے ہوتے ہیں[٤]۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل روایت کیا اور ترمذی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ بالا خانے اس کے لیے ہیں جو لوگوں سے نرم اور اچھی گفتگو کرے۔

[١] ان کی غایت صفائی اور لطافت کی وجہ سے۔ غُرف غین کی پیش را کی زبر۔ غرفۃ غین کی پیش۔ را ساکن بمعنی بلند محل اور مکان کے اوپر مکان۔

[٢] اور لوگوں سے درشت کلامی سے پیش نہ آئے۔ اور لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے زندگی بسر کرے۔

[٣] مراد یہ ہے کہ کثرت سے روزے رکھتا ہو۔

[٤] کیونکہ یہ وقت صدق عبودیت اور اخلاص عمل کے زیادہ قریب ہے۔ ان الفاظ میں درحقیقت صفت تواضع اور سف جود و عبادت کی طرف اشارہ ہے۔ بیت

شرفِ مرد بجود ست و کرامت بسجود
ہر کہ این ہر دو ندارد عدمش بہ ز وجود

انسان کا شرف سخاوت ہے اور عزت و بزرگی سجدہ (عبادت الٰہی) سے حاصل ہوتی ہے۔ جو آدمی ان دونوں سے محروم ے اس کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

١١٢٥/١٥ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ لَا تَكُنْ مِثْلَ فُلَانٍ كَانَ يَقُوْمُ مِنَ اللَّيْلِ فَتَرَكَ قِيَامَ اللَّيْلِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ فلاں آدمی[١] کی طرح نہ ہونا۔ جو پہلے رات میں اٹھتا تھا پھر اس نے اسے ترک کر دیا[٢]۔

(بخاری و مسلم)

[١] آپ نے ایک معین شخص کا نام لیا تھا۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا ہے کہ مجھے اس فلاں شخص کے نام روایت کے کسی بھی اسناد سے پتہ نہیں چل سکا۔

۵۲ اس کلام سے مقصود حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو تنبیہ کرنا ہے کہ شب بیداری میں کثرت نہ کرنا اور اس میں حد سے نہ بڑھنا کیونکہ لبسا اوقات یہ کثرت ملال و تھکاوٹ اور بددلی کا موجب جاتی ہے اور انسان شب بیداری سے بالکل رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ اس صحابی کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری رات بیدار رہتے۔ اور بالکل نیند نہ کرتے ان کے باپ نے انہیں اس سے روکا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ اسے سمجھ لو۔

$\frac{1166}{16}$ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِی الْعَاصِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ كَانَ لِدَاؤدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ اللَّيْلِ سَاعَةٌ يُوْقِظُ فِيْهَا اَهْلَهٗ يَقُوْلُ يَا اٰلَ دَاوٗدَ قُوْمُوْا فَصَلُّوْا فَاِنَّ هٰذِهٖ سَاعَةٌ يَسْتَجِيْبُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْهَا الدُّعَاءَ اِلَّا لِسَاحِرٍ اَوْ عَشَّارٍ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا آپ فرماتے تھے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے رات میں ایک گھڑی تھی جس میں وہ اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے اور فرماتے تھے اے آل داؤد کھڑے ہو اور نماز پڑھو کیونکہ یہ وہ گھڑی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں دعا قبول کرتا ہے مگر جادوگر کی اور ظلم کے ساتھ لوگوں سے عشر وصول کرنے والے کی۔[1]

(احمد)

[1] کہ یہ عشر وصول کرنے والے بڑے موذی ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ناحق ان کے مال اور چیزیں بھی لیتے رہتے ہیں۔ ایک حدیث میں شعبان کی پندرہویں کا ذکر بھی آیا ہے کہ اس شب کو بخشش دے دیتے ہیں ماسوائے ظلماً عشر وصول کرنے والے۔ عادی شراب نوش۔ والدین کے نافرمان اور تہہ بند کو ٹخنے سے نیچے رکھنے

$\frac{1167}{17}$ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ فرض نمازوں کے بعد افضل رات کے درمیانی حصے میں نماز ہے۔[1]

(احمد)

[1] یہ فضیلت زمانہ اور وقت کے لحاظ سے بیان فرمائی۔ اور مکان کے لحاظ سے نفل نماز گھر میں افضل ہے بعض حضرات نے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو ان کے اس دار فانی سے رحلت کر جانے کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا فرمایا طاحت العبارات۔ وفنیت الاشارات وما نفعنا الا رکعات صلینا ہا فی جوف اللیل۔ یعنی عبارتیں مٹ گئیں۔ ارشادات فنا ہو گئے اور ہمیں کسی چیز نے نفع نہ دیا سوائے ان رکعتوں

کے جو ہم نے درمیان شب پڑھی تھیں۔ اس عبارت میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے سچے طالبوں کو عبادت و ریاضت کے اہتمام و کوشش کی ترغیب دی ہے اور اس امر کی نہمائش کی ہے کہ صوفیانہ موشگافیوں سے دھوکے میں نہ آنا اور نہ ان کا اعتبار کرنا۔ بیت۔

کار کن کار بگذر از گفتار
کاندریں راہ کار دارد کار

پوری لگن سے کام میں مصروف رہ باتیں کرنا چھوڑ دے کہ اس راہ میں کام کرنے سے ہی کام بنتا ہے۔

۱۱۶۸/۱۸ وَعَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ فُلَانًا يُصَلِّيْ بِاللَّيْلِ فَاِذَا اَصْبَحَ سَرَقَ فَقَالَ اِنَّهٗ سَتَنْهَاهُ مَا تَقُوْلُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں آدمی رات کو نماز پڑھتا ہے جب صبح کرتا ہے تو چوری کرتا ہے آپ نے فرمایا جلد ہی رات کی نماز اسے اس برے کام سے روک دے گی[1] جو تو کہہ رہا ہے۔ (احمد اور بیہقی شعب الایمان میں)

[1] توبہ کی توفیق نصیب ہونے، اس میں نورانیت کے سرایت کرنے اور اس میں نماز کی برکت آ جانے سے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

۱۱۶۹/۱۹ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ وَّاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَيْقَظَ الرَّجُلُ اَهْلَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّيَا اَوْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ جَمِيْعًا كُتِبَا فِي الذَّاكِرِيْنَ وَالذَّاكِرَاتِ (رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد جب رات میں عبادت کے لیے اپنی بیوی کو جگائے اور وہ دونوں یا ان میں[1] سے ہر ایک دو رکعتیں پڑھیں تو وہ ذکر کرنے والے مردوں اور ذکر کرنے والی عورتوں[2] میں لکھے جاتے ہیں۔

(ابوداؤد و ابن ماجہ)

[1] یہ راوی کو شک ہے کہ آپ نے فصلیا کہا بصیغہ تثنیہ یا فصلی بصیغہ مفرد کیا۔ مفرد کی صورت میں دونوں میں سے ہر ایک مراد ہے۔

[2] جو ہمیشہ ذکر الٰہی میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس وقت کے قیام اور دوسرے کو جگانے کی فضیلت کی خصوصیت کے پیش نظر اس میں پوری توجہ مبذول کرتے ہیں۔

۱۱۷۰/۲۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشْرَافُ اُمَّتِيْ حَمَلَةُ الْقُرْاٰنِ وَ اَصْحَابُ اللَّيْلِ ۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ

ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں زیادہ قدر و منزلت والے وہ ہیں جو قرآن کو اٹھانے والے ہیں[1] اور وہ جو شب بیداری کرتے ہیں۔

(بیہقی شعب الایمان میں)

[1] یعنی قرآن کے حافظ اور اس پر عمل کرنے والے اور رات میں نماز اور غیر نماز میں پڑھنے والے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا واصحاب اللیل۔

[2] یعنی وہ لوگ جو شب بیداری کی پابندی کرنے والے اس میں نماز اور قرآن پڑھنے والے ہیں۔

١١٧١/٢١ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اَبَاهُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ مَا شَآءَ اللهُ حَتّٰى اِذَا كَانَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اَيْقَظَ اَهْلَهٗ لِلصَّلٰوةِ يَقُوْلُ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ثُمَّ يَتْلُوْا هٰذِهِ الْاٰيَةَ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ان کے باپ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رات میں نماز پڑھتے تھے جتنی اللہ تعالیٰ چاہتا[1]۔ یہاں تک کہ جب رات کا آخری حصہ آجاتا تو آپ اپنے اہل کو بھی جگاتے تھے۔ انہیں فرماتے نماز کا وقت ہو گیا ہے پھر یہ آیت پڑھتے۔ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود دائمی نماز پر قائم رہ۔ ہم تجھ سے رزق طلب[2] نہیں کرتے۔ ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ کا ہے۔

(مالک)

[1] مقدار شب اور عدد رکعات میں سے جو اللہ تعالےٰ چاہتا۔

[2] یعنی ہم جو کہ سارے جہاں کے پروردگار ہیں تجھ سے اپنے لیے رزق کا سوال نہیں کرتے کہ اللہ تعالےٰ کی شان اس سے بہت بلند ہے یا معنیٰ یہ ہے کہ ہم تجھ سے یہ سوال نہیں کرتے کہ تو طلب رزق اور ذرائع معیشت میں اس قدر دوڑ بھاگ کرے کہ وہ تجھے نماز سے ہی روک دے۔

بَابُ الْقَصْدِ فِي الْعَمَلِ

عمل میں میانہ روی کا باب

قصد و اقتصاد کا معنیٰ ہے افراط و تفریط میں درمیانی راہ اختیار کرنا۔ صراح میں ہے۔ قصد و اقتصاد بمعنیٰ ہر چیز میں

میانہ روی اختیار کرنا۔ فلاں شخص انفاق میں قصد و اقتصاد کرتا ہے۔ یعنی خرچ کرنے میں نہ اسراف کرتا ہے۔ نہ کنجوسی۔ عمل میں میانہ روی اختیار کرنا ایک اچھی چیز ہے۔ کیونکہ میانہ روی اس عمل کے دوام کی موجب بنتی ہے اور وہ بندہ اس میں سستی اور تھکاوٹ سے محفوظ رہتا ہے جو آخر کار اس کام کے ترک کرنے کا باعث بن جاتی ہے پھر یہ میانہ روی نفس اور اہل و عیال کے حق کی ادائیگی میں بڑا دخل رکھتی ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۱۷۳/۱ عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُفْطِرُ مِنَ الشَّهْرِ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يَصُوْمَ مِنْهُ شَيْئًا وَيَصُوْمُ حَتّٰى نَظُنَّ اَنْ لَّا يُفْطِرَ مِنْهُ شَيْئًا وَكَانَ لَا تَشَآءُ اَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ وَلَا نَائِمًا اِلَّا رَاَيْتَهٗ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مہینہ میں روزہ نہ رکھتے۔ یہاں تک کہ یہ گمان ہونے لگتا کہ آپ اس ماہ بالکل روزے نہ رکھیں گے اور آپ روزے رکھتے یہاں تک کہ گمان ہونے لگتا کہ آپ اس ماہ میں روزے ہی رکھتے چلے جائیں گے افطار نہ کریں گے[1] اور آپکی یہ حالت تھی کہ اے مخاطب تو نہ چاہے گا کہ آپ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھے مگر نماز میں ہی دیکھے گا[2]۔ اور نہ آپ کو سویا ہوا دیکھے مگر سویا ہوا ہی دیکھے گا۔ (بخاری)

[1] یعنی آپ نہ تو ہمیشہ روزہ دار ہوتے اور نہ روزہ رکھنے میں افراط کرتے اور نہ ایسا کرتے کہ ہمیشہ بے روزہ رہیں۔ تاکہ تفریط لازم آئے بلکہ ہر ماہ میں کبھی روزے رکھتے اور کبھی نہ رکھتے۔ لفظ یُظَنَّ یا کی پیش ظا کی زبر سے ہے جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے اور اکثر روایات میں نون کی زبر ظا کی پیش سے بھی مروی ہوا۔ یعنی ہم لوگ گمان کر لیتے تھے۔

[2] یعنی آپ رات میں نماز بھی پڑھتے تھے اور سوتے بھی تھے کہ نہ تو ساری رات نماز پڑھتے نہ ساری رات سوئے رہتے تو آپ کا عمل اعتدال پر مبنی ہوتا تھا اس میں افراط تفریط نہ ہوتی تھی۔ جیسا کہ باب قیام اللیل میں گزرا۔

۱۱۷۳/۲ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ اَدْوَمُهَا وَاِنْ قَلَّ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑھ کر محبوب عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو[3]۔

(بخاری و مسلم)

[3] کیونکہ عمل قلیل جو ہمیشہ جاری رہے۔ زیادہ موثر اور زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ اس عمل کی نسبت جو زیادہ ہو مگر کبھی

کبھی ہو۔ جس طرح ایک ایک قطرہ جو لگاتار اور ہمیشہ گرتا ہے سوراخ کر دیتا ہے بخلاف بہت سے پانی کے جو کبھی کبھی بہتا ہو اکہ وہ اتنا اثر نہیں کرتا۔)

۱۱۷۴/۳ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُذُوْا مِنَ الْاَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اعمال اختیار کرو جن کی طاقت رکھتے ہو[1] کہ اللہ تعالےٰ اس وقت تک نفرت نہیں کرتا جب تک کہ تم خود نفرت نہ کرنے لگو[2]

(بخاری و مسلم)

[1] اور جو تمہارے لیے آسان ہو تاکہ ہمیشہ کے لیے جاری رکھ سکو۔ اس طرح اس عمل کے دوام کے ساتھ اسکا ثواب بھی دائمًا ملتا رہے گا۔

[2] یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت تک ثواب عطا کرنے سے نفرت نہیں کرتا جب تک کہ تم عمل سے نفرت نہ کرنے لگو اور جب تک کہ اسے چھوڑ نہ دو۔ ملال کا معنیٰ ہے کسی شے کو گراں سمجھنا اور نفس کا اس کی طرف میلان اور اس سے محبت کرنے کے بعد اس سے نفرت کرنا۔ فارسی میں اس کا معنیٰ ہے عاجز آجانا لفظ یَمَلُّ یا کی زبر سے اور تَمَلُّوْا تا کی زبر سے ہے اور میم بھی دونوں میں مفتوح ہے۔

۱۱۷۵/۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُصَلِّ اَحَدُكُمْ نَشَاطَهٗ وَاِذَا فَتَرَ فَلْيَقْعُدْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چاہیے کہ تم میں سے ہر آدمی اس وقت تک نماز پڑھے جب تک کہ اس کا ذوق و شوق[1] موجود ہو اور جب سست پڑ جائے[2] تو بیٹھ جائے۔

(بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ نشاط آیا ہے جس کا معنیٰ ہے خوشی اور مسرت ظاہر کرنا۔

[2] فَتَرَ تا کی زبر سے۔ یعنی جب سست اور درماندہ ہو جائے تو چاہیے کہ بیٹھ جائے اور نماز پڑھنا چھوڑ دے لیٹ جانے کا حکم نہ دینے بلکہ صرف بیٹھنے کا حکم دینے میں اس جانب اشارہ ہے کہ دوبارہ ذوق و شوق پیدا ہونے کے انتظار میں بیٹھے تاآنکہ ذوق و شوق لوٹ آئے اور اس میں از سر نو عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ ایسا نہ کرے کہ مکمل طور پر فارغ ہو کر گہری نیند سو جائے۔

واضح ہو کر نفس میں ذوق و شوق باقی رہنے تک عمل میں مصروف رہنا اور سست و درماندہ ہو جانے کی صورت میں عمل ترک کر دینے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ اور آخرِ شب میں نفس پر عمل گراں ہونے کی صورت میں عمل کو ترک کر دینے میں نقصان ہے

چاہیے کہ عبادت کا طلب گار کوشش کرے اور نفس کو کثرتِ عمل کا عادی بنائے مشقت و ریاضت کا خوگر بنے حتیٰ کہ سو رکعت اور قرآن کے دس پارے تھوڑے وقت میں اس کے لیے پڑھنا آسان ہو جائے اور اس حد تک پہنچنے پر بھی ذوق و شوق بڑھتا ہی رہے۔ حالانکہ اس سے پہلے اس کے لیے دو رکعت اور ایک پارہ پڑھنا گراں اور بھاری محسوس ہوتا تھا۔ اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

۱۱۷۶/۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ فَاِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى وَهُوَ نَاعِسٌ لَا يَدْرِيْ لَعَلَّهٗ يَسْتَغْفِرُ فَيَسُبَّ نَفْسَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو اونگھ آنے لگے اور وہ نماز میں ہو تو چاہیے کہ سو جائے[1] یہاں تک کہ اس سے نیند[2] دور ہو جائے کیونکہ تم میں سے کوئی آدمی جب نماز پڑھ رہا ہو اور اسے اونگھ بھی آ رہی ہو تو اسے پتہ نہ چلے[3] گا شاید کہ وہ استغفار کرنے لگے اور بجائے استغفار کے اپنے آپ کو گالیاں دے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی نماز ہلکی کرے اور مکمل کر کے سو جائے۔

[2] نُعاس۔ نون کی پیش سے۔ نیند کی گرانی اور اس کی ابتدائی حالت اسے سِنَۃ سین کی زبر یا سِنَۃ بکسر سین بھی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یعنی اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سے پاک ہے۔ یہ دراصل ایک لطیف ہوا ہوتی ہے جو دماغ کی طرف سے آتی ہے اور آنکھوں کو ڈھانپ لیتی ہے دل تک نہیں پہنچتی جب دل تک پہنچ جاتی ہے تو اسے نیند کہتے ہیں۔ رقود و رُقاد پیش سے بمعنیٰ نیند۔ صرف اونگھ کی صورت میں اگر اٹھ کھڑا ہو اور کام کاج کرنے لگے جس سے اونگھ دور ہو جائے تو ایسا ہو جاتا ہے مگر جب کہ نیند غالب آ جائے اور اسے ہٹانا دماغ کو نقصان دیتا اور بدن کے بوجھل ہونے کا باعث بنے یہ حالت اختلاف حالات و اوقات سے معلوم ہو جاتی ہے۔

[3] نیند کی وجہ سے اسے معلوم نہ ہوگا کہ وہ نماز کا کونسا فعل اور نماز کے کونسے کلمات کہہ رہا ہے ہو سکتا ہے کہ وہ استغفار و دعا کرے مگر اس سے غلطی واقع ہو جائے اور غلطی کی وجہ سے اپنے آپ کو گالی دے اور بجائے اللھم اغفرلی یا اللھم ارحمنی کہنے کے یوں کہہ دے اللھم عذبنی والعنی۔ اے اللہ مجھے عذاب دے اور مجھ پر لعنت کر۔

۱۱۷۷/۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ وَلَنْ يُّشَادَّ الدِّيْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَهٗ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دین اسلام آسانی اور سہولت پر مبنی[1] ہے اور کوئی شخص دین کو

قیام لیل اور نماز شب کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ حدیث اس باب میں لائی۔

۱۱۷۹/۸ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلِّ قَائِمًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو پر نماز پڑھو[1]
(بخاری)

[1] اگر اسے نماز فرض پر محمول کریں تو ظاہر ہے اور اگر نماز نافلہ مراد لیں تو یہ افضل واکمل کا بیان ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ اور حضور کا قول مبارک عَلٰی جَنْبٍ (پہلو پر) فقہاء کے قول مختار پر دلالت کرتا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قبلہ رو چت لیٹ کر پڑھے۔

۱۱۸۰/۹ وَعَنْهُ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ صَلٰوةِ الرَّجُلِ قَاعِدًا قَالَ اِنْ صَلّٰى قَائِمًا فَهُوَ اَفْضَلُ وَمَنْ صَلّٰى قَاعِدًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَائِمِ وَمَنْ صَلّٰى نَائِمًا فَلَهٗ نِصْفُ اَجْرِ الْقَاعِدِ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اگر کھڑے ہو کر نماز پڑھو تو افضل ہے اور جو بیٹھ کر نماز پڑھے تو اسے کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے اور جو لیٹ کر نماز پڑھے اسے بیٹھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے[1]
(بخاری)

[1] یہ حدیث نفل نماز پر محمول ہے۔ کیونکہ نماز فرض اگر بلا عذر بیٹھ کر پڑھے گا تو درست نہ ہو گی۔ لہٰذا اسے کھڑے ہو کر جو نفل نماز میں افضل ہے ادا کرنے کا حکم نہ دیا جائے گا اور اگر کوئی عذر لاحق ہو تو پھر قیام ساقط ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب قیام بیٹھنے سے افضل نہ ہو گا اور بیٹھنے والے کو کھڑے ہونے والے سے آدھا ثواب نہ ملے گا بلکہ پورا ملے گا۔ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے نفل نماز کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر پڑھنے کی تلاوت ہوتے ہوئے لیٹ کر پڑھنی جائز ہے۔ علماء کا ایک گروہ اس جواز کی طرف گیا ہے امام حسن بصری بھی اس گروہ میں سے ہیں جیسا کہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۱۸۱/۱۰ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو

أَوٰى إِلٰى فِرَاشِهٖ طَاهِرًا وَّ ذَكَرَ اللّٰهَ حَتّٰى يُدْرِكَهُ النُّعَاسُ لَمْ يَتَقَلَّبْ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيْهَا خَيْرًا مِّنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ إِلَّآ أَعْطَاهُ إِيَّاهُ ذَكَرَهُ النَّوَوِيُّ فِيْ كِتَابِ الْاَذْكَارِ بِرِوَايَةِ ابْنِ السُّنِّيِّ

اپنے بستر پر پاک ہو کر لیٹے[1] اور اللہ کا ذکر کرتا ہے یہاں تک کہ اسے نیند آ جائے تو رات کی کسی گھڑی میں کروٹ نہ لے گا جس میں اللہ سے دنیا و آخرت کی خیر مانگے مگر رب تعالےٰ اسے دے گا۔

اسے نووی نے کتاب الاذکار میں ابن السنی سے روایت کیا۔

[1] اور با وضو لیٹے۔ لفظ آوٰی مد اور بے مد دونوں طرح مروی ہے۔ بے مد زیادہ مشہور ہے۔ فراش فا کی زیر سے بمعنی بستر۔

۱۱۸۲/۱۱ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجِبَ رَبُّنَا مِنْ رَّجُلَيْنِ رَجُلٌ ثَارَ عَنْ وِطَائِهٖ وَلِحَافِهٖ مِنْ بَيْنِ حِبِّهٖ وَ أَهْلِهٖ إِلٰى صَلٰوتِهٖ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلٰٓئِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ ثَارَ عَنْ فِرَاشِهٖ وَ وِطَائِهٖ مِنْ بَيْنِ حِبِّهٖ وَ أَهْلِهٖ إِلٰى صَلٰوتِهٖ رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدِيْ وَ شَفَقًا مِّمَّا عِنْدِيْ وَ رَجُلٌ غَزَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَانْهَزَمَ مَعَ أَصْحَابِهٖ فَعَلِمَ مَا عَلَيْهِ فِي الْاِنْهِزَامِ وَ مَا لَهٗ فِي الرُّجُوْعِ فَرَجَعَ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهٗ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلٰٓئِكَتِهٖ اُنْظُرُوْا إِلٰى عَبْدِيْ رَجَعَ رَغْبَةً فِيْمَا عِنْدِيْ وَ شَفَقًا مِّمَّا عِنْدِيْ حَتّٰى هُرِيْقَ دَمُهٗ۔

رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارا رب دو آدمیوں سے بہت راضی[1] ہوتا ہے ایک وہ آدمی جو اپنے بستر اپنے لحاف[2] اپنے پیاروں[3] اپنے گھر والوں کے درمیان[4] نماز کے لیے کود کر کھڑا ہو۔ رب تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے اس بندے کو دیکھو کہ اپنے بستر اور لحاف سے اپنے پیاروں اور گھر والوں کے درمیان سے نماز کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ میری رحمت کی رغبت اور میرے عذاب کے خوف[5] سے اور ایک وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد[6] کرے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ بھاگ جائے پھر غور کرے کہ اس پر بھاگنے میں کیا عذاب ہے اور واپس جہاد کی طرف لوٹنے میں کیا ثواب ہے تو لوٹ پڑے یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا جائے۔ تو رب تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ میرے بندے کو دیکھو میرے بندے[7] کو ثواب میں رغبت اور میرے عذاب سے خوف کرتے ہوئے لوٹ پڑا یہاں تک کہ اس کا خون بہا دیا گیا۔

(شرح السنۃ)

[1] اور ان دو شخصوں پر تعجب کرتا ہے۔ یعنی انہیں عظیم و کبیر جانتا ہے۔ بعض نے کہا ان سے راضی ہوتا اور انہیں ثواب عطا کرتا ہے۔

[2] یعنی اپنے نرم بستر پر سے جس پر وہ سویا ہوتا ہے اور اپنے لحاف سے جسے اس نے اوڑھا ہوتا ہے، جلدی سے نکل پڑتا ہے۔ لفظ وطاؤ واو کی زیر اور زبر دونوں طرح ہے لحاف لام کی زیر سے۔

[3] اصل میں لفظ حِبّ آیا ہے حا کی زیر سے بمعنی محبوب۔

[4] شفق شین اور فا کی زبر بمعنی خوف و ہراس۔

[5] جو راہ خدا میں کافروں سے جہاد کے لیے نکلا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۱۸۳/۱۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ حُدِّثْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا نِصْفُ الصَّلٰوةِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ فَوَجَدْتُّهٗ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلٰى رَاْسِهٖ فَقَالَ مَالَكَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قُلْتُ حُدِّثْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ قُلْتَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ قَاعِدًا عَلٰى نِصْفِ الصَّلٰوةِ وَاَنْتَ تُصَلِّيْ قَاعِدًا قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنِّيْ لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے فرماتے ہیں کہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کو بیٹھ کر نماز پڑھتے پایا میں نے اپنا ہاتھ آپ کے سر مبارک پر رکھا[1]۔ فرمایا اے عبداللہ کیا ہے[2]۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے فرمایا مرد کی نماز بیٹھ کر آدھی نماز ہے۔ اور آپ خود بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں[3]۔ فرمایا ہاں[4]۔ لیکن میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں[5]

(مسلم)

---

[1] علماء نے کہا ہے یہ عربوں کی عادت ہے کہ جب کسی چیز کو خصوصی اہمیت دینی ہوتی ہے۔ یا اسے عجیب سمجھتے اور اس پر تعجب کرتے ہیں۔ اس کی نظیر وہ ہے کہ بعض دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ شریف کو چومتے تھے۔ حضرت شیخ ابن حجر اپنی شرح میں فرماتے ہیں۔ سر پر ہاتھ رکھنا خلاف ادب ہے۔ بعض نے کہا شاید حضرت عبداللہ بن عمرو رضی

رضی اللہ عنہ سے یہ فعل تعجب وحیرت کی بنا پر یکایک بلا قصد وارادہ واقع ہوگیا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے۔ کہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد کیا نہ کہ نماز کے اندر۔

۲؎ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عبداللہ کے اس فعل کو عجیب وغریب جانا۔

۳؎ تو آپ جیسی تمام افضلوں واکملوں سے افضل واکمل ذات سے افضل واکمل فعل کا ترک کیسے واقع ہوا۔ یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔

۴؎ ہاں ایسا ہی ہے کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے۔

۵؎ یہ جو میں نے کہا میرے علاوہ میری امت کے دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔ میں اس حکم سے خارج ہوں۔ میرا پروردگار مجھے بیٹھ کر نماز پڑھنے پر بھی اتنا ہی ثواب عطا کرتا ہے جتنا مجھے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا میرے اوپر خصوصی فضل وکرم ہے۔ یا یہ بات میرے ساتھ خاص ہے۔ کیونکہ مجھے رب تعالیٰ کی طرف انتہا درجہ کی توجہ اور حضور کو معرفت اور قرب نصیب ہے۔ مجھے دوسروں پر قیاس نہ کرو۔ نہ دوسروں کو مجھ پر۔

۱۱۸۴/۱۳ وَعَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ قَالَ قَالَ رَجُلٌ مِّنْ خُزَاعَةَ لَيْتَنِيْ صَلَّيْتُ فَاسْتَرَحْتُ فَكَاَنَّهُمْ عَابُوْا ذٰلِكَ عَلَيْهِ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَقِمِ الصَّلٰوةَ يَا بِلَالُ اَرِحْنَا بِهَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت سالم بن ابو الجعد[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ خزاعہ کے ایک آدمی نے کہا۔ کاش میں نماز پڑھ لیتا۔ تو راحت پا جاتا شاید لوگوں نے اس بات کو معیوب جانا[2]۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا اے بلال نماز کی تکبیر کہو۔ ہمیں اس سے راحت پہنچاؤ[3]۔

(ابوداؤد)

۱؎ جعد جیم کی زبر عین ساکن۔ سالم بن ابو الجعد مشہور تابعی ہیں۔ اور ان میں ثقہ شخصیت ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فوت ہوئے۔

۲؎ یعنی وہاں موجود دوسرے صحابہ کرام وغیرہم نے اس کی اس بات کو اچھا نہ جانا اور ان کے فہم پر یہ بات گراں گزری۔

۳؎ یعنی اے بلال ہمیں نماز کے ساتھ راحت دو۔ تکبیر کہو تاکہ ہم نماز پڑھیں اور راحت حاصل کریں۔ دوسری بات یہ کہ نماز میں مشغول ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موجب راحت تھا۔ نماز کے ادا کرنے اور اس میں بارگاہ حق میں مناجات کرنے سے دنیوی اعمال اور لوگوں کے میل جول سے نجات پاتے تھے اسی لیے آپ نے فرمایا **جعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ**۔ یعنی نماز کے اندر میری آنکھوں کے لیے ٹھنڈک رکھی گئی ہے۔ ان دونوں معنوں میں فرق یہ ہے کہ معنیٰ اول تو یہ ہے کہ ہم ذمہ داری سے بری ہو کر، طاعت بجالاتے، حکم کی فرمانبرداری کرتے۔ مشغولیت کی تھکاوٹ سے خلاصی پانے اور اس ذات کے ساتھ تعلق

قلبی قائم کرنے کے ذریعہ راحت حاصل کریں۔ اور معنیٔ ثانی یہ ہے کہ نماز کے وجود، ذوق مناجات اور اس شہود سے جو نماز میں نصیب ہوگا کے ذریعے راحت حاصل کریں۔ اور شک نہیں کہ دوسرا معنیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام عالی کے زیادہ مناسب و لائق ہے اور خزاعی مرد کا قول پہلے معنی کی طرف رخ رکھتا ہے۔ اسی بنا پر صحابہ نے اسے معیوب جانا یہ بھی ممکن ہے کہ خزاعی مرد کی مراد بھی دوسرا معنی ہی ہو۔ یعنی ہم نماز پڑھیں اور اس کے ساتھ راحت حاصل کریں۔ اور ما سوائے اللہ کے ساتھ مشغولیت سے نجات پائیں۔ خوب سمجھو۔ و باللہ التوفیق۔

بَابُ الْوِتْرِ

نماز وتر کا بیان

علماء کے درمیان نماز وتر میں دو طرح کا اختلاف ہے۔ اول یہ کہ وتر سنت ہیں یا واجب۔ اکثر ائمہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ اس پر ہیں کہ نماز وتر سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وتر واجب ہیں۔ تاہم واجب بمعنیٰ فرض نہیں۔ اور ایک روایت کے مطابق آپ کے نزدیک فرض ہیں اور ایک روایت میں سنت بھی آیا ہے مگر صحیح قول اول ہے کہ واجب ہیں۔ علماء نے کہا کہ سنت ہونے کے باوجود ان کی تقضا واجب ہے۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ نماز وتر ایک رکعت ہے یا تین رکعت۔ پانچ اور سات رکعات کا ذکر بھی آیا ہے۔ اکثر ائمہ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک تین رکعت۔ احادیث دونوں جانب وارد ہیں۔ وہ حضرات جو ایک رکعت کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ ایک رکعت وتر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھے اور سلام پھیرے اگر پہلے دو رکعت نہ پڑھی جائیں تو یہ مکروہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ سے پوچھا گیا کہ آپ نماز وتر میں کیا کہتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا اکثر احادیث سے ایک رکعت وتر کا ثبوت ملتا ہے۔ میں بھی اسی جانب ہوں۔ دوسرے وقت میں آپ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ دو رکعت پر سلام پھیرے اگر سلام نہ بھی پھیرے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض شافعیہ نے تین رکعت وتر کے قول کو ضعیف اور کمزور ثابت کرنے میں بڑے مبالغے سے کام لیا ہے اور حق یہ ہے کہ تین رکعت کے بارے میں بھی احادیث کثیرہ اور آثار صحیحہ آئے ہیں۔ اور اس باب وتر میں کافی گفتگو کی گئی ہے۔ اس کے دلائل وجوب اور اس کے ایک رکعت یا تین رکعت ہونے میں شرح عربی (لمعات) اور شرح سفر السعادۃ میں تفصیل سے یہ گفتگو ذکر ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۱۸۵/۱ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ اللَّيْلِ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ صَلّٰى رَكْعَةً وَّاحِدَةً تُوْتِرُ لَهٗ مَا قَدْ صَلّٰى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رات کی نماز دو دو رکعت ہے۔ اور جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا خطرہ لاحق ہو جائے تو وہ ایک رکعت اور پڑھے۔ یہ ایک رکعت پہلی رکعتوں کو وتر بنا دے گی[1] (بخاری و مسلم)

[1] وتر بمعنی طاق ہے۔ جفت عدد کے مقابل۔ اور جب اس نے پہلے دو دو رکعت پڑھی ہیں۔ سب جفت واقع ہوں گی۔ اور جب ایک ان کے ساتھ ملائے گا تو وتر بن جائیں گی۔ حدیث میں آیا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے وتر نماز کی مشروعیت کا سبب یہ حدیث ہے پھر کبھی رات کی ساری نماز کو وتر کہہ دیتے ہیں۔ حدیث کا ظاہر مفہوم یہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک فَاِذَا خَشِيَ اَحَدُكُمُ الصُّبْحَ گویا رات کی نماز کو دراز کرنے کی طرف اشارہ ہے کہ نزدیک صبح تک پڑھی جائے۔ ورنہ وتر نماز کا ادا کرنا طلوع صبح کے خوف پر موقوف نہیں ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۱۱۸۶/۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ رَكْعَةٌ مِّنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وتر آخر رات میں ایک رکعت ہیں۔[1] (مسلم)

[1] اسی طریقہ کے مطابق کہ اس سے پہلے دو رکعت پڑھے اور سلام پھیرے اس کے بعد ایک رکعت پڑھے یہ حدیث نماز وتر کے ایک رکعت ہونے کی دلیل ہے۔ وہ احادیث جو وتر نماز کے تین رکعت ہونے پر دلالت کرتی ہیں ابھی آ رہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول مبارک من آخر اللیل اس جانب اشارہ ہے کہ چاہیے کہ وتر آخر شب میں پڑھے جائیں۔ اس میں بھی کلام آ رہا ہے۔

۱۱۸۷/۳ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ ثَلٰثَ عَشَرَةَ رَكْعَةً يُوْتِرُ مِنْ ذٰلِكَ بِخَمْسٍ لَا يَجْلِسُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعت پڑھتے تھے۔ ان میں سے پانچ رکعت وتر پڑھتے تھے۔ جن میں آخر کے سوا کہیں نہ بیٹھتے تھے[1]

فِيْ شَيْءٍ إِلَّا فِيْ آخِرِهَا ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(بخاری و مسلم)

ل تحقیق سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کئی طرح پر ہوتی تھی۔ ایک طریقہ یہ تھا کہ آپ آٹھ رکعت پڑھتے۔ چہار سلام کے ساتھ دو دو رکعت کر کے۔ اور پانچ رکعت لگاتار اور متصل ادا کرتے وتر کی نیت سے ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ۔ یہ حدیث صحیح اس بارے میں صریح ہے کہ پانچ رکعت میں ایک تشہد کے ساتھ اتصال کرتے تھے اور یہ بات فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے جو فقہاء اس کے قائل نہیں ہیں وہ عدم تشہد کی تاویل عدم سلام سے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔ کہ تشہد سے یہاں سلام مراد ہے۔ یعنی آپ سلام نہ پھیرتے مگر آخر میں۔ اور بعض روایات میں آیا ہے کہ لم یسلم الا فی آخرھن آپ سلام نہ پھیرتے مگر ان کے آخر میں اور چار رکعتوں سے زائد رکعتوں کو ایک سلام سے ملانا جائز ہے۔ بالاتفاق اور حنفیہ کے نزدیک آٹھ رکعت تک اس طرح کرنا جائز ہے۔

۱۱۸۸/۴ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ هِشَامٍ قَالَ انْطَلَقْتُ إِلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ أَلَسْتَ تَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ بَلٰى قَالَتْ فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْاٰنَ قُلْتُ يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْبِئِيْنِيْ عَنْ وِتْرِ رَسُوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ كُنَّا نُعِدُّ لَهٗ سِوَاكَهٗ وَطَهُوْرَهٗ فَيَبْعَثُهُ اللّٰهُ مَا شَاءَ أَنْ يَبْعَثَهٗ مِنَ اللَّيْلِ فَيَتَسَوَّكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيُصَلِّيْ تِسْعَ رَكَعَاتٍ لَا يَجْلِسُ فِيْهَا إِلَّا فِي الثَّامِنَةِ فَيَذْكُرُ اللّٰهَ وَيَحْمَدُهٗ وَيَدْعُوْهُ ثُمَّ يُسَلِّمُ تَسْلِيْمًا يُسْمِعُنَا ثُمَّ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ بَعْدَ مَا يُسَلِّمُ وَهُوَ قَاعِدٌ فَتِلْكَ إِحْدٰى عَشَرَةَ

حضرت سعد[ل] بن ہشام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں حضرت عائشہ کے پاس گیا۔ عرض کیا اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی خبر دیجیے[۲] آپ نے فرمایا کیا تم لوگ قرآن نہیں پڑھتے میں نے کہا ہاں۔ بولیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا[۳] میں نے عرض کیا۔ اے ام المومنین مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وتر کی خبر دیجیے۔ فرمایا ہم آپ کی مسواک اور طہارت[۴] کا پانی تیار کرتے تھے تو رات میں جب اللہ چاہتا انہیں اٹھاتا تو آپ مسواک کرتے اور وضو کرتے اور نو رکعتیں پڑھتے جن میں سے آٹھویں کے سوا کہیں نہ بیٹھتے۔ پھر اللہ کا ذکر کرتے اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے[۵] پھر بغیر سلام پھیرے کھڑے ہوتے تو نویں رکعت پڑھ لیتے پھر اللہ کا ذکر کرتے اور اس کی حمد کرتے اور اس سے دعا مانگتے[۶] پھر اس طرح سلام پھیرتے کہ ہمیں سنا دیتے پھر سلام کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔ اے بچے یہ گیارہ رکعتیں ہوئیں۔ پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم

رَكْعَةً يَا بُنَيَّ فَلَمَّا اَسَنَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَخَذَ اللَّحْمَ اَوْتَرَ بِسَبْعٍ وَّصَنَعَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِثْلَ صَنِيْعِهٖ فِي الْاُوْلٰى فَتِلْكَ تِسْعٌ يَا بُنَيَّ وَكَانَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى صَلٰوةً اَحَبَّ اَنْ يُّدَاوِمَ عَلَيْهَا وَكَانَ اِذَا غَلَبَهٗ نَوْمٌ اَوْ وَجَعٌ عَنْ قِيَامِ اللَّيْلِ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً وَلَا اَعْلَمُ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَءَ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ فِي لَيْلَةٍ وَّصَلّٰى لَيْلَةً اِلَى الصُّبْحِ وَلَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا غَيْرَ رَمَضَانَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

عمر رسیدہ اور کمزور ہو گئے[7] تو سات رکعتیں پڑھنے لگے اور دو رکعتوں میں پہلی رکعتوں کا سا عمل کرتے اے بچے یہ نو ہوئیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نماز پڑھتے تو اس پر ہمیشگی کو پسند فرماتے[8] اور جب آپ کو نیند یا تکلیف رات کو اٹھنے سے مانع ہوتی تو دن میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے[9]۔ اور مجھے خبر نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا قرآن ایک رات میں پڑھا ہو، اور نہ یہ کہ ساری رات صبح تک نماز پڑھی ہو اور نہ یہ کہ رمضان کے سوا کسی مہینے کے پورے روزے رکھے ہوں[10]

(مسلم)

[1] حضرت سعد انصاری تابعی اور جلیل القدر شخصیت ہیں۔ امام حسن بصری ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث اہل بصرہ کے پاس ہیں۔ اور سان میں شہرت یافتہ ہیں۔ آپ ہندوستان کی طرف تشریف لائے۔ جہاد کیا اور مکران میں جام شہادت نوش فرمایا۔ آپ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا کے بیٹے ہیں۔

[2] یعنی آپ کی خو اور سیرت کے بارے میں آگاہ کریں۔

[3] یعنی قرآن پاک میں جو اخلاق عظیمہ اور صفات حمیدہ مذکورہ بیان کی گئی ہیں آپ ان سب کے ساتھ متخلق اور موصوف تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا خلق قرآن پاک میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں (اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ اے بے شک تو خلق عظیم سے موصوف ہے)

[4] لفظ طہور طا کی زبر سے ہے۔

[5] یعنی آپ تشہد پڑھتے اور تشہد میں ذکر و حمد و دعا کرتے۔

[6] یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کا دوسرا طریقہ ہے اور اس میں یہ متعین ہے کہ لفظ لا یجلس ظاہر پر محمول ہے۔ اور لفظ جلوس سے سلام مراد نہیں ہے۔ ورنہ استثناء کی بنا پر لازم آئے گا کہ آٹھویں رکعت پر آپ سلام پھیرتے تھے۔ حالانکہ

اس بات کی تصریح موجود ہے کہ ان میں بیٹھتے مگر سلام نہ پھیرتے تھے۔

۷ه یعنی آپ کے جسم اقدس کا گوشت بھر گیا اور آپ تن دار اور ضعیف ہو گئے۔ یعنی آخر عمر شریف میں شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے کہا کہ آپ کی یہ حالت رحلت سے ایک سال پہلے ہو گئی۔

۸ه اس محبت کی بنا پر جو آپ کو نماز سے تھی اور یہ دستور اس کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتا کہ آپ کا نفل پڑھنا وقتاً فوقتاً ہوتا تھا اور آپ اپنے اوپر نوافل کو لازم و ضروری نہ گردانتے تھے تاکہ امت پر فرض نہ ہو جائیں۔

۹ه اور دن میں وہ تفصیل نہ ہوتی تھی کہ کبھی تیرہ رکعت پڑھتے، کبھی گیارہ یا نو یا سات رکعت۔

۱۰ه حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نفی کی نسبت اپنے علم کی طرف احتیاط کی۔ اور فرمایا میں نہیں جانتی کہ شاید آپ حضرت عائشہ کی باری کے علاوہ یا بعض اوقات سفر وغیرہ میں کرتے ہوں۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ۔ واضح ہو کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا بہت سی احادیث میں آیا ہے، لیکن ایک دوسری حدیث **اجعلو آخر صلوتکم باللیل وترًا** (رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ) بظاہر اس کے معارض اور مخالف نہیں۔ یہ چیز بہت سے علماء کے لیے مشکل ہو گئی ہے۔ اس لیے امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنے کے منکر ہیں اور کہا کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے امام احمد رحمۃ اللہ نے کہا میں یہ دو رکعت خود نہیں پڑھتا مگر کسی کو منع بھی نہیں کرتا۔ اور جمہور علماء بعد وتر دو رکعت پڑھنے کے قائل ہیں کیونکہ ان دو رکعت کا ذکر احادیث صحیحہ میں آ چکا ہے اور کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی لیے وتر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے تاکہ لوگ جان لیں کہ وتر کے بعد نفل پڑھنے جائز ہیں۔ لہذا حدیث **اجعلوا آخر صلوتکم باللیل** استحباب پر محمول ہو گی نہ کہ وجوب پر۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ وتر کے بعد دو رکعت پڑھنا اول رات میں تھا یا آخر رات میں۔ اس بارے میں حضرت ابوامامہ کی حدیث مطلق ہے۔ اس میں صرف اس قدر کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے اور کہا کہ اول شب میں یا آخر شب میں۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے کہ یہ دو رکعت آپ اس وقت پڑھتے جب کہ وتر اول رات میں پڑھتے۔ یہ دونوں حدیثیں باب کے آخر میں آئیں گی اور بخاری و مسلم و موطا کی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایسا قیام لیل میں ہوتا تھا اور یہی صحیح ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ دو رکعتیں وتر کے ساتھ ملحق ہیں۔ اور وتر کے لیے سنت جادید کی طرح ہیں۔ خصوصاً اس شخص کے قول کے مطابق جو اس کے وجوب کا قائل ہے۔ جیسے دن کے وتر کہ وہ نماز مغرب ہے۔ اس کے متصل بعد دو رکعت سنت موکدہ پڑھی جاتی ہیں۔ اور رات کے وتر کے ساتھ بھی دو رکعت ملانا ضروری ہو گا۔

اس کے بعد یہ بھی واضح ہو کہ اول رات میں وتر نماز کو جفت (دو رکعتیں) بنانے کی نیت جیسا کہ بعض لوگ کرتے ہیں کہ بیٹھ کر دو رکعت نفل پڑھنے کو ایک رکعت کی طرح قرار دیتے ہیں تو ان بعض کا یہ خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اور

ایسا کرنا بلا ضرورت وتر نماز کو ناقص اور باطل کرنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ بعد الوتر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر وتر اول شب میں پڑھ لیے جائیں پھر قیام لیل کی توفیق بھی نصیب ہو جائے اور نماز تہجد بھی ادا کی جائے تو دوبارہ پڑھنے کی حاجت و ضرورت نہ رہے گی۔ مختار و پسندیدہ قول یہی ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے اور بلاشک و شبہ روایات میں آ چکا ہے کہ لا وتران فی لیلۃ واحدۃ ایک رات میں دو بار وتر نہیں پڑھے جا سکتے۔ اس میں غور کرو۔

١١٨٩/٥ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ بِاللَّيْلِ وِتْرًا۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ رات کی آخری نماز وتروں کو بناؤ[1]
(مسلم)

[1] اس کی شرح گذشتہ حدیث کے بیان میں گزر چکی ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ امام بخاری نے بھی باب الوتر میں اسے روایت کیا ہے۔

١١٩٠/٦ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوا الصُّبْحَ بِالْوِتْرِ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر پڑھ کر صبح پانے میں جلدی کرو[1]
(مسلم)

[1] یعنی طلوع سے پہلے وتر پڑھ لو۔ ترمذی کی حدیث میں ہے صبح ہونے سے پہلے وتر ادا کرو۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے۔ جب فجر طلوع ہو گئی تو رات کی نماز جاتی رہی۔ لہٰذا وتر فجر ہونے سے پہلے پڑھو۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ نماز فجر کے بعد وتر نہیں۔ اس سے وتر کی ادا مراد ہو گی ورنہ صبح کے وقت وتر نماز کی قضا جائز ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی میں زید بن اسلم کی حدیث میں آ رہا ہے کہ قضا ہر وقت جائز ہے۔ ترتیب کی رعایت کے ساتھ۔

١١٩١/٧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ يَّقُوْمَ اٰخِرَهٗ فَلْيُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّيْلِ فَاِنَّ صَلٰوةَ اٰخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُوْرَةٌ وَذٰلِكَ اَفْضَلُ
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو اندیشہ ہو کہ آخر شب میں نہ اٹھے گا تو وہ اول شب میں ہی وتر پڑھ لے اور جسے آخر شب میں بیدار ہونے کی امید[1] ہو وہ آخر شب میں وتر پڑھے کیونکہ آخر شب کی نماز کی فضیلت و شان کی گواہی دی گئی ہے[2]۔
(مسلم)

[1] اور وہ آخر شب میں اٹھنے پر اعتماد رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ وتر آخر شب میں پڑھے۔

[2] اور اس نماز کے وقت ملائکہ رحمت حاضر و موجود ہوتے ہیں اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے مشہودۃ محضورۃ وذالک افضل یعنی اس وقت کی نماز کی فضیلت و شان کی گواہی آ چکی ہے، اور اس وقت ملائکہ رحمت موجود ہوتے ہیں۔ اور یہ افضل عمل ہے اور آخر شب میں وتر پڑھنا اول شب میں پڑھنے کی نسبت زیادہ فضیلت والا عمل ہے اس وجہ سے کہ اس وقت کی فضیلت کی گواہی آ چکی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی عارضے کے باعث کسی خاص شخص کے لیے اول شب میں وتر پڑھ لینا اولیٰ اور زیادہ احتیاط کی بات اور اس کے حال کے زیادہ لائق ہو۔ ابو داؤد کی حدیث میں حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو کس وقت وتر پڑھتا ہے۔ عرض کیا اول شب میں۔ آپ نے حضرت عمر سے فرمایا تو کس وقت وتر پڑھتا ہے۔ عرض کیا آخر شب میں۔ آپ نے حضرت ابو بکر کے بارے میں فرمایا اس نے احتیاط کو اختیار کیا ہے اور حضرت عمر کے بارے میں فرمایا اس نے قوت و طاقت والا عمل اختیار کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وتر اول شب میں پڑھ کر سو جایا کر۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اول شب میں احادیث سنتے اور انھیں یاد کیا کرتے تھے (تو اندیشہ ہوتا تھا کہ آخر شب میں بیدار نہ ہو سکیں)

۱۱۹۲/۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مِنْ كُلِّ اللَّيْلِ أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَوَّلِ اللَّيْلِ وَأَوْسَطِهٖ وَاٰخِرِهٖ وَانْتَهٰى وِتْرُهٗ إِلَى السَّحَرِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں وتر پڑھے ہیں۔ اول شب میں اس کے درمیان میں اور آخر شب میں بھی۔ پھر آخر عمر شریف میں آپ سحری[1] کے وقت وتر پڑھتے تھے۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی آخر عمر میں یہ چیز طے ہو گئی کہ سحری کے وقت اور آخر شب میں آپ وتر پڑھتے تھے۔

۱۱۹۳/۹ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ بِثَلٰثٍ صِيَامِ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَأَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ أَنْ أَنَامَ

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، مجھے میرے دوست[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین کاموں کی وصیت فرمائی۔ ہر ماہ میں تین روزے رکھنے کی[2] نماز چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے کی[3]۔ اور اس بات کی کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں[4]۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی میرے جانی دوست نے جس کی محبت میرے دل میں گھر کر چکی ہے۔

۲؎ وہ تین دن جو دن بھی ہوں۔ اکثر روایات میں ہر ماہ کے درمیانی تین دن آئے ہیں جنہیں ایام بیض کہتے ہیں۔ جیساکہ کتاب الصوم میں آرہا ہے۔

۳؎ یعنی آفتاب طلوع ہوکر بلند ہوجانے کے بعد۔ اور باب صلوٰۃ الضحیٰ میں آرہا ہے کہ دو رکعتیں نماز چاشت کی کم نماز ہے۔ اس کی زیادہ مقدار بارہ رکعت تک ہے۔ صرف دو رکعت گویا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

۴؎ علماء نے کہا ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اول شب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرنے اور جو کچھ انہوں نے دوسرے صحابہ کرام سے سنا ہوتا تھا اسے ذہن نشین کرنے میں مصروف تھے۔ اس کام میں رات کا کافی حصہ گزر جاتا تھا۔ اس وجہ سے آپ کے لیے آخر شب میں اٹھنا مشکل ہوتا تھا اور حضرت ابوہریرہ کو صرف دو رکعت پڑھنے کا حکم بھی اسی وجہ سے دیا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسری عبادت کی نسبت علم دینی میں مشغول رہنا زیادہ فضیلت والا کام ہے۔

مجھے اپنے بعض اساتذہ کی یہ حکایت یاد ہے کہ انہوں نے فرمایا فقہ کی روایات میں آیا ہے کہ دینی طالب علم کے لیے وتر نماز کے بعد دو رکعت اول شب میں ہی پڑھ لینا مستحب ہے۔ طالب علم کے لیے اس حکم کی تخصیص کی وجہ اس وقت مجھ پر ظاہر نہ ہوسکی۔ اب جب کہ اس حدیث پاک کا علم ہوا تو وجہ ظاہر ہوگئی کہ طالب علم اول شب میں تکرار علم اور اس کے حفظ میں مصروف رہتا ہے۔ جیسے حضرت ابوہریرہ کا حال تھا۔ اور یہ دو رکعتیں نماز شب کے قائم مقام ہوجائیں گی جیساکہ فصل ثالث کے آخر میں آرہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۱۹۴ عَنْ غُضَيْفِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَرَاَيْتِ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَغْسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ فِیْ اَوَّلِ اللَّيْلِ اَمْ فِیْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اغْتَسَلَ فِیْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَرُبَّمَا اغْتَسَلَ فِیْ اٰخِرِهٖ قُلْتُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِی

دوسری فصل

حضرت غضیف[1] بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کیا آپ نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت اول رات میں کرتے تھے یا آخر رات میں حضرت عائشہ نے کہا بہت دفعہ آپ اول شب میں غسل کرلیتے تھے اور بہت دفعہ آخر شب میں[2]۔ میں نے کہا اللہ اکبر[3]۔ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے کار دین

الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ يُوتِرُ اَوَّلَ
اللَّيْلِ اَمْ فِيْ اٰخِرِهٖ قَالَتْ رُبَّمَا اَوْتَرَ
فِيْ اَوَّلِ اللَّيْلِ وَ رُبَّمَا اَوْتَرَ فِيْ اٰخِرِهٖ
قُلْتُ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً قُلْتُ كَانَ
يَجْهَرُ بِالْقِرَآءَةِ اَمْ يَخْفِتُ قَالَتْ
رُبَّمَا جَهَرَ بِهٖ وَرُبَّمَا خَفَتَ قُلْتُ
اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
جَعَلَ فِي الْاَمْرِ سَعَةً۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ رَوَى ابْنُ مَاجَةَ
اَلْفَصْلَ الْاَخِيْرَ)

میں کشادگی اور فراخی رکھی ہے میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول شب میں وتر پڑھ لیتے تھے یا آخر شب میں۔ فرمایا بہت دفعہ آپ اول شب میں وتر پڑھتے اور بہت دفعہ آخر شب میں۔ میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے دین میں کشادگی اور آسانی رکھی ہے۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے قراءت کرتے تھے یا آہستہ[4]۔ فرمایا بہت دفعہ آپ قراءت میں جہر کرتے تھے اور بہت دفعہ مخفی پڑھتے[5] تھے۔ میں نے کہا اللہ اکبر تمام تعریفیں اسی اللہ جل شانہ کے لیے ہیں جس نے دین کے معاملے میں کشادگی اور آسانی ملحوظ رکھی[6] ہے۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے صرف فصل اخیر[7] کو روایت کیا۔

---

[1] غضیف غین کی پیش ضاد کی زبر آخر میں فا۔ حضرت غضیف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا مگر ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے اور انہوں نے خود کہا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھا اور میں نے آپ کے دست پر بیعت کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ یہ حضرت عمر حضرت ابو ذر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کرتے ہیں۔

[2] یعنی جماع کے بعد متصل غسل کر لیتے یا آخر شب میں کہ جماع کرنے کے بعد سو جاتے اور جب نماز تہجد کے لیے اٹھتے تو غسل کرتے۔

[3] یعنی اللہ تعالے اس سے بلند و برتر ہے کہ اپنے بندوں پر اپنی بندگی کا بھاری بوجھ رکھے۔

[4] یعنی نماز شب کی قراءت۔ یا مطلق تلاوت میں۔

[5] خفت یخفت یعنی آرام سے آواز نکالنا اور راز کو پوشیدہ طور پر بیان کرنا۔

[6] اس حدیث میں اس امر پر تنبیہ فرمائی کہ احکام و تکالیف شرعیہ میں آسانی و کشادگی عظیم نعمت اور وسیع رحمت ہے بندوں پر جس کے لیے خدا تعالیٰ کا شکر بجا لانا واجب و ضروری ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اختلاف اُمَّتِیْ رَحْمَةٌ میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ دینی مسائل میں اختلاف دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کے تعدد و تنوع سے پیدا ہوا ہے۔ اس ضمن میں امت پر شفقت اور ان کے کام میں وسعت و کشادگی پیدا کرنا مقصود ہے پھر اسی طرح

مجتہدین کا استنباط احکام میں اختلاف ہے کہ یہ سب خیر ہی خیر اور دین میں کمال اور اضافے کا موجب ہے اور مزید انوار کا سبب اور بوجھوں و مشقتوں کے ہلکا کرنے کا ذریعہ ہے۔

[7] یعنی اس حدیث کو مکمل طور پر تو ابو داؤد نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے فصل اخیر یعنی اس حصے کو روایت کیا جو قرارت سے متعلق ہے۔

1195/11 وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِکَمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُوْتِرُ قَالَتْ کَانَ یُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَّ ثَلٰثٍ وَسِتٍّ وَّ ثَلٰثٍ وَّ ثَمَانٍ وَّ ثَلٰثٍ وَعَشْرٍ وَ ثَلٰثٍ وَلَمْ یَکُنْ یُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَّ لَا بِاَکْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عبداللہ[1] بن ابو قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعتیں وتر پڑھتے تھے۔ فرمایا چار اور تین رکعت وتر پڑھتے تھے[2] اور چھ اور تین بھی وتر پڑھتے تھے[3]۔ اور آٹھ اور تین رکعت بھی۔ اور دس اور تین رکعت بھی۔ اور سات سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہ پڑھتے تھے۔[4]

(ابوداؤد)

[1] یہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ آپ کے نام پر آپ کی کنیت غالب آگئی۔

1196/12 وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْوِتْرُ حَقٌّ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِخَمْسٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِثَلٰثٍ فَلْیَفْعَلْ وَمَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّوْتِرَ بِوَاحِدَةٍ فَلْیَفْعَلْ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وتر نماز ہر مسلمان پر ثابت و لازم ہے تو جو شخص چاہے کہ وتر پانچ رکعت پڑھے تو ایسا کرے[1] اور جو پسند کرے کہ وتر تین رکعت پڑھے تو وہ ایسا کرلے[2]۔ اور جو پسند کرے کہ وتر ایک رکعت پڑھے وہ ایک رکعت پڑھے[3]

(ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] اسی طرف سفیان ثوری اور بعض دوسرے آئمہ گئے ہیں۔

[2] یہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔

[3] یہ حضرت امام شافعی اور بعض دوسرے آئمہ کا مذہب ہے۔

۱۱۹۷/۱۳ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ فَأَوْتِرُوْا يَا أَهْلَ الْقُرْاٰنِ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ وَالنَّسَائِيُّ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ وتر ہے وتر کو پسند کرتا ہے تو اے اہل قرآن وتر نماز ادا کرو۔[1]

(ترمذی، ابوداؤد)

(نسائی)

[1] یعنی اپنی رات کی نماز کو وتر بناؤ۔ ایک رکعت ملا کر یا تین رکعت ملا کر یا اہل القرآن یعنی اے وہ لوگو جو قرآن پاک پر ایمان لائے ہو۔ اور اس کی تصدیق کی ہے اور اس کے حفظ و تلاوت سے دلچسپی رکھتے ہو۔ اپنی رات کی نماز وتر رکعتوں کی تعداد میں پڑھو۔

دراصل اس ارشاد میں قیام لیل اور تلاوت قرآن پاک کی پابندی کرنے کی تنبیہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خود اپنے قول مبارک میں فرمایا۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا۔ قرآن کو ترتیل سے پڑھو۔

واضح ہو کہ وتر واو کی زیر اور زبر سے عدد فرد کو کہتے ہیں۔ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر بایں معنیٰ کیا جاتا ہے کہ اس کی ذات فرد و یگانہ ہے تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ اور وہ اپنی صفات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ اور اپنے افعال میں شریک و مددگار سے بے نیاز و پاک ہے اس طرح اللہ کی ذات میں وتریت فردانیت کے معنیٰ میں ہے اور اس مناسبت سے وہ وتر عدد کو پسند کرتا ہے۔ اور وتر فعل پر اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عدد وتر کا اہتمام فرماتے تھے، شرع شریف میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ جیسا کہ اس کی جستجو کرنے والے سے پوشیدہ نہیں۔

۱۱۹۸/۱۴ وَعَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ أَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِّنْ حُمْرِ النَّعَمِ الْوِتْرِ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ إِلٰى أَنْ يَّطْلُعَ الْفَجْرُ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُوْدَاؤُدَ۔

حضرت خارجہ[1] بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا بے شک اللہ نے ایک نماز سے تمہاری مدد فرمائی ہے جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے[2] یعنی وتر نماز۔ اسے اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے نماز عشا اور طلوع فجر کے درمیان رکھا ہے۔[3]

(ترمذی، ابوداؤد)

---

[1] خائے معجمہ اور جیم۔ یہ حضرت صحابی قرشی اور قبیلہ بنی عدی سے ہیں۔ قریش کے سرداروں میں شمار ہوتے ہیں۔

انھیں ہزار سواروں کے برابر قرار دیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے امیرالمومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تین ہزار سواروں کی کمک طلب کی تو حضرت عمر تین افراد بھیجا۔ حضرت خارجہ بن خذافہ کو حضرت زبیر بن عوام کو اور حضرت مقداد بن اسود کو۔

٢ یعنی اس نے نماز پنجگانہ پر ایک نماز زیادہ کی ہے۔ امداد کا معنیٰ ہے ایک کو دوسرے کے پیچھے روانہ کرنا اس کی تقویت اور تائید کے لیے۔ ایک روایت میں لفظ زادکم آیا ہے۔ یعنی اس نے ایک نماز زیادہ ہے۔ بعض میں امکم کا لفظ آیا ہے۔ یعنی اللہ نے پنجگانہ کے علاوہ ایک اور نماز کا حکم بھی دیا ہے۔

٣ یعنی یہ نماز تمہارے سرخ چارپاؤں سے بہتر ہے۔ اس سے سرخ رنگ کے اونٹ مراد ہیں۔ جو عربوں کے نزدیک نہایت عزیز اور نفیس مال شمار ہوتا ہے یعنی یہ نماز دنیا کے سامان و زینت سے بہتر ہے یا یہ کہ وہ تمہارے نزدیک محبوب تر ہے۔ حُمُر حا کی پیش۔ میم ساکن اَحْمَر کی جمع اور اگر میم پر بھی پیش ہو تو حمار کی جمع ہے۔

٤ اس حدیث کو وتر نماز کے واجب ہونے کی دلیل قرار دیا گیا ہے۔

١١٩٩/١٥ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ وِتْرِهٖ فَلْيُصَلِّ اِذَا اَصْبَحَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ مُرْسَلًا)

حضرت زید بن اسلم۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی وتر پڑھے بغیر ہی سو گیا اسے چاہیے کہ صبح کے وقت انہیں پڑھے۔ یعنی قضا کرے۔

(ترمذی، مرسلا)

١ آپ اکابر تابعین سے ہیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ ثقہ، عالم، فقیہ اور نہایت عبادت گزار شخصیت تھے۔ آپ کی مجلس میں چالیس سے بھی زیادہ فقہاء حاضر رہتے تھے امام مالک، سفیان ثوری، ابن عیینہ اور ابو ایوب سختیانی نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ ان کی مجلس میں حاضر ہوتے اور آپ سے حدیث سنتے۔ لوگوں نے کہا اے رسول اللہ کے بیٹے۔ آپ سب سے بہترین اور فاضل ترین شخصیت ہو کر زید بن اسلم کے پاس جاتے ہیں جو موالی (آزاد کردہ غلاموں) میں سے ہیں۔ فرمایا علم حاصل کرنا چاہیے جہاں سے بھی حاصل ہو۔

١٢٠٠/١٦ وَعَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِاَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ يَقْرَءُ فِي الْاُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي

حضرت عبدالعزیز بن جریج۱ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کن سورتوں سے وتر پڑھتے تھے فرمایا پہلی رکعت میں سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ دوسری میں قل یاایہا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد اور سورۃ فلق و

الثَّانِيَةِ بِقُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ وَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤدَ وَ النَّسَائِيُّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ وَ الدَّارِمِيُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَ لَمْ يَذْكُرْ وَ الْمُعَوِّذَتَيْنِ

والناس[۲] سے۔

(ترمذی، ابوداؤد)

اور نسائی نے عبدالرحمٰن بن[۳] ابزی سے روایت کی اور احمد نے ابی بن کعب سے۔ اور دارمی نے ابن عباس سے اور انہوں نے سورہ فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۔[۴]

---

[۱] جُوَيْمٍ جیم اول کی پیش۔ را کی زبر یا ساکن

[۲] وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ واو مشدد سے۔ یہ قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس کا نام ہے۔

[۳] اَبْزٰى ہمزہ کی زبر با ساکن اس کے بعد زا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی کم سن صحابی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے خراسان کے حاکم تھے۔

[۴] یعنی احمد و دارمی نے فلق و ناس کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ صرف قل ھو اللہ احد کا ذکر کیا۔ ترمذی نے کہا کہ اکثر صحابہ کرام اور بعد والوں کا عمل اسی پر ہے کہ صرف قل ھو اللہ احد پڑھتے ہیں۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا ہمارے اصحاب حنفیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ انتہی۔ اور ہمارے دیار ہندوستان میں بعض لوگ جو پہلی رکعت میں انا انزلناہ پڑھتے ہیں تو کسی روایت اور اخبار و آثار میں اس کا ذکر نہیں ملا۔ کہتے ہیں بعض فقہی روایات میں ایسا آیا ہے۔

۱۲۰۱/۱۴ وَعَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلِمَاتٍ اَقُوْلُهُنَّ فِيْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَ عَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَ تَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَ بَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَ لَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَ تَعَالَيْتَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کلمات تعلیم فرمائے[۱] جنہیں میں قنوتِ وتر میں پڑھا کروں وہ کلمات یہ ہیں۔ اے اللہ مجھے ان لوگوں کے ساتھ راہِ راست دکھا جنہیں تو نے راہ راست دکھلایا ہے اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ عافیت عطا فرما جنہیں تو نے عافیت عطا کی ہے[۲]۔ اور مجھے اپنا دوست بنا ان لوگوں کے ساتھ جنہیں تو نے اپنی دوستی کے ساتھ سرفراز کیا ہے[۳]۔ اور جو کچھ تو نے عطا کیا ہے اس میں مجھے اپنی قضا کے شر کے بچا[۴] کہ بے شک حکم تیرا ہی چلتا ہے تجھ پر کسی کا حکم نہیں چل سکتا

دَاؤدَ وَ النِّسَآئِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ الدَّارِمِیُّ ۔

واقعہ یہ ہے کہ جسے تو دوست بنائے وہ خوار نہیں ہو سکتا اور جس سے دشمنی کرے اسے عزت نہیں مل سکتی۔ اسے ہمارے رب تو بہت برکت والا ہے اور بلند شان والا ہے[5]۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ اور دارمی۔

---

[1] یعنی دعا کے یہ چند کلمات جو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں ان میں احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قنوت وتر میں پڑھنے کی تعلیم دی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس دعا کی تعلیم دی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ان کلمات کو قنوت وتر میں پڑھنا بہتر جانا۔ ظاہر عبارت اسی جانب ناظر ہے۔ لیکن علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِجْعَلْہُ فِیْ وِتْرِکَ۔ یعنی ان کلمات کو وتر میں پڑھا کر۔ مگر یہ روایت غریب ہے۔ وتر اور فجر میں شافعی حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ کی قنوت یہی ہے۔ احناف کے نزدیک دعا قنوت یہ ہے اللھم انا نستعینک الی آخرہ۔ علماء نے کہا ہے کہ افضل یہ ہے کہ دونوں پڑھے۔ باب قنوت میں تفصیل کے ساتھ یہ بحث آرہی ہے۔

[2] عافیت سے دنیا و آخرت کی تمام آفات سے سلامتی مراد ہے۔

[3] یعنی مجھے اپنا دوست بنا اور میرے جملہ امور کا متولی اور سرپرست بن اور میرے سارے کام اپنے ذمہ لطف و کرم پر لے لے۔

[4] یعنی ہر شر و بدی جو تیری قضا میں ہے اور جو تو نے مقدر کر دی ہے۔ مجھے اس سے بچالے۔ بچاؤ کی یہ درخواست ظاہری اسباب و آلات کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ لایزال یعنی آنے والے واقعات و امور میں مٹانا اور باقی رکھنا جاری ہے۔

[5] علامہ شمنی نے یہ کلمات اور زیادہ کیے فَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا قَضَیْتَ نَسْتَغْفِرُکَ اَللّٰھُمَّ وَنَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اَنْتَ خَیْرُ الرَّاحِمِیْنَ۔ جو کچھ تو نے قضا اور مقدر کیا ہے اس پر تیرے لیے ہی حمد و ثنا ہے۔ ہم تیرے حضور استغفار کرتے ہیں۔ اے اللہ اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں۔ اے میرے رب مجھے بخشش دے مجھ پر رحم کر۔ تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے اور روایات میں اس دعا کا اختتام درود شریف کے ان کلمات سے کیا ہے۔ وصلی اللہ علی النبی محمد وآلہ وسلم

۱۲۰۲/۱۸ وَعَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِی الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْقُدُّوْسِ ۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز وتر میں سلام پھیرتے تو کہتے سبحان الملک القدوس۔ بادشاہ حقیقی جو قدوس ہے ہر عیب سے پاک منزہ ہے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ النِّسَآئِيُّ وَ زَادَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ يُّطِيْلُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ لِّلنِّسَآئِيِّ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبْزٰى عَنْ اَبِيْهِ . قَالَ كَانَ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ثَلٰثًا وَّ يَرْفَعُ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ ۔

ابوداؤد و نسائی اور نسائی نے یہ الفاظ زیادہ کیے تین بار اور آپ یہ الفاظ کہتے ہوئے اپنی آواز دراز اور بلند کرتے تھے۔ یعنی تیسری بار کہنے میں۔ جیسا کہ دوسری روایت میں اسے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نسائی کی ایک روایت میں جو عبدالرحمٰن بن ابزیٰ سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر نماز کا سلام پھیرتے تو تین بار سبحان الملک القدوس پڑھتے۔ تیسری بار میں اپنی آواز بلند کرتے[1]

[1] یعنی تیسری بار میں یا تیسرے کلمہ میں۔ اس حدیث میں دلیل ہے کہ ذکر بالجہر جائز و مشروع ہے۔ ذکر بالجہر کرنا بلاشبہ جائز ہے۔ ہاں جس موقعہ پر ذکر بالجہر نہیں آیا وہاں آہستہ ذکر کرنا افضل ہے۔

$\frac{۱۲۰۳}{۱۹}$ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ اٰخِرِ وِتْرِهٖ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ بِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ اَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِيْ ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ النِّسَآئِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وتر نماز کے آخر میں پڑھتے تھے[1]۔ اے اللہ! میں تیری رضا کے ساتھ تیرے غصے سے پناہ لیتا ہوں اور تیری معافی کے ساتھ تیرے عذاب سے اور میں تیری ذات کے پاس تجھ سے پناہ لیتا ہوں۔ میں تیری ذات پر ثنا کا شمار نہیں کر سکتا۔ تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی ثنا خود ہی فرمائی۔[2]

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی
ابن ماجہ)

[1] یعنی رکوع سے سیدھے کھڑے ہونے کے بعد۔ بعض نے کہا سلام پھیرنے کے بعد مراد ہے۔ بعض نے تشہد میں سلام سے پہلے اور بعض نے کہا سجدہ میں نہ پڑھتے تھے۔

[2] اس کا ترجمہ باب السجود میں وضاحت کے ساتھ گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

$\frac{۱۲۰۴}{۲۰}$ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قِيْلَ لَهٗ هَلْ لَّكَ فِيْ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مُعَاوِيَةَ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس کو کہا گیا کیا آپ کو امیر المومنین حضرت معاویہ

مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ قَالَ أَصَابَ إِنَّهُ فَقِيْهٌ۔

وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ ابْنُ أَبِيْ مُلَيْكَةَ أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِابْنِ عَبَّاسٍ فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ دَعْهُ فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

رضی اللہ عنہ سے محبت یا انکی طرف میلان[1] ہے وہ تو وتر نہ پڑھتے تھے مگر ایک رکعت[2]۔ حضرت ابن عباس نے کہا معاویہ نے ٹھیک کیا ہے بیشک معاویہ فقیہہ[3] ہیں اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے۔ ابن ابی مُلیکہ[4] نے کہا کہ حضرت معاویہ نے عشا کے بعد ایک رکعت وتر پڑھے جبکہ ان کے پاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام موجود تھے وہ غلام حضرت ابن عباس کے پاس آئے اور انہیں اس بات کی خبر دی[5]۔ تو حضرت ابن عباس نے کہا معاویہ کو چھوڑ دے[6] بیشک اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف حاصل ہے[7]۔

(بخاری)

---

[1] باوجودیکہ ان سے ایک ناشروع وناجائز فعل صادر ہوا ہے (وتر ایک رکعت پڑھنا)

[2] ظاہر یہ ہے کہ قائل نہ جانتا تھا کہ ایک رکعت وتر پڑھنا جائز ہے۔

[3] اور شریعت کے عالم ہیں۔

[4] مُلیکہ میم کی پیش۔ لام پر زبر۔ یا ساکن۔ آپ تابعی ہیں ثقہ ہیں۔

[5] کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وتر ایک رکعت پڑھے ہیں۔

[6] ان کی غلطی نہ نکال اور ان پر اعتراض نہ کر کیونکہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔

[7] واضح ہو کہ یہ ایک رکعت یا تو مستقل تھی اس سے پہلی دو رکعتوں کو ان کے ساتھ نہ ملایا گیا۔ اگر یہ صورت ہو تو بیشک یہ چیز محل اعتراض ہے اور اسے نماز بتیرا کہتے ہیں۔ (بتیرا بے برکت) اور یہ ممنوع ہے۔ باتفاق علماء یا پہلی دو رکعتوں کو اس کے ساتھ ملا کر، جیسا کہ عامہ آئمہ اس کے قائل ہیں۔ ظاہر احتمال ثانی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس بنا پر درست کہنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہے۔ کیونکہ سنت کے مطابق یہی ہے کہ وتر کی ایک رکعت کے ساتھ پہلی دو رکعتوں کو شامل کیا جائے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی صورت مراد ہو کہ وتر صرف ایک رکعت ہوں۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا انہیں ان کی فقاہت کی بنا پر درست کہنا ظاہر کرتا ہے یعنی ممکن ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے ہو کہ وتر ایک رکعت ہیں، اس بنا پر ہو کہ انہوں نے اسے دلائل سنت سے استنباط کیا ہو۔ حضرت ابن عباس امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔ آپ نے ان سے علم حاصل کیا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے حضرت معاویہ کے موقف کی رعایت کی۔ اور آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

حضرت امیر معاویہ کے ساتھ جھگڑے اور نزاع۔ کے وقت حضرت علی سے بڑی مدارات کرتے تھے اور یہ عرض کیا کرتے تھے آپ جلدی نہ کریں۔ اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی وعدہ یا اشارہ پاتے ہیں تو ہم بھی سے کام لیں اور ساتھ نہ دیتے ورنہ معاویہ سے جھگڑے اور نزاع کی کیا ضرورت ہے۔ جیسا کہ ہم لوگوں کو خبر دی گئی ہے کہ ہمارے بعد آپس میں اختلاف واقع ہوگا۔ ہم اس وعدہ کی انتظار میں اس وقت کو دیکھ رہے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے زمانہ میں لوگوں میں تین رکعت وتر پڑھنا متعارف اور مشہور تھا۔

۱۲۰۵/۲۱ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا اَلْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں[1]۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہیں جس نے وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں[2]

(ابوداؤد)

[1] یعنی وہ ہمارے تابع نہیں نہ ہمارے طریقہ پر ہے۔

[2] آپ نے تین بار مکرر یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ اس وعید اور ڈانٹ کے ساتھ۔ اور یہ نماز وتر کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔

۱۲۰۶/۲۲ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْنَسِيَهُ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَهُ اَوْ اِذَا اسْتَيْقَظَ

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْدَاؤدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وتر پڑھے بغیر سو گیا یا انہیں بھول گیا تو جب یاد آئے یا بیدار ہو تو پڑھ لے[1]۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] یہ حدیث بھی اپنے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے وجوب وتر پر دلالت کرتی ہے۔ اگرچہ عدم وجوب کا احتمال بھی اس میں ہے اور اتنا اندازہ ہی ثبوت وجوب (جو فرض کے مقابل ہے) کے لیے کافی ہے۔

۱۲۰۷/۲۳ وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ ابْنَ عُمَرَ عَنِ الْوِتْرِ اَوَاجِبٌ

حضرت مالک سے روایت ہے انھیں یہ بات پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابن عمر سے دریافت کیا کہ

هُوَ فَقَالَ عَبْدُ اللهِ قَدْ أَوْتَرَ رَسُوْلُ
اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
أَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ
يُرَدِّدُ عَلَيْهِ وَ عَبْدُ اللهِ يَقُوْلُ
أَوْتَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَ أَوْتَرَ الْمُسْلِمُوْنَ ۔

(رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا)

وتر واجب ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے ہیں اور مسلمانوں نے بھی وتر پڑھے ہیں۔ وہ آدمی اپنا ہر بار سوال دہراتا رہا اور حضرت ابن عمر ہر بار فرماتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے۔ مسلمانوں نے وتر پڑھے۔لہ

(موطا امام مالک)

لہ اس حدیث کا ظاہر وتر کے وجوب یا عدم وجوب میں تردد و شک ثابت کرتا ہے۔ یعنی اس بارے میں جو کچھ پایہ ثبوت کو پہنچا ہے یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھنے کا فعل کیا ہے اور آپ کا فعل وجوب اور سنیت دونوں کا احتمال رکھتا ہے اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں وتر کے فرض عملی ہونے کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ اس کی دلیل قطعی نہیں۔ اور یہاں وجوب کا یہی معنی ہے۔ واللہ اعلم۔

$\frac{1208}{24}$ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِثَلٰثٍ
يَقْرَأُ فِيْهِنَّ بِتِسْعِ سُوَرٍ مِّنَ الْمُفَصَّلِ
يَقْرَأُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ بِثَلٰثِ سُوَرٍ
اٰخِرُهُنَّ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر تین رکعت پڑھتے تھے۔ اس میں مفصل سورتوں میں سے نو سورتیں پڑھتے تھے۔ ہر رکعت میں تین سورتیں پڑھتے تھے۔ ان میں سے آخری سورت قل ہو اللہ احد ہوتی تھی۔لہ

(ترمذی)

لہ بعض روایات میں اس مجمل کی تفسیر اس طرح آئی ہے کہ آپ پہلی رکعت میں القدر، الھاکم اور زلزلت۔ دوسری میں العصر، النصر اور کوثر اور تیسری رکعت میں الکافرون۔ تبت اور اخلاص پڑھتے تھے۔

$\frac{1209}{25}$ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ
عُمَرَ بِمَكَّةَ وَ السَّمَاءُ مُغَيِّمَةٌ
نَخْشَى الصُّبْحَ فَاَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ
ثُمَّ انْكَشَفَ فَرَاٰى اَنَّ عَلَيْهِ فَشَفَعَ
بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ
فَلَمَّا خَشِيَ الصُّبْحَ اَوْتَرَ بِوَاحِدَةٍ

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں حضرت ابن عمر کے ساتھ مکہ میں تھا۔ اور آسمان پر بادل چھائے ہوئےلہ تھے آپکو صبح ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوا تھا آپ نے وتر ایک رکعت پڑھے پھر بادل چھٹ گئے تو آپ نے دیکھا کہ ابھی رات موجود ہے۔ تو آپ نے ایک رکعت کے ساتھ دو رکعتیں اور ملائیں

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

اس کے بعد آپ نے دو دو رکعت اور پڑھیں۔ پھر جب آپ کو صبح کا اندیشہ لاحق ہوا تو آپ نے ایک رکعت وتر پڑھے۔ (مالک)

⁂

[1] السماء مُغیمۃ۔ یہ لفظ متعدد وجوہ سے مروی ہوا ہے مُغماۃ میم کی پیش غین ساکن اور میم مخفف۔ مُغمّاۃ میم کی پیش۔ غین کی زبر میم مشدد۔ مُغَیَّمۃٌ میم کی پیش غین کی زبر یا مشدد۔ مُغیِمَۃٌ میم کی پیش غین کی زیر یا ساکن

۱۲۱۰/۲۶ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ جَالِسًا فَيَقْرَءُ وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهٖ قَدْرُ مَا يَكُوْنُ ثَلٰثِيْنَ اَوْ اَرْبَعِيْنَ اٰيَةً قَامَ وَقَرَءَ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ رَكَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ يَفْعَلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تھے۔ جب آپ کی قرارت سے بقدر تیس یا چالیس آیات کے باقی رہ جاتا تو آپ کھڑے[1] ہو جاتے اور حالت قیام میں قرارت کرتے، پھر رکوع کرتے۔ پھر سجدہ کرتے۔ پھر آپ دوسری رکعت میں بھی اسی کی مثل کرتے۔ (مسلم)

[1] مگر اس حال کا عکس مروی نہیں ہے۔ کہ آپ کھڑے ہو کر نماز شروع کی ہو۔ اس کے بعد بیٹھ گئے ہوں اور قرارت کی ہو پھر بیٹھے ہوئے رکوع گئے ہوں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دراصل یہ صورت بھی جائز ہے۔ اگرچہ کراہت سے خالی نہیں اگر بے عذر ایسا کرے اسکا بیان گذشتہ باب السنن میں عبداللہ بن شقیق کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

۱۲۱۱/۲۷ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَزَادَ اِبْنُ مَاجَةَ خَفِيْفَتَيْنِ وَهُوَ جَالِسٌ۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے ترمذی اور ابن ماجہ نے یہ لفظ زیادہ کیا ہلکی رکعتیں۔ درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوتے تھے۔[1]

[1] اس کی شرح باب اول میں سعد بن ہشام کی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۱۲۱۲/۲۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ يَقْرَأُ فِيْهِمَا وَهُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت وتر پڑھتے پھر دو رکعتیں پڑھتے ان میں قرارت کرتے درانحالیکہ آپ بیٹھے ہوتے تھے۔ جب آپ رکوع کا ارادہ کرتے تو

یَرْکَعُ قَامَ فَرَکَعَ ۔

(رَوَاهُ اِبْنُ مَاجَةَ)

کھڑے ہو جاتے اور رکوع کرتے

(ابن ماجہ)

۱۲۱۳/۲۹ وَعَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا السَّهَرَ
جُهْدٌ وَّثِقَلٌ فَاِذَا اَوْتَرَ اَحَدُكُمْ
فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ فَاِنْ قَامَ مِنَ اللَّيْلِ
وَاِلَّا كَانَتَا لَهٗ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا یہ بے خوابی[۱] مشقت اور گرانی ہے۔ جب تم میں سے کوئی وتر پڑھے تو دو رکعتیں پڑھے۔ پھر اگر اس نے قیام لیل بھی کیا تو بہت افضل و اکمل بات ہے۔ ورنہ یہ دو رکعتیں ہی اس کے کافی ہو[۲] جائیں گی۔

(دارمی)

[۱] سَہر۔ دو زبروں سے۔ یعنی بیدار رہے خرابی۔ جہد جیم کی زبر ہا ساکن۔ جیم کی پیش بھی آیا ہے۔

[۲] یعنی یہ دو رکعتیں شب بیداری کی جگہ اس کے اصل ثواب کے حصول میں کافی ہو جائیں گی۔

۱۲۱۴/۳۰ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ النَّبِیَّ
صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْهِمَا
بَعْدَ الْوِتْرِ وَهُوَ جَالِسٌ يَقْرَءُ فِيْهِمَا
اِذَا زُلْزِلَتْ وَقُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو رکعتیں وتر نماز کے بعد بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ ان دو رکعتوں میں آپ سورہ اذا زلزلت اور قل یاایھا الکافرون پڑھتے تھے۔ (احمد)

بَابُ الْقُنُوْتِ

دعائے قنوت کا باب

قنوت طاعت، خاموشی، دعا اور نماز میں قیام کے معنی میں آتا ہے۔ یہاں اس سے مخصوص دعا مراد ہے۔ بعض مشائخ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت آئی ہے کہ قنوت اور حج وغیرہ میں کوئی معین دعا لازم نہیں۔ علماء فرماتے ہیں دعا کی تعیین رقت قلب کو زائل کرتی اور دل کو بے توجہ بناتی ہے۔ مگر اکثر علماء اس پر ہیں کہ دعا کی تعیین اور اس کا وقت مقرر ہونا چاہیے۔ تاکہ ایسا نہ ہو کہ زبان پر ایسی چیز جاری ہو جائے جو لوگوں کے ساتھ بات چیت کے مشابہ ہو اور اس سے نماز ہی فاسد ہو جائے مگر یہ تعیین اور وقت مقرر کرنے میں اختلاف وہاں ہے جو عقل سے متعلق ہو۔ شرع شریف میں اس کی تعیین اور وقت کا تقرر وارد نہ ہوا ہو۔ وہاں یہ اختلاف نہیں جہاں شرع شریف اس کی تعیین اور وقت کا تقرر کر چکی ہو۔

چاہیئے۔ تعیین کا یہ تقرر استحباب کے طور پر ہو چاہے وجوب کے طور پر۔ کتاب محیط و ذخیرہ میں اس سے اللھم انا نستعینک اور اللھم اھدنا کو مستثنیٰ قرار دیا۔ اور حنفیہ کے نزدیک قنوت میں اللھم نستعینک متعین و مقرر ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ اللھم اھدنا فیمن ھدیت الی آخرہ بھی اس کے ساتھ پڑھے علامہ شمنی نے حضرت ابو اللیث سے اللھم اغفرلی تین دفعہ پڑھنے کا ذکر بھی کیا۔ بعض نے کہا ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار بھی پڑھے۔ علماء نے یہ کہا ہے کہ جو شخص دعائے قنوت نہ جانتا ہو وہ اللھم اغفرلی اور ربنا آتنا پڑھے۔ جیسا کہ شرح ابن الہمام میں مذکور ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اللھم اھدنا الی آخرہ پر اکتفا کیا جائے۔ یہ حضرات اللھم انا نستعینک کو دعا قنوت میں شمار نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں کہ بخاری و مسلم اور سنت کی مشہور کتابوں میں اس کے بارے میں کوئی روایت نہیں لیکن علمائے حنفیہ نے طبرانی وغیرہ سے طرق صحیحہ کے ساتھ اسے ثابت کیا ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داؤد سے نقل کیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مضر پر بددعا کر رہے تھے اس دوران حضرت جبرئیل آئے اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور عرض کیا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو گالی دینے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ بلکہ آپ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے۔ آپ کو اس سے کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے جسے ملعون قرار دینا ہے اور جس کی ہلاکت و بربادی کا ارادہ کرنا ہے خود کرے گا۔ اس کے بعد جبرئیل نے آپ کو اللھم انا نستعینک کی تعلیم دی۔ اور شیخ جلال الدین سیوطی نے جو شافعیہ میں سے ہیں کتاب عمل الیوم اللیلۃ میں اختلاف الفاظ کے ساتھ اسے روایت کیا۔ لہٰذا فی الجملہ روایات میں اس دعا کا ذکر آ چکا ہے اور علماء امت کے درمیان واقع اختلافات کہ یہ دعا رکوع سے پہلے پڑھی جائے یا رکوع کے بعد اور قنوت کا پڑھنا وتر نماز کے ساتھ خاص ہے یا نماز فجر وغیرہ میں بھی پڑھی جائے پھر یہ دعا وتر نماز میں ہمیشہ پڑھی جائے یا رمضان کے آخری نصف میں، سب باتیں دلائل کے ساتھ شرح عربی (لمعات) اور شرح سفر السعادۃ میں مذکور ہیں حنفیہ کا مذہب ان صورتوں میں شق اول پر مبنی ہے۔ اس میں غور کرو۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۱۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّدْعُوَ عَلٰی اَحَدٍ اَوْ یَدْعُوَ لِاَحَدٍ قَنَتَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ فَرُبَّمَا قَالَ اِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ ۔

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی پر بددعا کرنے کا ارادہ کرتے تو رکوع کے بعد قنوت پڑھتے یا رہا جب سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہتے تو کہتے۔ الٰہی ولید بن الولید، سلمہ بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ کو

رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اَللّٰهُمَّ اَنْجِ الْوَلِيْدَ
ابْنَ الْوَلِيْدِ وَسَلَمَةَ بْنَ هِشَامٍ وَّ
عَيَّاشَ بْنَ اَبِيْ رَبِيْعَةَ اَللّٰهُمَّ
اشْدُدْ وَطْاَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا
سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ يَجْهَرُ بِذٰلِكَ
وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ بَعْضِ صَلٰوتِهٖ اَللّٰهُمَّ
الْعَنْ فُلَانًا وَّ فُلَانًا لِاَحْيَاءٍ مِّنَ
الْعَرَبِ حَتّٰى اَنْزَلَ اللّٰهُ لَيْسَ لَكَ
مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَلْاٰيَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نجات دے الٰہی سخت پامالی ڈال مضر پر[۵] اور اسے
یوسف علیہ السلام کی قحط سالیوں کی طرح قحط بنا[۶] یہ
بآواز بلند کہتے اور اپنی بعض نمازوں میں فرماتے۔ الٰہی
فلاں فلاں عربی قبیلوں پر لعنت کر[۷] یہاں تک
کہ اللہ تعالےٰ نے یہ آیت[۸] نازل فرمائی۔
لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ۔ الآیہ

(بخاری و مسلم)

[۱] یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے نقصان کی دعا کا ارادہ کرتے یا کسی کے نفع کے لیے دعا کا ارادہ کرتے۔

[۲] اپنے بعض ان اصحاب کی نجات کے لیے جو کفار کی بندش کے عذاب و خواری میں گرفتار ہوتے تھے، ان کی نجات کے لیے اور بعض قبائل عرب کی ہلاکت اور رحمت الٰہی سے محرومی کی دعا کیا کرتے۔

[۳] یعنی خداوندا نجات و خلاصی عطا فرما ولید بن ولید قرشی مخزومی کو۔ یہ صاحب حضرت خالد بن ولید کے بھائی تھے انہیں عبداللہ بن جحش نے بدر کے دن گرفتار کر لیا تھا۔ اور یہ ولید ابھی حالت کفر میں تھے۔ ان کے دو بھائی خالد اور ہشام مدینہ آئے اور ان کے عوض چار ہزار درہم فدیہ دیا۔ جب فدیہ ادا کر کے انہیں مکہ معظمہ لائے تو وہ مسلمان ہو گئے۔ لوگوں نے کہا تم فدیہ دینے سے پہلے ہی. اسلام کیوں لائے یہ حالانکہ تو مسلمانوں کے درمیان تھا۔ وہاں تجھے مال بھی ملتا اور اسلام بھی حضرت ولید نے کہا مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ لوگ کہیں یہ شخص اسیری پر صبر نہیں کر سکا بے صبری کی وجہ سے اسلام لایا ہے یہ سن کر ان کے بھائیوں تے انہیں مکہ میں بند کر دیا۔ اور اذیتیں دینا شروع کر دیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں ظالموں کے ہاتھ سے اس کی نجات اور خلاصی کے لیے دعا کیا کرتے تھے۔ حضرت ولید کو ان ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ نکلنے کا موقعہ مل گیا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ شریف حاضر ہو گئے۔

[۴] یعنی قنوت میں دوسری دعا آپ اس طرح کرتے تھے۔ خداوندا سلمہ بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو نجات عطا فرما۔ یہ صاحب ابوجہل کے بھائی ہیں۔ قدیم الاسلام تھے، بلند مرتبت اور فضلائے صحابہ میں سے تھے۔ کفار نے آپ کو مکہ میں بند کر رکھا تھا۔ اور انہیں طرح طرح کی تکلیفیں دے رہے تھے۔ یہ بھی ان ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ نکلے اور مدینہ طیبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پاک میں حاضر ہو گئے۔ انہوں نے امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ روم

میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۵ عیاش یا مشدد اور شین معجمہ بن ابو ربیعہ۔ یہ صاحب بھی ابو جہل کے بھائی تھے۔ اپنی ماں سے بھی پہلے اسلام لائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں جانے سے پہلے ایمان قبول کر چکے تھے۔ پھر انہوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آ گئے۔ چند دن بعد آپ کا بھائی ابو جہل مدینہ آیا اور ان سے کہا تیری ماں نے قسم کھا رکھی ہے کہ جب تک وہ تجھے نہ دیکھ لے گی سایہ میں نہ بیٹھے گی۔ چنانچہ ماں کی محبت کے باعث ابو جہل کے ساتھ مکہ پہنچے تو ابو جہل نے آپ کو باندھ کر بند کر دیا۔ مگر انہیں بھاگ نکلنے کا موقعہ مل گیا اور مدینے آ گئے۔ آپ نے جنگ تبوک میں شہادت پائی یہ اس کی مثال تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت میں ایمان والوں کے لیے دعا فرمائی۔ اور کفار پر بددعا کرنے کے لیے آپ نے اس طرح کہا۔ اللھم اشدد وطأتک علیٰ مضر الیٰ آخرہٖ۔

۶ یعنی اے اللہ قبیلۂ مضر بن نزار پر سختی نازل کر انہیں پامال کر دے اور ان پر ہلاکت مسلط کر۔ مضر ایک قبیلہ کا نام ہے۔

۷ یعنی اس پامالی اور ان ایام کو جن میں یہ کفار کفر و عناد کا مظاہرہ کرتے رہے ہیں، اس قحط کی مانند کر دے جس طرح تو نے اہل مصر پر حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط کے سات سال بنا دیے تھے۔ سنین سنۃ کی جمع ہے۔ اصل میں سال کے معنیٰ میں آتا ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال قحط کے سال پر ہونے لگا۔ اہل مکہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا اور قہر الٰہی سے سات سال قحط کے عذاب میں گرفتار رہے۔ اس مدت میں یہ کفار ہڈیاں اور مردار کھاتے تھے۔ ہم اللہ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے غضب وغصہ سے۔

۸ یعنی آپ اس دعا کو قنوت میں بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

۹ خداوندا فلاں فلاں قبیلہ پر لعنت کر اور انہیں اپنی درگاہِ رحمت سے دور کر دے۔ یہ بددعا آپ بہت سے عرب قبائل کے لیے کرتے تھے جو کافر اور حق سے عناد اور ضد رکھتے تھے۔

۱۰ اور آخر آیت بھی اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ اَوْ یُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ (یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کو کارخانہ خداوندی میں دخل دینے کا اختیار نہیں نہ خدائے عزوجل کے کسی کام پر آپ کو اعتراض کرنے کا حق ہے۔ ۱

---

۱ بعض بے ادب آیۃ لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ سے اپنی بدعقیدگی کی وجہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ بے بس اور مجبور اور بالکل بے اختیار ثابت کرنے کی جسارت کرتے ہیں مگر اس آیت سے یہ مفہوم اخذ کرنا درست نہیں۔ ایک تو اس لیے کہ حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے خود یہاں وضاحت کر دی ہے کہ حکمتوں اور مصلحتوں کے تحت اللہ تعالےٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں بشری اوصاف کی قدرے جھلک آپ کی (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

سب تصرف واختیار اس کے دست قدرت میں ہے۔ وہی ان کے معاملے کا مالک ومختار ہے کہ کفار کے ایک گروہ کو ہلاک

بقیہ حاشیہ۔ ذات میں باقی رکھی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کسی وقت آپ غیظ وغضب میں آ جاتے تھے اور کفار ومعاندین اسلام کے عذاب وہلاکت کی بددعا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ آپ کو فرماتا ہے کہ آپ ایسا نہ کریں۔ بلکہ وسعت ظرف اور بلند اخلاقی کا مظاہرہ کریں۔ تاکہ آپ کے مکارم اخلاق سے متاثر ہو کر مخالفین ومعاندین آپ کے گرویدہ بن کر دین اسلام قبول کر لیں۔ تو حضرت شیخ قدس سرہٗ کے بیان کے مطابق اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مزید بلندی اخلاق وسعت ظرف اور صبر وضبط سے کام لینے کی تلقین کی گئی ہے۔ کان خُلقُہٗ القرآن سے اسی جانب اشارہ ہے۔ آیت مذکورہ کا اصل مفہوم تو یہ ہے۔ اس مفہوم کے مطابق تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مزید ارفع اخلاق سے متصف ہونے کو کہا گیا ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ اس میں آپ کی بے بسی بیان کی گئی ہے۔ ادب وانصاف شرط ہے۔

دوسرے اس لیے کہ جناب علامہ احمد مصطفیٰ المراغی استاذ الشریعۃ الاسلامیہ مصری اپنی تفسیر مراغی کی جلد دوم ص۶۰ طبع ثالث میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ لیس لک من الامر شیء الیک ایها الرسول من امر خلقی الا ان تنفذ فیهم امری وتنتهی فیهم الی طاعتی۔ یعنی اے رسول مکرم کسی کام کا خلق کرنا (اسے پیدا کرنا) آپ کے اختیار میں نہیں۔ آپ کا کام تو یہ ہے کہ لوگوں میں میرا حکم نافذ کریں اور انہیں میری طاعت وفرمانبرداری کی رغبت دلائیں۔ یعنی اس آیت میں اس امر کی نفی ہے کہ نبی علیہ السلام کسی چیز کے خالق نہیں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے کوئی نبی ولی کسی چیز کا خالق نہیں۔

تیسرے اس بنا پر کہ عارف باللہ امام احمد بن محمد الصاوی المالکی المتوفی ۱۲۴۱ھ اپنی تفسیر کی جلد اول ص۱۶۷ پر لکھتے ہیں لیس لک من الامر شیء ای لا تملک لهم نفعا فتصلحهم ولا ضرا فتهلکهم فنفی ذالک من حیث الایجاد والاعدام واما من حیث الدلالة والشفاعة فهو الدلیل الشفیع المشفع جعل الله مفاتیح خزائنه بیده فمن زعم ان النبی کاحاد الناس لا یملک شیئا اصلا ولا نفع به لا ظاهرا ولا باطنا فهو کافر خاسر الدنیا والآخرة واستدلاله بهذه ضلال مبین۔ یعنی اے نبی تم ان کے نفع کا مالک نہیں کہ ان کے لیے اصلاح پیدا کرے اور نہ ان کے نقصان کا مالک ہے کہ ان کے لیے ہلاکت پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے نفع اور نقصان کی نفی بایں معنیٰ کی ہے کہ آپ ان کے لیے نفع ونقصان ایجاد (خلق) نہیں کر سکتے اور نہ خالق ہونے کی حیثیت سے کوئی چیز معدوم کر سکتے ہیں۔ باقی رہی آپ کی رہنمائی اور شفاعت کی حیثیت تو اس اعتبار سے آپ دلیل ورہنما، شفاعت کرتے ہیں آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانوں کی چابیاں آپ کے ہاتھ میں دے دی ہیں تو جس شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام لوگوں کی طرح ظاہر باطنا کوئی نفع نہیں دے سکتے (بقیہ برصفحہ آئندہ)

کر دے اور اپنے قہر و غضب میں گرفتار کرے۔ یا اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان پر مہربانی کرے اور ان کی طرف اپنے فضل و رحمت سے رجوع کرے۔ یا اگر وہ کفر و ظلم پر اڑے رہیں تو انہیں اپنے عذاب سے مبتلا کرے آپ تو صرف حکم کے بندے ہیں۔ کہ انہیں ڈرائیں۔ اور جیسا کہ ہم نے آپ کو حکم دیا اور فرمایا ہے اس کے مطابق ان سے جہاد کریں۔ باقی جو کچھ ہم جانتے ہیں ہم وہ کریں گے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا کر رہے اور لعنت بھیج رہے تھے تو حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہوئے اور خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو گالی دینے اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ ہم نے آپ کو رحمۃ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ کی شرح میں گزرا۔ اکثر مفسرین اس پر ہیں کہ یہ آیت جنگ احد کے دن نازل ہوئی۔ اور اس وقت جب کہ آپ کا سر مبارک زخمی ہو گیا اور خود کی ایک میخ آپ کے رخسار مبارک میں کھب گئی اور دندان مبارک کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے خون صاف کرتے ہوئے فرما رہے تھے۔ کَیْفَ یُفْلِحُ قَوْمٌ خَضَبُوْا وَجْہَ نَبِیِّھِمْ۔ وہ قوم کیسے فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ خون آلود کر دیا۔

علماء کرام فرماتے ہیں حصہ بشریت و طبیعت جو دینی و دنیوی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر آپ کی ذات شریف میں رکھا گیا تھا اسکی وجہ سے آپ سے غصے کا ظہور ہوتا تھا۔ اس لیے یہ آیت نازل ہوئی اور یہ درحقیقت آپ کے اخلاق و عادات کی تہذیب و تہذیب تھی کہ اللہ تعالے نے آپ کو اس حالت پر نہ رہنے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالی ہر وقت آپ کے حالات کا مربی اور آپ کے اخلاق و عادات کو تہذیب و شائستگی سے ہمکنار کرتا رہتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کَانَ خُلُقُہُ الْقُرآن یعنی آپ کا خلق قرآن تھا کا مطلب یہی ہے۔ یعنی قرآن آپ کے اخلاق کو مزید در مزید مہذب بنا تا رہتا تھا۔ شرح فتوح الغیب میں یہ معنی خوب شرح و بسط سے بیان کر دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۱۶ وَعَنْ عَاصِمِ الْاَحْوَلِ قَالَ سَاَلْتُ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ

حضرت عاصم الاحول رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ

بقیہ حاشیہ سا ور کسی چیز کے مالک نہیں [وہ کافر ہے اور دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑا ہوا ہے۔ اور اس آیت کو اس کا اپنے عقیدے کی دلیل بنانا صریح گمراہی ہے۔ محققین اولیاء کرام بھی اس بارے میں بعینہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں جو علامہ احمد بن محمد الصاوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بیان کیا ہے۔ تصدیق و اطمینان کے لیے کشف المحجوب تصنیف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم تصنیف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ تعالی وغیرہ کتب کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والا الضالین۔ آمین۔

از مترجم غفرلہ

فِي الصَّلٰوةِ كَانَ قَبْلَ الرُّكُوْعِ اَوْ بَعْدَهٗ قَالَ قَبْلَهٗ اِنَّمَا قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا اِنَّهٗ كَانَ بَعَثَ اُنَاسًا يُقَالُ لَهُمُ الْقُرَّآءُ سَبْعُوْنَ رَجُلًا فَاُصِيْبُوْا فَقَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ شَهْرًا يَدْعُوْا عَلَيْهِمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

عنہ سے نماز میں قنوت کے بارے میں پوچھا کہ وہ رکوع سے پہلے ہے یا اس کے بعد[2]۔ حضرت انس نے فرمایا رکوع سے پہلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ کیونکہ آپ نے کچھ حضرات صحابہ کو جنہیں قاری کہا جاتا[3] تھا، کو (تبلیغ کے لیے) بھیجا تھا۔ یہ ستر[4] حضرات تھے تو انہیں مصیبت[5] میں ڈال دیا گیا (قتل کر دیا گیا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک بعد رکوع[6] قنوت پڑھی۔ اس میں آپ قاتلوں پر بددعا کرتے تھے۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ حضرت عاصم احول ثقہ تابعین میں سے ہیں

۲؎ یعنی رکوع سے سر مبارک اٹھانے کے بعد

۳؎ قاری یعنی قرآن پڑھنے والے۔ یہ حضرات قرآن پاک کی بہت تلاوت کرتے اور خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے اپنی روایت میں بیان کیا ہے کہ یہ قراء حضرات دن کو لکڑیاں کاٹتے۔ رات کو نمازیں پڑھتے اور رات میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے۔ حضرت ثابت بنانی کی روایت میں آیا ہے کہ یہ حضرات دن کو لکڑیاں کاٹتے اور اپنے اہل خانہ کے لیے خورد و نوش کا سامان خریدتے اور رات پڑتی تو قرآن پاک کے درس و تدریس میں مصروف ہو جاتے رضی اللہ عنہم۔

۴؎ ایک دوسری روایت کے مطابق یہ چالیس افراد تھے اور ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد تیس تھی۔

۵؎ یعنی انہیں قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل کا قصہ غریب واقعات اور عجیب قصوں میں سے ہے۔ جو شرح عربی (لمعات) میں مذکور ہے۔ انہیں حضرات کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ الْاٰيَة جو لوگ اللہ کے راستے میں شہید کر دیے جاتے ہیں۔ انہیں مردہ گمان نہ کرو۔ بلکہ وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

۶؎ یعنی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ایک ماہ تک۔ ایک روایت تیس صبح تک آیا ہے اور ایک روایت میں چالیس صبح تک۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قنوت آپ نے صبح کی نمازیں پڑھی۔ صبح کی نماز میں یہ قنوت آپ نے صرف اس واقعہ کے پیش آنے پر پڑھی۔ ہمیشہ کے لیے نہیں پڑھی جیسا کہ شافعی حضرات کرتے ہیں۔

⁂

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۲۱۷/۳ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَآءِ وَصَلٰوةِ الصُّبْحِ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ مِنَ الرَّكْعَةِ الْاٰخِرَةِ يَدْعُوْا عَلٰى اَحْيَآءٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ عَلٰى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَ عُصَيَّةَ وَ يُؤَمِّنُ مَنْ خَلْفَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

دوسری فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اور لگاتار ایک ماہ قنوت پڑھی ظہر میں عصر میں۔ مغرب میں اور نماز عشاء میں اور نماز صبح میں جب آپ آخری رکعت[1] میں سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ اس قنوت میں آپ بنی سلیم کے چند قبیلوں اور قبیلہ رعل[2] و ذکوان[3] اور عصیہ[4] پر بددعا کرتے تھے۔ اور جو لوگ آپ کے پیچھے ہوتے تھے وہ آمین کہتے تھے۔

(ابوداؤد)

---

[1] من الرکعۃ الاخیرہ۔ بعض نسخوں میں اخیرہ کے بجائے آخرۃ آیا ہے۔

[2] رِعْل۔ را کی زیر، عین ساکن۔

[3] ذکوان ذال کی زبر، کاف ساکن

[4] عُصَیَّۃ عین کی پیش۔ صاد کی زبر اور یا مشدد۔ یہ سب بنی سلیم کے قبائل ہیں۔ آپ ان پر بددعا کرتے تھے۔

۱۲۱۸/۴ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَنَتَ شَهْرًا ثُمَّ تَرَكَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِيُّ)

حضرت انس سے روایت ہے بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ قنوت پڑھی پھر چھوڑ دی۔[1]

(ابوداؤد ونسائی)

---

[1] جیسا کہ پیچھے مذکور ہوا۔ اکثر اہل علم اس پر ہیں کہ قنوت نہ تو نماز صبح میں ہے نہ کسی اور نماز میں سوائے وتر کے۔ امام مالک و امام شافعی فرماتے ہیں کہ صبح کی نماز میں تو قنوت ہمیشہ پڑھے۔ باقی نمازوں میں جب کوئی واقعہ پیش آئے۔

۱۲۱۹/۵ وَعَنْ اَبِيْ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ يَا اَبَتِ اِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ سے کہا اے میرے پیارے باپ بے شک آپ نے رسول اللہ صلی اللہ

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ وَعُثْمَانَ وَعَلِيٍّ هٰهُنَا بِالْكُوْفَةِ نَحْوًا مِّنْ خَمْسِ سِنِيْنَ اَكَانُوْا يَقْنُتُوْنَ قَالَ اَيْ بُنَيَّ مُحْدَثٌ ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ۔

علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے۔ اسی طرح ابوبکر، عمر، عثمان اور علی رضی اللہ عنہم کی اقتداء میں بھی۔ یہاں کوفہ[1] میں بھی۔ کم و بیش پانچ سال تک۔ کیا یہ حضرات[2] قنوت پڑھتے تھے۔ میرے باپ نے جواب دیا اے بیٹے یہ بدعت[3] ہے۔

(ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] اس کلمہ کا تعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے کیونکہ کوفہ میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ رہے ہیں نہ کہ پہلے تین خلفاء رضی اللہ عنہم۔

[2] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء اربعہ صبح کی نماز اور دوسری پانچ نمازوں میں قنوت پڑھا کرتے تھے؟ جیساکہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں۔

[3] یعنی ہمیشہ پابندی سے ان نمازوں میں قنوت پڑھنا بدعت اور دین میں نئی پیدا شدہ چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت ایک ماہ تک صرف نماز صبح میں پڑھی پھر ترک کردی جیساکہ گزرا ہے۔ یہ حدیث حنفی مذہب کی زبردست دلیل ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ اپنی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہمارے آئمہ کرام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ وہ حضرات جنہوں نے نماز صبح میں قنوت پڑھنے کے بارے میں احادیث لائی ہیں اور اسے ثابت کیا ہے، سب علماء ہیں اور کافی تعداد میں ہیں۔ لہٰذا انہیں ان لوگوں پر فوقیت دینا ضروری ہے جو نماز صبح میں قنوت کی نفی کرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وہ حدیث جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نماز میں قنوت نہیں پڑھی، ضعیف ہے۔ اسی طرح وہ بھی جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اسے بدعت قرار دیا۔ یوں ہی وہ بھی جو روایت کیا گیا ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قنوت پڑھنے سے منع کردیا تھا۔ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں۔ مگر شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ کلام تکلف سے خالی نہیں[1]۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٢٢٠ عَنِ الْحَسَنِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

حضرت حسنؒ سے روایت ہے بے شک عمر بن الخطاب

---

[1] کہ ایک روایت کو دوسری پر تقدیم و فوقیت کی ضرورت وہاں پیش آتی ہے جہاں دونوں میں تعارض ہو۔ اور یہاں زیر بحث مسئلہ میں تعارض ہی نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر وغیرہ میں ایک ماہ تک قنوت پڑھی پھر ترک کردی اور اس سے منع فرمادیا۔ واللہ اعلم۔ مترجم غفرلہ

جَمَعَ النَّاسَ عَلٰى أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ فَكَانَ يُصَلِّيْ لَهُمْ عِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَلَا يَقْنُتُ بِهِمْ إِلَّا فِي النِّصْفِ الْبَاقِيْ فَإِذَا كَانَتِ الْعَشْرُ الْأَوَاخِرُ يَتَخَلَّفُ فَصَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ فَكَانُوْا يَقُوْلُوْنَ أَبَقَ أُبَيٌّ۔

رَوَاهُ أَبُوْ دَاوٗدَ وَسُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنِ الْقُنُوْتِ فَقَالَ قَنَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الرُّكُوْعِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَبْلَ الرُّكُوْعِ وَبَعْدَهٗ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اُبَیّ بن کعب پر اکٹھا کیا۔ تو ابی لوگوں کو بیس رات تک نماز پڑھاتے رہے آپ اس میں ان کے ساتھ قنوت نہ کرتے تھے مگر نصف باقی میں۔ جب آخری عشرہ آجاتا تو حضرت ابی مسجد میں نہ آتے[2] بلکہ گھر میں نماز پڑھتے تو لوگ بطریق تعجب و شکوہ کہتے کہ ابی بھاگ گئے۔

ابوداؤد اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے قنوت کے بارے میں پوچھا گیا۔ تو آپ نے جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ رکوع سے پہلے پڑھی[3]

(ابن ماجہ)

[1] یعنی حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے۔ حضرت ابی بن کعب بھی انہیں لوگوں میں سے تھے۔ یعنی صحابہ کرام میں سے جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ آپ صحابہ کرام میں بہت اچھے قاری تھے لوگ آپ کو اسید القراء کہتے تھے۔ یعنی تمام قاریوں کے سردار۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو لوگوں کا امام مقرر کیا اور کہا سب لوگ ان کی اقتدا میں نماز پڑھیں۔ آپ کی یہ امامت قیام رمضان میں تھی۔

[2] اصل میں لفظ تخلف آیا ہے۔ یعنی کسی کام کے کرنے سے رہ جانا۔

[3] امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی یہ دونوں حدیثیں شافعی حضرات کی دلیل ہے۔ پہلی حدیث تو اس امر کی دلیل ہے کہ رمضان کے نصف اخیر میں صرف پڑھیگا اور حنفی مشائخ فرماتے ہیں کہ وتر میں قنوت کے بارے میں احادیث مطلق آئی ہیں۔ ان میں رمضان کی کوئی تخصیص نہیں آئی اور ایسی احادیث بہت ہیں۔ اور وتر ہمیشہ پڑھنے کی نماز ہے۔ رمضان کے ساتھ خاص نہیں۔ لہذا قنوت بھی (وتر کے اندر) ہمیشہ پڑھی جائے گی اور جب کہ اس مضمون کی احادیث بہت ہیں۔ اس لیے ان پر عمل اولیٰ اور بہتر ہوگا۔ دوسری حدیث شوافع کے لیے اس امر کی دلیل ہے کہ قنوت بعد از رکوع پڑھی جائے احناف اس کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ رکوع سے پہلے قنوت پڑھنے کے بارے میں بھی بہت احادیث وارد ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عمل بھی اسی نقل کے موافق ہے۔ رکوع کے بعد قنوت پڑھنے کا جو ذکر آیا ہے وہ صرف ایک ماہ کے لیے تھا۔ ہمیشہ کے لیے نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ

رمضان شریف میں قیام کا باب

اس قیام رمضان سے تراویح مراد ہیں۔ انہیں تراویح اس لیے کہا جاتا ہے کہ لوگوں نے جب اکٹھے مل کر یہ نماز پڑھنا شروع کی۔ تو لوگ دو سلام پھیرنے کے بعد بیٹھتے اور آرام لیتے تھے۔ اس بنا پر اس نماز کا نام تراویح پڑ گیا۔ تراویح میں بہت گفتگو کی گئی ہے۔ ہم نے اس بارے میں پوری گفتگو اپنے رسالہ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِیْ اَيَّامِ السَّنَةِ میں کر دی ہے۔ یہ گفتگو اور اختلاف اس وجہ سے بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھی، چند رات اسے پڑھا۔ پھر جب لوگوں کا اجتماع اور ہجوم ہونے لگا تو امت پر شفقت کی بنا پر کہ فرض نہ ہو جائے، اسے ترک کر دیا۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کی یہ نماز دراصل تہجد کی نماز ہی تھی جو آپ گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیس رکعت پڑھتے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروقی تک لوگ اسی طریقہ اور حالت پر رہے کہ ہر آدمی بطور خود گھر میں یا مسجد میں پڑھ لیتا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ابتدائی حصہ گزر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو تراویح کے لیے جمع کیا۔ جیسا کہ احادیث میں آ رہا ہے اور مدینہ مطہرہ کے باشندے بیس رکعت کے علاوہ سولہ رکعت مزید پڑھتے ہیں۔ اس کا سبب یہ تھا کہ اہل مکہ ہر دو ترویحہ کے بعد طواف کعبہ کرتے تھے اور طواف کی دو رکعتیں پڑھتے تھے، اہل مدینہ جب کہ اس فضیلت سے دور تھے تو اس کے عوض چار رکعت کا اضافہ کر دیا اور اب بھی اس مقام شریف میں ایسا ہی مشہور و متعارف ہے۔ اور انہیں سولہ رکعت کہتے ہیں۔ آخر شب میں کہ اول شب میں تراویح ادا کرنے کے بعد گھروں سے باہر نکلتے اور یہ سولہ رکعت پڑھتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۲۱ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً فِی الْمَسْجِدِ مِنْ حَصِيْرٍ فَصَلّٰی فِيْهَا لَيَالِیَ حَتّٰی اجْتَمَعَ عَلَيْهِ نَاسٌ ثُمَّ فَقَدُوْا صَوْتَهٗ لَيْلَةً

پہلی فصل

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا ایک حجرہ بنایا اس میں آپ کئی راتیں نماز پڑھتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کا آپ پر اجتماع ہو گیا پھر ایک رات لوگوں نے آپ کی آواز نہ پائی اور انہیں گمان ہو گیا

وَظَنُّوْا اَنَّهٗ قَدْ نَامَ فَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَتَنَحْنَحُ لِيَخْرُجَ اِلَيْهِمْ فَقَالَ مَا زَالَ بِكُمُ الَّذِیْ رَاَيْتُ مِنْ صَنِيْعِكُمْ حَتّٰی خَشِيْتُ اَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ كُتِبَ عَلَيْكُمْ مَا قُمْتُمْ بِهٖ فَصَلُّوْا اَيُّهَا النَّاسُ فِیْ بُيُوْتِكُمْ فَاِنَّ اَفْضَلَ صَلٰوةِ الْمَرْءِ فِیْ بَيْتِهٖ اِلَّا الصَّلٰوةَ الْمَكْتُوْبَةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

آپ سو گئے ہیں۔ تو بعض حضرات کھانسنے[٢] لگے تاکہ آپ باہر تشریف لائیں۔ پس آپ نے فرمایا۔ میں تمہارا فعل مسلسل دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے خوف لاحق ہوا[٤] کہ یہ تم پر فرض ہو جائے۔ اور اگر تم پر فرض کر دیا جاتا تو تم اُسے قائم نہ رکھ سکتے۔ تو اے لوگو اپنے گھروں میں ہی نماز پڑھ لو۔ کیونکہ مرد کی سب سے بہتر نماز وہ ہے جو اپنے گھر میں پڑھے۔ مگر فرض نماز۔

(بخاری و مسلم)

---

[١] حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فقہائے صحابہ میں سے ہیں۔ آپ فرائض کے بڑے پابند تھے اور کاتب وحی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی شاخوں کا ایک حجرہ مسجد میں بنا لیا تھا۔ جیسا کہ اعتکاف میں آپ کی عادت مبارک تھی۔ حجرہ حجر بمعنی منع کرنے سے بنا ہے۔ حجرے کو حجرہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ ایک روایت میں حجرہ کے بجائے حجزہ آیا ہے۔ بمعنی باز رکھنا۔

[٢] تاکہ کھانسنے اور کھنگورنے کی آواز سن کر آپ ان کی طرف تشریف لے آئیں۔

[٣] کہ تم لوگ رات کی نماز (تراویح) باجماعت پڑھنے کی بڑی حرص و خواہش رکھتے

[٤] گویا اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی نازل کی تھی کہ اگر آپ نے یہ نماز تراویح پابندی سے ہمیشہ پڑھی تو میں اسے ان لوگوں پر فرض کر دوں گا۔ یا اتفاقاً آپ کے دل میں آ پڑی۔ جیسا کہ بعض دوسری عبادتوں پر جب آپ نے ہمیشگی کی تو وہ فرض کر دی گئیں بعض کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عادت مبارک ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام پر ہمیشگی کرتے تو اللہ تعالیٰ اسے فرض کر دیتا مگر اس پر یہ اشکال لازم آتا ہے کہ بہت سی راتب سنتیں ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ادا کرتے تھے۔ مگر وہ فرض نہ ہوئیں۔

١٢٤٠/٢ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِیْ قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّاْمُرَهُمْ فِيْهِ بِعَزِيْمَةٍ فَيَقُوْلُ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیا کرتے تھے بغیر اس کے کہ آپ لوگوں کو اس کا تاکیدی حکم دیں۔ آپ فرماتے تھے۔ جس نے رمضان میں شب بیداری کی ایمان و تصدیق کے ساتھ اور اجر آخرت کے ثواب

غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ فَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْاَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ كَانَ الْاَمْرُ عَلٰى ذَالِكَ فِيْ خِلَافَةِ اَبِيْ بَكْرٍ وَّصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کے لیے نہ کہ دکھانے اور سنانے کے لیے تو اس کے تمام گذشتہ صغیرہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرما گئے۔ درانحالیکہ لوگ اسی حالت پر[1] تھے پھر خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں بھی معاملہ ایسا ہی رہا۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی اسی حالت پر[2] تھے۔ (مسلم)

[1] کہ اپنے طور پر طلب ثواب کے لیے تراویح پڑھتے تھے۔ ان کی باجماعت ادائیگی متعین و مقرر نہ تھی۔

[2] اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح کی شان کا اہتمام کیا اور لوگوں کو اکٹھے ہونے اور باجماعت ادا کرنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ ابھی حدیث میں آ رہا ہے۔

۱۲۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَضٰى اَحَدُكُمُ الصَّلٰوةَ فِيْ مَسْجِدِهٖ فَلْيَجْعَلْ لِّبَيْتِهٖ نَصِيْبًا مِّنْ صَلٰوتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ فِيْ بَيْتِهٖ مِنْ صَلٰوتِهٖ خَيْرًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی جب اپنی نماز مسجد میں ادا کرے تو اس کا کچھ حصہ اپنے گھر میں جا کر پڑھے[1] کہ اللہ تعالےٰ گھر میں نماز پڑھنے سے اس کے گھر میں خیر و برکت کرے گا[2]۔ (مسلم)

---

[1] مراد نفل نماز ہے۔

[2] اس حدیث کو اس باب میں لانے سے اس جانب اشارہ ہے کہ رمضان شریف میں بھی کچھ نہ کچھ نماز گھر میں پڑھنی چاہیے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۲۲۴ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ صُمْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَقُمْ بِنَا شَيْئًا مِّنَ الشَّهْرِ حَتّٰى بَقِيَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روزے رکھے۔ آپ نے مہینے میں ہمارے ساتھ بالکل قیام نہ فرمایا[1]۔ یہاں تک کہ سات دن باقی رہ گئے۔ تب

ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ السَّادِسَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا فَلَمَّا كَانَتِ الْخَامِسَةُ قَامَ بِنَا حَتّٰى ذَهَبَ شَطْرُ اللَّيْلِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ نَفَّلْتَنَا قِيَامَ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ فَقَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ حَتّٰى يَنْصَرِفَ حُسِبَ لَهٗ قِيَامُ لَيْلَةٍ فَلَمَّا كَانَتِ الرَّابِعَةُ لَمْ يَقُمْ بِنَا حَتّٰى بَقِيَ ثُلُثُ اللَّيْلِ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ جَمَعَ اَهْلَهٗ وَنِسَاءَهٗ وَالنَّاسَ فَقَامَ بِنَا حَتّٰى خَشِيْنَا اَنْ يَفُوْتَنَا الْفَلَاحُ قُلْتُ وَمَا الْفَلَاحُ قَالَ السَّحُوْرُ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ اِلَّا اَنَّ التِّرْمِذِيَّ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ لَمْ يَقُمْ بِنَا بَقِيَّةَ الشَّهْرِ

ہمارے ساتھ قیام کیا یہاں تک کہ تہائی رات گزر گئی پھر جب چھٹی رات ہوئی تو ہمارے ساتھ قیام نہ کیا۔ پھر جب پانچویں رات ہوئی تو ہم کو نماز پڑھائی۔ حتی کہ آدھی رات گزر گئی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کاش کہ آپ ان راتوں کا قیام ہمارے لیے زائد فرما دیتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان جب امام کے ساتھ نماز پڑھے حتی کہ فارغ ہو جائے تو اس کے لیے ساری رات کا قیام شمار کیا جاتا ہے پھر جب چوتھی رات ہوئی تو ہمیں نماز پڑھائی حتی کہ تہائی رات باقی رہ گئی پھر جب تیسری رات ہوئی تو اپنے گھر والوں اپنی بیویوں اور لوگوں کو جمع فرمایا ہمیں نماز پڑھائی حتی کہ ہم نے خوف کیا کہ ہماری فلاح باقی نہ رہے گی میں نے کہا فلاح کیا چیز۔ فرمایا سحری[3] پھر بقیہ مہینہ نماز نہ پڑھائی۔

(ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کیا۔ مگر ترمذی نے ثم لم یقم بنا بقیہ شہر کا ذکر نہ کیا۔

۱۲۲۵/۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنَّكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے ایک رات[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گم پایا۔ دیکھا کہ آپ جنۃ البقیع میں[2] تھے۔ فرمایا کیا تم اس سے ڈر رہی تھیں کہ اللہ و رسول تم پر ظلم کریں[3] گے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے خیال ہوا کہ آپ

---

[1] یعنی آپ نے سوائے فرض کے نفل نمازیں سے کچھ بھی باجماعت ادا نہ کیا۔

[2] یعنی چھٹی رات باقی رہ گئی۔

[3] کیونکہ سحری روزہ مکمل کرنے میں مددگار ہے اور اس میں سنت بھی قائم ہوتی ہے۔ اور اس میں پوری فلاح ہے

اَتَیْتَ بَعْضَ نِسَآئِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَنْزِلُ لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا فَیَغْفِرُ لِاَکْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعَرِ غَنَمِ کَلْبٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ زَادَ رَزِیْنٌ مِمَّنِ اسْتَحَقَّ النَّارَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ سَمِعْتُ مُحَمَّدًا یَعْنِی الْبُخَارِیَّ یُضَعِّفُ ھٰذَا الْحَدِیْثَ ۔

اپنی کسی اور بیوی کے پاس تشریف لے گئے ہیں۴ فرمایا اللہ تعالیٰ پندرھویں شعبان کی رات آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے تو قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے زیادہ بخشش دیتا ہے۔

ترمذی۔ ابن ماجہ رزین نے یہ بھی زیادہ کیا کہ جو لوگ آگ کے مستحق ہو چکے ہیں۔ ترمذی میں ہے کہ میں نے محمد بخاری کو سنا کہ اس حدیث کو ضعیف کہتے تھے۔

۱ـ جس میں حضور علیہ السلام کے میرے پاس رہنے کی باری تھی۔

۲ـ یعنی مدینہ طیبہ کا قبرستان

۳ـ اور تو نے گمان کیا کہ میں تیری باری کسی اور بیوی کو دے دوں گا۔

۴ـ یہ بات حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اکنت تخافین الی آخرہ سے پہلے کی ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قرینہ اور حضرت عائشہ کی حالت سے سمجھا ہوگا۔ اور شاید کہ اس قول کے بعد عذر خواہی اور اظہار ما فی الضمیر کے طور پر کہا ہو

۵ـ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باہر تشریف لے جانے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا

۶ـ یعنی فضل و رحمت کے ساتھ نزول فرماتا ہے۔

۷ـ کہ عرب میں اس قبیلہ کی بکریاں سب سے زیادہ تھیں۔ یعنی میں نے چاہا کہ اس شب میں قیام کروں۔ اور جنت البقیع جاؤں۔ اور وہاں کے مدفون حضرات کے لیے دعائے مغفرت کروں یہ مجمل ہے۔ اس قصے کی تفصیل شرح (لمعات) میں ذکر کی گئی ہے۔ اس باب میں اس حدیث کا ذکر قیام رمضان کی مناسبت سے کیا گیا ہے۔

۸ـ حضرت رزین اکابر محدثین میں سے ہیں۔

۱۲۲۶ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃُ الْمَرْءِ فِیْ بَیْتِہٖ اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِہٖ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کی نماز اس کے گھر میں افضل ہے میری اس مسجد میں نماز پڑھنے سے بھی۱ مگر

اِلَّا الْمَكْتُوبَةَ ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَالتِّرْمِذِیُّ

فرض نماز[2]

(ابوداؤد، ترمذی)

[1] حالانکہ میری مسجد بہت عظیم الشان مسجد ہے کہ اس میں ایک نماز پڑھنا دوسری مسجد میں ہزار نماز سے افضل ہے۔

[2] کہ فرض نماز کا مسجد میں پڑھنا افضل ہے۔ یہ بات آپ نے وہاں فرمائی جب کہ مسجد میں لوگوں کے ساتھ چند رات قیام فرمایا پھر اسے ترک کر دیا اور اس کا عذر بھی بیان فرمایا پھر آپ نے فرمایا لوگو اپنے اپنے گھروں کو جاؤ اور مشغول ہو جاؤ اور نماز پڑھو۔ اس حدیث سے امام مالک، امام ابو یوسف اور بعض شافعیہ وغیرہ نے استدلال کیا ہے کہ افضل یہ ہے کہ نماز تراویح گھر میں اکیلے پڑھی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں جو چند روز تراویح پڑھی وہ بیان جواز کے لیے تھی اور اس وجہ سے بھی کہ آپ معتکف تھے اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب اور بعض مالکیہ وغیرہ اس پر ہیں کہ تراویح کی افضل نماز یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت پڑھے۔ جیسا کہ حضرت عمر بن الخطاب اور ان کے بعد صحابہ نے کیا۔ پھر مسلمانوں کا عمل ہمیشہ کے لیے اسی پر ہے۔ کیونکہ یہ دین کے نشانات سے ہے۔ اور نماز عید کے مشابہ ہے۔ اس مناسبت سے اس باب میں اس حدیث کے ذکر کرنے کی مناسبت ظاہر ہو گئی۔ مگر اس میں اس جانب بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ نماز تراویح گھر میں پڑھ لینا بھی جائز ہے۔ اس بارے میں مختار و پسندیدہ بات یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا شخص ہو جو لوگوں کا مقتدا ہو کہ اس کا وجود جماعت کی کثرت کا موجب ہو تو اسے چاہیے کہ مسجد میں آکر پڑھے۔ اور اگر اس حیثیت کا نہ ہو تو پھر اس کیلیے گھر میں پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

١٢٢٧ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَبْدِ الْقَارِیِّ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ لَيْلَةً اِلَى الْمَسْجِدِ فَاِذَا النَّاسُ اَوْزَاعٌ مُتَفَرِّقُوْنَ يُصَلِّى الرَّجُلُ لِنَفْسِهٖ وَيُصَلِّى الرَّجُلُ فَيُصَلِّىْ بِصَلٰوتِهِ الرَّهْطُ فَقَالَ عُمَرُ اِنِّىْ لَوْ جَمَعْتُ هٰؤُلَاۤءِ عَلٰى قَارِیٍّ وَّاحِدٍ لَكَانَ اَمْثَلَ ثُمَّ عَزَمَ فَجَمَعَهُمْ عَلٰى اُبَیِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ

تیسری فصل

حضرت عبدالرحمن[1] بن عبدالقاری سے روایت ہے فرماتے ہیں میں ایک رات[2] کو حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کو گیا۔ لوگ متفرق اور الگ الگ تھے۔ کوئی اکیلے نماز پڑھ رہا تھا۔ اور کسی کے ساتھ کچھ جماعت[3] پڑھ رہی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا اگر میں ان لوگوں کو کسی قاری[4] پر جمع کر دیتا تو بہتر ہوتا۔ پھر آپ نے ارادہ کر ہی لیا تو انہیں ابی بن کعب پر جمع کر دیا[5]۔ فرماتے ہیں کہ پھر میں دوسری رات آپ کے ساتھ گیا تو لوگ اپنے قاری کے ساتھ[6] نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے

ثُمَّ خَرَجْتُ مَعَهٗ لَيْلَةً اُخْرٰى وَ
النَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ قَارِئِهِمْ
قَالَ عُمَرُ نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ
وَ الَّتِيْ تَنَامُوْنَ عَنْهَا اَفْضَلُ مِنَ
الَّتِيْ تَقُوْمُوْنَ يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ
وَكَانَ النَّاسُ يَقُوْمُوْنَ اَوَّلَهٗ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرمایا یہ بڑی اچھی بدعت[7] ہے۔ اور وہ نماز جس سے تم سو رہتے ہو۔ اس سے افضل ہے جس کو تم قائم کرتے ہو۔ یعنی آخر رات کی۔ اور لوگ اول رات میں پڑھتے تھے[8]۔

(بخاری)

[1] القاری قارہ کی طرف نسبت ہے۔ یہ لفظ قاری یا مشددہ سے ہے اور قاری بمعنی قرآن پڑھنے والا ہمزہ کے ساتھ ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن کی ولادت حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہوئی۔ مگر نہیں آپ سے نہ تو سماع حاصل ہے۔ نہ ہی آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث روایت کی ہے۔ اور واقدی نے ان کو صحابہ میں شمار کیا۔ مشہور یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال کے عامل تھے۔

[2] یعنی رمضان شریف کی ایک رات میں۔

[3] اصل میں لفظ رہط آیا ہے بمعنی دس افراد سے کم لوگوں کی جماعت

[4] یہاں لفظ قاری ہمزہ کے ساتھ ہے۔

[5] اور انہیں لوگوں کا امام بنا دیا۔

[6] یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

[7] اسے بدعت اس ہیئت اور اجتماع کے اعتبار سے کہا۔ ورنہ اصل جماعت تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں قائم ہو چکی تھی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند بار اسے با جماعت ادا کیا تھا۔ جیسا کہ گزرا۔ اور حق بات یہ ہے کہ جو کچھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کرتے ہیں وہ بھی سنت ہے۔ اور حدیث مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً کے عموم میں داخل ہے

[8] اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ آخر شب مراد لیتے ہیں۔ یعنی اس نماز کا آخر شب میں ادا کرنا افضل ہے اس سے جسے تم لوگ اول شب میں پڑھ لیتے ہو۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ آخر شب میں تراویح پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ یہ افضل وقت ہے اور اس میں مشقت زیادہ ہے۔ جیسا کہ اسے علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے نقل کیا اور یہ معنیٰ آپ کے قول يُرِيْدُ اٰخِرَ اللَّيْلِ (کہ آپ نے آخر شب مراد لیا) کے زیادہ موافق اور زیادہ ظاہر ہے۔ لیکن علامہ طیبی رحمۃ اللہ کا یہ قول کہ اہل مکہ نے اسے ہی اختیار کیا ہے کہ اہل مکہ سونے کے بعد تراویح پڑھتے ہیں۔ تو ہو سکتا کہ یہ ان کی قدیم زمانہ میں عادت تھی مگر آج کل وہ بھی اول شب میں تراویح پڑھتے ۔ اور ساری رات عبادت میں گزارتے ہیں اور پھر آخر شب میں سحری کھانے کے لیے اپنے اپنے گھروں

کو جاتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس عبارت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ نماز جس سے تم فارغ ہو کر سوتے ہو، بہتر ہے اس نماز سے جس کے لیے تم سو کر اٹھتے ہو یعنی اول شب میں ہی تراویح پڑھ لینا افضل ہے اور یہ احتیاط کی بنا پر ہے تاکہ نیند کے غلبہ کے باعث کہیں رہ ہی نہ جائے۔ اس معنیٰ کے مطابق آخر اللیل کا لفظ تقومون سے متعلق ہو گا۔ بعض علماء نے ان لوگوں میں جو آخر شب میں اٹھنے اور بیدار ہونے کا وثوق اور یقین رکھتے ہیں اور ان میں جنہیں یہ وثوق و اعتماد نہیں ہوتا، فرق کیا ہے۔ جیسا کہ اول رات یا آخر رات میں وتر پڑھنے کی افضلیت میں گزرا۔ جیسا کہ علامہ کرمانی نے ذکر کیا۔

١٢٢٨/٨ وَعَنِ السَّآئِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَّ تَمِيْمَ الدَّارِيَّ اَنْ يَّقُوْمَا لِلنَّاسِ فِيْ رَمَضَانَ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ بِالْمِئِيْنَ حَتّٰى كُنَّا نَعْتَمِدُ عَلَى الْعَصَا مِنْ طُوْلِ الْقِيَامِ فَمَا كُنَّا نَنْصَرِفُ اِلَّا فِيْ فُرُوْعِ الْفَجْرِ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب اور حضرت تمیم الداری[1] رضی اللہ عنہما کو حکم دیا کہ رمضان شریف میں لوگوں کے لیے گیارہ[2] رکعت کے ساتھ قیام کریں۔ اور قاری (امام) کئی سو آیات پڑھتا تھا[2]۔ یہاں تک کہ ہم لوگ زیادہ وقت کھڑے رہنے کی بنا پر لاٹھی[3] سے سہارا لیتے تھے تو ہم لوگ واپس نہ لوٹتے تھے مگر جب کہ فجر کی ابتداء ہو رہی ہوتی تھی۔

(مالک)

[1] حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ پہلے نصرانی تھے۔ پھر نصرانیت ترک کر کے اسلام لے آئے۔

[2] تو یہ دونوں صحابی رمضان المبارک میں گیارہ رکعت سے قیام کرتے تھے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عادت کے مطابق جو نماز تہجد کے بارے میں تھی، گیارہ رکعت پڑھتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ روایت وہم پر مبنی ہے۔ کیونکہ یہ بات صحیح روایات سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ اقدس میں لوگ بیس رکعتیں (تراویح) کی پڑھتے تھے۔ اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بیس رکعت پڑھی ہوں۔ اور کبھی کبھار رکعت۔ بعض نے کہا ہو سکتا ہے کہ بعض راتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مشابہت حاصل کرنے کے لیے ایسا کیا ہو اس کے بعد بیس رکعت ہی پڑھنا طے پا گیا ہو۔ جیسا کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تیئس رکعت کی روایت آئی ہے۔ تین رکعت وتر اور بیس رکعت تراویح۔

[2] مئین مائۃ کی جمع ہے۔ مائۃ (سو) یعنی امام کئی سورتیں پڑھتا تھا اور ہر سورت کی آیتیں سو آیات سے زیادہ ہوتی تھیں۔

[3] زیادہ دیر تک کھڑے ہونے کی وجہ سے۔ نفل نماز میں ایسا کرنا جائز ہے۔ خصوصاً جب کہ ضعف و بے طاقتی لاحق ہو۔

[4] اصل میں لفظ فروع آیا ہے۔ یعنی اوائل فجر اور اس کے بلند حصے۔ ہر چیز کے بلند حصے کو اس کی فرع کہتے ہیں۔ جیسے درخت کی شاخیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک کانوں کی فروع تک بلند کرتے تھے یعنی کانوں کی بلندی تک۔

۱۲۲۹/۹ وَعَنِ الْاَعْرَجِ قَالَ مَا اَدْرَكْنَا النَّاسَ اِلَّا وَهُمْ يَلْعَنُوْنَ الْكَفَرَةَ فِيْ رَمَضَانَ قَالَ وَكَانَ الْقَارِئُ يَقْرَءُ سُوْرَةَ الْبَقَرَةِ فِيْ ثَمَانِ رَكَعَاتٍ فَاِذَا قَامَ بِهَا فِيْ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ رَكْعَةً رَاَی النَّاسُ اَنَّهٗ قَدْ خَفَّفَ ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت الاعرج[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے لوگوں کو نہ پایا مگر وہ رمضان میں کافروں پر لعنت[2] کرتے تھے اور قاری (امام) آٹھ رکعت میں پوری سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب قاری یہ سورت بارہ رکعت میں پڑھتا تو لوگ خیال کرتے کہ اس نے ہلکی نماز پڑھائی ہے اور تھوڑی قراءت کی۔

(مالک)

[1] حضرت عبدالرحمٰن الاعرج رضی اللہ عنہ مشاہیر تابعین میں سے ہیں۔ اور ان میں ثقہ شخصیت ہیں۔

[2] یعنی قنوت وتر میں۔ کیونکہ یہ کفار اس چیز کی تعظیم نہیں کرتے جس کی خدا تعالےٰ نے تعظیم کی ہے اور یہ کفار اس راستے پر نہیں چلتے جس میں چلنے کی قرآن نے ہدایت کی ہے۔

۱۲۳۰/۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ اُبَيًّا يَقُوْلُ كُنَّا نَنْصَرِفُ فِيْ رَمَضَانَ مِنَ الْقِيَامِ فَنَسْتَعْجِلُ الْخَدَمَ بِالطَّعَامِ مَخَافَةَ فَوْتِ السَّحُوْرِ وَفِيْ اُخْرٰی مَخَافَةَ الْفَجْرِ ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عبداللہ[1] بن ابو بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابی کو فرماتے سنا ہم لوگ رمضان میں قیام سے واپس لوٹتے تھے تو ہم خادموں کو کہتے کہ جلدی کھانا کھلاؤ سحری فوت ہو جانے کے خوف سے ایک دوسری روایت میں آیا۔ فجر ہونے کے ڈر سے[2]۔

(مالک)

[1] یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سب سے بڑے ہیں اور قدیم الاسلام ہیں[1]۔

---

[1] گر حضرت محدث الشہیر علی بن سلطان محمد القاری المعروف ملا علی قاری متوفی ۱۰۱۴ھ مرقات شرح مشکوۃ جز ثالث ص ۱۹۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ؛ ان عبداللہ کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری المدنی آپ اکابر مدینہ میں سے ہیں۔ تابعی ہیں اسی بنا پر مولانا امیر علی صاحب محشی اشعۃ اللمعات یہاں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے بارے میں یہ کلام اگر کسی نے الحاق کیا ہے تو غلط کیا ہے اور اگر حضرت شیخ قدس سرہ کا ذہن شریف (بقیہ آئندہ صفحہ)

مگر دونوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

۱۲۳۱/۱۱ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ تَدْرِيْنَ مَا فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ يَعْنِيْ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ قَالَتْ مَا فِيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ فِيْهَا اَنْ يُكْتَبَ كُلُّ مَوْلُوْدٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا اَنْ يُكْتَبَ كُلُّ هَالِكٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ وَفِيْهَا تُرْفَعُ اَعْمَالُهُمْ وَفِيْهَا تَنْزِلُ اَرْزَاقُهُمْ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى ثَلٰثًا قُلْتُ وَلَا اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلٰى هَامَتِهٖ فَقَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ مِنْهُ بِرَحْمَةٍ يَقُوْلُهَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا کیا تم جانتی ہو اس رات یعنی پندرھویں شعبان میں کیا ہے[۱]۔ عرض کیا یا رسول اللہ اس میں کیا ہے۔ فرمایا اس رات میں اس سال پیدا ہونے والے انسانوں کے بچے لکھ دیے جاتے ہیں اور اس حال میں مرنے والے سارے انسان بھی لکھ دیے جاتے ہیں۔ اور اس رات میں ان کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں[۲] اور ان کے رزق اتارے جاتے ہیں[۳]۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہیں جائے گا تو آپ نے تین[۴] بار فرمایا کہ کوئی اللہ کی رحمت کے بغیر جنت میں نہ جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بھی نہیں[۵]۔ آپ نے اپنا دست مبارک اپنے سر انور پر رکھا اور فرمایا میں بھی نہیں[۶]۔ مگر یہ کہ مجھے اللہ اپنی رحمت میں چھپا لے۔ تین بار فرمایا[۷]۔

⁂

(بیہقی)

(دعوات کبیر)

بقیہ حاشیہ۔ حاضر نہ تھا تو یہ انکی لغزش قلم ہے۔ کیونکہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر تو جنگ طائف میں جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ اور جناب مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ مراۃ جلد دوم ص۲۹۳، ص۲۹۴ میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ نے اشعۃ اللمعات میں صدیق اکبر کا بڑا فرزند فرمایا خطا ہو گئی کہ وہ تو جنگ طائف میں شہید ہو گئے تھے۔ مترجم غفرلہٗ۔

ف۱ یعنی اس رات میں جو برکات اور عجیب وغریب چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں تم اسے جانتی ہو۔

ف۲ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اولاد آدم کے اعمال لکھے جاتے ہیں۔ جو سال کے دوران روز بروز اٹھائے جاتے ہیں۔ جس طرح کہ لکھے جاتے ہیں۔ اس سال میں پیدا ہونے والے اور مرنے والے۔ تو ان سب چیزوں کی تحریر اس شب میں ہوتی ہے پھر سال میں پورے دن اٹھائے جاتے ہیں۔ مگر یہ معنیٰ عبارت سے دور ہے کیونکہ حدیث کے الفاظ میں تو یوں ہے کہ اس رات میں اٹھائے جاتے ہیں نہ کہ لکھے جاتے ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمام سال کے اعمال روز بروز اٹھائے جاتے ہوں۔ مگر اس رات میں سارے یکبارگی لکھ دیے جاتے ہوں۔ پھر سارا دفتر بھی مقابلے کی غرض سے اٹھایا جاتا ہو۔ جیسا کہ اہل حساب کرتے ہیں۔ اس شب کی عظمت اور حکم الٰہی کی وجہ سے واللہ اعلم۔

ف۳ رزق اتارنے سے اس کا لکھا جانا مراد ہے۔ جس طرح اعمال لکھے جاتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے کہ اس رات میں لوگوں کی اجل اور ان کا رزق لکھا جاتا ہے اور ان لوگوں کے نام لکھے جاتے ہیں جو اس میں حج کی سعادت حاصل کریں گے اور جنہیں اس سعادت کی توفیق نصیب ہوگی اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نیک اعمال کے اٹھنے کا ذکر سنا جو بندے کے لیے جنت میں جانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور آپ نے یہ بھی سنا کہ بندوں کے عمل کرنے سے پہلے ہی یہ لکھ دیے جاتے ہیں۔ تو اس سے آپ نے سمجھا کہ جنت میں جانا اللہ تعالےٰ کی تقدیر اور اس کے فضل وکرم سے ہے۔ تنہا عمل سے نہیں اس لیے آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا کوئی آدمی جنت میں اللہ کی رحمت کے بغیر جا سکے گا۔ الخ۔

ف۴ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین بار فرمائی یا حضرت عائشہ کا سوال اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دونوں کا تکرار تین بار ہوا۔ بعض نسخوں میں تین بار کا ذکر نہیں ہے۔

ف۵ یعنی آپ کی ذات اقدس کہ اللہ کے رسول اور اس کے محبوب ہیں۔ اللہ کی رحمت سے ہی بہشت میں داخل ہوں گے؟

ف۶ یعنی ہاں میں بھی اسکی رحمت کے ساتھ جنت میں جاؤں گا جو اس کی ذات کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور اس کے فضل ولطف سے۔ اگرچہ میرا وجود سراسر رحمت ہے۔ بلکہ تمام جہانوں کیلیے رحمت ہے۔

ف۷ سر مبارک پر دست اقدس رکھنے سے درگاہِ حق تعالےٰ میں اپنی مسکنت اور محتاجی کا اظہار ہے اور اس جانب اشارہ ہے کہ سر سے پاؤں تک اللہ تعالیٰ کی رحمت میرے شامل حال ہے اور یہ کہ میں اللہ تعالےٰ کی رحمت کی تعظیم کرتا ہوں اور اس کی مغفرت کا طلبگار ہوں۔ ھَامَہ میم مخفف سے بمعنی سر۔

۱۳۳۲/۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ	حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے وہ رسول اللہ
عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ	صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا
وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ	بے شک اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرھویں شب اپنے بندوں پر اپنی
فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ	چشم فضل ورحمت سے جھانکتا ہے تو ساری مخلوق کو بخش

لِجَمِيْعِ خَلْقِهٖ اِلَّا لِمُشْرِكٍ اَوْ مُشَاحِنٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو ابْنِ الْعَاصِ وَ فِيْ رِوَايَتِهٖ اِلَّا اثْنَيْنِ مُشَاحِنٌ وَّ قَاتِلُ نَفْسٍ ۔

دیتا ہے۔ مگر شرک اور کینہ پرور[2] انسان کو۔ ابن ماجہ اور احمد نے اسے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کیا۔ اور احمد کی روایت میں اس طرح آیا ہے مگر دو آدمیوں کو ایک کینہ پرور کو دوسرے خودکشی کرنے والے کو[3]

[1] اس معنٰی کے مطابق لفظ یَطَّلِعُ طا مشدد اور لام کی زیر سے ہے۔ اور یُطْلَعُ طا ساکن لام کی زبر سے بھی آیا ہے۔ یہ طلوع سے مشتق ہو گا۔ اور اس سے مراد نزول ہے جیسا کہ حدیث تہجد میں واقع ہوا کہ ینزل ربنا۔ ہمارا رب نزولِ اجلال فرماتا ہے اور اس حدیث میں بھی بیہقی کی روایت میں ینزل واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ حدیث تہجد میں ہے۔ البتہ اس حدیث میں اتنا مضمون زیادہ ہے کہ اس رات میں رب تعالٰے کا نزول اجلال و رحمت وقت غروب آفتاب سے ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ حاصل معنٰی یہ ہے کہ اللہ تعالٰے اس شب میں رحمت و مغفرت کی صفت سے تجلی فرماتا ہے۔

[2] یعنی جو خلاف شریعت کسی سے کینہ رکھتا ہے اور حکم شریعت کے مطابق کسی سے دل میں کینہ رکھنا جائز ہے۔

[3] اور بعض احادیث میں کچھ اور لوگوں کا بھی اضافہ فرمایا۔ یعنی رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنے والا اور بعض میں تہبند و شلوار کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے والا۔ والدین کا نافرمان۔ اور عادی شراب نوش کا ذکر بھی آیا ہے۔ بعض احادیث میں ظلم سے عشر لینے والا جادوگر۔ کاہن۔ نجومی۔ فخر کرنے والا اور گانے کے ساز بجانے والا بھی آیا ہے۔

۱۲۳۳/۱۴ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَقُوْمُوْا لَيْلَهَا وَ صُوْمُوْا يَوْمَهَا فَاِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ فِيْهَا لِغُرُوْبِ الشَّمْسِ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ اَلَا مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرَ لَهٗ اَلَا مُسْتَرْزِقٌ فَاَرْزُقَهٗ اَلَا مُبْتَلًى فَاُعَافِيَهٗ اَلَا كَذَا اَلَا كَذَا حَتّٰى يَطْلُعَ الْفَجْرُ ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب پندرھویں شعبان کی رات ہو تو رات میں قیام کرو۔ دن میں روزہ رکھو۔ کیونکہ اس رات میں اللہ تعالٰی سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول رحمت فرماتا ہے۔ اور کہتا ہے کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ میں اسے بخش دوں۔ کوئی روزی مانگنے والا ہے کہ میں اسے روزی دوں۔ کوئی بیمار ہے کہ میں اسے شفا دوں۔ کیا کوئی ایسا ہے کیا کوئی ایسا[1] ہے۔ طلوع فجر تک۔

(ابن ماجہ)

---

[1] یہ اور دوسرے مطالب و حاجات والوں سے کنایہ ہے۔ چنانچہ کوئی گناہ گار نہیں کہ میں اسے بخش دوں۔ آیا کوئی

غمگین نہیں کہ میں سے خوش دل کروں۔ اللہ تعالےٰ فجر طلوع ہونے تک اسی طرح فرماتا رہتا ہے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الضُّحٰی

نماز چاشت کا باب

ضحو ضحوۃ دن کا بلند ہونا۔ ضُحیٰ ضاد کی پیش اور الف مقصورہ چاشت اور شعاع آفتاب کے معنی میں آتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا قول مبارک والشمس وضُحٰہَا طلوع آفتاب کے بعد لوگوں میں دونوں نمازیں متعارف ہیں۔ ایک نماز سورج ایک دو نیزہ بلند ہونے کے وقت۔ اسے نماز اشراق کہتے ہیں۔ دوسری نماز چاشت جو سورج کے چوتھا حصہ آسمان پر بلند ہوتے کے وقت دوپہر سے کچھ پہلے۔ اسے نماز چاشت کہتے ہیں۔ بہت سی احادیث ہیں صلوۃ ضحی کا نام دونوں کے نمازوں کے لیے آیا ہے۔ بعض احادیث میں صلوۃ ضحیٰ کا اطلاق نماز اشراق پر آیا ہے۔ جیسا کہ امام سیوطی نے طبرانی کی حدیث سے نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے فرمایا اے ام ھانی یہ نماز اشراق ہے حالانکہ جو نماز آپ نے حضرت ام ھانی کے گھر پڑھی تھی وہ نماز چاشت تھی۔ اور امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ تعالیٰ کے قول بِالْعَشِیِّ وَالْاِشْرَاقِ۔ کی تفسیر میں فرمایا کہ وقت اشراق وہ وقت ہے کہ آفتاب روشن ہو جائے اس کی شعاع صاف ہو جائے اور وہ چاشت کا وقت تھا۔ مختصر یہ کہ دن کے پہلے حصے میں جو نماز پڑھی جاتی ہے اس پر اور جو نماز دن کا چوتھا حصہ گزرنے پر پڑھی جاتی ہے۔ اس پر نماز اشراق کا اطلاق آیا ہے۔ پس دونوں نمازوں کو صلوۃ ضحیٰ اور صلوۃ اشراق کہہ سکتے ہیں۔ متعارف وہ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ حقیقت میں ایک ہی وقت ہے کہ اس کے اول میں ایک نماز اور اس کے آخر میں دوپہر سے کچھ پہلے دوسری نماز (چاشت) پڑھی جاتی ہے اور جب کہ بعض دفعہ دونوں وقتوں میں یہ نماز پڑھی گئی ہے۔ اس سے گمان کر لیا گیا کہ یہاں دو وقت ہیں۔ اور دو نمازیں۔ بعض علماء ان دو اوقات کو ضحوۃ صغریٰ اور ضحوہ کبریٰ بھی کہتے ہیں۔ نماز چاشت میں بہت سی احادیث اور آثار آئے ہیں۔ اکثر علماء اس نماز کو مستحب قرار دیتے ہیں۔ پسندیدہ اور مختار قول یہی ہے۔ کتاب مواہب لدنیہ میں ہے کہ شیخ ولی الدین بن العراقی نے کہا کہ صلوۃ ضحی میں بہت سی احادیث صحیحہ مشہورہ آئی ہیں تا آنکہ محمد بن جریر الطبرانی نے کہا کہ اس بارے میں وارد شدہ احادیث تماتر معنوی اور درجہ یقین کو پہنچ چکی ہیں۔ اور قاضی ابوبکر بن العربی المالکی نے کہا کہ یہ پہلے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوۃ والسلام کی نماز ہے اور امام سیوطی علیہ الرحمۃ نے دیلمی سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ صلوۃ ضحی اکثر و بیشتر حضرت داؤد علیہ السلام کی نماز ہے اور ابن النجار سے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کرتے ہوئے کہا کہ صلوۃ ضحیٰ وہ نماز ہے جسے حضرت آدم حضرت نوح حضرت ابراہیم حضرت موسیٰ

اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام اجمعین ہمیشہ پڑھتے تھے۔ بعض احادیث میں اس نماز کی نفی بھی آئی ہے اور بعض صحابہ کرام نے اس نماز پر بدعت کا اطلاق کیا۔ اور علماء کی ایک جماعت اس کے مکروہ ہونے کی طرف گئی ہے۔ جب کہ اسے پابندی کے ساتھ مسجدوں میں پڑھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کبھی کبھی پڑھا۔ وہ بھی گھر میں۔ سلف صالحین کا بھی اسی پر عمل تھا کہ گھر میں پڑھتے تھے۔ مگر یہ اختلاف اس نماز میں ہے جو چوتھا حصہ دن گزرنے پر پڑھی جاتی ہے یعنی نماز چاشت مگر وہ نماز (اشراق) جس کے لیے نماز فجر کے بعد قبلہ رُخ بیٹھے رہتے ہیں اور آفتاب بلند ہونے کے بعد پڑھتے ہیں تو اسے بعض نے موکدہ نمازوں میں شمار کیا ہے واللہ اعلم۔

صلوۃ ضحی کی رکعات کی تعداد میں روایات دو سے بارہ تک آئی ہیں، اکثر علماء کے نزدیک چار رکعت مختار ہیں۔ کیونکہ چار رکعت کی احادیث زیادہ صحیح ہیں اور اس میں اخبار و آثار بھی زیادہ ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۲۳۳/۱ عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَ ذٰلِكَ ضُحًى۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ام ہانی[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن آپ کے گھر میں تشریف لائے تو غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی تو میں نے کبھی کوئی نماز اس سے ہلکی نہ دیکھی مگر اتنی بات ضرور تھی کہ آپ رکوع و سجود مکمل کر رہے[2] تھے۔ اور ایک دوسری روایت میں آپ فرماتی ہیں کہ یہ چاشت کی نماز ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ابوطالب کی بیٹی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں۔ ان کا نام فاختہ تھا بعض نے کہا ان کا نام عاتکہ تھا۔

[2] یعنی آپ نے اس نماز کے کسی رکن کو اپنی عادت جاویدہ کے مطابق ادا نہ کیا۔ مگر اس میں یہ بات ملحوظ رکھی کہ اس کا رکوع و سجدہ بالکل مکمل کیا۔

[3] واضح ہو کہ نماز چاشت میں عمدہ اور مشہور حضرت ام ہانی کی حدیث ہے۔ امام احمد نے کہا کہ صحیح ترین حدیث جو نماز چاشت کے بارے میں آئی ام ہانی کی حدیث ہے بعض نے کہا ام ہانی کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نماز پڑھنا فتح مکہ کے شکرانہ کے طور پر تھا۔ آپ کے بعد امراء اسے نماز فتح کہتے اور فتوحات کے بعد اسے پڑھتے تھے۔ بعض نے کہا کہ

دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وظائف میں ایک وظیفہ مہمات کی فتح کی مصروفیت میں رہ گیا تھا۔ اس نماز کی صورت میں آپ نے اسے قضا کیا۔ تحقیق یہ ہے کہ آپ نے یہ چاشت کی نماز ہی پڑھی۔ کسی وظیفے کی قضا نہ تھی۔ کیونکہ ابوداؤد اور مسلم نے اسے سبحۃ الضحیٰ کے لفظ سے روایت کیا۔ یعنی وقت چاشت کی تسبیح۔ وقت کی طرف اضافت کرنا اس وقت کے سبب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں ظہر کی نماز۔ عصر کی نماز۔ مواہب لدنیہ میں ابن عبدالبر سے روایت کیا کہ ام ہانی نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کونسی نماز تھی۔ فرمایا۔ چاشت کی نماز۔

١٣٣٥/٢ وَعَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ صَلٰوةَ الضُّحٰى قَالَتْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَّيَزِيْدُ مَا شَآءَ اللهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت معاذہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کتنی رکعتیں پڑھتے تھے۔ فرمایا چار رکعتیں اور جو اللہ چاہتا اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے[2]۔

(مسلم)

[1] حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا تابعیہ میں ثقہ ہیں اور طبقہ ثالثہ سے ہیں۔

[2] روایات میں اس کی رکعتوں کی تعداد بارہ سے زیادہ نہیں آئی۔

١٣٣٦/٢ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصْبِحُ عَلٰى كُلِّ سُلَامٰى مِنْ اَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ فَكُلُّ تَسْبِيْحَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَحْمِيْدَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَهْلِيْلَةٍ صَدَقَةٌ وَكُلُّ تَكْبِيْرَةٍ صَدَقَةٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْيٌ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَيُجْزِئُ مِنْ ذٰلِكَ رَكْعَتَانِ يَرْكَعُهُمَا مِنَ الضُّحٰى۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر آدمی کے ذمے اس کے جسم کے ہر بند وہڈی پر صدقہ لازم[1] ہے۔ پس ہر تسبیح صدقہ[2] ہے ہر تحمید[3] صدقہ ہے اور ہر تہلیل[4] صدقہ ہے اور ہر تکبیر صدقہ[5] ہے۔ ہر امر بالمعروف[6] صدقہ ہے اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اس کی جگہ نماز چاشت کی دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں[8]۔

(مسلم)

[1] اصل میں سُلامیٰ آیا ہے۔ سین کی پیش۔ لام مخفف۔ میم کی زبر۔ بمعنی عضو۔ بعض نے کہا سُلامی ہر اس ہڈی کو کہتے ہیں

جس میں جوڑ ہو اور ہر اس ہڈی کو بھی جس سے انسان حرکت کے وقت سہارہ لیتا ہے۔ پسندیدہ قول یہ ہے کہ سُلاخی ہڈی کے ہر جوڑ کو کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ اپنے جسم کے ہر جوڑ کے عوض صدقہ کرے۔ یعنی ہر عضو اور ہڈی اور جوڑ اور صحت و سلامتی انسان کے لیے نعمت ہے جس کا شکر کرنا اس پر لازم ہے اور جب کہ وجود شکر کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنی ہر چیز کو اس مقصد کے لیے صرف کرے۔ جس کے لیے اس چیز کو پیدا کیا گیا ہے ایک دشوار اور مشکل امر ہے اس لیے اللہ تعالےٰ نے ازراہ لطف و کرم بندے سے ذکر الٰہی۔ اس کی حمد و ثنا، وغیرہ خیرات اور امر معروف و نہی منکر کو بندے پر ہر جوڑ کے عوض صدقات واجبہ ضروریہ کی طرح لازم قرار دیا۔

۲؎ یعنی سبحان اللہ کہنا۔

۳؎ یعنی الحمد للہ کہنا۔

۴؎ یعنی لا الٰہ الا اللہ کہنا۔

۵؎ یعنی اللہ اکبر کہنا۔

۶؎ یعنی نیک کام کا حکم دینا۔

۷؎ یعنی کسی کو نامشروع اور ناجائز کام سے باز رکھنا۔

۸؎ یعنی یہ دو رکعتیں کفایت کرتی ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ تمام جوڑوں کے شکرانہ کے طور پر ان دو رکعت کو قبول کرتا اور اس پر جزا عطا کرتا ہے یہ فی الحقیقت نماز شکرانہ ہے تمام ظاہری باطنی نعمتوں کا۔ کیونکہ انسان کا ہر عضو اور جز و دل بدن وغیرہ مولیٰ تعالیٰ کی خدمت اور دعا اس کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ اس فضیلت کے ساتھ نماز چاشت کو مخصوص کر دیا گیا کہ وہ اول دن اور نعمتوں کے استعمال کے آغاز میں پڑھی جاتی ہے اور لفظ یجزی یا کی پیش اور ہمزہ اور یا کی زبر اور ہمزہ کے بغیر دونوں طرح روایت ہے۔ اول صیغہ اجزاء سے ہے۔ ہمزہ کی زیر سے ہے بمعنی کفایت۔ اور دوسرا صیغہ جزا سے بمعنی بدلہ۔

۱۲۳۷/۴ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ اَنَّهٗ رَاٰى قَوْمًا يُصَلُّوْنَ مِنَ الضُّحٰى فَقَالَ لَقَدْ عَلِمُوْا اَنَّ الصَّلٰوةَ فِىْ غَيْرِ هٰذِهِ السَّاعَةِ اَفْضَلُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلٰوةُ الْاَوَّابِيْنَ حِيْنَ تَرْمَضُ الْفِصَالُ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت زید۱؎ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک آپ نے ایک قوم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا یہ لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ اس گھڑی کے بجائے دوسری گھڑی افضل۲؎ ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اوابین کی نماز اس وقت ہے جب کہ اونٹ کے بچے کے پاؤں گرم ہونے لگیں۔ (مسلم)

[1] حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ سترہ غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم رکابی کا شرف حاصل ہوا۔ آپ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خصوصی دوستوں میں سے تھے۔

[2] یعنی ثواب کے لحاظ سے۔

[3] اوابین یعنی درگاہ حق تعالیٰ میں توبہ کرنے والے اور اس کی طرف رجوع کرنے والے۔ رَمَضٌ را و میم کی زبر بمعنی ریت وغیرہ پر دھوپ کا تیز پڑھنا اور دن کا گرم ہو جانا۔ اس وقت میں نماز کی افضلیت اس وجہ سے ہے کہ یہ وقت لوگوں کے فراغت و آرام کا وقت ہے تو اس وقت نماز نہ پڑھے گا مگر وہ جو درگاہِ حق سبحانہ کی طرف رجوع رکھتا ہے اور اس ذات جل وعلا کے ذکر سے انس و محبت رکھتا ہے جس طرح نصف رات کے وقت نماز پڑھنا۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۳۸/۵ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَاَبِیْ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اَنَّهٗ قَالَ یَا ابْنَ اٰدَمَ ارْكَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ النَّهَارِ اَكْفِكَ اٰخِرَهٗ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالدَّارِمِیُّ عَنْ نُعَیْمِ بْنِ هَمَّارِ الْغَطْفَانِیِّ وَاَحْمَدُ عَنْهُمْ۔

حضرت ابو الدردا اور ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فرمایا کہ اللہ سبحانہ و تعالےٰ فرماتا ہے اے فرزند آدم میرے لیے اول دن میں چار رکعت میرے لیے پڑھ کہ میں اس کی وجہ سے آخر دن تک تیرے لیے کافی ہو جاؤں گا۔[1]

اسے ابو داؤد اور دارمی نے نعیم[2] بن ہمار[3] الغطفانی[4] سے اور احمد نے ان تینوں سے روایت کیا۔

[1] یعنی اے آدمی میرے لیے اور میری رضا حاصل کرنے کے لیے پورے اخلاص کے ساتھ دن کے اول حصہ میں چار رکعت ادا کر۔ اس کے عوض میں تیرے لیے آخر دن تک کافی ہو جاؤں گا اور میں تیرے کام پورے کروں گا کہ تیری حاجات پوری کروں گا اور ناپسندیدہ امور کو تجھ سے دور رکھوں گا۔ یعنی اپنے دل کو میری عبادت کے لیے فارغ کریں تیرے دل کو تیری حاجات سے فارغ کر دوں گا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے متقی اور متوکل لوگوں کے لیے وعدہ کر رکھا ہے

[2] نُعیم نون کی پیش

[3] ھَمّار ھا کی زبر اور میم مشدد، مشکوٰۃ کے اکثر نسخوں میں را سے آیا ہے یعنی ھَمّار۔ آپ شامی صحابی ہیں۔ ان کے نام میں بہت اختلاف ہے ہم نے اسے شرح (عربی) میں ذکر کیا ہے۔

۴؎ غطفانی غین کی زبر پھر فا۔ غطفان کی طرف نسبت ہے۔ یہ قبیلہ کے باپ کا نام ہے۔

۱۲۳۹/۶ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي الْاِنْسَانِ ثَلٰثُ مِائَةٍ وَّسِتُّوْنَ مَفْصِلًا فَعَلَيْهِ اَنْ يَّتَصَدَّقَ عَنْ كُلِّ مَفْصِلٍ مِّنْهُ بِصَدَقَةٍ قَالُوْا وَمَنْ يُّطِيْقُ ذٰلِكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ قَالَ النُّخَاعَةُ فِي الْمَسْجِدِ تَدْفِنُهَا وَالشَّيْءُ تُنَحِّيْهِ عَنِ الطَّرِيْقِ فَاِنْ لَّمْ تَجِدْ فَرَكْعَتَا الضُّحٰى تُجْزِئُكَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت بریدہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ تو انسان پر لازم ہے کہ ہر جوڑ کی طرف سے صدقہ کرے لوگوں نے کہا۔ اے اللہ کے نبی اس کی کون طاقت رکھتا ہے[۲]۔ فرمایا مسجد میں پڑے ہوئے تھوک[۳] کو زمین میں دفن کر دے اور راستے میں پڑی ہوئی چیز کو راستے سے ہٹا دے[۴]۔ اگر تو ایسی کوئی چیز نہ پائے تو چاشت کی دو رکعتیں تیرے لیے کفایت کرتی ہیں[۵]

(ابو داؤد)

[۱] بُرَیدہ با کی پیش۔ را کی زبر۔ آپ صحابی ہیں اور آپ نے قول مشہور کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت کے دوران اسلام قبول کیا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خدمات انجام دیں۔ اسی طرح خلفاء راشدین کی بھی۔ آپ کی قبر انور مَرو میں ہے کیونکہ آپ وہاں جہاد اسلامی کے لیے آئے تھے۔ لوگ آپ کی قبر مبارک کی زیارت کرتے اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں۔

[۲] کہ ہر جوڑ کے بدلے صدقہ کرے اور خیر کا کام کرے۔

[۳] تھوک یا ناک کی آلائش جو مسجد میں پڑی ہوئی ہو۔

[۴] یعنی ایذا دینے والی چیزیں۔ جیسے نجاست، پتھر اور کانٹے وغیرہ اور عربی لفظ تُنَحِّیہ حا کی زیر اور شدّ سے ہے۔

[۵] کہ یہ تین کام تیرے لیے صدقہ اور تین سو ساٹھ جوڑوں کے شکرانہ کی ادائیگی کے لیے کافی ہیں۔ یہ وہ جوڑ ہیں جن سے انسان اسلامی شعائر کی تعظیم اور مخلوق کو ایذا دینے والی چیزوں کو دفع کرتا ہے۔ اگرچہ معمولی چیز ہی ہو۔ حدیث اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ تھوک اور ناک کی آلائش کو دفن کرنا اور راستے سے اذیت دینے والی چیزوں کو دور کرنا دو رکعت نماز سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ مسجد کی تعظیم اور خلق خدا سے اذیت دور کرنے پر مشتمل ہے کہ نفس کے لیے نماز ادا کرنا یہ کام کرنے سے آسان تر ہے۔ جیسا کہ تجربہ اس کا گواہ ہے۔

۱۲۴۹/۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى الضُّحٰى ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بَنَى اللّٰهُ لَهٗ قَصْرًا مِّنْ ذَهَبٍ فِي الْجَنَّةِ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز چاشت بارہ رکعت[1] پڑھتا ہے اللہ اس کے لیے جنت میں سونے کا محل بناتا ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهٗ اِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا۔ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے اس اسناد کے سوا اور کسی طریقہ سے نہیں پہچانتے یعنی اس اسناد کے سوا جسے ترمذی نے ذکر کیا۔

[1] یہ نماز چاشت کا اکثر عدد ہے۔ یعنی اس نماز کی رکعتیں کم سے کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ ہیں۔

۱۳۲۱/۸ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُهَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ فِيْ مُصَلَّاهُ حِيْنَ يَنْصَرِفُ مِنْ صَلٰوةِ الصُّبْحِ حَتّٰى يُسَبِّحَ رَكْعَتَيِ الضُّحٰى لَا يَقُوْلُ اِلَّا خَيْرًا غُفِرَ لَهٗ خَطَايَاهُ وَاِنْ كَانَتْ اَكْثَرَ مِنْ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت معاذ بن انس الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد[1] اپنی جائے نماز پر ہی بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس نے اشراق کی دو رکعتیں پڑھیں اور خیر و نیکی کے سوا کوئی بات نہ کی[2] تو اس کی خطائیں بخش دی جاتی ہیں۔ اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ جتنی ہی ہوں[3]

(ابوداؤد)

[1] یعنی آفتاب کے بلند ہونے تک

[2] یعنی بات نہ کرے مگر وہ جو خیر ہو اور جس میں آخرت کا اجر و ثواب ہو جیسے ذکر اور تلاوت وغیرہ اور اگر اس نے کوئی ایسی بات کی جس میں کسی مسلمان کا فائدہ ہو تو وہ خیر اور نیکی کی بات کی طرح ہے۔

[3] یہاں نماز ضحٰی سے نماز اشراق مراد ہے، دوسری احادیث میں صلوٰۃ ضحٰی سے دونوں نمازوں نماز اشراق اور نماز چاشت کا احتمال ہے باقی رہی یہ بات کہ یہ ثواب جائے نماز میں بیٹھے رہنے پر ہی مرتب ہوتا ہے اور اگر جائے نماز سے اٹھ جائے اور خلوت میں چلا جائے اور مشغول ہو جائے تو یہ ثواب اسے نہ ملے گا اور ایک دوسری حدیث میں بھی آیا ہے کہ جو شخص اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہے اور ذکر میں مصروف رہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ مشائخ کی وصیتوں میں مذکور ہے کہ اگر وہاں بیٹھے رہنے میں پراگندہ خیال ہونے اور ریا میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو خلوت میں جا کر

ذکر و وظائف میں مشغول ہو۔ بعض کہتے ہیں ذکر و مشغولیت کا ثواب اسے بہرحال ملے گا مگر وہیں بیٹھے رہنے پر صبر و برداشت الگ چیز ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ اس وقت کے بیٹھنے میں قبلہ رخ بیٹھنے کو نظر انداز نہ کرے۔ اگر نیند آجائے تو پس پردہ ہو کر اسے دور کرے۔ شیخ الاسلام شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ عمل جس کی جزا اور بدلہ فی الوقت دنیا میں ہی نقد مل جاتا ہے اور جس سے باطن منور اور روشن ہوتا ہے، یہی عمل ہے، کاتب حروف (شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) کہتا ہے کہ جس طرح حسی آفتاب صبح کے وقت طلوع ہو کر روئے زمین کو روشن کرتا ہے۔ اسی طرح ذکر و حضور کا آفتاب بھی بلند ہو کر سینہ ذاکر کے صحن و فضا کو روشن و تاباں کرتا ہے۔ یہ معنی ذاکرین کے نزدیک محسوس و مشہور کے قریب ہے کہ سالک لوگ اسے واضح طور پر محسوس کرتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٢٤٢/٩ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰی شُفْعَةِ[1] الضُّحٰی غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے چاشت کی دو رکعت کی محافظت کی اس کے تمام گناہ بخش دیے گئے۔ اگرچہ وہ سمندر کی جھاگ جتنے ہوں۔

(احمد، ترمذی)

(ابن ماجہ)

[1] اصل میں لفظ شُفعہ ہے۔ شین کی پیش سے اور شین کی زبر سے بھی مروی ہے۔ یہ شفع سے نکلا ہے بمعنی جفت وتر کے مقابل۔

١٢٤٣/١٠ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تُصَلِّی الضُّحٰی ثَمَانِیَ رَكَعَاتٍ ثُمَّ تَقُوْلُ لَوْ نُشِرَ لِیْ اَبَوَایَ مَا تَرَكْتُهَا

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ چاشت کی آٹھ رکعتیں پڑھا کرتی تھیں۔ پھر کہتی تھیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی زندہ ہو کر آجاتے[1] تو میں اس نماز کو نہ چھوڑتی۔

(مالک)

[1] یہ بقصد مبالغہ محال عادی کی تعلیق ہے۔ یعنی میں نماز کی لذت کو والدین کی ملاقات کی لذت کے لیے ترک نہ کروں گی۔

١٢٤٤/١١ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ كَانَ

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيهَا

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ اسے کبھی نہ چھوڑیں گے اور آپ اسے چھوڑ دیتے تھے یہاں تک کہ ہم کہتے کہ آپ اسے کبھی نہ پڑھیں گے[1]

(ترمذی)

[1] جیسا کہ نوافل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی۔ کہ آپ ہمیشہ اسے پابندی سے نہ پڑھتے تھے۔ یہ آپ کی امت پر شفقت تھی کہ امت پر لازم نہ ہو جائے اور مشقت میں نہ پڑ جائے اور اس کی فرضیت کا حکم نازل نہ ہو جائے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کا حکم ہے۔ اب اگر امت اس فعل پر پابندی کرے تو مستحب ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں اب بھی نماز چاشت میں سنت یہی ہے کہ کبھی کبھی پڑھے۔

۱۲۴۵/۱۲ وَعَنْ مُوَرِّقٍ الْعِجْلِيِّ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ تُصَلِّي الضُّحٰى قَالَ لَا قُلْتُ فَعُمَرُ قَالَ لَا قُلْتُ فَأَبُوْ بَكْرٍ قَالَ لَا قُلْتُ فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا إِخَالُهُ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت مورق[1] عجلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ چاشت کی نماز پڑھتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت عمر پڑھتے تھے فرمایا نہ۔ میں نے کہا حضرت ابوبکر فرمایا نہ۔ میں نے کہا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرمایا میرا گمان ہے کہ آپ بھی نہ پڑھتے تھے[2]۔

(بخاری)

[1] مُوَرِّق میم کا پیش۔ واو کا زبر۔ را مشدد کی زیر۔ آخر میں قاف۔ عجلی۔ عین کی زیر۔ جیم ساکن یہ عجلی بن الجیم کی طرف نسبت ہے۔ آپ تابعی بصری ثقہ اور عابد و زاہد شخصیت ہیں۔

[2] یہاں ظن کی شکل میں نفی کی۔ اس احتمال کی بنا پر کہ شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز پڑھی ہو۔ مگر حضرت ابوبکر و عمر کے بارے میں انہوں نے یقین سے نفی کی کہ وہ نہ پڑھتے تھے اور نفی کا مطلب معلوم ہو چکا ہے اور وہ یہ کہ یہ حضرات مسجد میں ہمیشہ پابندی سے یہ نماز نہ پڑھتے تھے۔ ورنہ اصل نماز کا پڑھنا بلاشبہ صحیح اور ثابت شدہ امر ہے۔ لا اخالہٗ ہمزہ کی زیر و زبر دونوں طرح درست ہے۔

بَابُ التَّطَوُّعِ

نفل نماز کا باب

لفظ تطوع طوع وطاعتہ سے بنا ہے یعنی اطاعت وفرمانبرداری۔ نفلی عبادت کو تطوع اور بہ تفعل بالخیر کو متطوع کہتے ہیں۔ زیادہ تر اس کا اطلاق غیر مؤکدہ سنتوں پر ہوتا ہے تفعل کا صیغہ یا تو تکلف کے لیے ہے یا مبالغہ کے لیے ہے بندہ شارع کی طرف سے ضروری نہ ہونے کے باوجود اسے بجالاتا اور اطاعت وفرمانبرداری میں مبالغہ کرتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١٢٤٦ / ١ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِبِلَالٍ عِنْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ یَا بِلَالُ حَدِّثْنِیْ بِاَرْجٰی عَمَلٍ عَمِلْتَهٗ فِی الْاِسْلَامِ فَاِنِّیْ سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَیْكَ بَیْنَ یَدَیَّ فِی الْجَنَّةِ قَالَ مَا عَمِلْتُ عَمَلًا اَرْجٰی عِنْدِیْ اِلَّا اَنِّیْ لَمْ اَتَطَهَّرْ طُهُوْرًا فِیْ سَاعَةٍ مِّنْ لَیْلٍ وَّلَا نَهَارًا اِلَّا صَلَّیْتُ بِذٰلِكَ الطُّهُوْرِ مَا كُتِبَ لِیْ اَنْ اُصَلِّیَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے نماز فجر کے وقت فرمایا اے بلال مجھے اس عمل کی خبر دے جو تو نے اسلام میں کیا ہے۔ اور جس کے ثواب کی تجھے بہت زیادہ امید ہے کیونکہ میں نے جنت میں اپنے آگے تیرے جوتوں کی آہٹ سنی ہے[1]۔ حضرت بلال نے عرض کیا میں نے اپنے نزدیک کوئی امید افزا کام نہیں کیا بجز اس کے کہ دن اور رات کی کسی گھڑی میں[2] وضو نہیں کیا مگر اس وضو سے اس قدر نماز پڑھ لی جو میرے مقدر میں تھی[3]

(بخاری ومسلم)

---

[1] حدیث میں لفظ دُف آیا ہے۔ دال اور فا مشدد جس کا معنی ہے۔ اونٹ کا راستے پر نرم رفتار سے چلنا۔ اور پرندے کا ہلکے پھلکے انداز میں زمین پر چلنا اور زمین پر پاؤں رکھ کر اس کا پاؤں چلانا۔ لفظ یَدَیَّ یا مشدد سے۔ یہ صیغہ تثنیہ ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خواب یا بیداری میں منکشف ہوئی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ شب معراج میں آپ نے یہ موقعہ دیکھا ہو یا کسی اور معراج میں جو آپ کو ہوا، دیکھا ہو۔ واللہ اعلم۔

[۲] یعنی ہر قسم کی طہارت کے وقت۔ غسل، اور وضو کی صورت میں ہو یا تیمم کی صورت میں۔ دن اور رات کی کسی گھڑی میں۔

[۳] یعنی مگر میں نے اتنی مقدار میں نماز پڑھی جو میرے مقدر میں تھی یا جو خود میں نے اپنے اوپر لازم کر رکھی تھی کہ میں نفل کے پڑھنے کا اپنے آپ کو پابند کر رکھا تھا۔ اس حدیث میں وضو کے بعد نماز پڑھنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جسے لوگ تحیۃ الوضو کہتے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ مطلق نفل کی نیت کرے اس کی نیت میں شکر وضو کی نماز کہنا بے حقیقت چیز ہے۔

۱۲۴۷/۲ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْاِسْتِخَارَةَ فِي الْاُمُوْرِ كُلِّهَا كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ اِذَا هَمَّ اَحَدُكُمْ بِالْاَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْاَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ فَاقْدُرْهُ لِيْ وَيَسِّرْهُ لِيْ ثُمَّ بَارِكْ لِيْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ وَمَعَاشِيْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِيْ اَوْ قَالَ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں کاموں کے لیے استخارہ کی تعلیم دیتے تھے جس طرح آپ ہمیں قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ جب تم میں سے کوئی کسی کام کا[۱] قصد و ارادہ کرے تو فرض نماز کے علاوہ دو رکعتیں پڑھے[۲]۔ پھر یہ کہے۔ اے اللہ! میں تیرے علم کے ساتھ[۳] تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور میں تیری قدرت سے تجھ سے قدرت و طاقت مانگتا ہوں[۴]۔ اور میں تیرے فضل عظیم سے حصہ مانگتا ہوں[۵]۔ کہ بے شک تو قادر ہے۔ مجھ میں کوئی طاقت و قدرت نہیں۔ اور تو جانتا ہے میں نہیں جانتا اور تو تمام غیبوں کو جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (جس کا میں نے ارادہ کیا ہے) میرے لیے۔ میرے دین، میری زندگی اور انجام کے لحاظ سے یا یوں[۶] فرمایا کہ میرے لیے فوری طور پر یا دیر کے بعد میرے لیے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر کر دے اور اسے میرے لیے آسان کر دے[۷]۔ پھر میرے لیے اس میں برکت ڈال دے۔ اے اللہ اگر تیرے علم میں یہ بات ہے کہ یہ کام میرے دین میری زندگی اور میرے انجام کے لیے یا یوں فرمایا۔ میرے لیے جلد ہی یا دیر کے بعد [illegible] برا ہے تو اسے مجھ سے پھیر دے اور مجھے اس سے پھیر دے

وَ اٰجِلِهٖ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ
عَنْهُ وَ اقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ
كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ قَالَ وَ
یُسَمِّیْ حَاجَتَهٗ ۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

اور جہاں میرے لیے خیر و برکت ہے وہ میرے مقدر
میں کر دے۔ پھر اس کام کے ساتھ مجھ سے خوش ہو جا
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اپنی حاجت کا
نام لے۔
(بخاری)

۵۱ یعنی ایسا کام جس کا وجود میں آنا نادر سا اور اہمیت بھی رکھتا ہو۔ جیسے سفر، تجارت اور عمارت وغیرہ کھانے پینے کی طرح کا عام فعل نہ ہو۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام مباح ہو اور اس کے نیک اور بہتر ہونے میں تردد اور شک ہو اور اگر وہ کام خیر محض ہو تو پھر اس کے وقت خاص یا اس کی حالت خاص کے لیے استخارہ کرنا درست ہے۔

۵۲ یعنی نماز کے دو فرض یا سفر کے دو فرض اس کے لیے کفایت نہیں کرتے۔ ہاں سنت موکدہ کی دو رکعتیں بھی اس کے لیے کافی ہیں۔ اور الگ دو رکعت نفل استخارہ کی نیت سے پڑھے تو بہتر ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ان رکعتوں میں قرآن میں سے جو اسے آسان ہو پڑھے۔ بعض روایات میں سورۃ قل یاایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد کی تخصیص بھی آئی ہے۔ سلف سے بھی یہی منقول ہے۔

۵۳ یعنی تیرے علم کی مدد سے میں تجھ سے خیر اور بھلائی طلب کرتا ہوں۔

۵۴ یعنی خیر اور بھلائی کے حاصل کرنے میں تیری قدرت کو وسیلہ بناتا ہوں۔

۵۵ یعنی تیرے فضل و کرم سے جو بڑا عظیم اور بے حد و نہایت ہے، حصہ مانگتا ہوں۔

۵۶ یہ راوی کا شک ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا ان تمام الفاظ کے بجائے یا معاشی و عاقبۃ امری کے بجائے فی عاجل امری وآجلہ فرمایا۔ یعنی اس جہان میں اور اُس جہان میں

۵۷ اور مجھے اس کام کی توفیق عطا فرما۔ اور فَاَقْدِرْهُ لی کے لفظ میں فَاقْدُرْهُ دال کی پیش اور زیر دونوں روایتیں آئی ہیں۔ یہ قدر سے مشتق ہے۔

----

۵۸ وارضنی ہمزہ کی زبر را ساکن سے۔ ارضاء سے مشتق ہے اور را کی زیر۔ ضاد کی شد اور ہمزہ کے بغیر رضا سے مشتق بھی روایت ہے۔

۵۹ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا راوی نے کہا کہ "اس کام" کا لفظ کہتے ہوئے اپنی حاجات اور اپنے کام کا نام لے۔ ظاہر یہ ہے کہ حدیث میں ان ھذا الامر کا لفظ بطریقہ عموم حاجت کا عنوان ہے۔ استخارہ کرنے والے کی عبارت میں اس خاص کام کا ذکر ہوگا۔ جیسے یہ سفر اور یہ قیام در رہائش وغیرہ کہ یہ جائز ہے کہ لفظ ھذا الامر کہتے ہوئے اپنی حاجت کا ذکر کرے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۲۴۸/۳ عَنْ عَلِیٍّ قَالَ حَدَّثَنِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَ صَدَقَ اَبُوْبَکْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ رَّجُلٍ یُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ یَقُوْمُ فَیَتَطَهَّرُ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثُمَّ یَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ ثُمَّ قَرَءَ وَ الَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ اِلَّا اَنَّ ابْنَ مَاجَةَ لَمْ یَذْکُرِ الْاٰیَةَ ۔

دوسری فصل

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے حضرت ابوبکر نے حدیث بیان کی اور انہوں نے سچ بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ ایسا کوئی شخص نہیں جو گناہ کرے۔ پھر اٹھے اور وضو کرے پھر نماز پڑھے۔ پھر اللہ سے معافی مانگے مگر اللہ اسے بخش دیتا ہے[1] پھر یہ آیت[2] پڑھی۔ اور وہ لوگ کہ جب کوئی برائی کر لیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر ڈالیں تو اللہ کو یاد کریں اور اپنے گناہوں کی معافی چاہیں۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

مگر ابن ماجہ نے آیت کا ذکر نہیں کیا۔

---

[1] اس نماز کو صلوۃ الاستغفار کہتے ہیں۔

[2] یعنی آیت وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ۔ اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ۔

[3] یعنی ابن ماجہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس آیت کے پڑھنے کا ذکر نہ کیا۔

۱۲۴۹/۴ وَ عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ اِذَا حَزَبَہٗ اَمْرٌ صَلّٰی ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی مصیبت اور پریشانی لاحق ہوتی تو آپ نماز پڑھتے تھے[1]۔

(ابوداؤد)

---

[1] اور آپ نماز سے مدد چاہتے تھے، تاکہ اس مصیبت اور مشکل سے نجات پائیں اور غم و فکر سے چھوٹ جائیں۔ ایسے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دراصل اللہ سبحانہ کے اس حکم کی بجا آوری کرتے تھے۔ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ صبر اور نماز سے مدد لو۔ علماء فرماتے ہیں۔ بندہ جب عبادت میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر عالم ربوبیت منکشف ہو جاتا ہے۔

جب عالم ربوبیت کا انکشاف ہوتا ہے تو اسے دنیا کلیتہً حقیر دکمینی دکھائی دیتی ہے۔ تو دنیا کے کسی کام کا نہ ہونا یا ہاتھ سے نکل جانا یا اس کا لاحق ہونا اس کے لیے آسان محسوس ہوتا ہے۔ تو اس دنیوی کام کے نہ ہونے سے گھبراتا نہیں اور نہ غرض ہوتا ہے جیساکہ بزرگ فرماتے ہیں۔ اگر دنیا پاس ہے تو بھی غم نہیں۔ پاس نہیں تو بھی کوئی غم نہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں جب بندہ کسی مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہو جائے تو اسے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف دوڑے۔ گویا یوں عرض کرے اے اللہ میرے لیے عبادت کو محبوب بنا دے۔ اور میری مراد مجھے تو دے یا نہ دے اور مجھے خوشی عطا کر یا محنت و تکلیف مجھ پر ڈال ہر حالت میں تیری عبادت میرے لیے محبوب بن جائے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ نور طاعت، مناجات اور خدا تعالیٰ کے حضور و شہود سے بندے کے باطن میں ایسا نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی بدولت غم و فکر کی ظلمت دل سے نکل جاتی ہے۔ اور سینے کی تنگی دور ہو جاتی ہے۔ جیساکہ آیا ہے۔ اذا دخل النور انفتح القلب۔ جب نور داخل ہوتا ہے تو سینہ کھل جاتا ہے۔

۱۲۵۰/۵ - وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَا بِلَالًا فَقَالَ بِمَا سَبَقْتَنِيْ اِلَى الْجَنَّةِ مَا دَخَلْتُ الْجَنَّةَ قَطُّ اِلَّا سَمِعْتُ خَشْخَشَتَكَ اَمَامِيْ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَذَّنْتُ قَطُّ اِلَّا صَلَّيْتُ رَكْعَتَيْنِ وَمَا اَصَابَنِيْ حَدَثٌ قَطُّ اِلَّا تَوَضَّأْتُ عِنْدَهٗ وَرَاَيْتُ اَنَّ لِلّٰهِ عَلَيَّ رَكْعَتَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهِمَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی تو حضرت بلال کو بلایا اور فرمایا کہ تم کس وجہ سے جنت میں مجھ سے سبقت لے گئے۔ میں جنت میں کبھی بھی نہ گیا مگر اپنے سامنے تمہاری آہٹ سنی[1]۔ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کبھی اذان نہ کہی مگر دو رکعتیں پڑھ لیں اور مجھے کبھی حدث نہ ہوا۔ مگر اسی وقت میں نے وضو کیا اور میں نے سمجھ لیا کہ مجھ پہ اللہ تعالیٰ کے لیے دو رکعتیں لازم ہیں[2]۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں کی وجہ سے۔

(ترمذی)

---

[1] یعنی تیری آواز یا تیرے جوتوں کی آہٹ حدیث سابق کے قرینہ کی بنا پر۔ خَشْخَشَۃ۔ ہتھیار وغیرہ کی آواز۔

[2] یعنی میں نے نہ جانا اور اعتقاد کر لیا کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کی دو رکعت ہیں۔ یہ پابندی کے ساتھ پڑھنے سے کنایہ ہے

[3] اسی کی وجہ سے تجھے یہ مقام و درجہ حاصل ہوا۔

۴۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَی اللّٰهِ اَوْ اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ بَنِیْ اٰدَمَ فَلْیَتَوَضَّأْ فَلْیُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لْیُصَلِّ رَكْعَتَیْنِ ثُمَّ لْیُثْنِ عَلَی اللّٰهِ تَعَالٰی وَلْیُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لْیَقُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِیْمُ الْكَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَآئِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِیْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِیَ لَكَ رِضًی اِلَّا قَضَیْتَهَا یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت عبداللہ[1] بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس کو اللہ تعالیٰ یا کسی انسان سے کوئی حاجت اور کام ہو تو وہ اچھی طرح وضو کرے۔ پھر دو رکعتیں پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر کہے رب کے سوا کوئی معبود نہیں وہ علم والا اور کرم والا ہے۔ اللہ پاک ہے بڑے عرش کا مالک ہے۔ سب تعریفیں جہانوں کے مالک اللہ کی ہی ہیں۔ الٰہی میں تجھ سے تیری رحمت کے اسباب[2] اور تیری بخشش کے اعمال[3] اور ہر نیکی میں سے غنیمت اور ہر گناہ سے سلامتی مانگتا ہوں۔ میرا کوئی گناہ بغیر بخشے اور کوئی غم بغیر دور کیے نہ چھوڑ۔ جو تیری رضا کا باعث ہے مگر اسے پورا کر دے۔ اے رحم والوں سے بڑا رحم کرنے والے۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے

---

[1] آپ صحابی ہیں ان کے ماں باپ کو بھی صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ حدیبیہ میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی۔ پھر آپ کوفے آگئے اور یہیں وصال فرمایا۔ آپ کوفہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

[2] یعنی وہ اسباب جو اللہ تعالےٰ کی رحمت اور اس کے نزول کا ذریعہ بنیں۔

۵۳ عزائم یعنی وہ خصلتیں اور اعمال جو تیری بخشش کا موجب ہیں اور مغفرت کے حصول کی تاکید و توثیق کریں۔ عزم کا معنیٰ ہے کسی فعل کا قصد وارادہ اور دل کا پختہ ارادہ۔

۵۴ یعنی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے ہر نقصان دہ چیز سے بچا کر رکھ۔ غنیمت اصل میں اس مال کو کہتے ہیں جو کفار سے جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔

۵۵ یعنی علماء و اسماء الرجال نے کہا ہے کہ اس حدیث کے اسناد میں کلام ہے۔

صَلٰوۃُ التَّسْبِیْحِ

نماز تسبیح کا بیان

۱۲۵۲ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِیْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اُخْبِرُكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ قَدِیْمَهٗ وَحَدِیْثَهٗ خَطَاَهٗ وَعَمَدَهٗ صَغِیْرَهٗ وَكَبِیْرَهٗ وَسِرَّهٗ وَعَلَانِیَتَهٗ اَنْ تُصَلِّیَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَأُ فِیْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتٰبِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِیْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن المطلب سے فرمایا اے عباس۔ اے چچا کیا میں تجھے کچھ نہ دوں کچھ عطا نہ کروں۔ کچھ نہ بتاؤں۔ کیا تمہارے ساتھ دس بھلائیاں نہ کروں[1]۔ جب تو وہ کرلے۔ تو اللہ تعالیٰ تیرے اگلے پچھلے نئے پرانے دانستہ نادانستہ چھوٹے بڑے۔ چھپے اور ظاہر سب گناہ معاف کردے تم چار رکعتیں پڑھو۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھو۔ جب تم پہلی رکعت میں قرارت سے فارغ ہو تو کھڑے ہوئے پندرہ بار کہو۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر[2]۔ پھر رکوع کرو تو رکوع میں دس بار یہ کہہ لو[3] پھر رکوع سے سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو[4]۔ پھر سجدہ میں جاؤ تو دس بار

وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَ اَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ سَاجِدًا فَتَقُوْلُهَا وَ اَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ السُّجُوْدِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا فَذَالِكَ خَمْسٌ وَ سَبْعُوْنَ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فِيْ اَرْبَعِ رَكَعَاتٍ اِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تُصَلِّيَهَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ شَهْرٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَفِيْ عُمْرِكَ مَرَّةً۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ وَ رَوَى التِّرْمِذِيُّ عَنْ اَبِيْ رَافِعٍ نَحْوَهٗ۔

سجدہ میں کہہ لو۔ پھر سجدے سے اپنا سر اٹھاؤ تو دس بار کہہ لو۔ یہ ایک رکعت میں پچھتر بار ہوئے۔ ایسا ہی چار رکعتوں میں کرو[۵]۔ اگر ہو سکے تو ہر دن میں یہ نماز ایک بار پڑھو۔ اگر نہ کر سکو تو ہر ہفتہ میں ایک بار۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر ماہ میں ایک بار اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر سال میں ایک بار اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر میں ایک بار[۶]

(ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

(بیہقی دعوات کبیر)

اور ترمذی نے ابورافع سے اس کی مثل روایت کیا

⁂

---

[۵] یعنی ایسی دس خصلتیں جو دس طرح کے گناہوں کو مٹادیں۔ جن کا اول و آخر یہاں بیان ہو رہا ہے۔ اسی وجہ کے مطابق دس خصلتوں سے مراد دس قسم کے گنے ہوئے گناہ ہیں۔ بعض نے کہا دس خصال سے تسبیحات مرادہیں۔ یہ دس تسبیحات غیر حالت قیام میں دس دس بار ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب عمل الیوم واللیلۃ میں فرماتے ہیں کہ ان چار رکعت میں الہاکم التکاثر، والعصر، الکافرون اور سورۃ اخلاص پڑھے۔

٢ه ایک اور روایت میں ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کا اضافہ بھی آیا ہے۔

٣ه یعنی رکوع کی تسبیح کے بعد۔

٤ه یعنی سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا لک الحمد کے بعد۔

٥ه اس نماز کے تشہد میں التحیات کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعا آئی ہے۔ اللھم انی اسالک توفیق اھل الھدی۔ واعمال اھل الیقین۔ ومناصحۃ اھل التوبۃ وعزم اھل الصبر۔ وجد اھل الخشیۃ وطلب اھل الرغبۃ۔ وتعبد اھل الورع۔ وعرفان اھل العلم حتی القاک۔ اللھم انی اسألک مخافۃ تحجزنی عن معاصیک حتی اعمل بطاعتک عملا استحق بہ رضاک وحتی اناصحک بالتوبۃ خوفا منک۔ وحتی اخلص لک النصیحۃ حیاءً منک وحتی اتوکل علیک فی الامور وحسن ظن بک سبحان خالق النور۔

اے اللہ میں تجھ سے اہل ہدایت جیسی توفیق۔ اہل یقین جیسے اعمال۔ اہل توبہ جیسا خلوص۔ اہل صبر جیسا عزم وحوصلہ اہل خشیت جیسی کوشش۔ اہل رغبت جیسی طلب۔ اہل ورع جیسی عبادت اور اہل علم جیسا عرفان مانگتا ہوں۔ یہاں تک کہ مجھے تیری ملاقات نصیب ہو جائے اور میں تجھ سے ایسا ڈر اور خوف مانگتا ہوں۔ جو مجھے تیری نافرمانیوں سے روک دے۔ یہاں تک کہ میں تیری طاعت میں ایسا عمل کروں کہ تیری رضا کا مستحق ہو جاؤں اور یہاں تک کہ تیرے خوف سے میں سچی توبہ کر لوں۔ اور یہاں تک میں تیری حیا سے تیری خیر خواہی میں مخلص بن جاؤں اور یہاں تک کہ میں جملہ امور میں تیری ذات پر بھروسہ کروں۔ اور تیری ذات کے بارے میں حسن ظن قائم ہو جائے۔ اے پاک ذات اے نور اور روشنی کو پیدا کرنے والے۔

٦ه واضح ہو کہ نماز تسبیح میں مشہور و معمول طریقہ یہی ہے جو مذکور ہوا۔ ترمذی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ثنا کے بعد اور اعوذ باللہ و بسم اللہ کے سے پہلے پندرہ بار اور پھر آخر ارکان تک قرات کے بعد دس بار آیا ہے اور دو سجدوں کے بعد تسبیح نہیں ہے۔ پھر پڑھنے والے کو اختیار ہے کہ یہ نماز دو رکعت کر کے دو سلام سے پڑھے۔ یا ایک ہی سلام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھ لے۔ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مذہب کے موافق ایک سلام سے پڑھے۔

یہ بھی واضح رہے کہ نماز تسبیح کی حدیث کو جامع الاصول میں ابوداؤد اور ترمذی سے لائے اور ایک روایت میں اس کی انتہا ایک سال بیان کی تمام عمر میں ایک بار کا ذکر نہ کیا۔ مولف علیہ الرحمۃ (صاحب مشکوۃ) ابن ماجہ اور بیہقی کی حدیث سے لائے اور حصن حصین میں ابوداؤد، ابن ماجہ، مستدرک حاکم اور صحیح ابن حبان کے اشارے سے لائے۔ بعض محدثین کو اس حدیث میں کلام ہے اور امام جوزی نے جو حدیث کو موضوع قرار دینے میں بڑے جلد باز لوگوں میں سے ہیں، اس حدیث کو موضوع شمار کیا۔ تاہم اہل تحقیق کے نزدیک ابن جوزی کا بیان مردود ہے کہ بہت سے علمائے محدثین نے اس حدیث کو

صحیح قرار دیا ہے اور یہ نماز تابعین سلف صالحین اور ان کے بعد کے لوگوں میں آج تک معمول و مشہور چلی آ رہی ہے۔ مشائخ طریقت نے یہ نماز پڑھنے کی وصیت و تاکید کی ہے۔ شیخ ابن رحمۃ اللہ نے اس کی تقویت اور اثبات میں مبالغہ سے کام لیا۔ اس بارے میں مکمل بحث و تحقیق شرح (عربی) میں مذکور ہے۔ یہاں اس حد تک ہی کافی ہے اور اللہ ہی توفیق عطا کرنے والا ہے۔

۱۲۵۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا یُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مِنْ عَمَلِهٖ صَلٰوتُهٗ فَاِنْ صَلُحَتْ فَقَدْ اَفْلَحَ وَاَنْجَحَ وَاِنْ فَسَدَتْ فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ فَاِنِ انْتَقَصَ مِنْ فَرِیْضَتِهٖ شَیْءٌ قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اُنْظُرُوْا هَلْ لِعَبْدِیْ مِنْ تَطَوُّعٍ فَیُکَمَّلُ بِهَا مَا انْتَقَصَ مِنَ الْفَرِیْضَةِ ثُمَّ یَکُوْنُ سَائِرُ عَمَلِهٖ عَلٰی ذٰلِكَ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ بندے کے عمل سے سب سے اول جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر نماز ٹھیک ہو گئی تو بندہ کامیاب ہو گیا اور نجات پا گیا[1] اور اگر نماز بگڑ گئی تو محروم رہ گیا اور نقصان میں پڑ گیا۔ اگر بندے کے فرضوں میں کمی[2] ہو گی تو رب تعالےٰ فرمائے گا دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل ہیں۔ ان سے فرض کی کمی پوری کر دی جائے۔ پھر بقیہ اعمال[3] اسی طرح پر ہوں گے۔

❖

وَفِیْ رِوَایَةٍ ثُمَّ الزَّکٰوةُ مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ تُؤْخَذُ الْاَعْمَالُ عَلٰی حَسْبِ ذٰلِكَ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ رَجُلٍ

اور ایک روایت ہے کہ پھر زکوۃ[4] اسی طرح ہے۔ پھر دوسرے اعمال اسی طرح کیے جائیں گے۔ ابوداؤد نے احمد نے ایک مرد سے روایت کی[5]

[1] اور اس کی حاجت پوری ہو گئی۔

[2] یعنی نماز کی سنتوں اور مستحبات میں کمی واقع ہو گی۔

[3] یعنی زکوٰۃ اور روزے وغیرہ کہ فرائض مکمل کرنے والی چیزوں میں کمی نکلے گی تو اس کمی کو نوافل سے مکمل کیا جائے گا۔

[4] اس روایت میں نماز کے بعد زکوۃ کا ذکر صراحۃ موجود ہے۔ اس کے بعد دوسرے اعمال کا ذکر علی العموم کر دیا۔

[5] یعنی امام احمد نے صحابہ میں سے غیر معین شخص سے روایت کی۔ حضرت ابوہریرہ کی طرح خاص راوی کا نام نہ لیا۔

۱۲۵۴/۹ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا اَذِنَ اللّٰهُ لِعَبْدٍ فِیْ شَیْءٍ اَفْضَلَ مِنْ رَکْعَتَیْنِ یُصَلِّیْهِمَا وَاِنَّ الْبِرَّ لَیُذَرُّ عَلٰی رَاْسِ الْعَبْدِ مَا دَامَ فِیْ صَلٰوتِهٖ وَمَا تَقَرَّبَ الْعِبَادُ اِلَی اللّٰهِ بِمِثْلِ مَا خَرَجَ مِنْهُ یَعْنِی الْقُرْاٰنَ۔

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو دو رکعتوں سے جنہیں وہ ادا کرے زیادہ تاکیدی حکم کسی چیز کا نہ دیا[1]۔ اور جب تک بندہ نماز میں رہتا ہے بھلائی اس کے سر پر نثار[2] ہوتی رہتی ہے اور بندے رب کی طرف کسی چیز سے اتنا قرب حاصل نہیں کرتے جتنا اپنے منہ سے ادا کیے ہوئے سے۔ یعنی قرآن پاک[3]

(احمد۔ ترمذی)

[1] حدیث میں لفظ اَذِنَ آیا ہے اسکا ایک معنی تو وہ ہے جو ترجمہ میں مذکور ہوا۔ دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کسی چیز کی طرف اس قدر کان نہیں لگاتا یا کسی پر اس قدر عنایت و مہربانی نہیں فرماتا کسی بھی عمل پر جتنا کہ دو رکعت نماز پڑھنے میں۔ کیونکہ یہ فاضل تر عمل ہے۔ یعنی نماز تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا لطف و عنایت و رحمت دوسرے اعمال کرنے والوں کی نسبت نمازی کے زیادہ شامل حال ہوتا ہے۔ کان لگانے اور سننے اور توجہ مبذول کرنے کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ نماز میں فاضل ترین رکن وذکر قرآن ہے۔ اگرچہ نماز میں اور بھی افعال واذکار ہیں۔

[2] بعض نے لیذر کے بجائے لیدر دال مہملہ سے پڑھا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے پانی یا دودھ یا اور کوئی چیز بہانا اگرچہ یہ معاذ ا بھی درست ہیں مگر ان کا تعلق بہنے والی چیزوں سے ہے۔ جیسے مذکورہ اشیاء اور یہ معنی مناسبت مقام سے دور ہے۔ اس لیے علماء نے کہا یہ (دال کے ساتھ) کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح اور درست ذال سے ہے۔

[3] یعنی اس چیز سے جو حق سبحانہ سے خارج ہوئی ہے یعنی قرآن اور قرآن کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے باہر آنا یا علم کے اعتبار سے ہے۔ یا لوح محفوظ سے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بندے سے باہر نکلنے والی اور اس کی زبان پر جاری ہونے والی چیز مراد ہو یعنی قرآن پاک کی قرات اور اس کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والی قرآن پاک کی کتابت۔ اس میں دوسرے اعمال کی نسبت نماز کے افضل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بَابُ صَلٰوةِ السَّفَرِ

نماز سفر کا باب

واضح ہو کہ آئمہ دین اور علمائے امت کے درمیان مسافر کے لیے نماز قصر میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن احناف کے نزدیک قصر کرنا واجب ہے۔ وقت کی نماز مسافر پر دو رکعتیں فرض ہیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ قصر بھی عزیمت ہے اگرچہ اس پر مجازاً رخصت کا اطلاق بھی کر دیا جاتا ہے۔ اگر مسافر چار رکعت پڑھے گا تو درست نہ ہوگا مگر اس صورت میں جب کہ دو رکعت پر قعدہ میں بیٹھے کر یہ درحقیقت اس کا آخری قعدہ ہوگا۔ اگرچہ دو رکعت پر سلام نہ پھیرنے کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ اور امام مالک کا مذہب جیسا کہ ابن ابی زید کے رسالہ سے جو انہوں نے اپنے مذہب مالکی میں لکھا ہے، سے مفہوم ہوتا ہے وہ بھی احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ اور بعض شروح سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کا مذہب امام شافعی اور امام احمد کے مذہب کے موافق ہے کہ قصر رخصت و اجازت ہے اور مسافر نمازی کو قصر کرنے اور پوری پڑھنے کا اختیار ہے۔ اور اصل فرض چار رکعت ہی ہیں۔ اور ایسی ہرگز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت مروی نہیں کہ آپ نے سفر کے دوران چار رکعت پوری پڑھی ہوں نہ ہی خلفائے اربعہ سے ماسوائے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ایسا مروی ہے۔ صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانہ خلافت کے چند سال گزرنے کے بعد منیٰ میں چار رکعت پڑھیں۔ ان کے اس فعل کی بہت سی تاویلات اور معانی ہیں۔ اس بارے میں مفصل کلام اور طرفین کے دلائل طویل ہیں ہم نے شرح میں انہیں بیان کر دیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۵۵ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الظُّهْرَ بِالْمَدِيْنَةِ اَرْبَعًا وَّ صَلَّى الْعَصْرَ بِذِى الْحُلَيْفَةِ رَكْعَتَيْنِ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر کی چار رکعت (فرض) پڑھیں پھر ذوالحلیفہ[1] میں پہنچ کر عصر کی دو رکعت پڑھیں۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی عصر کی نماز ذوالحلیفہ میں دو رکعت پڑھیں۔ ذوالحُلَیْفَہ حا کی پیش۔ لام کی زبر یا ساکن اس کے بعد فا۔

یہ ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ طیبہ سے پانچ یا چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ واقعہ اس وقت سے تعلق رکھتا ہے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حج کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے ظہر کی نماز مدینہ طیبہ میں ادا فرمائی اور مدینہ پاک سے باہر نکلے جب اس جگہ پہنچے (ذوالحلیفہ) جو اہل مدینہ کی میقات (جائے احرام) ہے تو آپ کی حیثیت مسافر کی ہو چکی تھی۔ اس لیے یہاں آپ نے عصر کے دو فرض قصر کر کے پڑھے اور احرام باندھا اور مکہ معظمہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

۱۲۵۶ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ صَلَّى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ اَكْثَرُ مَا كُنَّا قَطُّ وَاٰمَنُهُ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت حارثہ[1] بن وہب الخزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں منیٰ میں نماز پڑھائی۔ حالانکہ ہم لوگ اس سے پہلے تعداد میں کبھی بھی اتنے زیادہ نہ تھے اور نہ اس سے بڑھ کر کبھی امن میں ہو سکے[2]۔

(بخاری و مسلم)

[1] حارثہ حا اور ثا سے۔ وہب واو کی زبر اور ہا ساکن۔ خزاعی خا کی پیش اس کے بعد زا۔ ماں کی طرف سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ آپ کو صحابیت کا شرف حاصل ہے۔ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

[2] یعنی ہم کثرت تعداد میں اس موقعہ سے زیادہ کبھی نہ ہوئے اور ہم منیٰ میں کفار کے فتنہ و فساد سے بہت ہی امن و سلامتی میں تھے۔ ہم نے اس حالت میں منیٰ کے اندر دو رکعت فرض قصر کر کے پڑھے۔ لفظ آمنہ تینوں پہلے حرفوں کی زبر سے لفظ آمن کی جمع کی شکل میں بھی مروی ہے جیسے طَلَبَۃ طالب کی جمع ہے۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ اس دن صحابہ کی تعداد حد و شمار سے باہر تھی۔ صحابی نے یہ بات اس لیے کہی تاکہ واضح ہو جائے کہ قصر نماز خوف و فتنہ کفار پر موقوف نہیں۔ جیسا کہ قرآن کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے۔ آئندہ حدیث میں بھی یہ بات صریحاً آ رہی ہے۔

۱۲۵۷ وَعَنْ يَعْلَى بْنِ اُمَيَّةَ قَالَ قُلْتُ لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اِنَّمَا قَالَ اللّٰهُ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَقَدْ اَمِنَ النَّاسُ قَالَ عُمَرُ عَجِبْتُ مِمَّا عَجِبْتَ مِنْهُ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت یعلیٰ[1] بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے کہا اللہ تعالیٰ نے تو یوں فرمایا ہے کہ قصر کر کے نماز اس وقت پڑھو جب تمہیں خطرہ ہو کہ کفار فتنہ پیدا کریں گے۔ آجکل تو لوگ امن و امانیت میں ہیں[2]۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ مجھے بھی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) اس بات سے تعجب ہوا تھا جس سے تجھے تعجب ہوا ہے

فَقَالَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَاقْبَلُوْا صَدَقَتَهٗ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ نے جواب میں فرمایا نماز کی قصر کرنا اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تم پر کیا ہے تو تم لوگ اس کا صدقہ قبول کرو۔ ۳؎

۱؎ یعلیٰ یا کی زبر اور عین ساکن۔ اُمَیَّہ ہمزہ کی پیش، میم کا زبر اور یا مشدد۔ آپ صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ غزوہ حنین، طائف اور تبوک میں شامل ہوئے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے نجران کے عامل تھے۔ جنگ صفین میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شہید ہوئے۔

۲؎ یعنی اس سفر میں ہم امن میں ہیں تو قصر کس لیے کریں۔

۳؎ اور اس کا احسان ہے تو تمہیں چاہیے کہ خدا تعالےٰ کے صدقہ اور احسان کو قبول کرو اور جب کہ اللہ تعالےٰ نے تمہارے لیے آسانی اور تخفیف کی ہے تو تمہارا اپنے اوپر سختی کرنا جرأت و گستاخی کا موجب ہے۔ جو مقام عبودیت کے مناسب نہیں۔ یہ حدیث وجوب قصر کے لیے حنفیہ کی دلیل ہے۔ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے سفر کے دوران روزہ کی فرضیت ساقط کر دی ہے۔ اور افطار کی آسانی مہیا کی۔ وہاں حالت سفر میں روزہ رکھنے کو کیوں جائز قرار دیتے ہو۔ اور اسے عزیمت شمار کرتے اور روزہ نہ رکھنے کو محض رخصت سمجھتے ہو اور جس طرح سفر میں چار رکعت فرض پڑھنا جرأت کرنا اور اپنے اوپر سختی کرنے کے مترادف ہے۔ سفر کے دوران روزہ رکھنے کی بھی تو یہی کیفیت و حالت ہے۔ اس لیے واضح کیا جائے کہ مسافر کے لیے نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں کیا فرق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح سفر میں روزہ نہ رکھنے میں آسانی ہے۔ رمضان شریف میں بحالت سفر دوسرے مسلمانوں کے ساتھ موافقت و مطابقت کے اعتبار سے بھی آسانی ہے۔ اس کے برعکس رمضان گزرنے کے بعد اس موافقت کے موجود نہ ہونے اور اکیلے روزہ رکھنے میں بڑی دقت اور دشواری ہے مگر نماز میں آسانی قصر کرنے میں ہی ہے۔ اسے سمجھو۔ باقی اللہ تعالیٰ نے آیت **ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا** (اگر کافروں کے تمہیں فتنہ و فساد میں مبتلا کرنے کا خوف لاحق ہو) میں اس خوف و ڈر کی قید جو لگائی ہے تو یہ عادت اور خطرہ کے اوقات کے اعتبار سے ہے۔ کہ مسافر کے حال کو پیش نظر رکھتے ہوئے غالب و اکثر یہی ہے کہ دشمن کا خوف و ڈر لاحق رہتا ہے خصوصًا نزول قرآن کے زمانہ میں کہ کفار ہر وقت مسلمانوں کو ایذا پہنچانے اور انہیں ہلاک کرنے کے درپے رہتے تھے۔

١٢٥٥ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ اِلٰى مَكَّةَ فَكَانَ يُصَلِّىْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہو گئے تو آپ سفر کی وجہ سے دو دو رکعت پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم لوگ مدینہ

حَتّٰى رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ قِيْلَ لَهٗ اَقَمْتُمْ بِمَكَّةَ شَيْئًا قَالَ اَقَمْنَا بِهَا عَشْرًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

طیبہ واپس پہنچے۔ حضرت انس سے کہا گیا کہ کیا تم نے مکہ میں کچھ دن قیام کیا۔ فرمایا ہم نے مکہ میں دس دن قیام کیا[1]

(بخاری و مسلم)

[1] یہ حجۃ الوداع کے سفر کی بات ہے۔

[2] کیونکہ آپ مکہ معظمہ میں ذوالحجۃ کی چار کی صبح کو پہنچے تھے اور چودہ ذوالحجۃ کو مکہ سے مدینہ واپس لوٹ پڑے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ کسی جگہ دس دن قیام کرنے سے مسافر مقیم شمار نہیں ہوتا اور قصر کرنے کے بجائے پورے چار فرض نہیں پڑھ سکتا۔

۲۵۹/۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَافَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَفَرًا فَاَقَامَ تِسْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَنَحْنُ نُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَكَّةَ تِسْعَةَ عَشَرَ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ فَاِذَا اَقَمْنَا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ صَلَّيْنَا اَرْبَعًا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر کیا جس میں آپ نے انیس دن قیام فرمایا۔ اس مدت قیام میں بھی آپ دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں تو ہم لوگ اپنے اور مکہ کے درمیان انیس دن تک دو دو رکعت ہی پڑھتے رہتے[1] اور جب ہم اس سے زیادہ دن قیام کرتے تو پھر دوگانہ کے بجائے پوری چار رکعت پڑھتے تھے۔[2]

(بخاری)

[1] یعنی ہم لوگ اتنے فاصلے اور مسافت کے درمیان جو ہمارے (مدینہ منورہ) اور مکہ معظمہ کے درمیان واقع ہے دو دو رکعت ہی پڑھتے تھے یعنی ہم لوگ جب مدینہ اور مکہ کے درمیان کسی منزل میں انیس دن تک ٹھہرتے تو نماز قصر پڑھتے۔ دراصل اس بات کا تعلق غزوہ فتح مکہ سے ہے یا یہ مراد ہے کہ جب ہم لوگ کوئی لمبا سفر کرتے جیسا کہ ہمارے اور مکہ کے درمیان ہے صرف مکہ اور مدینہ کا درمیانی سفر مراد نہیں ہے۔

[2] واضح ہو کہ احناف کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی مسافر کسی جگہ پندرہ یا اس سے زیادہ دن قیام کرنے کی نیت کرے تو پھر اس کے لیے پوری نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اور اگر پندرہ دن سے کم وقفہ ٹھہرنے کی نیت ہو تو پھر دوگانہ پڑھے گا اور اگر مہینہ و سال کی نیت کے بغیر کسی جگہ قیام کیا تو اس صورت میں دوگانہ ہی پڑھے گا۔ یہ اندازہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ امام طحاوی نے اسے روایت کیا۔ اور امام محمد نے بھی اسے کتاب الآثار میں نقل

کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے آذربائیجان میں چھ ماہ قیام فرمایا۔ ہر دن یہی خیال تھا کہ آج واپس چل پڑتے یا کل چل پڑتے ہیں۔ اسی حالت میں آپ چھ ماہ مسافر والی نماز قصر پڑھتے رہے۔ آپ کے ساتھ اور بھی صحابہؓ کرام تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی شام میں عبد الملک بن مروان کے پاس دو ماہ قیام فرمایا مگر اس دوران آپ نماز قصر پڑھتے تھے۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر اقامت کی نیت سے کسی جگہ چار یا چار سے زیادہ دن ٹھہرے گا تو مقیم سمجھا جائے گا اور قصر کے بجائے اسے پوری نماز پڑھنا ہوگی اور اگر اقامت کی نیت کے بغیر اس خیال میں کہ آج چلتا ہوں اٹھارہ دن قیام کرے تو پوری نماز پڑھے گا اسے قصر کی اجازت نہیں۔ شافعی حضرات چار دن کا تعین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے کرتے ہیں۔ اور احناف پندرہ دن کا تعین مدت طہر پر (کہ اس کی مدت پندرہ دن ہے) قیاس کرکے کرتے ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ معظمہ میں دس دن کے قیام کے دوران قصر پڑھنا بھی شوافع کے اس تعین واندازے کی نفی کو مستلزم ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس دن کی نیت سے مکہ میں قیام پذیر رہے کہ آپ حج کے لیے تشریف لائے تھے اور مناسک حج تیرہ تاریخ تک ہوتے ہیں۔ اور انیس دن کا اندازہ اس کے منافی ہے جو حضرت ابن عمر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا گیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو کتاب میں مذکور ہے وہ بھی اٹھارہ دن کے اندازے کے منافی نہ ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ شاید اترنے اور کوچ کرنے کے دن کو بھی اس میں شامل کرکے انیس دن کہہ دیے ہوں۔ مگر یہ بعید بات ہے۔ واللہ اعلم۔ بعض روایات میں اٹھارہ دن کا اور ایک روایت میں سترہ دن اور ایک میں پندرہ دن بھی آیا ہے۔ ان میں مطابقت کی وجہ شرح (عربی) میں بیان کر دی گئی ہے۔

۱۲۶۰/۹ وَعَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي طَرِيْقِ مَكَّةَ فَصَلّٰى لَنَا الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ جَآءَ رَحْلَهٗ وَجَلَسَ فَرَاٰى نَاسًا قِيَامًا فَقَالَ مَا يَصْنَعُ هٰؤُلَآءِ قُلْتُ يُسَبِّحُوْنَ قَالَ لَوْ كُنْتُ مُسَبِّحًا اَتْمَمْتُ صَلٰوتِيْ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ لَا يَزِيْدُ فِي

حضرت حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سفر مکہ میں تھا آپ نے ہمیں دو رکعت پڑھائیں پھر آپ اپنے سامان اور جائے رہائش میں تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو آپ نے کچھ لوگوں کو کھڑے دیکھا۔ فرمایا یہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ میں نے کہا یہ نفل پڑھ رہے ہیں لہ فرمایا اگر میں نے نفل پڑھنے ہوتے تو میں اپنی نماز (فرض) پوری پڑھتا۔ سے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں۔ آپ سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے

السَّفَرِ عَلٰى رَكْعَتَيْنِ وَ اَبَا بَكْرٍ وَّ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ كَذٰلِكَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تھے ف۳ اور میں حضرت ابوبکر حضرت عمر حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی رہا ہوں وہ ایسا ف۴ ہی کرتے تھے ف۵

(بخاری و مسلم)

ف۱ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ لوگ سنت مؤکدہ وغیرہ پڑھ رہے ہوں۔

ف۲ یعنی اگر یہ نفل پڑھنے کا موقعہ ہوتا تو پھر فرض نماز کو کامل کرنا زیادہ اہم اور بہتر ہوتا۔ اور جب کہ فرض نماز کے لیے قصر کرنے کا حکم ہے تو نوافل چھوڑ دینا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ نوافل کی نسبت فرض نماز کی تکمیل بہتر ہے۔

ف۳ یعنی آپ نفل نہ پڑھتے تھے۔

ف۴ یعنی یہ حضرات بھی دو رکعت نماز قصر سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔

ف۵ واضح ہو کہ یہ حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سفر کے دوران نوافل پڑھنے سے انکار اور رد کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ عدم انکار و منع بھی آپ سے مروی ہے۔ جیسا کہ فصل ثالث کے آخر میں آ رہا ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے کو نفل پڑھتے ہوئے دیکھا تو انکار نہ کیا۔ اور جمہور صحابہ اور ان کے بعد کے علما نوافل کے جواز کے قائل ہیں۔ بعض نے کہا مطلقاً نوافل پڑھنے کے استحباب پر سب کا اتفاق ہے۔ البتہ مؤکدہ سنتوں کے پڑھنے میں اختلاف ہے جو حضرات مؤکدہ سنتیں پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں وہ نوافل مطلقہ پر قیاس کرتے ہیں۔ بعض نے حالت سفر و حالت نزول و قیام میں فرق کیا ہے اور بعض نے نماز سے پہلے اور اس کے بعد میں فرق کیا ہے۔ وہ فرق یہ کیا ہے کہ نماز سے پہلے کی سنتیں نماز سے الگ ہیں۔ انہیں نہ پڑھا جائے تاکہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ یہ بھی فرائض میں سے ہیں۔ پس بحالت سفر مؤکدہ سنتیں تاکید سے خارج ہو جاتی ہیں۔ بخلاف ان سنتوں کے جو فرض نماز کے بعد ہیں کہ وہ فرض کے ساتھ صورۃً و معنیً متصل ہیں۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن مؤکدہ سنتیں اور نماز چاشت پڑھی تھی۔ طیبی نے کہا شاید حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتیں اپنے سامان اور اپنی جائے رہائش میں پڑھی تھیں۔ اور ابن عمر نے آپ کو پڑھتے ہوئے نہ دیکھا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے کسی وقت نہ بھی پڑھی ہوں۔ تعلیم جواز کے لیے۔ واللہ اعلم۔ تو گویا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول لا یزید فی السفر (آپ سفر میں زیادہ نہ پڑھتے تھے) سے مراد غالب حالات کا بیان ہو۔ اور حنفیہ رحمہم اللہ تعالٰی سے سنتوں میں تین قول ہیں اول یہ کہ سنتیں پوری پڑھی جائیں۔ دوسرا یہ کہ انہیں بھی قصر کر کے پڑھا جائے۔ تیسرا یہ کہ نہ پڑھی جائیں۔ قول اول پسندیدہ اور مختار قول ہے

۱۲۶۱ وَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَ الْعَصْرِ اِذَا كَانَ عَلٰى ظَهْرِ سَيْرٍ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز ظہر اور عصر سفر کے دوران اکٹھی کر کے پڑھتے تھے اسی طرح نماز مغرب و عشا کو بھی جمع کر کے

وَيَجْمَعُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

پڑھتے تھے[1]

(بخاری)

[1] یعنی سفر میں۔ یا حالت سفر مراد ہے نہ کہ نزول وقیام کی حالت۔ اور یہ قول کہ آپ جمع کرتے تھے، تقدیم وتاخیر دونوں کو شامل ہے۔ جمع تقدیم کا مطلب یہ ہے کہ آپ نماز عصر کو ظہر کے وقت میں پڑھ لیتے تھے اور نماز عشاء کو مغرب کے وقت میں اور جمع تاخیر یہ کہ آپ ظہر کو عصر کے وقت میں اور مغرب کو عشاء کے وقت میں پڑھتے تھے جیسا کہ آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔

۱۳۶۲/۸ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ يُوْمِئُ إِيْمَاءً صَلٰوةَ اللَّيْلِ إِلَّا الْفَرَائِضَ وَيُوْتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی حالت میں سواری پر نماز پڑھتے تھے۔ سواری کا رخ جدھر بھی ہوتا[1]۔ اشارے کے ساتھ۔ ایسا آپ رات کی نمازیں کرتے تھے۔ تمام نمازیں اسی طرح پڑھ لیتے تھے۔ سوائے فرائض کے۔ وتر بھی اپنی سواری پر پڑھتے تھے[2]

(بخاری ومسلم)

[1] لیکن تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ کی طرف رخ کر لیتے تھے۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔

[2] اس حدیث میں دو حکم مذکور ہیں ایک یہ کہ سواری پر نماز نفل نماز کے ساتھ خاص ہے اور نفل کا لفظ سنت موکدہ اور نماز تہجد کو بھی شامل ہے۔ اس حدیث میں رات کی نماز کی تخصیص کا ذکر ہے۔ مگر دوسری احادیث میں عام ہے۔ ترجمہ میں اس تعمیم کی جانب اشارہ کر دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ سے یہ مروی ہے کہ سنت فجر کے لیے سواری سے نیچے اترنا مستحب ہے اور ایک روایت میں اترنا واجب ہے۔ اسی وجہ سے بلا عذر سنت فجر بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں۔ فرض نمازیں بھی سواری پر پڑھنا درست نہیں۔ مگر عذر کی وجہ سے۔ جیسے جنگل میں کہ وہاں جان ومال کی ہلاکت اور چور یا درندہ یا قافلہ سے دور رہ جانے یا راستہ بھول جانے کا اندیشہ ہو۔ یا سواری سرکش ہو کر نیچے اترنے کے بعد پھر اس پر سوار ہونا دشوار ہو۔ یا نمازی اتنا کمزور اور بوڑھا ہو کر پھر سوار نہ ہو سکتا ہو اور پاس کوئی ایسا آدمی بھی نہ ہو جو اسے سوار کرے یا اس جنگل میں سبزہ اس قدر ہو کہ اس پر نماز پڑھنا ناممکن ہو۔ اور بارش کے عذر سے بھی فرض نماز سواری پر پڑھنا جائز ہے اور یہ بات طے شدہ ہے کہ ضروریات قواعد شرع سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔ جیسا کہ شروح ہدایہ میں مذکور ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنے مؤطا میں صحابہ وتابعین سے بہت سے آثار لائے ہیں کہ وہ حضرات وتر کے لیے سواری سے اتر آتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا مروی ہے۔ شمنی رحمۃ اللہ نے کہا کہ نماز جنازہ، نذر مانی ہوئی نماز اور سجدہ تلاوت جس کی آیت زمین پر بیٹھے

ہوئے پڑھی سواری پر جائز نہیں۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ سواری کے اوپر نماز صرف حالت سفر میں جائز ہے۔ جمہور آئمہ دین کا یہی مذہب ہے۔ امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت کے مطابق ایسا ہی ہے مگر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف یہ شرط ہے کہ نمازی شہر سے باہر جا رہا ہو۔ مسافر ہو یا نہ ہو۔ اگر شہر کے اندر ہے تو پھر جائز نہیں کہ نفل نماز بھی سواری پر پڑھے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے مگر مکروہ ہے۔ امام ابو یوسف نے کہا مکروہ بھی نہیں۔ اس کے بعد اس میں بھی اختلاف ہے کہ شہر سے باہر کتنی مسافت تک جانا چاہتا ہے۔ بعض نے دو فرسخ (موجودہ دور کے قریباً دس کلو میٹر) بعض نے تین فرسخ کہا۔ بعض کے نزدیک صرف میل کی مسافت کافی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ شہر کے مکانات سے نکلنے کے بعد جائز ہے۔ جیسا کہ نماز قصر کا مسئلہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۲۶۳/۹ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کُلُّ ذٰلِکَ قَدْ فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَصَرَ الصَّلٰوۃَ وَ اَتَمَّ۔ (رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں طرح کیا ہے نماز قصر بھی پڑھی ہے اور پوری بھی پڑھی ہے۔[1] (شرح سنۃ)

[1] صاحب سفر السعادۃ نے کہا یہ حدیث درجہ صحت کو نہیں پہنچ سکی۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا کرنا کہیں بھی مذکور نہیں۔ دار قطنی نے بھی اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور وہ حضرت ابن عمر سے ایک دوسری حدیث لائے اور کہا یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۶۴/۱۰ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ شَهِدْتُ مَعَہُ الْفَتْحَ فَاَقَامَ بِمَکَّۃَ ثَمَانِیَ عَشْرَۃَ لَیْلَۃً لَا یُصَلِّیْ اِلَّا رَکْعَتَیْنِ یَقُوْلُ یَا اَهْلَ الْبَلَدِ صَلُّوْا اَرْبَعًا فَاِنَّا سَفْرٌ۔ (رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤدَ)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ میں گیا اور فتح مکہ کے دن آپ کی خدمت میں حاضر تھا آپ نے مکہ معظمہ میں اٹھارہ رات قیام کیا۔ اس دوران آپ نہ پڑھتے تھے مگر دو رکعت اور آپ اہل مکہ کو کہتے تھے اے شہر والو تم چار رکعت پڑھو کہ ہم لوگ تو مسافر ہیں[1] (ابو داؤد)

---

[1] یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مقیم جب مسافر کی اقتدا کرے تو چار رکعت پڑھے دو رکعت نہ پڑھے اور

اکن میں متابعت نہ کرے۔ لیکن جب مسافر مقیم کی اقتدا کرے تو اس کی متابعت کرتے ہوئے چار رکعت پڑھے۔ لفظ سفر سین کی زبر فا ساکن سے، مسافر کی جمع ہے۔ جیسے رکبؐ راکب کی جمع ہے۔ اصل میں لفظ ہے اور مسافر جو باب مفاعلہ سے ہے اس کا اطلاق اس بنا پر کرتے ہیں کہ سفر عموماً ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ہوتا ہے۔

۱۲۶۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔

وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي الْحَضَرِ الظُّهْرَ اَرْبَعًا وَّبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَصَلَّيْتُ مَعَهُ فِي السَّفَرِ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ وَلَمْ يُصَلِّ بَعْدَهَا شَيْئًا وَّالْمَغْرِبَ فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ سَوَآءً ثَلٰثَ رَكَعَاتٍ وَّلَا يَنْقُصُ فِي حَضَرٍ وَّلَا سَفَرٍ وَّهِيَ وِتْرُ النَّهَارِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں ظہر کی دو رکعت پڑھیں اس کے بعد دو رکعت مزید پڑھیں۔

اور ایک روایت میں ہے میں نے حضر میں ظہر کی چار رکعت فرض پڑھیں۔ اس کے بعد دو رکعتیں اور پڑھیں اور میں نے سفر میں آپکے ساتھ ظہر کی دو رکعتیں پڑھیں اس کے بعد دو رکعتیں بھی پڑھیں۔ اور میں نے آپ کے ساتھ عصر کی دو رکعتیں پڑھیں اور اس کے بعد آپ نے کچھ نہ پڑھا۔ اور مغرب کی نماز سفر اور گھر میں برابر ہے یعنی تین رکعتیں۔ سفر اور گھر میں ان میں کمی نہیں ہو سکتی[1] اور یہ دن کے وتر ہیں[2] مغرب کے تین فرض پڑھنے کے بعد دو رکعتیں ہیں۔[3] [4]

(ترمذی)

[1] لَا يَنْقُصُ یا کی زبر قاف کی پیش کے ساتھ محدثین نے اُسے صحیح قرار دیا ہے۔ غور کرو۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ قصر چار رکعت نماز کے ساتھ خاص ہے۔

[2] جس طرح وتر رات کے وتر ہیں۔ لہٰذا وتر دن کے بھی ہیں اور رات کے بھی ان اللّٰہ وتر یحب الوتر۔ اللہ وتر ہے وتر کو ہی پسند کرتا ہے۔

[3] نماز مغرب پر عشا کو قیاس کرتے ہوئے عشاء کا ذکر نہ فرمایا۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں بھی سنت موکدہ پڑھنے کا ذکر موجود ہے اور حفص بن عاصم کی حدیث جو

ابن عمر سے مروی ہے اس کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ ظاہراً غالب و اکثر یہ ہوتا تھا کہ آپ سنت نہ پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی پڑھ بھی لیتے تھے۔ گذشتہ حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جو لوگوں کو منع کیا اور رد کا تو وہ اس لیے تھا کہ وہ لوگ بڑے اہتمام اور کوشش کے ساتھ انہیں پڑھ رہے تھے۔ اس لیے ان کے فعل پر آپ نے اس کا انکار کیا۔ شرح سفر السعادۃ میں اس بارے میں زیادہ تفصیل سے گفتگو کر دی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۶۶/۱۴ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ إِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَزِيْغَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الظُّهْرَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعَصْرِ وَفِي الْمَغْرِبِ مِثْلَ ذٰلِكَ اِذَا غَابَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ اَنْ يَرْتَحِلَ جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ وَاِنِ ارْتَحَلَ قَبْلَ اَنْ تَغِيْبَ الشَّمْسُ اَخَّرَ الْمَغْرِبَ حَتّٰى يَنْزِلَ لِلْعِشَاءِ ثُمَّ يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک[1] میں تھے۔ وہاں سے روانگی سے پہلے جب سورج ڈھل جاتا تو آپ ظہر اور عصر ملا کر پڑھتے[2]۔ اور اگر روانگی سورج ڈھلنے سے پہلے ہوتی تو آپ نماز ظہر کو موخر کرتے یہاں تک کہ آپ عصر کے لیے نیچے اترتے[3]۔ نماز مغرب میں بھی ایسا ہی کرتے کہ اگر روانگی سے قبل سورج ڈوب جاتا تو مغرب و عشا ملا کر پڑھتے اور اگر غروب آفتاب سے پہلے روانہ ہو پڑتے تو نماز مغرب کو موخر کرتے یہاں تک کہ نماز عشا کے لیے نیچے اترتے اور دونوں ملا کر پڑھتے[3]

(ابوداؤد و ترمذی)

---

[1] جو آپ کا آخری غزوہ ہے۔

[2] اسے جمع تقدیم کہتے ہیں۔

[3] یہ جمع تاخیر ہے۔

واضح ہو کہ سفر میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے میں صحیح احادیث آئی ہیں۔ ان میں بعض مطلق ہیں۔ بعض چلنے کی حالت سے مقید ہیں۔ بعض چلنے میں کوشش کی حالت سے اور بعض سفر میں جلدی کرنے کے وقت سے مقید ہیں۔ اسی وجہ سے علماء میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض علماء تو مطلقاً ملا کر پڑھنے کے قائل ہیں۔ امام شافعی انہیں میں سے ہیں۔ بعض نے چلنے کی حالت کے ساتھ خاص کیا ہے۔ نزول اور اترنے کی حالت میں اس کے جواز کے قائل نہیں۔ بعض نے سفر کی کوشش و جلدی کی صورت سے

اسے خاص کیا ہے۔ فتح الباری میں کہا کہ امام مالک کا مشہور مذہب یہی ہے۔ صاحب سفر السعادۃ نے کہا سفر میں دو نمازیں ملا کر پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی عادت مبارکہ نہ تھی۔ بلکہ جب آپ کو سفر کی جلدی ہوتی تو ملا کر پڑھتے تھے تاہم کسی منزل میں اترنے اور قرار پذیر ہونے کی حالت میں ملا کر پڑھنا آپ سے بالکل مروی نہیں۔ بعض نے سفر کے ساتھ ساتھ کسی اور عذر کی موجودگی سے اس کی تخصیص کی ہے۔ بعض کے نزدیک جمع تاخیر جائز ہے جمع تقدیم جائز نہیں۔ یہ امام احمد سے مروی ہے۔ پھر ان کے نزدیک بھی یہ جواز سفر میں چل رہے ہونے کے ساتھ مقید ہے۔ مگر ان کا مشہور مذہب یہ ہے کہ ملا کر پڑھنا مطلق جائز ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا مطلق جائز نہیں۔ اور ہم خدا تعالٰے کی توفیق سے حضرت امام اعظم کے مذہب کے اثبات میں یوں کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا تعین ایک قطعی اور یقینی بات ہے۔ اور یہ یقین تواتر سے ثابت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہاں تک کہ علماء نے نماز کو اپنے صحیح وقت سے موخر کرنے کو کبیرہ گناہوں میں سے شمار کیا۔ امام محمد نے اپنے موطا میں کہا ہم تک تحقیقی طور پر یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اسلامی علاقوں کے حکام کی جانب لکھا اور انہیں ایک وقت میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے سے منع کیا اور انہیں صاف صاف کہا کہ ایک وقت میں دو نمازوں کو ملا کر پڑھنا کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے اور جب کہ تعیین اوقات نماز قطعی اور متواتر ہے تو پھر کوئی بھی خبر واحد اس کے معارض ومقابل نہیں لائی جا سکتی۔ بخلاف سفر کے دوران روزہ نہ رکھنے اور نماز قصر کرنے کے کہ یہ اجازت ورخصت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور امام بخاری ومسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے کسی نماز کو اس کے غیر وقت میں ادا کیا ہو۔ ماسوائے اس کے کہ آپ نے مزدلفہ میں مغرب وعشا کو ملا کر پڑھا اور یہ بھی تحقیق سے ثابت ہے کہ عرفات میں ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا جائے۔ یہ اجازت مناسک حج کی بنا پر ہے سفر کی وجہ سے نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملا کر پڑھنا دائمی طریقہ نہ تھا۔ بلکہ جو کچھ اس بارے میں آپ سے روایت کیا گیا اور واقع ہوا وہ صریح نہیں ماسوائے غزوہ تبوک کے۔ پھر اس غزوہ میں بھی دوام ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ تحقیق یہ ہے کہ لفظ کان دوام واستمرار پر دلالت نہیں کرتا۔ جیسا کہ ارباب فہم وتدبر سے پوشیدہ نہیں۔ اور جامع الاصول میں ابو داؤد سے ابن عمر کی حدیث نقل کی کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی سفر میں مغرب وعشاء کو ملا کر نہیں پڑھا ماسوائے ایک بار کے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ نقل کیا کہ انہوں نے کبھی بھی دو نمازیں کسی شب میں ملا کر نہ پڑھیں۔ ماسوائے ایک رات کے جس میں انہیں اپنی اہلیہ صفیہ بنت ابو عبید کی وفات کی اطلاع ملی۔ تو آپ گھر سے نکل کر اس کی طرف گئے اور دو نمازیں ملا کر پڑھیں۔ ایک روایت میں ہے آپ نے دو نمازیں ملا کر نہ پڑھیں مگر ایک بار یا دو بار۔ اور ترمذی کی حدیث میں لائے کہ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر سے پوچھا گیا کہ کیا حضرت عبداللہ ایک رات میں دو نمازیں ملا کر پڑھتے تھے۔ یعنی سفر کے دوران۔ فرمایا ایسا آپ نے ماسوائے مزدلفہ کے کبھی نہ کیا۔ اور جمع تقدیم میں صحاح ستہ میں بہت کم احادیث آئی ہیں۔ بخاری کی روایات اس بارے میں مختلف ہیں۔ اسی وجہ سے بہت سے آئمہ جمع تقدیم کو جائز قرار نہیں دیتے۔ وہ صرف جمع تاخیر کے قائل ہیں۔ وہ بھی بعض اوقات

کے اندر۔ احناف کے نزدیک اس کی بھی یہ تاویل ہے کہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے سے مراد یہ ہے کہ پہلی نماز کو موخر کیا جائے اور اس کے آخر وقت میں پڑھا جائے۔ اور بعد والی نماز کو جلدی اور اول وقت میں پڑھا جائے۔ بعض نے اس کا نام جمع صوری رکھا ہے۔ اور یہ صورت وظاہر میں جمع ہے۔ معنًا اور حقیقت میں جمع نہیں۔ جمع کا اطلاق اس طرح کی صورت پر ہے جیسے حنفیہ نے سفر کی حالت پر محمول کیا ہے۔ باب استحاضہ میں حضرت حمنہ بنت جحش کی حدیث میں آیا ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ اور حدیث کا لفظ بعض روایات میں اگرچہ اس طرح آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر و عصر کو ملایا اور عصر کے وقت میں پڑھا۔ تو اس روایت کے صحیح تسلیم کر لینے کی صورت میں مذکورہ دلائل کے پیش نظر یہ بھی جمع صوری پر محمول ہوگا۔ جامع الاصول میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی کہ جب آپ سفر میں ہوتے تو سورج ڈوبنے کے بعد شفق غائب ہونے کے نزدیک سفر کرتے رہتے پھر نیچے اترتے اور نماز مغرب پڑھتے اور کھانا طلب فرماتے۔ اور تناول فرماتے پھر نماز عشاء ادا کرتے پھر چل پڑتے۔ اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ امام محمد نے موطا میں کہا حتی غاب الشفق یہاں تک کہ شفق غائب ہو جاتی اور جامع الاصول میں ابوداؤد کی حدیث جو نافع اور عبداللہ بن واقد سے مروی ہے، نقل کی، کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے موذن نے کہا الصلوۃ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اس پر حضرت ابن عمر نے فرمایا چلتا رہ۔ یہاں تک کہ شفق (زردی یا سفیدی) غروب ہونے کے قریب ہوگئی۔ تو آپ سواری سے اترے اور نماز مغرب پڑھی۔ پھر انتظار میں بیٹھ گئے۔ یہاں تک کہ شفق غائب ہوگئی تو آپ نے نماز عشاء پڑھی اور فرمایا جب کسی کام کی ہوتی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ جیسا کہ میں نے کیا۔ اور نسائی کی روایت میں آیا ہے کہ جب شفق آخر یہ وہ روایات ہیں جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے طریقہ دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے کو ظاہر کرتی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ دو نماز ے وقت میں جمع نہ کرنے اور جمع بمعنی آخر وقت تک تاخیر کرنے دونوں کے بارے میں روایات وارد ہیں۔ امام نے جمع نہ کرنے یا مع اخیر کو احتیاطًا اختیار فرمایا۔ تاکہ نماز کے وقت کی حفاظت ہو سکے۔ روایات جمع کے رد و انکار کی بناء پر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا، شافعیہ کے نزدیک بھی ملا کر نہ پڑھنا افضل ہے اور ایک روایت میں امام مالک سے بھی آیا ہے کہ ملا کر پڑھنا مکروہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل مبارک بیان جواز کے لیے تھا۔ اس مقام کے مناسب یہ ہے وہ کلام جو خدائے ملک علام کی توفیق سے میسر آیا۔ میں نے شارحین میں سے کسی کو نہیں پایا۔ جس نے اس بارے میں اس حد تک کلام کیا ہو۔ یہاں تک کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ بھی ایسی تحقیق انیق سپرد قلم نہ کر سکے۔ واللہ اعلم۔

یہ کلام مسافر کے دو نمازوں کو ملا کر پڑھنے سے متعلق تھا۔ باقی رہا مقیم تو ترمذی نے کہا بعض تابعین بیمار کے لیے ملا کر پڑھنے کے قائل ہوئے ہیں اور احمد و اسحاق اسی کے قائل ہیں۔ بعض بارش کے عذر کے باعث بھی جمع کے قائل ہیں۔ امام شافعی امام احمد اور اسحاق اس کے قائل ہیں۔ بیماری کے عارضے کے باعث ملا کر پڑھنے کے امام شافعی قائل نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا جس نے دو نمازوں کو بلا عذر ملا کر پڑھا بے شک وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازہ میں داخل ہوا۔ اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ سفر یا عارضہ کے علاوہ کہیں بھی دو نمازوں کو ملا کر ایک وقت میں نہ پڑھا جائے۔ یہ ترمذی کی عبارت ہے

احناف کے نزدیک کسی وجہ سے بھی جمع کرنا جائز نہیں۔ اگر اس بارے میں کوئی چیز ثابت و صحیح سامنے آئے تو اس کی تاویل کی جائے گی اور تاویل وہی ہے جو بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۶۷/۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا سَافَرَ وَاَرَادَ اَنْ يَّتَطَوَّعَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ بِنَاقَتِهٖ فَكَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى حَيْثُ وَجَّهَهٗ رِكَابُهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں ہوتے اور نفل پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اپنی ناقہ مبارک رو بقبلہ کر کے تکبیر کہتے۔ پھر نماز پڑھتے۔ سواری کا رخ جس طرف بھی ہوتا۔

(ابوداؤد)

۱۲۶۸/۱۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بَعَثَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَاجَةٍ فَجِئْتُ وَهُوَ يُصَلِّيْ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ وَيَجْعَلُ السُّجُوْدَ اَخْفَضَ مِنَ الرُّكُوْعِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی کام بھیجا جب میں آیا تو آپ اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے۔ جس کا رخ مشرق کی جانب تھا۔ اور آپ سجدے میں رکوع کی نسبت زیادہ جھکتے تھے۔

(ابوداؤد)

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۶۹/۱۵ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِنًى رَكْعَتَيْنِ وَاَبُوْ بَكْرٍ بَعْدَهٗ وَعُمَرُ بَعْدَ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُثْمَانُ صَدْرًا مِّنْ خِلَافَتِهٖ ثُمَّ اِنَّ عُثْمَانَ صَلّٰى بَعْدُ اَرْبَعًا فَكَانَ ابْنُ عُمَرَ اِذَا صَلّٰى مَعَ الْاِمَامِ صَلّٰى اَرْبَعًا وَاِذَا صَلَّاهَا وَحْدَهٗ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابوبکر بھی اور ان کے بعد حضرت عمر نے بھی[1] اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی دور میں ایسا ہی[2] کیا۔ پھر حضرت عثمان منیٰ میں چار رکعت پڑھتے تھے۔ یعنی منیٰ میں قصر نہ کرتے تھے تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب امام کے

---

[1] حدیث میں لفظ رکاب ہے را کی زیر سے بمعنی اونٹ۔

صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ساتھ پڑھتے[3] تو چار رکعت پڑھتے اور جب اکیلے پڑھتے[4] تو دو رکعت پڑھتے یعنی قصر کرتے۔ (بخاری ومسلم)

[1] یعنی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما حج کے لیے آئے اور منیٰ میں پہنچے چونکہ وہ مسافر تھے اس لیے انہوں نے منیٰ میں دو رکعتیں پڑھیں۔

[2] یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی اپنے اوائل خلافت کے چھ یا آٹھ برس تک منیٰ میں دو رکعت پڑھتے رہے۔

[3] یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ۔

[4] یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ نہ پڑھتے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے چار رکعت پڑھنے یعنی منیٰ میں قصر نہ کرنے کی علماء نے بہت سی وجہیں بیان کی ہیں۔ ہم نے انہیں شرح (لمعات) میں ذکر کیا ہے۔ ان میں سے قریب تر وجہ یہ ہے کہ موسم حج میں کافی تعداد میں دیہاتی اور بدوی وغیرہ جو شرعی احکام کی تفصیلات سے واقف نہ تھے، جمع ہوئے ہوتے تھے۔ تو یہ بتانے کے لیے کہ اصل نماز چار رکعت ہی ہے، چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ اگر قصر کرتے اور دو رکعتیں پڑھتے تو اندیشہ تھا کہ ناواقف لوگ یہ خیال کر لیتے کہ اصل نماز ہی دو رکعت ہے اور اس طرف ان کا ذہن نہ جاتا کہ دو رکعتیں تو عارضہ سفر کی وجہ سے پڑ بارہی ہیں۔ بعض نے کہا شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ تھا کہ امن وبے خوفی کی حالت میں قصر جائ ں۔ بلکہ قصر کی اجازت حالت خوف وڈر کے ساتھ مقید ہے۔ جس طرح قرآن کا ظاہر مفہوم ہے۔ یا اس بنا پر کہ حضرت عثمان رض عنہ آخر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے موافق ہو گئے تھے کہ قصر کرنا یا پوری نماز پڑھنا دونوں صورتیں جائز ہیں اور یہ کہ سا رخصت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کی غرض سے رخصت کو اختیار کیا۔

۱۲۷۰/۱۶ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فُرِضَتِ الصَّلٰوةُ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ هَاجَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفُرِضَتْ اَرْبَعًا وَّتُرِكَتْ صَلٰوةُ السَّفَرِ عَلَى الْفَرِيْضَةِ الْاُوْلٰى قَالَ الزُّهْرِيُّ قُلْتُ لِعُرْوَةَ مَا بَالُ عَائِشَةَ تُتِمُّ قَالَ تَاَوَّلَتْ كَمَا تَاَوَّلَ عُثْمَانُ ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ (اول زمانہ نبوت میں سفر وحضر میں) نماز دو رکعت ہی فرض تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو چار رکعتیں فرض ہوئیں، حالت سفر میں نماز اپنے پہلے فرض پر ہی چھوڑ دی گئی[1]۔ زہری فرماتے ہیں میں نے حضرت عروہ سے کہا حضرت عائشہ کا کیا حال ہے کہ وہ سفر میں بھی چار رکعتیں ہی پڑھتی ہیں، حضرت عروہ نے کہا حضرت عائشہ نے تاویل کی ہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تاویل کی ہے[2]۔
(بخاری ومسلم)

[1] یعنی نماز سفر کو فریضہ اولیٰ پر ہی کہ دو رکعت ہے، چھوڑ دیا گیا اور اقامت کی حالت میں رکعات کی تعداد زیادہ

کردی گئی۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ زید فی الحضر۔ یعنی حالت اقامت میں رکعات کی تعداد زیادہ کردی گئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شرع شریف کی طرف سے چار رکعت کا حکم آنے کے بعد سفر میں دو رکعتیں پڑھنا رخصت نہیں ہے۔ بلکہ اصل حکم دو ہی رکعتوں کا ہے۔ لہذا سفر میں دو رکعتیں پڑھنا رخصت نہ ہوگا۔ اور یہ بات مذہب حنفی کی موید ہے۔

[۵] یعنی چار رکعتیں پڑھنے میں حضرت عثمان نے تاویل سے کام لیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تاویل میں بہت سی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ حضرت عثمان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما کی تاویل کے بارے میں صحیح بات یہی ہے کہ یہ دونوں حضرات سفر میں قصر کرنے نہ کرنے دونوں صورتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔

۱۳۴۱/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فَرَضَ اللّٰهُ الصَّلٰوةَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِى الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَّفِى السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَفِى الْخَوْفِ رَكْعَةً۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ اللہ تعالے نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حالت اقامت میں چار رکعت سفر میں دو رکعت اور حالت خوف میں ایک رکعت نماز فرض کی ہے[۱]۔

(مسلم)

[۱] سلف کے ایک گروہ نے اس حدیث کے ظاہر ترجمہ کو لیا ہے مگر جمہور علماء نے اسے اس پر حمل کیا ہے کہ حالت میں جب مقتدی امام کیساتھ ایک ہی رکعت ادا کرتا ہے تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک ہی رکعت کا اعتبار کیا اور فرمادیا کہ اس حالت میں نماز ایک رکعت ہے۔ اس اختلاف کا ثمرہ اور نتیجہ وہاں ظاہر ہوگا جب نماز خوف، فوت ہو جائے تو ایک رکعت قضا کرے یا دو رکعت ظاہر جمہور کا قول ہے۔ کیونکہ جب فرض ایک ہی رکعت ہو تو دوسری رکعت کس لیے پڑھے گا۔ اس کی پوری تفصیل نماز خوف کے باب میں آرہی ہے۔

۱۳۴۲/۱۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّعُمَرَ قَالَا سَنَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا تَمَامٌ غَيْرُ قَصْرٍ وَالْوِتْرُ فِى السَّفَرِ سُنَّةٌ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں حضرات فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں دو رکعت نماز مقرر فرمائی۔ اور یہ مکمل نماز ہے ناقص نہیں[۱]۔ اور سفر کی حالت میں وتر سنت بن جاتے ہیں[۲]

(ابن ماجہ)

[۱] یعنی ثواب میں ناقص اور کم نہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ سفر میں دو رکعت نماز ہی مشروع جائز ہے۔ نہ یہ کہ چار رکعتیں تھیں مگر سفر کی وجہ سے دو رکعتوں پر ہی مختصر کر دی گئی۔ جیسا کہ حضرت عائشہ اس کی قائل ہیں۔ اگرچہ قرآن میں بظاہر قصر کا

لفظ اس کے لیے آیا ہے۔

۲؎ یعنی بحالت سفر وتر نماز اسلام و شریعت کا وہ طریقہ ہے جس پر چلنا چاہیے۔ سفر میں اسے چھوڑ نہ دینا چاہیے۔ جس طرح نوافل چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ ورنہ وتر اگر واجب ہیں تو سنت نہیں ہو سکتے۔ اور اگر سنت ہیں تو پھر سفر و حضر دونوں حالتوں میں سنت ہی ہوں گے پھر سفر کی تخصیص کس لیے ہے۔

١٢٧٣/١٩ وَعَنْ مَّالِكٍ بَلَغَهٗ اَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ كَانَ يَقْصُرُ الصَّلٰوةَ فِيْ مِثْلِ مَا يَكُوْنُ بَيْنَ مَكَّةَ وَالطَّآئِفِ وَفِيْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَعُسْفَانَ وَفِيْ مِثْلِ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَجُدَّةَ قَالَ مَالِكٌ وَّذٰلِكَ اَرْبَعَةُ بُرُدٍ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّاِ)

حضرت مالک سے روایت ہے۔ انہیں یہ بات پہنچی کہ بے شک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ مکہ اور طائف۱؎ کے درمیانی فاصلے کی مقدار مسافت میں قصر نماز پڑھتے تھے اور مکہ اور عسفان۲؎ جتنے فاصلے میں بھی اور مکہ اور جدہ۳؎ جتنی مسافت میں بھی قصر کرتے تھے۔ مالک فرماتے ہیں کہ یہ چار برید۴؎ مسافت ہے۔ (موطا)

۱؎ اس سے مکہ اور طائف کا وہ درمیانی راستہ مراد ہے جو مختلف بستیوں میں سے گزر کر جاتا ہے اور وادی نعمان کا راستہ جو پہاڑ میں سے جاتا ہے وہ تو بالکل قریب ہے۔

۲؎ عسفان عین کی پیش اور سین ساکن مکہ و مدینہ کے درمیان مکہ کے قریب ایک جگہ ہے۔

۳؎ جُدّہ جیم کی پیش سے۔ اور عوام میں جیم کی زبر سے مشہور ہے۔

۴؎ اصل میں لفظ بُرُد دو پیشوں کے ساتھ ہے۔ یعنی امام مالک نے کہا کہ یہ چار برید مسافت ہے یعنی اٹھارہ فرسخ اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے۔ میل اتنی مسافت کو کہتے ہیں جہاں تک نگاہ کام کرے۔ بعض نے کہا میل اتنی مسافت کو کہتے ہیں کہ ہموار زمین پر نظر ڈالے تو یہ معلوم نہ کر سکے کہ دکھائی دینے والا مرد ہے یا عورت، اور یہ کہ وہ آ رہا ہے یا جا رہا ہے اور بعض نے کہا کہ چھ ہزار ہاتھ مسافت کو میل کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ایک میل چار ہزار گز کا ہوتا ہے۔ بعض نے کہا تین ہزار گز اور ایک گز چوبیس انگل کی چوڑائی ہے۔ بعض نے کہا آدمی کے بارہ ہزار قدم کی مسافت کو ایک میل کہتے ہیں۔ جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔ اس حدیث کا ظاہر اس میں ہے کہ ان تینوں جگہوں کی مسافت برابر ہے۔ مگر امر واقع یہ ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان مسافت باقی دونوں جگہوں سے زیادہ ہے۔ مگر یہ کہ حدیث میں مکہ اور جدہ کی درمیانی مسافت کی طرف اشارہ ہو۔

اس کے بعد واضح ہو کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ کتاب و سنت سے مسافت سفر ثابت نہیں۔ بلکہ مطلق سفر ثابت ہے اور بہت سے وہ سفر جن میں قصر واقع ہوئی مختلف مسافتیں رکھتے ہیں۔ بعض قریب ہیں بعض دور جیسا کہ باب میں وارد احادیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے علما اپنے اپنے اجتہاد و استنباط کی وجہ سے آپس میں

مختلف ہیں۔ امام شافعی نے ایک دن کی تعیین کی ہے۔ ایک دوسری روایت میں دو دن کی۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے اور حاوی میں جو امام شافعی کے مذہب کی کتاب ہے۔ اٹھارہ فرسخ کی تعیین کی ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا مذہب یہی ہے کیونکہ احادیث میں چار برید کا ذکر آیا ہے اور وہ اٹھارہ فرسخ بنتے ہیں۔ مگر ان احادیث کی صحت میں کلام ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ نے اونٹ پر یا پیدل تین دن رات کی مسافت معین فرمائی ہے۔ امام ابو یوسف نے دو دن اور تیسرے دن کے اکثر حصے کی مسافت متعین کی ہے۔ کیونکہ اکثر کل کا حکم رکھتا ہے۔ ان کا مذہب زیادہ احتیاط پر مبنی ہے۔ اور اصحاب ظواہر مطلق سفر مراد لیتے ہیں۔ لمبا ہو یا تھوڑا سفر۔ شرح میں اس کی تحقیق کر دی گئی ہے۔

۱۲۶۴/۲۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ صَحِبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَةَ عَشَرَ سَفَرًا فَمَا رَأَيْتُهٗ تَرَكَ رَكْعَتَيْنِ اِذَا زَاغَتِ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ۔ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت براء سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھارہ سفر کیے ہیں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ جب سورج ڈھل جاتا تو آپ نے ظہر سے پہلے دو رکعتیں ترک کی ہوں[1]۔ (ابوداؤد) (ترمذی) اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] ظاہر یہ ہے کہ اس سے ظہر سے پہلے دو سنتیں مراد ہیں۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا حضور کے سنتیں پڑھنے سے انکار کرنا معتبر نہیں ہے کیونکہ ان سے مروی روایات میں اختلاف و اضطراب ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پڑھی ہوں اور کبھی نہ پڑھی ہوں۔ پس حضرت برا ابن عازب کو پڑھتے ہوئے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور حضرت ابن عمر کو نہ پڑھتے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بعض کہتے ہیں یہ دو رکعت مطلق دو نفل تھے۔ نہ کہ موکدہ سنتیں مگر یہ قول بعید ہے۔ الغرض سفر میں فرض کے سوا اور نماز پڑھنے میں روایات مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۲۶۵/۲۱ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَرٰى ابْنَهٗ عُبَيْدَ اللّٰهِ يَتَنَفَّلُ فِي السَّفَرِ فَلَا يُنْكِرُ عَلَيْهِ (رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت نافع سے روایت ہے فرماتے ہیں بے شک حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے عبید اللہ کو سفر میں نفل پڑھتا دیکھتے تو اس پر انکار نہ کرتے[1]۔ (مالک)

[1] گزشتہ ایک حدیث میں گزرا ہے کہ حضرت ابن عمر نے ایک گروہ کو دیکھا کہ سفر میں فرض کے علاوہ اور نماز بھی پڑھ رہے ہیں تو ان پر انکار فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ کے نزدیک دونوں صورتیں جائز تھیں مگر ایک مقام میں کسی مصلحت کے تحت انکار فرمایا۔ دوسرے مقام میں تسلیم کیا انکار نہ فرمایا۔ یا آپ نے موکدہ سنتوں اور نوافل میں فرق کیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْجُمُعَةِ

جمعہ کا باب

لفظ جمعہ میں مشہور جیم اور میم کی پیش ہے۔ مگر میم ساکن سے بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ اعمش کی قراءت ہے۔ فراء سے میم کی زبر اور زجاج سے اسکا کسرہ بھی مروی ہے۔ اس دن کو زمانہ قدیم میں عروبہ کہتے تھے۔ عین کی زبر سے۔ اس دن کا نام جمعہ رکھنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ تمام مخلوق کی پیدائش اور اس کی تکمیل جمعہ کے دن میں ہوئی۔ اس جہان رنگ و بو کی پیدائش کا آغاز اتوار کے روز سے ہوا تھا۔ یہ وجہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ آسمانوں کو پیدا کرنے سے پہلے دنوں کی تعیین اور ان کے نام مقرر ہو چکے تھے تاہم یہ وجہ اشکال سے خالی نہیں۔ فافہم۔ بعض نے اسے جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اسی دن میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے اجزاء جمع ہوئے اور پھر اسی دن میں ان کی تکمیل ہوئی یا اس لیے اس دن کو جمعہ کہتے ہیں کہ اس میں بڑے بڑے کام اکٹھے ہوئے یعنی حضرت آدم علیہ السلام کا پیدا ہونا، آپ کا زمین پر آنا، اور قیامت کا قائم ہونا جیسا کہ احادیث میں ہے۔ بعض نے کہا اس دن میں کعب بن لوئی لوگوں کو جمع کرتا، انہیں پند و نصیحت کرتا۔ انہیں حرم بیت اللہ کی تعظیم کا حکم دیا کرتا اور حرم پاک سے نبی آخر الزماں کے تشریف لانے کی انہیں خبریں یاد کراتا تھا۔ بعض نے کہا لوگوں کو قُصَیّ جمع کیا کرتا تھا۔ بعض نے کہا اسے جمعہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لوگ نماز کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ یہ اس کا اسلامی نام ہے۔ جاہلیت میں اس کا نام عروبہ تھا۔ تحقیقی بات یہ ہے کہ عروبہ قدیم جاہلی دور کا نام ہے۔ پھر دور جاہلیت میں ہی عروبہ بدل کر اس کا نام جمعہ رکھ دیا گیا۔ جیسا کہ ہفتہ کے دوسرے ایام کا معاملہ ہے کہ قدیم دور جاہلیت میں ہفتہ کے دن کے نام یہ تھے۔ اول۔ اہون۔ جبار۔ دبار۔ مونس۔ عروبہ شیار۔ جمعہ کے دن کو دور جاہلیت میں بھی شرف امتیاز اور اعتبار و اہمیت حاصل تھی۔ دور اسلام میں اسے مزید شرف و فضیلت حاصل ہوئی اور اسے خصوصی عزتوں اور برکتوں سے خاص کیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١٢٧٦/١ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السّٰبِقُوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ بَیْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِنَا

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ (زمانہ اور پیدائش کے اعتبار سے) ہم سب کے پیچھے ہیں، قیامت کے روز سب سے آگے ہوں گے۔ ماسوائے اس کے کہ

وَ اُوْتِیْنَاهُ مِنْ بَعْدِهِمْ ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِيْ فُرِضَ عَلَيْهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ۔ فَاخْتَلَفُوْا فِيْهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهٗ وَ النَّاسُ لَنَا فِيْهِ تَبَعٌ اَلْيَهُوْدُ غَدًا وَ النَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

وَفِيْ رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ نَحْنُ اَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ بَيْدَ اَنَّهُمْ وَ ذَكَرَ نَحْوَهٗ اِلٰى اٰخِرِهٖ وَ فِيْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْهُ وَ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِيْ اٰخِرِ الْحَدِيْثِ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا وَ الْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ۔

انہیں ہم سے پہلے کتاب دی گئی[2] اور ہمیں ان کے بعد دی گئی۔ لوگ اس میں ہمارے تابع ہیں۔ پھر یہ یعنی جمعہ کا دن ان کا دن بھی تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا وہ اس میں اختلاف کر بیٹھے[3] ہمیں اللہ نے اس کی ہدایت دے دی[4]۔ اس میں لوگ ہمارے تابع ہیں یہودی کل میں اور عیسائی پرسوں میں

(بخاری و مسلم)

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا ہم پیچھے ہیں۔ اور قیامت کے دن آگے جنت میں ہم ہی پہلے جائیں گے اس کے سوا الخ اور اس کی دوسری روایت میں انہیں سے اور حضرت حذیفہ سے ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں یہ ہے کہ ہم دنیا والوں میں پیچھے ہیں۔ اور قیامت کے دن پہلے ہوں گے کہ ہمارا فیصلہ مخلوق سے پہلے ہوگا۔

⁂

---

[1] یعنی حشر و حساب میں شرف و بلند درجات حاصل کرنے اور جنت میں پہنچنے میں سب سے سبقت لے جائیں گے یا فضیلت جمعہ سے سرفراز ہونے میں سب سے سبقت لے گئے ہیں۔

[2] ماسوائے اس کے کہ کتاب والوں یعنی ان کے انبیاء علیہم السلام کو کتاب ہم سے پہلے دے دی گئی اور ہمیں ان کے بعد کتاب (قرآن) دی گئی یہ در حقیقت فضیلت و شرف کا موجب ہے کیونکہ بعد آنے والی کتاب پہلی کتابوں کے لیے ناسخ ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ قول مبارک نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ بھی بیان فضیلت کے لیے ہے۔ صرف تمہید کے طور پر اس کا ذکر نہیں کیا گیا اور لفظ بَیْدَ با کی زیر یا ساکن سے بمعنی غیر آتا ہے۔ اس میں مَیْدَ میم سے بھی ایک لغت ہے۔

[3] واضح ہو کہ شارحین حدیث کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خدا تعالٰی کا یہود و نصاریٰ پر جمعہ فرض کرنے

کا کیا مطلب ہے اور اس میں ان کے اختلاف کرنے سے کیا مراد ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے دن بعینہ ان پر عبادت فرض کی تھی۔ اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اس دن سب جمع ہو کر اس کی عبادت بجا لائیں۔ جیسا کہ حدیث کے ظاہر الفاظ ہیں۔ تو انہوں نے حکم الٰہی کی مخالفت کی اور حکم کی بجا آوری کے بجائے اس میں سرکشی کے مرتکب ہوئے۔ جس طرح کہ سرکشی اور نافرمانی کرنا ان کی عادت تھی اور جمعہ کے بجائے یہود نے ہفتہ کا دن پسند کیا۔ اور جمعہ کے دن عبادت الٰہی بجا لانے میں ٹال مٹول کرنے لگے۔ اس وجہ سے کہ جمعہ کا دن اس جہان کے خاتمے کا دن ہے۔ نصاریٰ نے اتوار کا دن پسند کیا۔ اس لیے کہ وہ اس جہاں کے پیدا کرنے کا دن ہے۔ اکثر علماء اس پر ہیں کہ یہود و نصاریٰ کو حکم دیا گیا اور پابند کیا گیا کہ وہ اس افضل دن کو اپنے غور و فکر سے تلاش کریں اور اپنی رائے اور قوت اجتہاد سے اس کی تعیین کریں اور ان سے کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں ایک دن معین کیا ہے جس میں تم لوگ دنیوی کام کاج سے فارغ رہ کر اس کے ذکر و فکر اور عبادت میں مصروف رہو۔ اور اس دن کو اپنی قوت فکر و اجتہاد سے تلاش کرو۔ اور یہ اللہ کی طرف سے ان کی آزمائش تھی کہ اس دن کو معلوم کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ تو یہود نے جمعہ کے بجائے ہفتہ کا دن معین کیا۔ اور کہا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوق پیدا کرنے کے کام سے فارغ ہوا۔ اور خلق کائنات کا کام ختم کیا۔ اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ مشغولیت، کام کاج اور دنیوی اشغال سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف ہوں اور نصاریٰ نے اتوار کے دن کو معین کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے پیدا کرنے کی ابتدا اسی دن سے کی تھی۔ لہٰذا یہ دن کمالات اور نعمتوں کا مبدا ہے۔ اور یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ مخلوق کو فیض پہنچانے اور ان پر انعام کرنے کی جانب متوجہ ہوا۔ پس یہ دن تعظیم بجا لانے، عبادت کرنے اور نعمتوں کی شکر گزاری کے زیادہ لائق ہے۔ مگر ان دونوں گروہوں نے اس میں خطا کی۔ اور اس مقصد کے لیے وہ دن نہ پا سکے جو علم الٰہی میں ان کے لیے تھا۔ اور وہ جمعہ کا دن تھا اور طریق عبادت میں صحیح وقت پانے سے گمراہ ہو گئے۔

۴۷ یہاں بھی دونوں وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ وجہ اول زیادہ ظاہر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جمعہ کے دن عبادت کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ۔ اے ایمان والو جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو اپنے امر کی بجا آوری کا راستہ بتلا دیا۔ انہیں گمراہ نہ ہونے دیا۔ اور انکار و سرکشی اور ٹال مٹول سے بچا لیا۔ جس طرح کہ اگلی امت کی جو خیر الامم ہے، عادت ہے۔ بعض کہتے ہیں اہل مدینہ نے ان حضرات کو جمع کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ شریف پہنچنے اور آیت جمعہ کے نزول سے پہلے مشرف با اسلام ہو چکے تھے۔ اور ان سے کہا کہ یہود کا ایک دن ہے جس میں وہ عبادت کے لیے جمع ہوتے ہیں۔ اسی طرح نصاریٰ کا بھی ایک دن ہے۔ ہمیں بھی ایک دن معین کرنا چاہیے جس میں ہم لوگ جمع ہوا کریں اور عبادت الٰہی بجا لایا کریں۔ تو انہوں نے یوم عروبہ کو اس مقصد کے لیے معین کیا پھر قرآن پاک بھی اس کی موافقت میں نازل ہو گیا۔ یہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ جسے شیخ ابن حجر نے حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ

سے ذکر کیا اور اس کی وجہ تعلیل بھی ذکر کی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو عبادت کے لیے پیدا فرمایا اور آدم جمعہ کے دن پیدا ہوئے۔ اس لیے عبادت بھی اس دن میں بہتر اور زیادہ مناسب ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے علاوہ دوسرے دنوں میں ان تمام چیزوں کو پیدا کیا جن سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور جمعہ کے دن ذات انسان کو پیدا کیا تو نعمت وجود جو تمام باقی نعمتوں کی اصل بنیاد ہے اکا شکر۔ ان تمام نعمتوں سے جو انسان کی ذات سے خارج ہیں۔ زیادہ ضروری زیادہ مناسب و لائق ہے۔ واللہ اعلم۔

[۱] یعنی یہود و نصاریٰ جمعہ کے دن میں ہمارے تابع ہیں۔

[۲] یعنی یہود کا تو جمعہ سے اگلا دن ہے یعنی ہفتہ اور نصاریٰ کا اس سے اگلا دن یعنی اتوار تابع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ فضیلت اور قبول طاعت میں ہم سے پیچھے ہیں کہ وہ اس سے محروم رہے۔ بعض نے کہا یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ جمعہ ہفتہ کے سات دنوں میں پہلا دن ہے۔ مگر لوگوں کے عرف و زبان میں اس کے خلاف مشہور ہو چکا ہے۔ اس حقیقت پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے کہ ہفتہ کے سات دنوں کو جمعہ کہتے ہیں۔ جس طرح یہود ہفتہ کے دن کو سبت کہتے ہیں۔ امام سیوطی نے کہا کہ اگرچہ جمعہ کا دن ہفتہ اور اتوار سے پیچھے ہے مگر جب بھی یہ تین دن ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار جمع ہوں تو پھر جمعہ پہلے آتا ہے۔ اسے سمجھو۔

[۳] یعنی السابقون الاولون کے بجائے نحن الآخرون الاولون آیا ہے۔ دوسرے یہ الفاظ زیادہ آئے۔ ونحن اول من یدخل الجنۃ۔ یعنی جنت میں داخل ہونے والے سب سے پہلے ہم ہوں گے۔

[۴] ان دو حدیثوں میں لفظ بیقت کی وضاحت ہو گئی ہے۔

۱۲۷۷/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِيْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِيْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن[۱] ہے۔ اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے[۲]۔ اس دن میں حضرت آدم جنت میں داخل ہوئے۔ اس میں اس سے نکالے گئے[۳]۔ اور قیامت نہ قائم ہو گی مگر جمعہ کے دن[۴]۔

(مسلم)

[۱] یعنی جمعہ پہلا دن ہے جو ظہور آفتاب سے ظہور پذیر ہوا۔ یا پہلا دن جس میں اہل زمانہ پر سورج طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ اور اس صفت کے ذکر کرنے سے مقصود عمومیت بیان کرنا ہے۔ کیونکہ کوئی دن نہیں جس میں سورج طلوع نہ ہوتا ہو۔

۵۲ یعنی ان کی خلقت مکمل ہوئی۔

۵۳ روایات میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کی صبح کو پیدا ہوئے پیشی کے وقت جنت میں داخل ہوئے۔ اور عصر کے وقت اس سے باہر نکال دیے گئے۔

۵۴ اس سے مراد نفخہ اول ہے۔ جو بے ہوشی اور ہلاکت کے لیے ہوگا۔ یا نفخہ ثانیہ مراد ہے جو زمین سے مردوں کے اٹھانے کے لیے ہوگا۔ اور یہ دونوں جمعہ کے دن ہوں گے۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

واضح ہو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جمعہ کے دن میں پیدا ہونے، پھر اسی دن جنت میں داخل ہونے میں تو جمعہ کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ مگر جمعہ کے دن جنت سے نکلنے میں جمعہ کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا انبیاء و اولیاء کے وجود کا سبب بنا۔ نیز آپ کا دنیا میں تشریف لانا لاتعداد حکمتوں اور برکتوں پر مشتمل ہے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کے روز فوت ہوئے اور آپ رب العالمین کے جوار رحمت میں جا پہنچے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے خدا تعالےٰ کی نعمتوں پر اظہار شکر کرتے ہوئے فرمایا۔ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ۔ (خدا تعالےٰ وہ ذات ہے جو مجھے موت دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔ اسی طرح قیامت کا قائم ہونا دخول جنت کا سبب ہے اور اہلِ تقویٰ کے لیے خدا تعالےٰ کے وعدوں کے ظہور کا دن ہے۔ یا اس سے بڑے بڑے کاموں کا بیان مقصود ہے جو اس دن میں واقع ہوں گے۔ اس حدیث میں عرفہ کے دن سے بھی جمعہ کے افضل ہونے کی دلیل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عرفہ کا دن جمعہ کے دن سے افضل ہے۔ فصل ثانی میں حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آرہا ہے کہ جمعہ دنوں میں افضل دن ہے۔ اس تقدیر پر احتمال ہے کہ عرفہ جمعہ سے افضل ہو یا اس کے برابر یا اس سے ادنیٰ ہو۔ واللہ اعلم۔

١٢٧٨/٣ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجُمُعَۃِ لَسَاعَۃً لَّا یُوَافِقُھَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ یَّسْاَلُ اللّٰہَ فِیْھَا خَیْرًا اِلَّا اَعْطَاہُ اِیَّاہُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت ابوہریرہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ نہیں موافقت کرتا عبد مسلم کہ اس میں اللہ سے خیر مانگتا ہے۔ مگر اللہ اسے دے دیتا ہے[۵۵]۔

(بخاری و مسلم)

وَزَادَ مُسْلِمٌ قَالَ وَھِیَ سَاعَۃٌ خَفِیْفَۃٌ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لَّھُمَا قَالَ اِنَّ فِی الْجُمُعَۃِ لَسَاعَۃً لَّا یُوَافِقُھَا مُسْلِمٌ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰہَ خَیْرًا

اور مسلم نے یہ مضمون زیادہ کیا کہ وہ چھوٹی سی گھڑی[۵۶] ہے اور بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے فرمایا بے شک جمعہ کے دن میں البتہ ایک گھڑی ہے نہیں پاتا اسے بندہ مسلم جو کھڑے ہو کر نماز[۵۷] پڑھتا ہے

إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ ۔

اس میں اللہ سے خیر مانگتا ہے مگر اللہ اسے عطا کر دیتا ہے۔

۱؎ یعنی حرام اور ناپسندیدہ چیز کے لیے دعا نہیں کرتا۔

۲؎ یعنی اس گھڑی میں دعا قبول ہوتی ہے۔

۳؎ لمبی نہیں۔

۴؎ یا دعا کرتا ہے اور دعا مانگنے میں ہمیشگی اور دوام کرتا ہے۔ لہٰذا یہاں صلوٰۃ سے نماز مراد ہے یا دعا۔

۱۲۶۹/۴ وَعَنْ أَبِيْ بُرْدَةَ بْنِ أَبِيْ مُوْسٰى
قَالَ سَمِعْتُ أَبِيْ يَقُوْلُ سَمِعْتُ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
سَلَّمَ يَقُوْلُ فِيْ شَأْنِ سَاعَةِ
الْجُمُعَةِ هِيَ مَا بَيْنَ أَنْ يَجْلِسَ
الْإِمَامُ إِلٰى أَنْ تُقْضَى الصَّلٰوةُ ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو بردہ بن ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ کو فرماتے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمعہ کی گھڑی کی شان میں فرماتے سنا۔ کہ وہ گھڑی امام کے بیٹھنے۱؎ سے اس کے نماز پوری کرنے تک کے وقت میں ہے۔۲؎

(مسلم)

۱؎ یعنی منبر پر بیٹھنے سے نماز پڑھنے تک۔ اور طیبی نے بیٹھنے سے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا مراد لیا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ باہر نکل کر منبر پر بیٹھنا مراد ہو۔

۲؎ واضح ہو کہ اس گھڑی کی تعیین میں بہت اقوال ہیں جو قریبًا چالیس تک پہنچتے ہیں۔ ہم نے انہیں شرح سفر السعادۃ میں نقل کیا ہے۔ زیادہ راجح اور قوی تر دو قول ہیں۔ ایک خطیب کے منبر پر بیٹھنے سے نماز ادا کرنے تک دوسرا جمعہ کے دن کی آخری گھڑی۔ فتح الباری میں کہا ان دو اقوال کے علاوہ جو اقوال بھی ہیں۔ وہ یا تو ان دو کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یا ضعیف الاسناد ہیں یا اجتہاد سے انہیں مستنبط کیا گیا ہے اور جو لوگ ان کے قائل ہیں وہ شرح سے سنے اور واقفیت حاصل کیے بغیر ہیں۔ اکثر علماء ان دو میں سے آخری قول کو ترجیح دیتے ہیں۔ امام احمد نے کہا اکثر احادیث اسی جانب ہیں۔ ابن عبد البر نے کہا اس باب میں ثابت ترین حدیث حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ اکثر ائمہ نے اس کو ترجیح دی ہے اور اس گھڑی کو متعین تسلیم کیا گیا ہے اور ابو موسیٰ کی حدیث اگرچہ صحیح مسلم میں ہے مگر اس کے اسناد میں کلام (اعتراض) ہے اور ان گھڑیوں میں سے ہے جو صحیح مسلم کی بعض احادیث میں واقع ہیں۔ بندہ ضعیف (شیخ عبدالحق عفا اللہ عنہ) کہتا ہے کہ یہ بات تحقیق کو پہنچ چکی ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا و علی سائر اہل بیت النبوۃ اپنی خادمہ کو مقرر کرتی تھیں کہ وہ روز جمعہ کی آخری ساعت کی انتظار کرے اور

اس کی نگہداشت کرے تاکہ آپ اس میں ذکر الٰہی اور دعا کیا کریں۔ واللہ اعلم۔

بعض نے کہا یہ گھڑی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں تھی۔ اس کے بعد اٹھالی گئی۔ یعنی اس کی خاصیت اٹھالی گئی۔ ابن عبدالبر نے یہ قول ایک جماعت سے نقل کیا ہے مگر اسے کمزور قرار دیا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ گھڑی اب بھی باقی ہے مگر مبہم ہے جس طرح لیلۃ القدر

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۲۸۰/۵ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ خَرَجْتُ اِلَی الطُّوْرِ فَلَقِیْتُ کَعْبَ الْاَحْبَارِ فَجَلَسْتُ مَعَهٗ فَحَدَّثَنِیْ عَنِ التَّوْرٰىةِ وَحَدَّثْتُهٗ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ فِیْمَا حَدَّثْتُهٗ اَنْ قُلْتُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وَفِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُهْبِطَ وَفِیْهِ تِیْبَ عَلَیْهِ وَفِیْهِ مَاتَ وَفِیْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا وَهِیَ مُصِیْخَةٌ یَوْمَ الْجُمُعَةِ مِنْ حِیْنَ تُصْبِحُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ شَفَقًا مِّنَ السَّاعَةِ اِلَّا الْجِنَّ وَالْاِنْسَ وَفِیْهِ سَاعَةٌ لَا یُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَّهُوَ یُصَلِّیْ یَسْاَلُ اللّٰهَ شَیْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ اِیَّاهُ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِیْ كُلِّ سَنَةٍ یَوْمٌ فَقُلْتُ بَلْ فِیْ كُلِّ جُمُعَةٍ

دوسری فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں طور[1] کی طرف گیا تو حضرت کعب احبار[2] سے ملا۔ اور ان کے پاس[3] بیٹھ گیا انہوں نے مجھے تورات کی باتیں سنائیں۔ اور میں نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں جو حدیثیں میں نے ان کو سنائیں ان میں یہ بھی تھا کہ میں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر دن جس پر سورج طلوع ہوتا ہے جمعہ کا دن ہے اسی میں آدم علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی میں زمین پر اتارے[5] گئے اسی میں ان کی توبہ قبول ہوئی اسی میں انہوں نے وفات[6] پائی۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی۔ ایسا کوئی جانور نہیں جو جمعہ کے دن آفتاب نکلنے تک قیامت کا ڈرتے[7] ہوئے منتظر نہ[8] ہو۔ سوائے جن وانس[9] کے۔ اور اسی میں ایک ایسی ساعت ہے کہ جسے کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے نہیں[10] پاتا کہ اللہ سے کچھ مانگے مگر اللہ تعالےٰ اسے دے دیتا ہے کعب احبار بولے یہ ہر سال میں ایک

فَقَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرٰىةَ فَقَالَ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ لَقِيْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ فَحَدَّثْتُهٗ بِمَجْلِسِيْ مَعَ كَعْبِ الْاَحْبَارِ وَمَا حَدَّثْتُهٗ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَقَالَ فَقُلْتُ لَهٗ قَالَ كَعْبٌ ذٰلِكَ فِيْ كُلِّ سَنَةٍ يَوْمٌ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ سَلَامٍ كَذَبَ كَعْبٌ فَقُلْتُ لَهٗ ثُمَّ قَرَأَ كَعْبٌ التَّوْرٰىةَ فَقَالَ بَلْ هِيَ فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ صَدَقَ كَعْبٌ ثُمَّ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ عَلِمْتُ اَيَّةَ سَاعَةٍ هِيَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِيْ بِهَا وَلَا تَضِنَّ عَلَيَّ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ سَلَامٍ هِيَ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ وَكَيْفَ تَكُوْنُ اٰخِرُ سَاعَةٍ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُصَادِفُهَا عَبْدٌ مُّسْلِمٌ وَّهُوَ يُصَلِّيْ فِيْهَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ اَلَمْ يَقُلْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَلَسَ مَجْلِسًا يَّنْتَظِرُ الصَّلٰوةَ فَهُوَ فِيْ صَلٰوةٍ حَتّٰى يُصَلِّيْ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ فَقُلْتُ بَلٰى قَالَ فَهُوَ

بارے میں نے کہا بلکہ ہر جمعہ میں[۱۱]۔ تو کعب احبار نے تورات[۱۲] پڑھی تو بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں عبداللہ بن سلام[۱۳] سے ملا اور انہیں کعب احبار کے پاس بیٹھنے اور جو کچھ میں نے ان سے جمعہ کے بارے میں گفتگو کی، سنائی میں نے کہا کہ کعب بولے یہ ہر سال میں ایک دن ہے عبداللہ بن سلام نے کہا کہ کعب نے غلط کہا۔ تب میں نے ان سے کہا پھر کعب نے تورات پڑھی تو فرمایا بلکہ وہ ہر جمعہ میں ہے۔ اس پر حضرت عبداللہ بن سلام نے کہا کہ کعب نے سچ کہا۔ پھر حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ وہ کونسی ساعت[۱۴] ہے۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے کہا وہ مجھے بتا دیجیے اور بخل نہ فرمائیے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے فرمایا۔ وہ جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے کہا کہ وہ جمعہ کی آخری ساعت کیسے ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان بندہ اسے نماز پڑھتے ہوئے پائے[۱۵]۔ حضرت عبداللہ بن سلام بولے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کسی جگہ نماز کے انتظار میں بیٹھے وہ نماز پڑھنے تک نماز ہی میں ہے۔

حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔ میں نے

ذٰلِكَ رَوَاهُ مَالِكٌ وَّ اَبُوْدَاؤدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَرَوٰى اَحْمَدُ اِلٰى قَوْلِهٖ صَدَقَ كَعْبٌ۔

کہا ہاں فرمایا وہ یہی ہے[۱۶]۔ مالک۔ ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی اور احمد نے صدق کعب تک روایت کی ہے[۱۷]

۱؎ میں کوہ طور کی طرف گیا۔

۲؎ آپ یہود کے دانشمندوں میں سے تھے۔ تابعی تھے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دست اقدس پر ایمان لائے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وصال فرمایا۔ اَحبار حبر کی جمع ہے۔ حا کی زبر یا زیر یعنی یہود کا دانشمند۔

۳؎ اور ان کی صحبت اختیار کی۔

۴؎ اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر اس لیے نہ فرمایا کہ وہ ایک مشہور بات ہے۔ پھر جنت سے اترنا داخل ہونے کو لازم ہے۔

۵؎ یعنی اسی دن اللہ تعالےٰ نے ان پر رحمت کی اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی دن کے آخری حصہ میں انہیں زمین پر اتار دیا گیا۔ یا دوسرے جمعہ کو اتارا گیا۔ موافق روایت پہلی ہے۔

۶؎ یہ از خود متعین ہے وفات کا دن اترنے کا دن نہ تھا۔ اور اگر اس (آخرت) جہاں کا دن مراد ہو کہ قرآن مجید میں فرمایا۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (تیرے رب کے نزدیک ایک دن تمہارے شمار کردہ ہزار دن کے برابر ہوتا ہے) اس دن کی طرف اشارہ ہو تو پھر ایک ہی دن میں مذکورہ سب کچھ ہو جانے کی گنجائش بھی ہے۔ اسے سمجھو۔ واللہ اعلم۔

حدیث میں لفظ مُصِیخَۃ میم کی پیش صاد کی زیر یا ساکن اور نقطہ والی خا یعنی کان لگانا اور متوجہ ہونا اور مسیخۃ سین کے ساتھ بھی ایک روایت ہے معنیٰ دونوں کا ایک ہے۔

۸؎ قیامت صبح اور طلوع آفتاب کے درمیانی وقفہ میں قائم ہوگی تو ہر جن وانس کے علاوہ باقی ہر جاندار چیز قیامت کے انتظار میں رہتی ہے کہ شاید قیامت اسی جمعہ قائم ہو جائے گویا خدا تعالےٰ نے جاندار چیزوں کو الہام کر دیا ہے کہ اس دن کے اس وقت میں قیامت قائم ہوگی اور اس دن کی عظمت اور اس کا ڈر بھی ان کے دلوں میں ڈال دیا ہے اور یہ معنیٰ انکے باطن میں بیٹھا دیا اور پوشیدہ کر کے رکھ دیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالےٰ جمعہ کے دن زمین میں بڑے بڑے عظیم کام ظاہر کریگا جن کے سبب زمین لرزے اور گردش کرے گی اور جانور اسے محسوس کر کے بے ہوش ہو جائیں گے۔

۹؎ کہ انسان اور جنات اس سے غافل ہیں بے خبر ہیں اور ان پر اس کا انکشاف نہیں کیا گیا تاکہ تکلیف

و آزمائش کا قاعدہ اور دستور درہم برہم نہ ہو جائے اور ایمان بالغیب کی حیثیت قائم رہے۔

[۱۰] اس حدیث میں لَا یُصَادِفُھَا لا یوافقھا کی جگہ آیا ہے اور شیئاً خیرًا کی جگہ آیا ہے اور مصادفت کا معنیٰ ہے کسی چیز کو پانا۔

[۱۱] یعنی میں نے حضرت کعب کی تردید میں کہا کہ ایسا نہیں کہ وہ گھڑی سال میں ایک بار آتی ہے۔ بلکہ یہ جمعہ کے دن آتی ہے۔

[۱۲] جو اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ وہ گھڑی ہر جمعہ کے دن ہوتی ہے۔

[۱۳] وہ گھڑی ہر جمعہ کے دن آتی ہے۔

[۱۴] حضرت عبداللہ بن سلام صحابی ہیں اور پہلے علمائے یہود میں سے تھے۔

[۱۵] یعنی یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے یا تورات پڑھنے سے انہیں معلوم تھی۔ ظاہر پہلا احتمال ہے۔

[۱۶] کیونکہ عصر کی نماز کے بعد کوئی نماز پڑھنا ممنوع و مکروہ ہے۔

[۱۷] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا وہ موسیقی کا وہی معنیٰ ہے کہ نماز کی انتظار میں بیٹھا ہو۔ اور یہ چیز آخر دن میں بھی ہو سکتی ہے اور اگر اس وقت کوئی دعا کرے تو قبول ہوتی ہے۔ بعض نے کہا یہاں صلوۃ سے دعا مراد ہے۔

[۱۸] اور ان کا قول ثم قال عبداللہ بن سلام قد علمت تا آخر ذکر نہ کیا۔

۱۲۸۱/۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلْتَمِسُوا السَّاعَۃَ الَّتِیْ تُرْجٰی فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَۃِ بَعْدَ الْعَصْرِ اِلٰی غَیْبُوْبَۃِ الشَّمْسِ۔ (رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس گھڑی کو تلاش کرو جس کی اُمید جمعہ کے دن ہوتی ہے عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک[۱]۔ (ترمذی)

[۱] اس حدیث کے ظاہر سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نماز عصر آخر دن تک پڑھی جا سکتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں مسئلہ اس طرح نہیں جو دوسرے آئمہ مذہب کہتے ہیں کہ عصر کا وقت ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہونے تک ہے یعنی دن کا چوتھائی حصہ باقی رہنے تک۔ کیونکہ دوسری حدیث میں واقع ہوا ہے کہ وہ گھڑی جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔ اسے خوب سمجھ لو۔

۱۲۸۲/۱۰ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمُ الْجُمُعَةِ فِيهِ خُلِقَ آدَمُ وَفِيهِ قُبِضَ وَفِيهِ النَّفْخَةُ وَفِيهِ الصَّعْقَةُ[2] فَأَكْثِرُوا عَلَيَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِيهِ فَإِنَّ صَلٰوتَكُمْ مَعْرُوضَةٌ عَلَيَّ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلٰوتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ أَرِمْتَ قَالَ يَقُولُونَ أَبَلِيتَ قَالَ إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيرِ۔

نے فرمایا کہ تمہارے دنوں میں افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی میں حضرت آدم پیدا ہوئے اسی میں ان کی روح قبض کی گئی۔ اسی دن میں صور پھونکا جائے گا۔ اور اسی دن ہلاکت طاری ہوگی تو اس دن میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھو[3] کہ بیشک تمہارا درود و سلام میرے اوپر پیش کیا جاتا ہے[4]۔ صحابہ نے کہا یا رسول اللہ آپ پر درود کیسے پیش کیا جائے گا حالانکہ آپ کی ہڈیاں بوسیدہ[5] ہو چکی ہوں گی۔ یا راویؓ نے کہا کہ صحابہ نے کہا آپ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ نے انبیاء علیہم السلام کے اجسام طاہرہ کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔ ابوداؤد، نسائی۔ ابن ماجہ، دارمی اور بیہقی دعوات کبیر میں۔

---

[1] اوس ہمزہ کی زبر اور واو ساکن۔ آپ صحابی ہیں۔ دمشق میں سکونت پذیر رہے اور وہیں وصال فرمایا۔

[2] حدیث میں لفظ صعقہ آیا ہے بمعنی ہلاک۔ اس میں اللہ سبحانہ کے قول مبارک وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ اور صور پھونکا جائے گا تو ہلاک ہو جائے گی ہر چیز جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔ پس اس نفخہ کے مقابلہ میں جو مذکور ہوتا ہے وہ نفخہ ثانیہ ہے نفخہ ثانیہ زندہ کرنے اور مردوں کو قبر سے اٹھانے کے لیے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُوْنَ۔ اور صور میں پھونکا جائے گا تو اچانک وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اور ایک نفخہ اور ہے جو گھبراہٹ اور خوف وہراس کے لیے ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ اور صور میں پھونکا جائے گا تو آسمان اور زمینوں میں جو کچھ ہے سب پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ اور یہ نفخہ ہلاکت کا پیش خیمہ ہوگا تو نفخے دو ہوں گے۔ بعض تین نفخوں کے قائل ہیں۔ مگر مشہور دو ہی نفخے ہیں۔ ایک ہلاکت کے لیے دوسرا زندہ کرنے کے لیے۔

[3] یعنی چونکہ روز جمعہ نہایت بابرکت اور عظیم الشان روز ہے اس لیے اس میں مجھ پر کثرت سے درود پڑھو۔

[4] یعنی ملائکہ سیاحین کے ذریعے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

[5] یہ موت اور زوال ادراک سے کنایہ ہے۔

۶ یہ راوی کا شک ہے یعنی صحابہ کرام نے لفظ قد ارمت سے بَلِیتَ مراد لیا (یا کی زبر لام کی زیر یا اور تا کی زبر سے) یعنی آپ قبر انور میں پرانے اور بوسیدہ ہو چکے ہوں گے۔ اَرِمت کی تحقیق اور اس کے ضبط و تلفظ میں بڑا اختلاف ہے مشکوٰۃ کے اکثر تصحیح شدہ نسخوں میں اس کا تلفظ دو وجہ سے بیان کیا گیا ہے ایک اَرِمْتَ یعنی ہمزہ کی زبر را کی زیر تا ساکن اور تا مخفف کی زبر بصیغہ ماضی معلوم۔ دوسری اُرِمْتَ یعنی ہمزہ کی پیش را کی زیر اور تا کی زبر بصیغۂ مجہول۔ یعنی جب آپ بوسیدہ کر دیے گئے ہوں گے اور لفظ بلیت سے اس کی تفسیر وجہ اول کے موافق ہے۔ مگر یہ کہ بُلِیتُ بصیغہ مجہول تا ساکن سے ہو۔

۷ یہ زندگی اور حیات سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ تیسری فصل میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث میں صراحۃً آ رہا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا بعد از موت زندہ رہنا بالکل متفق علیہ مسئلہ ہے۔ کسی کا بھی انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی حقیقی میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ ان کی حیات معنوی و روحانی نہیں جیسی کہ شہدا کی زندگی ہے اور اس حدیث میں جو فرمایا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ تو وہ اسی جانب اشارہ ہے۔ اگرچہ اس باب میں کہ درود شریف کے پیش ہونے اور حصول ادراک کے لیے حیات روحانی بھی کافی ہے لیکن مذہب وہی جو بیان کیا گیا ہے۔ اس مسئلہ کی تحقیق بالغ اپنی کتاب تاریخ مدینہ مسمّٰی بجذب القلوب الی دیار المحبوب میں کر دی گئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

۱۲۸۳ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ وَالْیَوْمُ الْمَشْهُوْدُ یَوْمُ عَرَفَةَ وَالشَّاهِدُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ وَمَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ وَلَا غَرَبَتْ عَلٰى یَوْمٍ اَفْضَلَ مِنْهُ فِیْهِ سَاعَةٌ لَا یُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ یَدْعُو اللّٰهَ بِخَیْرٍ اِلَّا اسْتَجَابَ اللّٰهُ لَهٗ وَلَا یَسْتَعِیْذُ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا اَعَاذَهٗ مِنْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ لَا یُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِیْثِ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم موعود[۱] یوم قیامت ہے اور یوم مشہود یوم عرفہ اور شاہد یوم جمعہ ہے۔ کسی دن پر جو جمعہ سے افضل ہو سورج طلوع و غروب نہیں ہوا۔ اس میں ایک گھڑی ہے بندہ مومن اسے نہیں پاتا اس حال میں کہ اس کے اندر خیر و بھلائی کی دعا کرتا ہے مگر اللہ تعالےٰ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے اور کسی چیز سے پناہ نہیں لیتا مگر اس سے اللہ اسے پناہ دے دیتا۔

احمد، ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہم اسے نہیں جانتے مگر موسیٰ بن عبیدہ کی حدیث

مُوسَى بْنُ عُبَيْدَةَ وَهُوَ يُضَعَّفُ

سے اور وہ ضعیف راوی ہے۔

لہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُودٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یوم موعود سے مراد روز قیامت ہے جس کے آنے کی حق سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے اور جس کے آنے کے بعد مومنوں سے بہشت میں نعمتیں عطا کرنے کا وعدہ کیا ہے اور یوم مشہود سے یوم عرفہ (نویں ذوالحجہ کا دن) ہے کیونکہ اس دن تمام علاقوں کے مسلمان اور ملائکہ حاضر و موجود ہوتے ہیں۔ مشہود بمعنی حضور ہے اور شاہد سے جمعہ کا دن مراد ہے کہ مخلوق اس میں حاضر ہوتی اور اس کے پاس آتی ہے تو یوم عرفہ کو مشہود اور جمعہ کو شاہد اس لیے کہا گیا کہ مخلوق عرفہ کی طرف آتی اور اس مکان میں حاضر ہوتی ہے جو اس دن سے منسوب ہے لہٰذا یوم عرفہ مشہود ہوا اور جمعہ کے دن لوگ اپنی اپنی جگہوں میں ہوتے ہیں اور جمعہ ان کے پاس آتا ہے اس لیے وہ شاہد ہوا۔ یعنی حاضر ہونے والا اور مفسرین نے لفظ شاہد کی تفسیر مخلوق سے بھی کی ہے۔ کیونکہ مخلوق قیامت کے دن حاضر ہوگی۔ اور لفظ مشہود کی تفسیر اس چیز سے کی گئی ہے جس میں عجائبات کا مشاہدہ کیا جائے۔ یا شاہد سے پیغمبر اور مشہود سے امت خصوصًا یا عمومًا مراد ہے۔ یا یہ امت شاہد اور دوسری امتیں مشہود ہیں یا شاہد سے خالق و مخلوق مراد ہے کیونکہ خالق مخلوق کے حالات پر مطلع ہے اور مخلوق خالق کے وجود اور اس کی صفات پر شاہد گواہ ہے یا شاہد و مشہود سے عرفہ کا دن اور حاجی مراد ہیں یا روز جمعہ اور لوگ مراد ہیں یا شاہد و مشہود سے ہر دن اور اس میں رہنے والے لوگ مراد ہیں جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سب تاویلات اس لفظ کے مختلف احتمالات ہیں جن پر اس لفظ کو محمول کرنا ممکن ہے۔ اس کی اصل تفسیر وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مسند اور منسوب ہے اگر یہ نسبت صحیح ہو۔ واللہ اعلم۔

۲ہ عُبَیدہ عین کی پیش با کی زبر سے اور وہ ضعیف ہے۔ یعنی یہ موسیٰ ضعیف قرار دیا گیا ہے اور اس کی طرف اور اس کی حدیث کی طرف ضعف کی نسبت کی گئی ہے۔ تاہم تحقیق یہ ہے کہ اس میں اختلاف ہے۔ نسائی وغیرہ نے کہا کہ موسیٰ ضعیف ہے۔ ابن سعد نے کہا ثقہ ہے۔ مگر اس کے بعض راویوں کی وجہ سے اس کی حدیث حجت نہیں۔ اور اس کی حدیث کو ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کی وفات ۱۵۲ھ ہجری میں ہوئی۔ محدثین نے کہا ہے اس کی قبر سے کستوری و عنبر کی خوشبو مہکتی تھی۔ حالانکہ اس کے شہر ربذہ میں اس وقت وہاں مشک و عنبر کا بالکل وجود نہ تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۸۴ / ۹ عَنْ اَبِي لُبَابَةَ بْنِ عَبْدِ الْمُنْذِرِ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

حضرت ابو لبابہ لہ بن عبد المنذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اِنَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سَيِّدُ الْاَيَّامِ وَاَعْظَمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَهُوَ اَعْظَمُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ يَوْمِ الْاَضْحٰى وَيَوْمِ الْفِطْرِ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ خَلَقَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ وَاَهْبَطَ اللّٰهُ فِيْهِ اٰدَمَ اِلَى الْاَرْضِ وَفِيْهِ تَوَفَّى اللّٰهُ اٰدَمَ وَفِيْهِ سَاعَةٌ لَا يَسْاَلُ الْعَبْدُ فِيْهَا شَيْئًا اِلَّا اَعْطَاهُ مَا لَمْ يَسْاَلْ حَرَامًا وَفِيْهِ تَقُوْمُ السَّاعَةُ مَا مِنْ مَّلَكٍ مُّقَرَّبٍ وَّلَا سَمَآءٍ وَّلَا اَرْضٍ وَّلَا رِيَاحٍ وَّلَا جِبَالٍ وَّلَا بَحْرٍ اِلَّا هُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ

نے فرمایا جمعہ کا دن اللہ کے نزدیک تمام دنوں کا سردار تمام دنوں سے بڑا ہے اور وہ اللہ کے نزدیک عید فطر و عید بقر کے دنوں سے بڑا[2] ہے۔ اس میں پانچ اوصاف ہیں۔ اللہ نے اس میں حضرت آدم کو پیدا کیا اور اللہ نے اس میں حضرت آدم کو زمین کی طرف اتارا۔ اسی میں اللہ نے حضرت آدم کو وفات دی۔ اور اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں بندہ کوئی شے نہیں مانگتا مگر رب تعالیٰ اسے دے دیتا ہے۔ جب تک کہ حرام چیز نہ مانگے۔ اسی میں قیامت قائم ہوگی کوئی مقرب فرشتہ آسمان۔ زمین۔ ہوائیں۔ پہاڑ دریا ایسے نہیں جو جمعہ کے دن سے خوف نہ کرتے ہوں[3]۔

وَرَوٰى اَحْمَدُ عَنْ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنَا عَنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مَاذَا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ قَالَ فِيْهِ خَمْسُ خِلَالٍ وَّسَاقَ اِلٰى اٰخِرِ الْحَدِيْثِ۔

ابن ماجہ اور احمد نے سعد بن معاذ سے یوں روایت کی کہ ایک انصاری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا ہمیں جمعہ کے دن کے بارے میں خبر دیجیے۔ کہ اس میں کیا خوبیاں ہیں۔ فرمایا اس میں پانچ صفتیں ہیں۔ اور آخر حدیث تک نقل کی۔

---

[1] لبابہ لام کی پیش۔ بائے اول مخفف ان کا نام رفاعہ ہے (را کی زیر سے) آپ مشہور صحابی ہیں ہم ان کے کچھ حالات آخر کتاب میں اہل بدر میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ۔

[2] یہ حدیث جمعہ کی باقی دنوں پر افضلیت میں صریح ہے۔ البتہ یوم عرفہ کی تصریح نہ فرمائی۔ گویا یوم اضحیٰ کا ذکر یوم عرفہ کو متضمن ہے یا ہم یوم اضحیٰ کو یوم عرفہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[3] یعنی یہ سب چیزیں قیامت کے اچانک آجانے سے خائف رہتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہوائیں

دریا پہاڑ، زمین و آسمان سب کو قیامت کے آنے کا علم ہے اور انہیں اس کے جمعہ کے دن آنے کا علم دیا گیا ہے۔ اور سب کو علم و ادراک حاصل ہے۔ ؎

خاک و آب و باد و آتش بندہ اند
بامن و تو مردہ با حق زندہ اند

مٹی، پانی، ہوا، آگ سب اس کے بندے ہیں۔ تیرے اور میرے حق میں مردہ مگر اللہ کے حق میں زندہ ہیں

۱۲۸۵/۱۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قِيْلَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَيِّ شَيْءٍ سُمِّيَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ قَالَ لِاَنَّ فِيْهَا طُبِعَتْ طِيْنَةُ[1] اَبِيْكَ اٰدَمَ وَفِيْهَا الصَّعْقَةُ[2] وَالْبَعْثَةُ وَفِيْهَا الْبَطْشَةُ[3] وَفِيْ اٰخِرِ ثَلٰثِ سَاعَاتٍ مِّنْهَا سَاعَةٌ مَنْ دَعَا اللّٰهَ فِيْهَا اُسْتُجِيْبَ لَهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ کس وجہ سے اس دن کا نام جمعہ رکھا گیا فرمایا اس لیے کہ اس میں تمہارے والد حضرت آدم کی مٹی جمع کی گئی[1] اسی میں بے ہوشی اور اٹھنا ہے[2] اسی میں پکڑ ہے[3] اور اسی کی آخری تین گھڑیوں ایسی گھڑی ہے جو اس میں اللہ سے دعا مانگے اس کی دعا قبول ہوئے[4]

(احمد)

[1] یعنی اسی میں حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی تیار کی گئی۔ اور ان کا ڈھانچہ بنایا گیا۔ علما نے کہا ہے طُبِعَتْ طِيْنَةُ اٰدَمَ سے انہیں درست کرنا اور انہیں ایک نئی صورت پر پیدا کرنا مراد ہے۔

[2] الصعقۃ ہلاک ہونا اور جاندار چیزوں کا مرنا۔ البعثۃ۔ یعنی مرنے کے بعد اٹھنا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ادس کی حدیث میں صعقہ کے ساتھ جس نفخہ کا ذکر ہوا اس سے اٹھنا اور زندہ کرنا مراد ہے۔

[3] البطشۃ۔ علما نے کہا اس سے روز قیامت مراد ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى (جس دن ہم سخت قسم کی پکڑ کریں گے) الصعقہ اور بعثہ کے بعد بطشہ کا ذکر تاکید کے لیے ہے۔ بطش بمعنی سخت اور شدید قسم کی پکڑ اور اگر اس سے اللہ تعالٰے کی وہ پکڑ و گرفت مراد لی جائے جو بندوں کی ان کے حشر و بعث کے بعد ہوگی تو یہ بھی ٹھیک ہے بعض نے کہا اس سے بدر کے دن مشرکین کی پکڑ دھکڑ مراد ہے کہ یہ واقعہ بھی جمعہ کے روز ہوا تھا۔

[4] توجب کہ اس دن میں یہ سب بڑے بڑے کام جمع کر دیے گئے ہیں۔ اسی بنا پر اس کا نام جمعہ رکھا گیا۔

۱۲۸۶/۱۱ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ

اَکْثِرُوا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ فَاِنَّہٗ مَشْہُوْدٌ یَشْہَدُہُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَاِنَّ اَحَدًا لَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ اِلَّا عُرِضَتْ عَلَیَّ صَلٰوتُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْہَا قَالَ قُلْتُ وَبَعْدَ الْمَوْتِ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ۔ (رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کہ یہ دن مشہور ہے یعنی اس میں فرشتے رحمت و برکت لے کر حاضر ہوتے ہیں۔ اور بے شک کوئی آدمی مجھ پر درود نہیں بھیجتا مگر اس کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے[1] یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو[2]۔ میں نے عرض کیا موت کے بعد بھی[3] فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاءؑ کے جسموں کو کھائے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے۔ اسے رزق دیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

[1] اور اس کا درود مجھ پر ہمیشہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ لہٰذا جمعہ کے دن جو سب دنوں سے افضل و اشرف دن ہے، بطریق اولیٰ مجھ پر درود شریف پیش کیا جاتا ہے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ مطلب یہ ہو کہ جمعہ کے دن کامل طور پر درود شریف کا مجھ پر پیش ہونا لازم و ضروری ہے اور یہ فضیلت اسی دن کے ساتھ خاص ہو۔ واللہ اعلم۔

[2] یعنی اس وقت تک کہ میرا امتی مجھ پر درود شریف پڑھتا رہتا ہے۔ میرے اوپر پیش ہوتا رہتا ہے۔ جتنا جتنا پڑھتا جاتا ہے۔ میرے آگے پیش ہوتا رہتا ہے۔ تاآنکہ اس سے فارغ ہو جائے اور پڑھنا ترک کر دے۔

[3] یعنی میں نے بطور استفہام اور اس بات کو بعید جانتے ہوئے کہا کہ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ پر درود پاک پیش کرتے ہیں۔

[4] یہ یا تو حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا تتمہ ہے۔ یا تاکید کی غرض سے حدیث بیان کرنے کے بعد خود حضرت ابوالدرداء کا قول ہے۔ تاکہ آپ کی زندگی و حیات کی حقیقت کا اثبات کیا جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے اور اس کی کثرت کی ترغیب دی جائے۔

۱۲۸۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَمُوْتُ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ اَوْ لَیْلَۃَ الْجُمُعَۃِ اِلَّا وَقَاہُ اللّٰہُ فِتْنَۃَ الْقَبْرِ۔

رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ہٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَلَیْسَ اِسْنَادُہٗ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مسلمان نہیں جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو فوت ہوتا ہے مگر اللہ اسے فتنہ قبر سے بچا لیتا ہے۔

ث

احمد۔ ترمذی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔ اور اس کا اسناد متصل

بِمُتَّصِلٍ ۔

نہیں[2]

[1] یہ یا تو راوی کا شک ہے۔ یا موت کے دو بابرکت اوقات کا بیان ہے۔ دوسری صورت زیادہ ظاہر ہے

[2] اس حدیث کے اسناد کو امام سیوطی نے جمع الجوامع میں احمد بیہقی سے اور شیرازی سے القاب میں حضرت ابن عمر سے اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت جابر سے باین الفاظ روایت کیا کہ جو مسلمان جمعہ کے دن مرتا ہے وہ عذاب قبر سے محفوظ رہتا ہے۔ اور وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس پر شہیدوں کی مہر لگی ہوگی۔

۱۲۸۸/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ قَرَاَ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الْاٰيَةَ وَعِنْدَهٗ يَهُوْدِيٌّ فَقَالَ لَوْ نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ عَلَيْنَا لَاتَّخَذْنَا عِيْدًا فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنَّهَا نَزَلَتْ فِيْ يَوْمِ عِيْدَيْنِ فِيْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَيَوْمِ عَرَفَةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ پڑھی[1] آپ کے پاس ایک یہودی تھا وہ بولا اگر یہ آیت ہم پر اترتی تو ہم اسے عید بنا لیتے[2]۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت دو عیدوں کے دن میں اتری۔ یعنی جمعہ اور عرفہ کے دن[3]۔ ترمذی۔ اور فرمایا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] یہ آیت مبارکہ عرفہ کے دن حجۃ الوداع میں نازل ہوئی۔ آیت کا ترجمہ یہ ہے "آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا۔ اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور میں تمہارے لیے تمہارا دین، اسلام ہونے پر راضی ہو گیا۔

[2] یعنی ہم لوگ اس آیت کے نزول اور اس دن کو جس میں یہ نازل ہوئی، نہایت خوشی اور شکرانہ نعمت کے طور پر عید بناتے۔ یعنی تعجب ہے کہ تم مسلمانوں نے اسے عید نہیں بنایا۔

[3] یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے اسے عید بنا لیا ہے۔ کیونکہ یہ آیت دو عیدوں کے دن نازل ہوئی یعنی اس دن میں جس میں دو عیدیں جمع ہیں۔ جمعہ کا دن اور عرفہ کا دن۔ کیونکہ حجۃ الوداع کا دن جمعہ کا دن تھا۔ لہٰذا صرف ایک عید نہیں بلکہ اسے دو عیدیں قرار دیا ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ دو عیدوں یعنی جمعہ اور عرفہ کو چھوڑ کر ہمیں صرف اسے عید بنانے کی ضرورت نہیں۔ اسے سمجھ لو۔

۱۲۸۹/۱۴ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ رَجَبٌ قَالَ اَللّٰهُمَّ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب ماہ رجب داخل ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے اے اللہ ہمارے لیے رجب و

بَارِكْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَ شَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ قَالَ وَ كَانَ يَقُوْلُ لَيْلَةُ الْجُمُعَةِ لَيْلَةٌ اَغَرُّ وَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ يَوْمٌ اَزْهَرُ۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ

شعبان کو بابرکت بنا اور ہمیں ماہ رمضان تک پہنچا۔ اور آپ فرماتے تھے جمعہ کی رات روشن رات ہے اور جمعہ کا دن سفید اور روشن دن ہے[1]۔

(بیہقی دعوات کبیر)

[1] امام احمد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ فرمایا شب جمعہ لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے کیونکہ شب جمعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پاک حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے رحم پاک میں قرار پذیر ہوا۔ اور آپ کا ظہور نور دنیا و آخرت میں جن خیرات و برکات کا موجب بنا وہ حد و شمار سے باہر ہیں۔

بَابُ وُجُوْبِهَا

جمعہ کے واجب ہونے کا باب

واضح ہو کہ جمعہ کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت شدہ فریضہ محکمہ ہے۔ اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک فَاسْعَوْا اِلٰی ذِكْرِ اللّٰهِ (اللہ کے ذکر کی طرف دوڑ کر آؤ) سے نماز جمعہ یا اس کا خطبہ مراد ہے اور خطبہ کا وجوب جمعہ کے وجوب کو مستلزم ہے جیسا کہ علماء نے کہا ہے اور تفاسیر میں یہ مذکور ہے کہ اس سے خطبہ اور نماز دونوں مراد ہیں۔ کیونکہ ذکر اللہ کا لفظ دونوں کو شامل ہے اور دونوں پر صادق آتا ہے اور جمعہ ظہر کا خلیفہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ طیبہ بھیجا تھا تو آپ کو حکم دیا تھا کہ جب آفتاب دوپہر سے ڈھل پڑے تو لوگوں کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۹۰ عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ عَلٰی

فصل اوّل

حضرت ابن عمر و ابوہریرۃ دونوں سے روایت ہے بے شک ان دونوں نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منبر کی لکڑیوں[1] پر فرماتے سنا

أَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ أَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ أَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغَافِلِيْنَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کہ لوگ جمعہ چھوڑنے سے باز رہیں[1]۔ ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کر دے گا۔ پھر وہ ضرور غافلوں میں سے ہو جائیں گے[2]۔

(مسلم)

[1] یعنی اپنے منبر شریف پر۔ اس عبارت سے بظاہر تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اول، اول منبر بنانے کو وہ حضرات نہ پہچانتے تھے۔ اور ابتدا میں ان کے اندر چند لکڑیاں ترتیب سے رکھ کر بطور منبر استعمال کرنا مروج تھا۔ یا لکڑی کی صراحت یہ بتانے کے لیے کی کہ منبر شریف لکڑی کا تھا پتھر یا اینٹ کا بنا ہوا نہ تھا۔

[2] اور غافلوں میں شمار ہوں گے اور ان پر غافل ہونے کی گواہی دی جائے گی۔ اور ان پر غافل ہونے کا حکم جاری ہوگا اور وہ دائمًا حالت غفلت میں رہیں گے۔ یعنی ان دو باتوں میں سے ایک بات ضرور واقع ہوگی۔ یا ترک جمعہ سے باز آنا۔ یا ان کے دلوں پر مہر کا لگ جانا۔ اگر باز آ جائیں گے تو مہر نہ لگے گی۔ اور اگر باز نہ آئیں گے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ اور دلوں پر مہر لگا دینا نہایت غفلت اور نصیحت و موعظت قبول کرنے کا دروازہ بند ہو جانے سے کنایہ ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۲۹۱ عَنْ أَبِي الْجَعْدِ الضُّمَيْرِيِّ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِهٖ ۔

رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ وَأَحْمَدُ عَنْ أَبِي قَتَادَةَ ۔

حضرت ابوالجعد[1] ضمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو تین جمعے سستی[2] سے چھوڑ دے اللہ اس کے دل پر مہر لگا دے گا[3]۔

ابوداؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی اور مالک نے صفوان بن سلیم[4] سے اور احمد نے ابوقتادہ[5] سے روایت کی۔

---

[1] جعد جیم کی زبر۔ عین مہملہ ساکن۔ الضمیری ض کی پیش۔ میم کی زبر۔ یا ساکن۔ مشکوٰۃ کے نسخوں میں ایسا ہی ہے مگر صحیح اور درست ضمری ہے۔ یعنی ضاد کی زبر میم ساکن ضمرۃ بن بکر بن عبد مناۃ کی طرف نسبت ہے آپکو شرف صحبت حاصل

ہے۔ جیساکہ کتاب جامع الاصول میں مذکور ہے۔

[2] یعنی جمعہ کو معمولی، حقیر اور ہلکا جانتے ہوئے اسے ترک کر دے۔ ظاہر یہ ہے کہ تہاون سے یہاں اس کی ادائیگی میں سستی اور کوشش نہ کرنا مراد ہے۔ اس کی اہانت اور اسے ہلکا جاننا مراد نہیں کیونکہ یہ بلا شبہ کفر ہے۔ یہاں اس سے یہ بھی مراد ہے کہ جمعہ کو سستی سے چھوڑنا گناہ عظیم ہے جو مہر اور زنگ اور کفر تک پہنچانے کا باعث بن سکتا ہے۔

[3] رزین کی روایت میں آیا کہ بری اللہ تعالیٰ منہ۔ کہ خدا تعالےٰ اس بندے سے بیزار ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے مسلسل کئی جمعے ترک کر دیے اس نے دین اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔

[4] سُلیم سین کی پیش سے۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔

[5] آپ جلیل القدر تابعی ہیں۔ اہل مدینہ سے ہیں۔ عبادت و ریاضت میں مشہور ہیں۔ اور نیک اور مقبولان الٰہی میں سے ہیں۔ جن کے وسیلہ سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے۔ تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ کثرت سجود کی وجہ سے آپ کی پیشانی مبارک میں سوراخ ہو چکا تھا۔ آپ بڑے قناعت پسند تھے۔ کسی بادشاہ کا ہدیہ تحفہ قبول نہ کرتے تھے لکھتے ہیں کہ آپ نے قسم کھا رکھی تھی کہ چالیس سال تک پہلو زمین پر نہ رکھیں گے (نہ سوئیں گے) جب تیس برس گزر گئے تو آپ بیمار پڑ گئے اور حالت نزع کو پہنچ گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے عرض کیا پہلو زمین پر رکھیے۔ کہ وقت نازک ہے۔ مگر آپ نے پہلو زمین پر نہ رکھا۔ اور بیٹھے بیٹھے جان دے دی۔ آپ کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ آپ تقدیر کے زبردست قائل تھے۔ واللہ اعلم۔

۱۲۹۲ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ عُذْرٍ فَلْيَتَصَدَّقْ بِدِيْنَارٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِنِصْفِ دِيْنَارٍ۔
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤُدَ وَ
ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ بغیر عذر کے ترک کیا[1] چاہیے کہ وہ ایک دینار صدقہ کرے۔ اگر ایک دینار نہ ملے تو نصف دینار صدقہ کرے[2]۔

(احمد۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[1] یعنی ان عذروں میں سے کوئی عذر موجود نہ تھا جن سے جمعہ ساقط ہوتا ہے اس کے باوجود اس نے جمعہ ترک کیا اور نماز ظہر پر اکتفا کی تو اسے چاہیے کہ ایک دینار صدقہ کرے۔

۵۲ اگر کہا جائے کہ یہ جمعہ کے فرض نہ ہونے کی علامت ہے۔ کیونکہ فرض حکم کی تلافی کفارہ سے نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جمعہ فرض ہے مگر اصل فرض نماز ظہر ہے۔ مگر ہمیں حکم ہے کہ جمعہ کے لیے معتبر شرائط کی موجودگی میں جمعہ ادا کر کے نماز ظہر اپنے ذمہ سے ساقط کریں۔ اور جمعہ کے بجائے ظہر پر کفایت کرنا حرام ہے۔ یہ صدقہ اس فعل حرام کے کفارہ کے لیے ہے اور اس کوتاہی کی تلافی کے لیے ہے جو فرض کی ادائیگی میں اس سے سرزد ہوئی۔ اسے خوب سمجھ لو۔

۱۲۹۳/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ اس کے ذمہ ہے جس نے اذان سنی[1]۔

(ابوداؤد)

[1] یعنی اذان سننے کے وقت جمعہ کی طرف جلد آنا واجب ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ مراد اذان اول ہے یا اذان خطبہ مختار قول اول ہے۔ بعض نے کہا قول ثانی مختار ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ دوسری اذان ہی تھی۔ اس کی تفصیل باب خطبہ و نماز میں آئے گی۔

۱۲۹۴/۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْجُمُعَةُ عَلٰى مَنْ اٰوَاهُ اللَّيْلُ اِلٰى اَهْلِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جمعہ اس پر واجب ہے جسے اس کی رات اس کے اہل کے پاس ٹھکانا دے[1]۔ ترمذی نے کہا اس کا اسناد ضعیف ہے۔

[1] یعنی اس پر فرض ہے جو اپنے وطن میں اور اس جگہ ہو کہ جمعہ ادا کرنے کے بعد رات ہونے سے پہلے واپس آکر اپنے اہل و عیال میں رات بسر کر سکتا ہو اسے مسافت عدوی کہتے ہیں۔ بخلاف قصر کی مسافت کہ اس سے بندہ مسافر شمار ہوتا ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا امام ابوحنیفہ کے اصحاب اس کے قائل ہیں۔ بشرطیکہ اس کا وطن (جائے رہائش) شہر کی حدود میں ہو۔ جس میں جمعہ ادا کیا جاتا ہو۔ اور اگر اس کا وطن اس شہر کی حدود و ملحقات میں سے نہ ہو بلکہ دوسرے کسی شہر سے متعلق ہو تو پھر اس پر آنا واجب نہ ہوگا۔

۱۲۹۵/۶ وَعَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت طارق[1] بن شہاب سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر

وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَّمْلُوْكٍ اَوِ امْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔

مسلمان پر باجماعت[2] حق و فرض ہے سوائے چار شخصوں کے مملوک غلام[3]۔ عورت[4]۔ بچہ[5] اور بیمار۔

⁂

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَفِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ بِلَفْظِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ بَنِيْ وَائِلٍ۔

ابوداؤد اور شرح سنۃ بالفاظ مصابیح بنی وائل کے ایک شخص سے روایت کی۔

⁂

---

[1] آپ قبلہ احمس سے ہیں کوفی ہیں۔ جاہلیت کا زمانہ پایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی مگر آپ سے حدیث سننا بہت کم میسر آیا حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ۲۳ یا ۲۴ غزوات میں شامل ہوئے۔ آپ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے احادیث روایت کرتے ہیں۔ ۸۲ھ یا ۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔

[2] یعنی نماز جمعہ کے لیے جماعت فرض ہے۔ بے جماعت جمعہ درست نہیں۔

[3] یعنی ایک وہ غلام جو کسی کی ملکیت و تصرف میں ہو۔ اس علت کے باعث جمعہ اس کے ذمہ سے ساقط ہے۔

[4] ایک تو خاوند کے حق کے لیے۔ دوسرے اجتماع جمعہ میں نامحرموں کے موجود ہونے کی وجہ سے۔ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں عورتیں نماز باجماعت میں آتی تھیں۔ لیکن مردوں کے ہجوم کے باعث جمعہ کی فرضیت ان سے ساقط کر دی گئی۔

[5] یعنی نابالغ بچہ کہ وہ احکام شرع کا مکلف نہیں۔

[6] اس کے ضعف اور کمزوری کے باعث۔ اسی طرح مسافر پر بھی فرض نہیں تاکہ اس کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح نابینا اور لنگڑے پر بھی فرض نہیں جیساکہ احادیث میں آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں پر سے جمعہ کی فرضیت کا اسقاط بتدریج و ترتیب سے وقوع پذیر ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۲۹۶ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَّتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلًا يُّصَلِّيْ بِالنَّاسِ ثُمَّ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا جو نماز جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کسی شخص کو حکم دوں وہ لوگوں

أُحْرِقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کو نماز پڑھائے[1] پھر میں ان لوگوں پر جو جمعہ سے پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے گھروں میں آگ لگا دوں[2]۔

(مسلم[3])

ف۱ اور ان کی امامت کرے۔

ف۲ پھر خود میں اس کام میں مشغول ہو جاؤں کہ جو لوگ جمعہ کے لیے حاضر نہیں ہوتے آگ لگا کر ان کے گھروں کو جلا دوں اس حدیث کی طرح نماز عشاء سے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے بھی اس کے باب میں گزرا ہے۔ اور لفظ اُحَرِّقَ تشدید و تخفیف تحریق سے یا احراق سے مشتق دونوں روایتیں ہیں۔

ف۳ اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ امام کو اگر کوئی ضروری کام درپیش ہو تو کسی کو خلیفہ بنا کر خود اس کام میں مشغول ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حج کے سال اول میں جب اس کی فرضیت ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ادائیگی حج کے لیے اپنا خلیفہ مقرر کیا)

۱۲۹۷/۸ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ بِغَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِيْ كِتٰبٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ وَفِيْ بَعْضِ الرِّوَايَاتِ ثَلَاثًا ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بلا ضرورت و مجبوری جمعہ ترک کر دے وہ ایسی کتاب میں منافقوں کے اندر لکھا جاتا ہے جو نہ مٹائی جا سکتی ہے نہ اس میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے[2]۔ اور بعض روایات میں تین[3] واقع ہوا۔

(شافعی)

ف۱ یعنی کی طرح شمار ہوتا ہے۔

ف۲ یعنی نفاق کا حکم اس کے لیے ہمیشہ اور دائماً ثابت و قائم ہو جاتا ہے۔ تا آنکہ اللہ اسے اس کی سزا دے یا اسے معاف کرے۔

ف۳ یعنی مسلسل تین جمعے ترک کرنے پر۔

۱۲۹۸/۹ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَعَلَيْهِ الْجُمُعَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اِلَّا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ اور دن قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھنا فرض[1] ہے۔ مگر بیمار پر، مسافر پر، عورت

مَرِيْضٌ اَوْ مُسَافِرٌ اَوِ امْرَاَةٌ اَوْ صَبِيٌّ اَوْ مَمْلُوْكٌ. فَمَنِ اسْتَغْنٰى بِلَهْوٍ اَوْ تِجَارَةٍ اسْتَغْنَى اللّٰهُ عَنْهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔

(رَوَاهُ الدَّارَ قُطْنِيُّ)

بچے پر یا غلام پر تو جو شخص کھیل کود کی وجہ سے نماز جمعہ اور عبادت مولیٰ تعالٰے سے بے نیاز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہو جاتا ہے[2]۔ اور اللہ تعالٰے بے نیاز[3] اور لائق حمد و ثنا ہے۔

(دار قطنی)

[1] یا اسے چاہیے کہ جمعہ کے اندر نماز جمعہ اپنے اوپر لازم جانے اور اسے ترک نہ کرے۔

[2] کہ نہ اس پر مہربانی کرتا ہے نہ اسے بلاتا ہے۔

[3] یعنی خدا تعالٰے بندوں اور ان کی اطاعت سے بے نیاز ہے۔ لوگوں کی بندگی سے اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اور وہ ان بندوں کی ثنا کرتا ہے جو اس کی بندگی کرتے اور اس کا شکر بجا لاتے ہیں۔

بَابُ التَّنْظِيْفِ وَالتَّبْكِيْرِ

صفائی و طہارت اور اوّل وقت میں جمعہ کو جانا

نظافت پاکیزگی۔ تنظیف پاک کرنا۔ یہاں بدن کا پاک کرنا مراد ہے۔ غسل سے اور لبیں کاٹنا۔ ناخن اتارنا۔ زیر ناف بال صاف کرنا۔ بغلوں کے بال اکھیڑنا۔ کپڑے پاک کرنا اور خوشبو لگانا وغیرہ کہ یہ سب کام جمعہ کے روز سنت ہیں۔ اس کی تفصیل ابتدائے کتاب میں فطرت کے بیان میں گزر چکی ہے۔ تبکیر کاف پر یا کی تقدیم سے اس کا اصل معنیٰ ہے صبح کے وقت آنا۔ کسی چیز کی طرف دوڑنا اور اس کے اول وقت میں اس کے پاس آنا۔ صبح کا وقت ہو یا کوئی اور وقت۔ یہاں اس کا معنیٰ ہے نماز جمعہ کے لیے اول وقت میں آنا۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم لوگ اس ڈر سے کہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچنا فوت نہ ہو جائے۔ نماز جمعہ سے پہلے نہ کھانا کھاتے تھے نہ قیلولہ کرتے تھے۔ ہر چیز کے اول حصہ کو باکورہ کہتے ہیں۔ جس طرح نئے اگنے والے پھل کو باکورہ کہتے ہیں۔ حدیث میں تبکیر کی نسبت مغرب اور ہر نماز کی طرف آئی ہے۔ لہذا تبکیر جمعہ کی حقیقت یہ ہے کہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچنے کے لیے جلدی کرنا۔ اور اس کے مختلف مراتب ہیں جیسا کہ آگے حدیث میں آئے گا۔ اور اگر جمعہ کے لیے اول دن میں آجائے تو بہت اکمل وافضل ہے۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے احیاء میں بعض سلف سے نقل کیا کہ وہ صبح کے وقت ہی آجاتے تھے۔ اس لیے نہیں کہ وہ لفظ تبکیر کو صبح پر محمول کرتے تھے بلکہ وہ نماز جمعہ کے لیے آنے میں

جلدی اور مبالغہ سے کام لیتے تھے۔ اس لیے وہ صبح کو ہی آ جاتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں آجکل (حضرت شیخ قدس سرہ کے زمانہ میں) یہ عادت ہے کہ لوگ سویرے سویرے آتے جگہ گھیرتے مصلے بچھاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ بیٹھتے نہیں۔ بعض علماء نے اسی لیے اس فعل پر اعتراض کیا اور کہا ہے کہ یہ لوگوں کے لیے جگہ تنگ کرنا ہے۔ ہاں اگر بیٹھ جائیں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں تو بہت اچھی بات ہے۔ ورنہ صرف جگہ کا گھیر لینا جگہ تنگ کرنے کو مستلزم ہے جو ایک غیر مستحسن فعل ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۲۹۹ عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَیَتَطَھَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُھْرٍ وَّیَدَّھِنُ مِنْ دُھْنِہٖ اَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیْبِ بَیْتِہٖ ثُمَّ یَخْرُجُ فَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَا کُتِبَ لَہٗ ثُمَّ یُنْصِتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَ لَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

پہلی فصل

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص جمعہ کے دن غسل کرے[1] اور بقدر طاقت صفائی کرے[2]۔ اور اپنے تیل[3] میں سے کچھ لگائے یا اپنے گھر کی خوشبو[4] مل لے۔ پھر مسجد کو جائے۔ تو دو شخصوں کو الگ نہ کرے[5]۔ پھر جو تقدیر میں لکھی ہے وہ نماز پڑھے[6]۔ پھر جب امام خطبہ پڑھے تو خاموش رہے[7] مگر یہ کہ اب سے دوسرے جمعہ تک اس کے گناہ بخشے نہ جائیں[8]

(بخاری)

---

[1] یعنی نماز جمعہ کے لیے۔

[2] بغیر اس کے کہ وسوسہ و اسراف میں مبتلا ہو۔

[3] یدّھن دال کی شد سے۔ یعنی روغن اور تیل جو اسے اپنے گھر سے بے تکلف میسر آجائے۔ دھن دال کی زبر اور ہا ساکن۔ ادّھان شد سے اپنے اوپر تیل ملنا۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ گھر تیل اور خوشبو سے خالی نہ ہونا چاہیے۔ یا یہ کہ جمعہ اور دوسری مجالس اور اچھے مجموں کیلیے تیل کا استعمال مستحسن ہے۔

[4] یعنی اگر تیل میسر نہ آئے تو گھر میں خوشبو ہو تو وہی مل لے۔ یا کلمہ او واو کے معنی میں ہے یا یہ راوی کا شک ہے۔ یہاں روغن سے بھی خوشبو مراد ہے اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک روغن کدو

خوشبو میں داخل ہے حتیٰ کہ احرام والا اسے نہیں لگا سکتا۔

۵ یعنی وہ دو آدمی جو مل کر صف میں بیٹھے ہوئے ہوں اور ان کے درمیان کسی اور کو بیٹھنے کی گنجائش نہ ہو وہ انہیں دھکا دیکر ان کے درمیان گھس کر نہ بیٹھے۔ یا جدا کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنا قدم ان کے درمیان سے گزارے اور ان سے آگے جائے۔ بلکہ چاہیے کہ خالی جگہ پر بیٹھے اور جدا کرنے اور گردنوں پر قدم رکھنے کے بغیر صف اول یا اس کے نزدیک بیٹھنا میسر آجائے تو بہتر ہے۔ درحقیقت یہ اس جانب اشارہ ہے کہ اول وقت میں ہی جمعہ کے لیے آجانا چاہیے۔ تاکہ تفریق کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

۶ یعنی نوافل۔ بعض اسے سنت جمعہ پر محمول کرتے ہیں۔ علماء کا جمعہ سے پہلی سنتوں میں اختلاف ہے۔ ایک گروہ ان کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ جو لوگ سنت قبل جمعہ ثابت کرتے ہیں وہ ظہر کی سنتوں پر قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔ اور سنت قیاس سے ثابت نہیں ہوتی۔ باب السنن میں اس کی جانب اشارہ گزر چکا ہے۔ ہم نے شرح سفر السعادۃ میں اسے ثابت کیا ہے۔ اور وہاں اس بارے میں ہم نے طویل کلام کیا ہے۔ اس حدیث کی عبارت بھی قدرے اس گروہ کے موقف کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ کیونکہ غالب واکثر یہ ہے کہ اس قسم کا انداز بیان نوافل کے لیے ہوتا ہے اور غیر روایت میں استعمال ہوتا ہے۔ جیساکہ باب تطوع کے اول میں حدیث بلال میں گزرا۔

۷ یعنی جب خطبہ پڑھے۔ اور لفظ منصت یا کی پیش سے یا انصات بمعنیٰ سکوت و خاموشی اور کان لگانے سے ہے۔ اور یا کی زبر بھی جائز ہے۔ وقت خطبہ میں خاموشی اختیار کرنا احناف اور اکثر علماء کے نزدیک ضروری ہے۔ اس کی تفصیل دوسری حدیث کی شرح میں ہم لائیں گے۔

۸ جیساکہ دوسری احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۳۰۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنِ اغْتَسَلَ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَةَ فَصَلّٰی مَا قُدِّرَ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ خُطْبَتِهٖ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَعَهٗ غُفِرَ لَهٗ مَا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَةِ الْاُخْرٰی وَفَضْلُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو غسل کرے پھر جمعہ کو آئے پھر جو مقدر میں ہو نماز پڑھے۔ پھر خاموش بیٹھے حتیٰ کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے پھر اس کے ساتھ نماز پڑھے تو اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان اور تین دن[۱] زیادہ کے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

(مسلم)

[1] یہ زیادتی اس بنا پر ہے کہ ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے اور جمعہ سے جمعہ تک سات دن ہوئے تین دن اور بڑھائے تو دس ہو گئے۔ اور لفظ فضل پیش اور زبر دونوں طرح درست ہے۔

١٣٠١/٣ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفِرَ لَهٗ مَا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ وَمَنْ مَسَّ الْحَصَا فَقَدْ لَغَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر جمعہ کے لیے آیا اور کان لگا کر سنا اور خاموشی اختیار کی تو اس کے درمیان سے اگلے جمعہ اور اس کے بعد تین دن تک کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور جس نے کنکریوں کو چھوا تو اس نے لغو کام کیا[1]

(مسلم)

[1] اور انہیں ہاتھ لگایا اور درست کیا۔ تو اس نے لغو فعل کیا لغو لایعنی اور باطل کلام کو کہتے ہیں۔ خطبہ کے وقت کلام کرنا ممنوع ہے۔ کنکریوں کو چھونے کو لغو میں اس بنا پر داخل کیا اس سے بھی بندہ خطبہ سننے سے غافل ہو جاتا ہے جس طرح کلام کرنا بندے کی توجہ کو خطبہ سننے سے ہٹا دیتا ہے۔ کنکریاں چھونے سے ان سے کھیلنا یا بے ضرورت انہیں زمین پر ہموار کرنا مراد ہے۔ تاکہ وہ ان پر سجدہ کرے۔ بعض نے کہا اس سے سنگریزوں کو گھمانا اور تسبیح شمار کرنا مراد ہے۔ اور یہ خطبہ کے دوران کلام کرنے سے روکنے سے زیادہ مناسب ہے۔

١٣٠٢/٤ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْأَوَّلَ فَالْأَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بَدَنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَإِذَا خَرَجَ الْإِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ پہلے آنے والے پھر پہلے آنے والے کو لکھتے ہیں[1] اور جمعہ کے لیے اول وقت[2] آنے والا مکہ میں اونٹ کی قربانی بھیجنے والے کی طرح ہے۔ پھر[3] اس شخص کی طرح جو قربانی کے لیے گائے بھیجے۔ پھر اس شخص کی طرح[4] جو قربانی کے لیے دنبہ بھیجے پھر اس شخص کی طرح جو مرغی[5] صدقہ کرے۔ پھر اس کی طرح جو انڈا صدقہ کرے۔ پھر جب امام خطبہ کے لیے آتا ہے تو ملائکہ اپنے صحیفے لپیٹ لیتے ہیں۔ اور ذکر[6] سننا شروع کر دیتے ہیں۔ اور مسلم کی

ایک روایت میں فاذا جلس الامام یعنی جب امام؎ بیٹھ جائے

۱؎ یعنی آنے والوں کو ترتیب وار لکھتے جاتے ہیں۔

۲؎ یعنی اول وقت آنے والے کا قصہ اور حال اس شخص کی طرح ہے کہ مکہ شریف قربانی کے لیے اونٹ بھیجے جو سب سے افضل قربانی ہے۔ مُھَجِّر میم کی پیش ھا کی زبر اور جیم مشدد کی زیر سے بمعنی وہ آدمی جو سخت گرمی کے دن دوپہر کو یعنی اول وقت باہر نکلے۔ بَدَنہ تینوں زبروں سے وہ اونٹ جو مکہ بھیجا جائے۔ اس کی جمع بُدُنٌ ہے۔

۳؎ یعنی پھر اس شخص کا حال جو اس کے بعد آتا ہے اس شخص کے حال کی طرح ہے جو گائے بھیجتا ہے۔ بدنہ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک اور امام شافعی رحمۃ اللہ بھی انہیں میں سے ہیں) اونٹ کا نام ہے۔ یہ حدیث اس کی موید ہے کیونکہ اس حدیث میں بقرہ (گائے) بدنہ کے بالمقابل ذکر ہوئی ہے۔ مگر جمہور اہل لغت اور بعض فقہا کہ ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ بھی ان میں شامل ہیں، کے نزدیک بدنہ گائے کو بھی شامل ہے۔ جوہری نے کہا بدنہ اس ناقہ یا گائے کا نام ہے جو مکہ میں ذبح کی جاتی اسے بدنہ اس لیے کہتے ہیں کہ اسے فربہ کرتے ہیں اور وہ خوب تن دار ہوتا ہے۔ تاہم یہاں حدیث میں بدنہ سے مراد اونٹ ہے۔ کیونکہ اس کے مقابلہ میں بقرہ کا ذکر الگ آیا ہے۔

۴؎ یعنی اس کے بعد آنے والے شخص کا حال اس شخص کی طرح ہے جو بکری بھیجے۔ کبش (دنبہ) کا لفظ اس لیے آیا کہ وہ بکری کی اقسام میں سب سے افضل ہے۔

۵؎ دَجاجہ (مرغی) دال کی زبر اور زیر۔ بعض دال پر پیش پڑھتے ہیں۔ مگر زبر زیادہ فصیح ہے۔

۶؎ یعنی خطبہ

۷؎ اسکی صورت یہ ہے کہ جب امام خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو ملائکہ صحیفے لپیٹنا شروع کر دیتے ہیں اور جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو ملائکہ لپیٹنے کے کام سے فارغ ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہاں سوال وجواب کے اعتبار سے کافی گفتگو ہے جو شرح میں ذکر کی گئی ہے۔

۱۳۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَنْصِتْ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَغَوْتَ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تو نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن کہا۔ "خاموش ہو" اور امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے لغو کلام کیا۱؎۔ (بخاری ومسلم)

۱؎ کیونکہ تو نے خطبہ کے دوران کلام کیا۔ جو منع ہے پھر دوسرے کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا مگر خود خاموش نہ ہونا بھی برا ہے۔ اور اس میں داخل ہے۔ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے وقت کلام کرنا منع ہے اگرچہ امر معروف اور نہی منکر ہی ہو۔ کیونکہ مقصد بیان کرنے کے لیے اشارہ کافی ہے۔ کلام کرنا عبث فعل ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے دوران خاموشی اختیار کرنا واجب ہے۔ اس مقام میں تفصیل کلام یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک اور امام ابوحنیفہ بھی ان میں سے ہیں، خاموش رہنا واجب ہے۔ بعض کے نزدیک مستحب ہے امام شافعی ان میں سے ہیں۔ کتاب مواہب لدنیہ میں کہا کہ اس بارے میں امام شافعی کے دو قول ہیں اسی طرح امام احمد سے بھی دو قول آئے ہیں۔ اور ابن عبدالبر نے خاموشی کے وجوب پر اجماع نقل کیا۔ سوائے تھوڑے سے تابعین کے۔ ان تھوڑے سے تابعین کا قول غریب ہے۔ ابن عبدالبر کا کلام ختم ہوا۔

ترمذی نے کہا اہل علم نے خطبہ کے دوران بولنے کو مکروہ کہا ہے اور چھینک کے جواب دینے میں اختلاف ہے۔ بعض کراہت کے قائل ہیں بعض متردد ہیں۔ ترمذی کا کلام ختم ہوا۔

اس بارے میں احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ امام کے خطبہ کے لیے نکلنے سے نماز شروع ہونے تک نماز اور کلام دونوں حرام ہیں اگر کوئی نماز میں ہو۔ اور امام خطبہ شروع کر دے تو وہ دو رکعت پر نماز ختم کر دے صاحبین کے نزدیک امام کے نکلنے اور خطبہ شروع کرنے سے پہلے کلام کر لینے میں حرج نہیں۔ اسی طرح منبر سے اتر آنے اور تکبیر تحریمہ شروع ہونے سے پہلے بھی کلام کرنے میں حرج نہیں۔ کیونکہ کراہت اس لیے ہے کہ خطبہ سننے میں فرق نہ آئے۔ اور ان دو اوقات میں سننے کی کوئی چیز نہیں۔ ترمذی ایک حدیث لائے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام کے منبر سے اترنے کے بعد کلام کر لینے کی گنجائش ہے۔ البتہ اس وقت نماز پڑھنا درست نہیں۔ کیونکہ نماز کے لیے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے جو شاید اس وقت میسر نہ آئے اور امام کے خطبہ شروع کرنے تک اسے ختم نہ کر سکے۔

دورانِ خطبہ نماز و کلام دونوں چیزوں کے حرام ہونے میں حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی دلیل وہ حدیث ہے جو ان دونوں کے بارے میں آئی ہے۔ پھر گفتگو بھی ایک ایسا فعل ہے کہ بعض اوقات خطبہ شروع ہو جانے کے باوجود بتقاضائے طبیعت اس کا ختم کرنا میسر نہیں آتا۔ بلکہ انسانی گفتگو جاری رکھنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور امام مالک نے موطا میں روایت اِذَا خَرَجَ الْاِمَامُ فَلَا صَلٰوۃَ وَلَا کَلَامَ۔ جب امام خطبہ کے لیے نکل آئے تو پھر نہ نماز جائز ہے نہ کسی قسم کی گفتگو۔ صحابہ کے اقوال بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ اور احناف کے نزدیک صحابی کا قول حجت و دلیل ہے۔ اور اس کی تقلید واجب ہے۔ علماء نے کہا کہ یہاں نماز سے نفل نماز مراد ہے۔ فوت شدہ فرض کی قضا اس وقت مکروہ نہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ اگر ایک شخص دور بیٹھا ہوا ہے کہ خطبہ کی آواز اس تک نہیں پہنچتی کہ اس کیلیے بھی نماز و کلام منع ہے یا نہیں۔ مختار و پسندیدہ یہی ہے کہ اس کے لیے بھی خاموش رہنا واجب ہے۔ بعض نے کہا اس شخص کے لیے بہتر و مستحسن یہ ہے کہ ذکر و تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے۔ مگر کھانا پینا اس کے لیے بھی حرام ہے۔ اور

پہ چھینک اور سلام کا جواب اس کے لیے مکروہ ہے اور امام ابو یوسف سے ایک روایت کے مطابق مکروہ نہیں۔ کیونکہ ان امور کا جواب دینا فرض ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ سوائے خطبہ کے ہر وقت ان کا جواب دینا فرض ہے۔ خطبہ میں جواب دینے کی اجازت نہیں۔ مگر درود شریف اپنے دل میں بھیجے تاکہ خطبہ سننے سے مشغول و مصروف نہ ہو درست و صواب بات یہی ہے۔ یوں ہی چھینک کے وقت الحمد للہ کہنا اور آنکھ و ہاتھ کے اشارے سے برائی سے روکنا مکروہ نہیں۔ یہی صحیح ہے۔ کتاب پر نگاہ ڈالنے اور قلم سے اس کی اصلاح کرنے میں امام ابو یوسف سے ایک روایت آئی ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔ تحیۃ المسجد کے بارے میں باب خطبہ کے آخر میں انشاء اللہ تعالیٰ گفتگو آرہی ہے۔

۱۳۰۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُقِيْمَنَّ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ ثُمَّ يُخَالِفُ اِلٰى مَقْعَدِهٖ فَيَقْعُدُ فِيْهِ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ افْسَحُوْا ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی آدمی جمعہ کے دن اپنے بھائی کو نہ اٹھائے پھر جاکر اس کی جگہ خود بیٹھ جائے بلکہ یوں کہے بیٹھنے کی جگہوں کو کشادہ کرو[1]

(مسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۳۰۵ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّاَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِيَابِهٖ وَمَسَّ مِنْ طِيْبٍ اِنْ كَانَ عِنْدَهٗ ثُمَّ اَتَى الْجُمُعَةَ فَلَمْ يَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰى مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُهٗ حَتّٰى يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ كَانَتْ كَفَّارَةً

حضرت ابو سعید و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے دونوں فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن غسل کرلے[1] اور اپنے بہترین کپڑے پہنے[2] اور اگر اس کے پاس خوشبو ہو اسے لگائے پھر جمعہ پڑھنے آئے۔ اور لوگوں کی گردنیں نہ پھلانگے پھر جو اس کے مقدر میں ہے نماز پڑھے[3]۔ پھر جب امام نکلے تو خاموش رہے۔ حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہو جائے تو اس جمعے اور اگلے کے درمیان کا کفارہ ہو

---

[1] جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا حکم آچکا ہے۔

لِمَا بَيْنَهَا وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗد)

ہو جائے گا

(ابوداؤد)

۱ بعض طرق حدیث میں غسل الجنابۃ کا لفظ آیا ہے۔ اکثر کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا غسل کرے جو اس کے تمام ارکان، شرائط، سنتوں اور آداب کا جامع ہو یعنی نہایت کامل اور صحیح غسل۔ جس طرح کہ غسل جنابت کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا یہ جمعہ کے روز جماع کے مستحب ہونے سے کنایہ ہے تاکہ اس کے باطن کو تخلیہ اور نفس کو ردی خیالات سے تسکین حاصل ہو جائے اور حرام نگاہ اٹھانے کا دروازہ بند ہو جائے۔ اسی معنیٰ کی تائید کرتی ہے وہ روایت جو لفظ غسل کو شد سے پڑھنے کے بارے میں آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ اس سے وہ کپڑے مراد ہیں جو اس کے نزدیک نفیس تر، نہایت خوبصورت اور اسے بہت اچھے لگتے ہو۔ بشرطیکہ شرعاً ممنوع نہ ہوں۔ بعض نے کہا اس سے سفید کپڑے مراد ہیں کیونکہ سفید کپڑے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک محبوب ترین لباس ہے۔

۳ یعنی نماز نفل وسنت۔

۱۳۰۶/۸ وَعَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ غَسَّلَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْتَسَلَ وَبَكَّرَ وَابْتَكَرَ وَمَشٰى وَلَمْ يَرْكَبْ وَدَنٰى مِنَ الْاِمَامِ وَاسْتَمَعَ وَلَمْ يَلْغُ كَانَ لَهٗ بِكُلِّ خُطْوَةٍ عَمَلُ سَنَةٍ اَجْرُ صِيَامِهَا وَقِيَامِهَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت اوس[1] بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے روز نہلائے[2] اور نہائے اور اول وقت[3] جمعہ کے لیے چلے اور جلدی کام کرے۔ اور پیدل آئے سواری پر نہ آئے اور امام سے قریب[4] بیٹھے اور کان لگا کر سنے۔ اور کوئی بے ہودگی نہ کرے[5] تو اسے ہر قدم کے عوض ایک سال کے عمل یعنی روزوں اور شب بیداریوں کا ثواب[5] ملے گا۔

(ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی)

(ابن ماجہ)

۱ آپ صحابی ہیں ثقفی ہیں۔ شام میں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔ یہ جمعہ کی فضیلت اور اس کے غسل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرتے ہیں۔

۲ حدیث میں لفظ غسل سین کی شد اور غیر شد دونوں طرح روایت ہے۔ شد کی صورت میں مبالغہ کا احتمال

ہے یعنی اچھی طرح نہانا۔ اور اس کا بھی احتمال ہے کہ اپنی عورت کو غسل پر آمادہ کرنا مراد ہو۔ جب کہ مرد نے قبل جمعہ اس سے جماع کیا ہو۔ اور اگر شد کے بغیر ہو تو پھر اغتسل اس کی تاکید کے لیے ہوگا۔ یا غسل سے سر کو خطمی وغیرہ سے دھونا مراد ہے۔ کیونکہ عربوں کے سر پر بال بہت ہوتے ہیں جنہیں دھونے میں انہیں دقت پیش آتی ہے اور لفظ اغتسال سے سارے بدن کا دھونا مراد ہے۔

۳؎ بکّر شد سے یعنی نماز جمعہ کے لیے اول وقت میں آئے اور خطبہ کے ابتداء میں ہی پہنچ آئے اور لفظ ابتکر یا تو اس کی تاکید ہے اور بعض نے کہا بکر کا معنیٰ ہے جمعہ کے لیے نکلنے سے پہلے کچھ صدقہ کرے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکر کا معنیٰ ہے پہلی ساعت میں چلا گیا۔ ابتکر کا معنیٰ ہے اول وقت میں جانے والوں جیسا کام کیا یعنی نماز و ذکر میں مصروف بعض نے کہا بکّر کا معنیٰ ہے دوسرے کو اول وقت جمعہ کے لیے جانے پر آمادہ کیا۔

۴؎ لوگوں کی گردنیں پھلانگنے کے بغیر۔

۵؎ یعنی کوئی لایعنی بات نہ کی یعنی خاموشی اختیار کی۔

۶؎ یعنی اس عمل کا ثواب اس طرح ہے جیسے وہ صائم الدھر اور قائم اللیل ہے۔ یہ خاصیت نماز جمعہ کے ساتھ مخصوص ہے جب کہ مذکورہ شرائط سے اسے ادا کیا جائے۔ اسی طرح مسجد میں پنجگانہ نماز کے لیے آنے پر درجات بلند ہوتے، نیکیاں لکھی جاتی اور گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ مگر جمعہ میں ہر قدم پر ایک سال کے قیام لیل اور دن کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔ اور کتاب سفر السعادۃ میں روز جمعہ کی خصوصیات جمع کی گئی ہیں۔ ان کے ساتھ کچھ اور اضافے شرح میں ذکر کیے گئے ہیں۔ وہاں دیکھنے چاہیں۔

۱۳۰۷/۹ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کے لیے کوئی حرج اور نقصان کی بات نہیں[۱] کہ جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے بنا لے۔ کام کاج کے دو کپڑوں کے علاوہ[۲]۔

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ۔

ابوداؤد۔ ابن ماجہ اور مالک نے یحیی بن سعید[۳] سے روایت کی۔

۱؎ یعنی اس پر کوئی حرج و نقصان نہیں کہ تم لوگ جمعہ کے لیے دو کپڑے بنا لو اور انہیں مہیا کر لو۔

۲؎ حدیث میں لفظ مہنتہ آیا ہے میم کی زبر و زیر و ہا ساکن بمعنی خدمت و کام کاج۔ مراد وہ کپڑے ہیں جو گھر میں ہر وقت پہنے جاتے ہیں اور انہیں پہن کر گھر کی خدمت اور کاروبار کیا جاتا ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص

حاجت و ضرورت سے زائد ایسی چیز بنائے جو اس کے کمال دینی سے متعلق ہو تو وہ زہد و ترک دنیا کے منافی اور مخل نہیں ہے۔ منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی دو کپڑے تھے جو جمعہ کے لیے مخصوص تھے۔ آپ انہیں صرف جمعہ کے دن زیب تن فرماتے تھے۔

[3] یعنی یحیی بن سعید انصاری تابعی سے۔

۱۳۰۸/۱۰ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُحْضُرُوا الذِّکْرَ وَادْنُوْا مِنَ الْاِمَامِ فَاِنَّ الرَّجُلَ لَا یَزَالُ یَتَبَاعَدُ حَتّٰی یُؤَخَّرَ فِی الْجَنَّۃِ وَاِنْ دَخَلَہَا۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت سمرہ بن جندب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر یعنی خطبہ جمعہ کے لیے حاضر ہو اور امام کے قریب پہنچو[2] کہ بے شک انسان مسلسل دور ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ جنت میں درجات عالیہ سے پیچھے[3] رہ جاتا ہے۔ اگرچہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

(ابوداؤد)

[1] سُمرہ سین کی زیر میم کی پیش جُندب جیم کی پیش۔ نون ساکن دال کی پیش و زبر۔ آپ مشہور صحابی ہیں کثیر الحدیث ہیں۔ ان سے حضرت حسن بصری و ابن سیرین روایت کرتے ہیں۔ ۵۹ھ میں بصرہ میں فوت ہوئے آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بصرہ کے حاکم تھے۔

[2] یعنی حصول فضائل کی جگہوں اور مواقع خیرات سے پیچھے ہٹتا رہتا ہے۔

[3] اس میں بلند مراتب کے حصول کی ترغیب اور ادنیٰ و گھٹیا کاموں سے دور رہنے کی تاکید ہے۔

اَبْیَاتْ

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق — باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو
ترا ز کنگرہ عرش میزنند صفیر — ندانمت کہ دریں دامگاہ چہ افتادست

اپنی ہمت بلند رکھ کیونکہ خدا اور مخلوق کے نزدیک تیری ہمت کے مطابق تیرا اعتبار و مقام ہے۔ کارکنان قضاء و قدر تجھے کنگرہ عرش سے آواز دے رہے ہیں کہ ہمت بلند رکھ۔ میں نہیں جانتا کہ تو اس دامگہ دنیا میں کس چیز پر فریفتہ ہو چکا ہے۔

۱۳۰۹/۱۱ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ الْجُہَنِیِّ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَخَطّٰی رِقَابَ

حضرت معاذ بن انس جہنی سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کے دن لوگوں کی گردنیں

النَّاسِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اتَّخَذَ جِسْرًا إِلٰى جَهَنَّمَ۔
رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

کو پھلانگا اس نے دوزخ کی طرف پل بنایا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا۔ اور کہا یہ حدیث غریب ہے

[1] مشکوۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ حضرت سہل بن معاذ بن انس الجہنی سے روایت ہے کیونکہ حضرت معاذ صحابی ہیں اور ان کے باپ بھی صحابی ہیں۔ لہذا معاذ عن ابیہ درست نہ ہوگا۔ لیکن سہل بن معاذ تابعی ہیں اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ محدثین نے کہا ہے کہ سہل بن معاذ لین الحدیث ہیں اور ان کی احادیث فضائل درغائب میں حسن ہیں۔

[2] اس حدیث میں جزا بالمثل کا بیان ہے کہ جس طرح اس نے لوگوں کو گزرگاہ بنایا۔ لوگ بھی اسے روز قیامت گزرگاہ بنائیں گے۔ اتَّخَذَ معلوم ومجہول دونوں طرح روایت ہے۔ اگرچہ بصیغۂ معلوم کی روایت زیادہ قوی ہے۔

۱۳۱۰/۱۲ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنِ الْحُبْوَةِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن اکڑوں[1] بیٹھنے سے منع فرمایا۔ جب کہ امام خطبہ پڑھ رہا ہو۔
(ترمذی۔ ابوداؤد)

[1] حدیث میں لفظ حُبْوَۃ آیا ہے۔ یہ بیٹھنے کی ایک قسم ہے۔ یہ پشت اور پنڈلیوں کو دونوں ہاتھوں یا کپڑے سے پیٹ کی طرف کھینچ کر بیٹھنے کی شکل ہے۔ جس کا معنی لغت میں اکڑوں بیٹھنا ہے۔ جیسا کہ عربوں کی عادت ہے اور آجکل بھی اہل حرمین میں متعارف ومشہور ہے اور لفظ حَبْوَہ حا کی زیر اور پیش اور زبر سے پڑھا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی حرم کعبہ کے سامنے اس طرح بیٹھتے تھے۔ لیکن نماز کے وقت اس سے منع فرمایا۔ کہ اس طرح نیند آجاتی ہے۔ اور بندہ خطبہ سننے سے رہ جاتا ہے یا اس طرح بیٹھنے سے وضو ٹوٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

۱۳۱۱/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَلْيَتَحَوَّلْ مِنْ مَجْلِسِهٖ ذٰلِكَ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کے روز تم میں سے کسی کو اونگھ آجائے تو وہ اس جگہ سے کسی دوسری جگہ جا بیٹھے۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

(ترمذی)

[1] تاکہ غلبہ نیند دور ہو جائے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۱۲/۱۴ عَنْ نَافِعٍ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّقِيْمَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ مِنْ مَّقْعَدِهٖ وَيَجْلِسُ فِيْهِ قِيْلَ لِنَافِعٍ فِي الْجُمُعَةِ قَالَ فِي الْجُمُعَةِ وَغَيْرِهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت نافع[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی کسی کو اس کی جگہ سے اٹھائے اور وہاں خود بیٹھ جائے۔ حضرت نافع سے کہا گیا[2] کہ کیا جمعہ میں فرمایا جمعہ میں اور غیر جمعہ میں[3]۔

(بخاری و مسلم)

[1] آپ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[2] کہ یہ ممانعت صرف جمعہ کے دن ہے۔ جیسا کہ دوسری احادیث میں آیا ہے۔

[3] کیونکہ اس نہی کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ چیز جمعہ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

۱۳۱۳/۱۵ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْضُرُ الْجُمُعَةَ ثَلٰثَةُ نَفَرٍ فَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِلَغْوٍ فَذٰلِكَ حَظُّهٗ مِنْهَا وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِدُعَآءٍ فَهُوَ رَجُلٌ دَعَا اللّٰهَ اِنْ شَآءَ اَعْطَاهُ وَاِنْ شَآءَ مَنَعَهٗ وَرَجُلٌ حَضَرَهَا بِاِنْصَاتٍ وَّسُكُوْتٍ وَّلَمْ يَتَخَطَّ رَقَبَةَ مُسْلِمٍ وَّلَمْ يُؤْذِ اَحَدًا فَهِيَ كَفَّارَةٌ اِلَى الْجُمُعَةِ الَّتِيْ تَلِيْهَا وَزِيَادَةِ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ وَّذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ میں تین قسم کے آدمی آتے ہیں۔ ایک وہ جو جمعہ میں آتا ہے اور لغو کام کا مرتکب ہوتا ہے[1] تو اس کا حصہ جمعہ سے یہی ہے[2]۔ دوسرا وہ جو جمعہ میں دعا کے ساتھ حاضر ہوتا ہے[3] تو وہ ایسا مرد ہے کہ اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے اگر اللہ چاہتا ہے تو اسے دیتا ہے چاہتا ہے تو نہیں دیتا۔ تیسرا وہ آدمی ہے جو نماز جمعہ میں خاموشی کے ساتھ کان لگا کر سننے کے لیے حاضر ہوتا ہے اور کسی کی گردن نہیں پھلانگتا اور نہ کسی کو ایذا دیتا ہے[4]۔ تو اس کا جمعہ اس کیفیت سے کفارہ بن جاتا ہے

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

اس سے متصل اگلے جمعہ اور اس سے آگے تین تک کے لیے[6] اور یہ اس لیے[7] کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا جس نے ایک نیکی کی اسے اس کی مثل دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے[8] (ابوداؤد)

* * *

---

[1] یعنی لایعنی اور باطل باتیں وغیرہ

[2] یعنی اس کے حصہ میں جمعہ اور جمعہ کے ثواب سے یہ لغو فعل ہی آتا ہے۔ اور وہ اس کے کمال سے محروم رہتا ہے۔

[3] یعنی وہ جمعہ میں دعا مانگنے اور درگاہ خداوندی سے اپنے مطالب و مقاصد کا سوال کرنے کے لیے آتا ہے۔

[4] تو اس کا معاملہ رد و قبول کے درمیان متردد ہوتا ہے۔

[5] یعنی گردنیں پھلانگ کر اور کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر اور اسی طرح کے اور کاموں سے کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

[6] جیسا کہ دوسری متعدد احادیث میں گزر چکا ہے کہ یہ نیکی اس جمعہ سے گزشتہ جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور گزشتہ جمعہ کو اس جمعہ کے متصل کہنا درست ہے اگرچہ لفظ تلیہا کا ظاہر مفہوم آئندہ آنے والے جمعہ پر صادق آتا ہے۔

[7] اور دوسرے جمعہ تک اس کے بعد اگلے تین روز کے لیے بھی کفارہ بننا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ من جاء بالحسنۃ الخ۔ واضح ہو کہ فعل لغو، دعا اور کان لگا کر سننا تینوں کام خطبہ کے وقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ خطبہ کے دوران دعا یا تو دل و باطن میں ہوگی یا زبان سے مگر وہ خود مکروہ یا حرام ہے۔ لہٰذا اس کی بھی غالباً ممانعت ہے۔ خلاصہ کلام یہ کہ پہلا امر یقیناً بدعمل ہے۔ دوسرا نیکی اور بدی میں متردد ہے۔ اور تیسرا رضائے مولیٰ کا طالب ماسوائے اللہ سے کٹا ہوا۔ یعنی مخلوق سے بھی اور اپنے نفس سے بھی اور یقیناً درگاہ حق میں مقبول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ خطبہ کے علاوہ دوسرے وقت میں دعا مراد ہو۔ اسے سمجھو۔

۱۳۱۴/۱۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَكَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَهُوَ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی جمعہ کے دن امام کے خطبہ پڑھنے کے درمیان بولے تو وہ اس گدھے کی طرح ہے جس

اَسْفَارًا وَ الَّذِیْ یَقُوْلُ لَهٗ اَنْصِتْ لَیْسَ لَهُ الْجُمُعَةُ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

نے اپنے اوپر کتابیں اٹھائی ہوئی ہو[1] اور جو دوسرے کو یہ کہے کہ خاموش رہ تو اس کا بھی جمعہ نہیں[2]

(احمد)

[1] یہ علم بے عمل اور مشقت و محنت برداشت کرنے کے باوجود (علم سے فائدہ نہ اٹھانے سے کنایہ ہے)

[2] یعنی اسے جمعہ کا ثواب نہ ملے گا۔ کیونکہ اس نے لغو اور ممنوع کام کا ارتکاب کیا۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں گزرا۔

۱۳۱۵/۱۷ وَعَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِیْ جُمُعَةٍ مِّنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ اِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْدًا فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ اَنْ يَّمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ۔

رَوَاهُ مَالِكٌ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْهُ وَهُوَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مُتَّصِلًا۔

حضرت عبید بن السباق[1] رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعوں میں سے ایک جمعہ میں فرمایا اے مومنوں کے گروہ یہ وہ دن ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عید[2] بنایا ہے تو غسل کرو۔ اور جس کے پاس خوشبو ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں[3] کہ اسے چھوئے۔ اور تم اس دن مسواک ضرور کرو۔

اسے مالک اور ابن ماجہ نے عبید بن سباق سے مرسلاً اور ابن ماجہ نے ہی ابن عباس سے متصل سند[4] سے روایت کیا۔

[1] سباق سین کی زبر اور شد سے۔ آپ حجازی تابعین سے ہیں۔ اور یہ حدیث بطریق ارسال روایت کرتے ہیں۔

[2] کہ اسے جشن و اجتماع و سرور کا دن بنایا۔

[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا کہ خوشبو نقصان نہ دے گی اس لیے فرمایا کہ کوئی یہ وہم نہ کرے کہ خوشبو لگانا عورتوں کی عادت ہے۔ مرد کے لیے اس کا استعمال نہ چاہیے۔

[4] تو یہ وہ مرسل ہے جسے سند سے قوت حاصل ہوگئی۔ اور وہ یقیناً مقبول ہے۔

۱۳۱۶/۱۸ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ اَنْ يَّغْتَسِلُوْا يَوْمَ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کا جمعہ کے دن غسل کرنا حق و ثابت بات ہے

الْجُمُعَةِ وَلْيَمَسَّ اَحَدُهُمْ مِنْ طِيْبِ اَهْلِهٖ فَاِنْ لَمْ يَجِدْ فَالْمَآءُ طِيْبٌ ۔

اور چاہیے کہ اپنے اہل کی خوشبو سے ہی کچھ لے[1] اور اگر خوشبو میسر نہ آئے تو پھر پانی ہی اس کے لیے خوشبو ہے[2]

رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ ۔

اسے احمد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے۔

[1] یعنی اپنی بیوی سے لے کر۔ یہ اس لیے فرمایا کہ عورتیں اپنے پاس خوشبو محفوظ رکھتی ہیں اور اس جانب بھی اشارہ ہے کہ اگر مرد کے پاس خوشبو نہ ہو تو عورت سے لے کہ اس کا نفع بھی آخر عورت کو ہی پہنچے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب اہل خانہ مراد ہوں۔

[2] کہ یہ بھی صفائی اور نظافت کا ذریعہ اور بدبو کو دور کر دیتا ہے۔

بَابُ الْخُطْبَةِ وَالصَّلٰوةِ

خطبہ اور نماز کا باب

خطبہ خا کی پیش سے مصدر ہے۔ اس کا اطلاق اس کلام پر ہوتا ہے جس سے کسی کے ساتھ ہم کلام ہو اور عرف شرع میں اس کلام سے عبارت ہے جو ذکر، تشہد، درود اور وعظ و نصیحت پر مشتمل ہو۔ خطبہ نماز جمعہ میں شرط اور فرض ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس کی ادنیٰ مقدار فرض اتنے الفاظ ہیں جو تسبیح و تحمید پر مشتمل ہوں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے **فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ**۔ کہ اس آیت میں مطلق ذکر فرمایا۔ لمبی مقدار کلام میں جسے خطبہ کہا جائے اور مختصر کلام میں جسے خطبہ نہ کہا جائے، کوئی فرق نہ کیا۔ تو ثابت ہوا کہ مطلق ذکر شرط ہے۔ لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ کے نام سے جو منقول و ماثور ہے، اور جسے آپ نے ہمیشہ پڑھا، اس کا پڑھنا یا واجب ہے یا سنت۔ صحت جمعہ کے لیے اس کا پڑھنا شرط نہیں کہ اس کے بغیر کوئی ذکر کفایت نہ کرے۔ البتہ صاحبین رحمہما اللہ تعالےٰ یہ کہتے ہیں کہ خطبہ کے لیے ذکر طویل ہونا شرط ہے۔ جسے خطبہ کہا جائے اور عرف میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کو خطبہ نہیں کہتے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ نے کہا جب تک دو خطبے نہ پڑھے جائز ہی نہیں۔ امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ جب آپ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے الحمد للہ کہا اور زبان رک گئی آپ منبر شریف پر سے نیچے اتر آئے اور نماز ادا فرمائی۔ اس پر کسی نے اعتراض نہ کیا۔ لہٰذا اس کے جواز پر اجماع ہو گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ

کا قصہ یہ ہے کہ جب خلیفہ مقرر ہونے کے بعد آپ اُٹھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے تو صرف الحمد للہ کہا اور آپ کی زبان رک گئی۔ اور فرمایا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اس مقام پر تشریف فرما ہو کر بہت کچھ فرما گئے ہیں۔ تمہیں باتونی امام کی نسبت عملی قدم اٹھانے والے امام کی زیادہ ضرورت و حاجت ہے۔ اور بہت نزدیک ہے کہ تمہارے سامنے خطبوں پر خطبے پڑھے جائیں گے۔ خدا تعالےٰ تمہاری مرادیں پوری کرے۔ یہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصہ کتب حدیث و فقہ میں کہیں بھی معلوم نہیں ہوا۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اوّل

۱۳۱۷/۱ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ کَانَ یُصَلِّی الْجُمُعَۃَ حِیْنَ تَمِیْلُ الشَّمْسُ۔
(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جمعہ پڑھتے تھے جب سورج ڈھل پڑتا[1]۔
(بخاری)

[1] یعنی زوال کے وقت۔ یہ اس وقت تھا جب کہ گرمی شدید نہ ہوتی۔ شدید گرمی کے وقت ٹھنڈے وقت پڑھتے۔ جیسا کہ حضرت انس کی دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ زوال سے پہلے نہ پڑھتے۔ امام احمد سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے زوال سے پہلے ہی جمعہ پڑھ لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ جس طرح نماز عید۔ علماء میں کسی نے بھی ان کے ساتھ اس میں موافقت نہیں کی۔

۱۳۱۸/۲ وَعَنْ سَہْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَا کُنَّا نَقِیْلُ وَلَا نَتَغَدّٰی اِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَۃِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت سہل[1] بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ نہ قیلولہ کرتے اور نہ صبح کا کھانا کھاتے مگر جمعہ کے بعد[2]۔
(بخاری و مسلم)

[1] آپ ساعدی انصاری ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ قول مشہور کے مطابق مدینہ طیبہ میں جس صحابی کی وفات سب سے آخر ہوئی وہ یہی ہیں۔ چنانچہ آپ سنہ ۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت آپ پندرہ سال کے تھے۔

[2] یہ صحابی فرماتے ہیں ہم لوگ قیلولہ نہ کرتے اور نہ چاشت کا کھانا کھاتے مگر جمعہ پڑھنے کے بعد۔ قائلہ نیند دوپہر کو کہتے ہیں اور قیلولہ دوپہر کی نیند کو۔ جیسا کہ قاموس میں ہے اور زہری نے کہا قیلولہ اور مقیل دوپہر کے آرام کو کہتے ہیں۔ نیند کرے یا نہ کرے۔ سنت قیلولہ کے قائم کرنے میں بھی اسی آخری معنیٰ کا اعتبار ہے۔ یہ حدیث کسی

حد تک امام احمد کے مذہب کی تائید کرتی ہے۔ لیکن در حقیقت حدیث پاک کا مقصد جمعہ کا اہتمام اور اس کے لیے جلدی کرنا ہے۔ تاکہ جمعہ کے لیے اول وقت میں پہنچ جائیں۔

۱۳۱۹/۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شدید سردی ہوتی تو جلد[1] نماز پڑھ لیتے اور جب شدید گرمی ہوتی تو ٹھنڈی کر کے پڑھتے[2]۔ یعنی جمعہ کی نماز[3]

(بخاری)

[1] یعنی اول وقت میں پڑھتے۔

[2] یعنی اول وقت کے بعد پڑھتے۔

[3] گویا یہ حدیث نماز جمعہ کے لیے آئی ہے۔ ورنہ ظہر نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ جیسا کہ باب اوقات نماز میں گزرا۔

۱۳۲۰/۴ وَعَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كَانَ النِّدَاءُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ اَوَّلُهٗ اِذَا جَلَسَ الْاِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبِيْ بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَلَمَّا كَانَ عُثْمَانُ وَكَثُرَ النَّاسُ زَادَ النِّدَاءَ الثَّالِثَ عَلَى الزَّوْرَاءِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سائب[1] بن یزید[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں جمعہ کی اذان اول اس وقت ہوتی تھی جب کہ امام منبر پر آکر بیٹھ جاتا۔ اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے زمانہ میں بھی جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت آیا اور لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے تیسری اذان مقام زوراء[3] پر دینے کا اضافہ فرمایا[4]

[1] آپ کمسن صحابی ہیں۔ بنی امیہ یا بنی عبد شمس کے حلیف ہیں۔ حجۃ الوداع میں اپنے باپ کے ساتھ حاضر ہوئے اس وقت آپ سات سال کے تھے۔ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں قلیل الحدیث ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ کے بازار کا عامل مقرر کیا تھا۔ آپ ۸۰ھ یا ۸۶ھ میں فوت ہوئے ایک قول کے مطابق آپ مدینہ منورہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں۔

[2] اسی طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دورِ خلافت میں بھی۔

[3] زوراء مسجد نبوی شریف کے قریب بازار مدینہ میں ایک بلند جگہ تھی۔

۴۷ واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سنت یہ تھی کہ جب آپ خطبہ کے لیے تشریف لاتے اور منبر پر جلوہ افروز ہو جاتے تو جمعہ کی اذان کہی جاتی تھی۔ اس سے پہلے وقت داخل ہونے کے وقت کوئی اذان نہ دی جاتی تھی یہی دستور زمانہ شیخین حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما میں بھی رہا۔ اس کے بعد جب امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی کثرت و ہجوم، انکا دور دور سے آنا اور منتشر اور کام کاج میں مصروفیت کو ملاحظہ فرمایا، اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں سب لوگ مسجد میں حضور کی خدمت پاک میں حاضر رہتے تھے۔ تو آپ نے بہتر جانا کہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے بھی ایک اذان کہی جائے تاکہ لوگ دوڑ کر خطبہ کے وقت حاضر ہو جایا کریں۔ فقہاء کا اختلاف ہے کہ سعی کے واجب ہونے اور بیع شراء کے حرام ہونے میں وقت خطبہ کی اذان کا اعتبار ہے کہ اصل شرع میں وہی اذان ہے یا کہ یہ اذان اول جو بعد میں جاری کی گئی۔ اگر وقت میں کہی گئی ہو صحیح تر بات یہ ہے کہ یہی بعد والی اذان معتبر ہے۔ کیونکہ اذان سے مقصود لوگوں کو وقت کی اطلاع دینا ہوتا ہے اور وہ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب ہدایہ میں ہے۔

واضح ہو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ دوسری (بعد والی) اذان کو بعض احادیث میں اذان ثانی کہا گیا ہے۔ یہ اس کے جاری ہونے کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ کہنے کے لحاظ سے وہ پہلی ہے۔ بعض فضلاء کرام نے عبارت میں غرابت ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اول ثانی ہے اور ثانی اول۔ بعض احادیث میں اسے تیسری اذان کیا گیا ہے جیسا کہ کتاب مشکوۃ کی اس حدیث میں۔ اور یہ اقامت کو تیسری اذان کہنے کے اعتبار سے کیا گیا ہے۔ اور اقامت کو اذان معنی لغوی (اطلاع دینا) کے لحاظ سے کہا گیا۔ اقامت کو اذان کہنے کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں دو اذانیں بن جاتی ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اذان اول امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شروع ہوئی۔ اور امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک لگاتار جاری رہی۔ تاہم حضرت عمر کے زمانہ میں تو یہ محض اطلاع و اعلام کے لیے تھی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسے بھی اذان کا نام دے دیا جائے۔ بہرصورت جو کچھ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے کیا اور جاری فرمایا ہے اسے بدعت نہ کہنا چاہیے۔ بلکہ اس پر بھی سنت کا اطلاق آیا ہے۔ جیسے سنت ابوبکر و عمر اور سنت شیخین رضی اللہ عنہما۔ بعض علما کے کلام میں اس پر بدعت کا اطلاق اس بنا پر ہوا ہے کہ یہ ایک نئی چیز جاری ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نہ تھی۔ اسے بدعت کہنے سے اس کی قباحت اور مذمت کرنا مقصود نہیں ہے۔ اور اگر اسے بدعت قرار دیا جائے تو یہ بدعت حسنہ ہوگی۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

اس کے بعد واضح ہو کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو اذان جاری ہوئی وہ یہی تھی۔ جس کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ اور وہ اذان جو سنت کے وقت اذان اول کے بعد کہی جانے لگی وہ نہ زمانہ نبوت میں تھی نہ

صحابہ کے زمانہ میں اور نہ ان کے بعد اور اکثر ممالک اسلامیہ میں اس پر عمل بھی نہیں کیا جاتا۔ معلوم نہیں اسے کس نے نکالا اور جاری کیا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ صرف اذان اول کہی جائے۔ اور اسی کے ساتھ سنت ادا کی جائے۔ اور اگر اطلاع و اعلام کی غرض سے لفظ الصلوۃ الصلوۃ سنۃ رسول اللہ کہہ لیں تو کافی ہے۔

١٣٢١/٥ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَّ خُطْبَتُهٗ قَصْدًا (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خطبے ہوتے تھے آپ دونوں کے درمیان بیٹھتے تھے[1] آپ قرآن پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے تھے[2] تو آپ کی نماز بھی اعتدال پر مبنی ہوتی۔ اور آپ کا خطبہ بھی[3] (مسلم)

[1] آپ دو خطبوں کے درمیان اتنی مقدار بیٹھتے تھے۔ کہ آپ کا ہر عضو اپنی اپنی جگہ قرار پذیر ہو جاتا تھا۔ اور بالکل صحیح روایت سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ اس میں دعا کیا کرتے تھے۔ یہ بیٹھنا سنت ہے واجب نہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ خطبہ پڑھتے اور نہ بیٹھتے۔

[2] اور لوگوں کو یاد آخرت دلاتے۔ اور اس جہان کے ثواب و عذاب کے حالات بیان فرماتے۔

[3] یعنی نہ آپ کی نماز زیادہ لمبی ہوتی نہ بالکل مختصر۔ اور یہ اس کے منافی نہیں کہ خطبہ نماز سے مختصر ہو۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔

١٣٢٢/٦ وَعَنْ عَمَّارٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِّنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ وَاِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت عمار[1] بن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مرد کا نماز دراز کرنا اور خطبہ مختصر کرنا اس کے فہم و علم کی دلیل[2] ہے۔ تو نماز دراز اور خطبہ مختصر کرو[3]۔ اور بعض[4] بیان البتہ جادو کی حیثیت رکھتے ہیں[5]۔ (مسلم)

[1] آپ اکابر صحابہ سے ہیں۔ آپ کے حالات کتاب کے آخر باب جامع المناقب میں بیان ہوں گے۔

[2] اصل میں لفظ "مئنۃ" آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے علامت و دلیل۔ بعض نے مئنۃ کی تفسیر مظنہ سے کی یعنی جائے گمان۔ اس کی تحقیق شرح میں کر دی گئی ہے۔

۳ے علامہ طیبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے نماز کی درازی اور خطبہ کے اختصار کو اس کے علم وفہم کی دلیل وعلامت ہونے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ نماز اصل ہے اور خطبہ اس کی فرع اور فقہی تقاضا بھی ہے کہ اصل کو فرع پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اصل کا اہتمام زیادہ کیا جاتا ہے۔ بندہ ضعیف (شیخ عبدالحق قدس سرہٗ) عفا اللہ عنہ کہتا ہے کہ خطبہ کو مختصر کرنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ پند ونصیحت کے لیے ایک کلمہ بھی کافی ہوتا ہے خصوصًا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جوامع الکلم کے مصدر اور عجیب وغریب حکمتوں کے مظہر ہیں۔ ع

در خانہ اگر کس ست یک حرف بس ست
گھر میں اگر کوئی موجود ہے تو پھر ایک حرف بھی کافی ہے

اور اس کا (درازی نماز اور اختصار خطبہ کا) حکم دینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امت کو تنبیہ ہے کہ کثرت طاعت وعبادت میں سعی وکوشش کریں۔ اور اپنے نفوس کی تہذیب واصلاح میں مشغول رہیں۔ اور لوگوں کو وعظ وتذکیر میں عجب وخود ستائی اور قول کے فعل کے مطابق نہ ہونے کا بھی گمان موجود ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی مقام کے لیے کہا جاتا ہے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ (وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے) لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو قولاً وفعلاً اس کا ارشاد فرمایا کہ باتیں کم کرو عمل (عبادت) زیادہ کرو۔

۴ے ایک روایت میں فَاِنَّ آیا ہے۔

۵ے یہ قول اس معنی کے بہت مناسب ہے جو میں نے بیان کیا گویا یہ خطبہ مختصر پڑھنے کی دلیل ہے۔ یعنی چاہیے کہ خطبہ کے الفاظ تھوڑے ہوں مگر اس کے معانی بہت زیادہ ہوں۔ جیسا کہ کہا جاتا خیر الکلام ما قل ودل۔ اچھا کلام وہ ہے جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی زیادہ ہوں۔ اور چاہیے کہ خطبہ زیادہ لمبا نہ کرے تاکہ بے فائدہ معانی کا وہم نہ پڑنے لگے جو کہ مذموم ہے۔ پھر یہ قول کہ (کچھ بیان جادو کی حیثیت رکھتے ہیں) بیان وخطاب کی مدح کو بھی متضمن اور مفید مذمت بھی ہے۔ کیونکہ دلوں کو کسی جانب مائل کرنے میں بیان کے اندر زبردست تاثیر پائی جاتی ہے جس طرح جادو میں تاثیر ہوتی ہے۔ اگر ایک شخص بیان خطاب حق کے لیے صرف کرتا ہے تو یہ اچھی بات ہے اور اگر باطل کے لیے استعمال کرتا ہے تو قابل مذمت ہوگا۔ لفظ بیان کا معنی ہے۔ واضح اور کھلی گفتگو کرنا۔ اس بارے میں تفصیلی کلام انشاء اللہ تعالیٰ بیان وشعر کے باب میں آئے گا۔

۱۳۲۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَاَنَّهٗ مُنْذِرُ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں۔ آپ کی آواز مبارک بلند ہو جاتی اور آپ کا غصہ سخت ہو جاتا[1]۔ گویا کہ آپ

جَیْشٍ یَقُوْلُ صَبَّحَکُمْ وَ مَسَّاکُمْ وَ یَقُوْلُ بُعِثْتُ اَنَا وَ السَّاعَۃُ کَهَاتَیْنِ وَ یَقْرِنُ بَیْنَ السَّبَّابَۃِ وَ الْوُسْطٰی ۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

کسی لشکر سے ڈرا رہے ہیں[2]۔ اور فرماتے کہ وہ لشکر صبح کو تم پر آپڑے گا یا شام کو[3] اور فرماتے[4] کہ اور قیامت ان دو کی طرح بھیجے گئے ہیں[5]۔ اپنے کلمے اور بیچ کی انگلی کو ملاتے[6]

(مسلم)

[1] کیونکہ اس وقت آپ پر عظمت وجلال کے انوار کی تجلیات اور ابلاغ وانذار کی روشنیوں کی چمک تجلی ریز ہو رہی تھی۔

[2] خطبہ ارشاد فرماتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت یہ ہوتی تھی کہ گویا آپ کسی قوم پر دشمن کے لشکر کے حملہ آور ہونے کی خبر دے رہے ہیں۔ اور اس کے ان پر آپڑنے سے ڈرا رہے ہیں۔

[3] یعنی قریب ہے کہ وہ لشکر صبح کے وقت یا شام کے وقت تم پر حملہ آور ہو جائے گا۔ اور لوٹ مار کریگا اور تمہارے آرام وسکون کو تم سے دور کر دے گا۔

[4] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت قریب آ جانے کا خوف دلانے کے ارادے سے فرماتے تھے۔

[5] یعنی میرا قرب قیامت کے ساتھ اس طرح نزدیک کا تعلق ہے جس طرح میری یہ دو انگلیاں بالکل ساتھ ساتھ ہیں۔

[6] یعنی آپ بغرض تشبیہ اپنی دونوں انگلیوں کو ملاتے تھے۔ یعنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو۔ لفظ سبابہ کا معنیٰ کتاب الصلوۃ کے باب التشہد میں گزر چکا ہے۔ پھر اس کی تاویل ومعنیٰ میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ انگشت سبابہ کو درمیانی انگلی سے ملانے سے اس جانب اشارہ ہے کہ آپ کی بعثت قرب قیامت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ بعض نے کہا مراد یہ ہے کہ میرے اور قیامت کے درمیان اتنی ہی دوری اور فاصلہ ہے جتنا کہ ان دو انگلیوں کے درمیان۔ یعنی درمیانی انگلی بالکل تھوڑی سی انگشتِ شہادت سے دور ہے۔ اور سبابہ اس سے تھوڑی سی پیچھے ہے۔ اسی طرح میں بھی قیامت سے تھوڑا سا پہلے آیا ہوں۔ اور قیامت میرے پیچھے پیچھے آرہی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ یَقْرِنُ معنیٰ اول کی جانب رخ رکھتا ہے۔ کیونکہ انگشت سبابہ اور وسطیٰ میں بہرحال فاصلہ موجود ہے دونوں کو ملائیں یا نہ ملائیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کو ملانے سے ان کے درمیان کا فاصلہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ کھلا رکھنے سے ظاہر نہیں ہوتا۔ اسے سمجھو۔

۱۳۲۴/۸ وَ عَنْ یَعْلَی بْنِ اُمَیَّۃَ قَالَ

حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر یہ آیت پڑھ رہے تھے وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ۔ دوزخی آواز دیں گے اے مالک چاہیے کہ تیرا رب ہمارا فیصلہ ہی کر دے۔[2] (بخاری ومسلم)

[1] یعلیٰ بن امیہ، اُمیہ ہمزہ کی پیش، میم کی زبر یا کی تشدید۔ آپ کو یعلیٰ بن امیہ (میم کی پیش نون ساکن اور یا مخفف) بھی کہتے ہیں۔ آپ قریش کے حلیف ہیں۔ فتح مکہ کے دن اسلام لائے حنین، طائف اور تبوک کے غزوات میں حاضر ہوئے۔ آپ حضرت عمر کی طرف سے علاقہ نجران کے عامل تھے۔ آپ کا شمار اہل حجاز میں ہوتا ہے۔

[2] یعنی دوزخی فریاد کریں گے اور آواز دیں گے کہ اے مالک (داروغہ دوزخ کا نام ہے) تو کہہ کہ تیرا پروردگار ہمیں مار دینے کا حکم جاری کر دے یعنی اپنے پروردگار سے عرض کر کہ ہمیں موت دے دے تاکہ ہم عذاب سے خلاصی پا جائیں۔ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ مالک انہیں جواب دے گا۔ اِنَّكُمْ مَاكِثُوْنَ۔ تم ہمیشہ یہیں رہو گے تمہاری یہ آرزو باطل ہے۔ اب ہمیشہ تمہیں اس آگ میں ہی رہنا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈرانے کے لیے یہ آیت پاک تلاوت کرتے تھے۔

۱۳۲۵/۹ وَعَنْ اُمِّ هِشَامٍ بِنْتِ حَارِثَةَ ابْنِ نُعْمَانَ قَالَتْ مَا اَخَذْتُ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ اِلَّا عَنْ لِسَانِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَؤُهَا كُلَّ جُمُعَةٍ عَلَى الْمِنْبَرِ اِذَا خَطَبَ النَّاسَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام[1] ہشام بنت حارثہ بن النعمان رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے سورہ قٓ والقرآن المجید نہ سیکھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ یہ سورت ہر جمعہ کو منبر شریف پر پڑھتے تھے جب کہ آپ لوگوں کو خطبہ ارشاد فرماتے تھے[2]

(مسلم)

[1] آپ انصاری صحابیہ ہیں رضی اللہ عنہا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ ہر جمعہ کو پڑھنے سے چند دفعہ پڑھنا مراد ہے۔ جن جمعوں میں یہ عورت حاضر ہوتی اور سنتی تھی۔ نہ کہ ہمیشہ ساری عمر خطبہ میں یہی سورت پڑھتے تھے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس سورت کا اول حصہ پڑھنا مراد ہے۔ کیونکہ آپ ساری سورت خطبہ جمعہ میں نہ پڑھتے تھے۔ اس طرح حضرت ام ہشام نے بھی اس کا اول حصہ یاد کیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۳۲۶ / ۱۰ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ اَرْخَى طَرَفَيْهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن حریث[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت آپ سیاہ رنگ کا عمامہ شریف پہنے ہوئے تھے[2]، اور اس کی دونوں طرفیں دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رکھی تھیں[3] اور یہ جمعہ کا دن تھا۔

(مسلم)

[1] حضرت عمرو بن حریث، حریث حا کی پیش را کی زبر۔ آپ قرشی صحابی ہیں۔ چھوٹی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی آپ سے حدیث پاک سنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے سر پر پھیرا۔ اور ان کے حق میں دعائے برکت فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت یہ صحابی بارہ سال کے تھے۔

[2] اس مسئلہ کی تحقیق انشاء اللہ تعالےٰ باب اللباس میں آئے گی۔ اور لفظ کتفیہ مسلم کے تمام نسخوں میں تثنیہ کا صیغہ ہے۔ اور حمیدی کی کتاب جمع بین الصحیحین میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور کتفہ مفرد کلمہ کی صورت میں بھی آیا ہے۔ مگر اول یعنی تثنیہ روایۃً اور درایۃً زیادہ ظاہر ہے۔

۱۳۲۷ / ۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ اِذَا جَاءَ اَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْاِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن آئے اور امام خطبہ پڑھ رہا ہو تو دو رکعتیں پڑھ لے۔ اور چاہیے کہ ہلکی پڑھے[1]

(مسلم)

[1] شافعی حضرات اسے تحیۃ المسجد پر محمول کرتے ہیں اور یہ ان کے نزدیک واجب ہے۔ اگرچہ خطبہ پڑھا جا رہا ہو۔ امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔ یہ حضرات اس کے وجوب کی تاکید پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ خطبہ کے دوران بھی ان کے پڑھنے کا حکم دیا۔ حنفیہ کے نزدیک جب کہ غیر خطبہ کے وقت واجب نہیں ہیں تو خطبہ کے وقت بطریق اولیٰ واجب نہ ہوں گی۔ یہی امام مالک اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔ اور جمہور صحابہ و تابعین بھی اسی پر ہیں۔ جیسا کہ علامہ نووی نے کہا۔ واجب قرار نہ دینے والے حضرات اس حدیث کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ خطبہ سے ارادہ خطبہ مراد ہے۔ یعنی جب کہ ابھی امام خطبہ شروع کرنے کا ارادہ کر رہا ہو۔ نہ کہ اس نے بالفعل خطبہ شروع

کر دیا ہو۔ یہ تاویل احادیث صحیحہ کے قرینہ سے کی جاتی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہیں کہ خطبہ کے دوران نماز پڑھنا حرام ہے۔ اور صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے متعدد طرق سے آیا ہے کہ ایک شخص مسجد میں آیا۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے۔ آپ نے اس شخص سے فرمایا اے فلاں کیا تو نے نماز پڑھی ہے اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا دو رکعتیں ہلکی پڑھ لے۔ اس کا جواب یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ابھی خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت نہ ہوئی تھی۔ یا یہ بات اس آنے والے مرد کے ساتھ خاص تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ واقعہ آپ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے ہوا۔ بعض نے یہ کہا یہ خطبۂ جمعہ نہ تھا۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا۔ اس حدیث کا دوسری احادیث کے ساتھ تعارض لازم نہیں آتا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا ہو، پھر خطبہ بند کر دیا ہو۔ اور حقیقت واقعہ بھی یہی ہے۔ جیسا کہ دارقطنی نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ دو رکعت نماز پڑھ لے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دینا بند کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ آدمی نماز سے فارغ ہوا یہاں کافی گفتگو ہے۔ جسے ہم نے شرح میں ذکر کیا ہے۔ اس کی مکمل تفصیل فتح الباری میں ہے۔ وہاں دیکھ لی جائے۔

١٣٢٨/١٢ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَ رَكْعَةً مِّنَ الصَّلٰوةِ مَعَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَدْرَكَ الصَّلٰوةَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پالی اُس نے نماز پالی[١]۔

(بخاری و مسلم)

[١] یہ حکم تمام نمازوں کے لیے عام ہے۔ نماز جمعہ کے ساتھ خاص نہیں لیکن انہوں نے آئندہ حدیث کے قرینہ کی بنا پر جو باب کے آخر میں آ رہی ہے۔ اسے نماز جمعہ کے ساتھ خاص کر دیا

[٢] ہدایہ میں ہے کہ جس نے امام کو نماز جمعہ میں پایا تو جتنی نماز امام کے ساتھ مل گئی اس کے ساتھ پڑھے۔ بقایا اس پر بنا کر کے پڑھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَا اَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوْا وَمَا فَاتَكُمْ فَاقْضُوْا۔ تمہیں امام کے ساتھ جس قدر نماز ملے اسے پڑھو اور جو فوت ہو جائے اسے قضا کر دو۔ اور اگر کسی نے امام کو تشہد میں پایا یا سجدۂ سہو میں تو امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے نزدیک اس پر جمعہ کی بنا کرے اور امام محمد نے فرمایا اگر اس نے امام کو دوسری رکعت کے اکثر حصہ میں پایا تو اس پر جمعہ کی بنا کرے اور اگر دوسری رکعت کا کم حصہ امام کے ساتھ ملا تو اس پر ظہر کی بنا کرے۔ ہدایہ کا کلام ختم ہوا۔ دوسری رکعت کا اکثر حصہ پانے سے مراد یہ ہے کہ امام کو رکوع میں پائے نہ کہ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ شیخین کی دلیل

حدیث مذکور کا اطلاق ہے اور یہ روایت جو بیان کی جاتی ہے کہ جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت کا اضافہ کرے۔ ورنہ چار رکعت ظہر ادا کرے تو یہ روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۳۲۹/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ خُطْبَتَيْنِ كَانَ يَجْلِسُ إِذَا صَعِدَ الْمِنْبَرَ حَتّٰى يَفْرُغَ أُرَاهُ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ ثُمَّ يَجْلِسُ وَلَا يَتَكَلَّمُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیتے تھے جب منبر پر چڑھتے تو بیٹھ جاتے یہاں تک کہ فارغ ہوتا میرا گمان[1] ہے کہ فارغ ہونے سے مؤذن کا فارغ ہونا مراد ہے۔ پھر آپ کھڑے ہوتے اور خطبہ ارشاد فرماتے۔ پھر بیٹھ جاتے اور کوئی کلام نہ کرتے[2]۔ پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے (ابوداؤد)

[1] یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے راوی کا شک ہے یعنی میرا گمان ہے کہ حضرت ابن عمر نے فرمایا۔ اور جب راوی کا یہ قول پورے طور پر یاد نہ رہا اس بنا پر یوں کہا کہ میرا گمان ہے۔

[2] یعنی دعا وغیرہ نہ کرتے بلکہ بالکل خاموش رہتے۔

۱۳۳۰/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَوٰى عَلَى الْمِنْبَرِ اسْتَقْبَلْنَاهُ بِوُجُوْهِنَا۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيْثِ مُحَمَّدِ ابْنِ الْفَضْلِ وَهُوَ ضَعِيْفٌ ذَاهِبُ الْحَدِيْثِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے تو ہم لوگ اپنے چہرے آپ کی طرف کر لیتے[1]۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور فرمایا ہم اس حدیث کو نہیں پہچانتے مگر محمد بن الفضل کی حدیث سے اور وہ ضعیف ہے۔ اس کا حافظہ کمزور تھا۔

[1] سنت یہ ہے کہ لوگ امام کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں۔ اور کان لگا کر خطبہ سنیں۔ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ امام خطبہ پشت بقبلہ کی طرف کر کے پڑھے گا۔ اور اگر یہی معنی بیان کرنا مقصود ہو تو بھی درست ہے لیکن جو مطلب ہم

پہلے بیان کیا ہے وہ بھی صحیح ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۳۳۱/۱۵ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ قَائِمًا ثُمَّ يَجْلِسُ ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَخْطُبُ قَائِمًا فَمَنْ نَبَّاَكَ اَنَّهٗ كَانَ يَخْطُبُ جَالِسًا فَقَدْ كَذَبَ فَقَدْ وَاللهِ صَلَّيْتُ مَعَهٗ اَكْثَرَ مِنْ اَلْفَيْ صَلٰوةٍ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[1] بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے پھر بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے اور خطبہ پڑھتے۔ تو جو تجھے یہ خبر دے کہ آپ بیٹھ کر خطبہ پڑھتے تھے اس نے جھوٹ بولا۔ اللہ کی قسم بے شک میں نے آپ کے ساتھ دو ہزار سے زیادہ نمازیں پڑھی ہیں[2]

(مسلم)

[1] حضرت جابر اور ان کے باپ سمرہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ہمشیر زادہ ہیں۔ ان کی والدہ مالدہ بنت ابی وقاص ہے۔ حضرت جابر حضور صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے باپ اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

[2] اس عبارت سے فوراً جو بات ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ نماز سے نماز جمعہ مراد ہے مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی میں پانصد کے قریب جمعے پڑھے ہیں۔ کیونکہ آپ نے پہلا جمعہ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد پڑھا ہے، اور مدینہ پاک میں آپ کے قیام کی مدت دس سال ہے۔ لہذا اس سے پنجگانہ نماز مراد ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اس سے مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ زیادہ عرصہ صحبت و معیت بیان کرنا ہے۔

۱۳۳۲/۱۶ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ الْمَسْجِدَ وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ ابْنُ اُمِّ الْحَكَمِ يَخْطُبُ قَاعِدًا فَقَالَ انْظُرُوْا اِلٰى هٰذَا الْخَبِيْثِ يَخْطُبُ قَاعِدًا وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا نِ انْفَضُّوْا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَائِمًا۔

حضرت کعب[1] بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور عبدالرحمن بن ام الحکم[2] بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا اس خبیث کی طرف دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ پڑھ رہا ہے[3] حالانکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب وہ تجارت اور کھیل کود کو دیکھتے ہیں تو ادھر دوڑ جاتے ہیں اور آپ کو کھڑا چھوڑ جاتے ہیں[4]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

ف۱ حضرت کعب بن عجرہ (عین کی پیش اور جیم ساکن) آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔ انصار کے حلیف ہیں۔ اصحاب شجرہ بیعت الرضوان میں سے ہیں۔ منقول ہے کہ آپ نے ایک بت رکھا ہوا تھا۔ جس کی وہ پوجا کیا کرتے تھے۔ حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ ان کے بڑے دوست تھے ایک دن ان کے گھر اندر تشریف لے آئے۔ اور بت کو توڑ دیا تو وہ بڑے غصے میں آ گئے اور قریب تھا کہ حضرت عبادہ کو گالی دے دیتے مگر پھر اچانک سوچ میں پڑ گئے اور اپنے جی میں کہنے لگے۔ اگر یہ بت فائدہ پہنچا سکتا اور کچھ بھی قدرت وطاقت رکھتا تو اپنے آپ کو ٹوٹنے سے بچا لیتا۔ تو بت پرستی سے بیزار ہو کر مسلمان ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ۔

ف۲ یہ شخص بنی امیہ اور ان کے پیروکاروں میں سے ہیں۔

ف۳ یہاں قصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اچانک شام سے ایک قافلہ آ گیا۔ قحط کے دن تھے صحابہ کرام میں سے بارہ آدمیوں کے قریب بے طاقت ہو گئے اور قافلہ دیکھنے اٹھ کر باہر آ گئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ اور مالک واحمد کے نزدیک خطبے میں قیام سنت ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک واجب ہے۔ باقی آئمہ کے نزدیک خطبہ میں قیام شرط ہے۔ مگر اس کے لیے جو قدرت نہ رکھتا ہو جیسا کہ نماز میں قیام شرط ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فتح الباری میں کہا سب سے پہلے جس شخص نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے وہ حضرت امیر معاویہ ہیں۔ انہوں نے بھی اس وقت ایسا کیا جب کہ ان کا شکم بھاری ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تکلیف ومشقت کے باوجود خطبہ کھڑے ہو کر پڑھتے۔ جب بالکل بے طاقت ہو جاتے بیٹھ جاتے اور خاموش ہو جاتے۔ پھر اٹھتے اور کھڑے ہو کر خطبہ پڑھتے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلا خطبہ بیٹھ کر پڑھتے اور دوسرا کھڑے ہو کر وہ ایسا ضرورت اور مجبوری کے تحت کرتے۔ لہذا ان کا فعل اس شخص کے لیے دلیل نہیں بن سکتا جو بیٹھ کر خطبہ پڑھنے کو جائز قرار دے۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

ف۴ اس حدیث میں دلیل ہے کہ حرام یا مکروہ کا ارتکاب کرنے والے پر شدت اور سختی کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بلا ضرورت اس چیز کے خلاف کام کرنا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو، اس کے خبث باطن کی علامت ہے۔

۱۳۳۳/۱۲ وَعَنْ عَمَارَةَ بْنِ رُوَيْبَةَ اَنَّهٗ رَاٰی بِشْرَ بْنِ مَرْوَانَ عَلَى الْمِنْبَرِ

حضرت عمارہ ف۱ بن رویبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے بشر بن مروان کو منبر پر ہاتھ

رَافِعًا يَدَيْهِ فَقَالَ قَبَّحَ اللهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيْدُ عَلٰى اَنْ يَّقُوْلَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا وَ اَشَارَ بِاِصْبَعِهِ الْمُسَبِّحَةِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بلند کرتے دیکھا[2] تو فرمایا اللہ تعالیٰ ان دونوں ہاتھوں کو قبیح کرے۔ البتہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ انگلی سے اشارہ کرنے سے بڑھ کر کچھ نہ کرتے۔ پھر حضرت عمارہ نے اپنی انگشت شہادت سے اشارہ کیا[3]

(مسلم)

[1] عمارۃ (عین کی پیش میم مخفف) رویبہ (را کی پیش واو پر زبر۔ یا ساکن) حضرت عمارہ صحابہ میں سے ہیں۔

[2] جس طرح بعض جاہل واعظوں اور خطیبوں کا طریقہ ہے۔

[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کی صورت دکھانے کے لیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگشت شہادت سے ایک اشارہ کرتے۔ گویا آپ لوگوں سے خطاب فرماتے اور انہیں تنبیہ کرتے کہ آپ جو کچھ ذکر رہے ہیں لوگ اسے غور سے اور کان لگا کر سنیں۔

$\frac{1334}{18}$ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا اسْتَوٰى رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ عَلَى الْمِنْبَرِ قَالَ اجْلِسُوْا فَسَمِعَ ذٰلِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَجَلَسَ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ فَرَاٰهُ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالَ يَا عَبْدَ اللهِ بْنَ مَسْعُوْدٍ

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر ٹھیک ہو کر بیٹھ جاتے فرماتے لوگو بیٹھ جاؤ[1] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ حکم سنا جب کہ وہ ابھی مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے[2] تو وہیں بیٹھ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ ابن مسعود آگے آجا[3]

(ابوداؤد)

[1] گویا لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسے سمجھو۔

[2] یعنی جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے، شارع علیہ السلام کا حکم سن کر اس کی جلد بجا آوری کے لیے وہیں بیٹھ گئے۔

[3] یہ آپ نے ان کو غایت شفقت و رحمت کے طور پر فرمایا۔ کیونکہ انہوں نے فوراً حکم کی بجا آوری کی تھی۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ جو کوئی تعمیل حکم کرتا ہے وہ کرم و عنایت کا مرکز بن جاتا ہے اور محبوب کا محبوب اور اس کا مطلوب بن جاتا ہے۔ بیت

ہر کہ او در عشق صادق آمدہ است
بر سرش معشوق عاشق آمدہ است

جو کوئی عشق میں صادق ہوتا ہے۔ معشوق بھی اس کے سر پر عاشق بن کر آتا ہے۔

اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ منبر پر جانے کے بعد کلام کرنا جائز ہے۔ یا یہ آپ نے خطبہ شروع کرنے سے پہلے فرمایا یا آپ نے بیٹھنے کا حکم اشارہ سے کیا راوی نے اسے قول سے تعبیر کر دیا۔ ابن الہمام کی شرح میں ہے خطیب کے لیے حالت خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے مگر امر بالمعروف کے لیے۔ جیسا کہ وضو میں حضرت عمر کا حضرت عثمان سے قصہ مذکور ہے۔ وہ معتبر و مشہور قصہ ہے اور باب الغسل میں ذکر ہو گزر چکا ہے۔ اور سفر السعادۃ میں کہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لاتے پہلے لوگوں کو سلام کہتے پھر جب منبر پر بیٹھتے تو دوبارہ سلام کہتے۔

۱۳۳۵/۱۹ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَکَ مِنَ الْجُمُعَۃِ رَکْعَۃً فَلْیُصَلِّ اِلَیْھَا اُخْرٰی وَمَنْ فَاتَتْہُ الرَّکْعَتَانِ فَلْیُصَلِّ اَرْبَعًا اَوْ قَالَ الظُّھْرَ۔
(رَوَاہُ الدَّارَقُطْنِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی۔ وہ اس کے ساتھ دوسری ملا لے اور جس کی دونوں رکعتیں فوت ہو جائیں تو وہ چار رکعت پڑھے۔ یا[1] فرمایا ظہر پڑھے۔[2]
(دار قطنی)

[1] یعنی یا آپ نے اربعًا کے بجائے فلیصل الظہر کا لفظ فرمایا یعنی چار رکعت ظہر پڑھے۔

[2] فصل اول میں بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس مسئلہ میں گفتگو گزر چکی ہے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْخَوْفِ

نماز خوف کا باب

نماز خوف کتاب و سنت سے ثابت ہے۔ حنفیہ سے ایک روایت کے مطابق جو ابو یوسف اور حسن بن زیاد سے مروی ہے اور شافعیہ سے مزنی کی روایت کے مطابق نماز خوف زمانہ نبوت کے ساتھ خاص تھی کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بڑا ارادہ رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی مشروعیت باقی نہ رہی۔ مگر جمہور کے نزدیک مختار یہ ہے کہ زمانہ نبوت کے بعد بھی اس کا جواز باقی ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس کے بعد بعض صحابہ جیسے حضرت علی مرتضیٰ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہم اجمعین کا اسے پڑھنا جمہور علماء کی دلیل ہے۔ پھر بعض نے کہا ہے کہ صفت مذکورہ پر نماز خوف ادا کرنا اس وقت لازم ہے جب کہ قوم ایک امام کے پیچھے یہ نماز پڑھنے کا نزاع کرے اور اگر جھگڑا نہ کریں تو ایک امام ایک گروہ کے ساتھ پوری نماز پڑھے اور دوسرا گروہ دوسرے امام کی اقتدا میں پوری نماز پڑھے۔ بعض آئمہ (جیسے امام مالک) کے نزدیک نماز خوف حالت سفر کے ساتھ خاص ہے۔ احناف کے نزدیک سفر و حضر دونوں حالتوں میں جائز ہے۔ اور اختلاف زمان و مکان کے مطابق نماز خوف متعدد طریقوں پر روایت دشمن سے پرہیز اور بچاؤ کے لیے جس طرح کی مصلحت امام دیکھے اس طرح پڑھے۔ اور ہر امام نے ایک طریقہ اختیار کیا ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت کو اختیار کیا ہے۔ جو کتب صحاح ستہ میں موجود و ثابت ہے۔ تمیمی نے کہا کہ نماز خوف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چار جگہوں میں منقول ہے۔ ذات الرقاع میں۔ بطن نخل میں۔ مقام عسفان میں۔ اور مقام ذی قرد میں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز خوف صرف حالت سفر میں پڑھی گئی ہے۔ فقہاء کرام کا حضر میں یہ نماز پڑھنا سفر پر قیاس کرنے سے ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١٣٣٦/١ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ غَزَوْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَوَازَیْنَا الْعَدُوَّ فَصَافَفْنَا لَھُمْ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ لَنَا فَقَامَتْ طَآئِفَۃٌ مَّعَہٗ وَ اَقْبَلَتْ طَآئِفَۃٌ عَلَی الْعَدُوِّ وَرَکَعَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِمَنْ مَّعَہٗ وَ سَجَدَ سَجْدَتَیْنِ ثُمَّ انْصَرَفُوْا مَکَانَ الطَّآئِفَۃِ الَّتِیْ لَمْ تُصَلِّ فَجَآءُوْا

پہلی فصل

حضرت سالمؒ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجدؒ کی جانب غزوہ کیا ہم لوگ دشمن کے مقابل کھڑے ہوئے۔ اور ان کے سامنے صفیں بنائیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کھڑے ہوئے۔ ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو گئی اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ رکوع کیا اور دو سجدےؒ کیے۔ پھر یہ لوگ اس جماعت کی جگہ چلے گئے جس نے نماز نہ پڑھی تھی تو وہ ادھر آ گئے۔ رسول اللہ

فَرَكَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ بِهِمْ رَكْعَةً وَّ سَجَدَ
سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ فَقَامَ كُلُّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمْ فَرَكَعَ لِنَفْسِهٖ رَكْعَةً
وَ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ وَ رَوٰى نَافِعٌ
نَحْوَهٗ وَ زَادَ فَاِنْ كَانَ خَوْفٌ هُوَ
اَشَدُّ مِنْ ذٰلِكَ صَلُّوْا رِجَالًا
قِيَامًا عَلٰى اَقْدَامِهِمْ اَوْ رُكْبَانًا
مُسْتَقْبِلِي الْقِبْلَةِ- اَوْ غَيْرَ
مُسْتَقْبِلِيْهَا قَالَ نَافِعٌ لَا اُرٰى
ابْنَ عُمَرَ ذَكَرَ ذٰلِكَ اِلَّا عَنْ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک رکعت پڑھا دی اور دو سجدے کرلیے۔ پھر آپ نے سلام پھیر دیا پھر ان میں سے ہر ایک کھڑا ہوا اور اپنی اپنی ایک رکعت پڑھ لی اور دو سجدے کرلیے۵۴۔ حضرت نافع نے یوں ہی روایت کی۔ مگر اتنا زیادہ کیا۵۵ کہ اگر خوف اس سے بھی زیادہ ہو تو پیدل اپنے قدموں پر کھڑے۵۶ کھڑے یا سواری پر نماز پڑھ لیں۔ ان کا قبلہ کی جانب منہ۵۷ ہو۔ یا نہ ہو۔ نافع کہتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ حضرت ابن عمر نے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی روایت کی۵۸

(بخاری)

---

۵۱ حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم فقہائے مدینہ سادات و علما تابعین و ثقات میں سے ہوئے ہیں۔ امام مالک نے ان کے بارے میں کہا کہ سالم کے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کوئی بھی فضل و زہد اور ریاضت۔ نفس کشی میں پہلے لوگوں کے مشابہ نہ تھا۔ سلمان بن عبدالملک نے آپ کو کعبہ میں دیکھا تو کہا آپ جو مانگنا چاہتے ہیں مجھ سے مانگیں۔ فرمایا میں خانہ خدا میں خدا کے سوا کسی اور سے ہرگز کچھ طلب نہ کروں گا۔ حضرت سالم بن عبداللہ حجاج بن یوسف کو بہت سخت سست کہا کرتے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ سالم کی ماں پر رحمت نازل کرے جس نے اپنے بیٹے کا نام سالم رکھا۔

۵۲ نجد نون کی زبر جیم ساکن یہ اس علاقے کا نام ہے جس کا بلند حصہ تہامہ اور یمن تک پھیلا ہوا ہے اور اس کا نشیبی علاقہ عراق و شام سے جا ملتا ہے۔ نجد دراصل بلند جگہ اور روشن و بلند راستہ کو کہتے ہیں۔ علاقہ نجد بھی بلندی پر واقع ہے۔ اس حدیث میں نجد عراق مراد ہے نجد یمن مراد نہیں۔

۵۳ یعنی ایک رکعت ادا کی۔

۵۴ یعنی ایک رکعت ادا کی۔ یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ کہ ہر گروہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھی اور دوسری رکعت ہر ایک گروہ نے الگ الگ پڑھی یہی حضرت امام ابوحنیفہ

رحمۃ اللہ کا مذہب ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ مذہب نص قرآن کے زیادہ موافق ہے۔ اس پر غور کرو۔ واضح ہو کہ دونوں گروہوں کے لیے ایسی کوئی صورت نہیں کہ دونوں اکٹھے باقی ایک رکعت پڑھیں کیونکہ ایسا کرنے سے جنگ کا نظام برباد اور اس کی ضرورت و مصلحت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ پھر اس حدیث سے یہ معلوم نہ ہوا کہ بقیہ رکعت کونسا گروہ پہلے ادا کرے۔ اشعب نے کہا جو امام مالک کے ساتھی ہیں کہ دوسرا گروہ پہلے پڑھے کہ اس طرح کرنے سے کثرت مخالفت سے محفوظ رہے گا۔ آئندہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پہلا گروہ پہلے پڑھے۔ جیسا کہ بعض شروح میں مذکور ہے۔ یہ سالم کی ابن عمر سے روایت ہے۔

۵۵ اور نافع نے ابن عمر سے ایسی ہی روایت کی۔

۵۶ یعنی دشمن کا خوف اس قدر زیادہ ہو کہ مذکورہ طریقہ پر جماعت سے نماز پڑھنا دشوار ہو۔

۵۷ یعنی اگر پیادہ پڑھنا دشوار ہو تو سواری پر ہی پڑھیں اور قبلہ رخ ہو کر پڑھیں اگر قبلہ رو ہونا بس میں ہو۔ اور بس میں نہ ہو تو جیسے ممکن ہو پڑھیں اور نماز ترک نہ کریں۔ بیت

بر دل افتم از خود بہ پراگندگی — نہ افتم بر دل با تو از بندگی
لنگ و لوک و خفتہ شکل و بے ادب — سوے او میخیز و او را مے طلب

ترجمہ:۔ میں اپنی پراگندہ خیالی کے باعث اپنے آپ کو اونچا تصور کرتا ہوں اور تیری بندگی سے تو مجھے تواضع اور انکساری ہی نصیب ہوگی۔

لنگڑا لولا اور مودب نہ ہونے کے باوجود تجھے اسی کی جانب اٹھنا اور اسے ہی طلب کرنا چاہیے۔

۵۸ یعنی یہ شقیں اور یہ تفصیلات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی بیان کی ہونگی۔

۱۳۳۷/۲ وَعَنْ يَزِيْدَ بْنِ رُوْمَانَ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَمَّنْ صَلّٰى مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ ذَاتِ الرِّقَاعِ صَلٰوةَ الْخَوْفِ اَنَّ طَائِفَةً صَفَّتْ مَعَهٗ وَطَائِفَةٌ وِجَاهَ الْعَدُوِّ فَصَلّٰى بِالَّتِيْ مَعَهٗ رَكْعَةً ثُمَّ ثَبَتَ قَائِمًا

حضرت یزید[1] بن رومان سے وہ صالح[2] بن خوات سے وہ ان سے روایت کرتے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ذات الرقاع[3] کے دن نماز پڑھی کہ ایک گروہ آپ کے ساتھ صف آرا ہوا۔ اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابلہ[4] میں کھڑا رہا۔ آپ نے اپنے ساتھ والے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی۔ پھر یونہی کھڑے رہے۔ انہوں نے

وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ انْصَرَفُوْا فَصَفُّوْا[4] وِجَاهَ الْعَدُوِّ وَجَاءَتِ الطَّائِفَةُ الْاُخْرٰى فَصَلّٰى بِهِمُ الرَّكْعَةَ الَّتِىْ بَقِيَتْ مِنْ صَلٰوتِهٖ ثُمَّ ثَبَتَ جَالِسًا وَاَتَمُّوْا لِاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَاَخْرَجَ الْبُخَارِىُّ بِطَرِيْقٍ اٰخَرَ عَنِ الْقَاسِمِ عَنْ صَالِحِ بْنِ خَوَّاتٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ اَبِىْ خَثْمَةَ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

اپنی نماز پوری کر لی۔ اور دشمن کے مقابل صف بستہ ہو گئے۔ پھر دوسرا گروہ آیا۔ آپ نے انہیں دو رکعت پڑھائی۔ جو آپ کی نماز سے باقی تھی۔ پھر یوں ہی بیٹھے رہے اور ان مجاہدوں نے اپنی نماز پوری کر لی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ سلام پھیرا۔ (مسلم بخاری)

اور بخاری نے دوسری اسناد سے قاسم سے انہوں نے صالح بن خوات سے انہوں نے سہل[5] بن حثمہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی۔

[1] رُومان را کی پیش واو ساکن۔ آپ تابعی ہیں کثیر الحدیث اور ثقہ ہیں۔

[2] صالح بن خوات۔ خا کی زبر واو مشدد آخر میں تا۔ آپ بھی تابعی ثقہ اور عزیز الحدیث ہیں۔ یعنی احادیث کم روایت کرتے ہیں۔ حضرت خوات جلیل القدر صحابی ہیں۔ ان کا غزوہ جس میں شریک ہوئے، غزوہ اُحد ہے

[3] ذات الرِقاع را کی زیر سے۔ اس غزوہ کا نام ہے جو سنہ ۵ ہجری میں ہوا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ اور آپ نے اس میں نماز خوف ادا کی مگر کفار سے جنگ کی نوبت نہ آئی اور آپ واپس تشریف لے گئے۔ اسے ذات الرِقاع اس لیے کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام پا برہنہ تھے۔ ان کے پاؤں سوج کر زخمی ہو گئے ناخن اتر گئے تو انہوں نے اپنے پاؤں کپڑے کے ٹکڑوں سے باندھے۔ مشہور وجہ یہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس جگہ ایک پہاڑ تھا جس کے کچھ ٹکڑے سرخ کچھ سفید اور کچھ سیاہ رنگ کے تھے۔ اور کچھ زرد رنگ کے۔ وہ پہاڑ ایسا رنگ برنگ نظر آتا تھا کہ گویا اس پر مختلف رنگ کے ٹکڑے سی دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز خوف کا بیان فرماتے ہیں۔

[4] حدیث پاک میں یہاں لفظ وجاہ آیا ہے واو کی پیش اور زیر سے ایک روایت میں تجاہ العدو کا لفظ آیا ہے۔

[5] سہل سین کی زبر ہا ساکن۔ ابی حا کی زبر ثا ساکن۔ آپ کمسن صحابی ہیں۔ ہجرت کے تیسرے سال پیدا ہوئے۔ یزید بن رومان کی روایت میں جو عمّن صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لفظ آیا ہے اس سے یہی مراد ہیں۔ بعض نے کہا اس سے انہوں نے اپنا باپ خوات مراد لیا ہے اور وہ صحابی ہے۔

۵۶ یہ نماز خوف کے طریقوں میں سے دوسرا طریقہ ہے۔ اس طریقہ میں ہر گروہ نے ایک ایک رکعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی۔ اور دوسری رکعت اکیلے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے وقت وہ نہ پڑھی بلکہ آپ کی نماز پوری کر لینے کے بعد اسی طریقہ کو امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ تعالے نے اختیار کیا ہے۔

۱۳۳۸/۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِذَاتِ الرِّقَاعِ قَالَ كُنَّا اِذَا اَتَيْنَا عَلٰى شَجَرَةٍ ظَلِيْلَةٍ تَرَكْنَاهَا لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَجَآءَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَيْفُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَلَّقٌ بِشَجَرَةٍ فَاَخَذَ بِسَيْفِ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرَطَهٗ فَقَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَخَافُنِيْ قَالَ لَا قَالَ فَمَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ يَمْنَعُنِيْ مِنْكَ قَالَ فَتَهَدَّدَهٗ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَغَمَدَ السَّيْفَ وَعَلَّقَهٗ قَالَ فَنُوْدِيَ بِالصَّلٰوةِ فَصَلّٰى بِطَائِفَةٍ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ تَاَخَّرُوْا وَصَلّٰى بِالطَّآئِفَةِ الْاُخْرٰى رَكْعَتَيْنِ قَالَ فَكَانَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعُ رَكَعَاتٍ وَّلِلْقَوْمِ رَكْعَتَانِ ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ یہاں تک کہ جب ہم ذات الرقاع میں پہنچے فرماتے ہیں کہ ہم جب کبھی کسی سایہ دار درخت پر پہنچتے تھے تو وہ درخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑ دیتے تھے۔ فرماتے ہیں کہ کفار کا ایک شخص آیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار درخت کے ساتھ لٹکی ہوئی تھی اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لے کر سونت لی۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا۔ کیا آپ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا نہیں وہ بولا مجھ سے آپ کو کون بچائے گا۔ فرمایا مجھے تجھ سے اللہ بچائے گا۔ فرماتے ہیں کہ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے اسے دھمکایا۔ تو اس نے تلوار میان میں کر کے لٹکا دی۔ فرماتے ہیں پھر نماز کی اذان ہوئی تو آپ نے ایک گروہ کو دو رکعتیں پڑھائیں پھر وہ پیچھے ہٹ گیا اور دوسرے گروہ کو دو رکعتیں پڑھا دیں۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں۔ اور قوم کی دو دو رکعتیں ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) (بخاری ومسلم)

۱؎ یعنی خوب سایہ دار درخت۔

۲؎ تاکہ آپ اس کے نیچے آرام فرمائیں۔ اور دھوپ سے بچیں۔

۳؎ یعنی اس درخت کے ساتھ۔

۴؎ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار رکعتیں کیوں پڑھیں۔ دو کیوں نہ پڑھیں۔ اس کے جواب میں بعض نے کہا قصر رخصت ہے۔ جیسا کہ بعض آئمہ کا مذہب ہے۔ اس لیے آپ نے چار رکعت پڑھیں۔ مگر یہ بیان اس کے خلاف ہے جو بعض محققین نے فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کبھی بھی چار رکعت نہیں پڑھیں۔ واللہ اعلم۔ بعض نے کہا یہ نماز خوف کے خصائص میں سے ہے۔ تاکہ ہر گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں پوری نماز پڑھے۔ اور شاید صرف اس موقعہ پر صحابہ میں نزاع واقع ہوئی ہو۔ کسی اور موقعہ میں نزاع واقع نہ ہوئی ہو۔ بعض نے کہا یہ تکرار نماز ہے۔ جیسا کہ شافعی حضرات تکرار نماز کے قائل ہیں۔ اور ان کے نزدیک فرض والے کی اقتدا نفل والے کے پیچھے جائز ہے۔ بعض نے کہا یہ نماز اس حالت میں سفر میں نہ تھی۔ بلکہ حضر میں تھی۔ اور قوم کا دو رکعت پر کفایت کرنا خوف کے تحت ضرورت کے خصائص میں سے ہے۔ اور ابوداؤد اور نسائی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات ہر گروہ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھتے۔ اور قوم صرف اسی ایک رکعت پر کفایت کرتی دوسری نہ پڑھتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوف کی حالت وہ خصوصیات رکھتی ہے جو غیر حالت خوف میں نہیں پائی جاتیں واللہ اعلم۔

۱۳۳۹ وَعَنْهُ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الْخَوْفِ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ صَفَّیْنِ وَالْعَدُوُّ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقِبْلَةِ فَکَبَّرَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَکَبَّرْنَا جَمِیْعًا ثُمَّ رَکَعَ وَرَکَعْنَا جَمِیْعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّکُوْعِ وَرَفَعْنَا جَمِیْعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُوْدِ وَ

حضرت جابر سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف پڑھائی ہم نے حضور کے پیچھے دو صفیں بنائیں جب کہ دشمن ہمارے اور قبلہ کے درمیان[1] تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی اور ہم سب نے تکبیر کہی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا اور ہم سب نے رکوع[2] کیا۔ پھر حضور نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا اور ہم سب نے اٹھایا۔ پھر آپ اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی سجدہ میں گئے

الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ وَقَامَ الصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ ثُمَّ قَامُوا ثُمَّ تَقَدَّمَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ وَتَأَخَّرَ الْمُقَدَّمُ ثُمَّ رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَكَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَرَفَعْنَا جَمِيعًا ثُمَّ انْحَدَرَ بِالسُّجُودِ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ الَّذِي كَانَ مُؤَخَّرًا فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى وَقَامَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ فِي نَحْرِ الْعَدُوِّ فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السُّجُودَ وَالصَّفُّ الَّذِي يَلِيهِ انْحَدَرَ الصَّفُّ الْمُؤَخَّرُ بِالسُّجُودِ فَسَجَدُوا ثُمَّ سَلَّمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْنَا جَمِيعًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور پچھلی صف دشمن کے مقابلہ میں کھڑی رہی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ پورا کر لیا۔ اور آپ سے متصل صف بھی کھڑی ہوگئی۔ تو پچھلی صف سجدہ میں گر گئی۔ پھر یہ لوگ کھڑے ہوئے پھر پچھلی صف آگے ہوگئی اور اگلی صف پیچھے چلی گئی۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے رکوع کیا۔ پھر حضور نے اور ہم سب نے رکوع سے سر اٹھایا پھر حضور اور وہ صف جو آپ سے متصل تھی اور جو رکعت اولیٰ میں[1] پچھلی صف تھی، سجدہ میں گئے۔ اور پچھلی صف دشمن کے مقابل کھڑی رہی پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ سے متصل صف نے سجدہ پورا کیا تو پچھلی صف سجدہ میں چلی گئی۔ اور انہوں نے سجدہ کیا پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور ہم سب نے اکٹھا سلام پھیرا۔[3]

[1] اس قید کا فائدہ آگے معلوم ہوگا۔

[2] یہاں تک کہ اس مقام میں ہم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپس میں موافق تھے۔

[3] یہ نماز خوف کا ایک دوسرا طریقہ ہے جو زمانہ اور مصلحت کے اختلاف پر مبنی ہے۔ یعنی دشمن کی حراست و نگہداشت کو پیش نظر رکھتے ہوئے آپ نے ایسا کیا اور جب کہ یہاں دشمن جانب قبلہ میں تھا تو سب حضرات جانب قبلہ کو رخ کر کے کھڑے ہوئے اور سب نے رکوع اکٹھے کیا مگر سجدہ کے وقت ایک گروہ سجدہ

میں گیا اور دوسرا کھڑا رہا۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ اور جب کہ دشمن جانب قبلہ کے علاوہ کسی دوسری جانب نہ تھا اس بنا پر ایک گروہ کو ان کی طرف بھیجنے کی ضرورت نہ تھی۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۳۴۰/۵ عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ بِالنَّاسِ صَلٰوۃَ الظُّھْرِ فِی الْخَوْفِ بِبَطْنِ نَخْلٍ فَصَلّٰی بِطَائِفَۃٍ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ ثُمَّ جَاءَ طَائِفَۃٌ اُخْرٰی فَصَلّٰی بِھِمْ رَکْعَتَیْنِ ثُمَّ سَلَّمَ۔

(رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ)

دوسری فصل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بطن نخل[1] میں ظہر کی نماز خوف پڑھا رہے تھے۔ آپ نے ایک گروہ کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ اور سلام پھیر دیا پھر دوسرا گروہ آیا اس کے ساتھ آپ نے دو رکعتیں پڑھیں اور سلام پھیرا[2]

(شرح سنۃ)

[1] بطن نخل مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ ہے۔

[2] اس صورت میں آپ نے دونوں گروہوں کے ساتھ جدا جدا سلام پھیرا۔ یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعتیں ہوئیں۔ اور قوم کی دو دو رکعتیں جیسا کہ حضرت جابر کی گذشتہ حدیث میں گزرا مگر وہاں یہ وضاحت نہ تھی کہ ایک سلام پھیرا یا دو۔ جیسا کہ مؤلف نے یہاں نقل کیا ہے۔ اور شرح سفر السعادۃ میں فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد میں اتنی دیر توقف فرمایا کہ دوسرے گروہ کے ساتھ مل کر سب نے اکٹھے سلام پھیرا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۳۴۱/۶ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزَلَ بَیْنَ ضَجْنَانَ وَ عُسْفَانَ فَقَالَ الْمُشْرِکُوْنَ لِھٰؤُلَاءِ صَلٰوۃٌ ھِیَ اَحَبُّ اِلَیْھِمْ مِّنْ اٰبَائِھِمْ وَ اَبْنَائِھِمْ وَھِیَ الْعَصْرُ فَاَجْمِعُوْا اَمْرَکُمْ فَتَمِیْلُوْا عَلَیْھِمْ مَیْلَۃً وَّاحِدَۃً وَاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَی

تیسری فصل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضجنان[1] وعسفان[2] کے درمیان اترے۔ تو مشرکین بولے کہ ان کی ایک نماز ہے جو انہیں اپنے باپ بیٹوں[3] سے زیادہ پیاری ہے۔ یعنی عصر تو اپنی طاقت[4] جمع کر لو[5]۔ اور ان پر ایک دم ٹوٹ پڑو۔ ادھر حضرت جبرئیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں[6] حاضر ہوئے۔

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ، فَاَمَرَہٗ اَنْ یَّقْسِمَ اَصْحَابَہٗ شَطْرَیْنِ فَیُصَلِّیْ بِہِمْ وَ تَقُوْمُ طَآئِفَۃٌ اُخْرٰی وَرَآءَ ھُمْ وَلْیَاْخُذُوْا حِذْرَ ھُمْ وَ اَسْلِحَتَہُمْ فَتَکُوْنُ لَھُمْ رَکْعَۃٌ وَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ رَکْعَتَانِ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَ النَّسَآئِیُّ)

اور عرض کیا کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں بانٹ دیں اور انہیں اس طرح نماز پڑھائیں کہ دوسرا گروہ ان کے پیچھے[7] رہے۔ جو اپنا بچاؤ[8] اور اپنے ہتھیار لیے رہیں۔ ان سب کی ایک ایک رکعت ہو گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعتیں[9]

(ترمذی۔ نسائی)

[1] ضَجْنَان ضاد کی زبر جیم ساکن آخر میں دو نون۔ مکہ معظمہ کے قریب ایک جگہ یا پہاڑ کا نام ہے۔

[2] عُسْفَان۔ عین پر پیش سین ساکن۔ مکہ شریف سے دو منزل کے فاصلہ پر ایک مشہور جگہ کا نام ہے۔

[3] اور ایک روایت میں من ابناءہم واموالہم آیا ہے۔ یعنی مال و اولاد سب سے زیادہ پیاری وہ نماز ہے۔

[4] حدیث میں لفظ فَاَجْمِعُوْ ہے ہمزہ کی زبر۔ جیم ساکن میم کی زیر۔

[5] اصل میں لفظ امر ہے امر بمعنیٰ رائے۔ مطلب یہ ہے کہ متفق ہو جاؤ اور پختہ ارادہ کرو۔ اور ان پر یکبارگی ٹوٹ پڑو اور ان کو ہلاک کرو۔ مشرکوں نے آپس میں یہ بات طے کر لی۔

[6] اور آپ کو مشرکین کا شر و فتنہ دفع کرنے کی تدبیر سکھائی کہ اپنے صحابہ کو دو گروہوں میں تقسیم کریں۔

[7] یعنی ان کے آگے یا پیچھے اور لفظ دون پیچھے اور آگے دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔

[8] حِذر حا کی زیر ذال ساکن۔ پرہیز کرنا۔ سِلاح سین کی زیر۔ یعنی سامانِ جنگ۔

[9] قوم کی نماز کے ایک رکعت ہونے کا مطلب ہے۔ امام کے ساتھ ایک رکعت دوسری رکعت وہ اکیلے پڑھیں گے۔ بعض علما ظاہر پر حمل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ نماز خوف کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ گزرا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْعِیْدَیْنِ

نماز عیدین کا باب

علماء فرماتے ہیں کہ عید کو اس لیے عید کہتے ہیں کہ یہ ہر سال اپنے اوقات میں لوٹتی اور کر آتی ہے۔ اور یہ

معنیٰ چونکہ اور بہت سے موسموں میں بھی پایا جاتا ہے جو لوٹ لوٹ کر اور مکرر آتے ہیں اس لیے بعض نے ایک اور قید کا اضافہ کیا یعنی جو فرحت وسرور کے ساتھ لوٹے اور عود کرے۔ عید فطر میں تو فرحت وسرور اس پر ہے کہ اللہ تعالےٰ نے پورے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ اللہ تعالےٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کا شکر بجا لانا چاہیے اور عید اضحیٰ حج کی نعمت تمام ہونے کے شکرانے کے طور پر مقرر کی گئی ہے۔ حج میں بندہ عرفات پہنچتا ہے جو تمام ارکان میں عمدہ رکن ہے جیسا کہ وارد ہوا ہے کہ الحج عرفۃ یعنی حج تو صرف عرفہ کا نام ہے اور جمعہ ہر ہفتہ کی عید ہے اور ہفتہ کی نمازوں کی نعمت کا شکرانہ ہے۔ تو شریعت پاک میں ہر طاعت پر شکر نعمت کے لیے اس کی جنس سے عید مقرر کر دی۔ تاکہ مزید نعمت کا موجب بنے۔ جیسا کہ فرمایا لئن شکرتم لازیدنکم الایہ۔ تم لوگ اگر نعمتوں کا شکر بجا لاؤ گے تو میں ضرور تمہیں مزید نعمتیں عطا کروں گا۔ لیکن زکوۃ کا چونکہ کوئی وقت معین نہیں نہ اس کے لیے کوئی اجتماع منعقد ہوتا ہے اس لیے اس کی تمام ادائیگی کے موقعہ پر اس کے مناسب کوئی شکر نہ تھا۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ بعض نے کہا اسے عید اس کی دوبارہ آمد کی نیک فالی کے لیے کہتے ہیں۔ جس طرح قافلہ کو روانگی کے وقت ہی قافلہ کہہ دیتے ہیں۔ اور یہ لفظ قافلہ تقفول سے نکلا ہے بمعنیٰ واپس آنا۔ یعنی خدا کرے یہ قافلہ واپس لوٹ کر آئے۔

پھر عیدین کی نماز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے ایک قول کے مطابق فرض ہے۔ جس طرح جمعہ فرض ہے۔ اور ایک قول کے مطابق واجب ہے اور اسے سنت جو کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا ثبوت سنت (حدیث) سے ہے کتاب اللہ سے نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے صاحبین کے نزدیک عید سنت ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک نفل۔ اور شوافع نے اسے افضل نوافل قرار دیا ہے۔ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق سنت ہے۔ امام مالک نے کہا کہ عید سنت واجبہ ہے۔ ممکن ہے کہ وجوب سنت کی تاکید کے لیے ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وجوب سے مراد وہی ہو جو امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے کہا ہے۔ اور امام احمد کے نزدیک فرض ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے۔ مگر امام ابوحنیفہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ عید فرض کفایہ ہے۔ جیسے نماز جنازہ اور جہاد۔ اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت ہے کہ عید فرض کفایہ ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۴۲ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَ الْاَضْحٰی اِلَى الْمُصَلّٰى فَاَوَّلُ شَیْءٍ يَبْدَاُ بِهٖ

فصل اول

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فطر اور اضحیٰ کے دن عید گاہ؂ کی طرف نکل کر آتے تھے تو سب سے پہلی چیز جس سے آپ ابتدا کرتے تھے

الصَّلٰوةُ ثُمَّ يَنْصَرِفُ فَيَقُوْمُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰى صُفُوْفِهِمْ فَيَعِظُهُمْ وَيُوْصِيْهِمْ وَيَأْمُرُهُمْ وَاِنْ كَانَ يُرِيْدُ اَنْ يَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَهٗ اَوْ يَأْمُرَ بِشَيْءٍ اَمَرَ بِهٖ ثُمَّ يَنْصَرِفُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نماز تھی [۲] پھر آپ لوٹتے اور لوگوں کے روبرو ہو کر کھڑے ہوتے [۳] اور لوگ اپنی صفوں میں بیٹھے ہوتے تھے تو آپ انہیں نصیحت فرماتے، وصیت کرتے اور انہیں حکم دیتے [۴] اور اگر آپ نے کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو اسے روانہ کرتے، یا کسی چیز [۵] کا حکم دینا ہوتا تو اس کا حکم دیتے۔ پھر واپس لوٹ آتے [۶]

(بخاری و مسلم)

[۱] مصلی یعنی عیدگاہ اور یہ مدینہ پاک میں شہر سے باہر ایک مشہور جگہ ہے وہاں نماز عید پڑھتے ہیں۔ اب اس کے اردگرد چار دیواری بنا دی گئی ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ حجرہ شریف سے اس جگہ تک ایک ہزار قدم کا فاصلہ اور مسافت ہے۔ اور آج کل لوگ نماز عید مسجد شریف میں ہی پڑھتے ہیں۔ (اشعۃ اللمعات کی تالیف کے زمانہ میں)

[۲] یعنی نماز عید خطبہ عید سے پہلے ادا فرماتے۔

[۳] بغیر اس کے کہ منبر پر تشریف فرما ہوتے کہ آپ کے زمانہ اقدس میں عیدگاہ میں منبر نہ تھا۔

[۴] یہ تینوں معانی ایک دوسرے کے نزدیک ہیں لہٰذا ان تینوں کا ذکر تاکید و تقریر کے طور پر کیا گیا ہے علامہ طیبی نے کہا یعظہم کا معنیٰ ہے آپ انہیں وعظ فرماتے اور ڈراتے۔ یوصیہم کا معنیٰ ہے خیر کے حق میں لوگوں کو خیر خواہی اور ہمدردی کی تلقین کرتے اور یامرہم کا معنیٰ ہے کہ انہیں حلال کا حکم دیتے اور حرام سے منع کرتے۔

[۵] یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے جو لشکر بھیجنے وغیرہ ہر کام کو شامل ہے۔

[۶] یعنی وعظ و نصیحت وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنے گھر تشریف لے آتے۔

۱۳۴۳ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَّلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بار نہیں دو بار نہیں بلکہ زیادہ مرتبہ نماز عید پڑھی ہے۔ وہ بغیر اذان و اقامت کے ہوتی تھی [۱]

(مسلم)

[۱] یعنی نماز عید کے لیے اذان و اقامت نہ ہوتی تھی، جس طرح پنجگانہ نماز کے لیے ہوتی ہے اور ایک

روایت میں یہ الفاظ زیادہ آتے ہیں کہ الصلوۃ جامعۃ بھی نہیں کہا جاتا تھا۔

١٣٤٤ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْبَكْرٍ وَّعُمَرُ يُصَلُّوْنَ الْعِيْدَيْنِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت[1] ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما عیدین کی نماز خطبہ سے پہلے پڑھتے تھے۔

(بخاری ومسلم)

[1] حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی تخصیص سنت کی تاکید کے لیے ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِقْتَدُوْا بِالَّذِیْنَ بَعْدِیْ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ۔ میرے بعد دو شخصوں کی اقتدا اور اتباع کرنا ابوبکر اور عمر کی۔ رضی اللہ عنہما۔ کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس میں کچھ تبدیلی کی تھی۔ وہ یہ کہ آپ عید کی نماز سے پہلے خطبہ پڑھتے۔ آپ نے یہ تبدیلی لوگوں کی کثرت کی بنا پر کی تاکہ سب لوگ نماز میں شامل ہو سکیں۔ اور اس تک پہنچ سکیں۔ اس بارے میں مزید گفتگو آگے آ رہی ہے۔

١٣٤٥ وَسُئِلَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَشَهِدْتَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَ قَالَ نَعَمْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ وَلَمْ يَذْكُرْ اَذَانًا وَّلَا اِقَامَةً ثُمَّ اَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ وَاَمَرَهُنَّ بِالصَّدَقَةِ فَرَاَيْتُهُنَّ يَهْوِيْنَ اِلٰى اٰذَانِهِنَّ وَحُلُوْقِهِنَّ يَدْفَعْنَ اِلٰى بِلَالٍ ثُمَّ ارْتَفَعَ هُوَ وَبِلَالٌ اِلٰى بَيْتِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید میں حاضر ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ تو نماز پڑھی پھر خطبہ دیا اور ابن عباس نے اذان واقامت کا ذکر نہ کیا۔ پھر آپ عورتوں کے پاس آئے اور انہیں وعظ ونصیحت کی[1] اور انہیں صدقہ کا حکم دیا تو میں نے انہیں دیکھا کہ وہ اپنے کانوں اور گلوں کی طرف ہاتھ[2] ڈالنہ کر رہی تھیں۔ اور حضرت بلال کی طرف ڈال رہی تھیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال شتابی[3] شتابی واپس گھر تشریف لے گئے۔

(بخاری ومسلم)

---

[1] انہیں احکام دین، حالات آخرت اور ثواب وعقاب سے آگاہ کیا۔

ے٢ تاکہ ان کے کانوں اور گلوں میں جو زیور رہے اس میں سے حضرت بلال کو دیں۔ اور حدیث میں لفظ یُوین یا کی پیش اور زبر دونوں طرح مروی ہے۔

ے٣ حدیث میں لفظ ارتفع آیا ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں ہے رفع بمعنی بیل کا چلنے میں شتابی اور مبالغہ کرنا۔

١٣٤٦/٥ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى يَوْمَ الْفِطْرِ رَكْعَتَيْنِ لَمْ يُصَلِّ قَبْلَهُمَا وَلَا بَعْدَهُمَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید فطر کے دن دو رکعتیں پڑھیں۔ ان کے پہلے اور بعد کوئی نماز نہ پڑھی لے

(بخاری و مسلم)

لے یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ نماز عید کے پہلے اور بعد کوئی نماز نہیں۔ ترمذی نے کہا اس باب میں حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عمرو اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہم سے بھی ایک حدیث آئی ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث حسن صحیح ہے۔ صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ میں سے بعض اہل علم کا عمل اسی پر ہے۔ اور بعض اہل علم نے نماز عید کے بعد نماز پڑھنے کو جائز کہا ہے اور اس سے پہلے بھی جائز کہا ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ترمذی کا کلام ختم ہوا۔ زہری نے کہا میں نے اپنے علما میں سے کسی سے نہیں سنا کہ اس نے اس امت کے سلف میں سے کسی کے بارے میں یہ ذکر کیا ہو کہ اس نے نماز عید سے پہلے یا بعد کوئی نماز پڑھی ہو۔ ہدایہ میں کہا کہ نماز عید پڑھنے سے پہلے عیدگاہ میں کوئی نفل نہ پڑھے۔ کیونکہ نماز سے انتہائی لگاؤ رکھنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی تو بعض نے کہا صرف عیدگاہ میں پڑھنا مکروہ ہے۔ بعض نے کہا عیدگاہ اور غیر عیدگاہ ہر جگہ میں مکروہ ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں پڑھی۔ ہدایہ کا کلام ختم ہوا۔ اور ہدایہ کی بعض شروح میں کہا۔ اگر اس نے عیدگاہ کی طرف جانے سے پہلے نماز اشراق اور نماز چاشت پڑھی تو مکروہ نہیں۔ اور فتح الباری میں کہ کہ کوفی کہتے ہیں کہ نماز عید کے بعد پڑھ لے۔ اس سے پہلے نہ پڑھے۔ بصری کہتے ہیں پہلے پڑھ لے بعد نہ پڑھے اور مدنی علما فرماتے ہیں کہ نہ پہلے پڑھے نہ بعد۔ قول اول کے قائل ہیں اوزاعی، ثوری اور حنفیہ اور قول ثانی کے قائل ہیں حسن بصری اور ایک جماعت۔ اور تیسرے قول کے قائل ہیں۔ زہری، ابن جریج، احمد اور شافعی۔ اور سلف کی ایک جماعت نے کہا کہ نماز عید سے پہلے یا بعد نفل پڑھنے کی کوئی کراہت نہیں۔ اس کے بعد اختلاف ہے کہ اگر نماز عید رہ جائے تو اس کی قضا جائز ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اگر امام کے ساتھ فوت ہو چکی ہو تو قضا نہ کرے۔ کیونکہ نماز اس صفت پر اسے عبادت قرار نہیں دیا گیا مگر شرائط مخصوصہ کے ساتھ اور وہ شرائط منفرد میں پوری نہیں ہوتیں۔ کذا فی الہدایہ

اور بعض شروح میں مذکور ہے کہ اگر چاہے کہ دو رکعت یا چار رکعت نماز چاشت کی طرح پڑھے جس طرح دوسرے دنوں میں پڑھی جاتی ہیں اور محیط اور قاضی خان سے نقل کیا جو شخص عیدگاہ آیا اور امام کے ساتھ نماز نہ پائی تو اسے اختیار ہے اگر چاہے واپس گھر چلا جائے اور کوئی نماز نہ پڑھے۔ اور اگر چاہے تو پڑھ لے اور پھر واپس گھر جائے۔ افضل یہ ہے کہ چار رکعت پڑھے۔ تاکہ اسے نماز چاشت حاصل ہو جائے۔ امام احمد کا مذہب بھی ایسا ہی ہے۔

١٣٤٧/٦ وَعَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ أُمِرْنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيْدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ وَتَعْتَزِلُ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا جِلْبَابٌ قَالَ لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ام[1] عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم حیض[2] والی اور پردہ نشین عورتوں کو دونوں عیدوں کے دن باہر نکالیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر شامل ہوں۔ اور حیض والیاں اپنی جائے نماز سے الگ بیٹھیں ایک عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں ایسی عورتیں بھی ہیں جن کے پاس چادر[3] نہیں۔ فرمایا چادر والی عورت اپنی چادر اسے بھی پہنا دے[4] (بخاری و مسلم)

١؎ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا بلند مرتبہ صحابیات اور عقلمند عورتوں میں سے تھیں۔ غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتی تھیں اور بیماروں کی تیمارداری اور زخمیوں کا علاج کرتی تھیں۔

٢؎ لفظ حُیّض حا کی پیش یا مشدد کی زبر سے ہے۔ حائض کی جمع۔ خُدُور، خدر بکسر خا کی جمع ہے یعنی وہ پردہ جو کنواری عورت پر ڈال کر اسے گھر کے کونہ میں بٹھایا جاتا ہے۔ عبارت کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عورتوں کو باہر نکلنے کا حکم دیا۔

٣؎ حدیث میں لفظ جلباب ہے جیم کی زیر سے معنیٰ چادر

٤؎ یعنی یہ عورت جس کے پاس چند چادریں ہوں۔ وہ اس عورت کو ایک چادر عاریۃً دے دے جس کے پاس چادر نہ ہو۔ یا مراد یہ ہے کہ اپنی چادر کا ایک کنارہ اس پر بھی ڈال دے اور دونوں ایک چادر پہن کر بیٹھ جائیں۔ اور وہ عورت جس کے پاس چادر نہ ہو وہ اگر دوسری سے مانگے یا عاریۃً حاصل کرے تو یہ بھی جائز و روا ہے۔ کہ یہ ایک نیک کام کا ذریعہ و وسیلہ ہے۔

١٣٤٨/٧ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے

فِیْ اَیَّامِ مِنًی تُدَفِّفَانِ وَ تَضْرِبَانِ وَ فِیْ رِوَایَةٍ تُغَنِّیَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ یَوْمَ بُعَاثَ وَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْبَکْرٍ فَکَشَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا یَا اَبَا بَکْرٍ فَاِنَّهَا اَیَّامُ عِیْدٍ وَ فِیْ رِوَایَةٍ یَا اَبَا بَکْرٍ اِنَّ لِکُلِّ قَوْمٍ عِیْدًا وَ هٰذَا عِیْدُنَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پاس تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عائشہ کے پاس دو لڑکیاں گا رہی اور دف بجا رہی تھیں[1] یہ ایام منیٰ کا واقعہ ہے۔ وہ دونوں لڑکیاں گا رہی تھیں اور دف بجا رہی تھیں[2]۔ ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ وہ دونوں انصار کے وہ اشعار گا رہی تھیں جو یوم بُعاث سے تعلق رکھتے تھے[3]۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑا اوڑھے ہوئے تھے[4] حضرت ابوبکر نے انہیں جھڑکا[5]۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چہرہ انور سے کپڑا ہٹایا اور فرمایا اے ابوبکر انہیں چھوڑ دے کہ یہ عید کے دن ہیں۔ اور مسلم کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے اے ابوبکر ہر قوم کے لیے عید ہوتی ہے[6] اور یہ ہمارا عید کا دن ہے[7]۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] جو کہ عید اضحیٰ اور تشریق کے دن ہیں۔

[2] یعنی وہ لڑکیاں گا رہی تھیں اور ساتھ ساتھ دف بجا رہی تھیں۔ یہ لڑکیاں انصار میں سے تھیں اور بہت چھوٹی عمر کی تھیں اور تضربان کا لفظ گویا تدففان کی تاکید ہے۔ بعض نے کہا تضربان کا معنیٰ ہے ترقصان یعنی ناچ رہی تھیں۔ یہ لفظ رقص سے بنا ہے۔ اور عربی میں معنیٰ ہے ضرب ارض یعنی زمین پہ پاؤں مارنا۔ لفظ دف دال کی پیش اور زبر دونوں طرح آیا ہے۔ دف بجانے میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ مطلقاً مباح ہے۔ بعض نے کہا مطلقاً حرام ہے تیسرا یہ ہے کہ شادیوں اور ولیموں وغیرہ موقعوں پر جائز ہے۔ بعض نے فرق کیا ہے اس دف میں جس کے جھانجھ ہو اور اس میں جو اس سے خالی ہو اور اس میں بھی اختلاف ہے۔

[3] یعنی ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ یہ دو لڑکیاں وہ اشعار گا رہی تھیں۔ جن کے ساتھ انصار نے بُعاث کے دن ایک دوسرے پر تفاخر کا اظہار کیا تھا اور اپنی بہادری اور لڑائی کا بیان کیا تھا جس طرح کہ بہادر لوگوں کی عادت ہے۔ بُعاث با کی پیش اور عین مہملہ مخفف۔ مدینہ منورہ کے قریب اس سے دو رات کے فاصلہ پر ایک جگہ یا قلعہ کا نام ہے جہاں اوس بن خزرج کہ انصار کے دو قبیلوں کا نام ہے، ان دونوں میں جنگ ہوئی تھی۔ اور ایک سو بیس برس جاری رہی اور ان کے درمیان اتنا طویل عرصہ دشمنی اور عداوت کا فتنہ برپا رہا۔

اسلام آنے سے ان کی یہ دشمنی ختم ہو کر آپس میں دوستی کے ساتھ تبدیل ہو گئی۔ آیۂ کریمہ یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ الخ۔ اے ایمان والو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم میں الفت ڈال دی، اسی جانب اشارہ کرتی ہے۔ تو یہ لڑکیاں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں۔ یہ سب اشعار جنگ و شجاعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ایسے اشعار کا ذکر دینی امور میں معاونت کرتا اور اس سے اہل ایمان کو کفار کے ساتھ جہاد و قتال کی رغبت حاصل ہوتی ہے۔ ان اشعار میں فواحش و منکرات کا ذکر نہ تھا جو حرام ہے اور حاشا و کلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فواحش و منکرات پر مشتمل اشعار کو روا رکھیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ لیستا بمغنیتین یعنی وہ دو لڑکیاں مغنیہ نہ تھیں۔ کہ ان کا پیشہ گانا بجانا ہو اور وہ گانے کو اچھا جانتی ہوں۔ اور اس پیشہ میں مشہور و معروف ہوں۔ اور گانے کے ذریعے لوگوں کو فواحش اور نفسانی خواہشات کا شوق دلاتی ہوں۔ جو فتنہ و فساد و معصیت کا داعی بنتا ہے۔ بلکہ وہ کسی اہل خانہ کی چھوٹی چھوٹی بچیاں تھیں اور اس طرح کی بچیاں تھیں جس طرح لوگوں کے گھروں میں ہوتی ہیں۔

٤ اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلو بدلا اور اپنا چہرہ مبارک پھیرا۔

٥ یعنی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گانے اور دف بجانے کے فعل سے ان لڑکیوں کو منع کیا اور انہیں جھڑکا صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک شیطانی ساز بجا رہی ہو۔ مزمار ایک آلہ ہے جسے گویے لوگ بجاتے ہیں۔ جیسے بانسری، ہارمونیا اور دف وغیرہ۔ حضرت صدیق اکبر نے اس آلے کی نسبت شیطان کی طرف اس بنا پر کی کہ یہ آلہ دلوں کو لہو و لعب میں مشغول کرتا اور یاد الٰہی سے دور کرتا ہے۔

٦ کہ یہ عید کھانے پینے اور اللہ تعالےٰ کی ضیافت و مہمانی کے دن ہیں۔ ان میں فرحت و سرور کا اظہار اگرچہ دف بجانے اور گانے کی شکل میں ہو، جائز و مباح ہے

٧ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دھیان ادھر سے ہٹ گیا تو حضرت عائشہ نے ان لڑکیوں کو اشارہ کیا اور وہ اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ واضح ہو کہ یہ ہے وہ حدیث جسے اہل سماع گانے اور ایسے آلات کے ساتھ سننے کی اباحت کے لیے دلیل بناتے ہیں۔ نظر انصاف سے اور تعصب و ہٹ دھرمی کے بغیر اس حدیث سے فوری طور پر جو چیز سامنے آتی ہے یہ ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے گانے اور دف بجانے پر انکار کیا اور اس سے منع کیا اور جھڑکا۔ ایسا اس لیے کیا کہ آپ کے نزدیک گانے بجانے کی حرمت و کراہت ایک امر مقرر اور ثابت شدہ بات تھی۔ اور حضرت صدیق نے یہ بھی گمان کیا کہ نیند یا عدم توجہ کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس کا علم نہ ہوا۔ یا آپ نے منع کرنا چاہا ہو گا مگر آپ کو فرصت نہ ملی ہو گی۔ حضرت صدیق اکبر کو یہ علم نہ ہو سکا کہ آپ نے اس کی اجازت دی ہے اور ایسے دن میں اتنا کچھ کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی لیے کہ آپ نے فرمایا فانہا ایام عید۔ یہ عید کے دن ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس فرق و تفصیل کا علم نہ تھا۔ تو یہ حدیث عید وغیرہ مباح موقعوں پر اتنی مقدار کو مباح قرار دیتی ہے۔ فرحت و سرور کے لیے۔ اور اس میں شک نہیں ایسا فعل مخصوص وقت اور مخصوص شکل و ہدایت میں مباح ثابت ہوتا ہے۔ مطلق بلا قید اس کی اباحت حدیث مذکورہ سے ثابت نہیں ہوتی الا یہ کہ اس پر قیاس کیا جائے اور یہ قیاس فرع میں ممانعت وارد نہ ہونے کی شکل میں جائز و درست ہے۔ اور یہی (قیاس سے ثابت کردہ مقامات) محل نزاع ہیں۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ اس کی علی الاطلاق حرمت پر کوئی نص قطعی وارد نہیں ہے۔ جس طرح زنا اور شراب نوشی کی حرمت میں نص قطعی آ چکی ہے۔ بعض متاخرین محدثین نے کہا ہے کہ گانے کی حرمت میں کوئی صحیح حدیث وارد نہیں ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ نہ اس کی حرمت پر اور نہ اس کی اباحت پر کوئی نص قطعی موجود ہے۔ اور اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ مگر اس کے باوجود اس امر میں بھی کوئی شک نہیں کہ گانے اور سماع کو ہمیشہ کے لیے عادت بنا لینا طریقہ اتباع کے خلاف ہے۔ تاہم فقہا نے اس باب میں بڑی شدت اور بڑے تعصب سے کام لیا ہے۔ مگر ان کا مقصود اس شدت سے یہ ہے کہ تھوڑی سی گنجائش بھی ختم کی جائے اور اس کا راستہ بالکل بند کر دیا جائے۔ اور صحیح حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۴۹ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَغْدُوْا يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَاْكُلَ تَمَرًا وَيَاْكُلُهُنَّ وِتْرًا

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید فطر کے دن صبح عیدگاہ کی طرف نہ جاتے جب تک کہ چند کھجوریں تناول نہ فرما لیتے۔ آپ انہیں طاق عدد میں کھاتے

(بخاری)

سلے اور حاکم کی روایت میں جو عقبہ بن حمید سے مروی ہے آیا ہے کہ آپ تین یا پانچ یا سات یا اس سے کم یا زیادہ کھاتے تھے اور عدد وتر کو تمام کاموں میں پسند فرماتے تھے۔ اِنَّ اللّٰهَ وِتْرٌ يُحِبُّ الْوِتْرَ۔ بے شک اللہ تعالیٰ طاق ہے طاق عدد کو پسند کرتا ہے اور کھجوریں تناول فرمانا اس لیے اختیار کیں کہ فی الوقت وہی موجود ہوتی تھیں۔ بعض نے کہا کہ کھجوریں تناول فرمانے کے استحباب میں یہ حکمت ہے کہ وہ میٹھی ہوتی ہیں اور مٹھاس تقویتِ نگاہ کے لیے فائدہ مند ہے۔ اور روزہ بصارت کو کمزور کرتا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ مٹھاس مزاج ایمان کے موافق ہے۔ علماء نے کہا ہے جو آدمی خواب میں میٹھی چیز کھاتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اسے

حلاوتِ ایمان نصیب ہوگی۔ اور حلاوت و مٹھاس دل کو نرم کرتا ہے۔ اسی وجہ سے میٹھی چیز کے ساتھ روزہ افطار کرنا افضل ہے۔

۱۳۵۰/۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدٍ خَالَفَ الطَّرِيْقَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب عید کا دن ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستہ بدل کر آتے جاتے تھے[1]۔

(بخاری)

[1] واضح ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس (راستہ بدلنے) حکمت کے بیان میں بہت سے اقوال ہیں بعض نے کہا کہ دو مختلف راستوں پر آنے جانے میں حکمت یہ تھی کہ مختلف جگہوں اور متعدد مواضع میں رہنے والے جنات وانسان وغیرہ آپ کے حق میں گواہی دیں۔ بعض نے کہا کہ اس میں شعائر اسلام کے اظہار کی حکمت ہے۔ اور وہ اس طرح کہ دونوں راستوں میں ذکر خدا اور اشاعت اسلام ہوگی۔ یا اس میں یہ حکمت ہے کہ کفار کو غم وغصہ لاحق ہو اور شوکت اسلام اور دین کے نشانات بلند کرتے اور اہل اسلام کی کثرت وعزت سے کفار خائف و ہراساں ہوں۔ یا یہ حکمت ہے کہ دونوں راستوں کے مسلمانوں کو شامل کرنا مقصود تھا اور ان سب کے لیے حصولِ برکت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال جہاں آراء کے دیدار کی سعادت اور مسائل وعلم سیکھنے کا موقعہ ملے۔ اور آپ انہیں نیک باتیں بتائیں انہیں صدقہ سے نوازیں۔ اور ان پر سلام کہیں۔ بعض نے کہا کہ آپ اس لیے راستہ بدلتے تھے تاکہ ہجوم کم ہو اور آپ آسانی سے آجا سکیں۔ بعض نے کہا کہ آپ جاتے وقت دور کا راستہ اختیار کرتے۔ اور آتے وقت نزدیک کا راستہ۔ اس ارادے سے کہ جاتے میں زیادہ قدم اٹھائیں اور ثواب زیادہ ملے۔ مگر اس توجیہ میں اعتراض ہے کیونکہ جس طرح جاتے وقت قدم لکھے جاتے ہیں آتے وقت بھی فرشتے قدم لکھتے اور ان پر ثواب ملتا ہے جس طرح حج بیت اللہ گھر پہنچنے تک ہر ہر قدم پر ثواب لکھا جاتا ہے۔ اور علما نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ یہ حج کے ساتھ خاص نہیں۔ اور لوگوں میں مشہور یہ ہے کہ آپ دین کے دشمنوں کے شر سے بچنے کے لیے راستہ بدلتے تھے۔ کیونکہ وہ لوگ آپ کی تاک میں ہوتے تھے۔ مگر پوشیدہ نہ رہے کہ اگر یہ بات ہوتی تو آپ یہ طریقہ کبھی بار اختیار نہ فرماتے۔ کیونکہ اس صورت میں آپ کے دشمن دونوں راستوں میں سے کسی راستے میں ضرور آپ کی تاک میں بیٹھتے کیونکہ ان کو آپ کی عادت شریف کا علم ہو چکا ہوتا کہ آپ ایک راستے سے جائیں گے اور دوسرے راستہ سے واپس آئیں گے۔ حق یہ ہے کہ یہ سب احتمالات ہیں۔ ہر ایک نے اپنے فہم وسمجھ کے مطابق اس کا استنباط کیا۔ اور اللہ سبحانہ اپنے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسرار اور مصالح افعال کو بہتر جانتا ہے انسانی عقل ان کے ادراک اور ان کے احاطہ سے قاصر و عاجز ہے۔

۱۳۵۱/۱ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ خَطَبَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ فَقَالَ إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ بِهِ فِي يَوْمِنَا هٰذَا أَنْ نُصَلِّيَ ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ فَمَنْ فَعَلَ ذَالِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ نُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ شَاةُ لَحْمٍ عَجَّلَهُ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت البراء[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عید بقر کے دن خطبہ دیا تو فرمایا سب سے پہلا کام جس کے ساتھ آج ہم ابتداء کریں یہ ہے کہ پہلے نماز عید پڑھیں پھر واپس جا کر قربانی کریں۔ تو جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت پالی اور جس نے ہمارے عید پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی۔ تو سوائے اس کے نہیں کہ وہ گوشت کیلئے ایک بکری ہے جو اس نے اپنے اہل کے لیے جلدی تیار کر لی۔ اس میں قربانی[۲] کا بالکل کوئی مفہوم نہیں۔
(بخاری و مسلم)

[۱] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

[۲] حدیث میں لفظ نُسُک آیا ہے۔ نون کی پیش اور سین ساکن بمعنی عبادت کرنا۔ ناسک یعنی عابد نسیکہ بمعنی قربانی۔ نسک دو پیشوں سے اور سین کی زبر اور زیر سے بمعنی قربانی کی جگہ۔

۱۳۵۲/۱۱ وَعَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا وَمَنْ لَمْ يَذْبَحْ حَتّٰى صَلَّيْنَا فَلْيَذْبَحْ عَلَى اسْمِ اللّٰهِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جندب بن عبداللہ البجلی[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز سے پہلے جانور ذبح کر لیا۔ تو وہ اس کی جگہ دوسرا ذبح کرے اور جس نے ذبح نہ کیا یہاں تک کہ ہم نے نماز عید پڑھ لی تو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے[۲]۔
(بخاری و مسلم)

[۱] بجلی با و جیم کی زبر انہیں جندب بن سفیان علقی کہتے ہیں۔ یہ جدّ کی طرف نسبت ہے۔ ان سے حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین روایت کرتے ہیں۔

[۲] یعنی اس کا ذبح کرنا درست اور عبادت میں شمار ہے۔

۱۳۵۳/۱۲ وَعَنِ الْبَرَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے

ذَبَحَ قَبْلَ الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يَذْبَحُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ذَبَحَ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَقَدْ تَمَّ نُسُكُهٗ وَاَصَابَ سُنَّةَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نماز سے پہلے جانور ذبح کیا تو اس نے اپنی ذات کے لیے ذبح کیا۔[1] اور جس نے نماز کے بعد ذبح کیا تو اس نے اپنی عبادت مکمل کر لی اور اس نے مسلمانوں کے طریقے اور سنت کو پا لیا۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی یہ وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے لیے حاصل کیا۔ یہ خدا کے لیے نہیں۔ اور نہ یہ عبادت میں داخل ہے۔

۱۳۵۴/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں گائے بکری ذبح کرتے اور اونٹ کا نحر کرتے تھے[1]

(بخاری)

[1] ذبح تو گائے اور بکری کی جاتی ہے۔ ذبح کا طریقہ اور صورت سب کو معلوم ہے۔ اور نحر اونٹ کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اونٹ کو کھڑا کیا جائے۔ پھر اس کے دونوں اگلے پاؤں کے درمیان گردن کے نیچے نیزہ مارا جائے۔ تاکہ خون بہ نکلے۔ اور وہ زمین پر گر پڑے۔ اونٹ میں بھی ذبح جائز ہے۔ مگر اس کے لیے نحر افضل ہے۔ اور ذبح کا اطلاق نحر پر بھی آیا ہے۔ جیسا کہ احادیث میں واقع ہوا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۳۵۵/۱۴ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے[1] اس وقت اہل مدینہ کے دو دن تھے جن میں وہ کھیلتے کودتے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ کیا دن ہیں[2] انہوں نے کہا ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل کود کیا کرتے تھے[3] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالٰی نے تمہیں ان کے بدلے دو اچھے دن عطا کر دیے ہیں

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

عید اضحی اور عید فطر کا دن[4]۔ (ابوداؤد)

[1] اور مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے یہاں آئے۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ یہ دو دن کون سے دو دن تھے، بعض نے کہا کہ ایک نوروز کا اور دوسرا مہرجان کا دن تھا۔ مگر یہ قول بعید قرار دیا گیا ہے، کیونکہ یہ دن ایرانیوں کی عادات اور ان کے خصائص میں سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

[2] جن میں تم لوگ اہتمام سے کھیل کود میں مشغول ہوتے ہو۔

[3] یعنی ہمیں اس کا علم نہیں۔ ہم نہیں جانتے یہ کیا دن ہیں اور کس نے لہو و لعب کے لیے انہیں مختص کیا۔ ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ ہم اور ہمارے باپ دادا ان دو دنوں کو لہو و لعب میں گزارتے ہیں، اور زمانہ جاہلیت سے ایسا کرتے آ رہے ہیں۔ اس عبارت میں انہوں نے عذر بیان کیا۔ اور اس جانب اشارہ کیا یہ دورِ جاہلیت کے افعال میں سے ہیں، ان میں عبادت کا مفہوم اور سنجیدگی نہیں پائی جاتی۔ اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں منع کر دیں تو ہم انہیں ترک کر دیں گے، جس طرح دورِ جاہلیت کے دیگر امور ہم نے ترک کر دیے ہیں۔

[4] یعنی خدا تعالےٰ نے تمہیں ان دو دنوں کے بدلے جو تم نے جاہلیت میں مقرر کر رکھے تھے، دو بہتر دن تمہیں عطا کر دیے ہیں۔ وہ دو دن کون سے ہیں۔ ایک عید قربان کا دن دوسرا عید فطر کا دن۔ اس عبارت میں آپ یہ فرماتے ہیں۔ کہ مومن کی عید حقیقی اور اس کے لیے فرحت و سرور خدا تعالےٰ کی عبادت و بندگی میں ہے۔ تو اس حدیث میں بڑے لطیف انداز میں لہو و لعب سے روکا گیا ہے، اور ایسے دو دن (عید کے) ان کے لیے جائز اور مقرر فرمائے جو فحش اور دین و سنت کے خلاف طریقہ سے پاک ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو مشرکین کی عید اور ان کے تہواروں کی تعظیم اور ان سے مسرور ہونے اور ان کے ایسے ایام میں ان کے پاس جانے، اور ان کے پروگراموں میں شرکت کرنے سے بھی روکا ہے۔ یہاں تک کہ بعض علما نے مبالغہ سے کام لیتے ہوئے زجر و ڈانٹ کے طور پر اور کفر و کفار سے متعلق رسومات و لغویات کا دروازہ بند کرنے اور مسلمانوں کو ایسے امور سے دور رکھنے کے لیے اسے کفر کہہ دیا ہے۔ کذا فی فتح الباری۔ اسے سمجھ لو۔

۱۳۵۶/۱۵ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ حَتّٰى يَطْعَمَ وَلَا يَطْعَمُ يَوْمَ الْاَضْحٰى حَتّٰى يُصَلِّيَ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ)

حضرت بریدہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، عید فطر کے دن نہ نکلتے[2]۔ جب تک کہ کچھ کھا نہ لیتے اور عید اضحیٰ کے دن کوئی چیز تناول نہ فرماتے جب تک کہ عید کی نماز نہ پڑھ لیتے[3]۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

٥١ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات متعدد جگہ بیان ہو چکے ہیں۔

٥٢ یعنی نمازِ عید فطر کے لیے نہ تشریف لے جاتے جب تک کہ آپ کچھ تناول نہ فرما لیتے۔

٥٣ علما نے فرمایا ہے کہ عید فطر کے دن نماز سے پہلے کچھ کھانے میں حکمت یہ ہے کہ جب کھانے پینے کی اجازت روزوں کے اختتام پر ملی تو آپ نے اللہ تعالےٰ کے حکم کی بجا آوری میں جلدی کرنے کی غرض سے ایسا کیا اگر اللہ تعالےٰ کے حکم کی بجا آوری آپ کا مقصد نہ ہوتا تو آپ سیر ہو کر کھا پی لیتے۔ مگر اس کے برعکس آپ چند کھجوروں پر اکتفا فرماتے۔ لہٰذا آپ کا یہ تناول فرمانا محض حکم الٰہی کی بجا آوری کے لیے ہوتا تھا۔ بعض نے کہا کہ آپ دونوں عیدوں کے دن ان کا صدقہ ادا کرنے کے بعد کھاتے پیتے تھے۔ اور چونکہ عید فطر کا صدقہ نماز کو جانے سے پہلے ادا کیا جاتا ہے اس لیے عید فطر کے دن آپ نماز سے پہلے کچھ کھا لیتے۔ اور عید اضحیٰ کے دن کا صدقہ (قربانی) نماز کے بعد ہوتا ہے۔ اس لیے آپ پہلے نماز عید ادا فرماتے۔ اس کے بعد قربانی کا صدقہ پیش کرتے اور کھاتے۔

١٣٥٧/١٦ وَعَنْ كَثِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيْدَيْنِ فِي الْاُوْلٰى سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَأَةِ وَفِي الْاٰخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ

حضرت کثیر بن عبد اللہ اپنے باپ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدین کی نماز میں پہلی رکعت میں قراءت شروع کرنے سے پہلے سات تکبیریں کہیں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہیں۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

(دارمی)

١٣٥٨/١٧ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَبَّرُوْا فِي الْعِيْدَيْنِ وَالْاِسْتِسْقَاءِ سَبْعًا وَخَمْسًا وَصَلُّوْا قَبْلَ الْخُطْبَةِ وَجَهَرُوْا بِالْقِرَاءَةِ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

حضرت جعفر[١] بن محمد سے مرسلا روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے عیدین اور نماز استسقاء میں سات اور پانچ تکبیریں کہیں اور خطبہ سے پہلے نماز پڑھی۔ اور قراءت بلند آواز سے کی۔

اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

[١] یعنی حضرت امام جعفر صادق بن امام محمد باقر رضی اللہ عنہما سے بطریق ارسال مروی ہے۔

١٣٥٩/١٨ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ قَالَ

حضرت سعید[١] بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت

سَالْتُ اَبَا مُوْسٰی وَ حُذَیْفَۃَ کَیْفَ کَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ یُکَبِّرُ فِی الْاَضْحٰی وَ الْفِطْرِ فَقَالَ اَبُوْ مُوْسٰی کَانَ یُکَبِّرُ اَرْبَعًا تَکْبِیْرَۃً عَلَی الْجَنَآئِزِ فَقَالَ حُذَیْفَۃُ صَدَقَ ۔

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاؤد)

روایت ہے فرماتے ہیں میں نے ابوموسیٰ اور حذیفہ[2] سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید اضحیٰ اور عید فطر میں کتنی تکبیریں کہتے تھے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار تکبیریں جنازے کی چار تکبیروں کی طرح۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ابوموسیٰ نے سچ کہا۔[3]

(ابوداؤد)

[1] حضرت سعید بن العاص اموی ہیں۔ اشراف قریش میں سے ہیں۔ آپ سخاوت و فصاحت کے جامع اور ان جلیل القدر حضرات میں سے ہیں جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے مصحف شریف کی کتابت کی۔ علماء نے کہا ہے کہ آپ لب و لہجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے بڑھ کر مشابہ تھے۔ عکۃ العسل ان کا لقب ہے۔ ہجرت کے سال پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا ہجرت کے بعد اور بدر سے پہلے پیدا ہوئے۔

[2] یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما۔

[3] واضح ہو کہ احادیث میں تکبیرات عیدین مختلف آئی ہیں۔ اور اس بارے میں آئمہ کے اقوال مختلف ہیں تین آئمہ (امام مالک امام شافعی، امام محمد) کے نزدیک پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ ہیں۔ لیکن امام مالک و امام احمد کے نزدیک ان سات میں تکبیر تحریمہ بھی شامل ہے۔ مگر دوسری رکعت کی پانچ تکبیروں میں تکبیر قیام شامل نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان سات اور پانچ تکبیروں میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام شامل نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک پہلی اور دوسری دونوں رکعتوں میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر قیام کے علاوہ تین تین تکبیریں ہیں۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے اور جسے امام شافعی رحمۃ اللہ نے اختیار کیا وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔ ان دونوں حضرات کی احادیث کے اسناد، ان کی تصحیح، تحسین، انہیں قوی یا ضعیف کہنے میں بڑا کلام کیا گیا ہے۔ جس کا کچھ حصہ شرح میں مذکور ہے۔ مشائخ حنفیہ فرماتے ہیں۔ اس بارے میں جب کہ احادیث مختلف آئی ہیں تو کم مقدار والی احادیث کو لیں گے۔ کیونکہ دورانِ قیام تکبیر کہنا اور ہاتھ بلند کرنا خلافِ معہود و دستور ہے۔ لہٰذا اقل مقدار کا اختیار کرنا اولیٰ ہو گا۔ کذا فی الہدایۃ۔

بعد ازاں واضح ہو کہ بلاد اسلام میں متعارف و عام مذہب حضرت ابن عباس کا مذہب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت خاندانِ بنی عباس کی طرف منتقل ہوئی تو عباسی حکومت کے حکام و والیوں نے تمام بلاد اسلامیہ کی طرف لکھا کہ ہمارے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب پر عمل کریں۔ اور اس امر کا پابند

کر دیا کہ صرف حضرت ابن عباس کے مذہب پر عمل کیا جائے۔ چنانچہ اس کے بعد تمام بلاد میں ان کا مذہب قائم اور جاری ہو گیا۔ البتہ ہمارے شہر حضرت دہلی (اللہ اسے آباد رکھے اور اس کے باشندگان کو آفات سے محفوظ رکھے) کے لوگ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہیں۔ مگر اس کے اطراف واکناف اور باقی بلاد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق عمل ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۶۰/۱۹ وَعَنِ الْبَرَاءِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُوْوِلَ يَوْمَ الْعِيْدِ قَوْسًا فَخَطَبَ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ)

حضرت البراء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عید کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ایک کمان دی گئی۔ آپ نے اس پر تکیہ لگا کر خطبہ ارشاد فرمایا۔[1] (ابو داؤد)

[1] بعض کتب فقہ میں مذکور ہے کہ کمان یا عصا پر تکیہ لگانا مکروہ ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مکروہ نہیں۔ کیونکہ اس کے جواز میں سنت وارد ہو چکی ہے۔ اور روضۃ العلماء سے نقل کیا گیا ہے کہ ہر شہر و علاقہ جو فتح ہوا قہر و غلبہ اور جنگ سے وہاں خطبہ میں ہتھیاروں پر تکیہ لگایا جائے۔ اور جو علاقے اس کے بغیر فتح ہوئے ان میں خطبہ کے دوران عصا پر تکیہ لگایا جائے۔ اسی وجہ سے شافعی حضرات مکہ معظمہ میں تلوار پر تکیہ لگاتے ہیں کیونکہ مکہ معظمہ جنگ سے فتح ہوا۔ اور حنفیہ کے نزدیک عصا پر تکیہ لگایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ جنگ کے بغیر فتح ہوا۔ اور مدینہ طیبہ میں بالاتفاق خطبہ کے دوران ہتھیاروں پر تکیہ نہ لگایا جائے گا کہ وہ جنگ سے فتح نہ ہوا۔

۱۳۶۱/۲۰ وَعَنْ عَطَاءٍ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا خَطَبَ يَعْتَمِدُ عَلٰى عَنَزَتِهٖ اِعْتِمَادًا (رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ)

حضرت عطاء[1] رضی اللہ عنہ سے مرسلاً روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ ارشاد فرماتے تو ایک چھوٹے نیزے[2] پر تکیہ لگاتے۔ اسے امام شافعی نے روایت کیا۔

[1] آپ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

[2] حدیث میں لفظ عَنَزَہ (عین کی زبر اور نون وزا) آیا ہے۔ چھوٹا نیزہ۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا۔ خادم اسے اٹھا کر آپ کے ساتھ چلتے تھے اور نماز میں آپ اسے بطور سترہ (آڑ) استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

۱۳۶۲/۲۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ شَهِدْتُ الصَّلٰوةَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ يَوْمِ عِيْدٍ فَبَدَاَ بِالصَّلٰوةِ قَبْلَ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں عید کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پہلے نماز عید

الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ اَذَانٍ وَّلَا اِقَامَةٍ فَلَمَّا قَضَى الصَّلٰوةَ قَامَ مُتَّكِئًا عَلٰى بِلَالٍ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ وَحَثَّهُمْ عَلٰى طَاعَتِهٖ وَمَضٰى اِلَى النِّسَاءِ وَمَعَهٗ بِلَالٌ فَاَمَرَهُنَّ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَوَعَظَهُنَّ وَذَكَّرَهُنَّ

(رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

پڑھی پھر خطبہ ارشاد فرمایا۔ بغیر اذان واقامت کے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت بلال پر تکیہ لگا کر کھڑے ہوئے۔ آپ نے اللہ تعالے کی حمد وثنا کی اور لوگوں کو وعظ فرمایا اور ثواب وعذاب انہیں یاد دلایا اور انہیں طاعت خداوندی کی ترغیب دی اور آپ حضرت بلال کے ساتھ عورتوں کی طرف تشریف لے گئے[1]۔ انہیں خدا خوفی کا حکم دیا۔ اور وعظ ونصیحت فرمائی۔ (نسائی)

[1] جو کہ ایک کونے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔

۱۳٦۳/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيْدِ فِیْ طَرِيْقٍ رَجَعَ فِیْ غَيْرِهٖ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن جب ایک راستے سے جاتے تو دوسرے راستے سے واپس تشریف لاتے[1]۔

(ترمذی۔ دارمی)

[1] اس کے اسرار اور اس کی حکمتیں اس باب کی فصل اول میں گزر چکی ہیں۔

۱۳٦۴/۲۳ وَعَنْهُ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ مَطَرٌ فِیْ يَوْمِ عِيْدٍ فَصَلّٰى بِهِمُ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةَ الْعِيْدِ فِی الْمَسْجِدِ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ، اِبْنِ مَاجَه)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عید کے دن بارش ہو رہی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز عید مسجد میں پڑھائی[1]۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ مسجد میں نماز عید پڑھنے سے باہر کھلے میدان میں پڑھنا افضل ہے مگر اہل مدینہ طیبہ کی عادت اور مکہ معظمہ میں بھی یہ ہے کہ نماز عید مسجد نبوی شریف اور حرم کعبہ میں پڑھی جاتی ہے۔

وَعَنْ اَبِی الْحُوَيْرِثِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ اِلٰى عَمْرِو ابْنِ حَزْمٍ وَّهُوَ بِنَجْرَانَ عَجِّلِ

حضرت ابو الحویرث[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن[2] حزم کی طرف لکھا اور وہ نجران میں تھے کہ عید اضحیٰ

الْاَضْحٰی وَ اَخِّرِ الْفِطْرَ وَ ذَكِّرِ النَّاسَ ۔

(رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

جلدی۲ پڑھو اور عید الفطر دیر سے اور لوگوں کو نصیحت کرو۔

(شافعی)

۱؎ حُوَیْرِث حا کی پیش، واو کی زبر یا ساکن، را کی زیر۔ آخر میں ثا۔ حضرت ابو الحویرث تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ (حزم کی زیر زا ساکن) آپ انصاری صحابی ہیں۔ غزوہ خندق پہلا غزوہ ہے جس میں آپ شامل ہوئے۔ آپ کی عمر شریف اس وقت پندرہ سال تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نجران کا عامل مقرر فرمایا۔ (نَجران، نون کی زبر جیم ساکن۔ علاقہ یمن میں ایک شہر ہے آپ وہاں سترہ سال رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط مبارک لکھ کر ان کے سپرد کیا جس میں فرائض و سنن اور دیتوں کا ذکر تھا اور اس میں یہ بھی لکھا جو اس حدیث میں ہے کہ عید بقر جلد پڑھنا وغیرہ۔

۳؎ علماء نے کہا ہے عید بقر جلدی اور عید فطر دیر سے پڑھنے میں شاید حکمت یہ ہے کہ جب صدقہ فطر ادا کر دیا گیا اور کچھ کھا پی بھی لیا تو اب کوئی ایسی ضروری مہم باقی نہ رہی جو کثرت اجتماع کا موجب بن سکے۔ یا یہ کہ وہ کمزوری اور سستی جو رمضان کے روزے رکھنے کی وجہ سے لاحق ہو گئی تھی وہ نماز عید کے لیے جلدی چلنے کو مانع اور رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔ بخلاف عید الاضحیٰ کے کہ اس میں نماز کے بعد صدقہ (قربانی) کیا جاتا اور کھایا پیا جاتا ہے لہٰذا اس میں جلدی کرنے کا حکم ہے۔

۱۳۶۳/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ عُمَیْرِ بْنِ اَنَسٍ عَنْ عُمُوْمَةٍ لَّهٗ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَكْبًا جَآءُوْا اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّهُمْ رَاَوُا الْهِلَالَ بِالْاَمْسِ فَاَمَرَهُمْ اَنْ یُّفْطِرُوْا وَاِذَا اَصْبَحُوْا اَنْ یَّغْدُوْا اِلٰی مُصَلَّاهُمْ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ)

حضرت ابو عمیر بن انس سے وہ اپنے چچاؤں سے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ہیں، روایت کرتے ہیں کہ ایک قافلہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ انہوں نے گواہی دی کہ انہوں نے کل چاند دیکھ لیا ہے۔ اس پر آپ نے لوگوں کو حکم دیا کہ روزہ افطار کریں اور کل صبح نماز عید کو چلیں۱؎

(ابوداؤد، نسائی)

۱؎ کیونکہ یہ لوگ زوال کے بعد پہنچے تھے، نماز عید کا وقت گزر چکا تھا۔ ابن ماجہ اور دار قطنی کی روایت میں صراحتہ آیا ہے کہ یہ سوار دن کے آخری حصہ میں آئے تھے۔ دار قطنی کی حدیث کا لفظ اس طرح ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم پر ہلال شوال پوشیدہ رہا۔ (ہمیں دکھائی نہ دیا) چنانچہ لوگ روزے سے اٹھے۔ اسی دن کے آخری حصہ میں چند سوار مدینہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ ہم نے

رات کو عید کا چاند دیکھ لیا ہے۔ ایک روایت میں بعد زوالِ آفتاب کا لفظ آیا ہے۔ احناف کا مذہب یہی ہے جیسا کہ ہدایہ میں کہا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

١٣٦٧/٢٥ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ عَطَاءٌ[2] عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَّجَابِرِ ابْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَا لَمْ يَكُنْ يُؤَذَّنُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَلَا يَوْمَ الْاَضْحٰى ثُمَّ سَاَلْتُهٗ. يَعْنِيْ عَطَاءً بَعْدَ حِيْنٍ عَنْ ذَالِكَ فَاَخْبَرَنِيْ قَالَ اَخْبَرَنِيْ جَابِرُ بْنُ عَبْدِاللهِ اَنْ لَّا اَذَانَ لِلصَّلٰوةِ يَوْمَ الْفِطْرِ حِيْنَ يَخْرُجُ الْاِمَامُ وَلَا بَعْدَ مَا يَخْرُجُ وَلَا اَقَامَةَ وَلَا نِدَآءَ وَلَا شَيْءَ لَا نِدَآءَ يَوْمَئِذٍ وَّلَا اِقَامَةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تیسری فصل

حضرت ابن جریج[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مجھے عطا نے حضرت ابن عباس اور حضرت جابر بن عبداللہ سے خبر دی ان دونوں نے فرمایا کہ عید بقر اور عید فطر کے دن اذان نہ کہی جاتی تھی پھر کچھ عرصہ بعد میں نے عطا سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ مجھے جابر بن عبداللہ نے خبر دی کہ عید[3] فطر کے دن امام کے نکلنے کے بعد[2] نہ تو نماز کی اذان ہے نہ تکبیر نہ عام اعلان نہ کچھ[4] اور چیز یعنی اس دن نہ ندا ہے نہ تکبیر۔

(مسلم)

---

[1] جُریج جیم کی پیش۔ را کی زبر یا ساکن۔ ایک روایت میں جریج جیم اور رامہملہ سا اور جیم کی زبر یا پیش کی تصریح نہیں۔ ابن جریج کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز۔ بن جریج ہے۔ آپ مکی قرشی فقہاء میں سے ہیں۔ قریش کے آزاد کردہ غلام ہیں یا صل میں آپ رومی ہیں۔ مشہور آئمہ دین سے ہیں۔ اور ان میں شمار ہوتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق آپ پہلے شخص ہیں جس نے اسلام میں تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ علما نے کہا ہے کہ آپ امام مالک سے زیادہ ثابت اور زیادہ قوی ہیں۔ ان سے ثوری وغیرہ نے روایت کی ہے۔ کہا گیا ہے کہ آپ متعہ کو جائز رکھتے تھے اور متعہ کرتے تھے۔ آپ ۱۵۰ھ میں مکہ معظمہ میں فوت ہوئے۔ ان کا باپ عبدالعزیز مشہور تابعی ہے۔ مگر جریج اپنے باپ سے زیادہ ثقیہ اور زیادہ قابل اعتماد ہیں۔

[2] اس بار عطا نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی تخصیص کی اور صرف نماز عید فطر کا ذکر کیا۔ اور کچھ چیزیں

اور بیان کیں اور کہا الخ۔

[3] یعنی خطبہ کے لیے۔

[4] جیسا کہ کہتے ہیں الصلوٰۃ الصلوٰۃ، وغیرہ یہ نفی مطلق کی تاکید کے لیے ہے۔ پھر تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اس دن میں نہ نداء تھی نہ اقامت۔

١٣٦٨/٢٩ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِنِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْاَضْحٰی وَیَوْمَ الْفِطْرِ فَیَبْدَاُ بِالصَّلٰوۃِ فَاِذَا صَلّٰی صَلٰوتَہٗ قَامَ فَاَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ وَھُمْ جُلُوْسٌ فِیْ مُصَلَّاھُمْ فَاِنْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِبَعْثٍ ذَکَرَہٗ لِلنَّاسِ اَوْ کَانَتْ لَہٗ حَاجَۃٌ بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَمَرَھُمْ بِھَا وَکَانَ یَقُوْلُ تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا تَصَدَّقُوْا وَکَانَ اَکْثَرَ مَنْ یَّتَصَدَّقُ النِّسَآءُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ فَلَمْ یَزَلْ کَذٰلِکَ حَتّٰی کَانَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَکَمِ فَخَرَجْتُ مُخَاصِرًا مَرْوَانَ حَتّٰی اَتَیْنَا الْمُصَلّٰی فَاِذَا کَثِیْرُ بْنُ الصَّلْتِ قَدْ بَنٰی مِنْبَرًا مِّنْ طِیْنٍ وَّلَبِنٍ فَاِذَا مَرْوَانُ یُنَازِعُنِیْ یَدَہٗ کَاَنَّہٗ یَجُرُّنِیْ نَحْوَ الْمِنْبَرِ وَاَنَا اَجُرُّہٗ نَحْوَ الصَّلٰوۃِ فَلَمَّا رَاَیْتُ ذٰلِکَ مِنْہُ قُلْتُ اَیْنَ الْاِبْتِدَآءُ بِالصَّلٰوۃِ فَقَالَ لَا یَا اَبَا سَعِیْدٍ قَدْ تُرِکَ مَا تَعْلَمُ قُلْتُ کَلَّا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضحیٰ اور فطر کے دن نکلتے تھے۔ اور نماز سے ابتدا کرتے تھے جب نماز پڑھ لیتے تو کھڑے ہو جاتے اور لوگوں کی طرف رخ کرتے جب کہ لوگ اپنی اپنی جائے نماز پر بیٹھے ہوتے تھے پھر اگر آپ کو کسی لشکر کے روانہ کرنے کی حاجت ہوتی تو لوگوں کے سامنے اس کا ذکر فرماتے یا آپ کو کوئی اور حاجت و ضرورت درپیش ہوتی تو لوگوں کو اس کا حکم دیتے اور فرماتے صدقہ کرو صدقہ کرو۔ صدقہ کرو[1] تو زیادہ صدقہ کرنے والی عورتیں ہوتی تھیں[2]۔ پھر آپ اپنے گھر کی طرف لوٹ آتے۔ پھر یہ دستور (پہلے نماز پھر خطبہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر خلفائے راشدین کے بعد تک جاری رہا۔ تا آنکہ مروان[3] بن الحکم کا زمانہ آگیا پھر میں مروان کے ساتھ اس کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے[4] ہوئے باہر نکلا۔ یہاں تک کہ ہم عیدگاہ تک پہنچ گئے۔ تو اچانک ہماری نگاہ پڑی کہ کثیر بن الصلت[5] نے عیدگاہ[6] میں اینٹ گارے کا منبر بنایا ہوا تھا اور مروان مجھ سے اپنا ہاتھ کھینچنے لگا۔ گویا وہ مجھے منبر کی طرف کھینچ رہا تھا[7]۔ اور میں اسے نماز کی طرف کھینچتا تھا[8]

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا تَأْتُوْنَ
بِخَیْرٍ مِّمَّا اَعْلَمُ ثَلٰثَ مِرَارٍ
ثُمَّ انْصَرَفَ۔
(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

جب میں نے انکی یہ حرکت دیکھی تو میں بولا کہ نماز سے ابتدا کرنا کہاں گیا[8] وہ بولا نہیں اے[9] ابوسعید جو تمہارے علم میں ہے وہ بات اب چھوڑ دی گئی[10] ہے۔ میں نے کہا ہرگز نہیں۔ اسکی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو چیز میرے علم میں ہے۔ تم اس سے بہتر کوئی چیز نہیں لاسکتے[11]۔ یہ بات آپ نے تین بار فرمائی پھر آپ واپس لوٹ گئے[12]۔ (مسلم)

* * *

[1] یعنی تین بار

[2] یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور آپ کی تاکید کا اثر قبول کرتے ہوئے عورتیں زیادہ صدقہ کرتی تھیں۔

[3] یہ حضرت معاویۃ بن سفیان رضی اللہ عنہما کی طرف سے مدینہ کا حاکم تھا۔

[4] حدیث میں لفظ مخاصرۃ بخا آیا ہے۔ بمعنی ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنا خاصرہ بمعنی (پہلو) سے بنا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں ایک کا ہاتھ دوسرے کے پہلو پر ہوتا ہے۔

[5] یعنی کثیر بن الصلت کندی نے گارے اور کچی اینٹوں کا منبر تیار کیا ہوا تھا اور خود اس کا اپنا مکان بھی وہیں تھا۔ لَبِن لام کی زبر باکی زیر۔ بروزن کتف۔ لِبن بروزن اِبل بھی آیا ہے۔ یہ شخص (کثیر بن الصلت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوچکا تھا اور اس کا نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی کثیر رکھا تھا۔ اس کا نام پہلے قلیل رکھا گیا تھا۔ صاحب جامع الاصول نے اسے صحابہ میں ذکر کیا۔ اور شعبی نے کاشف میں کہا قیل لہ صحبۃ کہا گیا ہے کہ اسے صحبت نبوی کا شرف حاصل تھا۔ بعض نے کہا یہ تابعی ہے۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اس کا نام کثیر رکھا تھا۔ اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ سب سے پہلے عیدگاہ میں جس شخص نے منبر بنایا وہ مروان تھا اور امام مالک کی تصنیفات سے نقل کیا گیا ہے کہ عیدگاہ میں منبر پر جس شخص نے پہلا خطبہ دیا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی ذات پاک ہے۔

[6] تاکہ خطبہ نماز سے پہلے پڑھا جائے۔

[7] تاکہ نماز خطبہ سے پہلے پڑھی جائے۔ جیسا کہ سنت طریقہ ہے۔

[8] جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا فعل تھا۔

[9] یعنی اے ابوسعید مجھ سے اس بارے میں نزاع اور جھگڑا نہ کر۔

۱۱۰ نماز عید پہلے پڑھنے کے فعل میں۔ مصلحت یہ ہے کہ اگر نماز پہلے پڑھی جائے تو لوگ خطبہ سنے بغیر اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ خطبہ سننے کی انتظار نہیں کرتے۔

۱۱۱ اور جماعت میں شریک نہ ہوئے۔ جیسا کہ طیبی نے کہا۔ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ آپ منبر کی جانب سے پھر گئے اور نماز کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ احتمال بھی ہے کہ معنی یہ ہو کہ مروان منبر کی طرف گیا تاکہ خطبہ پڑھے اور اس نے حضرت ابو سعید کی بات نہ سنی کہ پہلے نماز ہو گی پھر خطبہ۔ یہ معنیٰ عبارت کے لحاظ سے بہت ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ نماز عید فطر خطبہ سے پہلے ادا کرنا سنت ہے اور کتب فقہ و احادیث کے مولفین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ سے پہلے نماز ادا کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا عمل مبارک بھی یہی تھا۔ ترمذی نے کہا کہ صحابہ وغیرہم اہلِ علم کا عمل بھی اسی پر تھا۔ علماء نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے خطبہ عید نماز سے پہلے پڑھا وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ وہ بھی ایک مدت کے بعد خود آپ نے اپنے سابق دستور کے خلاف کیا۔ جب کہ آپ نے دیکھا کہ لوگ نماز کے لیے نہیں پہنچتے۔ جیسا کہ ابن المنذر نے صحیح اسناد سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ سے روایت کیا۔ یہ وہ علت و وجہ نہیں جس علت و وجہ کا ارادہ مروان نے کیا تھا۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایسا کرنے میں مصلحت یہ تھی کہ لوگ نماز عید کی جماعت میں شامل ہوں۔ اور مروان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ خطبہ سنیں۔ کیونکہ لوگوں نے مروان کے زمانہ میں خطبہ سننا اس وجہ سے ترک کر دیا تھا کہ خطبہ میں ان حضرات کو گالیاں دی جاتی تھیں جو گالیوں کے مستحق نہ تھے اور بعض لوگوں کی مدح و ثنا میں مبالغہ کیا جاتا تھا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کبھی کبھار اس مصلحت کے پیش نظر ایسا کیا ہو جسے آپ درست جانتے تھے۔ اس کے برعکس مروان نے غرض فاسد کے تحت ہمیشہ کے لیے اس کا دستور بنا لیا تھا۔ بعض نے کہا اس میں سب سے پہلے جس نے تغیر و تبدل کیا۔ حضرت معاویہ تھے۔ اور مروان نے مدینہ میں اور زیادہ تر ان عمال و حکام نے جو بصرہ میں تھے۔ اس بارے میں ان (حضرت معاویہ) کی متابعت و فرمانبرداری اختیار کر لی۔ واللہ اعلم۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اس روایت کے ثبوت کی صورت میں مروان کا قول قَدْ تُرِکَ مَا تَرْکتُ پر محمول ہو گا۔ یعنی اس میں تبدیلی کا موجد میں نہیں بلکہ لوگ پہلے سے چھوڑ چکے ہیں۔ اس لیے مجھے بھی ایسا کرنا پڑا۔ اسے سمجھ لو۔

بَابُ فِي الْاُضْحِيَّةِ

قربانی کا باب

اُضحیہ ہمزہ کی پیش اور زیر۔ یا مشدد و مخفف۔ اس کی جمع اضاحی (یا کی تشدید یا تخفیف سے) اس چیز کا نام ہے جو وقت مخصوص میں تقرب کے طور پر ذبح کی جاتی ہے جیسے اونٹ اور گائے وغیرہ۔ اور اسے قربانی کہتے ہیں۔ تضحیہ کا معنی ہے ذبح کرنا اور قربانی کرنا۔ یوم نحر کو یوم الاضحیٰ اسی بنا پر کہتے ہیں۔ یا یہ لفظ ضُحٰی سے بنا ہے۔ یعنی دن کا بلند ہونا۔ بلکہ اس کا اصل یہی ہے۔ اضحیہ بھی اسی سے ہے۔ کہ وہ تضحیہ (قربانی کرنے) کا اول وقت ہے۔

واضح ہو کہ قربانی امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کے نزدیک ہر آزاد مسلم مقیم مالدار پر واجب ہے۔ امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ کا مشہور و مختار مذہب یہی ہے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے نزدیک غنی پر واجب اور فقیر پر سنت ہے۔ ابن ابو زید کے رسالہ میں جو امام مالک کے مذہب میں لکھا گیا ہے، کہا قربانی ہر اس شخص پر جو استطاعت رکھتا ہو۔ سنت واجبہ ہے اور سنت سے مراد وہ راستہ ہے جس پر دین میں چلا جاتا ہے یا سنت واجبہ سے وجوب تاکیدی مراد ہے۔ پہلا معنی دقیق کے زیادہ نزدیک ہے۔ اس کے وجوب کی دلیل وہ حدیث ہے جسے ترمذی ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ محنق (میم کی پیش حا مہملہ کی زبر یا مشدد آخر میں قاف) ابن سلیم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم لوگ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ہم نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے کہ ہر سال ہر گھر والوں پر قربانی ہے۔ یہ وجوب کا صیغہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جسے مالی کشادگی حاصل ہو اور وہ قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ اس قسم کی وعید ترک واجب پر لاحق ہوتی ہے۔ کذا فی الھدایۃ۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۶۹ عَنْ اَنَسٍ قَالَ ضَحّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكَبْشَيْنِ اَمْلَحَيْنِ اَقْرَنَيْنِ ذَبَحَهُمَا بِيَدِهٖ وَسَمّٰى وَكَبَّرَ قَالَ رَاَيْتُهٗ وَاضِعًا قَدَمَهٗ عَلٰى صِفَاحِهِمَا وَيَقُوْلُ

پہلی فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چت کبرے سینگ والے بکروں کی قربانی کی۔ انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا بسم اللہ اور تکبیر کہی۔ حضرت انس فرماتے ہیں میں نے آپ کو ان بکروں کی کروٹوں

بِسْمِ اللهِ وَ اللهُ اَكْبَرُ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پر آپ کا قدم رکھے دیکھا۔ آپ پڑھ رہے تھے بسم اللہ واللہ اکبر۔

(بخاری ومسلم)

[1] کبش کاف کی زبر با ساکن بکرا۔ املحین۔ تثنیہ املح بمعنی کچھ سیاہ کچھ سفید۔ بعض نے کہا املح وہ بکرا ہے جو سفید زیادہ اور سیاہ کم ہو۔ ملحہ میم کی پیش لام ساکن وہ رنگ جس کی سفیدی سیاہی سے مخلوط ہو۔ اقرنین تثنیہ اقرن معنی سینگ والا یعنی لمبے سینگ والا بکرا۔ ورنہ ہر بکرا سینگ دار ہوتا ہے۔ یا اقرنین کا معنی ہے صحیح وسالم سینگوں والا۔

[2] یعنی ذبح کے وقت جیسا کہ ذبح کے وقت ضروری ہے۔

[3] یا اس کے منہ پر۔ صفاح صاد کی زیر سے جمع "صَفْح" صاد کی زبر اور فا ساکن بمعنی پہلو و جانب اور چہرہ اور چہرے کی کشادگی۔

۱۳۷۰ وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ يَطَأُ فِىْ سَوَادٍ وَيَبْرُكُ فِىْ سَوَادٍ وَيَنْظُرُ فِىْ سَوَادٍ فَاُتِىَ بِهٖ قَالَ يَا عَائِشَةُ هَلُمِّى الْمُدْيَةَ ثُمَّ قَالَ اشْحَذِيْهَا بِحَجَرٍ فَفَعَلَتْ ثُمَّ اَخَذَهَا وَاَخَذَ الْكَبْشَ فَاَضْجَعَهٗ ثُمَّ ذَبَحَهٗ ثُمَّ قَالَ بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ ثُمَّ ضَحّٰى بِهٖ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا بکرا لانے کا حکم دیا جو سینگ والا ہو۔ اس کے پاؤں سیاہ ہوں سیاہی میں سوتا ہو[1] سیاہی میں دیکھتا ہو[2]۔ ایسا بکرا لایا گیا تاکہ آپ اسے ذبح کریں۔ آپ نے حضرت عائشہ سے فرمایا چھری لے کر آ[3]۔ پھر آپ نے فرمایا اسے پتھر سے تیز کر[4] تو میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ نے اسے پکڑا اور بکرے کو بھی پکڑا اور اسے لٹایا پھر اسے ذبح کیا[5]۔ پھر فرمایا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ اے اللہ قبول کر محمد اور آل محمد اور امت محمد کی طرف[6] سے (صلی اللہ علیہ وسلم) پھر اس سے لوگوں کو چاشت کا کھانا کھلایا۔[7]

(مسلم)

[1] یعنی اس کا سینہ اور شکم سیاہ ہو۔ بروک بمعنی سونا اور زمین پر سینہ رکھنا۔ اصل میں یہ لفظ اونٹ کے لیے آتا ہے۔

[2] یعنی اس کی آنکھیں سیاہ ہوں۔ جیسا کہ طیبی نے کہا بعض نے کہا معنی یہ ہے کہ اس کی آنکھوں کے

اردگرد کی جگہ سیاہ ہو۔

۳ـ مُدیہ میم کی تینوں حرکتوں کے ساتھ۔

۴ـ حدیث میں لفظ شحذ آیا ہے شین، حا مہملہ اور ذال۔ بمعنی چھری وغیرہ تیز کرنا۔ المشحذ بمعنی سان۔

۵ـ ذبح کرنے کا ارادہ کیا۔

۶ـ ان الفاظ سے بعض حضرات نے یہ استدلال کیا ہے کہ قربانی فقراء پر بھی واجب ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء و اغنیاء سب امت کی طرف سے قربانی کی۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ان الفاظ سے ثواب میں شرکت مراد ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی امت پر فضل و کرم ہے کہ آپ اپنی عبادت کے ثواب میں اپنی امت کو بھی شریک کرتے تھے۔ اللہ تعالےٰ آپ کو ہماری طرف سے اس سے بڑھ چڑھ کر جزا دے جو اس نے ہر نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی۔

۷ـ تضحیہ جس طرح ذبح کے معنیٰ میں آتا ہے۔ چاشت کے وقت کھانا کھلانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ یہاں اس معنیٰ میں ہے۔

۱۳۷۱/۳ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْبَحُوْا اِلَّا مُسِنَّةً اِلَّا اَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذَعَةً مِّنَ الضَّاْنِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سال سے کم کا[1] جانور ذبح نہ کرو۔ مگر جب کہ تم اس کا مہیا کرنا دشوار ہو تو بھیڑ کا چھ ماہ کا بچہ[2] ذبح کر لو[3]۔

(مسلم)

۱ـ حدیث میں مُسِنَّۃً (میم کی پیش سین کی زیر نون مشدد) سے ہے۔

۲ـ حدیث کے عربی الفاظ میں اس کے لیے لفظ جذعہ آیا ہے (جیم و ذال کی زبر)

۳ـ واضح ہو کہ اس حدیث کی شرح میں بڑی تفصیل ہے۔ ہم یہاں حنفی فقہ کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ اور شرح عربی میں ہم نے مذاہب اربعہ کے موافق مکمل بیان کیا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ قربانی جائز نہیں۔ مگر اونٹ گائے اور بکری سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم سے ان تین اصناف ذبیحہ کے علاوہ اور کوئی جنس مروی نہیں ہے۔ پھر بکری کی دو قسمیں ہیں۔ ایک معز جسے اردو میں بکری کہتے ہیں۔ دوسری ضان جسے اردو میں بھیڑ کہا جاتا ہے اور لفظ جاموس سین مہملہ کے ساتھ لفظ گاومیش سے عربی بنایا گیا ہے۔ یہ بھی گائے کی ہی ایک قسم ہے ان سب اقسام کا ثنی تا کے ساتھ یعنی دوندا جانور جائز ہے۔ اس حدیث میں واقع لفظ مسنۃ سے یہی مراد ہے۔

۱

اونٹ پورے پانچ سال کا چھٹے سال میں جب قدم رکھتا ہے تو دوندا ہوتا ہے۔ خلاصہ میں کہا دوندا اونٹ وہ ہے جو چار سال کا ہو چکا ہو۔ گائے دو سال کی دوندی ہوتی ہے اور بکری خواہ ضان ہو خواہ معز۔ ایک سال کی۔ ہدایہ میں ایسا ہی ہے۔ امام احمد کا مذہب بھی احناف کے مذہب کے موافق ہے۔ اسے مُسنّہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانور مذکورہ عمر کو پہنچ کر اگلے دو دانت جنہیں ثنایا کہتے ہیں، گرا دیتے ہیں۔ لفظ مُسنّہ سن سے ہے بمعنیٰ دانت۔ یا بمعنیٰ سال تو ان تمام اقسام میں اس عمر کا ہونا شرط ہے۔ مگر بھیڑ سے کہ اس کا جذعہ بھی درست ہے۔ ہدایہ میں کہا فقہا کے مذہب میں بھیڑ کا بچہ (جذعہ) وہ ہوتا ہے جو پورے چھ ماہ کا ہو چکا ہو۔ زعفرانی نے کہا جو سات ماہ کا ہو چکا ہو۔ مگر اتنی عمر کے بچے کی قربانی اس وقت جائز ہے جب کہ وہ اتنا عظیم الجسم اور موٹا تازہ ہو کہ اگر سال کی عمر والوں میں ملایا جائے تو دور سے دیکھنے میں پتہ نہ چل سکے کہ ان میں چھ ماہ کا بچہ کونسا ہے۔ اور اگر چھوٹا اور حقیر دکھائی دے تو پھر جائز نہیں مگر پورے سال کا اور بکری کا چھ ماہ کا بچہ جائز نہیں۔

۱۳۶۲/۴ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْطَاهُ غَنَمًا يَقْسِمُهَا عَلٰى صَحَابَتِهٖ ضَحَايَا فَبَقِيَ عَتُوْدٌ[2] فَذَكَرَهٗ لِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ضَحِّ بِهٖ اَنْتَ وَفِيْ رِوَايَةٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَصَابَنِيْ جَذَعٌ قَالَ ضَحِّ بِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عقبہ بن عامر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بہت سی بکریاں دیں کہ وہ انہیں آپ کے صحابہ میں قربانی کے لیے تقسیم کریں۔ تقسیم کے بعد ایک بکری باقی بچ گئی۔ حضرت عقبہ نے اسکا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا[3] آپ نے فرمایا اس کی قربانی تم کر لو۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ایک بچہ ملا ہے۔ فرمایا تم اس کی قربانی کر لو[4]۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] آپ مشہور صحابی ہیں۔

[2] یہاں حدیث کے عربی الفاظ میں لفظ عَتُود آیا ہے (عین کی زبر اس کے بعد تا) بکری کا ایک سالہ بچہ۔ بعض نے کہا عتود وہ ہے جس پر سال کا زیادہ حصہ گزر چکا ہو۔ خلاصہ میں کہا عتود بکری کے بچے کو کہتے ہیں جس طرح جذع بھیڑ کے بچے کو کہتے ہیں۔ جس پر سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہوتا ہے۔

[3] اور عرض کیا تمام بکریاں تقسیم ہو گئیں صرف بکری کا ایک بچہ باقی رہ گیا ہے۔ اس کے بارے میں کیا ہے۔

[4] واضح ہو کہ عتود اگر بکری کے ایک سال کے بچے کا نام ہے۔ تو پھر یہ قربانی کے لیے بلا شک ثنیہ

بالکل ٹھیک ہے۔ اور اگر سال سے کم عمر والے کا نام ہے تو پھر یہ اجازت و کفایت حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے ساتھ خاص تھی۔ جیسا کہ ابوبردہ کی حدیث میں جَذَع مُعَز (بکری کا چھ ماہا بچہ) آیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے تو ذبح کرے۔ اور اس کی قربانی کا جواز صرف تیرے لیے ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حق حاصل ہے کہ بعض احکام اشخاص کے لیے خاص کر دیں۔ کیونکہ جملہ احکام قول صحیح کے مطابق آپ کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔

١٣٧٣/٥ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْبَحُ وَيَنْحَرُ بِالْمُصَلّٰى۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ میں گائے بکری ذبح کرتے اور وہیں اونٹ کا نحر کرتے[1] (بخاری)[2]

[1] گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکا ہے کہ نحر اونٹ کے ساتھ خاص ہے اور ذبح عام ہے اور اونٹ کا نحر کرنا اس کے ذبح کرنے سے افضل ہے۔

[2] یہ حدیث صلوٰۃ العیدین کی فصل اول میں حضرت ابن عمر سے بروایت بخاری گزر چکی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث کا ذکر یہاں چاہیے تھا نہ کہ وہاں۔

١٣٧٤/٦ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبَقَرَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَّالْجَزُوْرُ عَنْ سَبْعَةٍ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَبُوْدَاوُدَ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور اونٹ سات افراد کی طرف سے جائز ہے۔ مسلم اور ابوداؤد۔ اور یہ ابوداؤد کے الفاظ ہیں[1]۔

[1] یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ جب حدیث کے یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں تو پھر اسے فصل دوم میں ذکر کرنا چاہیے تھا۔

١٣٧٥/٧ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ وَاَرَادَ بَعْضُكُمْ اَنْ يُّضَحِّيَ فَلَا يَمَسَّ مِنْ شَعْرِهٖ وَبَشَرِهٖ شَيْئًا وَّفِيْ رِوَايَةٍ فَلَا

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب ذوالحجہ کا عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کسی نے قربانی کرنے کا ارادہ کر لیا ہو تو وہ اپنے بالوں اور بدن کے چمڑے کو بالکل نہ چھوئے

يَأْخُذَنَّ شَعْرًا وَّلَا يَقْلِمَنَّ ظُفُرًا وَفِىْ رِوَايَةٍ مَنْ رَّاٰى هِلَالَ ذِى الْحِجَّةِ وَاَرَادَ اَنْ يُّضَحِّىَ فَلَا يَاْخُذْ مِنْ شَعْرِهٖ وَلَا مِنْ اَظْفَارِهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اور ایک روایت میں ہے تو وہ بال نہ لے اور ناخن نہ تراشے[1]۔ ایک روایت میں ہے جس نے ذوالحجۃ کا ہلال دیکھا اور قربانی کا ارادہ کیا تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں میں سے کچھ نہ لے[2]۔

(مسلم)

[1] حدیث میں اس کے لیے عربی لفظ فلا یُقَلِّمَنَّ آیا ہے لام کی شد اور بغیر شد کے دونوں طرح روایت ہے اور یہ تقلیم یا قلم سے مشتق ہے۔ اور معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔

[2] اگر تم یہ سوال کرو کہ بال کاٹنا اور ناخن تراشنا تو سمجھ میں آتا ہے۔ مگر بشرہ یعنی جسم کی کھال کاٹنا جو کہ بالوں کے نیچے ہوتی ہے اس کا کیا معنیٰ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بدن کی کھال کاٹنا بھی متصور و ممکن ہے کسی عذر کی بنا پر یا بغیر عذر کے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی منع فرماتے ہیں۔ حضرت شیخ شرح میں فرماتے ہیں۔ کہ ائمہ کرام نے اس مفہوم کی تصریح کی ہے اور فرماتے ہیں شارح علیہ الرحمۃ اس معنیٰ سے مطلع نہ ہو سکے۔ اس لیے انہوں نے کہا کہ بشرہ سے یہاں ایک دوسری روایت کے قرینہ کی بنا پر ناخن مراد ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ بال کاٹنے اور ناخن تراشنے سے ممانعت میں حکمت یہ ہے کہ حجاج بیت اللہ شریف سے مشابہت پیدا ہو۔ جو کہ حالت احرام میں ہوتے ہیں۔ یہ مشابہت تعریف کی طرح ہے جو بعض کے نزدیک مستحب ہے۔ یا یہ حکمت ہے کہ جسم کے ہر جزو حتیٰ کہ بالوں اور ناخنوں تک کی قربانی واقع ہو۔ اسی لیے منیٰ میں قربانی کے دن پہلے قربانی ہوتی ہے پھر سر منڈایا جاتا ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اگر حجاج کرام سے تشبہ مقصود ہوتا تو یہ حکم تمام ممنوعات احرام کو شامل اور عام ہوتا کہ سلا کپڑا اور خوشبو لگانا وغیرہ بھی ذوالحجہ کے عشرہ میں ممنوع ہوتا۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ یہ ممانعت حرام کے درجہ میں ہے یا مکروہ تنزیہہ ہے۔ ایک جماعت کے نزدیک درجہ حرام میں اور دوسری جماعت کے نزدیک کراہت تنزیہہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جامع الاصول میں مسلم کی ایک حدیث حضرت عمر بن مسلم بن عمار لیثی رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ انہوں نے فرمایا کہ ہم عید قربان کے دن کے قریب ایک حمام میں گئے۔ اہل حمام میں سے کچھ لوگوں نے نورہ (بال صفا) استعمال کیا۔ بعض نے کہا کہ ان ایام میں علماء اس سے منع کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب میری ملاقات سعید بن المسیب سے ہوئی تو میں نے اس کا ذکر ان سے کیا۔ انہوں نے فرمایا اے میرے برادر زادہ یہ ایک حدیث ہے جسے لوگوں نے فراموش کر دیا ہے۔ اور اس پر عمل کرنا ترک کر دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم لوگ ذی الحجۃ کا چاند دیکھو تو

الحدیث الی آخرہ۔

١٣٧٦/٨ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَلْعَمَلُ الصَّالِحُ فِيْهِنَّ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذِهِ الْاَيَّامِ الْعَشْرِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَالَ وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا رَجُلٌ خَرَجَ بِنَفْسِهٖ وَمَالِهٖ فَلَمْ يَرْجِعْ مِنْ ذٰلِكَ بِشَيْءٍ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسے کوئی ایام نہیں جن میں نیکیاں رب تعالے کو ان دس[1] دنوں سے زیادہ پیاری ہوں۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ کی راہ میں جہاد بھی ان سے زیادہ پیارا نہیں[2]۔ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد بھی ان سے پیارا نہیں[3]۔ سوائے اس کے جو اپنی جان اور مال لے کر نکلا اور کچھ واپس نہ لایا[4]۔

(بخاری)

[1] یعنی ذوالحجہ کے پہلے دس دن۔

[2] جو ان دس ایام کے علاوہ دوسرے ایام میں کفار کے ساتھ کیا جائے۔

[3] یعنی ان ایام میں تھوڑا اور آسان کام بھی اللہ کے نزدیک جہاد سے افضل ہے۔

[4] کہ اگر وہ اس حد تک پہنچ جائے تو یہ ایک دوسری چیز ہے۔ اور یہ شہادت کی فضیلت ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

١٣٧٧/٩ عَنْ جَابِرٍ قَالَ ذَبَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الذَّبْحِ كَبْشَيْنِ اَقْرَنَيْنِ اَمْلَحَيْنِ مَوْجُوْئَيْنِ فَلَمَّا وَجَّهَهُمَا قَالَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ عَلٰى مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ

دوسری فصل

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصی[1] چت کبرے سینگ والے بکرے عید بقر کے دن ذبح کرے جب انہیں قبلہ رو لٹایا تو فرمایا۔ میں نے اپنے آپ کو اس کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمان و زمین پیدا کیے میں دین ابراہیم[2] پر ہوں جو ہر بے دینی سے الگ تھے۔ مشرکوں میں سے نہیں ہوں[3]۔ بے شک میری نماز میری[4] قربانی، میری زندگی اور میری موت

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ
اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ
مِنْكَ وَ لَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَ اُمَّتِهٖ
بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ ذَبَحَ
رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ
ابْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِیُّ وَفِیْ رِوَایَةٍ
لِاَحْمَدَ وَ اَبِیْ دَاؤُدَ وَ التِّرْمِذِیِّ
ذَبَحَ بِیَدِهٖ وَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَ
اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا عَنِّیْ وَ
عَمَّنْ لَّمْ یُضَحِّ مِنْ اُمَّتِیْ ۔

اللہ رب العالمین کے لیے ہے اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ملا۵؎ اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۶؎ ۔ الٰہی یہ تجھ سے۷؎ ہے تیرے لیے ہے۸؎ محمد اور اس کی امت کی طرف سے۔ بسم اللہ اللہ اکبر پھر ذبح فرمایا۔ احمد۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ دارمی اور احمد۔ ابوداؤد و ترمذی کی دوسری روایت میں ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذبح فرمایا اور کہا بسم اللہ اللہ اکبر۹؎ الٰہی یہ میری طرف سے اور میرے اس۱۰؎ امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہ کر سکے۔

۱؎ اصل میں لفظ موجئین ہے۔ وہ دو بکرے جن کے خصیتیں کی رگیں بے کار کردی گئی ہوں۔ یعنی خصی۔ اگرچہ لغت میں خصا کا معنیٰ ہے خصیتین کو کھینچ لینا۔ مگر یہاں یہی معنیٰ ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ اگر اعتراض کیا جائے کہ خصی کرنا جانور کے لیے نقصان ہے کہ اس کے بعض اجزا کم کر دیے گئے اور جس طرح کہ کان اور سینگ کٹا قربانی کے لیے درست نہیں خصی جانور جو کہ ناقص ہے کس طرح درست ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ خصی ہونا صورت و ظاہر کے اعتبار سے نقصان ہے مگر معنیٰ کے لحاظ سے کمال ہے۔ کیونکہ خصی جانور کا گوشت بہت عمدہ اور بہت لذیذ ہوتا ہے اور اس کی قیمت زیادہ اور گراں ہوتی ہے۔

۲؎ اور قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین و مذہب ہے۔

۳؎ جو عبادت اور ذبح کرنے میں غیر خدا کو خدا کا شریک کرتے اور بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔

۴؎ یعنی میری نماز اور میری تمام عبادتیں اللہ کے لیے ہیں۔ اور لفظ نسک کا اطلاق و استعمال زیادہ تر اس مخصوص عبادت (قربانی) کے لیے ہوتا ہے۔

۵؎ یعنی مجھے توحید اور ترک شرک کا حکم دیا گیا ہے۔

۶؎ یعنی میں اسلام لانے والوں اور اس کی قضا و قدر کو تسلیم کرنے والوں میں سے ہوں۔ کبھی آپ اس لفظ کے بجائے وانا اول المسلمین فرماتے۔ یعنی میں اس امت میں پہلا مسلمان ہوں کیونکہ ہر نبی اپنی امت میں سب سے پہلا مسلمان ہوتا ہے۔ بلکہ میں ذات و رتبہ کے لحاظ سے تمام لوگوں میں سب سے پہلا مسلمان ہوں یہ دعا کتاب الصلوۃ باب ما یقول بعد التکبیر میں گزر چکی ہے۔

۷ یعنی یہ قربانی تیری عطا اور تیرا فضل ہے۔

۸ یعنی تیرے ثواب اور تیری رضا کے لیے کر رہا ہوں۔

۹ کہ ذبح کے لیے یہی دو لفظ کافی ہیں۔ زیادہ الفاظ فضیلت کے لیے ہوتے ہیں۔

۱۰ آپ نے یہاں اپنی آل کا ذکر نہ فرمایا کیونکہ آل بھی امت میں داخل ہے اور اس روایت میں لفظ بیدہٖ زیادہ آیا ہے اور اس روایت میں یہ الفاظ زیادہ آئے بسم اللہ اللہ اکبر اللھم ہذا عنی وعمن لم یضح من امتی۔ یعنی یہ میری اور میرے اس امتی کی طرف سے ہے جو قربانی نہیں کر سکتا۔

۱۳۶۷/۱۰ وَعَنْ حَنَشٍ قَالَ رَاَیْتُ عَلِیًّا یُضَحِّیْ بِکَبْشَیْنِ فَقُلْتُ لَہٗ مَا ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَوْصَانِیْ اَنْ اُضَحِّیَ عَنْہُ فَاَنَا اُضَحِّیْ عَنْہُ۔
رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَی التِّرْمِذِیُّ نَحْوَہٗ۔

حضرت حنش[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو بکرے ذبح کرتے دیکھا تو میں نے ان سے عرض کیا یہ کیا ہے[2]۔ آپ نے فرمایا بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کروں تو میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔[3]
ابوداؤد اور ترمذی نے اس کی مثل روایت کی۔

۱ حضرت حنش حا مہملہ و زبر اور نون کی زبر آخر میں شین معجمہ۔ آپ کوفی تابعی ہیں۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی احادیث میں کلام ہے۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ ثقہ ہے۔

۲ کہ آپ دو بکرے ذبح کر رہے ہیں جب کہ ایک بکرا بھی کافی ہے۔

۳ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت تھی کہ میری طرف سے ایک بار قربانی کرنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے ایک بار قربانی کی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو پورا کیا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصیت کی تھی کہ میری طرف سے ہمیشہ قربانی کیا کرنا۔ اس بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کرتے تھے۔ حدیث کے ظاہر الفاظ اسی مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی طرف سے قربانی کرنا جائز ہے۔ بعض اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ حضرت ابن المبارک رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ میرے نزدیک محبوب تر یہ ہے کہ اس کی طرف سے قربانی کی جگہ صدقہ کرے۔ اور اگر میت کی طرف سے قربانی کرے تو پھر اس میں سے خود کچھ نہ لگائے۔ بلکہ اس قربانی کا سارا گوشت صدقہ کر دے۔

۱۳۶۸/۱۱ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ

تَسْتَشْرِفَ الْعَيْنَ وَ الْاُذُنَ وَ اَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابَلَةٍ وَّ لَا مُدَابَرَةٍ وَ لَا شَرْقَاءَ وَ لَا خَرْقَاءَ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاؤُدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ انْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ اِلٰى قَوْلِهٖ وَ الْاُذُنَ۔

ہم لوگ قربانی کے جانور کی آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیں[1]۔ اور ایسا جانور قربانی نہ کریں جس کے کان کا اوپر کا حصہ کٹا ہوا ہو اور نہ اس کی جس کی کان کا نیچے والا حصہ کٹا ہوا ور نہ اس کی جس کے کان میں بڑا شگاف ہو۔ اور نہ وہ جس کا کان پھٹا ہوا ہو۔ ترمذی۔ ابوداؤد نسائی ودارمی وابن ماجہ۔ ابن ماجہ کی روایت والاذن پر ختم ہو جاتی ہے اور وان لا نضحی سے لے کر آخر حدیث تک کے الفاظ اس میں نہیں ہیں۔

---

[1] کہ ان میں کوئی ایسا نقص و عیب نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی قربانی جائز نہ ہو۔

[2] حدیث میں لفظ مقابلہ ہے با کی زبر سے۔ اسی طرح لفظ مدابرۃ کی با پر زبر ہے۔ اور لفظ شرقاء حمراء کے وزن پر ہے

۱۳۸۱/۱۲ وَعَنْهُ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اَنْ نُّضَحِّيَ بِاَعْضَبِ الْقَرْنِ وَ الْاُذُنِ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم ایسے جانور کی قربانی کریں جس کے سینگ ٹوٹ چکے ہوں اور جس کے کان بھی کٹے ہوئے ہوں[1]۔

(ابن ماجہ)

---

[1] عربی لفظ اعضب آیا ہے یعنی ... (عین اور ضاد معجمہ کی زبر) سینگ کا ٹوٹا ہوا ہونا۔ عضباء وہ بکری جس کے سینگ ٹوٹ ہوئے ہوں۔ اس لفظ کا اکثر استعمال سینگ ٹوٹنے میں آتا ہے۔ کبھی کان کے لیے بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ مراد کان کٹا ہے۔ (مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی)

۱۳۸۲/۱۳ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا ذَا يُتَّقٰى مِنَ الضَّحَايَا فَاَشَارَ بِيَدِهٖ فَقَالَ اَرْبَعًا اَلْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ ظَلْعُهَا وَ الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کس قسم کے جانور قربانی نہ کیے جائیں۔ تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا چار جانور۔ لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر و نمایاں

عَوَرُهَا وَ الْمَرِيْضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَ الْعَجْفَاءُ الَّتِيْ لَا تُنْقِيْ

رَوَاهُ مَالِكٌ وَ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ اِبْنُ مَاجَةَ وَ الدَّارِمِيُّ۔

ہو، کانا جس کا کانا پن واضح اور نمایاں[1] ہو۔ بیمار جس کی بیماری نمایاں طور پر محسوس ہو رہی[2] ہو۔ نہایت دبلا جس کی ہڈیوں میں مغز[3] باقی نہ رہا ہو۔

[1] یعنی جس کا کانا پن کل یا اکثر طور پر ظاہر و نمایاں ہو۔

[2] کہ اس کی صحت کی امید نہ ہو۔

[3] حدیث میں لفظ تُنْقِیْ آیا ہے۔ تا کی پیش نون ساکن۔ قاف کی زیر۔

۱۳۸۳/۱۴ وَ عَنْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُضَحِّيْ بِكَبْشٍ اَقْرَنَ فَحِيْلٍ يَنْظُرُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَاْكُلُ فِيْ سَوَادٍ وَ يَمْشِيْ فِيْ سَوَادٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سینگ دار۔ قوی ہیکل[1] نر بجرے کی قربانی کرتے تھے جو سیاہی میں دیکھے۔ سیاہی میں کھائے[2] اور سیاہی میں چلے۔

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)
(ابن ماجہ)

[1] یہ حدیث کے لفظ فحیل (بروزن کریم) کا ترجمہ ہے۔ یہاں اس کا یہی معنیٰ ہے۔ اس کا اصل معنی نر۔ طاقتور اور مادہ پر کودنے والا بکرا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ قربانی کے لیے بہتر وہ نر بکرا ہے۔ جو مادہ پر بار بار کود کر چڑھتا ہو۔ مراد طاقتور اور بڑا ہے۔

[2] یعنی سیاہ چشم۔ سیاہی میں کھائے یعنی جس کے منہ کا رنگ کالا ہو۔ سیاہی میں چلے یعنی سیاہ قدم

۱۳۸۴/۱۵ وَ عَنْ مُجَاشِعٍ مِنْ بَنِيْ سُلَيْمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ الْجَذَعَ يُوَفِّيْ مِمَّا يُوَفِّيْ مِنْهُ الثَّنِيُّ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

حضرت مجاشع[1] سے جو بنی سلیم سے ہیں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ بھیڑ کا شش ماہہ بچہ اس میں کفایت کرتا ہے جس میں بکری کا یک سالہ بچہ کافی ہو۔

(ابوداؤد۔ نسائی)
(ابن ماجہ)

[1] مُجاشع میم کی پیش جیم کی زبر اور شین معجمہ کی زیر۔ بنی سلیم سین کی پیش۔ لام کی زبر۔ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ صحابی ہیں قبیلہ بنی سُلیم سے ہیں۔ اور مہاجرین میں سے ہیں۔ جَذع جیم اور ذال کی زبر جذع سے یہاں بھیڑ کا بچہ مراد ہے۔ جیسا کہ باب کے اول میں گزرا۔ اور اگر جذع کی تفسیر اس سے کریں جو پورے سال کا ہو چکا ہو تو پھر بکری کا ایک سالہ بچہ بھی درست ہے۔ کیونکہ ثَنِیّ بکری کے ایک سالہ بچہ کو کہتے ہیں۔ اور لفظ یُوَفِّیْ (فا مشدد) توفیہ مصدر سے ہے۔

۱۳۸۵/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ نِعْمَتِ الْاُضْحِیَّةُ الْجَذَعُ مِنَ الضَّاْنِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ قربانی کے لیے کتنا اچھا[1] ہے۔

(ترمذی)

[1] یعنی بھیڑ کا چھ ماہہ بچہ قربانی کے لیے جائز ہے مگر بکری کا چھ ماہہ بچہ جائز نہیں۔

۱۳۸۶/۱۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَحَضَرَ الْاَضْحٰى فَاشْتَرَكْنَا فِی الْبَقَرَةِ سَبْعَةً وَّفِی الْبَعِیْرِ عَشَرَةً۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ عیدالضحیٰ آگئی تو ہم گائے میں سات حصہ دار شریک ہوئے۔ اور اونٹ میں دس[1]۔

ترمذی، ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے[2]۔

[1] اونٹ میں دس حصہ داروں کا اشتراک بعض علماء کے نزدیک جائز ہے۔ مگر جمہور اس پر ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور گائے و اونٹ کا ایک ہی حکم ہے۔

[2] ترمذی میں ایک حدیث یہ بھی مروی ہے کہ ایک بکری سب گھر والوں کی طرف سے کفایت کرتی ہے مگر اس کا حکم بھی وہی ہے جو بیان کیا گیا کہ یہ بھی منسوخ ہے۔

۱۳۸۷/۱۸ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مَا عَمِلَ ابْنُ اٰدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاْتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

ابن آدم کا کوئی عمل یوم نحر کے دن کے عمل (خون بہانے) سے محبوب تر نہیں۔ بیشک وہ (قربانی کا جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا۔[1] اور بے شک خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ تو اپنے آپ کو اس کے ساتھ خوش کرو۔[2]

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

۱؎ ظلف اس کھر کو کہتے ہیں جو درمیان سے چرا ہوا ہو۔ جیسے گائے اور بکری وغیرہ کا کھر یعنی یہ سب چیزیں قیامت کے دن میزان میں رکھی جائیں گی۔ اور ان کے ساتھ میزان کو بھاری کیا جائے گا۔

۲؎ یا معنی یہ ہے کہ تمہیں قربانی کے اس عمل سے خوش ہونا چاہیے۔ حدیث کا لفظ طَیِّبُوْا تطییب تشدید یا طیب بغیر شد سے مشتق ہے اور دونوں طرح مروی ہے۔ اول معنیٰ اول روایت کے مطابق اور دوسرا معنیٰ دوسری روایت کے مطابق۔

۱۳۸۴/۱۹ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَيَّامٍ اَحَبَّ اِلَى اللهِ اَنْ يُّتَعَبَّدَ لَهٗ فِيْهَا مِنْ عَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ يَعْدِلُ صِيَامُ كُلِّ يَوْمٍ مِّنْهَا بِصِيَامِ سَنَةٍ وَقِيَامُ كُلِّ لَيْلَةٍ مِّنْهَا بِقِيَامِ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنوں میں سے کوئی دن اللہ کے نزدیک اس کی عبادت کے لیے ذوالحجہ کے دس دنوں سے محبوب تر نہیں۔[1] ان دس دنوں میں سے ایک دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر ہے۔ اور ان کی ایک رات میں قیام (عبادت الٰہی) لیلۃ القدر کے قیام کے برابر ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے کہا اس کا اسناد ضعیف ہے۔)

۱؎ یعنی ان دس دنوں میں عبادت کرنا باقی تمام دنوں کی عبادت سے افضل ہے۔ جو بھی عبادت کا عمل ہو خصوصًا قربانی کا عمل کہ دیگر تمام اعمال سے فاضل تر اور محبوب تر ہے۔

۲؎ علماء کا عشرہ ذی الحجہ اور عشرۂ رمضان کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ مختار و پسندیدہ قول یہ ہے

کہ ذوالحجہ کے دس دن رمضان کے دس دنوں سے افضل ہیں۔ کہ ان میں عرفہ کا دن ہے۔ مگر رمضان کی دس راتیں عشرہ ذوالحجہ کی دس راتوں سے افضل ہیں۔ کہ ان میں شب قدر ہوتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۳۸۷/۲۰ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ[1] الْاَضْحٰى يَوْمَ النَّحْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَعْدُ اَنْ صَلّٰى وَفَرَغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ يَرٰى لَحْمَ اَضَاحِيَّ قَدْ ذُبِحَتْ قَبْلَ اَنْ يَّفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِهٖ فَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ مَكَانَهَا اُخْرٰى وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ النَّحْرِ ثُمَّ خَطَبَ ثُمَّ ذَبَحَ وَقَالَ مَنْ كَانَ ذَبَحَ قَبْلَ اَنْ يُّصَلِّيَ اَوْ نُصَلِّيَ فَلْيَذْبَحْ اُخْرٰى مَكَانَهَا وَمَنْ لَّمْ يَذْبَحْ فَلْيَذْبَحْ بِاسْمِ اللّٰهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

تیسری فصل

حضرت جندبؓ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں روز اضحیٰ[1] کے دن کہ نحر و قربانی کا دن ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حاضر ہوا۔ تو آپ واپس نہ لوٹے نماز ادا کرنے اور اس سے فارغ ہونے اور سلام پھیرنے سے کہ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ قربانیوں کے گوشت ہیں جو نماز سے فارغ ہونے سے پہلے ذبح کی گئی تھیں آپ نے فرمایا جس نے اپنی نماز یا ہماری نماز پڑھنے سے پہلے ذبح کی ہیں۔ تو وہ ان کی جگہ دوسری ذبح کرے اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت جندب نے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نحر کے دن نماز عید پڑھی۔ پھر خطبہ دیا پھر قربانی کا جانور ذبح کیا۔ اور فرمایا جس نے اپنی نماز پڑھنے یا ہماری نماز پڑھنے سے پہلے قربانی کر لی۔ تو وہ اس کی جگہ دوسری ذبح کرے اور جس نے نماز عید سے پہلے ذبح نہ کیا تو وہ اللہ کے نام پر ذبح کرے۔[2]

(بخاری و مسلم)

⁂

---

[1] یعنی حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے اور انہیں جندب بن سفیان بھی کہتے ہیں۔ دادا کی طرف نسبت کی بنا پر۔ انہیں بجلی، علقمی اور اسلمی بھی کیا جاتا ہے۔ پہلے کوفہ میں رہے پھر بصرہ چلے گئے۔ وہاں سے مکہ معظمہ بھی آئے اور حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے فتنہ کے چار سال بعد اس دار فانی سے رحلت کر گئے۔ ان سے حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہما روایت

کرتے ہیں۔

۲؎ یہ راوی کا شک ہے کہ یصلی یا کے ساتھ ہے بصیغہ مجہول یا معلوم یا نصلی بصیغہ جمع متکلم ہے۔
۳؎ یعنی اس وقت اس کا ذبح کرنا درست اور ٹھیک ہے۔

۱۳۹۰/۲۱ وَعَنْ نَافِعٍ اَنَّ اُبْنَ عُمَرَ قَالَ الْاَضْحٰی یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الْاَضْحٰی۔
رَوَاہُ مَالِكٌ وَقَالَ بَلَغَنِیْ عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ مِثْلَهٗ۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عید کے دن کے بعد کے دو دن بھی قربانی کے دن؎۱ ہیں۔ اسے مالک نے روایت کیا اور کہا مجھے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے اس کی مثل حدیث پہنچی ہے۔

۱؎ اضحیٰ اضحاۃ کی جمع ہے کہ یہ اضحیہ کی ایک لغت ہے۔ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ قربانی تین دن جائز ہے۔ ایک عید کا دن دوسرا گیارہ ذوالحجۃ کا دن تیسرا بارہ ذوالحجۃ کا دن ہے۔ یہ احناف کا مذہب ہے اور یہی امام مالک و امام احمد کا مذہب ہے۔ امام شافعی کے نزدیک عید کے دن کے بعد تین دن اور ہیں۔ ہدایہ میں کہا ہے کہ احناف کی دلیل وہ ہے جو حضرت عمر حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ کہ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ قربانی کے تین دن ہیں۔ سب سے افضل پہلا دن ہے۔ بلا شبہ انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو گی۔ کیونکہ کسی چیز کی تعداد و مقدار میں رائے اور اجتہاد کا دخل نہیں ہو سکتا اور اگر اخبار و احادیث میں تعارض اور تخالف پایا جاتا ہو تو اس صورت میں احناف رحمہم اللہ تعالیٰ احتیاط کے پیش نظر کم مقدار والی روایات کو لیتے ہیں۔

۱۳۹۱/۲۲ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ عَشَرَ سِنِیْنَ یُضَحِّیْ۔
(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال قیام پذیر رہے اس عرصہ میں مسلسل قربانی کرتے رہے؎۱ (ترمذی)

۱؎ ارباب سیر نے ذکر کیا ہے کہ قربانی ۲ھ میں شروع ہوئی۔

۱۳۹۲/۲۳ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذِهٖ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قربانیاں

الْأَضَاحِيُّ قَالَ سُنَّةُ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالُوا فَمَا لَنَا فِيهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةٌ قَالُوا فَالصُّوفُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مِنَ الصُّوفِ حَسَنَةٌ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

کیا ہیں[2]۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے عرض کیا ہمارے لیے ان میں کیا اجر و ثواب ہے۔ فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملتی ہے (بال کا تعلق گائے بکری سے ہے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ پشم میں کیا ثواب ہے۔ (جو بھیڑ اور اونٹ پر ہوتی ہے) فرمایا پشم کے ہر بال کے بدلے ایک نیکی ہے[3]

(احمد۔ ابن ماجہ)

[1] حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

[2] ان کی اصل کیا ہے۔

[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پشم کے لیے بھی شعر (بال کا استعمال آتا ہے)

بَابُ الْعَتِيْرَةِ

عتیرہ کا باب

عتیرہ عتر بکسر عین سے مشتق ہے۔ عتیرہ بروزن ذبیحہ زمانہ جاہلیت کی قربانی ہے جو وہ ماہ رجب میں بتوں کے لیے کرتے تھے۔ ابتداء اسلام میں مسلمان بھی کرتے تھے۔ اس کے بعد منسوخ ہو گیا۔ تورپشتی نے کہا بہت سے علماء نے عتیرہ کو مکروہ قرار دیا ہے اور سرے سے اس کے جواز کی ہی نفی کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث کی بنا پر جو آ رہی ہے۔ بعض علماء اب بھی مباح جانتے ہیں۔ حضرت ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ ماہ رجب میں عتیرہ ذبح کیا کرتے تھے۔ جو علماء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نہی جاہلیت کے فعل کے ساتھ خاص ہے جو وہ بتوں کے لیے کرتے تھے۔ مسلمان خدا کے لیے ذبح کرتے ہیں۔ ان کے لیے کوئی قباحت نہیں۔ ان کے موقف کی تائید حضرت نبیغہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کرتی ہے۔ جسے ابو داؤد نے روایت کیا۔ کہ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں ماہ رجب میں عتیرہ کیا کرتے تھے۔ اب آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں۔ فرمایا تم خدا کے لیے ہر ماہ میں کر سکتے ہو۔ حدیث کا مضمون ختم ہوا۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۹۳/۱ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَ لَا عَتِیْرَۃَ قَالَ وَ الْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ کَانَ یُنْتَجُ لَھُمْ کَانُوْا یَذْبَحُوْنَہٗ لِطَوَاغِیْتِھِمْ وَ الْعَتِیْرَۃُ فِیْ رَجَبٍ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

فصل اوّل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ نے فرمایا کوئی فرع[1] نہیں کوئی عتیرہ نہیں۔ راوی کہتا ہے فرع وہ بچہ ہوتا تھا جو ان کے لیے اونٹنی یا بکری پہلے جنتی تھی۔ وہ اس بچے کو اپنے بتوں کے لیے ذبح کرتے تھے اور عتیرہ وہ ہے جسے ماہ رجب میں ذبح کرتے تھے[2] (بخاری و مسلم)

[1] فَرَع فا کی زبر سے

[2] یہ حدیث عتیرہ کی نفی اور اس کی حرمت کی دلیل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۳۹۲/۲ عَنْ مِخْنَفِ بْنِ سُلَیْمٍ قَالَ کُنَّا وُقُوْفًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَرَفَۃَ فَسَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ عَلٰی کُلِّ اَھْلِ بَیْتٍ فِیْ کُلِّ عَامٍ اُضْحِیَۃً وَّعَتِیْرَۃً ھَلْ تَدْرُوْنَ مَا الْعَتِیْرَۃُ ھِیَ الَّتِیْ تُسَمُّوْنَھَا الرَّجَبِیَّۃَ۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَ النَّسَائِیُّ وَ ابْنُ مَاجَۃَ وَ قَالَ التِّرْمِذِیُّ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ضَعِیْفُ الْاِسْنَادِ وَ قَالَ اَبُوْدَاؤدَ وَ الْعَتِیْرَۃُ مَنْسُوْخَۃٌ۔

دوسری فصل

حضرت مخنف[1] بن سُلیم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ہم لوگ عرفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے تھے میں نے آپکو فرماتے ہوئے سنا اے لوگو! ہر گھر والے پر ہر سال قربانی اور عتیرہ ہے۔ جانتے ہو عتیرہ کیا ہے۔ یہ وہ ہے جسے تم رجبیہ[2] کہتے ہو۔

ترمذی۔ ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب اور ضعیف الاسناد ہے۔ ابوداؤد نے کہا عتیرہ منسوخ ہو چکا ہے[3]۔

[1] مخنف میم کی زیر۔ خا ساکن۔ بعد میں نون وخا۔ سلیم سین کی پیش۔ لام کی زبر۔ آپ صحابی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اصفہان کا والی مقرر کیا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قربانی اور عتیرہ کے بارے میں حدیث روایت کی ہے۔

[2] کیونکہ وہ ماہ رجب میں ذبح کیا جاتا ہے۔

[3] تورپشتی نے کہا کہ عتیرہ کے منسوخ ہونے میں علماء نے کلام کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع کے دن تھا۔ اور یہ صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف دو تین ماہ پہلے نہی کو ثابت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

١٣٩٥ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ بِيَوْمِ الْاَضْحٰى عِيْدًا جَعَلَهُ اللّٰهُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ اِنْ لَّمْ اَجِدْ اِلَّا مَنِيْحَةً[1] اُنْثٰى اَفَاُضَحِّيْ بِهَا قَالَ لَا وَلٰكِنْ خُذْ مِنْ شَعْرِكَ وَاَظْفَارِكَ وَتَقُصُّ شَارِبَكَ وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ فَذٰلِكَ تَمَامُ اُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللّٰهِ۔
(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ)

تیسری فصل

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے اضحی کے دن (جسے اللہ نے اس امت کے لیے عید بنایا ہے۔) حکم دیا گیا ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے عرض کیا مجھے بتائیں کہ اگر میں دودھ دینے والی ناقہ یا بکری کے سوا کچھ نہ پاؤں۔ کیا میں اس کی قربانی کروں۔ فرمایا۔ نہ بلکہ اپنے بال لے اور اپنے ناخن تراش اور اپنی لبیں کچھ پست کر۔ اور اپنے بال زیر ناف صاف کر[2] یہ اللہ کے نزدیک تیری پوری قربانی ہوگی۔ (ابوداؤد ونسائی)

---

[1] اصل حدیث میں یہاں لفظ منیحہ آیا ہے۔ حائے مہملہ کے ساتھ بروزن کریمہ۔ مَنْحٌ سے مشتق بمعنی عطا عربوں کی عادت تھی کہ دودھ دینے والی اونٹنی یا بکری غرباء مساکین کو دے دیا کرتے تھے تاکہ وہ اس کے دودھ بلکہ اون اور بچے سے فائدہ حاصل کرتے رہیں اور جب تک کہ ان کو اس کی ضرورت ہو اس سے نفع اندوز ہوتے رہیں۔ ضرورت پوری ہونے پر وہ انہیں واپس کر دیتے تھے۔ یہاں منیحہ کے ساتھ انثیٰ کی قید لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکر کو بھی منیحہ کہتے ہیں۔ اور اس کی تا حماقۃ کی تا کی طرح ہے۔ کہ اس کا اطلاق نر کے لیے بھی

ہوتا ہے یا انثیٰ کا لفظ تاکید کے لیے قید اتفاقی کے طور پر لایا گیا ہے۔ یعنی کہ دودھ دینے والی اونٹنی کا نفع زیادہ ہے تو یہ صحابی عرض کرتے ہیں کہ اگر میرے پاس منیحہ کے علاوہ قربانی کے لیے اور کوئی جانور نہ ہو تو کیا میں اس کی قربانی کر دوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا اسے ذبح نہ کرو۔

۵۲ یہ تمام افعال تیری طرف سے قربانی متصور ہوں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر و ثواب میں قربانی کا درجہ رکھیں گے۔

بَابُ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ

نماز خسوف کا باب

لغت کے اعتبار سے مشہور یہ ہے کہ خسوف کا استعمال چاند کے لیے اور کسوف کا استعمال سورج کے لیے ہوتا ہے۔ حدیث کے راویوں میں سے بعض نے دونوں کے لیے کاف (کسوف) سے روایت کیا ہے بعض نے دونوں کے لیے خسوف کا لفظ روایت کیا ہے اور ایک جماعت نے چاند کے لیے خاء سے اور سورج کے لیے کاف سے روایت کیا ہے جو احادیث باب میں مذکور ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی خبر دیتی ہیں سب کسوف شمس کے لیے ہیں۔ ماسوائے دوسری حدیث کہ اس میں احتمال ہے۔ شیخ نے اپنی شرح میں اسے خسوف قمر پر محمول کیا۔ اور سوائے اس بات کے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں واقع ہوا کہ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ بے شک سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ جب تم انہیں دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس طرح آیا ہے فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا۔ یعنی جب تم یہ دو نشانیاں دیکھو تو اللہ کے حضور دعا کرو۔ اللہ کی بڑائی بیان کرو، نماز پڑھو اور صدقہ کرو۔ کہ ان دو احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل معلوم نہ ہو سکا کہ آپ نے نماز کسوف پڑھی یا دعا وغیرہ کی۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث دار قطنی سے نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج اور چاند کے گرہن کے وقت آٹھ رکعتیں چار سجدوں سے ادا کرتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک حدیث لائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورج و چاند کے گرہن کے وقت چار رکعتیں چار سجدوں کے ساتھ ادا کرتے۔ لیکن ان دونوں احادیث کے اسناد میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

واضح ہو کہ احناف کے نزدیک سورج گرہن میں دو رکعت نفل با جماعت پڑھی جاتی ہیں۔ ہر رکعت میں ایک رکوع ہے جیسا کہ عادۃً نمازیں ہوتا ہے۔ بغیر خطبہ کے۔ اور چاند گرہن میں جماعت نہیں۔ بلکہ ہر شخص اکیلا اکیلا پڑھے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالےٰ کے نزدیک سورج گرہن اور چاند گرہن دونوں میں جماعت اور خطبہ ہے اور حضرت ابن عباس کی حدیث کے مطابق ہر رکعت میں دو رکوع ہیں۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک ان کے مشہور مذہب کے مطابق اور ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک اکیلے اکیلے اور ہر رکعت میں ایک رکوع اور بغیر خطبہ کے بھی جائز ہے۔ احناف کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ کہ وہ احناف کے مذہب کو واضح طور پر ثابت کرتی ہے اور یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ عورتوں اور بچوں کی نسبت ان مردوں پر حقیقت حال زیادہ واضح ہوتی ہے۔ جو صف اول میں کھڑے ہوتے ہیں کیونکہ عورتوں اور بچوں کو بالکل پچھلی صفوں میں کھڑا کیا جاتا ہے اس لیے مردوں کی روایت زیادہ راجح ہوگی کذا فی الہدایۃ۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالےٰ ایسی صحیح اور حسن احادیث لائے ہیں جو حنفیہ کے مذہب کو ثابت کرتی ہیں۔ اور ان احادیث پر محدثین نے اعتراضات کیے ہیں۔ جن میں ایک رکعت میں ایک سے زیادہ رکوعوں کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ راویوں کا ان احادیث میں اضطراب ہے کہ بعض نے ایک رکعت میں دو رکوع کی روایت کی۔ بعض نے تین رکوع۔ بعض نے چار اور بعض نے پانچ۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہ نماز بھی مشہور طریقہ کے مطابق پڑھی جائے۔ پھر یہ طریقہ اس مطلق روایت کی مثل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاِذَا كَانَ ذَالِكَ فَصَلُّوْا۔ کہ جب گرہن کا وقت ہو تو نماز پڑھو۔ اور اسی شدید اضطراب کے پیش نظر احناف کے بعض مشائخ نے فرمایا کہ پچھلی صفوں والوں کو یہ اشتباہ زیادہ ہجوم کی وجہ سے لاحق ہوا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں گرہن کا واقعہ صرف ایک دفعہ واقع ہوا اور کسی راوی نے بھی ایک سے زیادہ بار اس واقعہ کے پیش آنے کو روایت نہیں کیا۔ کیونکہ دس سال کے عرصہ میں متعدد بار گرہن کا واقعہ ہونا بعید اور خلاف عادت ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کا قول کہ مردوں پر حقیقت حال زیادہ واضح ہو سکتی ہے، اس وقت مکمل دلیل بن سکتا ہے جب کہ حضرت عائشہ کے علاوہ مردوں میں سے کسی نے حضرت عائشہ کے ساتھ موافقت نہ کی ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۹۴/۱ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ الشَّمْسَ خَسَفَتْ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

پہلی فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا۔ تو آپ نے ایک

فَبَعَثَ مُنَادِيًا اَلصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَتَقَدَّمَ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ فِىْ رَكْعَتَيْنِ وَاَرْبَعَ سَجَدَاتٍ قَالَتْ عَائِشَةُ مَا رَكَعْتُ رُكُوْعًا قَطُّ وَلَا سَجَدْتُ سُجُوْدًا قَطُّ كَانَ اَطْوَلَ مِنْهُ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

منادی کو بھیجا کہ لوگوں میں ان الفاظ کے ساتھ ندا کرے الصلوۃ جامعۃ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے[۱] اور چار رکوعوں سے دو رکعتیں پڑھیں[۲] اور چار سجدے کیے[۳]۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے کبھی بھی اس نماز سے زیادہ لمبا رکوع اور سجدہ نہیں کیا[۴]

(بخاری و مسلم)

---

[۱] یعنی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں۔

[۲] جیسا کہ اس کی صورت آگے آرہی ہے، یہ مشہور طریقہ (ہر رکعت میں ایک رکوع) کے خلاف ہے۔

[۳] جیسا کہ معہود و مشہور ہے۔

[۴] کہ یہ باقی تمام نمازوں سے دراز تھا۔

۱۳۹۷ / ۲ وَعَنْهَا قَالَتْ جَهَرَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ صَلٰوةِ الْخُسُوْفِ بِقِرَاءَتِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند گرہن کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کی[۱]

(بخاری و مسلم)

---

[۱] جیسا کہ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اپنی شرح میں فرمایا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چاند گرہن کی نماز کی روایت ثابت ہے۔ ورنہ خسوف کا لفظ سورج کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ معلوم ہو چکا۔

۱۳۹۸ / ۳ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا نَحْوًا مِّنْ قِرَاءَةِ سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهٗ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھی[۱]۔ آپ نے بڑا دراز قیام کیا۔ سورۂ بقر کی قراءت کے بقدر[۲] پھر دراز رکوع کیا[۳]۔ پھر اٹھے تو بہت دراز قومہ کیا جو پہلے قیام سے کچھ کم تھا[۴]۔ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر اٹھے۔ پھر سجدہ کیا[۵]۔ پھر قیام

وَهُوَ دُوْنَ قِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ قَامَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ فَقَامَ قِيَامًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الْقِيَامِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَكَعَ رُكُوْعًا طَوِيْلًا وَّهُوَ دُوْنَ الرُّكُوْعِ الْاَوَّلِ ثُمَّ رَفَعَ ثُمَّ سَجَدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدْ تَجَلَّتِ الشَّمْسُ فَقَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَاَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِيْ مَقَامِكَ هٰذَا ثُمَّ رَاَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُوْدًا وَلَوْ اَخَذْتُهٗ لَاَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا وَرَاَيْتُ النَّارَ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ اَفْظَعَ وَرَاَيْتُ اَكْثَرَ اَهْلِهَا النِّسَاءَ فَقَالُوْا بِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ بِكُفْرِهِنَّ قِيْلَ يَكْفُرْنَ

کیا تو بہت دراز قیام فرمایا۔ جو پہلے قیام سے کم تھا۔ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا تو دراز قیام کیا۔ پھر دراز رکوع کیا جو پہلے رکوع سے کم تھا۔ پھر سر اٹھایا پھر سجدہ کیا۔ پھر فارغ ہوئے۔ جب کہ سورج صاف ہو چکا تھا پھر فرمایا کہ سورج و چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو کسی کی موت کی وجہ سے گہنتے ہیں۔ نہ کسی کی زندگی کی وجہ سے۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ کا ذکر کرو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے اپنی اس جگہ میں کچھ لیا پھر دیکھا کہ آپ پیچھے ہٹے۔ فرمایا میں نے جنت ملاحظہ کی تو اس سے خوشہ لینا چاہا اگر لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک کھاتے رہتے۔ اور میں نے آگ دیکھی تو آج کی طرح گھبراہٹ والا منظر کبھی نہ دیکھا۔ میں نے دوزخ میں عورتوں کی تعداد زیادہ دیکھی۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیوں۔ فرمایا ان کے کفر کی وجہ سے۔ عرض کیا گیا کیا وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتی ہیں۔ فرمایا خاوند کی ناشکری اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔ اگر تم ان سے زمانہ بھر تک نیکی کرو۔ پھر تمہاری طرف سے کچھ ذراسی بات دیکھ لیں تو کہتی ہیں کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہ دیکھی۔

بِاللهِ قَالَ يَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ وَ
يَكْفُرْنَ الْاِحْسَانَ لَوْ اَحْسَنْتَ
اِلٰى اِحْدٰهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَاَتْ
مِنْكَ شَيْئًا قَالَتْ مَا رَاَيْتُ
مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ ۔

بخاری ومسلم

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

---

[۱] ایسی ہی روایت بخاری کی ہے۔ مسلم کی روایت میں انکسف آیا ہے۔ اور شرح سنہ میں خسفت کا لفظ آیا ہے۔ آپ نے اس موقعہ پر لوگوں کی امامت کی اور لوگوں نے آپ کی اقتدا کی۔

[۲] یعنی وقت کی اتنی مقدار صرف کی جس میں سورہ بقرہ پڑھ سکتے ہیں۔ اس سے یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ آپ نے سورہ بقرہ پڑھی تھی۔ واللہ اعلم۔

[۳] بعض روایات میں آیا ہے کہ قیام کی طرح رکوع فرمایا۔

[۴] دون قریب کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ دوسری رکعت میں آپ نے قرات کی یا تسبیح پڑھی ظاہر دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

[۵] جیسا کہ معروف طریقہ ہے۔ کہ دو سجدے کیسے دونوں کے درمیان بیٹھے۔ یہاں طویل کا ذکر نہ کیا۔

[۶] یعنی تشہد اور سلام کے بعد اور ظہور کی وجہ سے ان کا ذکر نہ کیا۔

[۷] یعنی سورج نمایاں، صاف اور روشن ہوگیا۔

[۸] جو اپنے وجود اور گرہن کے ساتھ متاثر ہونے سے باری تعالےٰ کی قدرت وسلطنت کے کمال پر دلالت کرتے اور اہل عقل ودانش کے لیے موجب عبرت بنتے ہیں۔ کہ ایک گھڑی میں اس نورانیت وقوت کے باوجود تاریک اور ماند پڑ جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اللہ اس پر بھی قادر ہے العیاذ باللہ کہ لوگوں سے علم وایمان کی روشنی لے لے۔ اور انہیں بے نور اور تاریک کردے۔

[۹] یہ اہل جاہلیت کے اعتقاد کی تردید ہے۔ کہ چاند یا سورج گرہن کسی حادثہ عظیم مثلاً کسی بڑے آدمی کے مرنے یا نقصان عام کے رونما ہونے پر ہوتا ہے۔ اتفاقاً اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال بھی ہوا تھا اور لوگ کہتے تھے کہ شاید گرہن کا سبب ان کی موت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل جاہلیت کے اعتقاد کے مطابق کسی بڑے آدمی کی موت پر گرہن ہوتا تھا۔ لہذا یہاں زندگی کا ذکر موت کی مناسبت کے طور پر کردیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

۱۰ یا آپ نے اسی جگہ جہاں آپ کھڑے تھے کسی چیز کے پکڑنے کا ارادہ فرمایا یا اس جگہ جہاں آپ نے ہمیں پند ونصیحت کی کیونکہ آپ نے نماز کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے

۱۱ لغت کی کتاب صراح میں ہے عنقود بمعنیٰ خوشہ انگور، ظاہر مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک لواخذتہٗ الخ کے قرینہ کی بنا پر معنیٰ یہ ہوگا کہ میں نے پکڑنے کا ارادہ کیا۔

۱۲ معنیٰ یہ ہے کہ میں نے اپنے لیے تو اس میں سے لیا اور ساگر میں تمہارے لیے اسے لیتا تو تمہیں بھی دیتا کہ ہمیشہ تم اس سے کھاتے رہتے۔ اس طرح کہ اس سے جو دانہ تم کھالیتے وہاں فوراً دوسرا دانہ لگ جاتا جیسا کہ بہشت کے میووں کی خاصیت ہے۔ اور کھانے اور پھل اور تیل کا بڑھ جانا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے وقوع پذیر ہوا۔

۱۳۹۹ وَعَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِىَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِىَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مثل[۱] اور حضرت ام المومنین نے فرمایا کہ پھر سجدہ کیا تو دراز سجدہ[۲] کیا پھر فارغ ہوئے جب کہ آفتاب کھل چکا تھا پھر لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر فرمایا سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے انہیں گرہن نہیں لگتا۔ جب تم یہ دیکھو تو اللہ سے دعا کرو۔ تکبیریں کہو۔ نماز پڑھو اور خیرات کرو۔ پھر فرمایا اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اللہ سے زیادہ کوئی اس پر غیرت مند نہیں[۳] کہ اس کا غلام یا لونڈی زنا کرے۔ اے محمد مصطفیٰ کی امت رب کی قسم اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور روتے زیادہ[۴]۔

(مسلم بخاری)

[1] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابن عباس کی حدیث سے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے کہ آپ نے دراز سجدہ کیا۔ اور آپ نے خطبہ دعا تکبیر، نماز اور صدقہ کا مضمون زیادہ کیا۔ اور آگے آنے والا مضمون بھی زیادہ بیان کیا۔

[2] غیرت کا معنیٰ ہے کسی شخص کا اس بات کو ناپسند جاننا کہ کوئی دوسرا کسی ایسی چیز میں اس کے ساتھ شریک ہو جائے جو اس کا حق ہو۔ اور خدا تعالےٰ کے غیرت فرمانے سے مراد اللہ تعالےٰ کا اپنے امر و نہی میں مخالفت کو ناپسند جاننا ہے اور خدا تعالےٰ کی غیرت تمام نافرمانیوں میں ہوتی ہے۔ زنا کا ذکر تمثیل کے طور پر ہے اور اس کی تخصیص اس بنا پر ہے کہ اس میں زیادہ غیرت پائی جاتی ہے۔

[3] یعنی آخرت اور قیامت کے حالات اور خدا تعالےٰ کی صفات جلالیہ اور اس کے احکام قہریہ جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ

۱۴۰۰/۵ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَزِعًا یَخْشٰی اَنْ تَکُوْنَ السَّاعَۃُ فَاَتَی الْمَسْجِدَ فَصَلّٰی بِاَطْوَلِ قِیَامٍ وَّرُکُوْعٍ وَّسُجُوْدٍ مَا رَاَیْتُہٗ قَطُّ یَفْعَلُہٗ وَقَالَ ھٰذِہِ الْاٰیَاتُ الَّتِیْ یُرْسِلُ اللّٰہُ لَا تَکُوْنُ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنْ یُّخَوِّفُ اللّٰہُ بِھَا عِبَادَہٗ فَاِذَا رَاَیْتُمْ شَیْئًا مِّنْ ذٰلِکَ فَافْزَعُوْا اِلٰی ذِکْرِہٖ وَدُعَآئِہٖ وَاسْتِغْفَارِہٖ۔

مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں سورج گرہن ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر کھڑے ہوئے۔ آپ اس طرح ڈرے اور گھبرائے گویا کہ قیامت آگئی[1]۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے قیام، رکوع، اور سجدہ سے نماز پڑھی کہ میں نے اس کی مثل کبھی نہ دیکھا تھا اور فرمایا یہ نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ بھیجتا ہے وہ کسی کی موت اور زندگی کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان کے ساتھ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے[2]۔ تو جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ تعالےٰ کے ذکر اس کے حضور اور گناہوں کی معافی سے پناہ لو۔

(بخاری و مسلم)

---

[1] یہ راوی کی تخیل و تمثیل ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا کہ جب تک آپ لوگوں میں تشریف فرما ہیں۔ قیامت قائم نہ ہوگی۔ نیز وہ وعدے جو حق سبحانہ نے آپ کا ساتھ کیے ہوئے ہیں، ابھی تک پورے نہیں ہوئے۔

۲؎ کہ وہ اپنی قدرت سے حالت کے بدلنے، نعمت چھین لینے، عذاب نازل کرنے اور مصیبت و بلا مسلط کرنے پر (اعاذنا اللہ) قادر ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے

۳؎ لغت کی کتاب صراح میں ہے نَفزع۔ فا و زا کی زبر سے۔ ڈرنا اور پناہ ڈھونڈنا۔

۱۳۹۹ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ فِىْ عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِالنَّاسِ سِتَّ رَكَعَاتٍ بِاَرْبَعِ سَجَدَاتٍ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا جس دن حضرت ابراہیم[۱] بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے۔ تو آپ نے لوگوں کے ساتھ چھ[۲] رکوع چار سجدوں سے پڑھے۔[۳] (مسلم)

۱؎ آپ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے شکم اطہر سے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں ۸ھ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ اور سن دس ہجری میں شیر خوارگی کے عالم میں انتقال فرما گئے۔ لوگوں نے کہا یہ سورج گرہن انکی موت کی وجہ سے ہوا ہے۔

۲؎ یعنی ہر رکعت میں تین رکوع کیے۔ مگر دو رکعتوں میں سجدے چار ہی کیے۔ جیسا کہ مشہور اور معروف طریقہ نماز ہے۔

۳؎ اور ایک روایت میں اس طرح آیا ہے کہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ عاشورہ، یا دسویں ربیع الاول شریف کے دن فوت ہوئے۔ اس میں نجومیوں کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ گرہن نہیں ہوتا مگر مہینے کے آخری تین دنوں میں۔ اگرچہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور عاشورہ یا دس ربیع الاول کے دن گرہن خلاف عادت تھا۔ اور اگر نجومی لوگ یہ کہیں کہ مذکورہ تین دنوں کے علاوہ گرہن ہوتا ہی نہیں تو ان کا یہ قول بالکل باطل ہے۔ کیونکہ ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ بے شک اللہ تعالےٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۴۰۰ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ ثَمَانَ رَكَعَاتٍ فِىْ اَرْبَعِ سَجَدَاتٍ[۱] وَعَنْ عَلِيٍّ مِثْلُ ذٰلِكَ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ جب سورج گرہن ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکوع چار سجدوں کے ساتھ کیے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل روایت ہے۔[۲]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

[1] یعنی دو رکعتیں پڑھیں ہر رکعت میں چار رکوع کیے۔

[2] یعنی ان سے بھی ایسی ہی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح یہ نماز پڑھی۔ یا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ گرہن کے وقت اسی طرح نماز گرہن پڑھتے تھے۔

۱۴۰۳/۸ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كُنْتُ اَرْتَمِيْ بِاَسْهُمٍ لِّيْ بِالْمَدِيْنَةِ فِيْ حَيَاةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ كَسَفَتِ الشَّمْسُ فَنَبَذْتُهَا فَقُلْتُ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرَنَّ اِلٰى مَا حَدَثَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ كُسُوْفِ الشَّمْسِ قَالَ فَاَتَيْتُهٗ وَهُوَ قَائِمٌ فِي الصَّلٰوةِ رَافِعٌ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يُسَبِّحُ وَيُهَلِّلُ وَيُكَبِّرُ وَيَحْمَدُ وَيَدْعُوْا حَتّٰى حُسِرَ عَنْهَا فَلَمَّا حُسِرَ عَنْهَا قَرَءَ سُوْرَتَيْنِ وَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ فِيْ صَحِيْحِهٖ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ وَكَذَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ عَنْهُ وَفِيْ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ۔

حضرت عبدالرحمٰن[1] بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں مدینہ میں تیراندازی کیا کرتا تھا۔ کہ سورج گرہن ہوا میں نے تیر پھینک دیے اور کہا کہ رب کی قسم میں دیکھوں گا کہ سورج گرہن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا واقعہ پیش آیا ہے[2]۔ فرماتے ہیں۔ میں حضور اقدس کی خدمت میں آیا۔ حضور نماز میں ہاتھ اٹھائے کھڑے تھے اور آپ تسبیح، تہلیل، تکبیر۔ اور حمد کہہ رہے تھے اور دعا مانگ رہے تھے۔ یہاں تک کہ سورج سے گرہن کھل گیا جب گرہن کھل گیا تو آپ نے دو سورتیں پڑھیں اور دو رکعت نماز ادا کی[3]۔ مسلم نے اپنی صحیح میں عبدالرحمٰن بن سمرہ سے روایت کی۔ اسی طرح شرح سنۃ میں انہی سے اور مصابیح کے نسخوں میں حضرت جابر بن سمرہ سے[4]۔

---

[1] آپ عبدشمس بن عبدمناف کی اولاد سے ہیں۔ آپ کی کنیت ابوسعید عبشمی ہے۔ عبدشمس کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ ان کا پہلا نام عبدالکعبۃ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ آپ طلقاءِ مکہ میں سے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم سے آپ نے

سجستان اور کابل فتح کیا۔

؎۲ اور آپ اس وقت کس حال میں ہیں۔

؎۳ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے بیان کیا ہے اس کی صورت یہ تھی کہ آپ نے نماز کی نیت باندھی اور پہلی رکعت کا قیام لمبا اور دراز کیا۔ کہ اس میں تسبیح و تہلیل تکبیر و دعا کی۔ یہاں تک کہ گرہن ختم ہو گیا۔ اس کے بعد آپ نے قرآن پاک پڑھا اور رکوع و سجدہ کیا اس کے بعد دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے۔ اس میں بھی قرآن پاک پڑھا۔ رکوع اور سجدہ کیا۔ تشہد پڑھا اور سلام پھیرا۔ اسے سمجھو۔

؎۴ اگرچہ صاحب مصابیح صحابی کا ذکر کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ مگر یہاں آپ نے حضرت جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا۔ اور مولف رحمۃ اللہ (صاحب مشکوٰۃ) یہ حدیث عبدالرحمٰن بن سمرہ سے لائے اور اسکی تائید مسلم اور شرح سنۃ کی روایت سے کی کہ وہ بھی صاحب مصابیح سے ہے۔ پھر اپنی تائید و تاکید کے لیے رواہ مسلم فی صحیحہ کا لفظ بھی کہا۔ ورنہ فی صحیحہ کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

۱۴۰۴ وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ قَالَتْ لَقَدْ اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَاقَۃِ لہ فِیْ کُسُوْفِ الشَّمْسِ۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ البتہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

(بخاری)

لہ حدیث میں لفظ عَتاقہ عین کی زبر سے آیا ہے بمعنی اعتاق (آزاد کرنا)

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۴۰۵ عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ کُسُوْفٍ لَا نَسْمَعُ لَہٗ صَوْتًا۔

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ۔

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سورج گرہن کی نماز اس طرح پڑھائی کہ ہم آپ کی آواز نہ سنتے تھے لہ

(ترمذی۔ ابوداؤد۔ نسائی)
(ابن ماجہ)

[1] یعنی آپ نے پست آواز سے قرأت فرمائی۔ شیخ ابن حجر نے اپنی شرح میں کہا کہ شافعیہ کا مذہب سورج گرہن کی نماز میں اخفاء قرأت ہے۔ کیونکہ یہ دن کی نماز ہے۔ شیخ کا کلام ختم ہوا۔ اسی بنا پر شیخ موصوف نے حضرت عائشہ کی حدیث میں جو اس باب کی دوسری حدیث ہے۔ گرہن کو چاند گرہن پر محمول کیا جس میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خسوف میں جہری قرأت کی۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ آپ کے صاحبین کے نزدیک جہری قرأت ہے۔ اور امام محمد سے ایک روایت کے مطابق ان کا قول بھی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کی طرح ہے کیونکہ یہ نماز نوافل کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔ جیسا کہ گزرا۔

۱۴۰۴ وَعَنْ عِكْرِمَةَ قَالَ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَاتَتْ فُلَانَةُ بَعْضُ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخَرَّ سَاجِدًا فَقِيْلَ لَهُ تَسْجُدُ فِيْ هٰذِهِ السَّاعَةِ فَقَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَأَيْتُمْ اٰيَةً فَاسْجُدُوْا وَأَيُّ اٰيَةٍ أَعْظَمُ مِنْ ذَهَابِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت عکرمہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زوجہ[2] مطہرہ فوت ہو گئی ہیں۔ حضرت ابن عباس یہ سنتے ہی سجدے میں گر گئے۔ آپ سے کہا گیا کہ آپ اس گھڑی[3] میں سجدہ میں گر گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس وقت تم لوگ کوئی نشان[4] دیکھو تو سجدہ کرو۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے دنیا سے چلے جانے سے بڑھ کر کونسا نشان ہو سکتا ہے[5]۔

(ابوداؤد ترمذی)

[1] حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ فقہائے مکہ اور تابعین میں سے ہیں شعبی نے کہا میں نے ان سے بڑھ کر کتاب اللہ کا کوئی عالم نہیں دیکھا۔ ان کا اصل نسب بربر سے ہے۔

[2] اس سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا مراد ہیں۔

[3] یعنی سجدے کا کوئی سبب اور موجب موجود نہیں ہے۔ اور بے وجہ سجدہ کرنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ شرح الشیخ میں مذکور ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نماز کے لیے مکروہ وقت تھا۔ اعتراض کرنے والوں نے سجدہ کو بھی نماز پر قیاس کیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سجدہ سے نماز مراد ہو۔ جیسا کہ بعض علماء شکر کے دو سجدوں کی نماز سے تاویل کرتے ہیں۔ اسے سمجھو۔

[4] یعنی بلاؤں اور مصیبتوں کے نزول کا نشان۔ جن کے ساتھ اللہ تعالے اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ تو نیاز مندی۔ گناہوں کی معافی اور اس سے حصول مدد کے لیے اللہ کے حضور سجدے میں گر جاؤ۔

۵ یعنی ازواج مطہرات کا اس دنیا سے رحلت کر جانا بہت بڑا نشان عبرت و خوف ہے۔ کیونکہ ازواج مطہرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا شرف و فضل حاصل تھا نیز انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت اور آپ سے ربط و اختلاط کا وہ خاص شرف و کمال حاصل تھا جو صحابہ میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ تو ان کے رحلت کرنے سے برکت اور خیر کثیر بھی اس دنیا سے چلی جاتی ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ان کے چلے جانے پر وہ علم بھی چلا آیا جاتا ہے جو صرف انہیں ہی حاصل تھا۔ یعنی وہ علم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نجی اور گھر کے اندرونی حالات سے متعلق تھا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۴۰۰/۱۲ عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰى بِهِمْ فَقَرَاَ سُوْرَةً مِّنَ الطُّوَالِ وَرَكَعَ خَمْسَ رَكَعَاتٍ وَّسَجَدَ سَجْدَتَيْنِ ثُمَّ جَلَسَ كَمَا هُوَ مُسْتَقْبِلُ الْقِبْلَةِ يَدْعُوْا حَتّٰى انْجَلٰى كُسُوْفُهَا ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

تیسری فصل

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا۔ تو آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی۔ اور آپ نے پانچ رکوع اور دو سجدے کیے پھر آپ دوسری رکعت کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے اس میں بھی لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھی۔ پھر آپ نے پانچ رکوع اور دو سجدے کیے۔ پھر آپ نماز کی حالت پر قبلہ رو بیٹھ کر دعا میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ سورج کا گرہن زائل ہو گیا۔

(ابوداؤد)

لہ حدیث میں لفظ طوال آیا ہے طا کی پیش واو کی زبر۔ طولیٰ کی جمع۔ بر وزن طوبیٰ الطول کی مونث جیسا کہ قاموس میں ہے۔ بعض نسخوں میں طوال طا کی زیر سے آیا ہے۔ اس کی وجہ معلوم نہ ہو سکی۔

۱۴۰۱/۱۳ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ كَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ رَكْعَتَيْنِ وَيَسْاَلُ عَنْهَا حَتّٰى

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سورج گرہن ہوا تو آپ نے دو دو رکعت نماز پڑھنا شروع کی۔ آپ اس دوران اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے یہاں تک کہ گرہن دور ہو گیا۔

اِنْجَلَتِ الشَّمْسُ ۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ فِیْ رِوَایَةِ النَّسَائِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰی حِیْنَ انْکَسَفَتِ الشَّمْسُ مِثْلَ صَلٰوتِنَا یَرْکَعُ وَیَسْجُدُ وَلَهٗ اُخْرٰی اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمًا مُّسْتَعْجِلًا اِلَی الْمَسْجِدِ فَقَدِ انْکَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰی حَتّٰی انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِیَّةِ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِیْمٍ مِّنْ عُظَمَآءِ اَهْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِهٖ وَلٰکِنَّهُمَا خَلِیْقَتَانِ مِنْ خَلْقِهٖ یُحْدِثُ اللّٰهُ فِیْ خَلْقِهٖ مَا شَآءَ فَاَیُّهُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰی یَنْجَلِیَ اَوْ یُحْدِثَ اللّٰهُ اَمْرًا

(رَوَاهُ النَّسَائِیُّ)

اسے ابوداؤد نے روایت کیا اور نسائی کی روایت میں ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے۔ جب کہ سورج گرہن ہو چکا تھا تو آپ نے نماز پڑھی یہاں تک کہ سورج کھل گیا[1] پھر آپ نے فرمایا بیشک جاہلیت کے لوگ کہتے ہیں۔ کہ سورج اور چاند گرہن زدہ نہیں ہوتے مگر اہل زمین کے عظیم آدمیوں میں سے کسی عظیم آدمی کے مرنے پر۔ اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ سورج اور چاند کسی کی موت اور اس کی زندگی سے گہنے نہیں جاتے بلکہ یہ دونوں اللہ کی مخلوق میں سے مخلوق ہیں۔ اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے سامنے لاتا ہے۔ تو ان دونوں میں سے جو بھی گرہن کی زد میں آئے تو نماز پڑھو۔ یہاں تک کہ وہ کھل جائے۔ یا اللہ تعالےٰ کوئی اور چیز ظاہر کر دے[3]

(نسائی)

---

[1] یہ حنفیہ کی دلیل ہے۔ اس قسم کی بہت احادیث ہیں جنہیں شیخ ابن الہمام نے ذکر کیا ہے۔

[2] اس حدیث میں مطلق نماز کا ذکر ہے۔ بغیر دوسری خصوصیات (لمبا رکوع اور اس کا تکرار) کے۔

[3] یعنی عذاب یا قیامت برپا کر دے۔

بَابُ فِیْ سُجُوْدِ الشُّکْرِ

سجدہ شکر کا باب

وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الْاَوَّلِ وَ الثَّالِثِ۔

یہ باب فصل اول اور فصل ثالث سے خالی ہے۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ نماز کے باہر صرف سجدہ کرنا جائز اور مسنون اور قرب الٰہی کا موجب ہے یا نہیں بعض نے کہا یہ سجدہ بدعت و حرام ہے۔ شرع شریف میں اس کی کوئی اصل نہیں۔ اور اسی پر اس کی بھی بنا کرتے ہیں جو لوگ وتروں کے بعد دو سجدے کرتے ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ سجدہ کراہت کے ساتھ جائز و مشروع ہے۔ تفصیل کلام یہ ہے کہ نماز سے باہر سجدہ چند قسم پر ہے۔ ایک سجدہ سہو یہ نماز کے سجدہ کے حکم میں ہے۔ دوسرا سجدۂ تلاوت ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں۔ تیسرا بعد نماز سجدہ مناجات۔ اکثر علماء کا ظاہر کلام اس میں یہ ہے کہ یہ مکروہ ہے۔ چوتھا حصول نعمت اور دفع مصیبت پر سجدہ شکر۔ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سنت ہے۔ امام محمد کا قول بھی یہی ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث اور آثار وارد ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک یہ سجدہ مکروہ ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں بے حد و بے شمار ہیں۔ بندہ ان کے شکر کی ادائیگی سے عاجز ہے۔ اس لیے اس سجدے کا بطریق سنت و استحباب بندے کو مکلف کرنا تکلیف مالا یطاق تک پہنچانے کے مترادف ہے۔ لیکن وہ حضرات جو اس کے جواز کے قائل ہیں، کہتے ہیں کہ نعمتوں سے نئی نئی حاصل ہونے والی نعمتیں مراد ہیں۔ جو وقتاً فوقتاً انسان کو حاصل ہوتی ہیں۔ نہ کہ وہ نعمتیں جو دائماً اور ہمیشہ کے لیے انسان کو حاصل ہیں جیسے بندے کا وجود اور اس کے توابع اور لوازمات۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ جب آپ کو ابوجہل لعین کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے قتل پر سجدۂ شکر بجالائے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خارجی کے قتل پر سجدہ شکر کیا۔ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو جب غزوہ تبوک میں شامل نہ ہونے کی غلطی پر توبہ قبول ہونے کی بشارت ملی تو آپ سجدہ میں گر گئے۔ ان کا قصہ بہترین قصوں میں سے ہے شرح سفر السعادۃ میں ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سجدے کی ایک اور قسم بھی ہے۔ جسے سجدۂ تحیت کہتے ہیں۔ بعض فقہی روایات کے مطابق اس سجدے کی رخصت و اجازت ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۴۰۹۔ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَہٗ اَمْرٌ سُرُوْرًا اَوْ یُسَرُّ بِہٖ خَرَّ سَاجِدًا شَاکِرًا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔

(رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوبکرۃ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی ایسی چیز آتی جو آپ کے لیے خوشی اور مسرت کا موجب بنتی یا جس[2] سے آپ کو مسرور اور خوش کیا جاتا تو اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے لیے اس کے آگے سجدہ میں گر جاتے۔ اسے ترمذی ابوداؤد نے روایت کیا اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن غریب ہے۔

[1] ابوبکرۃ آخر میں تا۔ آپ مشہور صحابی ہیں۔ آپ ان کے حالات اور ان کے اس نام کی وجہ تسمیہ دوسرے مقامات میں لکھ دی گئی ہے۔

[2] یہ راوی کا شک ہے کہ حدیث میں سُرُوْرًا آیا ہے یا یُسَرُّ بصیغہ مضارع مجہول

۱۴۱۰ وَعَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَاٰی رَجُلًا مِّنَ النُّغَاشِیْنَ[1] فَخَرَّ سَاجِدًا۔

(رَوَاہُ الدَّارَ قُطْنِیُّ مُرْسَلًا وَفِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ لَفْظُ الْمَصَابِیْحِ)

حضرت ابوجعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقص الخلقۃ انسانوں میں سے ایک انسان دیکھا تو آپ سجدے میں گر گئے۔

اسے دارقطنی نے مرسلا روایت کیا اور شرح سنتہ میں یہ حدیث مصابیح[2] کے الفاظ سے مروی ہے۔

[1] حدیث میں لفظ نغاشین ہے۔ نغاش و نغاشی نون کی پیش غین نقطے والا مخفف بمعنی کوتاہ قد، ضعیف الحرکۃ اور ناقص الخلقہ انسان۔ اگر یہ لفظ یا کے بغیر ہے تو پھر نغاشین میں یا اور نون جمع کے لیے ہیں۔ اور اگر یا کے ساتھ نغاشی ہے تو پھر وہ یا حذف کر دی گئی ہے۔ بعض نسخوں میں نغاشین غین اور پہلی یا کی شد کے ساتھ ہے قاموس سے جو کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ یہ ہے کہ غین پر شد نہیں غین کے بعد یا کے ساتھ یا بغیر یا کے۔ یہ بات سنت میں سے ہے کہ جب کسی مصیبت یا مرض میں مبتلا انسان کو دیکھے تو خدا تعالےٰ سے عافیت مانگے اور یہ دعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاکَ بِہٖ۔ سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے عافیت بخشی اس سے جس میں تجھے مبتلا کیا۔ مگر جب کسی کو ظاہری بیماری یا بدصورتی میں مبتلا دیکھے تو یہ دعا آہستہ پڑھے کہ وہ نہ سن سکے تاکہ

وہ شکستہ دل نہ ہو۔ اور اگر کسی فاسق وفاجر کو دیکھے تو یہ دُعا بلند آواز سے پڑھے تاکہ وہ سنے اور توبہ کرے اور فسق وفجور سے باز آئے۔

۲ یعنی یہ حدیث کہ مصابیح کے لفظ سے مذکور ہے۔ شرح سنتہ میں روایت کی اور الفاظ کی مغائرت جو مذکور ہوئی، وہ موجود ہے۔

۱۳۱۱ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ۔ قَالَ[3] خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَکَّةَ نُرِیْدُ الْمَدِیْنَةَ فَلَمَّا کُنَّا قَرِیْبًا مِّنْ عَزْوَرَآءَ نَزَلَ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْهِ فَدَعَا اللّٰهَ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَکَثَ طَوِیْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا فَمَکَثَ طَوِیْلًا ثُمَّ قَامَ فَرَفَعَ یَدَیْهِ سَاعَةً ثُمَّ خَرَّ سَاجِدًا قَالَ اِنِّیْ سَاَلْتُ رَبِّیْ وَشَفَعْتُ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُکْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ ثُلُثَ اُمَّتِیْ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِرَبِّیْ شُکْرًا ثُمَّ رَفَعْتُ رَاْسِیْ فَسَاَلْتُ رَبِّیْ لِاُمَّتِیْ فَاَعْطَانِیْ الثُّلُثَ الْاٰخِرَ فَخَرَرْتُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ معظمہ سے چلے۔ اور مدینہ پاک جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ جب ہم لوگ عزوزاء[2] کے قریب پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُتر پڑے پھر آپ نے ہاتھ مبارک اٹھائے۔ ایک گھڑی اللہ تعالےٰ سے دعا مانگی۔ پھر سجدے میں گرے۔ اس میں بہت دیر ٹھہرے۔ پھر اُٹھے۔ تو ایک گھڑی اپنے دست مبارک اٹھائے رہے۔ پھر سجدے میں گرے۔ اس میں بہت دیر ٹھہرے۔ پھر اٹھے۔ ایک گھڑی اپنے ہاتھ اٹھائے پھر سجدہ میں گرے فرمایا[3] میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لیئے سوال کیا[4] اور شفاعت چاہی تو رب تعالےٰ نے مجھے تہائی امت عطا کر دی۔ میں رب کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اپنے رب سے اپنی امت کا سوال کیا اس نے مجھے تہائی امت عطا کر دی میں رب تعالیٰ کا شکر کرتے ہوئے سجدے میں گر گیا۔ پھر میں نے اپنا سر اٹھایا۔ اپنے رب سے اپنی امت کا سوال کیا تو اس نے مجھے آخری تہائی بھی دیدی۔ تو میں رب تعالیٰ کا شکر کرتا ہوا سجدے میں گر گیا[5] احمد۔ ابوداؤد۔

۱؎ آپ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

۲؎ عزوزا۔ عین مہملہ کی زبر پہلی زا ساکن واؤ اور زا ثانی کی زبر آخر میں الف ممدودہ یا مقصورہ یہ مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔ یعنی یہاں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ناقہ مبارک سے نیچے اترے۔

۳؎ ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام نے دریافت کیا ہوگا کہ یہ کام آپ نے کس لیے کیا ہے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے دریافت کرنے سے پہلے ہی فرمایا۔

۴؎ اور اپنی امت کی بخشش طلب کی۔

۵؎ الآخر۔ یہ لفظ خا کی زبر اور زیر دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

۶؎ تو تین بار سجدہ کرنے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کی وجہ یہ تھی۔ ؎

چہ غم دیوارِ امت را کہ باشد چوں تو پشتیبان
چہ باک از موجِ بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیبان

ترجمہ۔ دیوارِ امت کو کیا غم و فکر ہے (کوئی غم نہیں) جب کہ یا رسول اللہ آپ کے اس پشتیبان ہیں۔ سمندر کی موجوں سے اسے کیا خطرہ ہے جب کہ حضرت نوح علیہ السلام اس کے کشتیبان (ناخدا) ہوں۔

یہاں ایک اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ کبیرہ گناہوں پر سزا کے بارے میں بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں کہ کبائر کی بنا پر عاصیوں کو عذاب ہوگا۔ اور یہ عذاب ان واقع ہو کر رہے گا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس دعا اور شفاعت اور اعطاء سے خسف و مسخ (زمین میں دھنسنا شکلوں کا بگڑنا) وغیرہ مراد ہے۔ جس میں پہلی امتیں مبتلا ہوئیں۔ عذاب آخرت مراد نہیں۔ بعض نے کہا ہمیشہ کے لیے عذاب آخرت میں مبتلا نہ رہیں گے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا اثر انہیں پہنچے گا اور وہ آتش دوزخ سے باہر نکل آئیں گے۔

بَابُ صَلٰوۃِ الْاِسْتِسْقَآءِ

استسقاء کا بیان

لغت میں استسقاء کا معنی ہے پانی مانگنا۔ شرع شریف میں معنی ہے کیفیت مخصوصہ کے ساتھ خشک سالی میں بارش کیلیے نماز یا دعا اور سوال کرنا۔ اکثر آئمہ کے نزدیک استسقاء میں نماز سنت ہے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک استسقاء اس دعا و استغفار سوال اور تضرع و نیاز مندی کا نام ہے۔ جو [illegible] اللہ تعالےٰ کی جناب کریم رزاق و وہاب سے بارش

کے لیے کی جائے کہ نص قرآن کے مطابق استغفار نزول بارش کا سبب ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ استسقاء کے بارے میں اکثر احادیث جو آئی ہیں ان میں نماز کا ذکر نہیں ہے مگر صرف ایک جگہ ہیں۔ وہ بھی اپنی تمام خصوصیت کے ساتھ درجہ صحت کو نہیں پہنچی۔ اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش طلب کی اور اس میں دعا اور استغفار پر کفایت کی۔ نماز استسقاء نہ پڑھی۔ اگر اس کے لیے نماز مسنون ہوتی تو آپ نماز ترک نہ کرتے۔ بارش کی عام ضرورت اور زمانہ نبوت کے قریب ہونے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس نماز کا علم نہ ہونا بہت بعید بات ہے۔ اور علم ہونے تک باوجود حضرت عمر کا نماز نہ پڑھنا اس سے بھی بعید تر ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے لیے مجمع صحابہ کے درمیان دعا کی۔ صحابہ کرام کا ان کو نماز نہ پڑھنے پر تنبیہ نہ کرنا کوئی گنجائش نہیں رکھتا۔ علماء کرام نے حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اس قول لَا صَلٰوۃَ فِی الْاِسْتِسْقَاءِ۔ (استسقاء میں نماز نہیں) کی یہ تاویل کی ہے کہ اس میں جماعت خطبہ اور نماز والی دوسری خصوصیات سنت اور شرط نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی اس کے لیے اکیلے نماز پڑھے دعا کرے۔ سوال اور تضرع وزاری کرے استغفار کرے تو بہتر ہے اور استسقاء کے باب میں مروی احادیث اضطراب سے خالی نہیں ہیں اور بہت سے طرق اسناد جن میں خصوصیات اور کیفیات مذکور ہیں۔ ضعف سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ نے اس بارے میں خلاصہ اور مقصود اعلیٰ کو لیا ہے۔ (یقینی چیز کو اختیار کرتے ہوئے) اور امام ابو یوسف اور امام محمد اس باب میں دوسرے ائمہ کے موافق ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ امام محمد امام ابو حنیفہ کے ساتھ ہیں۔ اس دور میں حنفیہ کا فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ثابت ہو چکا ہے۔ اور اس بنا پر بھی کہ نماز استسقاء کی خصوصیت حضور علیہ السلام کے ساتھ نہ تھی۔ واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۳۱۲ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ[1] رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالنَّاسِ إِلَى الْمُصَلّٰى يَسْتَسْقِيْ فَصَلّٰى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ جَهَرَ فِيْهِمَا بِالْقِرَآءَةِ وَاسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ يَدْعُوْا وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَحَوَّلَ رِدَآءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ

پہلی فصل

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ باہر عیدگاہ میں استسقاء کے لیے تشریف لائے اور ان کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں۔ دونوں رکعتوں میں بلند آواز سے قرات کی۔ اور قبلہ رو ہو کر دعا کی اور اپنے دونوں ہاتھ مبارک خوب بلند کیے[2] اور قبلہ رو حالت میں اپنی چادر مبارک[3]

الْقِبْلَةَ ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

مبارک پھیری ۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیر انصاری رضی اللہ عنہ آپ مشہور صحابہ میں سے ہیں۔ ان کے ماں باپ اور بھائی بھی صحابی ہیں۔

۲؎ جیسا کہ دوسری آئندہ احادیث میں آ رہا ہے۔

۳؎ یعنی جو چادر آپ نے اس وقت پہن رکھی تھی۔ آپ نے یہ چادر اس طرح پھیری کہ اس کی دائیں جانب کو بائیں جانب کیا اور بائیں جانب کو دائیں جانب اس کے باہر کو اندر اور اندر کو باہر کیا۔ اس کی کیفیت یہ ہے کہ بندہ اپنے دائیں ہاتھ سے چادر کی بائیں جانب کے نیچے والے کنارے اور بائیں ہاتھ سے چادر کے دائیں جانب والے نیچے کے کنارے کو پکڑ کر اپنے دونوں ہاتھ پشت کے پیچھے ہی گھمائے۔ یہاں تک کہ اس نے دائیں ہاتھ سے چادر کا جو کنارہ پکڑا تھا وہ دائیں کندھے کے اوپر آ جائے اور جو کنارہ بائیں ہاتھ سے پکڑا تھا اسے بائیں کندھے کے اوپر لے آئے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ تغیر و تبدل بارش کی بندش اور تنگی کی حالت کو فراخی و کشادگی کی حالت سے بدلنے کے لیے نیک فالی کے ارادے سے کیا جاتا ہے۔ بعض نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق کیا تاکہ بارش کی بندش کی حالت تبدیل ہو جائے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قحط سالی کی حالت کی تبدیلی کے ارادے سے اپنے اجتہاد کے تحت ایسا کیا۔ صرف نیک نامی کے لیے ایسا نہ کیا۔ کیونکہ نیک نامی میں قصد و اختیار کا دخل نہیں ہوتا بلکہ نیک نامی اس کا نام ہے کہ خارج میں اتفاق سے کوئی چیز نظر آئے تو اس سے اچھی رائے دل میں قائم کر لی جائے۔ بظاہر یہ ہے کہ یہاں نیک نامی سے قائل کی مراد یہی معنیٰ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل کیا تاکہ ظاہراً بھی تغیر حال پر دلالت کرے اور اس کی علامت بنے۔ یا یہ کہ تفاول کے لیے بے اختیاری کی قید غیر مسلم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۱۳/۲ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِیْ شَیْءٍ مِّنْ دُعَآئِهٖ اِلَّا فِی الْاِسْتِسْقَآءِ فَاِنَّهٗ يَرْفَعُ حَتّٰى يُرٰى بَيَاضُ اِبْطَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی دعا میں اپنے دست مبارک نہ اٹھاتے مگر استسقاء میں۱؎۔ کہ اس میں آپ ہاتھ اتنے بلند کرتے کہ آپ کی دونوں بغلوں کی سفیدی نظر آتی۲؎۔

(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی استسقاء کی دعا میں آپ بہت زیادہ ہاتھ بلند کرتے۔ یہاں تک کہ سینہ سے بھی بلند کر لیتے۔

۲؎ یا تو اس وجہ سے آپ کی بغل مبارک کی سفیدی نظر آتی تھی کہ بغلوں پہ کپڑا نہ ہوتا تھا۔ یا آپ چادر مبارک اوڑھے

ہوتے تھے جہاں جگہ کو نہ چھپاتی تھی یا بغلوں کی سفیدی کی جگہ دیکھنا مراد ہے۔ جب کہ بدن شریف پر پیراہن موجود ہوتا تھا۔ اِبط ہمزہ کی زیر اور با ساکن یا ب کے نیچے بھی زیر۔ یعنی کندھوں کا نیچے کا حصہ علماء نے کہا ہے کہ واقعہ جس قدر مشکل تر اور قوی تر ہو۔ ہاتھ اتنے ہی بلند و بالاتر ہونے چاہئیں۔

۱۴۱۴ ۳ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَسْقٰی فَاَشَارَ بِظَهْرِ كَفَّیْهِ اِلَی السَّمَآءِ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش مانگی تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کی پشت سے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔[۱]
(مسلم)

[۱] برعکس اس کے جو مشہور و متعارف ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف کی جاتی ہیں۔ علماء نے کہا ہے جب کہ دعا ایسی چیز کی طلب و سوال کے لیے ہو جو نعمتوں کی جنس سے ہو تو مستحب ہے کہ ہاتھوں کی ہتھیلیاں آسمان کی طرف ہوں اور جب کہ فتنہ و بلا دفع کرنے اور اس سے رد کنے کے لیے ہو تو ہاتھوں کی پشتیں آسمان کی جانب کی جائیں۔ تاکہ فتنہ و بلا و مصیبت کی آگ بجھے اور حادثہ کا غلبہ اور اس کی قوت پست اور فرد ہو۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ بھی چادر کے بدلنے کی طرح حال میں تغیر و تبدل کی نیک فالی کے لیے ہے۔ اور مطلوب و مقصود کی طرف اشارہ ہے کہ بادلوں کے پیٹ زمین کی جانب ہو جائیں۔ اور اس چیز (پانی) کو نیچے گرا دیں۔ جو ان میں ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۱۵ ۴ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا رَاٰی الْمَطَرَ قَالَ اَللّٰهُمَّ صَیِّبًا نَافِعًا۔
(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب استسقاء کے بعد بارش کو دیکھتے تو فرماتے یا اللہ خوب برسنے والی اور نفع مند بارش برسا۔[۱]
(بخاری)

[۱] حدیث میں لفظ صیب آیا ہے صاد کی زیر اور یا مشدد۔ بعض نے یا کے بجائے با سے صبًّا روایت کیا یعنی بہانا۔

۱۴۱۶ ۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اَصَابَنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَطَرٌ قَالَ فَحَسَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے کہ بارش برسنا شروع ہو گئی۔ حضرت انس فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدن مبارک سے کپڑا ہٹا لیا۔[۱]

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَوْبَهٗ حَتّٰى اَصَابَهٗ مِنَ الْمَطَرِ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ صَنَعْتَ هٰذَا قَالَ لِاَنَّهٗ حَدِيْثُ[3] عَهْدٍ بِرَبِّهٖ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

یہاں تک کہ آپ کے جسم اقدس پر بارش پڑی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے[2] فرمایا اس لیے کہ یہ ابھی ابھی اپنے رب کے پاس سے آرہی ہے[3]۔

(مسلم)

۱؎ حدیث میں لفظ حسر آیا ہے جو حَسْر (حا کی زبر سین ساکن) سے نکلا ہے بمعنی بدن کے بعض حصہ سے کپڑا ہٹانا اور دور کرنا۔

۲؎ شاید کپڑا اٹھانے اور بارش کا پانی بدن پر گرانے میں کوئی حکمت ہے۔

۳؎ اور یہ ابھی ابھی عالم قدس سے آرہی ہے۔ اور اس کی طہارت و پاکیزگی اس عالم کثیف کی اجزاء سے آلودہ نہیں ہوئی۔ بیت

اے نفس خرم باد صبا
از بر یار آمدہ رحبا

اے باد صبا تو خوش رہ کہ تو ابھی ابھی یار کی آغوش کو چھوڑ کر آرہی ہے۔ تجھے مرحبا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے پسند کرنے اور اس سے خوش ہونے میں یہی حکمت تھی کہ یہ درگاہ عزت جل جلالہ سے ابھی ابھی نیچے اتر رہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

۱۴۱۷/۶ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمُصَلّٰى فَاسْتَسْقٰى وَحَوَّلَ رِدَاءَهٗ حِيْنَ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَةَ فَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْمَنَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ وَجَعَلَ عِطَافَهُ الْاَيْسَرَ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ دَعَا اللّٰهَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

دوسری فصل

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ کی طرف نکلے تو آپ نے بارش مانگی اور قبلہ رو ہو کر اپنی چادر مبارک کو پھیرا وہ اس طرح کہ اپنی چادر مبارک کو جانب راست سے پھیر کر اپنے بائیں کندھے پر ڈالا۔ اور چادر کے بائیں حصے کو پھیر کر دائیں کندھے پر ڈالا۔ پھر اللہ تعالےٰ سے دعا کی۔

(ابوداؤد)

[1] حدیث میں لفظ عطاف (عین کی زیر) آیا ہے جس کا معنی ہے چادر یہاں چادر کا کنارہ مراد ہے۔

۱۴۱۸ وَعَنْهُ اَنَّهٗ قَالَ اسْتَسْقٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ خَمِيْصَةٌ[1] لَّهٗ سَوْدَآءُ فَاَرَادَ اَنْ يَّاْخُذَ اَسْفَلَهَا فَيَجْعَلَهٗ اَعْلَاهَا فَلَمَّا ثَقُلَتْ قَلَّبَهَا[3] عَلٰى عَاتِقَيْهِ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش مانگی۔ اس وقت آپ کے اوپر سیاہ رنگ کا کمبل تھا تو آپ نے اس کے نیچے کے حصے کو پکڑنے کا ارادہ فرمایا تاکہ اسے بلند کریں[2]۔ جب آپ کو وہ بھاری محسوس ہوا تو آپ نے اسے کندھوں پر ہی بدل لیا۔

(احمد وابوداؤد)

[1] حدیث میں لفظ خمیصہ آیا ہے۔ خا کی زبر میم کی زیر۔ پشم وغیرہ کا بنایا چوکور کمبل۔ جس کے دونوں طرف نقش ونگار ہو۔ بعض نے کہا خمیصہ ریشم و پشم کے کپڑے کو کہتے ہیں۔

[2] جیسا کہ چادر اٹھانے کا معروف طریقہ ہے۔

[3] یہاں عربی لفظ قلبھا لام کی شد یا بغیر شد دونوں طرح روایت ہے۔

۱۴۱۹ وَعَنْ عُمَيْرٍ مَّوْلٰى اَبِی اللَّحْمِ[1] اَنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَسْقِیْ عِنْدَ اَحْجَارِ الزَّيْتِ قَرِيْبًا مِّنَ الزَّوْرَآءِ قَآئِمًا يَّدْعُوْا يَسْتَسْقِیْ رَافِعًا يَّدَيْهِ قِبَلَ وَجْهِهٖ لَا يُجَاوِزُ بِهِمَا رَاْسَهٗ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَرَوَى التِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَآئِیُّ نَحْوَهٗ)

حضرت عمیر مولیٰ ابی اللحم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام احجار الزیت میں زوراء[2] کے نزدیک اللہ سے بارش مانگتے دیکھا۔ آپ بحالت قیام بارش کی دعا مانگ رہے تھے آپ نے اپنے چہرہ انور تک اپنے ہاتھ بلند کر رکھے تھے۔ انہیں سر سے اونچا نہ کرتے تھے[3]۔

(ابوداؤد) ترمذی اور نسائی نے اس کی مثل روایت کی۔

[1] ابی اللحم قدماء صحابہ میں سے ایک مرد ہیں۔ جنگ بدر میں حاضر تھے۔ حنین کے دن شہید ہوئے۔ گوشت کھانے سے انکار کی وجہ سے ان کا نام ابی اللحم پڑ گیا۔ بعض نے کہا کہ یہ بزرگ زمانہ جاہلیت میں بتوں کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اس لیے ان کا یہ نام پڑ گیا۔ عمیر (عین کی پیش لام کی زبر) ان کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ یہ بھی صحابی ہیں۔ دونوں حضرات فتح خیبر میں موجود تھے۔ یہ عمیر مولیٰ ابی اللحم اس حدیث کی

روایت کرتے ہیں۔

ے۲ احجار الزیت۔ اس جگہ کا نام احجار الزیت اس وجہ سے پڑ گیا کہ وہاں ایسے سیاہ رنگ کے پتھر ہیں گویا ان پر روغن زیتون مل دیا گیا ہے۔

ے۳ زوراء (زای زبر اور واو ساکن) مدینہ منورہ کے بازار میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ان مواضع کا ذکر اذان جمعہ کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ے۴ جیسا کہ دعا میں عام متعارف اور مشہور ہے۔ اور کبھی آپ ہاتھ بلند کرنے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے سر سے بھی بلند کر لیتے تھے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ آپ نے سر تک ہاتھ بلند کیے سر سے اونچے نہ کیے تو اس میں بھی کسی قدر مبالغہ موجود ہے۔ کیونکہ دعا میں عام دستور یہ ہے کہ ہاتھ سینہ یا کندھے تک بلند کیے جاتے ہیں۔

۱۴۲۰/۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِىْ فِى الْاِسْتِسْقَاءِ مُتَبَذِّلًا مُتَوَاضِعًا مُتَخَشِّعًا مُتَضَرِّعًا.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ یعنی ے۱ طلب بارش کے لیے۔ اس وقت آپ کے لباس میں کوئی زیب و زینت نہ تھی ے۲۔ آپ پر اس وقت تواضع اور فروتنی و عاجزی طاری تھی ے۳۔ اور آپ گریہ و زاری کر رہے تھے۔

(ترمذی۔ ابو داؤد، نسائی و ابن ماجہ)

ے۱ چونکہ آپ کا باہر تشریف لانا حدیث میں مطلق تھا اس لیے راوی نے اس کی تفسیر کی کہ آپ استسقاء کیلیے باہر تشریف لائے۔

ے۲ حدیث میں متبذلًا کا لفظ آیا ہے کہ آپ نے لباس میں زینت و آرائش کو ترک کر رکھا تھا۔ عربی میں ثیاب بذلہ (ذال کی زیر سے) ان کپڑوں کو کہتے ہیں جو گھر کے کام کاج کے دنوں میں پہنے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے زیب و زینت درکار نہیں ہوتی۔ ان کپڑوں کو عربی میں ثوب مہنہ (میم کی زبر و زیر) بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ باب الجمعہ میں گزرا۔ کپڑوں میں یہ سادگی اور عام نوعیت آپ نے تواضع، اظہار غربت و مسکنت کے لیے اختیار کر رکھی تھی۔ جیسا کہ فرمایا متواضعًا الخ

ے۳ یاد رہے کہ تواضع اور تخشع دونوں لفظ قریب المعنیٰ ہیں۔ یہاں تواضع کو ظاہر حالت پر اور تخشع کو باطنی حالت پر حمل کرنا چاہیے۔

۱۴۲۱/۱ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ

حضرت عمرو بن شعیب سے وہ اپنے باپ اور دادا

عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اسْتَسْقٰى قَالَ اَللّٰهُمَّ اَسْقِ عِبَادَكَ وَبَهِيْمَتَكَ وَانْشُرْ رَحْمَتَكَ وَاَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْدَاؤدَ)

سے روایت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش طلب کرتے تو یوں کہتے اے اللہ اپنے بندوں اور چارپایوں کو پانی عطا فرما۔ اور اپنی رحمت بکھیر دے[1] اور اپنی مردہ زمین[2] کو زندگی عطا کر۔

(مالک، ابوداؤد)

[1] اور نباتات کو تر و تازہ کر، کھیتوں کو اُگا اور جانوروں کے لیے روزی پیدا فرما۔

[2] لفظ بلد شہر اور زمین کے معنیٰ میں آتا ہے۔

۱۴۲۲/۱۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوَاكِئُ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَآرٍّ عَاجِلًا غَيْرَ اٰجِلٍ قَالَ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ۔ (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ اٹھائے[1] ہوئے یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اے اللہ ہمیں ایسی بارش عطا فرما جو سیراب کرنے والی، نجات دینے والی ہو۔ نقصان دہ نہ ہو[3]، زمین سے فصل اُگانے والی ہو۔ نفع مند ہو نقصان پہنچانے والی نہ ہو۔ جلد آنے والی ہو دیر سے نہ آنے والی ہو۔ راوی کہتا ہے کہ (اس دعا کے ساتھ ہی) بارش نے لوگوں کو آلیا۔

(ابوداؤد)

[1] حدیث میں لفظ یواکی، ہمزہ سے آیا ہے۔ یعنی آپ نے ہاتھ مبارک بلند اور دراز کیے یہ توکّا بر عصا سے ماخوذ ہے یعنی لاٹھی پر ٹیک لگانا

[2] حدیث میں لفظ مغیث آیا ہے حقیقت میں تو مغیث (فریادرس و نجات دہندہ) اللہ تعالیٰ ہے۔ بارش کو اس لیے مغیث فرمایا کہ یہ فریادرسی اور نجات کا ذریعہ اور سبب ہے۔

[3] حدیث میں لفظ مریا (میم کی زبر یا ممدودہ کی زیر) یعنی گوارا اور غیر نقصان دہ۔ مریعا (میم کی زبر) معنیٰ ہے۔ زمین سے فصل اگانے والی۔ اور سال میں فراخی و کشادگی اور رزق لانے والی۔

[4] اصل میں لفظ فَاَطْبَقَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ آیا ہے۔ طَبَق (حرکتوں کے ساتھ) عام اور ہر طرف برسنے والی بارش کو کہتے ہیں۔ اور سماء سے بادل مراد ہیں اور اُطْبِقَتْ بلفظ مجہول بھی آیا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۴۲۳/۱۲ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ شَكَا النَّاسُ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُحُوْطَ الْمَطَرِ فَأَمَرَ بِمِنْبَرٍ فَوُضِعَ لَهُ فِي الْمُصَلّٰى وَوَعَدَ النَّاسَ يَوْمًا يَخْرُجُوْنَ فِيْهِ قَالَتْ عَائِشَةُ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَدَا حَاجِبُ الشَّمْسِ فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَكَبَّرَ وَحَمِدَ اللهَ ثُمَّ قَالَ إِنَّكُمْ شَكَوْتُمْ جَدْبَ دِيَارِكُمْ وَاسْتِيْخَارَ الْمَطَرِ عَنْ إِبَّانِ زَمَانِهِ عَنْكُمْ وَقَدْ أَمَرَكُمُ اللهُ أَنْ تَدْعُوْهُ وَوَعَدَكُمْ أَنْ يَسْتَجِيْبَ لَكُمْ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ اللهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ أَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا أَنْزَلْتَ لَنَا قُوَّةً وَبَلَاغًا إِلٰى حِيْنٍ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ فَلَمْ يَتْرُكِ الرَّفْعَ حَتّٰى بَدَا بَيَاضُ إِبْطَيْهِ ثُمَّ حَوَّلَ

تیسری فصل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بارش کے بند ہو جانے کی شکایت کی۔ آپ نے منبر رکھنے کا حکم دیا۔ تو آپ کے لیے عیدگاہ میں منبر رکھ دیا گیا اور آپ نے لوگوں کو اطلاع دی کہ فلاں دن گھروں سے باہر نکل کر آئیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت باہر تشریف لائے جب کہ سورج نکلنا شروع ہو گیا تھا آپ منبر شریف پر تشریف فرما ہوئے تکبیر کہی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی۔ پھر فرمایا تم نے اپنے گھروں اور زمینوں کے قحط زدہ ہوتے اور بارش کے اپنے مناسب وقت سے دیر کرنے کی شکایت کی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں دعا کرنے کا حکم دیا ہے اور تم سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تمہاری دعا قبول کرے گا۔ پھر آپ نے کہا سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جو رحمٰن و رحیم ہے۔ جزا کے دن کا مالک ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ کرتا ہے جو اس کا ارادہ ہوتا ہے۔ اے اللہ تو ہی اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ تو بے نیاز ہے ہم نیاز مند اور محتاج ہیں۔ ہم پر بارش نازل فرما اور جو تو نازل کرے اسے ہمارے لیے توانائی اور مدت دراز تک اپنے مطالب تک پہنچنے کا سبب

اِلَى النَّاسِ ظَهْرَهٗ وَقَلَّبَ اَوْحَوَّلَ رِدَآءَهٗ وَهُوَ رَافِعٌ يَدَيْهِ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَى النَّاسِ وَنَزَلَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَنْشَاَ اللّٰهُ سَحَابَةً فَرَعَدَتْ وَبَرِقَتْ ثُمَّ اَمْطَرَتْ بِاِذْنِ اللّٰهِ فَلَمْ يَاْتِ مَسْجِدَهٗ حَتّٰى سَالَتِ السُّيُوْلُ فَلَمَّا رَاٰى سُرْعَتَهُمْ اِلَى الْكِنِّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ.

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

ذریعہ[5] بنا۔ پھر آپ نے اپنے ہاتھ مبارک اٹھائے اور انہیں اٹھانا ترک نہ کیا[6] یہانتک کہ آپکی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی۔ پھر لوگوں کیطرف اپنی پشت کی اور اپنی چادر پلٹی[7] اس وقت بھی آپ نے ہاتھ اٹھا رکھے تھے پھر لوگوں کی جانب متوجہ ہوئے، منبر سے اترے اور دو رکعتیں پڑھیں تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل پیدا کر دیا جو اللہ کے حکم سے گرجا۔ چمکا[8] پھر برسا۔ آپ مسجد تک نہ آنے پائے تھے کہ ندی نالے[9] بھر پڑے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو پناہ گاہ کی[10] طرف دوڑتے دیکھا تو ہنس پڑے یہانتک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر[11] ہوگئے۔ پھر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

(ابوداؤد)

[1] جو کہ مدینہ منورہ سے باہر ہے۔

[2] یا جب کنارہ آفتاب نے نمودار ہونا شروع کر دیا۔ حدیث میں لفظ بَدَا الف و ہمزہ دونوں طرح مروی ہے۔ الف والی روایت زیادہ ظاہر ہے۔

[3] حدیث میں واقع لفظ دیار دار کی جمع ہے بمعنی سرائے۔

[4] حدیث پاک میں لفظ اِبَّان آیا ہے (ہمزہ کی زیر با مشدد) اس کا معنیٰ ہے ہر چیز کے لیے مناسب اور معین وقت۔

[5] یعنی تاکہ ہم کامل اور پورے طور پر اپنے مطالب و مقاصد تک پہنچ جائیں۔ اور ہمیں اس سے پورا فائدہ حاصل ہو جائے۔ بَلَاغ (با کی زبر) وہ چیز جس کے ذریعے انسان اپنے مطلوب و مقصود تک پہنچتا ہے۔

[6] یعنی آپ مسلسل ہاتھ بلند کرتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی ظاہر ہوگئی۔

[7] حدیث میں لفظ قَلَّبَ اور حَوَّلَ آیا ہے یہ راوی کا شک ہے کہ قلب کا لفظ فرمایا یا حَوَّلَ کا۔ معنی دونوں کا ایک ہے

[8] حدیث لفظ بَرَقَتْ را کی زبر اور زیر دونوں طرح مروی ہے۔

۹ے حدیث کا لفظ سیول سیل سے بنا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے پانی یا خون وغیرہ کا بہنا۔

۱۰ے حدیث میں لفظ کِن (کاف کی زیر اور نون مشدد) بمعنی زیر جامہ کپڑا اور وہ مکانات اور سکونت گاہیں جن سے گرمی و سردی سے بچتے ہیں۔ نَوَاجِذُہٗ ناجذہ کی جمع۔ پچھلے دانت۔ یہ ان چار دانتوں کا نام ہے جو سب دانتوں سے پیچھے ہوتے ہیں جنہیں عقل و سمجھ کی ڈاڑھیں کہتے ہیں کہ یہ بلوغت اور کمال عقل کے وقت اگتی ہیں۔ ہنسی کے وقت ان دانتوں کا نمایاں ہونا بہت بعید بات ہے۔ اسی لیے اسے علماء نے مبالغہ پر محمول کیا ہے۔ بعض نے اس سے مطلق دانت مراد لیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نواجذ کا اطلاق انیاب پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی ڈاڑھوں سے اگلے دانت۔ واللہ اعلم۔

۱۱ے جب کہ آپ نے بطریق معجزہ اس دعا کا اثر دیکھا۔

۱۴۲۴/۱۳ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ عُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا قُحِطُوا اسْتَسْقٰى بِالْعَبَّاسِ ابْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِيْنَا وَاِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَيُسْقَوْنَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش مانگتے اور یوں کہتے اے اللہ ہم لوگ تیرے حضور اپنے صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تھے تو تو ہم پر بارش برسایا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں۔ تو ہم پر بارش نازل فرما۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ لوگ بارش سے سیراب کر دیے جاتے۔ (بخاری)

۱۲ے حدیث میں یہاں لفظ فَتَسْقِیْنَا آیا ہے جو تا کی پیش اور زبر دونوں طرح مروی ہے معنیً دونوں کا ایک ہے۔ سقی اور اسقی دونوں لغات آتی ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکابر صحابہ کی موجودگی میں جو آپ کے ساتھ ہوتے تھے، حضرت عباس کو وسیلہ بناتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے خداوندا اس قوم نے تیرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے میرا وسیلہ پکڑا ہے۔ خداوندا اس میں مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ تو بارش برسنا شروع ہو جاتی۔

۱۴۲۶/۱۴ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَؓ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ خَرَجَ نَبِىٌّ مِّنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا۔ کہ نبیوں میں سے ایک نبی لوگوں

الْاَنْبِيَاءِ بِالنَّاسِ يَسْتَسْقِيْ فَاِذَا هُوَ بِنَمْلَةٍ رَافِعَةٍ بَعْضَ قَوَائِمِهَا اِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ ارْجِعُوْا فَقَدِ اسْتُجِيْبَ لَكُمْ مِنْ اَجْلِ هٰذِهِ النَّمْلَةِ. (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ)

کے ساتھ استسقاء کے لیے نکلا تو وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک چیونٹی اپنے کچھ[2] پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے ہے۔ فرمایا واپس لوٹ جاؤ تمہاری دعا اس چیونٹی کی وجہ سے قبول کر لی گئی ہے۔ (دار قطنی)

۱؎ علماء نے کہا ہے کہ اس سے حضرت سلیمان پیغمبر مراد ہیں۔ علیہ السلام

۲؎ کچھ پاؤں سے ظاہراً اس کے اگلے پاؤں مراد ہیں۔ جو اس کے ہاتھوں کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

بَابٌ فِی الرِّيَاحِ

ہواؤں کا باب

بعض نسخوں میں ترجمہ باب کی قید کے بغیر صرف لفظ باب آیا ہے۔ جیسا کہ مؤلف رحمۃ اللہ کی گزشتہ باب کے ملحقات اور متممات میں عادت ہے۔ بعض نسخوں میں باب الریح آیا ہے۔ یعنی باب ہوا کے بیان میں جو چلتی ہے۔ بعض نسخوں میں باب الریاح یعنی ہواؤں کا باب آیا ہے اور بعض نسخوں میں باب الریاح والسحب آیا ہے یعنی ہواؤں اور بادلوں کا باب۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

۱۴۲۷/۱ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُصِرْتُ بِالصَّبَا وَاُهْلِكَتْ عَادٌ بِالدَّبُوْرِ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مدد بادِ صبا سے کی گئی ہے اور قوم عاد دبور سے ہلاک کی گئی[1] (بخاری و مسلم)

۱؎ دَبور دال کی زبر۔ صبا وہ ہوا ہے کہ جب تو قبلہ رخ ہو تو تیری پشت کی طرف سے چلے۔ صبا کے مقابل ہوا کو دبور کہتے ہیں۔ بالفاظ دیگر جب کوئی شخص مطلع آفتاب کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو تو جو ہوا اس کے چہرے کے مقابل جانب سے آ رہی ہو اسے بادِ صبا اور جو پشت کی جانب سے آ رہی ہوا سے دبور کہتے ہیں اور اس حالت میں جو دائیں

جانب سے آرہی ہو اسے باد جنوب اور جو بائیں ہاتھ کی جانب سے آرہی ہو اسے بادِ شمال کہتے ہیں۔ مشہور یہی ہے۔ قاموس میں کہا باد صبا وہ ہے جو مطلع ثریا یا بنات النعش کی طرف سے آئے۔ اور دبور صبا کے مقابل ہوا۔ ان دونوں تفسیروں میں فرق ہے۔ کیونکہ پہلی تفسیر مکمل طور پر مشرق و مغرب کو شامل ہے۔ دوسری تفسیر اس کی ایک طرف کو شامل ہے باد صبا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد خندق کے دن ہوئی جسے غزوہ احزاب کہتے ہیں۔ جیسا کہ کتب سیر میں مذکور ہے قرآن مجید بھی اس کا ناطق ہے اور باد صرصر سے قوم عاد کی ہلاکت کا قصہ مشہور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یا تو باد صبا کی دبور پر ترجیح و فضیلت ظاہر کرنا مراد ہے۔ یا یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ ہوا امر الٰہی کے تابع ہے کبھی ایک قوم کی امداد کے لیے چلتی ہے۔ اور کبھی کسی گروہ کو ہلاک کرنے کے لیے۔

١٤٢٨/٢ وعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَاحِكًا حَتّٰى اَرٰى مِنْهُ لَهَوَاتِهٖ[1] اِنَّمَا كَانَ يَتَبَسَّمُ فَكَانَ اِذَا رَاٰى غَيْمًا اَوْ رِيْحًا عُرِفَ فِيْ وَجْهِهٖ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس حد تک ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے جبڑے دیکھ لیتی آپ تو صرف تبسم فرمایا کرتے تھے[2] جب آپ بادل یا ہوا دیکھتے تو فکر مند ہو جاتے جس کا اثر آپ کے چہرے سے محسوس ہوتا تھا[3]۔

(بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ لہوات آیا ہے۔ لام کی زبر اور ہا۔ لہاۃ کی جمع بمعنیٰ وہ بڑھا ہوا گوشت جو منہ کے تالو کے آخر میں ہوتا ہے۔ بعض نے کہا لہاۃ وہ گوشت ہے جو زبان کی جڑ سے حلق کے آخر تک ہوتا ہے۔ بعض نے کہا لہاۃ منہ کی گہرائی کو کہتے ہیں۔ صراح میں کہا لہاۃ کا معنیٰ تالو ہے۔

[2] قاموس میں کہا تبسم معمولی قسم کے ہنسنے کو کہتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ دانتوں کی سفیدی ظاہر کرنے کا نام تبسم ہے صراح میں کہا دانت میٹھے کرنے کا نام تبسم ہے۔

[3] اس اندیشے کے تحت کہ لوگوں کو کوئی مصیبت اور نقصان نہ پہنچے۔ مقصد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ جلال حق کے شہود سے خائف اور غمناک رہتے تھے۔ کسی وقت بھی بے غم اور فارغ نہ ہوتے تھے۔ جب بادلوں کو دیکھتے تو زیادہ غمناک اور زیادہ فکر مند ہوتے۔

١٤٢٥/٣ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّيْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْاَلُكَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ جب تیز آندھی چلتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ میں تجھ سے اس ہوا کی

خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَ أَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهٖ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهٗ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا مَطَرَتْ سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذٰلِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهٗ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيَقُوْلُ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ رَحْمَةً. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

خیر مانگتا ہوں اور جو کچھ اس میں اسکی خیر طلب کرتا ہوں اور جس کیلیے تو نے اسکو بھیجا ہے اسکی خیر مانگتا ہوں[1]۔ اور میں تیرے پاس اسکے شر سے پناہ لیتا ہوں۔ اور جو کچھ اس میں ہے اس سے پناہ لیتا ہوں اور جس کیلیے تو نے اسے بھیجا[2] اس کے شر سے پناہ لیتا ہوں اور جب آسمان پر بادل[3] نمودار ہوتا تو آپ کا رنگ بدل جاتا اور آپ باہر نکلتے اور اندر جاتے۔ آگے ہوتے اور پیچھے ہوتے جب بادل برس جاتا اور خیر و عافیت سے گزر جاتا تو آپ کے چہرے سے خوف زائل ہو جاتا[4]۔ حضرت عائشہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوف کی اس کیفیت کو محسوس کیا تھا[5] اسکی وجہ دریافت کی فرمایا اے عائشہ شاید اسی طرح نہ ہو جس طرح قوم عاد نے کہا تھا[6]۔ اور ایک روایت ہے کہ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جب آپ بارش کو دیکھتے تو فرماتے خداوندا اس بارش کو رحمت[7] بنا۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی میں اس کے اچھے آثار و منافع کی تجھ سے درخواست کرتا ہوں۔

[2] حدیث میں لفظ اُرسِلَتْ بصیغہ ماضی مجہول ہے۔ بصیغہ مخاطب معلوم بھی ایک روایت ہے۔

[3] حدیث میں لفظ تخیلت آیا ہے۔ عربی زبان میں متخیلہ بارش والے بادل کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس سے بارش کے برسنے کا خیال و گمان ہوتا ہے۔

[4] اصل میں لفظ سُرِّیَ بلفظ مجہول آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کہ آپ سے خوف و ڈر دور کر دیا جاتا۔ یہ لفظ را مخفف اور مشدد دونوں طرح روایت ہے۔ تشدید کی صورت میں مبالغہ کے لیے ہوگا۔ یعنی آپ سے مکمل طور پر خوف دور ہو جاتا۔

[5] یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے محسوس کیا کہ ابر و باران دیکھنے کے وقت آپ کی حالت بدل جاتی ہے۔ اور جب وہ بخیر و خوبی گزر جاتا ہے تو آپ خوشحال ہو جاتے ہیں۔ آپ نے حضور سے اس کی وجہ دریافت کی۔

[6] اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ ابر و باد اسی کی مثل نہ ہو جو قوم عاد کے ایک گروہ نے کہا تھا جس کے حال کا ذکر خدا تعالٰے نے اس آیت میں کیا ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْہُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ

اَوْدِیَتِھِمْ قَالُوْا ھٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا۔ تو جب بھی قوم ہود جس کا نام عاد تھا، بادل کو دیکھتی جو کنارۂ آسمان پر نمودار ہوتا تو کہتے یہ وہ بادل ہے جو ہمارے لیے بارش برسانے والا ہے۔ اس آیت کا آخر یہ ہے۔ بَلْ ھُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ رِیْحٌ فِیْھَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ یہ بارش برسانے والا بادل نہیں۔ بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کی طلب میں تم جلدی کر رہے تھے۔ اس میں دردناک عذاب ہے۔

ے اس معنیٰ کے مطابق حدیث میں واقع لفظ رحمۃ پر زبر ہوگی۔ یا معنیٰ یہ ہے جب آپ بادل کو دیکھتے تو ڈر جاتے اور جب اس کے بعد اس سے بارش برستی تو فرماتے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے رحمت ہے۔ اس معنیٰ کی رو سے لفظ رحمۃ پر پیش ہوگی۔

۱۴۳۰/۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَءَ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ الْاٰيَةَ۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غیب کی چابیاں پانچ چیزیں ہیں[1]۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی[2] اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ بے شک اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت۔ اور وہ بارش اتارتا ہے۔ الآیۃ۔ (بخاری)

لے غیب کے خزانے پانچ چیزیں ہیں۔ خدا کے سوا انہیں کوئی نہیں جانتا۔ علماء فرماتے ہیں۔ لفظ مفاتیح مفتح (میم کی زبر) کی جمع ہے۔ بمعنیٰ مخزن۔ مفاتیح بھی ایک روایت ہے مفتاح کی جمع۔ بمعنیٰ چابی۔ یعنی وہ علوم جن کے ساتھ غیبی علوم کی جانب چلا جا سکتا ہے۔ طیبی نے کہا مفاتیح و مفاتح دونوں مفتح اور مفتاح کی جمع آتے ہیں۔

۲ے یعنی پھر آپ نے ان پانچ علوم کے بیان کے لیے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ اِلٰی آخِرِھَا۔

۱۴۳۱/۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَتِ السَّنَةُ بِاَنْ لَّا تُمْطَرُوْا وَلٰكِنِ السَّنَةُ اَنْ تُمْطَرُوْا وَتُمْطَرُوْا وَلَا تُنْبِتُ الْاَرْضُ شَيْئًا۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قحط سالی اس کا نام نہیں کہ بارش نہ ہو۔ بلکہ یہ بھی قحط سالی میں سے ہے کہ تم پر بارش تو برسے مگر زمین کچھ نہ اگائے[1] (مسلم)

لے یعنی یہ گمان نہ کرو کہ رزق، برکت اور زمین سے فصلیں اگنا بارش کی وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ حق تعالیٰ

اور اس کی قدرت سے بعید ممکن ہے کہ بارش ہو مگر زمین سے کچھ نہ اُگے اور قحط چھا جائے۔ ؎

نیارد ہوا تا نگوئی ببار   زمین ناورد تا نہ نگوئی بیار

ہوا بارش نہیں برسا سکتی جب تک کہ تو اسے برسانے کی اجازت نہ دے اور زمین اس وقت تک کچھ نہیں اُگاتی جب تک کہ تو اسے اگانے کا حکم نہ دے۔

سَنَۃٌ بمعنیٰ سال۔ پھر اس کا غالب استعمال قحط سالی کے لیے ہونے لگا۔ اس حدیث میں یہی معنیٰ مراد ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۴۳۲ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الرِّیْحُ مِنْ رَّوْحِ اللهِ تَاْتِیْ بِالرَّحْمَةِ وَبِالْعَذَابِ فَلَا تَسُبُّوْهَا وَسَلُوا اللهَ مِنْ خَیْرِهَا وَعُوْذُوْا بِهٖ مِنْ شَرِّهَا. (رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ وَاَبُوْ دَاؤدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الدَّعْوَاتِ الْکَبِیْرِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہوا رحمت الٰہی میں سے ہے[1] کبھی یہ رحمت لاتی ہے اور کبھی عذاب۔ تو اسے گالی نہ دو[2]۔ اور اللہ سے اس کی بھلائی مانگو۔ اور اس کے شر سے خدا کے پاس پناہ لو[3]۔

(شافعی، ابو داؤد)

(ابن ماجہ اور بیہقی اور دعوات کبیر میں)

[1] یعنی غالب اور اکثر یہ ہوا رحمت الٰہی سے کر آتی ہے اور کفار پر عذاب بھی ایمان والوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔ یا یہ مراد ہے کہ ہوا ایک قوم کے لیے رحمت ہوتی ہے۔ اور دوسری قوم کے لیے عذاب۔ اس حدیث کے الفاظ میں حذف اختصار ہے۔ یعنی من روح اللہ ومن عذابہ۔ جیسا کہ فرمایا تاتی بالرحمۃ وبالعذاب۔

[2] یعنی جب کہ ہوا اللہ کی قدرت اور اس کے ارادے کے تحت چلتی ہے تو اسے گالی نہ دو۔

[3] یعنی بندے کو چاہیے کہ قضاء و قدر الٰہی پر راضی رہے۔ اگر یہ وہ قضاء و قدر اس کے لیے بظاہر بری اور تکلیف کا باعث بنی ہوئی ہو۔ لیکن بندہ اللہ تعالیٰ سے نیکی مانگتا رہے۔ آگے حاکم مختار تو اللہ تعالیٰ ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔

۱۴۳۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ رَجُلًا لَعَنَ الرِّیْحَ عِنْدَ النَّبِیِّ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا تَلْعَنُوا الرِّيْحَ فَاِنَّهَا مَامُوْرَةٌ وَاِنَّهٗ مَنْ لَعَنَ شَيْئًا لَيْسَ لَهٗ بِاَهْلٍ رَجَعَتِ اللَّعْنَةُ عَلَيْهِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

ہوا کو گالی دی[1] تو آپ نے فرمایا ہوا پر لعنت نہ کرو۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتی ہے (لہٰذا اس پر لعنت کرنا جائز نہیں) اور واقعہ یہ ہے جس نے ایسی چیز پر لعنت کی جو لعنت کی مستحق نہ ہو تو وہ لعنت اسی پر لوٹ کر آتی ہے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۴۳۴/۸ وَعَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الرِّيْحَ فَاِذَا رَاَيْتُمْ مَا تَكْرَهُوْنَ فَقُوْلُوا اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَ خَيْرِ مَا فِيْهَا وَخَيْرِ مَا اُمِرَتْ بِهٖ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا کو گالی نہ دو۔ جب تم ایسی چیز دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو یوں کہو۔ اے اللہ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں۔ اور اسکی بھلائی مانگتے ہیں جو اس میں ہے اور اس کی خیر و بھلائی طلب مانگتے ہیں جس کے لیے اسے حکم دیا گیا ہے۔ اور ہم تیرے پاس اس ہوا کے شر سے پناہ مانگتے ہیں اور اسکے شر سے بھی جو اس میں ہے اور اس کے شر سے جس کے لیے اسے بھیجا گیا ہے (ترمذی)

۱۴۳۵/۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ مَا هَبَّتْ رِيْحٌ قَطُّ اِلَّا جَثَا النَّبِيُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی رُكْبَتَيْهِ وَقَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رَحْمَةً وَّلَا تَجْعَلْهَا عَذَابًا اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهَا رِيَاحًا وَلَا تَجْعَلْهَا رِيْحًا قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کبھی ہوا نہ چلتی مگر یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے اور یہ دعا کرتے اے اللہ اسے ہمارے لیے رحمت بنا۔ عذاب نہ بنا۔ اے اللہ اسے یاد رحمت بنا۔ عذاب کی آندھی نہ بنا۔ حضرت ابن عباس نے کہا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا۔ یعنی ہم نے ان پر سخت آندھی مسلط کی

---

[1] یعنی جس نے ہوا پر لعنت کی، اس سے نفرت کا اظہار کیا۔ اسے برا کہا اور گالی دی۔ اور اس سے کراہت و بیزاری کی۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا وَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ وَ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَحَ لَوَاقِحَ وَ أَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ.
(رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي الدَّعْوَاتِ الْكَبِيْرِ)

وَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ۔ یعنی ہم نے ان پر بانجھ ہوا مسلط کی۔ جو درختوں کو پھل دار نہ ہونے دیتی تھی۔ وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ اور ہم ایسی ہوائیں بھیجتے ہیں جو درختوں کو پھلدار کر دیتی ہیں۔ وَأَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ۔ خدائی نشانات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ہواؤں کو بارش کی بشارت دینے والی بنا کر بھیجتا ہے[۱]۔ (امام شافعی، بیہقی نے دعوات کبیر میں روایت کیا۔

۱۴۳۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَبْصَرَ نَاشِئًا مِنَ السَّمَاءِ تَعْنِي السَّحَابَ تَرَكَ عَمَلَهُ وَاسْتَقْبَلَهُ وَقَالَ اللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنْ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمان میں بادل دیکھتے تو کام کاج چھوڑ کر دیتے۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ میں تیرے پاس اس چیز کے شر سے پناہ لیتا ہوں۔ جو اس میں ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ

---

[۱] واضح ہو کہ مشہور یہ ہے کہ ریح بصیغہ مفرد عذاب میں استعمال ہوتی ہے جس طرح کہ پہلی روایت میں آیا۔ اور لفظ ریاح بلفظ جمع رحمت کی ہوا کے لیے ہے۔ وہ دعا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اسی پر مبنی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول کو جو مذکور ہوا۔ اس کی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ خطابی نے اس کی توجیہ میں کہا کہ ہوائیں جب زیادہ تعداد میں ہوتی ہیں۔ تو وہ بادلوں کو اٹھاتی ہیں جن سے خوب بارشیں ہوتی ہیں۔ اور جب ایک بار ہی چلتی ہے تو وہ بانجھ ہوتی ہے۔ عربوں کا اعتقاد ایسا ہی ہے۔ مگر ابو جعفر طحاوی نے اس کا انکار کیا ہے اور اپنی تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول پیش کیا وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ ان کی کشتیوں کو طیب و خوش گوار ہوا چلاتی ہے۔ اور اسے بھی تائید میں پیش کیا جو بعض احادیث میں صیغہ مفرد (ریح) خیر و شر دونوں کے لیے آیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث میں گزرا۔ الرِّيْحُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ تَأْتِيْ بِالرَّحْمَةِ وَالْعَذَابِ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول مبارک بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ خَيْرِ هٰذِهِ الرِّيْحِ وَخَيْرِ مَا فِيْهَا۔ اسی طرح حضرت عائشہ کی حدیث جو مذکور ہوئی۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث جو حضرت ابن عباس سے مذکور ہوئی، ضعیف ہے۔ صحیح احادیث کے مقابلہ میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا کہ اکثر و بیشتر یہ ہے کہ جب ریح و ریاح مطلق بلا قید واقع ہو تو اس کا یہی حکم ہے۔ بخلاف جب کہ کسی وصف کے ساتھ مقید ہو کر آئے۔ یہاں کافی گفتگو کی گئی ہے جو شرح میں مذکور ہے۔

شَرِّ مَا فِیْهِ فَاِنْ كَشَفَهٗ حَمِدَ اللّٰهَ وَاِنْ مَّطَرَتْ قَالَ اللّٰهُمَّ سَقْيًا نَّافِعًا.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَ اللَّفْظُ لَهٗ)

اس بادل کو اٹھا لیتا تو آپ اس کی حمد وثنا کرتے اور اگر اس سے بارش ہوتی تو یوں دعا کرتے۔ خداوندا ہمیں سودمند بارش عطا فرما۔

ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ وشافعی اور الفاظ شافعی کی روایت کے ہیں۔

۱؎ حدیث میں لفظ ناشی آیا ہے۔ یعنی بادل۔ اسے ناشی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ آسمان وزمین کے درمیان ظاہر ہوتا ہے۔ صراح میں کہا ناشی بادل کا وہ حصہ ہے جو سب سے پہلے نمودار ہو۔

۲؎ حدیث میں لفظ سَقْيًا آیا ہے۔ (سین کی زبر قاف ساکن آخر میں نون تنوین) یعنی پانی پلانا۔ سقیا سین کی پیش اور بے تنوین بھی ایک روایت ہے اور وہ استسقاء کا نام ہے۔ یعنی پانی پینا۔

۱۴۳۶ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا سَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ وَالصَّوَاعِقِ قَالَ اللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَ لَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب گرج اور بجلیوں کی آواز سنتے تو کہتے۔ اے اللہ ہمیں اپنے غضب سے قتل نہ کرنا۔ اور ہمیں اپنے عذاب سے ہلاک نہ کرنا۔ اور اس سے پہلے عافیت وسلامتی عطا فرما۔

(ترمذی۔ احمد۔)

اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۴۳۷/۱۲ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ الزُّبَيْرِؓ اَنَّهٗ كَانَ اِذَا سَمِعَ الرَّعْدَ تَرَكَ الْحَدِيْثَ وَقَالَ سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بے شک جب آپ گرج کی آواز سنتے تو بات چیت ترک کر دیتے اور کہتے سُبْحَانَ الَّذِيْ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ۔ پاک ہے وہ ذات جس کی

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

پاکی یاد کرتا ہے۔ رعد[1] اس کی حمد و ثنا کی صورت میں۔ اور فرشتے اس سے ڈر کر۔

(مالک)

---

[1] رعد کا معنیٰ اگر آواز ہے تو پھر تسبیح کی اس کی طرف نسبت مجازی ہوگی۔ کیونکہ جب اس کے ساتھ تسبیح کی گئی تو گویا خود اس آواز نے تسبیح کی۔ اور اگر رعد فرشتہ کا نام ہے۔ تو پھر یہ نسبت حقیقی ہے۔ واللہ اعلم۔

◆

کِتَابُ الْجَنَائِز

جنائز کی کتاب

جنائز جنازہ (جیم کی زبر. و زیر) کی جمع ہے۔ وہ تختہ جس پر مردہ کو رکھتے ہیں۔ جس تختہ پر مردہ نہ ہو اسے نعش و سریر کہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب صراح میں ہے۔ نہایہ میں کہا۔ جنازہ جیم کی زبر و زیر سے بمعنیٰ وہ میت جو تختہ پر پڑی ہو بعض کہتے ہیں۔ زیر سے بمعنیٰ تختہ اور زبر سے بمعنیٰ میت۔ اس کے برعکس بھی کہا گیا ہے۔ یہ جنز بمعنیٰ ستر سے مشتق ہے

بَابُ عِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ وَثَوَابِ الْمَرَضِ

مریض کی بیمار پرسی اور مرض کا ثواب

عیادت و عیاد عین کی زبر سے۔ بیمار پرسی کرنا عیادۃ عین کی پیش سے بھی آیا ہے۔ عود سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ لوٹنا اور رجوع کرنا۔ بیمار پرسی کرنے والا بیمار کی طرف گاہ بگاہ آتا اور رجوع کرتا ہے اس لیے یہ لفظ اس معنیٰ کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔ لفظ عود بھی عیادت کے لیے آتا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۴۳۸/۱ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوا الْعَانِیَ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

پہلی فصل

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بھوکے کو کھانا کھلاؤ[۱]۔ بیمار کی بیمار پرسی کرو[۲] اور بے گناہ قیدی کو نجات دلاؤ[۳]۔

(بخاری)

[1] بھوکے کو کھانا کھلانا سنت ہے۔ اگر وہ حد اضطرار تک نہ پہنچا ہو۔ اور اگر حد اضطرار تک پہنچ چکا ہو تو پھر اسے کھانا کھلانا فرض ہے۔ اور فرض کفایہ ہے اگر دونوں میں سے کوئی صورت متعین نہ ہو۔ اور اگر اضطرار کی صورت متعین ہو تو پھر کھانا کھلانا فرض عین ہو جاتا ہے۔

[2] بیمار کی بیمار پرسی بھی سنت ہے۔ اگر کسی عادی بیماری میں مبتلا ہو۔ اور اگر عادی بیماری میں مبتلا نہ ہو بلکہ اچانک کوئی غیر عادی بیماری لاحق ہو جائے تو اس کی بیمار پرسی واجب ہے۔ لفظ عُودُوا (عین کی پیش اور واو ساکن)

[3] یا حاکم وقت نے جس کے سر بہا کے فدیہ کا حکم دیا ہے۔ لفظ فُکُّوا فا کی پیش کاف مشدد فکٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ دو چیزوں کو ایک دوسرے سے الگ اور جدا کرنا۔

۱۴۳۹/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَاِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب[1] دینا۔ مریض کی بیمار پرسی[2]۔ جنازوں کے ساتھ جانا[3]۔ دعوت قبول کرنا[4]۔ اور چھینک والے کی چھینک کا جواب دینا[5]۔

(بخاری ومسلم)

[1] کیونکہ سلام کا جواب بھی حقوق اسلام میں سے ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ جواب سلام کے ذکر کی تخصیص اس بنا پر کی کہ یہ فرض کفایہ ہے۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیمار پرسی اسلام کا حق ہے۔ بیمار سے صحبت ومجلس کا حق نہیں۔ بعض کتابوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ حق صحبت ہے۔ اسی لیے جامع الاصول میں باب العیادہ کو حق صحبت میں بیان کیا گیا۔ امام حجۃ الاسلام (غزالی) رحمۃ اللہ نے اسے حقوق اسلام میں شامل کیا۔ قول اول درست نہیں۔ یعنی سلام کے جواب کو حق صحبت قرار دینا کیونکہ عہد نبوت میں صحابہ کرام ایک دوسرے کے ساتھی اور ہم مجلس تھے۔

[3] جنازے کے پیچھے ساتھ ساتھ چلنا اور نماز جنازہ پڑھنا بھی اس میں داخل اور فرض کفایہ ہے۔ اس کے پیچھے اور ساتھ ساتھ چلنے کا ذکر اہتمام اور اظہار اہمیت کے لیے ہے۔ اور اس جانب اشارہ کے لیے ہے کہ نماز جنازہ کے بعد وہاں کچھ دیر کے لیے رکے اور گنجائش کی حد تک اس کے ہاتھ بہے۔ میت کو دفن کرنے تک وہاں رکنا افضل ہے۔

[4] یعنی دعوت طعام قبول کرنا اگر وہاں کوئی بدعت کھیل کود اور خلاف شرع بات نہ ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ نے

زیادہ کھانا جو مفاخرت اپنے آپ کو اونچا دکھانے اور نام وری کے لیے بنایا گیا ہو۔ اس کی دعوت قبول کرنا بھی منع ہے سلف صالحین ایسی دعوت میں شمولیت کو مکروہ جانتے تھے۔

۵۵ مسلمان پر مسلمان کا پانچواں حق چھینک مارنے والے لیے یرحمک اللہ کے لفظ سے دعا کرنا ہے۔ بشرطیکہ چھینک والے نے الحمد للہ کہا ہو۔ لفظ تشمیت شین سے یا سین سے ہے۔ اول لغت (شین سے) زیادہ فصیح ہے۔ یہ لفظ اس سے مشتق ہے جس سے لفظ شوامت (چارپائے کے پاؤں) مشتق ہے۔ گویا یہ چھینک والے کے لیے اس کے خیر و نیکی پر ثابت قدم رہنے اور اس کی صحت کے لیے دعا ہوتی ہے۔ یا یہ لفظ شماتت سے نکلا ہے یعنی دشمن کے مصیبت و بلا میں مبتلا ہونے پر خوش ہونا۔ گویا یہ لفظ یرحمک اللہ چھینک والے کے دعا ہے کہ وہ شماتت اعداء سے بچا رہے۔ اور اگر یہ سین سے (تسمیت) ہے تو پھر سمت سے نکلا ہے۔ بمعنی نیک سیرت یعنی اللہ تجھے نیک کرے۔ چھینک والے کے پاس اگر ایک آدمی موجود ہو تو اس کے لیے جواب دینا سنت عین ہے۔ اور اگر زیادہ آدمی موجود ہوں تو پھر سنت کفایہ ہے۔ اس بارے میں مزید کلام کتاب الآداب کے باب عطاس و تثاؤب میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا۔

۱۳۳۰ ۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ قِيْلَ مَاهُنَّ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ اِذَا لَقِيْتَهٗ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَاِذَا دَعَاكَ فَاَجِبْهُ وَاِذَا اسْتَنْصَحَكَ فَانْصَحْ لَهٗ وَاِذَا عَطِسَ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتْهُ وَاِذَا مَرِضَ فَعُدْهُ وَاِذَا مَاتَ فَاتَّبِعْهُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ وہ چھ حق کونسے ہیں۔ فرمایا جب تو مسلمان سے ملے تو اس کو سلام کہہ[۱]۔ جب وہ تجھے دعوتِ طعام دے تو اس کی دعوت قبول کر۔ جب تجھ سے نصیحت طلب کرے تو اسے نصیحت کر[۲]۔ جب وہ چھینک مارے اور الحمد للہ پڑھے تو تو اس کا جواب دے (یرحمک اللہ کے ساتھ) جب وہ بیمار پڑے تو اس کی بیمار پرسی کر۔ اور جب وہ مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جا[۳]

(مسلم)

[۱] اور جواب سلام کے لیے سلام لازم ہے۔ پہلی حدیث میں جواب سلام کا ذکر فرمایا۔ یہاں سلام کے ذکر پر کفایت کی۔

[۲] لغت میں نصیحت کا معنیٰ خلوص ہے۔ عسل ناصح " وہ شہد جو موم کی ملاوٹ سے پاک ہو۔ یعنی بالکل خالص

یہاں خیر خواہی اور مسلمانوں کی حق گزاری مراد ہے۔ یہ عام حالات میں سنت ہے اور جب کوئی نصیحت کی بات سننے کی خواہش ظاہر کرے تو پھر اسے نصیحت کرنا واجب و ضروری ہے۔

[3] یعنی نماز جنازہ پڑھ کر جنازے کے ساتھ جا۔ اس حدیث میں پانچ حقوق کے علاوہ چھٹی چیز نصیحت کا ذکر بھی کیا، اور صرف ان چھ میں ہی حصر مراد نہیں۔ مسلمانوں کے ایک دوسرے پر بہت سے حقوق ہیں۔ آپ نے ہر مقام پر اس کے مناسب حق کا بیان فرما دیا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حقوق مسلمانی کے بارے میں تدریجاً وحی کا نزول ہوتا ہو اور آپ اس کے مطابق بیان کرتے ہوں۔

۱۴۴۱ وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ اَمَرَنَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِسَبْعٍ وَنَهَانَا عَنْ سَبْعٍ اَمَرَنَا بِعِيَادَةِ الْمَرِيْضِ وَاتِّبَاعِ الْجَنَآئِزِ وَتَشْمِيْتِ الْعَاطِسِ وَ رَدِّ السَّلَامِ وَاِجَابَةِ الدَّاعِیْ وَاِبْرَارِ الْمُقْسِمِ وَنَصْرِ الْمَظْلُوْمِ وَنَهَانَا عَنْ خَاتِمِ الذَّهَبِ وَعَنِ الْحَرِيْرِ وَالْاِسْتَبْرَقِ وَالدِّيْبَاجِ وَالْمِيْثَرَةِ الْحَمْرَآءِ وَالْقَسِّيِّ وَاٰنِيَةِ الْفِضَّةِ وَفِیْ رِوَايَةٍ وَعَنِ الشُّرْبِ فِی الْفِضَّةِ فَاِنَّهٗ مَنْ شَرِبَ فِيْهَا فِی الدُّنْيَا لَمْ يَشْرَبْ فِيْهَا فِی الْاٰخِرَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا ہمیں بیمار کی بیمار پرسی، جنازوں کے ساتھ جانے۔ چھینک والے کی چھینک کا جواب دینے، سلام کا جواب دینے دعوت طعام والے کی دعوت قبول کرنے[1]۔ اور قسم اٹھانے والے کی قسم درست کرنے[2] اور مظلوم انسان[3] کی مدد کرنے کا حکم دیا اور ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے، ریشم پہننے، استبرق و دیباج[4] (خاص قسم کے ریشمی کپڑے) اور سرخ رنگ کے عمدے[5] قسی[6] پہننے اور چاندی کے برتن استعمال کرنے سے منع فرمایا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ چاندی میں پینے سے منع فرمایا۔ کہ جو دنیا میں اس میں پیئے گا آخرت میں اس میں نہ پی سکے گا۔[7]

(بخاری و مسلم)

---

[1] ان پانچ الفاظ کے معانی گزشتہ بیان سے معلوم ہو چکے ہیں۔

[2] حدیث میں لفظ ابرار المُقسم ہے۔ یعنی ہمیں قسم کھانے والے کی قسم درست کرنے کا حکم دیا۔ مقسم (میم کی پیش قاف ساکن، سین مخفف کی زیر) ابرار القَسَم (قاف و سین کی زبر) بھی ایک روایت ہے۔ بمعنیٰ قسم۔ یعنی اگر ایک مسلمان تیرے فعل کی قسم کھائے کہ مجھے قسم ہے کہ یہ کام ضرور کر۔ تو چاہیے کہ تو اس کا وہ کام کرے۔ تاکہ اس کی

قسم درست ہو جائے اور اس کی قسم نہ ٹوٹے۔ یا اگر کوئی آدمی اپنے فعل پر قسم کھائے کہ خدا کی قسم میں یہ کام ضرور کروں گا تو تجھے چاہیے کہ اس کام کے پورا ہونے میں ضرور کوشش کرے۔ اور اس کے اسباب مہیا ہونے کے اسباب میں اس کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر ایک شخص دوسرے کو قسم دے کر کہے یہ کام ضرور کر۔ تو تیرے لیے اس کام کا کرنا مستحب ہے۔ تاکہ خدا تعالےٰ کے اسم مبارک کی تعظیم برقرار رہے۔ اگرچہ لازم وضروری نہیں۔ پہلی دو صورتوں میں اس کی قسم کی درستی اس لیے بھی چاہیے کہ قسم توڑنا گناہ ومعصیت ہے۔ اور مسلمان کو معصیت وگناہ سے نکالنا بہت بہتر ہے۔

۵۳ وہ انسان چاہے کافر ہو چاہے ذمی۔ (اسلامی حکومت کے قلمرو میں رہنے والا غیر مسلم) چاہے مستامن (چند روز کے لیے دارالاسلام میں آنے والا غیر مسلم) ہو۔

۵۴ صراح میں ہے استبرق باریک ریشم کو کہتے ہیں۔ دیباج۔ معرب دیبا۔ یہ سب ریشمی کپڑے کی مختلف قسمیں ہیں۔

۵۵ حدیث میں لفظ المیثرۃ الحمراء آیا ہے۔ میم کی زیر ثا کی زبر۔ چھوٹے سائز کی تلائی جس میں روئی بھری ہوتی ہے۔ اور اسے زین پر ڈال کر اس پر بیٹھتے ہیں۔ اسے نمدہ زین بھی کہتے ہیں۔ یہ عجمیوں کی عادت ہے کہ تکبر ورعونت کے طور پر ریشم ودیبا وغیرہ کا بناتے ہیں۔ حمرا کا لفظ اس تکبر ورعونت کی جانب اشارہ کر رہا ہے اور اگر سرخ نہ ہو تو حرام نہیں۔ اور اگر رعونت وتکبر کے ارادہ سے نہیں بلکہ کمزوری یا آرام حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تب بھی حرام نہیں۔

۵۶ یعنی آپ نے قسی (قاف کی زبر سین مہملہ کی شد) سے بھی منع فرمایا یہ ایک کپڑا ہے جو قس خالی مصر میں واقع ایک بستی کی طرف منسوب ہے۔ یہ سوت اور ریشم کا بنا ہوا ایک کپڑا ہے۔ بعض نے کہا قسی بمعنیٰ قزی ہے یائے نسبت سے قز کی طرف منسوب ہے۔ بمعنیٰ افریشم۔ زا کو سین سے بدل دیتے ہیں۔ ان کپڑوں کا تفصیلی بیان اور ان کے احکام کتاب اللباس میں آرہے ہیں۔

۵۷ چاندی کے برتنوں میں کھانے کا بھی یہی حکم ہے۔

۵۸ بلکہ ہمیشہ کے لیے یا ایک مدت دراز تک اس گناہ پر بطور سزا اس سے محروم کر دیا جائے گا۔ سونے کے برتنوں کا بھی یہی حکم ہے۔ چاندی کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ عام عادت چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے کی ہے۔ یا جب کہ چاندی کے برتن جو قیمت میں سونے سے ادنیٰ ہیں، ان میں کھانا پینا منع ہے۔ تو سونے کے برتنوں میں کھانا پینا بطریق اولیٰ منع ہوگا۔ ان گزشتہ چیزوں کے استعمال کی ممانعت مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ مگر برتن کہ وہ مردوں عورتوں دونوں کے لیے منع ہیں۔

۱۴۴۲ ۵ وَعَنْ ثَوْبَانَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِيْ خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جنت کے باغ[1] میں رہتا ہے۔ جب تک کہ واپس نہ لوٹ آئے

(مسلم)

---

[1] حدیث میں لفظ خُرفہ (خا کی پیش را ساکن) آیا ہے۔ اس کا معنیٰ ہے چنا ہوا میوہ۔ مَخرف و مَخرفہ میم کی زبر را کی زیر یا زبر بمعنی باغ۔ کبھی لفظ خرفہ کا معنی بھی باغ کر دیتے ہیں۔ کبھی کھجوروں کے درمیان واقع راستہ اور گلی کو بھی خرفہ کہتے ہیں۔ طیبی نے کہا یہاں یہی معنیٰ مناسب ہے۔ دوسری روایت کی دلیل کے پیش نظر۔ کہ فرمایا من مخارف الجنۃ۔ یعنی وہ بہشت کے باغ کے راستہ میں ہوتا ہے۔ جو اسے جنت میں لے جاتا ہے۔ اسے سمجھو۔

۱۴۴۳ ۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اَعُوْدُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ عُدْتَّهٗ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهٗ يَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ اُطْعِمُكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا۔ اے انسان میں بیمار ہوا تو نے میری بیمار پرسی نہ کی۔ بندہ کہے گا اے میرے رب تیری بیمار پرسی کیسے کرتا کہ تو تو رب العالمین[1] ہے رب فرمائے گا تجھے خبر نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تو نے اس کی بیمار پرسی نہ کی۔ تجھے خبر نہیں کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس[2] جاتا۔ اے بندے میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا بندہ عرض کرے گا الٰہی میں تجھے کیسے کھلاتا۔ تو تو سب جہانوں کا رب ہے[3]۔ اللہ تعالےٰ فرمائے گا تجھے پتہ نہیں کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا۔ تو نے اسے نہ کھلایا۔ تجھے علم نہیں کہ اگر تو اسے کھلاتا تو اسے میرے پاس[4] پاتا

ذٰلِكَ عِنْدِیْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَیْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ قَالَ یَا رَبِّ كَیْفَ اَسْقِیْكَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهٖ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ لَوْ سَقَیْتَهٗ وَجَدْتَ ذٰلِكَ عِنْدِیْ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اے بندے میں نے تجھ سے پانی مانگا۔ مگر تو نے مجھے نہ پلایا۔ بندہ عرض کرے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے پلاتا۔ جب کہ تو سب جہانوں کا رب[۵] ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا۔ تو نے اسے نہ پلایا۔ اگر تو اسے پلاتا تو آج اسے میرے پاس پاتا۔[۶]

(مسلم)

---

[۱] کہ تو ہر بیماری سے پاک و منزہ ہے۔

[۲] یعنی میری رحمت و خوشنودی تجھے اس کے پاس مل جاتی۔

[۳] اور تو بھوک اور کھانے سے پاک و منزہ ہے۔

[۴] یعنی اس کھانے کا ثواب اور اس کی جزا تجھے میرے پاس سے ملتی۔

[۵] اور تو تشنگی اور پانی کی محتاجی سے پاک و منزہ ہے۔

[۶] بعض نسخوں میں دوسرے مضمون کی طرح اَمَا عَلِمْتَ اَنَّكَ آیا ہے۔ بعض نسخوں کی یہ عبارت اگر یہاں نہ مانی جائے تو پھر اَمَا انک میں حرف اَمَا تنبیہ کے لیے ہے۔ واضح ہو کہ عیادت مریض میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر تو بیمار پرسی کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا اور کھانے اور پانی کے بیان میں فرمایا کہ میری جزا اور ثواب اس کے پاس پاتا۔ اس عبارت کے اسلوب میں کھلانے پلانے کی نسبت بیمار پرسی کو زیادہ فضیلت دی گئی ہے۔ جیسا کہ پوشیدہ نہیں۔

عارف رومی قدس سرہٗ نے یہ مضمون اس طرح ادا کیا ہے۔ مثنوی۔

۱۔ مشرقت کردم بنور ایزدی　　من حقم رنجور گشتم نامدی!
۔ گفت سبحانا کہ پاکی از زیاں　　ایں چہ رمز ست ایں بکن یارب بیاں
۳۔ باز فرمودش کہ من رنجوریم　　چوں نپرسیدی تو از روے کرم
۴۔ گفت یارب نیست نقصانے ترا　　عقل گم شد ایں گرہ را برکشا
۵۔ گفت مارا بندہ خاص گزین　　گشت رنجور و منم نیکو ببیں
۶۔ ہست رنجوریش رنجوری من　　ہست معذوریش معذوری من

۸۔ ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا   گو نشیند در حضور اولیا۔

ترجمہ اشعار مثنوی۔

۱۔ خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے شکوہ کیا۔ کہ اے وہ موسیٰ جس کے گریبان سے نور حق طلوع ہوا۔

۲۔ میں نے تجھے اپنے نور ایزدی سے مرکز انوار بنایا۔ میں حق تعالےٰ ہوں گر رنجور و بیمار ہوں تو میری مزاج پرسی کے لیے نہیں آیا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے سبحان و پاک ذات تو تو ہر قسم کے نقصان و عیب سے پاک و منزہ ہے۔ یہ کیا رمز و اشارہ ہے یا رب اس بات کی حقیقت بیان کر۔

۴۔ اللہ تعالےٰ نے پھر ان سے فرمایا کہ میں رنجور و بیمار ہوں۔ اے موسیٰ تو نے از راہ کرم میری مزاج پرسی کیوں نہیں کی۔

۵۔ حضرت موسیٰ [illegible] سلام نے عرض کیا تیری ذات اقدس کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ تیری اس بات سے میری عقل گم ہو گئی۔ بر [illegible] مہربانی اس گرہ کو کھول دے۔

۶۔ فرمایا ہمارے ایک خاص بندے کو دیکھ جو رنجور و بیمار ہے۔ اس کے بیمار ہونے پر میں کیسے صحت مند رہ سکتا ہوں۔

۷۔ اس کا بیمار ہونا میرا بیمار ہونا۔ اس کا معذور ہونا میرا معذور ہونا ہے۔

۸۔ جو شخص خدا تعالےٰ کی ہمنشینی چاہتا ہے اسے کہو کہ اس کے اولیا کی حاضری میں بیٹھے۔

۱۴۴۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلٰى اَعْرَابِيٍّ يَعُوْدُهٗ وَكَانَ اِذَا دَخَلَ عَلٰى مَرِيْضٍ يَّعُوْدُهٗ قَالَ لَا بَاْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰى قَالَ كَلَّا بَلْ حُمّٰى تَفُوْرُ عَلٰى شَيْخٍ كَبِيْرٍ تُزِيْرُهُ الْقُبُوْرَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَعَمْ اِذَنْ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک بدوی کے پاس بیمار پرسی کو تشریف لے گئے اور جب بھی آپ کسی بیمار کی عیادت کرتے تو کہتے تھے کوئی ڈر نہیں خدا کے چاہا یہ تو صفائی ہے۔ چنانچہ اس سے بھی فرمایا کہ کوئی ڈر نہیں انشاء اللہ صفائی ہے[1]۔ وہ بولا ہرگز نہیں۔ یہ تو بہت بوڑھے پر بخار جوش مار رہا ہے[2] اسے قبروں کی زیارت کرا کے رہیگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ایسا ہی سہی[3]۔ (بخاری)

---

[1] یعنی غم نہ کر اور پریشانی نہ ہو۔ اس سے جو تو بخاری کا درد اور تکلیف محسوس کر رہا ہے۔ کیونکہ یہ

گناہوں کو پاک کرنے والا۔ اور انہیں تجھ سے دور کرنے والا ہے۔ بلکہ اخلاط ردیہ اور اجزائے کثیفہ سے بھی بدن کی صفائی اور اصلاح کرنے والا ہے۔

[2] جس طرح دیگ ابلتی اور جوش میں ہوتی ہے۔ لفظ تَفُوْرُ۔ فور و فوران سے بنا ہے۔ یعنی دیگ کا جوش مارنا۔

[3] یعنی یہ بخار اس بوڑھے کو قبروں کی زیارت کرا کے رہے گا۔

[4] یعنی اب ایسا ہی ہوگا جیسا کہ تو کہہ رہا ہے۔ دراصل ان الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار غضب و غصہ فرمایا۔ کیونکہ پہلے اسے صبر و شکر کی تلقین کی تھی۔ مگر اس نے اسے قبول نہ کیا۔ اور ادب کے راستہ پر نہ چلا۔ بلکہ حد اعتدال سے باہر نکل گیا۔ اور کفران نعمت کا راستہ اختیار کیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ مریض کافر تھا۔ تاہم علماء نے کہا ہے کہ وہ سنگ دل اور اکھڑ دیہاتیوں میں سے تھا۔ بیماری اور تکلیف نے اسے بے بس اور ناتواں کر دیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے گفتگو میں تکلف سے کام لیا۔ جس کا یہ مقام نہ تھا۔ اس بنا پر آپ غصہ میں آ گئے۔ اور اسے بدفالی اور نحوست کا مستحق ٹھہرا دیا۔

۱۴۳۵/۸ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَكٰى مِنَّا اِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاۤءَ اِلَّا شِفَاۤؤُكَ شِفَاۤءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر اپنا دائیں ہاتھ مبارک پھیرتے[1] پھر یہ دعا پڑھتے۔ اے بندوں کے رب یہ تکلیف و درد دور کر دے[2] اور شفا و تندرستی عطا فرما کہ تو ہی شفا عطا کرنے والا ہے کوئی شفا نہیں مگر تیری شفا۔ ایسی شفا دے جو کسی بیماری کو نہ رہنے دے[3]۔ (بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ شکایت ہے جو مرض و تکلیف کے معنیٰ میں آتا ہے۔ اور جسے شدید درد و تکلیف نہ ہو اسے عربی میں شاکی اور مشکو' کہتے ہیں۔ اس کا اصل معنیٰ شکایت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یعنی گلہ کرنا۔

[2] حدیث میں لفظ بأس آیا ہے۔ یعنی عذاب اور سختی اور جنگ کا شدت اختیار کر جانا۔

[3] حدیث میں لفظ سَقَم دو زبروں یا سین کی پیش اور قاف ساکن۔ دونوں لغت ہیں۔ جیسے لفظ حزن وحزن اکثر روایت دونوں زبروں سے ہے۔

۱۴۴۶/۹ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ إِذَا اشْتَكَى الْإِنْسَانُ الشَّيْءَ مِنْهُ أَوْ كَانَتْ بِهٖ قَرْحَةٌ أَوْ جُرْحٌ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِصْبَعِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا لِيُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب کسی انسان کو جسم میں کوئی درد یا تکلیف ہوتی[1]۔ یا آدمی کے کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا[2] تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ اپنی انگلی مبارک[3] رکھ کر یہ پڑھتے۔ بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ أَرْضِنَا بِرِيْقَةِ بَعْضِنَا يُشْفٰى سَقِيْمُنَا بِإِذْنِ رَبِّنَا۔[4]

(بخاری ومسلم)

---

[1] یا اس کے عضو و جزو کو درد و بیماری لاحق ہو جاتی۔

[2] یعنی زخم یا کوئی تکلیف جیسا کہ صراح میں ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ قَرْح (قاف کی زبر را ساکن) وہ چیز جو کسی عضو پر نمودار ہو جیسے پھوڑا وغیرہ۔ اور جَرْح تلوار وغیرہ کا زخم۔ قرحہ قاف کی پیش اور زبر دونوں طرح آتا ہے

[3] حضرت عائشہ نے یہ بھی فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلی مبارک پر اپنا لعاب دہن لگا کر خاک پر رکھتے پھر اس خاک آلودہ انگلی کو درد و زخم کی جگہ پر رکھ کر ملتے اور فرماتے اللہ کے نام سے ہماری زمین کی مٹی ہمارے بعض کے لعاب دہن ملانے سے ہمارے بیمار کو ہمارے رب تعالیٰ کے اذن سے شفا و تندرستی دیتی ہے۔ یعنی اس کے حکم و اجازت سے بیمار کو شفا ملتی ہے۔ یہ پھوڑوں اور زخموں کے علاج کے اسرار میں سے ایک سر ہے۔ جسے عقول و افہام نہیں سمجھ سکتے۔ تعویذات و عملیات میں ایسے عجیب و غریب اثرات ہوتے ہیں۔ جن کے اسرار لوگوں کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال میں ایسے مشکل و پیچیدہ اسرار ہیں جن کو صرف آپ ہی جانتے ہیں۔ ہمارے عقول و افہام ان کے ادراک کی راہ پانے سے قاصر و عاجز ہیں۔

فلسفہ اور طبعیات کے تنگ و تاریک راستوں میں پھنسے ہوئے لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے حقائق طلب کریں۔ اس کے لیے یہ لوگ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا۔ اس مقام میں ان لوگوں نے جو کچھ کہا ان میں سے ایک قاضی بیضاوی ہیں۔ جو فلسفہ کی اس بندش میں گرفتار ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مباحث طبیہ اس امر کی شہادت دیتی ہیں کہ آب دہن کو کسی چیز کے پکانے اور اس کے مزاج کو تبدیل کرنے میں بڑا دخل اور بڑی تاثیر ہے۔ اسی طرح مزاج اصل کی حفاظت کرنے میں اپنے وطن کی مٹی بھی بڑا اثر رکھتی ہے۔ اور کہتے ہیں مسافر کو چاہیے کہ اپنے وطن کی کچھ مٹی اپنے ساتھ اٹھا لے اور اس کا کچھ حصہ پانی کے برتن میں ڈال لے۔ پھر سفر میں اس میں سے منہ میں ڈالتا رہے۔ تاکہ تبدیلی مزاج محفوظ رہے۔

توربشتی نے کہا اس حدیث کی تاویل و معنی میں جو کچھ جلد ذہن میں آتا ہے۔ یہ ہے کہ تربۃ ارضنا سے فطرت آدم

اور ریقہ بعض سے نطفہ انسانی کی طرف اشارہ ہے جس سے آدمی پیدا ہوتا ہے۔ تو گویا وہ زبان حال وقال سے تفرع اور زاری کرتا ہے کہ اے پروردگار تو ہی ہے جس نے اصل اول کو بغیر کسی پہلے سے موجود نمونہ کے خاک سے اولاد انسان کو حقیر وخوار پانی سے پیدا کیا۔ تیرے لیے اسے شفا عطا کرنا بالکل آسان ہے جس کی اصل حقیقت یہ ہے۔ تورپشتی کا کلام ختم ہوا۔

بعض شارحین نے کہا ارض سے ارض مدینہ مراد ہے جس کی شفائے مریض میں خاصیت ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ اور بعض سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریم مراد ہے۔ یہ وجہ اخیر کسی حد تک درست ہے اور حقیقت کے قریب ہے مگر اصل اور ٹھیک بات وہی ہے جو کہ ابتدا میں کہی گئی ہے۔

۱۴۴۷/۱۰ وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِىْ تُوُفِّىَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِىْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِىْ رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ قَالَتْ كَانَ اِذَا مَرِضَ اَحَدٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ نَفَثَ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیمار ہوتے تو معوذات[1] سے اپنے اوپر دم کرتے اور اپنے جسم پر ہاتھ مبارک پھیرتے۔ پھر جب آپ اس بیماری میں پڑے جس میں آپ نے رحلت فرمائی تو اس میں میں ان معوذات سے آپ کو دم کرتی۔ جن سے آپ دم کیا کرتے تھے اور میں آپ کے جسم اقدس پر حضور کے ہاتھ پھیرتی[2] (بخاری ومسلم)

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ فرماتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ جب آپ کے اہل بیت میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ معوذات سے اس پر دم کرتے تھے۔

۱۴۴۸/۱۱ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ اَبِى الْعَاصِ

حضرت عثمان[1] بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

---

[1] معوذات واو مشدد کی زیر۔ اس سے قرآن کی آخری دو سورتیں مراد ہیں یا قل ہو اللہ احد اور قل یا ایہا الکافرون بھی معوذات میں داخل ہیں۔ یا وہ آیات مراد ہیں جو تعوذ و تفویض کے معنی کو متضمن ہیں۔ اور آپ بدن پر سے اپنے ہاتھ سے بیماری کو دور کرتے۔ یعنی جسم اقدس پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیر لیتے تھے۔

[2] یعنی آپ کے ہاتھ مبارک پکڑتی ان پر دم کرتی۔ پھر آپ کے دونوں ہاتھ مبارک آپ کے جسد اطہر پر پھیرتی تھی۔

اَنَّهٗ شَکٰی اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا یَجِدُهٗ فِیْ جَسَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ یَدَكَ عَلَی الَّذِیْ یَاْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَاَذْهَبَ اللّٰهُ مَا کَانَ بِیْ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

بے شک انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درد کی شکایت کی جو ان کے جسم میں ہو رہا تھا تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنا ہاتھ اس جگہ پر رکھ جہاں تیرے جسم کو درد ہے اور کہہ بسم اللہ تین بار اور سات بار یہ الفاظ پڑھ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔ میں اللہ تعالیٰ کے غلبے و بزرگی اور اس کی توانائی کے پاس پناہ لیتا ہوں اس چیز کی بدی سے جسے میں پاتا اور جس کے زیادہ ہونے اور آئندہ جسم کے دوسرے حصوں میں سرایت کرنے سے ڈرتا ہوں۔ حضرت عثمان فرماتے ہیں میں نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ مجھ سے وہ درد و تکلیف لے گیا۔

(مسلم)

⁂

۱۴۴۹ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ جِبْرَئِیْلَ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اشْتَکَیْتَ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْكَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ یَشْفِیْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک حضرت جبرئیل حضور علیہ السلام کی خدمت میں آئے اور کہا یا محمد آپ بیمار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں! جبرئیل نے کہا (بطریق علاج) یہ دعا پڑھی بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْكَ مِنْ شَرِّ کُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ یَشْفِیْكَ بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔ ہر رنج و غم سے۔ ہر ذات کی بدی سے یا ہر حاسد آنکھ سے۔ اللہ آپ کو تندرستی عطا کرے۔ میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں۔

(مسلم)

⁂

---

[1] آپ صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طائف کا عامل مقرر کیا تھا۔ ان سے حضرت حسن بصری۔ ابن المسیب وغیرہم احادیث روایت کرتے ہیں۔

[1] کلمہ او بمعنی واو ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ راوی کا شک ہو۔

۱۳۵۰/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ اِنَّ اٰبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ) وَفِيْ اَكْثَرِ نُسَخِ الْمَصَابِيْحِ بِهِمَا عَلٰى لَفْظِ التَّثْنِيَةِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ خدا کی پناہ میں دیا کرتے تھے حسن و حسین (اور تمام اہل بیت محبت کو اس دعا سے) میں تمہارے لیے پناہ پکڑتا ہوں خدا کے کلمات[۱] سے جو تمام و مکمل ہیں ہر شیطان[۲] سے اور ہر زہریلے جانور[۳] سے۔ اور ہر چشم بد[۴] سے اور آپ فرماتے تھے کہ تمہارے[۵] باپ (حضرت ابراہیم) ان کلمات کے ساتھ حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحاق کیلیے تعویذ کیا کرتے تھے[۶] (بخاری)

[۱] اور اللہ عزوجل کے دامن پناہ میں آنے سے کسی قسم کے نقصان کو کوئی راستہ نہیں مل سکتا۔ کلمات سے یا تو اس کی علومات مراد ہیں۔ یا اس عزاسمہ کے اسماء حسنی یا آسمان سے نازل شدہ کتابیں۔

[۲] شیطان ہر متمرد اور سرکش کو کہتے ہیں۔ جو جن و انس اور چار پایوں سے حد سے بڑھ چکا ہو۔

[۳] ہامّہ۔ زہریلا جانور۔ جیسے سانپ اور جس کا زہر ہلاکت اور موت کا سبب نہ بنے اسے سامّہ کہتے ہیں۔ جیسے بچھو۔ بھڑ اور کبھی اس چار پائے کو بھی ہامّہ کہتے ہیں جو زمین پر اچھلے اور انسانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کرے اور کیڑوں مکوڑوں کو حشرات اور ہوام کہتے ہیں۔

[۴] لامّہ لمم سے بنا ہے۔ وہ چیز جو انسان پر نازل ہو اور اسے بیمار کر دے۔ جیسے دیوانگی۔ قوی اور اعضاء کا بگڑنا اور خراب ہونا۔ اسی طرح جادو اور حسد۔ یعنی ہر چشم بد سے جو نقصان پہنچاتی ہے۔

[۵] یعنی دونوں اماموں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عبارت ہے جس سے آپ حضرت اسمٰعیل و حضرت اسحاق کو تعویذ کیا کرتے تھے۔

[۶] بخاری میں لفظ کان یعوذ بھا ضمیر مفرد سے آیا ہے۔ اور مصابیح کے اکثر نسخوں میں بھما ضمیر تثنیہ سے آیا ہے جو لفظ من کے مدخول دو کلموں کی طرف لوٹتی ہے۔ یا دو جملوں کی جانب جو مستعاذ اور مستعاذ منہ ہیں۔ اسی لیے علماء نے کہا ہے کہ یہ لغزش قلم ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۳۵۱/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ

مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ
(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

جس کے لیے نیکی کا ارادہ کرتا ہے۔ اسے کسی تکلیف و مصیبت میں ڈالتا ہے[1] (بخاری)

[1] یعنی اس کی ذات، اولاد اور مال پر کوئی تکلیف و مصیبت آتی ہے۔ تاکہ وہ اس کے لیے اجر و ثواب، گناہوں کے کفارے اور بلندی درجات کا ذریعہ بنتی ہے یعنی مصیبت ہمیشہ خدا کے قہر و غضب کی بنا پر نہیں ہوتی۔ بلکہ کبھی اس کے لطف و مہربانی کی بنا پر بھی ہوتی ہے جب کہ بندہ اس پر صبر کرے اور قضا الٰہی پر راضی ہو۔ اور اگر جزع فزع بے صبری غصہ وغیرہ کرے تو اس کے قہر کی علامت ہے۔

مصیبت اس ناپسندیدہ چیز کو کہتے ہیں جو آدمی کی طبیعت کو ناخوش کرے اور رنج و الم میں ڈالے۔ حدیث میں وارد لفظ یُصِب یا کی پیش اور صاد کی زبر و زیر بصیغہ مجہول و معلوم دونوں روایتیں ہیں۔ جیسا کہ ترجمہ میں دونوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۱۴۵۲/۱۵ وَعَنْهُ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يُصِيْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًى وَّلَا غَمٍّ حَتَّى الشَّوْكَةِ يُشَاكُهَا اِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا نہیں پہنچتا کسی مسلمان کو کوئی رنج و الم[1]۔ نہ کوئی بیماری و صدمہ[2]۔ اور نہ کوئی فکر و غم[3] نہ کوئی تکلیف و اذا[4] اور نہ کوئی پریشانی۔ حتیٰ کہ کانٹا جو اسے چبھتا ہے[5] مگر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بندے کے گناہ مٹا دیتا ہے (بخاری و مسلم)

[1] یعنی تھکاوٹ و کوفت اور مشقت و ناتوانی۔

[2] بعض نے کہا وصب دائمی بیماری کو کہتے ہیں۔

[3] ھَم یعنی اندوہ اور بدن کو پگھلا دینے والا صدمہ۔

[4] جو سرور اور خوشی کو ختم کر دے۔

[5] ان الفاظ کے اکثر معانی ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ جیسا کہ کتب لغت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ھَم اور غم کے درمیان یہ فرق ہے کہ ھَم آئندہ آنے والے کام سے متعلق ہوتا ہے۔ جیسے کوئی کام اسے درپیش ہو۔ کہ اس کی انجام دہی کے ارادہ سے متفکر ہو اور غم گزشتہ زمانہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے کوئی ناپسندیدہ اور ناخوش حادثہ جو دل پر آپڑا ہو۔ اور اس کی وجہ سے دل پر تاریکی اور بے ذوقی بیٹھ گئی ہو اور چھا گئی ہو۔ مختصر یہ کہ مسلمانوں کو جو غم و محنت اور آزار پہنچتا ہے۔ یہاں تک کہ کانٹا جو چبھ جاتا ہے۔

[6] کہ ان مذکورہ مصائب سے مسلمانوں کے صغیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔

۱۴۵۳/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُوْعَكُ فَمَسَسْتُهٗ بِيَدِيْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّكَ لَتُوْعَكُ وَعْكًا شَدِيْدًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَلْ اِنِّيْ اُوْعَكُ كَمَا يُوْعَكُ رَجُلَانِ مِنْكُمْ قَالَ فَقُلْتُ ذٰلِكَ لِاَنَّ لَكَ اَجْرَيْنِ فَقَالَ اَجَلْ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُصِيْبُهٗ اَذًى مِّنْ مَّرَضٍ فَمَا سِوَاهُ اِلَّا حَطَّ اللّٰهُ بِهٖ سَيِّئَاتِهٖ كَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچا۔ اس وقت آپکو شدید بخار تھا[1]۔ میں نے اپنا ہاتھ حضور کے جسد اطہر پر پھیرا اور عرض کیا یا رسول اللہ! آپ کو تو شدید بخار ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں مجھے ایسا شدید بخار ہے جیسا کہ تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے یعنی دو آدمیوں جتنا مجھ اکیلے کو بخار ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ اس لیے کہ آپ کو اجر و ثواب بھی دگنا ملتا ہے۔ فرمایا ہاں[2]۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جسے کوئی بیماری وغیرہ لاحق ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس کے بدلے گناہوں کو گراتا ہے جس طرح درخت پتے گراتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ وعک آیا ہے۔ معنی حرارت، بخار اور اس کی تیزی۔

[2] یعنی اس وجہ سے مجھے اس قدر تیز بخار ہے۔

۱۴۵۴/۱۷ وَعَنْ عَائِشَةَؓ قَالَتْ مَا رَاَيْتُ اَحَدًا اَلْوَجَعُ عَلَيْهِ اَشَدُّ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو شدید درد و تکلیف کی حالت میں نہیں دیکھا[1]

(بخاری و مسلم)

[1] اس کی وجہ آپ کے جوہر ذات کی صفائی اور قوت حواس ہے۔ اس میں آپ کے درجات بلند ہوتے تھے اور آپ کو کئی گنا اجر و ثواب ملتا تھا اور اس میں اور بھی بہت سی حکمتیں مضمر تھیں۔ جن کو سوائے علام الغیوب ذات کے اور کوئی نہیں جانتا۔

۱۳۵۵/۱۸ وَعَنْهَا قَالَتْ مَاتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ حَاقِنَتِيْ وَذَاقِنَتِيْ فَلَا أَكْرَهُ شِدَّةَ الْمَوْتِ لِأَحَدٍ أَبَدًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے اور گلے کے درمیان وفات پائی[۱]۔ تو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی موت کی شدت[۲] و سختی کو برا نہیں جانتی۔

(بخاری)

[۱] یعنی اس وقت آپ کا سر مبارک میرے سینے پر تھا۔ حاقنہ سینے کا گردن اور کندھے کے درمیان کا حصہ۔ ذاقنہ ٹھوڑی کے نیچے رگ حلقوم کا کنارہ۔ یعنی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے جسم کے اس حصہ سے تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ اس وجہ سے میں آپ کی موت کی شدت سے واقف و آگاہ ہوں۔

[۲] واضح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت آپ کے بلند مقام کے مناسب تھی۔ عام ذہن یہ خیال رکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کے وقت بالکل تکلیف نہ ہوئی۔ آپ کی غایت شدت کی یہ حالت تھی کہ آپ بخار کی حرارت سے تپ رہے تھے اور چہرہ اقدس پر پانی کے چھینٹے مارتے تھے۔ اور فرماتے تھے اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ. موت کے وقت بڑی بے ہوشی طاری ہوتی ہے۔ جیسا کہ فصل ثانی میں آرہا ہے۔

۱۳۵۶/۱۹ وَعَنْ كَعْبِ ابْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفَيِّئُهَا الرِّيْحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا أُخْرٰى حَتّٰى يَأْتِيَهُ أَجَلُهُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِيْ لَا يُصِيْبُهَا شَيْءٌ حَتّٰى يَكُوْنَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کا قصہ اور حال کھیتی کی اس نرم شاخ کے قصہ اور حال کی طرح جسے ہوائیں ادھر ادھر جھکاتی ہوں کبھی اسے گرا دیتی ہوں اور کبھی سیدھا کھڑا کر دیتی ہوں[۱] یہاں تک کہ اسے موت آجاتی ہے[۲]۔ اور منافق کا حال و قصہ صنوبر کے درخت کی طرح ہے[۳]۔ جسے کوئی ہوا اور اذیت نہیں پہنچتی۔ یہاں تک کہ اس کی زندگی کا درخت یکبارگی زمین پر آکر گرتا ہے[۴]۔

(بخاری و مسلم)

[۱] ایسی ہی حالت و کیفیت مسلمان کی ہے کہ کبھی تو اسے حادثہ ضعف و بیماری گرا دیتا اور ضعیف و ناتواں کر دیتا ہے اور کبھی اسے صحت و تندرستی قائم و درست کر دیتی ہے۔

۲؎ اور اس کی دنیوی زندگی کا کام ختم کر دیتی ہے۔

۳؎ جو بظاہر مضبوط، ثابت اور قائم و پائدار دکھائی دیتا ہے۔ کہ ہوائیں اور حادثات اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ارزہ (ہمزہ کی زیر را ساکن اس کے بعد زا۔ ابو عبیدہ سے ایسی ہی روایت ہے۔ کہ انھوں نے کہا کہ یہ لفظ ارزہ الف کی مد یا کی زیر سے ہے۔ را کی زبر بھی ایک روایت ہے۔ یعنی وہ درخت جس کی جڑیں زمین میں ثابت و پائدار ہوں۔ مُجْذِیَہ میم کی پیش، جیم ساکن ذال کی زیر جذیہ سے مشتق ہے۔ درخت کی جڑ کو کہتے ہیں۔

۴؎ اسی طرح منافق بھی ہمیشہ تندرست و توانا رہتا ہے اسے ضعف و بیماری کم ہی لاحق ہوتی ہے یہاں تک کہ اچانک موت کے حملے سے گر پڑتا ہے اور مر جاتا ہے۔

۱۴۵۶/۲۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الزَّرْعِ لَا تَزَالُ الرِّيْحُ تُمِيْلُهُ وَلَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ يُصِيْبُهُ الْبَلَاءُ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ شَجَرَةِ الْاَرْزَةِ لَا تَهْتَزُّ حَتّٰى تُسْتَحْصَدَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی مثال کھیتی کی طرح ہے۔ جسے ہوا ادھر ادھر جھکاتی رہتی ہے۔ اسی طرح مومن کو ہمیشہ بلائیں اور مصیبتیں گھیرے رکھتی ہیں۔ اور منافق کی مثال تناور اور مضبوط درخت کی طرح ہے کہ ہوا اسے ہلا نہیں سکتی۔ یہاں تک کہ اسے کاٹ نہ دیا جائے۔

(بخاری و مسلم)

۱۴۵۷/۲۱ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اُمِّ السَّائِبِ فَقَالَ مَا لَكِ تُزَفْزِفِيْنَ قَالَتِ الْحُمّٰى لَا بَارَكَ اللّٰهُ فِيْهَا فَقَالَ لَا تَسُبِّي الْحُمّٰى فَاِنَّهَا تُذْهِبُ خَطَايَا بَنِيْ اٰدَمَ كَمَا يُذْهِبُ الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام السائب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے۔ فرمایا تجھے کیا ہوا کہ تو لرز؎ رہی ہے۔ عرض کیا بخار؎ ہے۔ اللہ اسے برکت والا نہ کرے۔ فرمایا بخار کو گالی نہ دے کہ یہ بندے کے گناہوں کو اس طرح لے جاتا ہے۔ جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو لے جاتی ہے۔

(مسلم)

۱؎ حضرت ام السائب رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیماری اور انہیں تسلی دینے کیلئے ان کے گھر تشریف لاتے تھے۔

[2] حدیث میں ترفرفین آیا ہے۔ یہ زف الطائر سے ماخوذ ہے۔ جب کہ پرندہ اپنے پر پھیلائے اور انہیں حرکت دے۔ یہ لفظ زا اور را دونوں طرح مروی ہے۔

[3] حُمّٰی حا کی پیش میم مشدد۔ بدنی حرارت کا عارضہ۔

۱۳۵۸/۴۲ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰیؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ کُتِبَ لَہٗ بِمِثْلِ مَا کَانَ یَعْمَلُ مُقِیْمًا صَحِیْحًا۔

(رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ جب بیمار ہوتا ہے یا سفر کو جاتا ہے تو اس کے اعمال ویسے ہی لکھے جاتے ہیں جس طرح حالت اقامت اور تندرستی میں لکھے جاتے تھے۔

(بخاری)

۱۳۵۹/۴۳ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعُوْنُ شَہَادَۃٌ کُلِّ مُسْلِمٍ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت ہے[1]۔

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی مرض طاعون ہر مسلمان کے لیے شہادت کی موت کا سبب و ذریعہ ہے۔ یعنی جو مسلمان اس مرض میں صبر کرے وہاں سے نہ بھاگے اور اس بیماری میں وہیں شہید ہو جائے تو وہ اجر و ثواب میں شہادت کی موت مرنے والے کی طرح ہے۔ خلیل نے کہا طاعون ایک وبائی بیماری ہے۔ ابن اثیر نے کہا طاعون ایک عام وبائی بیماری ہے جس سے ہوا میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے لوگوں کے مزاج اور بدن اس بیماری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ابو بکر العربی نے کہا۔ طاعون ایک قسم کا شدید درد ہے۔ جو روح کو بجھا کر رکھ دیتا ہے۔ یہ مرض انسان کو آناً فاناً ہلاک کر دیتا ہے۔ اس وجہ سے اس کا نام طاعون رکھا گیا ہے۔ قاموس میں طاعون اور وبا کی ایک دوسرے سے تفسیر کی گئی ہے اطبا نے طاعون کی یہ تفسیر کی ہے کہ وہ ایک طرح کا ورم ہے جس میں زہریلا درد ہوتا ہے۔ اور یہ درد و ورم بعض اعضائے بدن میں نمودار ہوتا ہے۔ جیسے زیر بغل۔ یا کان کے پیچھے یا ران میں۔ اور اپنے ارد گرد کی جگہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔ کبھی وہ سبز و سرخ کا بھی ہوتا ہے۔ اور اس عضو کو فاسد و خراب کر دیتا ہے اور احادیث میں جو مذکور ہوا کہ جہاں طاعون پھیلا ہو وہاں سے نکل جانا اور بھاگنا ممنوع ہے اور اس پر ڈانٹ اور وعید آئی۔ اور اسے میدان جنگ سے بھاگنے کی طرح قرار دیا۔ اور اس پر صبر کرنے کو موت شہادت کی حیثیت دی تو ان تمام احادیث سے دراصل وبا اور موت عام اور مرض عام مراد ہے۔ اطبا نے جس مخصوص بیماری کی تعیین کی ہے وہ مقصود نہیں۔ کیا یہ

احادیث میں وبا اور موت عام کے لفظ سے مذکور ہے اور اگر لفظ طاعون ہی واقع ہوا ہو تو اس سے بھی وبا کا معنی (وبائے عام) مراد ہے۔ اس شخص نے غلط سمجھا جس نے طاعون کو صرف اصطلاحی معنی پر محمول کیا اور طاعون کے علاوہ دوسری وبائی امراض میں بھاگ جانے کو مباح قرار دیا۔ اور اگر فرضاً یہ مخصوص مرض ہی مراد ہو تو بھی یہ مخصوص مرض وبائے عام کا ایک فرد ہوگا۔ اور یہ قائل اس حدیث کا کیا جواب دے گا جس میں وبائے عام کا لفظ واقع ہوا ہے۔ ہم اللہ تعالے سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۴۶۰/۲۴ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الشُّهَدَآءُ خَمْسَةٌ ، اَلْمَطْعُوْنُ وَ الْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِیْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِیْدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ .
(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید پانچ قسم کے ہیں۔ طاعون سے مرنے والا[1]۔ ہیضہ و استسقاء سے مرنے والا[2]۔ ڈوب کر مرنے والا[3]۔ مکان وغیرہ کے نیچے آ کر مرنے والا[4] اور شہید فی سبیل اللہ[5]۔
(بخاری و مسلم)

[1] یعنی وہ جو طاعون کی بیماری سے مرا اور اس بیماری پر صبر و برداشت میں جان دے دی۔

[2] دوسرا وہ جو دست و اسہال۔ استسقاء اور پیٹ پھول جانے کی بیماری سے مرا۔ بعض نے اس سے پیٹ کی مطلق بیماری جیسے درد پیٹ میں سوراخ وغیرہ مراد لی ہے۔ بعض نے کہا مبطون سے وہ شخص مراد ہے جس نے ورع و تقویٰ کی بنا پر حرام و شبہ کی چیز کھانے سے پرہیز کیا۔ اور وہ اس ورع و تقویٰ کی حالت میں اس دنیا سے چلا گیا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے وہ شخص مراد ہو جو بھوک و پیاس کی حالت میں فقر و مجاہدہ کی تلوار سے اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دے واللہ اعلم۔

[3] یعنی کشتی وغیرہ کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے پانی میں ڈوب کر ہلاک ہونے والا۔ مگر شرط یہ ہے کہ دانستہ جہالت نفس کی بنا پر اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالا ہو۔

[4] صاحب الہدم۔ یعنی وہ شخص جس پر دیوار یا مکان گر پڑا اور وہ مر گیا۔ بشرطیکہ دانستہ اس نے ایسا نہ کیا ہو لفظ ھَدم (ھا کی زبر دال ساکن) عمارت کو ویران کرنا اور اسے گرانا۔ ھَدَم (دال کی زبر) گرا ہوا مکان۔ ھَدِم (دال کی زیر) گر کر مرنے والا انسان۔

[5] پانچواں وہ شخص جو راہ خدا میں دشمنانِ دین سے جنگ کرتے ہوئے مارا گیا کامل شہید حقیقی یہی ہے اور جو شخص جنگ کے علاوہ کسی اور جگہ ظلماً مارا گیا وہ بھی اس میں داخل۔ اور اجر و ثواب میں اس کے ساتھ شریک ہے۔ اس لیے اس پر لفظ شہید کا اطلاق آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ الشہید فی سبیل اللہ۔ قتیل فی سبیل اللہ وغیرہ نہیں آیا یعنی پانچواں

وہ شخص جو شہید کے نام سے مشہور و متعارف ہے۔ فافہم۔

۱۳۶۲/۲۵ وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الطَّاعُوْنِ فَأَخْبَرَنِيْ إِنَّهُ عَذَابٌ يَبْعَثُهُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ وَاَنَّ اللّٰهَ جَعَلَهُ رَحْمَةً لِلْمُؤْمِنِيْنَ لَيْسَ مِنْ اَحَدٍ يَقَعُ الطَّاعُوْنُ فَيَمْكُثُ فِيْ بَلَدِهٖ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ اَنَّهُ لَا يُصِيْبُهُ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ اِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ اَجْرِ شَهِيْدٍ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کی حقیقت اور اس کے حکم کے بارے میں دریافت کیا۔ آپ نے مجھے خبر دی کہ یہ پہلی امتوں اور آنے والے لوگوں کے لیے عذاب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق جس پر چاہتا ہے اسے مسلط کرتا ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کے لیے رحمت بنایا ہے۔ نہیں ہے کوئی بھی جس پر طاعون واقع ہو اور وہ اسی شہر میں صبر اور ثواب کی فضیلت سے ٹھہرا رہے[1] اور اس امر پر یقین رکھے کہ اسے وہی چیز پہنچ سکتی ہے جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دی ہے۔ مگر اسے شہید جیسا ثواب ملے گا۔

(بخاری)

[1] اور وہاں سے نہ بھاگے۔ بلکہ تسلیم و رضا سے اپنی جان خدا کے حوالے کر دے۔

۱۳۶۳/۲۶ وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلطَّاعُوْنُ رِجْزٌ اُرْسِلَ عَلٰى طَائِفَةٍ مِّنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَوْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَاِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوْا عَلَيْهِ فَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوْا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون ایک عذاب[1] تھا جسے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایک گروہ پر یا اُن لوگوں پر مسلط کیا جو تم سے پہلے تھے۔ جب تم کسی زمین میں طاعون کے بارے میں سنو تو وہاں نہ جاؤ۔[2] اور جب ایسی زمین میں طاعون کی وبا پھیل جائے جہاں تم رہتے ہو تو اس بیماری سے بھاگنے کے لیے وہاں سے نہ نکلو۔[3]

(بخاری و مسلم)

---

[1] رجز را کی زیر جیم ساکن آخر میں زا بمعنی عذاب کبھی زا کو سین سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے رجس معنیٰ اس کا بھی عذاب ہے۔

[2] یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی طائفۃ من بنی اسرائیل فرمایا یا علی من کان قبلکم کا لفظ فرمایا۔

[3] یعنی جب تم کسی زمین یا شہر میں جو تمہارے شہر کے علاوہ ہو، طاعون پھیلنے کی خبر سنو۔ تو اس علاقہ اور شہر میں نہ جاؤ اور اس جگہ میں داخل نہ ہو۔ اور لفظ تَقْدَمُوا (تا کی زبر قاف ساکن دال کی زبر) قدوم سے نکلا ہے۔ بعض روایات میں فَلَا تُقْدِمُو (تا کی زبر دال کی زیر، بمعنیٰ اقدام یعنی آنا) ہے یعنی اس وبائی امراض کے علاقہ میں آنے کا اقدام نہ کرو تاکہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کا سبب نہ بنو۔

[4] اس بارے میں ضابطہ اور دستور یہی ہے کہ جہاں وبائی مرض پھیلا ہوا ہو وہاں انسان نہ جائے۔ اور اگر اپنے شہر و علاقہ میں پھیل جائے تو وہاں سے دوسری جگہ نہ بھاگے اور نہ نکلے۔ اگرچہ بعض جگہوں سے بھاگنے کی اجازت ہے جیسے وہ گھر جو زلزلہ کی زد میں آ جائے۔ یا جس مکان میں آگ لگ جائے۔ یا وہ دیوار جو خم کھا چکی ہو۔ کہ وہاں رہنے سے ہلاکت کا ظن غالب ہو۔ مگر طاعون میں صبر کرنے کا ہی حکم ہے۔ وہاں سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ طاعون کا مذکورہ امور و عوارض پر قیاس درست نہیں۔ کیونکہ وہ اسباب عادیہ میں سے ہیں۔ اور یہ وہمی اسباب ہیں بہرصورت ان سے بھاگنے کی اجازت نہیں۔ اور کہیں بھی اس جگہ کو چھوڑنے کی رخصت نہیں۔ وارد نہیں ہوئی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص وہاں سے راہ فرار اختیار کرے گا تو وہ عاصی، گناہِ کبیرہ کا مرتکب اور مردود ہوگا۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

۱۴۶۴/۲۷ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی اِذَا ابْتَلَیْتُ عَبْدِیْ بِحَبِیْبَتَیْهِ ثُمَّ صَبَرَ عَوَّضْتُهٗ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ یُرِیْدُ عَیْنَیْهِ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ جب میں اپنے بندے کو اپنی دو محبوب چیزوں (آنکھوں)[1] کے بارے میں مصیبت میں مبتلا کردوں پھر وہ اس پر صبر کرے تو میں اس کے عوض اسے جنت عطا کروں گا۔ دو محبوب چیزوں سے اس کی دو آنکھیں مراد ہیں[2] (بخاری)

[1] یعنی اس کی دونوں آنکھیں لے لوں۔ یا اسے اندھا کر دوں۔ پھر وہ اس ابتلا میں صبر و برداشت سے کام لے۔ اور بظاہر باطن میں کوئی غلط خیال دل میں نہ آنے دے۔ اور اس بات پر یقین رکھے کہ اس غم میں ابتلا اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور غضب و غصہ کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ ان ناپسندیدہ افعال و اعمال سے تحفظ کے لیے ہے۔ جن میں انسان آنکھ کی وجہ سے گرفتار ہوتا ہے اور گناہوں کی معافی اور بلندی درجات کے لیے ہے۔ ہمارے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ جو آخر عمر شریف میں نابینا ہو گئے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جو خلوت مجھے اب نصیب

ہو گئی ہے۔ ساری عمر نصیب نہیں ہوئی۔

۲؎ اگر یہ کلام مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اس صورت میں یرید کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹتی ہے جل جلالہ اور اگر یہ راوی کا کلام ہے تو پھر یہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

١٤٦٥/٢٨ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَاِنْ عَادَهٗ عَشِيَّةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَكَانَ لَهٗ خَرِيْفٌ فِى الْجَنَّةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کوئی مسلمان مسلمان کی صبح۱ کے وقت عیادت نہیں کرتا مگر اس کے لیے ستر ہزار فرشتہ شام ہونے تک دعا کرتا رہتا ہے اور شام۲ کو بیمار پرسی نہیں کرتا مگر صبح ہونے تک اس کے لیے ستر ہزار فرشتے دعائے رحمت کرتے ہیں۔ اور اسے بہشت میں چنے ہوئے میوے دیے جائیں گے۔

(ترمذی ابوداؤد)

۱؎ صبح سے یہاں قبل دوپہر مراد ہے۔ غُدوۃ (غین کی پیش) صبح۔ غدوہ صبح کے وقت چلنا اور سفر کرنا۔

۲؎ یہاں شام سے بعد دوپہر کا وقت مراد ہے۔

۳؎ حدیث میں واقع لفظ خریف مخروف کے معنی میں ہے۔ یعنی چنے ہوئے عمدہ میوے۔

١٤٦٦/٢٩ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ۱ قَالَ عَادَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَجَعٍ كَانَ بِعَيْنَيَّ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت زید۱ بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے کہ مجھے آشوب چشم کی تکلیف تھی۲۔

(احمد، ابوداؤد)

۱؎ یعنی حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ آپ مشاہیر و اکابرین سے ہیں۔ سترہ غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نہایت خصوصی دوستوں میں سے ہیں۔ ان کی تصدیق میں سورۃ منافقون کی آیت نازل ہوئی اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ آپ فرماتے ہیں میری دونوں آنکھوں کو درد تھا۔ ایک روایت میں بعینی کا لفظ مفرد آیا ہے۔ یعنی میری ایک آنکھ کو درد تھا۔

۲؎ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ درد چشم کی عیادت کے لیے جانا سنت ہے۔ اور جس شخص نے کہا ہے کہ آشوب چشم میں عیادت نہیں۔ اس کا یہ قول بالکل مردود ہے۔ اس حدیث کا اسناد صحیح ہے اور وہ جو بیہقی اور طبرانی نے روایت کیا کہ تین چیزوں میں عیادت نہیں۔ ایک پھوڑا دوسری آنکھ تیسری ڈاڑھ صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث ابن کثیر پر موقوف ہے۔ جیسا کہ بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۴۶۷/۳۰ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ وَعَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ مُحْتَسِبًا بُوْعِدَ مِنْ جَهَنَّمَ مَسِيْرَةَ سِتِّيْنَ خَرِيْفًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا۔ پھر محض رضائے الٰہی ۱؎ کے لیے اپنے مسلمان بھائی کی بیمار پرسی کو گیا تو اُسے دوزخ سے ستر ۲؎ سال کے فاصلے تک دور کر دیا گیا۔

(ابوداؤد)

۱؎ اور اقامت سنت کے لیے۔

۲؎ خریف سال کو کہتے ہیں۔ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خریف کی تفسیر سال سے نفس حدیث میں آ چکی ہے۔ کیونکہ حضرت انس سے پوچھا گیا کہ اے ابو حمزہ خریف کیا ہے۔ فرمایا خریف سال کو کہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب اپنی ابتدائے تاریخ سے سال کی ابتدا خریف سے کرتے چلے آئے ہیں۔ کیونکہ کھجوروں کے کاٹنے انگوروں کے اتارنے اور سال کے غلے تیار ہونے کا کام موسم خریف میں ہوتا ہے۔

۱۴۶۸/۳۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُوْدُ مُسْلِمًا فَيَقُوْلُ سَبْعَ مَرَّاتٍ اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ اِلَّا شُفِيَ اِلَّا اَنْ يَّكُوْنَ قَدْ حَضَرَ اَجَلُهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جو مسلمان کی بیمار پرسی کرتا ہے اور سات ۱؎ بار کہتا ہے اَسْاَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ۔ میں اللہ العظیم سے جو عرش عظیم کا رب ہے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے شفا عطا کرے مگر اللہ تعالٰے شفا عطا فرمائے گا۔ مگر یہ کہ اس کی موت کا وقت آچکا ہو ۲؎

(ابوداؤد، ترمذی)

۱؎ عدد کی اکثر و بیشتر تکرار تین بار تک ہے مگر بعض دعاؤں میں سات کا عدد بھی آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس مقام میں سات اعضا سے دفع مرض و بلا کے لیے سات کے عدد تخصیص آئی ہو۔ واللہ اعلم۔

[2] اور اس کی مدت زیست ختم ہو چکی ہو۔ کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔

۱۴۳۹ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ مِنَ الْحُمّٰى وَمِنَ الْاَوْجَاعِ كُلِّهَا اَنْ يَقُوْلُوْا بِسْمِ اللّٰهِ الْكَبِيْرِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا يُعْرَفُ اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ اِبْرَاهِيْمَ ابْنِ اِسْمٰعِيْلَ وَهُوَ يُضَعَّفُ فِي الْحَدِيْثِ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بیشک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بخار اور تمام دردوں کے علاج کے لیے ان کلمات کے پڑھنے کی تعلیم دیا کرتے تھے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ مِنْ شَرِّ كُلِّ عِرْقٍ نَعَّارٍ وَمِنْ شَرِّ حَرِّ النَّارِ۔ اللہ العظیم کے پاس پناہ لیتا ہوں ہر خون بہانے والی رگ[1] کے شر سے اور آگ کی تپش کے شر سے۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے اس کی معرفت و پہچان نہیں مگر ابراہیم بن اسماعیل کی حدیث سے اور وہ حدیث میں ضعیف ہے۔

---

[1] یا خون سے پر شدہ ہر رگ کے شر سے۔

۱۴۴۰ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنِ اشْتَكٰى مِنْكُمْ شَيْئًا اَوِ اشْتَكَاهُ اَخٌ لَهٗ فَلْيَقُلْ رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِيْ فِي السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اسْمُكَ اَمْرُكَ فِي السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِي السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ فِي الْاَرْضِ اغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ اَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلٰى هٰذَا الْوَجَعِ فَيَبْرَاُ۔

رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ.

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا تم میں سے جسے کوئی درد و بیماری لاحق ہو یا اس کا کوئی بھائی اس کے سامنے درد و مرض کی شکایت کرے تو چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے (ترجمہ) ہمارا رب وہ ہے جو آسمانوں میں[1] ہے۔ تیرا نام پاک و مقدس[2] ہے تیرا حکم آسمان و زمین میں جاری و نافذ[3] ہے۔ جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے۔ تو اپنی رحمت زمین میں بھی پھیلا دے۔ ہمارے گناہ بخش[4] دے اور ہماری[5] خطائیں بھی بخش دے تو طیب و پاک لوگوں کا رب[6] ہے۔ اپنی رحمت میں سے رحمت نازل کر اور اپنی شفاء میں سے شفا عطا فرما۔ اس درد و بیماری پر تو وہ درد و بیماری دور ہو جائے گی۔ (ابو داؤد)

۱؎ اس عبارت سے مقصود زمین کے باطل خداؤں سے اظہار بیزاری و نفرت ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت سے ایمان کی طرح ایمان لانے کا حکم دیا جس سے دریافت کیا گیا تھا کہ خدا کہاں ہے اس نے کہا آسمان میں اس کی تاویل و معنی وہی ہے جو حق سبحانہ و تعالےٰ کے اس قول مبارک کا ہے۔ وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ وہی ہے اللہ آسمانوں اور زمین میں۔ اور اس کے اس قول میں وَھُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰہٌ وَّفِی الْاَرْضِ اِلٰہٌ اور وہ وہی ہے جو آسمان میں الہ ہے اور زمین میں الہ ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے کہا ہے۔

۲؎ یعنی نقص و عیب اور غیر موثر ہونے سے پاک و منزہ ہے۔

۳؎ کہ تو ہی آسمان و زمین کی کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا اَوْحٰی کُلَّ سَمَآءٍ اَمْرَھَا۔ اس نے ہر آسمان کو اس کے کام کا حکم دیا ہے۔ اور وَیَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ۔ اللہ کا حکم ان کے درمیان اترتا ہے۔

۴؎ اور اہلِ آسمان کو عام و شامل ہے کہ سب تیری رحمت کا محل و مقام ہیں۔ بخلاف زمین اور اہل زمین کے کہ اللہ کی رحمت ان میں سے بعض (مومنوں) کے ساتھ خاص ہے نہ کہ کافروں کے لیے۔ اگرچہ رحمتِ عام وجود اور اس کے لوازمات کا افاضہ اللہ تعالیٰ کے قول مبارک وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ میری رحمت ہر شے کو شامل و عام ہے سب اہلِ زمین کو شامل اور عام ہے۔

۵؎ اصل میں لفظ حوب (حا کی پیش و زبر) ہے بمعنی گناہ بعض نے کہا (حا کی زبر اہل حجاز۔ حا کی پیش) بنی تمیم کی لغت ہے۔ یہ لفظ گناہ کے علاوہ ظلم، وحشت، مشقت، درد و تکلیف اور ہلاکت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ واضح ہو کہ یہ تمام معانی بندے کے ارادے سے تعلق رکھتے اور گناہ اور اس کے اسباب کا موجب و ذریعہ ہیں۔

۶؎ خطا وہ گناہ ہیں جو بندہ سے بطریق خطا صادر ہو جاتے ہیں۔ کبھی مطلق گناہ پر خطا کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

۷؎ یہ گناہوں کی طلب مغفرت کی علت و وجہ ہے۔ یعنی ہمارے گناہ بخش دے تاکہ ہم گناہوں سے پاک ہو جائیں اور تیری تربیت و رحمت خاص کے قابل بن جائیں۔

۱۴۷۱/۴۴ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا جَآءَ الرَّجُلُ یَعُوْدُ مَرِیْضًا فَلْیَقُلِ اللّٰھُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ یَنْكَأُ لَكَ عَدُوًّا اَوْ یَمْشِیْ لَكَ اِلٰی جَنَازَةٍ۔ (رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی آدمی بیمار کی بیمار پرسی کو آئے تو یوں کہے اے اللہ اپنے بندوں کو شفا عطا فرما۔ تاکہ تیرے دشمن کو تیرے لیے ہلاک و زخمی کرے۱؎۔ اور تیری خوشنودی کے لیے کسی جنازہ کے ساتھ چلے۲؎۔ (ابوداؤد)

[1] یعنی تاکہ تیرے لیے تیرے دین کی تقویت اور تیرا کلمہ بلند کرنے کے لیے تیرے دشمنوں کو ہلاک و زخمی کرے نکایت کا لفظ زخمی کرنے اور بہت قتل و غارت کے معنیٰ میں آتا ہے اور اذیت و درد پہنچانے کے لیے بھی آتا ہے ہمزہ اور بغیر ہمزہ کے ساتھ زخم کے اوپر سے چھڑہ اتارنے اور زخم پر زخم لگانے کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔

[2] اور تیرے دین کے حق کی ادائیگی کے لیے جنازے کے ساتھ چلے۔ بندے کے باقی تمام افعال میں سے دشمن کو زخمی کرنے اور جنازہ کے ساتھ چلنے کی تخصیص اس مناسبت کی بنا پر کی کہ جب وہ بیمار اور لبِ موت تھا تو اس کے بعد اس چیز کا ذکر کیا جو موت سے متعلق ہے۔ یعنی دشمنانِ دین کو ہلاک کرنا اور مردوں کے لیے دعا اور ان کی امداد کرنا طیبی نے بیان کیا کہ دشمن کو ہلاک کرنے اور جنازہ کے ساتھ چلنے کو اس لیے جمع کیا کہ اول میں دشمنان خدا پر عذاب نازل کرنا اور دوسرے میں دوستان خدا کے لیے رحمت حاصل کرنا ہے۔

۱۴۷۲/۱۵ وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ عَنْ اُمَيَّةَ اَنَّهَا سَاَلَتْ عَائِشَةَ عَنْ قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ وَعَنْ قَوْلِهٖ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ فَقَالَتْ مَا سَاَلَنِيْ عَنْهَا اَحَدٌ مُنْذُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هٰذِهٖ مُعَاتَبَةُ اللّٰهِ الْعَبْدَ بِمَا يُصِيْبُهٗ مِنَ الْحُمّٰى وَالنَّكْبَةِ حَتَّى الْبِضَاعَةِ يَضَعُهَا فِيْ يَدِ قَمِيْصِهٖ فَيَفْقِدُهَا فَيَفْزَعُ لَهَا حَتّٰى اَنَّ الْعَبْدَ لَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَمَا يَخْرُجُ التِّبْرُ الْاَحْمَرُ مِنَ الْكِيْرِ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت علی بن زید[1] سے وہ امیہ[2] سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اللہ عزوجل کے اس قول مبارک کے بارے میں دریافت کیا کہ خواہ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کردیا چھپائے رکھو۔ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا اور اس کے اس قول کے بارے میں کہ جو کوئی گناہ کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا[3]۔ آپ نے فرمایا کہ جب سے میں نے اس کے بارے[4] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ مجھ سے کسی نے یہ سوال نہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر عتاب ہے کہ جو اسے بخار یا مصیبت[5] پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو مال اپنی قمیص کی آستین میں[6] رکھے پھر اسے گم پائے تو اس سے گھبرا جائے[7]۔ یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جاتا ہے۔ جیسے پیلا سونا بھٹی سے[8]۔

(ترمذی)

[1] یعنی علی بن زید بن عبدالرحمٰن بن جدعان قرشی تیمی بصری جو تابعین بصرہ میں سے ہیں۔

[2] اُمیہ ہمزہ کی پیش یا کی شد۔ آپ تابعیہ ہیں حضرت عائشہ سے روایت کرتی ہیں۔

۵۳ ان دو آیات کا معنیٰ دریافت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آیت اول اس پر دلالت کرتی ہے کہ بندوں سے ان باتوں کا بھی حساب ہوگا جو اپنے دلوں میں چھپا کر رکھتے ہیں۔ جیسے گناہوں کے خطرات اور برے ارادے۔ دوسری آیت اس امر کو واضح کرتی ہے کہ بندوں کو ان کے ہر کم یا زیادہ برے کام کی جزا مل کر رہے گی۔ تو یہ امر انہیں بڑا مشکل محسوس ہوا اور وہ حیرانی میں پڑ گئے۔ کہ وہ کیا کریں کہ ان سے تو بچنا ناممکن ہے۔

۵۴ یعنی اس کی محاسبت اور جزا کے بارے میں۔

۵۵ نکبت (نون کی زیر) بمعنیٰ عتاب۔ غصہ کرنا اور ملامت کرنا اور دوست کا دوست پر غصہ ظاہر کرنا اس کی بے ادبی پر جو اس سے صادر ہوئی ہو۔ حالانکہ دل میں اس کی محبت اور اس کے لیے جذبہ لطف و رحمت موجود ہوتا ہے صراح میں کہا عتاب کا معنیٰ ہے۔ ناز کرنا اور غصہ ظاہر کرنا۔ نکبت وہ حادثات اور تکالیف جو انسان کو پہنچتی ہیں۔

۵۶ اور لوگ عادۃً آستین میں کچھ نہ کچھ رکھ لیتے ہیں۔ (جس طرح جیب میں کچھ نہ کچھ پیسے ڈالے ہوتے ہیں۔

۵۷ اور اس کی حالت غیر ہو جائے اور اس کے لیے فریاد کرتے اور گم شدہ سامان کو تلاش کرنے لگے یعنی یہ محاسبہ اور جزا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ دنیا میں ہی اس کا مواخذہ کرتا اس پر غصے ہوتا اور عتاب فرماتا ہے اس محاسبہ سے آخرت میں عذاب و عقاب مراد نہیں۔ لہٰذا بندے کو چاہیے کہ ایسے واقعات پیش آنے پر دل میں برا خیال نہ لائے۔ اور غمناک نہ ہو۔ بلکہ ان واقعات کے باوجود خوشی اور مسرت محسوس کرے کیونکہ یہ اس کے گناہوں کا کفارہ اور بلندی درجات کا ذریعہ ہیں۔ بیت۔

۱۔ من ترا غمگین و گریاں زاں کنم   تاکت از چشم بداں پنہاں کنم
۲۔ زاں نہ بجوشانم کہ کروہ منی   بلکہ تا گیری ز ذوق چاشنی
۳۔ زاں حدیث تلخ مے گویم ترا   تاز تلخیہا فرد شوئم تیرا۔
۴۔ تو ز تلخی چوں ہمہ پر خوں شوی   پس ز تلخیہا ہمہ بیروں شوی

ترجمہ اشعار۔

۱۔ میں تجھے غمگین و گریاں اس لیے کرتا ہوں تاکہ تو برے لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ رہے۔

۲۔ میں تجھے اس لیے جوش و غصہ میں مبتلا نہیں کرتا کہ تو مجھے ناپسند ہے بلکہ اس بنا پر کہ تجھے لذت غم کی چاشنی نصیب ہو۔

۳۔ میں تیرے ساتھ اس لیے تلخ و ترش باتیں کرتا ہوں تاکہ تیری آخرت کی تلخیوں کو دھو ڈالوں۔

۴۔ جب تو دنیا کے حوادث و مصائب کی تلخیوں سے لبریز ہو جائے گا تو آخرت کی تمام تلخیوں سے نجات پا جائے گا۔

۵ قاموس میں کہا تِبر (تا کی زیر) سونا چاندی اور اسے بھی کہتے ہیں جو کان سے نکلے اور ابھی اسے پگھلا کر سانچے میں نہ ڈالا گیا ہو۔ مجمع البحار میں کہا تبر خالص سونے اور چاندی کو کہتے ہیں۔ اسے سکہ کی شکل دینے سے پہلے۔ جب اسے سکہ کی شکل دے دی جاتی ہے تو پھر اسے عین کہتے ہیں۔

۱۴۷۳/۳۶ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰىؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُصِيْبُ عَبْدًا نَكْبَةٌ فَمَا فَوْقَهَا اَوْ دُوْنَهَا اِلَّا بِذَنْبٍ وَمَا يَعْفُو اللّٰهُ عَنْهُ اَكْثَرُ وَقَرَءَ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندے کو مصیبت[1] یا اس سے کم و بیش[2] تکلیف گناہ[3] کے بغیر نہیں پہنچی اور جو کچھ رب تعالیٰ معاف کر دیتا ہے۔ وہ بہت ہے۔ اور یہ آیت تلاوت کی[4] جو مصیبت تمہیں پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی سے تھی اور رب تعالیٰ تو بہت ہی معافی عطا کرنے والا ہے۔

(ترمذی)

[1] یعنی چھوٹی بڑی تکلیف و مصیبت۔

[2] یہاں فوق کا لفظ بڑا ہونے اور دون کا لفظ حقیر ہونے کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ اور اس کے عکس کا بھی۔ اول احتمال زیادہ ظاہر ہے۔

[3] یعنی گناہ اور خطا کی وجہ سے جو اس سے صادر ہو چکا ہوتا ہے۔ ایک درویش کے جوتے کا تسمہ چوہا کاٹ گیا تو وہ روتے ہوئے کہتا تھا کہ مجھ سے کیا گناہ سرزد ہو گیا ہے جس کی سزا مجھے ملی ہے۔

[4] یعنی اس حال کے موافق یہ آیت تلاوت کی۔ وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرًا۔ یعنی تمہیں جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ اس سبب سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے کیا ہوتا ہے۔ یعنی تمہاری ذاتوں نے اور اللہ تعالیٰ اس میں سے بہت سی خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

۱۴۷۴/۳۷ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا كَانَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ حَسَنَةٍ مِّنَ الْعِبَادَةِ ثُمَّ مَرِضَ قِيْلَ لِلْمَلَكِ الْمُوَكَّلِ بِهٖ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ عبادت کے اچھے راستے پر چل رہا ہوتا ہے پھر بیمار ہو جاتا ہے تو اس پر مقرر شدہ فرشتہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کے تندرستی کے زمانہ کے برابر اعمال لکھ[1]

اُكْتُبْ لَهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ اِذَا كَانَ طَلِيْقًا حَتّٰى اُطْلِقَهٗ اَوْ اَكْفِتَهٗ اِلَيَّ۔

یہاں تک کہ میں اسے شفا عطا فرماؤں۔ یا اپنے پاس بلا لوں۔ (شرح سنۃ)

[1] یعنی صحت کی حالت میں جو اعمال خیر بجا لاتا تھا۔ بیماری کی اس حالت میں بھی اس کے لیے تندرستی جیسے اعمال لکھتا رہ۔

۱۴۷۵/۳۸ وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا ابْتُلِيَ الْمُسْلِمُ بِبَلَاءٍ فِيْ جَسَدِهٖ قِيْلَ لِلْمَلَكِ اكْتُبْ لَهٗ صَالِحَ عَمَلِهِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُ فَاِنْ شَفَاهُ غَسَلَهٗ وَطَهَّرَهٗ وَاِنْ قَبَضَهٗ غَفَرَلَهٗ وَرَحِمَهٗ رَوَاهُمَا فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ.

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مسلمان کسی جسمانی بیماری میں مبتلا ہوتا ہے تو فرشتہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کی وہی نیکیاں لکھو جو یہ پہلے کرتا تھا۔ پھر اگر رب تعالیٰ اسے شفا عطا فرماتا ہے تو اسے دھو دیتا اور پاک کر دیتا ہے اور اگر اسے وفات دیتا ہے تو اسے بخش دیتا۔ اور اس پر رحمت نازل کرتا ہے (شرح سنۃ)

۱۴۷۶/۳۹ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشَّهَادَةُ سَبْعٌ. سِوَى الْقَتْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الْمَطْعُوْنُ شَهِيْدٌ وَالْغَرِيْقُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيْدٌ وَالْمَبْطُوْنُ شَهِيْدٌ وَصَاحِبُ الْحَرِيْقِ شَهِيْدٌ وَالَّذِيْ يَمُوْتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيْدٌ وَالْمَرْاَةُ تَمُوْتُ بِجُمْعٍ شَهِيْدٌ۔

حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ میں مارے[2] جاتے کے سوا سات شہادتیں اور بھی ہیں۔ طاعون والا شہید ہے۔ ڈوب کر مرنے والا شہید ہے۔ ذات الجنب[3] کی بیماری والا شہید ہے۔ پیٹ کی بیماری[4] والا شہید ہے۔ جل کر مرنے والا شہید ہے۔ دب کر مرنے[5] والا شہید ہے۔ عورت بچہ جننے کے وقت مر جائے تو شہید[6] ہے۔

(مالک، ابو داؤد، نسائی)

[1] عتیک بر وزن کریم۔ حضرت جابر بن عتیک انصاری معاوی ہیں۔ آپ نے اصل معاویہ نامی شخص کی طرف منسوب ہیں۔ جنگ بدر میں اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ تقریب میں کہا آپ جلیل القدر صحابی ہیں۔ صاحب تقریب نے ان کے جنگِ بدر میں شرکت سے اتفاق نہیں کیا۔

[2] یعنی اس کامل اور مشہور شہادت کے علاوہ سات شہید اور بھی ہیں۔

[3] ذات الجنب مشہور بیماری ہے۔ اور وہ زخم ہوتے ہیں۔ جو پہلو کے اندر دل اور سینہ کے نزدیک پیدا ہوتے ہیں۔ اس کی علامت سانس کی تنگی اور بخار ہے۔ اس کے بہت سے اقسام، احکام، اسباب و علامات ہیں۔ جو کتب طب میں مذکور ہیں۔ شرح سفر السعادۃ میں ان کا کچھ مجمل ذکر دیا گیا ہے۔

[4] اس کا معنی گزشتہ حدیث کی شرح سے معلوم ہو چکا ہے۔

[5] حدیث میں صاحب الہدم کا لفظ آیا ہے۔ گزشتہ حدیث میں ھدم دال ساکن اور دال کی فتح دونوں کا معنی بیان ہو چکا ہے۔ یہاں دال کی زبر زیادہ مناسب ہے۔

[6] حدیث میں لفظ جُمْعٌ آیا ہے۔ جیم کی پیش۔ بعض نے جیم کی زیر کہا اور میم ساکن۔ بمعنی مجموع یعنی وہ عورت جو بچہ جنتے وقت مرجائے اور بچہ اس کے پیٹ سے باہر نہ آسکے اور جو عورت بچے کی پیدائش کے بعد مرے اس کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض نے لفظ جمع کی تفسیر کنوارے پن سے کی ہے۔ کہ بچہ کی طرح اس میں کنوارا پن موجود اور ساتھ ہوتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت جُمْعٌ سے مرگئی اور اس سے بچی وغیرہ باہر نہ آئی تو وہ شہید ہے۔

۱۴۶۶ وَعَنْ سَعْدٍ[1] قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءً قَالَ الْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ فَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ صُلْبًا نِ اشْتَدَّ بَلَاءُهٗ وَاِنْ كَانَ فِيْ دِيْنِهٖ رِقَّةٌ هُوِّنَ عَلَيْهِ فَمَا زَالَ كَذٰلِكَ حَتّٰى يَمْشِيَ عَلَى الْاَرْضِ مَالَهٗ ذَنْبٌ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سخت مصیبت والے لوگ کون ہیں۔ فرمایا انبیاء پھر ترتیب وار افضل لوگ[2]۔ انسان اپنی دینداری کے مطابق مصائب میں مبتلا ہوتا ہے۔ اگر اس کے دین میں تصلب و پختگی ہے تو اس کی بلائیں اور مصیبتیں بھی سخت ہوں گی[3] اور اگر اس کے دین میں نرمی ہے تو اس پر آسانی کی جائیگی[4] ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہانتک کہ وہ زمین پر بے گناہ ہو کر چلے پھرے گا۔[5]

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

(دارمی)

ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

[1] یعنی حضرت سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ

[2] یعنی مرتبہ بمرتبہ افضل لوگ جیسے اولیاء و علماء اور صلحاء اپنے مختلف مراتب و درجات کے مطابق۔

[۳] کیونکہ وہ صاحب یقین ہے تو وہ ان مصائب پر صبر کرے گا۔ اور اسے پتہ ہوگا کہ اس حالت میں رکھنے والا رب تعالےٰ ہے۔ اس میں بہت مہربانیاں پوشیدہ ہیں تو اس کا ایمان اور کامل ہوگا۔ اور خدا کے ساتھ اس کی محبت اور قوی اور زیادہ ہوگی۔ اور اس کے گناہ مٹ جائیں گے۔ اور درجات بلند سے بلند تر ہوتے جائیں گے۔

[۴] تاکہ بے صبری نہ کرے۔ اور عدم قوت ایمان و یقین کی وجہ سے دین کی رسی سے باہر نہ نکل آئے۔ تو اللہ تعالےٰ اسے نعمت عطا کر کے اس کی تالیف قلب کرتا ہے۔ چنانچہ یہ شخص ہمیشہ آسانی کی حالت میں رہتا ہے

[۵] یہ اس آدمی کے حال کا بیان ہے جو دین میں قوی اور مضبوط ہوتا ہے۔

۱۴۷۸/۴۱ وَعَنْ عَائِشَةَ رض قَالَتْ مَا اَغْبِطُ اَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِيْ رَاَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت دیکھنے کے بعد کسی کی آسان موت پر رشک نہیں کرتی [۱]

(ترمذی۔ نسائی)

[۱] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت موت کا منظر دیکھنے سے پہلے میں آسانی سے مرنے والے پر رشک کیا کرتی تھی۔ مگر جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت و سختی دیکھی اس کے بعد کسی کی آسانی موت پر میں نے رشک نہ کیا۔ اور میرا اعتقاد ہو گیا کہ خیریت موت کی سختی میں ہے آسانی میں نہیں ہے۔ اور آپ کی موت کی اس سختی کا بیان آئندہ حدیث میں آرہا ہے۔

۱۴۷۹/۴۲ وَعَنْهَا قَالَتْ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهٗ قَدَحٌ فِيْهِ مَاءٌ وَّهُوَ يُدْخِلُ يَدَهٗ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهٗ ثُمَّ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اَوْ سَكَرَاتِ الْمَوْتِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں۔ کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی حالت میں دیکھا آپ کے پاس پانی کا پیالہ تھا آپ پیالے میں ہاتھ ڈالتے پھر چہرہ انور پر پھیر لیتے۔ اور عرض کرتے الٰہی موت کی سختیوں [۱] یا دشواریوں پر میری مدد فرما۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

[۱] یہ راوی کا شک ہے۔ سکرات سکرۃ (کاف ساکن) کی جمع ہے۔ یہ لفظ سختی، مشقت اور بے ہوشی کے معنی میں ہے۔ اور لفظ تسکیر کسی کو بے ہوش کرنے اور سلانے کے معنی میں آتا ہے۔ معلوم ہو کہ ہمارے شیخ اجل اکرم

اور محمد البکری المصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سکرات موت کے سبب میں بہت سی وجوہ بیان کی ہیں۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج شریف تمام مزاجوں سے بڑھ کر حالت اعتدال پر تھا۔ اس وجہ سے موت کا احساس والم زیادہ۔ اور اس کا اثر بھی زیادہ محسوس کیا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا۔ اِنِّیْ اُوْعَکُ کَمَا یُوْعَکُ رَجُلَانِ مِنْکُمْ یعنی مجھے اتنا بخار تھا جتنا تمہارے دو آدمیوں کو ہوتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے گزرا۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ کی روح مبارک کا آپ کے جسد لطیف سے تعلق و عشق بہت قوی اور بہت زیادہ تھا۔ تو اس کی جدائی سے آپ کو درد و تکلیف بھی زیادہ ہوئی۔ تیسری وجہ یہ کہ اس میں آپ کی امت کو تسلی دینا مطلوب ہے کہ جب وہ دیکھیں گے کہ آپ کی روح پاک کے جسم اطہر سے منتقل ہونے کی کیفیت و شدت یہ ہے تو پھر ہر امتی پر جان کندن کا معاملہ آسان محسوس ہوگا۔ چوتھی وجہ یہ بیان فرمائی کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت شریف تمام جہانوں کی جامع تھی تو آپ کی روح پاک کا آپ کے جسد اطہر سے الگ ہونا گویا تمام ارواح اور تمام اجسام کے ایک دوسرے سے جدا ہونے کی طرح تھا۔ پانچویں وجہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مملکت الٰہیہ کے متولی و نگران اور درگاہ عزت باری تعالٰے سے اس پر مقرر تھے اور کون و مکان کے جملہ احکام آپ کے سپرد کر دیے گئے تھے۔ کس کا دائرہ حکومت و سلطنت آپ سے وسیع تر ہو سکتا ہے۔ اور حکام کی عادت مستمرہ و جاریہ ہے کہ جب وہ سلطان اعظم کی درگاہ میں پیش ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں اپنی استعداد و لیاقت کے مطابق اور اپنے حال و درجے کے لائق جو ہر خوف و ہراس طاری ہوتا ہے کہ ہر ہر چیز اور ذمہ داری کے سوال و حساب سے کس طرح خلاصی ملے گی۔

ہمارے شیخ عبدالوہاب متقی رحمۃ اللہ تعالٰے اپنے شیخ حضرت علی متقی رحمۃ اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ وفات کے وقت فرماتے تھے کہ اگر مجھ سے شدت سکرات کا مشاہدہ کرو تو پریشان اور غمناک نہ ہوتا۔ کہ یہ شدت مقام و منصب قطبیت کو لازم ہے۔ اور ایک وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت تنزلات احدیث، تجلیات صمدیت اور اسرار انوار عزت و ربوبیت کا نزول ہو رہا تھا، جیسا کہ نزول وحی کے وقت ہوتا تھا۔ اور یہ آپ کے اوقات زندگی میں سب سے اتم و اکمل حال تھا۔ اور یہ سکرات در اصل ان مشاہدات و افاضات کا معائنہ تھا جو کہ جسمانیت کے رشتہ کی برداشت و مجاہدات کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ آخری وجہ گزشتہ تمام وجہوں سے بہتر اور آپ کے مقام و حال شریف کے زیادہ مطابق و موافق ہے۔ واللہ اعلم۔

ایک وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ موت کے وقت شدت سکرات کی جو کیفیت و حالت آپ پر طاری ہوئی وہ درحقیقت اس ادراک و احساس کی بنا پر طاری ہوئی کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کی خدا تعالٰے سے خاص ملاقات ہونے والی تھی۔ اس لقائے خاص کے مناسب حال آپ پر خوف، خشیت و ہیبت و جلال طاری ہوا۔ کیونکہ آپ جناب ذات خدا تعالٰے کی رحمت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز تھے۔ اسی وجہ سے قرب الٰہی کے اسی مقام میں آپ پر تواضع و نیاز مندی اور عبودیت کے

انوار و کیفیات کے ظہور نے انتہا کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انا اعرفکم باللہ واخوفکم منہ۔ مجھے تم سب سے زیادہ خدا کی معرفت حاصل ہے اور میں تم سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔ اور جو شخص جس قدر زیادہ معرفت الٰہی کا حامل ہوتا ہے اتنا ہی اس پر خوف و خشیت کا غلبہ ہوتا ہے۔ حضرت محمد البکری المصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک وجہ بیان کی کہ خدا تعالیٰ حاضری کا شوق اور آپ کی طبیعت کا تقاضا آپ کو عالم بالا کی جانب اڑا لے جانے کے درپے تھا۔ اس وجہ سے آپ نہایت جلدی اور اضطراب میں تھے۔ گویا آپ چاہتے تھے کہ آپ کی روح مبارک جلد باہر نکلے اور پوری سرعت و رغبت کے ساتھ مقام قرب خاص میں پہنچ جائے۔ اس طرح شوق ملاقات کی شدت نے آپ کے لوازمات طبعی اور مزاج بشریت کی پستی کی گھٹن پر شدید دباؤ ڈالا اور صرف پہنچنے کا شوق نہایت قوی ہو گیا۔ اس کشمکش میں آپ پر یہ حالت طاری ہوئی۔ اور ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس عالم دنیا کے لوگوں کا جو تعلق آپ کی ذات شریف سے تھا اور جو علاقہ محبت آپ کی بلند ذات سے رکھتے تھے اور ان تعلقات کی صورتیں آپ کی پاک اور نورانی ذات کے آئینہ میں بہت چمک رہی تھیں اور بالکل صاف صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ اس بنا پر آپ کو انتہا درجہ کی بے چینی لاحق ہوئی۔ ایک وجہ یہ ہے کہ پروردگار جل وعلا نے آپ کی ذات شریف کو اوصاف بشریت پر جو اعلیٰ ترین اوصاف اور بزرگ ترین خوبیوں سے متصف ہونے کا مقام ہے، باقی رکھا ہوا تھا۔ اور یہ وہ کمال ہے جو حضور ہی کی ذات اقدس کے ساتھ خاص ہے۔ اور مزاج عبودیت کے مقام کا تقاضا یہ ہے کہ محبوب حقیقی کے لیے زیادہ سے زیادہ مشقت و اذیت اور شدت تکلیف جسمانی کو برداشت کیا جائے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت فرمایا تھا۔ اَلْعَیْنُ تَدْمَعُ وَالْقَلْبُ یَحْزَنُ وَاِنَّا عَلٰی فِرَاقِکَ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ یا ابراہیم۔ آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں۔ دل غم و صدمہ سے نڈھال ہے اور اے ابراہیم تیری جدائی پر بہت غمناک ہیں۔ حضرت محمد البکری کا کلام ختم ہوا۔ یہ ہے وہ جو علماء نے بیان کیا ہے۔ اس جیسی اور وجوہات بھی بیان کی جا سکتی ہیں۔ مگر آپ کے حال شریف کی حقیقت تک پہنچنا بہت اجل اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اس کہ عقول، افہام، علوم و معارف عقلاً علماً عرفاً اس کے سامنے حاضر ہو سکیں یا اس پر حاوی ہو سکیں اور کسی ضابطے میں اسے لا سکیں۔ ؏

او برتر از آنست کہ آید بخیال
آپ کی ذات ہمارے خیال کی پرواز سے بہت ہی بلند ہے

اس مقام سے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے متشابہات کی تاویل کی طرح ہے۔ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ۔ اور انکی حقیقی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ واللہ اعلم۔

۱۴۸۰/۴۳ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالے

اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهٖ الْخَيْرَ عَجَّلَ لَهُ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدِهٖ الشَّرَّ اَمْسَكَ عَنْهُ بِذَنْبِهٖ حَتّٰى يُوَافِيَهٗ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے فوری طور پر دنیا میں سزائیں دے[1] دیتا ہے۔ اور جب کسی بندے کی برائی چاہتا ہے تو اس کی سزا اس کے گناہوں سمیت محفوظ رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے قیامت کے دن پوری پوری سزا دے[2] گا

(ترمذی)

[1] کیونکہ دنیا کا عذاب آسان ہے۔ اور دنیا میں رہنے کی مدت بھی بہت تھوڑی ہے۔ جیسے کیسے بھی ہو گزر جاتی ہے۔

[2] عرب کہتے ہیں۔ اَوفیٰ فلانا حقہ۔ اس نے فلان کو اس کا پورا پورا حق دے دیا۔

۱۴۸۱/۴۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ عُظْمَ الْجَزَآءِ مَعَ عُظْمِ الْبَلَآءِ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَحَبَّ قَوْمًا ابْتَلَاهُمْ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَآءُ وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑا[1] ثواب بڑی بلا کے ساتھ ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو اسے مبتلا کرتا[2] ہے۔ پھر جو راضی ہو گیا اس کے لیے رضا و خوشنودی ہے۔ جو ناراض ہوا اس کے لیے ناراضگی[3] ہے۔

(ترمذی۔ ابن ماجہ)

[1] عُظم (عین کی پیش ظا ساکن) تعظیم سے اسم ہے۔

[2] اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی سے دشمنی کرتا ہے تو اسے مبتلا کرتا ہے۔ چونکہ یہ شق عبارت سے سمجھ میں آجاتی ہے اس لیے اس کا ذکر نہ کیا۔

[3] یعنی بندے کی رضا اور خوشنودی اور اس کا غصہ پروردگار کی رضا ناراضگی اور اس کی محبت و دشمنی کا سبب و علامت ہے صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم ایک دوسرے سے دریافت کیا کرتے تھے کہ کیسے پتہ چل سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ بندے سے راضی ہے یا ناراض۔ اس کا جواب ان کو یہ دیا جاتا کہ اگر بندہ خدا سے راضی ہے تو خدا بھی اس سے راضی ہے۔ اور اگر بندہ خدا سے ناراض ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہے۔

۱۴۸۲/۴۵ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضـ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن مرد

لَا يَزَالُ الْبَلَآءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِالْمُؤْمِنَةِ فِيْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى يَلْقَى اللّٰهَ وَمَا عَلَيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوٰى مَالِكٌ نَحْوَهٗ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ)۔

اور مومن عورت کو اس کی جان و مال و اولاد کی مصیبتیں پہنچتی رہتی ہیں[1]۔ یہاں تک کہ وہ رب تعالیٰ سے اس طرح ملتا ہے کہ اس کے ذمہ کوئی گناہ نہیں ہوتا۔

ترمذی اور مالک نے اس کی مثل روایت کی اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے

[1] آلام، امراض اور مختلف اذیتوں کی صورت میں کہ اس کی جان اور مال میں تباہی اور نقصان ہوتا رہتا ہے۔ اسی طرح اس کی اولاد میں مرض اور موت کی شکل میں۔ یہ تمام امور گناہوں کا کفارہ اور خطاؤں کے مٹنے کا سبب بنتے ہیں۔

۱۴۸۳/۴۵ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ خَالِدِنِ السُّلَمِيِّ رضؓ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَنْزِلَةٌ لَمْ يَبْلُغْهَا بِعَمَلِهٖ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ اَوْ فِيْ مَالِهٖ اَوْ فِيْ وَلَدِهٖ ثُمَّ صَبَّرَهٗ عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى يُبْلِغَهُ الْمَنْزِلَةَ الَّتِيْ سَبَقَتْ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاؤدَ)

حضرت محمد بن خالد السلمی[1]۔ وہ اپنے والد اور دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کے لیے کوئی درجہ رب کی طرف سے مقدر ہو چکا ہوتا ہے جس تک وہ اپنے عمل سے نہیں پہنچ سکتا تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسم مال یا اولاد کی آفت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ پھر اسے اس پر صبر بھی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو رب کی طرف سے اس کے لیے مقدر ہو چکا ہوتا ہے[2]۔

(احمد۔ ابوداؤد)

[1] السلمی (سین کی پیش اور لام مخفف کی زبر) ان کا باپ اور دادا دونوں صحابی ہیں۔

[2] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ بلا و مصیبت پر صبر کرنے سے اس مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے جس تک طاعت و عبادت سے نہیں پہنچ سکتا۔

شیخ امام اجل ابو عبداللہ محمد بن علی حکیم ترمذی رحمۃ اللہ و قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔ کہ میں اپنی زندگی کے گزشتہ ایام میں سخت بیمار ہو گیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا فرمائی تو میں نے عرض کیا اور اپنے نفس کا اندازہ لگایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کی صورت میں میری کتنی اصلاح اور کیا تدبیر فرمائی ہے اور دونوں جہان کی عبادت

جو اس مدت میں ہو سکتی ہے۔ اس کے درمیان فرق کا بھی اندازہ لگایا تو میں نے اپنے آپ سے کہا اگر مجھے اختیار دیا جاتا اس بیماری اور دونوں جہاں کی عبادت کے درمیان جو اس عرصہ میں ہو سکتی ہے کہ میں ان دونوں میں سے کس طرف کو ترجیح دوں۔ اور کسے اختیار کروں تو میرا عزم صحیح ——— میرا یقین ثابت ——— اور میری بصیرت اس پر واقع ہوئی کہ جو کچھ میرے پروردگار نے میرے لیے پسند کیا ہے۔ وہ شرف کے لحاظ اکثر اجر کے لحاظ سے بڑا۔ اور انجام کے اعتبار سے زیادہ نفع مند ہے۔ اور وہ بیماری و مرض جسے میرے پروردگار تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے میرے لیے تدبیر کیا۔ وہ ایسی بندگی تھی جو شائبہ عجب وریا سے پاک و منزہ تھی۔ اور مجھے معلوم ہو گیا کہ بلا و مصیبت کو کیوں ترقیت دی گئی ہے۔ یہ مسئلہ اپنے رسالہ تسلیۃ المصاب نیل الاجر والثواب میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔

۱۴۸۴/۴۷ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ الشِّخِّيْرِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُثِّلَ ابْنُ اٰدَمَ وَاِلٰى جَنْبِهٖ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ مَنِيَّةً اِنْ اَخْطَاَتْهُ الْمَنَايَا وَقَعَ فِى الْهَرَمِ حَتّٰى يَمُوْتَ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت عبداللہ بن شخیر[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابن آدم[2] کو اس حالت میں پیدا کیا گیا ہے کہ اس کے پہلو میں ننانوے موتیں[3] بھی پیدا کی گئیں۔ اگر وہ ان موتوں کے نرغے سے بچ بھی گیا تو بڑھاپے میں جا گرتا ہے پھر اسے موت آلیتی ہے[4]

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حضرت عبداللہ بن شخیر (شین معجمہ کی زیر اور خائے معجمہ مشددہ کی زیر) رضی اللہ عنہ۔ آپ صحابی ہیں۔ بصرہ میں اقامت پذیر رہے۔

[2] اصل میں لفظ مُثِّلَ ہے۔ میم کی پیش ثا مشددہ کی زیر یعنی تصویر بنائی گئی۔ اور پیدا کیا گیا۔

[3] اس کے پہلو میں یعنی اس کے قریب اور متصل۔ ننانوے موتوں سے آفات و بلائیں مراد ہیں۔ جو موت و ہلاکت کے اسباب ہیں۔

[4] یعنی اگر وہ آفات و بلیات سے بچ بھی گیا تو بڑھاپے میں جا گرتا ہے۔ یعنی آدم زاد بے انداز مصائب و بلاؤں کے گھیرے میں ہے سے خلاصی پانا مشکل امر ہے۔ اور اگر نادرًا ان سے بچ ہی گیا تو بڑھاپے کی عمر میں جا پہنچتا ہے جو درد بے دوا اور بلائے بے انتہا ہے۔ کہ مرے بغیر چارہ نہیں۔ اور بڑھاپا اسے موت کے گھاٹ اتار کر ہی رہتا ہے۔

۱۴۸۴/۴۸ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْاَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اہل عافیت آرزو کریں گے جب کہ اہل مصائب کو مصائب و آلام برداشت کرنے پر اجر و ثواب عطا کیا جائے گا کہ کاش ان کے چمڑے دنیا میں قینچیوں کے ساتھ کاٹے جاتے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۴۸۶/۴۹ وَعَنْ عَامِرِ نِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهٖ وَمَوْعِظَةً لَهٗ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهٗ اَهْلُهٗ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْاَسْقَامُ وَاللّٰهِ مَا مَرِضْتُ قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ)

حضرت عامر الرام[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کا ذکر کیا۔ اور فرمایا جب مومن کو کوئی بیماری پہنچتی ہے پھر اسے اللہ تعالیٰ تندرستی عطا کرتا ہے تو وہ بیماری اس کے گزشتہ گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ کے لیے اسے پند و نصیحت کا کام دیتی ہے اور منافق جب بیمار ہوتا ہے پھر اسے شفا ہوتی ہے تو وہ اونٹ کی طرح ہوتا ہے۔ جسے اس کے مالکوں نے باندھا پھر اسے آزاد کر دیا۔ تو وہ نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں چھوڑ دیا[2]۔ ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ بیماریاں کیا ہوتی ہیں۔ اللہ کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں ہوا۔ فرمایا ہمارے پاس سے اٹھ جاؤ۔ تو ہم میں سے نہیں ہے۔

(ابو داؤد)

---

[1] الرام رامی کا مخفف ہے بمعنی تیر انداز انہیں عامر بن الرام بھی کہتے ہیں۔ صحیح اول ہے۔ آپ صحابی ہیں۔ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔ اور سند مجہول سے مروی ہے۔

[2] یعنی عقل و تمیز نہ ہونے کی وجہ سے نہیں جانتا کہ اسے کیوں باندھا اور کیوں آزاد کر دیا۔ اسی طرح منافق ہے۔

بخلاف مومن کے کہ وہ جانتا ہے کہ اسے بیمار کرنے میں اس کی تادیب وتہذیب مقصود ہے اور عافیت وتندرستی شکرگزاری اور اس کی نعمتوں کی قدردانی کے لیے ہے۔

[3] اور رحم سے دور ہو جا۔

[4] ظاہر یہ ہے کہ یہ شخص منافق تھا۔ جیسا کہ شرح شیخ میں آیا ہے۔ ورنہ آپ اسے اس شدت وسختی کے ساتھ ایسا نہ فرماتے۔

۱۴۸۷/۵۰ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَهٗ فِیْ اَجَلِهٖ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَایَرُدُّ شَیْئًا وَّیَطِیْبُ بِنَفْسِهٖ۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی بیمار کے پاس جاؤ تو اس کے لیے اس کی موت کی کشادگی کی دعا کرو[1] کیونکہ اس سے واپس تو کوئی چیز نہ ہوگی۔ اور اس کا دل خوش ہو جائے گا[2]۔

(ترمذی وابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے

[1] جیسے کہتے ہیں غم نہ کر۔ اور کوئی ڈر کی بات نہیں۔ انشاء اللہ تعالے تو شفایاب ہوگا اور تیری عمر دراز ہوگی صراح میں ہے تنفیس بمعنی کسی کو آسائش وآرام دینا۔ اور غم سے نجات دلانا۔

[2] حدیث میں واقع لفظ یطیب تخفیف سے ہے۔ اور بنفسہ میں با زائد ہے۔ بعض نسخوں میں یُطَیِّبُ نفسہ آیا ہے یعنی یا کی تشدید اور با کے بغیر۔ یعنی اس کے دل کو خوش کرے۔

۱۴۸۸/۵۱ وَعَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ صُرَدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَتَلَهٗ بَطْنُهٗ لَمْ یُعَذَّبْ فِیْ قَبْرِهٖ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ)

حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے اس کے پیٹ نے قتل کر دیا[1]۔ اسے قبر میں عذاب نہ ہوگا۔

(احمد۔ ترمذی)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] اس کا معنی فصل اول میں لفظ مبطون کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

۱۴۸۹/۵۲ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُوْدِيٌّ يَخْدِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَعَدَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَقَالَ لَهٗ اَسْلِمْ فَنَظَرَ اِلٰى اَبِيْهِ وَهُوَ عِنْدَهٗ فَقَالَ اَطِعْ اَبَا الْقَاسِمِ فَاَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُوْلُ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْقَذَهٗ مِنَ النَّارِ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

تیسری فصل

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی بچہ[1] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا وہ بیمار پڑ گیا آپ اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لائے اور اس کے پاس بیٹھ گئے۔ اور اس سے فرمایا اسلام لے آ۔ اس بچے نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے کہا اے بچے ابوالقاسم[2] کی بات مان لے تو وہ بچہ مسلمان ہو گیا تو آپ یہ کہتے ہوئے وہاں سے باہر تشریف لائے تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں۔ جس نے اس بچے کو آگ سے بچا لیا۔[3]

(بخاری)

---

[1] شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے فرمایا میں اس بچے کے نام سے واقف نہیں ہو سکا۔ بعض نے کہا اس کا نام عبدالقدوس تھا۔

[2] ابوالقاسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ہے۔ یہود اکثر و بیشتر آپ کا ذکر اس کنیت سے کرتے تھے۔ آپ کے اسم مبارک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، سے آپ کا ذکر بہت کم کرتے تھے۔ تاکہ تورات میں مذکور اس نام مبارک سے ان پر الزام عائد نہ ہو۔ (کہ یہود آپ کو پہلے سے جانتے ہیں)

[3] اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر سے خدمت لینا جائز ہے۔ اور اس کے اسلام کی امید رکھتے ہوئے اس کی عیادت و بیمار پرسی کرنا بھی جائز ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی کافر اپنا رشتہ دار یا ہمسایہ ہو تو اس کی عیادت کرنا بھی جائز ہے۔

۱۴۹۰/۵۳ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مریض کی بیمار پرسی کر جاتا ہے تو آسمان سے ایک ندا کرنے

مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَ طَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّءْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا.
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

ندا کرتا ہے[1] کہ تجھے دنیا میں خوشی و مسرت نصیب ہو۔ اور تیرا چلنا پھرنا بھی تیرے لیے خوشی کا باعث بنے[2]۔ اور تجھے جنت میں ٹھکانا اور منزل نصیب ہو[3]۔
(ابن ماجہ)

[1] یعنی فرشتہ۔

[2] یا تجھے آخرت میں چلنا یا دنیا و آخرت دونوں میں پاؤں سے چلنا پھرنا بھی تیرے لیے خوشی کا باعث بنے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ عیادت کو پیادہ جانا بہت فضیلت والا کام ہے۔

[3] یہ تینوں جملے اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیادت کرنے والے کے پسندیدہ حال کی خبر دینے کے لیے ہیں۔

۱۴۹۱/۵۴ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ عَلِيًّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ وَجَعِهِ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَقَالَ النَّاسُ يَا اَبَا الْحَسَنِ كَيْفَ اَصْبَحَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَصْبَحَ بِحَمْدِ اللّٰهِ بَارِئًا. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ.

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس درد و بیماری میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے باہر تشریف لائے جس میں حضور نے وفات پائی۔ لوگوں نے کہا اے ابو الحسن آج صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کیسا ہے۔ فرمایا الحمد للہ آپ کی حالت بہتر ہے[1]۔
(بخاری)

[1] یعنی الحمد للہ آپ بہتر ہو رہے ہیں۔ اور ادب یہی ہے کہ جب بیمار کا حال دریافت کیا جائے تو اس کے بارے میں بہتر جواب دیا جائے۔

۱۴۹۲/۵۵ وَعَنْ عَطَاءِ بْنِ اَبِيْ رَبَاحٍ قَالَ قَالَ لِيْ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلَا اُرِيْكَ امْرَاَةً مِّنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ قُلْتُ بَلٰى قَالَ هٰذِهِ الْمَرْاَةُ السَّوْدَاءُ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اُصْرَعُ وَاِنِّيْ اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ لِيْ فَقَالَ اِنْ

حضرت عطا[1] بن ابی رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے وہ عورت[2] نہ دکھاؤں جو اہل بیت میں سے ہے میں نے کہا ضرور دکھائیں۔ فرمایا یہ کالے رنگ کی عورت[3]۔ یہ عورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی اور آپ سے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ! مجھے مرگی کا دورہ[4] پڑتا ہے۔ اور میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔

شِئْتِ صَبَرْتِ وَلَكِ الْجَنَّةُ وَاِنْ شِئْتِ دَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُّعَافِيَكِ فَقَالَتْ اَصْبِرُ فَقَالَتْ اِنِّيْ اَتَكَشَّفُ فَادْعُ اللّٰهَ اَنْ لَّا اَتَكَشَّفَ فَدَعَا لَهَا. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

آپ نے اسے فرمایا اگر تو چاہے تو اس پر صبر کر اور تیرے لیے جنت ہوگی۔ اور اگر تو چاہتی ہے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے عافیت و تندرستی عطا کرے اس نے عرض کیا میں اس بیماری پر صبر کروں گی پھر اس نے عرض کیا میں برہنہ ہو جاتی ہوں آپ میرے لیے اللہ سے دعا کریں۔ کہ میں برہنگی سے بچ جاؤں تو آپ نے اس کے لیے دعا کی۔[٥٥] (بخاری و مسلم)

٥١ عطاء بن ابی رباح (راکی زبر اور با مخفف) آپ تابعی ہیں۔ آپ اکابر علماء اور اجلہ فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے۔ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی فاضل شخص نہیں دیکھا۔ آپ سیاہ فام یک چشم لنگڑے اور شل ہاتھوں والے تھے۔ اس کے بعد نابینا ہو گئے۔ جس دن آپ فوت ہوئے امام اوزاعی نے کہا زمین میں سب سے پسندیدہ انسان آج فوت ہو گیا۔

٥٢ اس عورت کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس کا نام شعیرہ (سین کی پیش عین کی زبر) تھا۔ بعض نے سقیرہ اور سکیرہ بجائے عین کے قاف یا کاف بتایا۔ بعض نے اس کا نام ماشطہ بیان کیا اور بعض نے کہا اس کا نام خدیجہ تھا۔ واللہ اعلم۔

٥٣ یہ ایک مشہور بیماری ہے۔

٥٤ حدیث میں لفظ اَتَکَشَّفُ آیا ہے۔ یعنی تاکو تانیہ سے۔ یعنی میں برہنہ ہو جاتی ہوں۔ یا مجھے برہنہ ہونے کا ڈر ہوتا ہے۔ یا میں برہنہ ہونے سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں۔ جیسے لفظ تاثم بمعنی گناہ سے بچنا اور ڈرنا۔

٥٥ اس حدیث میں اس امر کی دلیل موجود ہے کہ ثواب آخرت کی امید میں علاج نہ کرنا جائز ہے۔ اور اس امر پر بھی کہ دعا و التجا کے ذریعے امراض کا علاج جائز ہے۔

١٤٩٣/٥٦ وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ رض قَالَ اِنَّ رَجُلًا جَاءَهُ الْمَوْتُ فِيْ زَمَنِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ هَنِيْئًا لَهٗ وَلَمْ يُبْتَلَ بِمَرَضٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت یحییٰ بن سعید[٥٦] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں فوت ہو گیا۔ ایک شخص نے اس کی موت پر کہا اس کا مرنا گوارا اور اچھا ہو کہ فوت ہوا ہے اور اسے کوئی بیماری لاحق نہیں ہوئی۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تجھ پر افسوس اور تعجب تجھے یہ کیسے

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْحَكَ مَا يُدْرِيْكَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ ابْتَلَاهُ بِمَرَضٍ فَكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ سَيِّئَاتِهٖ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ مُرْسَلًا)

معلوم ہوا۔ اگر اللہ اسے کسی بیماری میں مبتلا کرتا تو اس کے گناہوں کو مٹا دیتا۔ یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

مالک نے اسے مرسلاً روایت کیا

۱؎ حضرت یحیی بن سعید انصاری تابعی ہیں۔ حضرت انس اور دوسرے صحابہ اور قدما سے روایت کرتے ہیں۔

۱۴۹۴/۵۷ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ رضہ وَالصُّنَابِحِيِّ اَنَّهُمَا دَخَلَا عَلٰى رَجُلٍ مَرِيْضٍ يَعُوْدَانِهٖ فَقَالَا لَهٗ كَيْفَ اَصْبَحْتَ قَالَ اَصْبَحْتُ بِنِعْمَةٍ قَالَ شَدَّادٌ اَبْشِرْ بِكَفَّارَاتِ السَّيِّئَاتِ وَحَطِّ الْخَطَايَا فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُوْلُ اِذَا اَنَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنًا فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَا ابْتَلَيْتُهٗ فَاِنَّهٗ يَقُوْمُ مِنْ مَضْجَعِهٖ ذٰلِكَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ مِنَ الْخَطَايَا وَيَقُوْلُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِيْ وَابْتَلَيْتُهٗ فَاَجْرُوْا لَهٗ مَا كُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهٗ وَهُوَ صَحِيْحٌ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت شداد بن اوس[1] اور الصنابحی[2] رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ دونوں حضرات ایک بیمار کی بیمار پرسی کو گئے۔ انہوں نے اس سے کہا تیرا کیا حال ہے۔ اس نے کہا میں اللہ کی نعمت و رحمت کے اندر ہوں۔ حضرت شداد نے کہا تجھے گناہوں اور خطاؤں کے مٹ جانے کی بشارت ہو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میں اپنے مومن بندوں میں سے کسی بندے کو بیماری وغیرہ میں مبتلا کرتا ہوں اور وہ اس ابتلا پر میری حمد و ثنا کرتا ہے تو وہ اپنی بیماری کے بستر سے اس حال میں اٹھتا ہے جیسے اسے ماں نے جس دن جنا تھا کہ وہ گناہوں سے بالکل پاک و صاف تھا۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے (اعمال لکھنے والے فرشتوں کو) میں نے اس بندے کو بیماری میں مقید کیا اور اسے آزمایا۔ اس کے لیے وہی اجر و ثواب لکھو[2] جو تندرستی کی حالت میں اس کے لیے لکھا کرتے تھے۔

(احمد)

۱؎ آپ بھی صحابی ہیں اور آپ کا باپ بھی۔

[2] الصُنابحی صاد کی پیش سے صنابح بن زاہر کی طرف نسبت ہے۔ ان کا نام عبداللہ ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ آپ صحابی ہیں یا تابعی۔

[3] اصل میں لفظ اجرا آیا ہے۔ ہمزہ کی زبر جیم ساکن۔ اجراء سے۔ بمعنیٰ جاری کرنا اور وظیفہ عطا کرنا۔

۱۴۹۵/۵۸ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَثُرَتْ ذُنُوْبُ الْعَبْدِ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَا يُكَفِّرُهَا مِنَ الْعَمَلِ ابْتَلَاهُ اللهُ بِالْحُزْنِ لِيُكَفِّرَهَا عَنْهُ.

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندے کے گناہ بہت ہو جاتے ہیں اور اس کے عمل میں کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی جو اس کے گناہوں کا کفارہ بنے تو اللہ تعالیٰ اسے غم واندوہ میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ اس کے گناہوں کا اسے کفارہ بنا دے۔

(احمد)

۱۴۹۶/۵۹ وَعَنْ جَابِرٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِيْضًا لَمْ يَزَلْ يَخُوْضُ الرَّحْمَةَ حَتّٰى يَجْلِسَ فَاِذَا جَلَسَ اغْتَمَسَ فِيْهَا.

(رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَحْمَدُ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے وہ مسلسل رحمت الٰہی میں گھستا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب بیٹھ جاتا ہے تو مکمل طور پر رحمت الٰہی میں ڈوب جاتا ہے۔

(مالک واحمد)

[1] اصل میں لفظ خوض آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے پانی میں گھس جانا۔

۱۴۹۷/۶۰ وَعَنْ ثَوْبَانَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ اَحَدَكُمُ الْحُمّٰى فَاِنَّ الْحُمّٰى قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيُطْفِئْهَا بِالْمَاءِ فَلْيَسْتَنْقِعْ فِيْ نَهْرٍ جَارٍ وَلْيَسْتَقْبِلْ جَرْيَتَهٗ فَيَقُوْلُ بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ اشْفِ عَبْدَكَ

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کو بخار آئے تو بیشک یہ بخار آگ کا ایک ٹکڑا ہے چاہیے کہ پانی سے اسے بجھائے[2]۔ پس اسے چاہیے کہ جاری نہر میں جا گھسے اور جس طرف سے پانی آ رہا ہے منہ اس طرف کرے۔ اور کہے اللہ کے نام سے اے اللہ اپنے بندے کو شفا عطا کر۔ اور اپنے رسول کو سچا کر دکھا[3]۔ یہ فعل صبح کے وقت طلوع آفتاب سے پہلے کرے۔ اور چاہیے کہ

وَصَدِّقْ رَسُوْلَكَ بَعْدَ صَلٰوةِ الصُّبْحِ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَلْيَنْغَمِسْ فِيْهِ ثَلَاثَ غَمَسَاتٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ ثَلٰثٍ فَخَمْسٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ خَمْسٍ فَسَبْعٌ فَاِنْ لَّمْ يَبْرَأْ فِيْ سَبْعٍ فَتِسْعٌ فَاِنَّهَا لَا تَكَادُ تُجَاوِزُ تِسْعًا بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

تین دن روزانہ تین غوطے لگائے۔ اگر تین دن میں تندرست نہ ہو تو پانچ دن کرے اگر پانچ دن میں ٹھیک نہ ہو تو سات دن کرے۔ سات دنوں میں شفا یاب نہ ہو تو نو دن یہ عمل کرے کہ بے شک نہیں قریب کہ نو دن سے یہ بخار تجاوز کرے اللہ کے اذن و حکم سے۔

اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

۱۴۹۸ / ۶۱ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ ذُكِرَتِ الْحُمّٰى عِنْدَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

---

[1] آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر و حضر میں ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے

[2] علماء نے کہا ہے کہ یہ طریق علاج بخار کی بعض اقسام کے ساتھ خاص ہے۔ جو حرارت سے لاحق ہوتا ہے جیسا کہ اہل حجاز کی عادت ہے۔ اور جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمانی علاج کرنا بالتبع اور ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ اور منصب نبوت کا مقصود اصلی روحانی علاج کرنا ہے۔ اس بنا پر آپ نے ہر قسم کے امراض کے علاج کا احاطہ نہ فرمایا۔ بلکہ اکثر و اغلب امراض کے علاج کا بیان فرمایا جو بلاد عرب میں پائے جاتے تھے۔ واللہ اعلم۔

اس کی مزید تحقیق کتاب طب ورقی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک اَلْحُمّٰى مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ کہ بخار دوزخ کی تپش میں سے ہے، کی شرح میں آرہی ہے۔ مناسب یہ تھا کہ مصنف علیہ الرحمۃ اسے اس کتاب میں ذکر کرتے۔ کیونکہ اس حدیث میں عیادت مریض اور ثواب مرض کا کوئی ذکر نہیں۔ اس کے بعد حضور نے بخار ٹھنڈا کرنے کا طریقہ ارشاد فرمایا۔

[3] حدیث میں لفظ جریۃ آیا ہے جیم کی زبر یا زیر۔

[4] جس نے یہ علاج بیان فرمایا ہے اور اطلاع دی ہے کہ جو شخص یہ علاج کرے گا شفا یاب ہوگا۔

[5] یہ نہر میں غوطہ لگانے کا بیان اور اس کی وضاحت ہے۔ یہ عبارت یہ احتمال بھی رکھتی ہے کہ تین دن میں تین غوطے لگائے ہر روز ایک غوطہ۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہر دن تین غوطے لگائے۔

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَبَّھَا رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبَّھَا فَاِنَّھَا تَنْقِی الذُّنُوْبَ کَمَا تَنْقِی النَّارُ خَبَثَ الْحَدِیْدِ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے بخار کا ذکر کیا گیا تو ایک آدمی نے بخار کو گالی دی۔ آپ نے فرمایا اسے گالی نہ دے۔ کیونکہ یہ گناہوں کو اس طرح ختم کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کی میل کو ختم کرتی ہے[1]۔

(ابن ماجہ)

[1] یعنی اسے پگلا کر اس سے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ اسی طرح بخار بندے کو گناہوں سے پاک وصاف کر دیتا ہے اور یہ وصف شکر گزاری کا متقاضی ہے۔ اس وجہ سے مشائخ کرام نے فرمایا بلا ومصیبت کا وظیفہ شکر ادا کرنا ہے۔ جس طرح نعمت میں شکر ادا کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ خدا تعالے کی نہ محسوس ہونے والی مہربانیوں کو متضمن ہے لیکن چونکہ بندہ ضعیف وناتواں ہے۔ اس لیے شکر کی جگہ صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

۱۴۹۹/۶۲ وَعَنْہُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَادَ مَرِیْضًا فَقَالَ اَبْشِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ ھِیَ نَارِیْ اُسَلِّطُھَا عَلٰی ~~عَبْدِیَ~~ الْمُؤْمِنِ فِی الدُّنْیَا لِتَکُوْنَ حَظَّہٗ مِنَ النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَۃَ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیمار کی بیمار پرسی فرمائی۔ تو اسے کہا تجھے بشارت ہو کہ بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ بخار میری آگ ہے جسے میں دنیا میں اپنے بندۂ مومن پر مسلط کرتا ہوں۔ تاکہ یہ بخار قیامت کے دن کی آگ کا حصہ (عوض) بن جائے۔

احمد، بیہقی فی شعب الایمان اور ابن ماجہ

۱۴۹۹/۶۳ وَعَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّبَّ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی یَقُوْلُ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ لَا اُخْرِجُ اَحَدًا مِنَ الدُّنْیَا اُرِیْدُ اَغْفِرُ لَہٗ حَتّٰی اَسْتَوْفِیَ کُلَّ خَطِیْئَۃٍ فِیْ عُنُقِہٖ بِسَقَمٍ فِیْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک رب سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے۔ مجھے اپنی عزت[1] وجلال کی قسم۔ میں کسی کو دنیا سے نہیں نکالتا جسے میرا بخشنے کا ارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر گناہ کو اس کی گردن سے پورا نہ کر لوں۔ اس کے بدن میں بیماری کے ذریعے یا اس کے رزق میں تنگی پیدا کر کے[2]

بَدَنِهٖ وَاِقْتَارٍ فِيْ رِزْقِهٖ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

(رزین)

[1] یعنی مجھے اپنی ذات کی عزت اور صفات کے جلال کی قسم۔

[2] حدیث میں لفظ سُقم سین کی پیش یا سین اور قاف کی زبر سے اقتار (ہمزہ کی زیر قاف ساکن) یعنی جو گناہ اس سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس کی سزا بھی اسے دنیا میں ہی بیماری اور تنگدستی کی شکل میں دے دیتا ہوں۔ اس طرح وہ عذاب آخرت سے بخش دیا جاتا ہے۔ اور اہل نجات سے کر دیا جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ فقر و بیماری اور مصائب و آلام گناہوں کا کفارہ بنا دیے جاتے ہیں۔

$\frac{١٥٠٠}{٦٤}$ وَعَنْ شَقِيْقٍ قَالَ مَرِضَ عَبْدُ اللهِ فَعُدْنَاهُ فَجَعَلَ يَبْكِيْ فَعُوْتِبَ فَقَالَ اِنِّيْ لَا اَبْكِيْ لِاَجْلِ الْمَرَضِ لِاَنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْمَرَضُ كَفَّارَةٌ وَاِنَّمَا اَبْكِيْ اَنَّهٗ اَصَابَنِيْ عَلٰى حَالِ فَتْرَةٍ وَلَمْ يُصِبْنِيْ فِيْ حَالِ اجْتِهَادٍ لِاَنَّهٗ يُكْتَبُ لِلْعَبْدِ مِنَ الْاَجْرِ اِذَا مَرِضَ مَا كَانَ يُكْتَبُ لَهٗ قَبْلَ اَنْ يَمْرَضَ فَمَنَعَهٗ مِنْهُ الْمَرَضُ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت شقیق[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے تو ہم لوگ ان کی مزاج پرسی کو گئے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رونا شروع کر دیا۔ اس پر ان کی ملامت کی گئی۔ آپ نے فرمایا میں بیماری کی وجہ سے نہیں روتا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ بیماری گناہوں کا کفارہ ہے میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ بیماری مجھے بڑھاپے[2] میں آگر لاحق ہوئی ہے۔ قوت و جوانی کی حالت میں عارض نہیں ہوئی۔ کیونکہ بیماری کے دوران اس کے لیے وہی اجر و ثواب لکھا جاتا ہے جو بیماری سے پہلے اس کے لیے لکھا جاتا تھا۔ اور جس سے بیماری آکر اسے روک دیتی[3] ہے۔

(رزین)

[1] حضرت شقیق رضی اللہ عنہ ثقہ اور اکابر تابعین اور علماء عاملین میں سے ہیں۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا مگر آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ آپ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے خاص دوستوں میں سے ہیں۔

[2] اصل حدیث میں لفظ فَتْرَۃ آیا ہے۔ فا کی زبر تا ساکن بمعنی سستی اور ناتوانی۔

[۳] اور جب کہ جوانی و قوت اور حالت صحت میں عمل زیادہ ہوتا ہے۔ بیماری میں بھی اس کا عمل زیادہ لکھا جاتا ہے۔ اور ضعف و پیری کی حالت میں انسان سے نیک عمل کم ہوتا ہے۔ تو اسکا عمل بھی کم لکھا جاتا ہے۔ کاش کہ میں جوانی میں بیمار ہوتا تاکہ میرا عمل زیادہ لکھا جاتا۔ یہاں ایک سوال کیا جاتا ہے۔ کہ جب بیماری میں بھی وہی عمل لکھا جاتا ہے جو وہ حالت صحت میں کرتا تھا۔ تو پھر بیماری میں قوت و کثرت عمل کی آرزو کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آرزو کا تعلق بے مشقت و تھکاوٹ کے کتابت عمل اور اس کے اثبات سے ہے۔ پس اگر بیماری کثرت عمل کے زمانہ میں لاحق ہو تو بے مشقت زیادہ عمل لکھا جاتا ہے یا اس وجہ سے کہ جو عمل حالت مرض میں لکھا جاتا ہے۔ اس میں ریا، سمعہ اور عجب کا کوئی دخل و شائبہ نہیں ہوتا۔ اسے خوب سمجھ لو۔

١٥٠١/٦٥ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعُوْدُ مَرِيْضًا اِلَّا بَعْدَ ثَلٰثٍ۔ (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ).

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مریض کی مزاج پرسی کو تشریف نہ لے جاتے مگر تین رات گزارنے کے بعد [۱]

(ابن ماجہ)
اور بیہقی فی شعب الایمان

[۱] واضح ہو کہ بعض محدثین نے کہا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ ان کے نزدیک عیادت میں سنت یہ ہے کہ اول مرض میں ہی کی جائے نہ کہ تین دن گزرنے کے بعد۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔ جمہور علماء اس پر ہیں کہ عیادت کسی خاص وقت و زمانے سے مقید نہیں ہے۔ کیونکہ عیادت کے بارے میں مطلق بے قید حکم آیا ہے۔ جب چاہے عیادت کو جا سکتا ہے۔ اول وقت ہو یا آخر وقت اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا راوی مسلمہ بن علی ہے۔ جو متروک ہے۔ ابو حاتم نے کہا یہ حدیث باطل ہے۔ مگر احیاء العلوم میں کہا کہ مریض کی مزاج پرسی نہ کی جائے مگر تین دن گزرنے کے بعد۔ اس حدیث کی وجہ سے۔ اور کہا کہ بیماری لاحق ہوتے ہی بیمار پرسی شروع کر دینا مناسب نہیں کہ اس میں گویا اس کے بیمار ہونے پر خوشی کا اظہار ہے۔ مگر صاحب احیاء کا بیان کمزور ہے۔

١٥٠٢/٦٦ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتَ عَلٰى مَرِيْضٍ فَمُرْهُ يَدْعُوْا لَكَ فَاِنَّ دُعَآءَهٗ كَدُعَاءِ

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تو کسی مریض کے پاس جائے۔ تو اسے حکم دے کہ وہ تیرے لیے دعا کرے کہ اس کی دعا ملائکہ

الْمَلٰئِكَةِ

(رَوَاهُ بْنُ مَاجَةَ)

کی دعا کی طرح ہے[1]۔

(ابن ماجہ)

[1] شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ مرض کے باعث بندہ درگاہ الٰہی کے قریب ہو چکا ہوتا ہے اور بشری احکام کھانے پینے وغیرہ سے مبرا ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اسے بیماری کی وجہ سے باطن کی طہارت و صفائی اور ریاضت نفس حاصل ہو چکی ہوتی ہے۔ اور اس کی توجہ عالم غیب کی طرف بندہ دل ہو چکی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۰۳/۶۶ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ تَخْفِيْفُ الْجُلُوْسِ وَقِلَّةُ الصَّخَبِ فِي الْعِيَادَةِ عِنْدَ الْمَرِيْضِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَثُرَ لَغَطُهُمْ وَاخْتِلَافُهُمْ قُوْمُوْا عَنِّيْ۔

(رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ یہ بات سنت میں سے ہے کہ عیادت کے وقت مریض کے پاس کم بیٹھا جائے۔ اور اس کے پاس شور[1] و غل کم کیا جائے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا[2] کہ جب لوگوں کا شور و غل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ ہو گیا تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میرے پاس سے اٹھ جاؤ[3]۔

(رزین)

[1] حدیث میں لفظ صَخَب آیا ہے۔ صاد اور خا کی زبر سے۔ بمعنی سخت آواز۔ نسخ حدیث میں دونوں زبروں اور خا ساکن دونوں طرح آیا ہے۔ اور سین و صاد دونوں لغات ہیں۔ معنی فریاد کرنا اور آوازوں کا ایک دوسری سے ٹکرانا۔

[2] یعنی شور و غل کم کرنے پر استدلال کرتے ہوئے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ بیمار کے پاس آواز بلند کرنا اور شور کرنا مکروہ ہے (لَغَط لام اور غین کی زبر آخر میں طا مہملہ۔ بمعنی آواز یا ایسی آوازیں جن کا معنی سمجھ نہ آئے۔ اس حدیث کی تحقیق باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں انشاء اللہ آ رہی ہے۔

۱۵۰۴/۶۸ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيَادَةُ فَوَاقُ نَاقَةٍ وَفِيْ رِوَايَةِ سَعِيْدِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ مُرْسَلًا اَفْضَلُ الْعِيَادَةِ سُرْعَةُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بیمار پرسی میں اتنا وقت صرف کیا جائے۔ جتنے وقت میں اونٹنی کا دودھ نکالا جاتا ہے[1]۔ اور حضرت سعید بن المسیب[2] کی ایک روایت میں مرسلا آیا ہے کہ افضل عیادت

الْقِيَامِ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

جلدی اٹھ جانا ہے ۳؎

(بیہقی شعب الایمان)

۱؎ اونٹنی کا دودھ دوہنے سے مراد یہ ہے کہ جب ایک بار دوھتے ہیں تو ذرا صبر کرتے ہیں۔ اور اس کے تھنوں کو ملتے ہیں۔ یا اس کے بچے کو چھوڑتے ہیں۔ تاکہ وہ دودھ آتار دے۔ لفظ فواق فا کی پیش و زبر دو طرح درست ہے۔

۲؎ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔

۳؎ اس کی وجہ بیمار کی کوفت و تکلیف اور پریشان ہونے کا خوف و ڈر ہے۔ اور اگر کوئی بیمار کا دوست ہو کہ اس کا بیٹھنا اور باتیں کرنا مریض کو اچھا لگے تو یہ دوسری بات ہے۔ یہ عیادت میں داخل نہیں۔ بلکہ یہ اس کے ساتھ صحبت و مجلس ہے۔ عیادت کا حق علی العموم وہی ہے جو بیان ہوا۔ اسے سمجھو۔

۱۵۰۵/۶۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَادَ رَجُلًا فَقَالَ لَهٗ مَا تَشْتَهِيْ قَالَ اَشْتَهِيْ خُبْزَ بُرٍّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ عِنْدَهٗ خُبْزُ بُرٍّ فَلْيَبْعَثْ اِلٰى اَخِيْهِ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَهٰى مَرِيْضُ اَحَدِكُمْ شَيْئًا فَلْيُطْعِمْهُ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی بیمار پرسی کو گئے اور اس سے فرمایا تیرا دل کیا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کیا گندم کی روٹی ۱؎۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے پاس گندم کی روٹی ہو اپنے بھائی کے پاس بھیج دے پھر آپ نے فرمایا جب تمہارا کوئی مریض کسی چیز کی چاہت کرے تو چاہیئے کہ اسے کھلائے۔

(ابن ماجہ)

۱؎ اس سے مراد سچی چاہت ہے۔ اور وہ صحت کی نشانی ہے۔ یہ بات بھی ہے کہ کسی وقت بعض بیماروں کا جسے ان کی طبیعت چاہتی ہو کھا لینا نقصان نہیں دیتا۔ بشرطیکہ تھوڑی مقدار میں ہو کہ وہ طبیعت کو تقویت دیتا اور صحت کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ تاہم یہ ضروری ہے کہ اس کا ضرر و نقصان غالب نہ ہو۔ مختصر یہ کہ یہ حکم جو آپ نے دیا کلی حکم نہیں بلکہ جزئی حکم ہے۔ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا یہ توکل علی اللہ زندگی سے ناامیدی پر مبنی ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ بیماروں کو زبردستی کھانا پینا نہ دو۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کھلاتا پلاتا ہے۔

۱۵۰۶/۱۰ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍوؓ قَالَ تُوُفِّيَ رَجُلٌ بِالْمَدِيْنَةِ مِمَّنْ وُلِدَ بِهَا فَصَلّٰى عَيَهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا لَيْتَهٗ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قَالُوْا وَلِمَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا مَاتَ بِغَيْرِ مَوْلِدِهٖ قِيْسَ لَهٗ مِنْ مَوْلِدِهٖ اِلٰى مُنْقَطَعِ اَثَرِهٖ فِي الْجَنَّةِ.

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ مدینہ میں ہی پیدا ہونے والا ایک شخص مدینہ طیبہ میں فوت ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا کاش یہ اپنی جائے پیدائش میں نہ مرتا۱؎۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایسا کیوں۔ آپ نے فرمایا آدمی جب اپنی غیر جائے پیدائش میں مرتا ہے تو اسکی جائے پیدائش سے اسکے انتہائے سفر تک۲؎ جنت میں اس کے لیے پیمائش کی جاتی ہے۔۳؎

(نسائی۔ ابن ماجہ)

۱؎ بلکہ غربت و مسافری میں مرتا۔

۲؎ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا حدیث میں لفظ اثر سے مراد اس کی مدت حیات ہے۔ یعنی اس جگہ تک جہاں اس کی زندگی ختم ہوئی۔ پہلا معنیٰ جو ہم نے بیان کیا زیادہ ظاہر و نمایاں ہے۔ یہ دوسرا معنیٰ بھی مآل کار اسی کے مطابق بن جاتا ہے۔

۳؎ یعنی اتنی مسافت کی مقدار اسے جنت میں جگہ دی جاتی ہے۔ ظاہری طور پر سمجھ میں یہی بات آتی ہے کہ اسے بہشت میں اتنی جگہ ملتی ہے۔ مگر یہ مراد نہیں ہے۔ کیونکہ مسافت کی اتنی مقدار جنت کی وسعت کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگرچہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جنت میں ایک چابک جتنی جگہ ساری دنیا سے بہتر ہے۔ لہذا یہاں ثواب میں مبالغہ اور کثرت مراد ہے۔ مگر جب کہ یہ مراد لیا جائے کہ وہ مسافر اتنی مقدار مسافت میں اللہ تعالےٰ کی عبادت میں مصروف رہا۔ اور اس عمل سے مخصوص نہیں جو اس نے اپنی جائے پیدائش میں کیا تھا۔ طیبی نے کہا مراد یہ ہے کہ قبر سے لے کر اس کی جائے پیدائش تک ایک کھلا دروازہ اس کے لیے بہشت کی طرف کھول دیا جاتا ہے۔ اسے سمجھو۔

۱۵۰۷/۱۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسافری کی موت۔ موت شہادت ہے۔

(ابن ماجہ)

[1] یعنی مسافری میں مرنا شہادت کی موت کی طرح ہے۔ صراح میں کہا غربت کا معنی ہے اپنی جگہ سے دور ہونا اہل تحقیق نے فرمایا ہے غربت و مسافری دو قسم ہے ایک دل کی غربت و مسافری جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک میں اشارہ ہے۔ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ وَعُدَّ نَفْسَكَ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ۔ دنیا میں مسافر یا راہ گزر آدمی کی طرح ہے۔ اور اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کر۔ یہ غربت و مسافری موت ارادی اور ماسوا اللہ سے ترک تعلق سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل اس رسالہ میں موجود ہے۔ جو حضرت شیخ عبدالوھاب متقی رحمۃ اللہ نے غربت و غرباء کی فضیلت میں تحریر فرمایا ہے۔

۱۵۰۸ / ۲ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ مَرِيضًا مَاتَ شَهِيدًا وَوُقِيَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَغُدِيَ وَرِيحَ عَلَيْهِ بِرِزْقِهِ مِنَ الْجَنَّةِ. (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ.)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بیماری کی حالت میں مرتا ہے وہ شہادت کی موت مرتا ہے[1] اور اسے فتنۂ قبر[2] سے بچالیا جاتا ہے اور اسے شب و روز جنت سے رزق دیا جاتا ہے۔[3] (ابن ماجہ و بیہقی شعب الایمان میں)

[1] مشکوۃ کے نسخوں میں ایسا ہی آیا ہے۔ بعض نے اسے شب و روز غربت سے تبدیل کیا ہے۔ بعض نے کہا مریضًا کے بجائے صحیح مرابطًا کا لفظ ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ سنن ابن ماجہ میں یہ حدیث باب ما جاء فیمن مات مرابطًا میں مذکور ہے۔ مرابط وہ شخص ہوتا ہے جو سرحد اسلام پر کفار سے جنگ و جہاد کے لیے بیٹھا ہو۔ اس لفظ کا اصل رباط الخیل سے ہے۔ یعنی گھوڑوں کو باندھنا اور کفار سے جنگ کے لیے تیار بیٹھا۔

[2] یعنی فتنہ قبر اور اس کے عذاب سے بچالیا جاتا ہے۔ بعض نسخوں میں او وقی ہے۔ اور کلمہ او یا تو واو کے معنی میں ہے۔ یا راوی کے شک کی بنا پر ہے۔ یا بیان نوع کے لیے ہے۔ یعنی یا تو وہ شہادت کی موت مرتا ہے یا اسے عذاب اور فتنہ قبر سے بچالیا جاتا ہے۔

[3] مراد دوام ہے۔ یا نعمتوں سے کنایہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اہل جنت کی شان میں آیا ہے۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًّا۔ یعنی انہیں جنت میں صبح و شام رزق ملے گا۔

۱۵۰۹ / ۳ وَعَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عرباض[1] بن ساریہ[2] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْتَصِمُ الشُّهَدَآءُ وَالْمُتَوَفَّوْنَ عَلٰى فُرُشِهِمْ إِلٰى رَبِّنَا عَزَّ وَجَلَّ فِي الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنَ الطَّاعُوْنِ فَيَقُوْلُ الشُّهَدَآءُ إِخْوَانُنَا قُتِلُوْا كَمَا قُتِلْنَا وَيَقُوْلُ الْمُتَوَفَّوْنَ إِخْوَانُنَا مَاتُوْا عَلٰى فُرُشِهِمْ كَمَا مُتْنَا فَيَقُوْلُ رَبُّنَا انْظُرُوْا إِلٰى جِرَاحِهِمْ فَإِنْ أَشْبَهَتْ جِرَاحُهُمْ جِرَاحَ الْمَقْتُوْلِيْنَ فَإِنَّهُمْ مِنْهُمْ وَمَعَهُمْ فَإِذَا جِرَاحُهُمْ قَدْ أَشْبَهَتْ جِرَاحَهُمْ.

(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالنَّسَائِيُّ)

کہ شہید اور بستروں پر مرنے والے[2] ہمارے رب تعالےٰ کی طرف جھگڑا لے کر آئیں گے۔ طاعون سے مرنے والوں کے بارے میں جھگڑا لے کر آئیں گے کہ شہید کہیں گے یہ ہمارے بھائی ہیں کہ یہ اسی طرح قتل ہوئے جسطرح ہم قتل ہوئے[3] اور بستروں پر مرنے والے کہیں گے یہ ہمارے ساتھی اور بھائی ہیں۔ کیونکہ یہ بستروں پر مرے جسطرح ہم بستروں پر مرے۔ ہمارا پروردگار تعالیٰ ان کا جھگڑا سن کر فرمائے گا۔ ان کے زخموں کو دیکھو۔ اگر ان کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہیں تو پھر یہ ان میں سے ہیں اور ان کے ساتھ رہیں گے تو اچانک طاعون والوں کے زخم شہیدوں کے زخموں کی طرح ہوں گے[4]

(احمد۔ نسائی)

[1] عرباض عین کی زیر اور با۔ آخر میں ضاد معجمہ۔ ساریہ سین مہملہ۔ اور را و یا۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ اصحاب صفہ میں سے اور ان لوگوں میں سے ہیں جن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ۔ اور نہ وہ لوگ کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کے لیے سواری کا بندوبست کریں۔

[2] یعنی جو اپنے گھروں میں فوت ہوئے۔ شہادت کی موت نہ مرے۔

[3] کہ طاعون والوں کو یہ زخم جن کے ہاتھ سے پہنچے۔ لکھتے ہیں کہ طاعون والے بعض اوقات یوں محسوس کرتے ہیں کہ کسی نے ان کو نیزہ سے مارا ہے۔ اسی لیے اس کا نام طاعون رکھا گیا۔ کہ طاعون طعن سے بنا ہے۔ بمعنیٰ نیزہ مارنا۔ یہاں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اطبا کے ہاں طاعون بمعنیٰ شہادت پر حمل کرنا زیادہ مناسب دکھائی دیتا ہے۔ اسے سمجھو۔

[4] اس سے معلوم ہوتا ہے۔ جو مرض طاعون سے مرا وہ شہید ہے اور شہیدوں کے ساتھ رہے گا۔

۱۵۱۰/۴ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْفَارُّ مِنَ الطَّاعُوْنِ كَالْفَارِّ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طاعون سے بھاگنے والا۔ کفار کے ساتھ جنگ[1] سے

مِنَ الزَّحْفِ وَالصَّابِرُ فِیْهِ
لَهٗ اَجْرُ شَهِیْدٍ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

بھاگنے والے کی طرح ہے۔ اور اس میں صبر کرنے والے کو شہید کا ثواب ملے گا۔ ؎۲
(احمد)

؎۱ حدیث میں لفظ زحف آیا ہے۔ اس کا اصل معنی ہے لڑکے کا کسی چیز سے ٹکرانا۔ اور دشمن کی جانب جنگ کے لیے جانے والے لشکر کو اس لیے زحف کہتے ہیں کہ وہ بھی ہجوم اور کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے سے ٹکراتا ہوا جاتا ہے۔

؎۲ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعون سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ جس طرح میدان جنگ سے بھاگنا کبیرہ ہے اور اگر یہ عقیدہ رکھ کر بھاگے کہ بھاگ نے سے یقیناً موت سے بچ جائے گا۔ اور نہ بھاگنے سے ضرور مر جائے گا تو یہ کفر ہے۔ حدیث کا ظاہر مفہوم اس امر کو واضح کرتا ہے کہ طاعون میں صبر کرنے والے کو اگرچہ وہ اس مرض میں نہ بھی مرے شہید کا اجر و ثواب ملتا ہے۔

بَابُ تَمَنِّی الْمَوْتِ وَذِکْرِهٖ

موت کی آرزو کرنا اور اس کی یاد کا بیان

یعنی موت کی آرزو اور اس کی یاد کا باب۔ واضح ہو کہ دنیوی تکلیف و ضرر بیماری و محتاجی وغیرہ کی وجہ سے موت کی آرزو کرنا مکروہ و ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہ بے صبری۔ تقدیر الٰہی سے نفرت اور ناراض ہونے کی علامت ہے۔ لیکن لقائے الٰہی کے شوق و محبت اور اس تنگ دنیا سے خلاصی پانے اور ملک آخرت اور اس کی نعمتوں تک پہنچنے کے لیے موت کی آرزو کرنا ایمان اور اس کے کمال کی نشانی ہے۔ اسی طرح دینی ضرر و نقصان پہنچنے کے خوف سے یہ آرزو کرنا بھی مکروہ نہیں۔ اور موت کی یاد خدا تعالےٰ کے خوف و خشیت اور اس کے مطابق عمل کرنے اور توبہ و استغفار اور نفع آخرت کو اولیت اور ترجیح دینے سے کنایہ ہے۔ ورنہ عمل کے بغیر موت کو صرف زبانی یاد کرنا کوئی چیز نہیں۔ بلکہ ممکن ہے کہ یہ زبانی یاد قساوت قلب کا باعث بن جائے۔ جیسے خدا تعالےٰ کی یاد دلِ غافل سے۔ ہم اللہ سے عافیت و سلامتی مانگتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

فصل اول

۱۵۱۱/۱ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ إِمَّا مُحْسِنًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَزْدَادَ خَيْرًا وَإِمَّا مُسِيْئًا فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسْتَعْتِبَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی آدمی موت کی آرزو نہ کرے۔ کہ یا تو وہ نیکوکار ہوگا۔ تو امید ہے کہ نیکی اور خیر میں اور ترقی کرے گا اور اگر بدعمل ہے تو امید ہے کہ توبہ کرکے اس کی رضا کا طلبگار بن جائے[1]۔

(بخاری)

[1] یہ اس عبارت کا حاصل معنیٰ ہے۔ ان الفاظ کی تحقیق شرح (عربی) میں ذکر کردی گئی ہے۔

۱۵۱۲/۲ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنّٰى أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ وَلَا يَدْعُ بِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُ إِنَّهُ إِذَا مَاتَ انْقَطَعَ أَمَلُهُ وَإِنَّهُ لَا يَزِيْدُ الْمُؤْمِنَ عُمُرُهُ إِلَّا خَيْرًا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اور نہ اس کے آنے سے پہلے اس کے لیے دعا کرے کیونکہ جب وہ مرجائے گا تو اس کا ثواب کا طمع منقطع ہوجائے گا[1] اور بے شک واقعہ یہ ہے کہ مومن کی عمر اس کی خیر و نیکی میں اضافہ کرتی ہے۔

(مسلم)

[1] بعض روایات میں یہاں لفظ امل کے بجائے عمل آیا ہے اور یہ زیادہ ظاہر ہے۔ مآل دونوں کا ایک ہے۔ کیونکہ یہاں امل سے طمع ثواب عمل مراد ہے۔ امل مذموم وہ ہے جو عمل صالح میں سستی اور کوتاہی کا باعث بنتا ہے۔

۱۵۱۳/۳ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ أَصَابَهُ فَإِنْ كَانَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَلْيَقُلْ اللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی آدمی دنیوی تکلیف و ضرر پہنچنے کی بنا پر موت کی آرزو نہ کرے۔ اگر وہ موت کی آرزو کرنا ہی چاہتا ہے تو پھر یوں کہے۔ اے اللہ مجھے زندہ رکھ جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہے اور مجھے موت دے دے جب کہ وفات

اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّیْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

۱۵۱۴ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ (رض) قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ وَمَنْ كَرِهَ لِقَآءَ اللّٰهِ كَرِهَ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ فَقَالَتْ عَائِشَةُ اَوْ بَعْضُ اَزْوَاجِهٖ اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ بُشِّرَ بِرِضْوَانِ اللّٰهِ وَكَرَامَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَاَحَبَّ لِقَآءَ اللّٰهِ وَاَحَبَّ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ وَ اِنَّ الْكَافِرَ اِذَا حُضِرَ بُشِّرَ بِعَذَابِ اللّٰهِ وَعُقُوْبَتِهٖ فَلَيْسَ شَيْءٌ اَكْرَهَ اِلَيْهِ مِمَّا اَمَامَهٗ فَكَرِهَ لِقَآءَ اللّٰهِ وَكَرِهَ اللّٰهُ لِقَآءَهٗ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وَفِیْ رِوَايَةِ عَائِشَةَ وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَآءِ اللّٰهِ۔

میرے لیے بہتر ہو۔

(بخاری و مسلم)

حضرت عبادۃ[1] بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ سے ملاقات[2] کی چاہت رکھتا ہے اللہ اس سے ملاقات کی چاہت رکھتا ہے۔ اور جو اللہ سے ملنا ناپسند رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنا ناپسند رکھتا ہے۔ اس پر حضرت عائشہ[3] یا آپ کی بعض ازواج مطہرات نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم لوگ موت کو ناپسند رکھتے ہیں[4]۔ فرمایا اس سے وہ مراد نہیں جو[5] تو سمجھی ہے۔ لیکن مسلمان کو جب موت حاضر ہو جاتی ہے تو اسے اللہ تعالےٰ کی رضا اور اس کی طرف سے عزت کی بشارت دی جاتی ہے[6] تو اس کے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ محبوب و پیاری نہیں ہوتی جو اسے سامنے دکھائی دے رہی ہوتی ہے[7]۔ تو وہ اللہ کی ملاقات چاہتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو محبوب رکھتا[8] ہے۔ اور اور بیشک کافر کے سامنے جب موت حاضر کی جاتی ہے[9]۔ تو اسے اللہ کے عذاب اور اس کی سزا کی بشارت دی جاتی ہے۔ پس کوئی چیز اس کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسند و بری نہیں ہوتی جو اسے سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے تو وہ اللہ کی ملاقات کو ناپسند جانتا ہے اور اللہ اس کی ملاقات کو[10] (بخاری و مسلم) اور حضرت عائشہ کی روایت میں ہے کہ موت اللہ کی ملاقات سے پہلے ہے[11]۔

[۱] عُبادہ عین کی پیش بعد میں با آپ انصاری ہیں۔ مشہور صحابی ہیں۔ ان کے حالات کئی جگہ لکھے جا چکے ہیں۔

[۲] مشہور یہ ہے کہ لقائے الٰہی سے موت مراد ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ لقائے الٰہی سے اور آخرت میں پہنچنا وہاں اللہ تعالیٰ کی عنایات کا طلبگار ہونا۔ اس دنیا کی جانب نہ جھکنا اور اس پر نہ مطمئن ہونا مراد ہے۔ اس سے موت مراد نہیں۔ اگرچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول انا لنکرہ الموت کہ ہم لوگ موت سے گھبراتے ہیں۔ موت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس کا وہم ڈالتا ہے۔ پس لقائے الٰہی کی محبت موت کو مستلزم ہے جو لقائے الٰہی کا وسیلہ اور ذریعہ ہے۔

[۳] یہ راوی کا شک ہے۔

[۴] یعنی بتقاضائے طبیعت بشری۔

[۵] کہ لقائے الٰہی سے موت مراد ہے اور وہ بشری طبیعت کے لحاظ سے انسان کو پیاری محسوس ہو۔ اور بالفعل انسان کو اس کی آرزو کرنی چاہیے بلکہ مطلب و مراد یہ ہے کہ جو شخص رضائے حق کا طالب اور حق تعالےٰ کی ملاقات کا مشتاق ہوتا ہے وہ ہمیشہ موت کو اپنے پیش نظر رکھتا ہے۔ اور اسے اس مقصد کا وسیلہ اور رابطہ جانتے ہوئے ارادے اور اختیار سے اس سے محبت و پیار رکھتا ہے۔ پھر آخر وقت میں طبعی لحاظ سے بھی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکن المومن اذا حضرہ الموت الخ۔

[۶] جیسا کہ آیت کریمہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْہِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ۔ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت اختیار کی تو ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ اس جانب اشارہ کر رہی ہے۔

[۷] یعنی موت اور دار آخرت میں پہنچنا۔

[۸] یہ بندہ مومن محب و محبوب اور راضی و پسندیدہ بن کر اس جہان کی طرف جاتا ہے۔

[۹] یہاں حدیث میں حضر صیغہ مجہول ہے یعنی اس پر موت حاضر کی جاتی ہے۔

[۱۰] تو وہ اس جہان سے اس حالت میں جاتا ہے کہ موت اسے سخت ناپسند ہوتی ہے۔ اللہ اس سے بہت ناراض ہوتا ہے۔ اور خدا کا غضب و غصہ اس پر نازل ہو رہا ہوتا ہے۔

[۱۱] اور خدا تعالےٰ کی ملاقات کا وسیلہ اور مقدمہ ہے۔ اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی ملاقات الگ چیز ہے اور موت الگ چیز۔ جیسا کہ میں نے کہا۔

۱۵۱۵/۵ وَعَنْ اَبِیْ قَتَادَۃَ رضؓ اَنَّہٗ حضرت قتادہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک

كَانَ يُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَالَ مُسْتَرِيْحٌ اَوْ مُسْتَرَاحٌ مِنْهُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُسْتَرِيْحُ وَالْمُسْتَرَاحُ مِنْهُ فَقَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ يَسْتَرِيْحُ مِنْ نَصَبِ الدُّنْيَا وَ اَذَاهَا اِلٰى رَحْمَةِ اللّٰهِ وَالْعَبْدُ الْفَاجِرُ يَسْتَرِيْحُ مِنْهُ الْعِبَادُ وَالْبِلَادُ وَ الشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث پاک بیان کیا کرتے تھے کہ آپ کے پاس سے ایک جنازہ گزارا گیا[2]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ میت یا تو راحت پانے والا ہے۔ یا اس سے لوگوں کو راحت مل گئی ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ’’وہ راحت پانے والا ہے یا لوگ اس سے راحت یافتہ ہو گئے ہیں‘‘ کا کیا معنیٰ و مطلب ہے۔ فرمایا موت کے ساتھ بندہ مومن دنیا کی مشقتوں اور اس کے رنج و آزار سے راحت پا کر اللہ کی رحمت میں پہنچ جاتا ہے[3]۔ اور فاجر و فاسق انسان جب مرتا ہے تو بندے اور شہر و درخت اور چارپائے اس سے راحت میں ہو جاتے ہیں[4]۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] حضرت ابو قتادہ انصاری ہیں۔ فضلائے صحابہ میں سے ہیں۔ اور اہلِ بدر سے ہیں۔ منقول ہے کہ آپ کی آنکھ مبارک بدر یا احد کے دن زخم آنے کی وجہ سے جسم سے الگ ہو گئی۔ اور ان کے ہاتھ پر آ گری۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پکڑ کر پھر اسے اپنی جگہ رکھ دیا۔ اور وہ پہلی حالت سے بہتر ہو گئی۔

[2] حدیث میں لفظ مُرَّ میم کی پیش سے آیا ہے۔

[3] یعنی موت کے ذریعے بندہ مومن و صالح دنیا اور اہل دنیا کی اذیتوں اور رنج و آزار سے چھوٹ کر اللہ تعالیٰ کی رحمت میں پہنچ جاتا ہے۔

[4] یعنی اس کے شر سے نجات پا جاتے ہیں۔ آدمیوں کا اس کے آزار سے نجات پا جانا تو ظاہر ہے۔ البتہ شہروں درختوں اور چارپائیوں کا اس کے شر سے نجات پانا بایں معنیٰ ہے کہ فسق و فجور اور ظلم و تعدی عالم میں گڑبڑ اور فساد اس کے ارکان و نظام اور اجزاء میں خلل واقع ہوتا ہے اور فاجر انسان سے اللہ تعالیٰ بغض رکھتا ہے۔ اس وجہ سے زمین اور زمین والے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب تکلیف و اذیت میں ہوتے ہیں۔ پھر اس فاجر انسان کے گناہوں کی نحوست کے باعث بارش بند ہو جاتی ہے۔ اور جب وہ مر جاتا ہے تو زمین اور زمین والوں اور جو کچھ اس میں ہے سب کو از سر نو زندگی ملتی ہے۔

۱۵۱۶/۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْكِبِيْ فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِيْلٍ وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُوْلُ اِذَا اَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کندھا[1] پکڑ کر فرمایا دنیا میں بے وطن[2] مسافر کی طرح رہ۔ بلکہ راستہ پر سے گزرنے والے کی طرح[3] اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے جب تو شام کے وقت ہو تو صبح کی انتظار نہ کر اور جب صبح کے وقت میں ہو تو شام کی انتظار نہ کر[5] اور اپنی صحت سے اپنی بیماری کے لیے کچھ لے لے[6] اور اپنی زندگی سے اپنی موت کے لیے کچھ بنا لے[7]

(بخاری)

[1] بعض نسخوں میں بمنکبیّ شد سے بلفظ تثنیہ آیا ہے یعنی آپ نے میرے دونوں کندھے پکڑے۔

[2] یعنی تو دنیا میں ایک مسافر اور اپنے وطن سے دور افتادہ انسان کی طرح رہ۔

[3] اس فقرے میں زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ مسافر کبھی کبھی دوسرے شہروں میں سکونت اور رہائش پذیر بھی ہو جاتا ہے۔

[4] اور یہ انتظار نہ کر کہ تو صبح تک زندہ رہے گا۔

[5] اور شام کے وقت تک زندہ رہوں گا۔ بیت

غنیمتے شمر اے شمع وصل پروانہ　　کہ این معاملہ تا صبحدم نخواہد ماند

اے شمع پروانے کا وصل غنیمت جان کہ یہ معاملہ صبح ہونے تک باقی نہ رہے گا۔

[6] یعنی تندرستی کے وقت میں اپنی بیماری کے وقت کے لیے توشہ تیار کر لے۔ مطلب یہ ہے کہ تندرستی کے دن غنیمت جانو اور جہاں تک ہو سکے اس میں نیک عمل کر لو۔ بیت

غنیمت داں جوانا دولت حسن و جوانی را　　نہ پنداری کہ ایام جوانی جاودان باشد

اے نوجوان اپنے حسن و جوانی کو غنیمت جان اور یہ گمان نہ کر کہ جوانی کے دن ہمیشہ رہیں گے۔

[7] یعنی اپنی زندگی میں اپنی موت کے لیے توشہ تیار کرے

١٥١٧ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے

وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلٰثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تین دن پہلے فرمارہے تھے کہ تم میں سے کوئی نہ مرے مگر اس حال میں کہ اس کا گمان اللہ تعالےٰ کے متعلق اچھا ہونا چاہیے[1]

(مسلم)

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

تیسری فصل

۱۵۱۸ / ۸ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ شِئْتُمْ اَنْبَاْتُكُمْ مَا اَوَّلُ مَا يَقُوْلُ اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَا اَوَّلُ مَا يَقُوْلُوْنَ لَهٗ قُلْنَا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ مومنوں سے کیا بات کرے گا۔ اور مومن سب سے پہلے خدا تعالےٰ سے کون سی بات کریں گے ہم نے کہا یا رسول اللہ ہاں فرمایا بے شک اللہ تعالےٰ مومنوں سے فرمائے گا۔ کیا تم لوگ مجھ سے ملنا پسند

---

[1] اور اس کے کرم و مغفرت کا امیدوار اور اس کے وعدہ کرم پر پورا پورا اعتماد ہونا چاہیے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ سعادت کی علامت یہ ہے کہ زندگی میں خدا تعالےٰ کا خوف و ڈر غالب رہے اور جب موت کا وقت آئے تو اس وقت امید کا نشان ظاہر ہو جائے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اللہ سے نیک گمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ نیک عمل کرے۔ یعنی اپنی زندگی میں نیک عمل ہی کرتے رہو تاکہ خدا کے متعلق موت کے وقت تمہارا گمان نیک ہو کیونکہ موت سے پہلے زندگی میں جو بدعمل ہوتا ہے موت کے وقت اللہ تعالےٰ کے متعلق اس کا گمان نیک نہیں رہتا۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ رجا کی حقیقت یہ ہے کہ عمل کرے اور امید خدا سے رکھے۔ مولیٰ تعالیٰ کی خدمت کرے اور اس کی عطا پر نظر رکھے۔ مگر جھوٹی امید پر جو انسان کو عمل سے روک رکھتی اور اسے گناہوں پر آمادہ کرتی ہے۔ امید نہیں بلکہ وہ آرزوئے باطل اور غرور و فریب نفس ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا تم میں سے ایک آدمی کہتا ہے کہ اپنے پروردگار کے متعلق میں تیک گمان رکھتا ہوں۔ مگر وہ جھوٹ کہتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ خدا سے نیک گمان رکھتا تو عمل بھی نیک کرتا۔ عمر بن منصور نے اپنے ایک بھائی کو لکھا تو اپنی عمر کی درازی کے ساتھ اپنی امیدیں بھی دراز کیے ہوئے ہے۔ اور اپنے اعمال بد کے ساتھ آرزو میں لگائے بیٹھا ہے۔ درحقیقت تو ٹھنڈے لوہے کو کوٹ رہا ہے نیک عمل کر اور پھر امید وابستہ کر۔

قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ هَلْ اَحْبَبْتُمْ لِقَائِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ يَا رَبَّنَا فَيَقُوْلُ لِمَ فَيَقُوْلُوْنَ رَجَوْنَا عَفْوَكَ وَ مَغْفِرَتَكَ فَيَقُوْلُ قَدْ وَجَبَتْ لَكُمْ مَغْفِرَتِيْ۔

کرتے تھے[1] وہ کہیں گے ہاں ہمارے رب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیوں[2]؟ ایمان والے کہیں گے ہم تیری عفو و مغفرت کی امید رکھتے تھے تو اللہ تعالےٰ فرمائے گا میں نے اپنی مغفرت و بخشش تمہارے لیے واجب و ثابت کر دی[3]۔

(رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ)

اسے شرح سنۃ میں روایت کیا اور ابونعیم نے حلیہ میں اسے روایت کیا۔

[1] یعنی ہمارے سامنے پیش ہونے سے پہلے۔

[2] مصابیح کے بعض نسخوں میں لِمَ اَذْنَبْتُمْ آیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا جب تم مجھ سے ملنا پسند کرتے تھے تو پھر تم نے گناہ کیوں کیے۔

[3] جب کہ عفو و مغفرت کا حاصل معنیٰ ایک ہی ہے۔ تو ایک ہی کے بیان پر اکتفا کر دیا۔ فافہم۔

1519/9 وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْثِرُوْا ذِكْرَ هَادِمِ اللَّذَّاتِ الْمَوْتِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لذتوں کو پھیکا اور ختم کرنے والی (موت) کی کثرت سے یاد کیا کرو[1]

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

(ترمذی۔ نسائی) (ابن ماجہ)

[1] طیبی کے کلام سے سمجھ آتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ ہادم ہدم سے ہے (دال مہملہ سے) بمعنیٰ ویران کرنا گرانا اور مکان کی بنیاد اکھیڑنا۔ جیسا کہ لوگوں کی زبانوں پر یہ تلفظ چڑھا ہوا ہے۔ لیکن علامہ اسنوی نے مہمات میں کہا کہ یہ لفظ ہاذم ہے (ذال معجمہ سے) بمعنیٰ کاٹنے والا۔ جیسا کہ جوہری نے کہا اور سہیلی نے ذال کی روایت کی تصریح کی ہے۔ زعفرانی نے کہا کہ ذال معجمہ سے بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حاشیہ کتاب میں مذکور ہے۔

1520/10 وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے صحابہ کرام سے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے اس طرح

يَوْمٍ لِاَصْحَابِهِ اسْتَحْيُوْا مِنَ
اللهِ حَقَّ الْحَيَآءِ قَالُوْا
اِنَّا نَسْتَحْيِيْ مِنَ اللهِ يَانَبِيَّ
اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ
لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى
مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَآءِ فَلْيَحْفَظِ
الرَّاْسَ وَمَا وَعٰى وَلْيَحْفَظِ
الْبَطْنَ وَمَا حَوٰى وَ لْيَذْكُرِ
الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ
الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا
فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى
مِنَ اللهِ حَقَّ الْحَيَآءِ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ
قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ)

حیا کرو جس طرح اس سے حیا کرنے کا حق ہے صحابہ نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم تو اللہ سے حیا کرتے ہیں[1]۔ اور اللہ کی حمد بجا لاتے ہیں۔ فرمایا یہ حق حیا نہیں جو تم گمان کرتے ہو[2] بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ایسا حیا کرتا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے تو اسے چاہیے کہ سر اور اس میں موجود[3] حواس کی حفاظت کرے اور پیٹ اور جو کچھ اس میں[4] ہے اس کی حفاظت کرے اور موت اور اپنے بوسیدہ و خاک ہو جانے کو یاد کرے[5]۔ اور جو بندہ آخرت چاہتا ہے[6] وہ دنیا کی زینت و آرائش ترک کر دیتا ہے۔ پس جو شخص ایسا کرتا ہے وہ درحقیقت خدا تعالیٰ سے ایسا شرم و حیا کرتا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے[7]۔ اسے احمد، ترمذی نے روایت کیا اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] کہ جہاں تک ہو سکتا ہے۔ اس کے اوامر و نواہی بجا لاتے۔ اور اس کی توفیق عطا کرنے پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ آپ فرمائیں وہ حق حیا کیا ہے جو آپ ہم سے چاہتے اور ہمیں حکم دیتے ہیں۔

[2] بلکہ اس کا مقام بڑا اعلیٰ وارفع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اپنے تمام اعضا اور ظاہری و باطن حواس کی پوری پوری حفاظت کرو۔ پھر آپ نے اسے مختصر اور جامع کلام سے بیان کرتے ہوئے فرمایا ولکن من استحی الی آخرہ۔

[3] یعنی سر کو غیر حق کے آگے خضوع اور تواضع اور خدا تعالےٰ اور اس کی مخلوق پر تکبر و سرکشی کرنے سے بچائے۔ اور ان چیزوں کی بھی حفاظت و نگہداشت کرے جو سر میں محفوظ ہیں۔ اور جن کا سر جامع ہے یعنی حواس کے آلات کان، آنکھ اور زبان اور فکر و سوچ وغیرہ۔

[4] کہ اسے حرام و شبہ کے لقمہ سے بچائے۔ اور اس کی بھی حفاظت کرے جو اس میں ہے۔ یعنی دل کہ اسے ان چیزوں سے بے خبر و جاہل رہنے سے بچائے جن سے جاہل و بے خبر رہنے کی گنجائش نہیں یعنی معرفت حق تعالیٰ اور احکام دین۔ اور ما سوا اللہ کی یاد و محبت سے بھی اسے محفوظ رکھے۔ بعض نے کہا کہ مراد یہ ہے کہ شکم جن چیزوں کو اپنے اندر اور اپنے متصل رکھتا ہے۔ جیسے شرمگاہ۔ ہاتھ پاؤں سب کو زنا سے بچائے۔

[۵] یعنی جسم کی ہڈیوں کے بوسیدہ اور خاک ہو جانے کو یاد کرے۔ بلیٰ (با کی زیر) بوسیدہ ہونا۔ اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے۔ وہ اس میں زہد کا راستہ اختیار کرتا اور دنیوی لذت و شہوات کو ترک کر دیتا ہے جیسا کہ فرمایا۔ ومن اراد الآخرۃ الی آخرہٖ۔

[۶] یعنی اس کا ثواب اور اس کی نعمتیں پا جاتا ہے۔ وہ دنیا کی زیب و زینت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے۔

[۷] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک کا حاصل و خلاصہ حق سبحانہ کے قول کا یہ مضمون ہے۔ اِتَّقُوا اللہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ۔ اللہ سے اس طرح ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

شیخ امام عالم ربانی حضرت علی المتقی رحمۃ اللہ علیہ رسالہ تبیین الطرق میں فرماتے ہیں۔ سالک کا حق تعالےٰ سے قرب اس کے غیر سے دور ہونا ہے۔ اور اس کا وصل غیر حق سبحانہ سے قطع تعلق ہے اور غیر حق ممنوع و مباح چیزوں میں ہے۔ یہاں ممنوعات سے ہر قسم کے منہیات حرام کردہ و مشتبہ امور مراد ہیں۔ اور مباح سے مخلوقات آسمان، زمین پہاڑ، درخت اور اسباب معشیت وغیرہ مراد ہیں۔ پس ممنوعات سے سالک کا دور ہونا مباحات سے بے تعلق ہونے کے بغیر ناقص ہے۔ اور جب مباحات سے بھی بے تعلق ہو گیا تو اسے قرب تمام حاصل ہو گیا۔ اور سالک جس قدر غیر سے دور ہوتا جاتا ہے خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔ اور جس قدر غیر حق سے تعلق کٹتا چلا جاتا ہے۔ خدا کا وصل مزید در مزید حاصل ہوتا جاتا ہے۔ اسے سمجھو۔ وباللہ التوفیق۔

۱۵۲۱/۱۲ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُحْفَةُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا تحفہ موت[۱] ہے۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[۱] صراح میں کہا تحفہ یعنی ہدیہ ہے۔ قاموس میں کہا تحفہ حا ساکن اور اس کی زبر سے بمعنیٰ نیکی، مہربانی اور طرفہ قاموس میں ہی کہا طرفہ طا کی پیش سے۔ بمعنیٰ نیا اور عمدہ مال۔ یعنی پھل وغیرہ۔ صراح میں کہا طرفہ بمعنیٰ پھول۔ مراد یہ ہے کہ موت مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی مہربانی اس کی طرف سے نیکی، اس کی طرف سے نئی نعمت اور کھلا ہوا عمدہ پھول ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ مومن جنت اور اس کے قرب میں پہنچ جاتا ہے اور اسے دنیا کی مشقت اور اس کی شدت و محنت سے نجات مل جاتی ہے۔

۱۵۲۲/۱۲ وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ يَمُوْتُ بِعَرَقِ الْجَبِيْنِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مومن پیشانی پر پسینہ آنے سے مرتا ہے[1]۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ)

[1] بعض نے کہا یہ شدت و سکرات موت سے کنایہ ہے۔ بعض نے کہا پیشانی کا پسینہ وہ علامت ہے جو مومن پر بوقت موت ظاہر ہوتی ہے۔ اس بات کو حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ سے نقل کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا مومن کو موت سے شدت و مشقت لاحق نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اس کی پیشانی پر پسینہ آ جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۲۳/۱۴ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ خَالِدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ الْفُجَاءَةِ اَخْذَةُ الْاَسَفِ. (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ، وَرَزِيْنٌ فِيْ كِتَابِهٖ اَخْذَةُ اَسَفٍ لِلْكَافِرِ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِيْنَ.

حضرت عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچانک[1] موت خدا تعالیٰ کی گرفت اور اس کا غضب ہے۔

ابوداؤد اور بیہقی نے شعب الایمان میں اور رزین نے اپنی کتاب میں زیادہ کیا کہ اچانک موت کافر کے لیے غضب و گرفت اور مومن کے لیے رحمت ہے[2]۔

[1] حدیث میں لفظ فُجَاءَۃ ہے۔ فا کی پیش۔ اور مد و قصر اور فا پر زبر کی صورت میں قصر سے بمعنیٰ اچانک و ناگہانی اَخْذَۃٌ ہمزہ کی زبر خا ساکن بمعنیٰ یک لخت و یکبارگی۔ اَسَفٌ ہمزہ اور سین کی زبر بمعنیٰ غضب و غصہ اور سین کی زیر سے بمعنیٰ غضب ناک فات مراد ہے کہ ناگہانی موت بندہ پر غضب الٰہی تعالیٰ شانہ کے آثار و علامات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اسے موقعہ نہ دیا کہ وہ توبہ اور عمل صالح سے آخرت کی تیاری کرتا۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ کافر کے لیے اور اس کے لیے ہے جس کا طریقہ محمود اور سیرت صالح نہ ہو۔ جیسا کہ دوسری روایت میں آیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اچانک اور یکایک مر جانا نیکوں کے لیے نیک اور بدوں کے لیے بد ہے۔

[2] یہاں فاسق کا ذکر نہ کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ فاسق مومن میں داخل ہے گو وجہ عمل بیان کی گئی ہے اس کا رخ اس کے خلاف جانب میں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۲۴/۱۵ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نوجوان پر داخل ہوئے جب کہ وہ حالت موت میں تھا۔ حضور صلی اللہ

فَقَالَ كَيْفَ تَجِدُكَ قَالَ اَرْجُوا اللّٰهَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ اِنِّيْ اَخَافُ ذُنُوْبِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْتَمِعَانِ فِيْ قَلْبِ عَبْدٍ فِيْ مِثْلِ هٰذَا الْمَوْطِنِ اِلَّا اَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُوْا وَ اٰمَنَهٗ مِمَّا يَخَافُ ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔

علیہ وسلم نے اس نوجوان سے کہا تیرا کیا حال ہے اس نے عرض کیا میں اللہ تعالٰے سے امید رکھتا ہوں اور میں اپنے گناہوں سے ڈرتا بھی ہوں ۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دو صفتیں[1] کسی بندے میں اس وقت جمع نہیں تھیں مگر اللہ تعالٰے اسے وہ دے دیتا ہے جس کی وہ امید[2] رکھتا ہے اور اس سے اسے امن عطا کرتا ہے جس سے وہ ڈرتا ہے ۔

(ترمذی ۔ ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٥٢٥/١٥ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَمَنَّوُا الْمَوْتَ فَاِنَّ هَوْلَ الْمُطَّلَعِ شَدِيْدٌ وَّ اِنَّ مِنَ السَّعَادَةِ اَنْ يَّطُوْلَ عُمُرُ الْعَبْدِ وَيَرْزُقَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْاِنَابَةَ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موت کی آرزو نہ کرو ۔ کیونکہ اس جائے اطلاع[1] کا خوف بڑا سخت ہے ۔ اور یہ چیز سعادت میں سے ہے کہ اللہ تعالی بندے کو لمبی عمر عطا کرے اس کے ساتھ اللہ عزوجل اسے رجوع بھی نصیب کرے ۔

(احمد)

---

[1] یعنی خوف و رجاء ۔

[2] یعنی اپنے فضل و کرم سے اسے نوازتا ، اور گرفت اور گناہوں پر سزا سے اسے بچا لیتا ہے ۔ جس سے وہ ڈر رہا ہے ۔ خاص کر جب رجا کا تعلق خدا سے اور خوف کا تعلق گناہوں سے ہو تو اس میں رجا کا غلبہ اور قوت ظاہر ہوتی ہے ۔ یا خوف کا تعلق گناہوں سے ادب کو محفوظ رکھتے ہوئے کہا ۔

[1] حدیث میں لفظ مُطلع آیا ہے۔ میم کی پیش و تشدید طا۔ اور لام کی زبر۔ بمعنی جائے اطلاع۔ اور بلند جگہ اور مطلع جبل اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں سے پہاڑ پر چڑھ سکیں۔ یہاں وہ چیز مراد ہے جس سے حالات آخرت پر مطلع ہوتے اور قیامت کے مناظر سامنے آتے ہیں۔ یا وہ امور مراد ہیں۔ جن سے انسان برزخ کے حالات سے واقف ہوتا ہے۔ یعنی موت کی آرزو کا کوئی فائدہ نہیں۔ کہ وہ تو شدائد و آلام میں پڑنے کا ذریعہ ہے۔ اور عقلمند کی شان یہ ہے کہ وہ اس چیز کی آرزو نہیں کرتا جس سے وہ شدت و بلا میں مبتلا ہو جائے۔ کہ موت نے تو آ کر ہی رہنا ہے۔ طیبی نے کہا ہول مطلع سے مراد وہ چیز ہے جس سے بندہ سکرات موت کو جھانکنے لگتا ہے۔ یعنی بندہ موت کی آرزو قلت صبر، صدمات اور تنگ دلی کے باعث کرتا ہے اور جب اس کی آرزو پوری ہوتی ہے تو اسے صدمہ اور تنگ دلی زیادہ لاحق ہوتی ہے۔ اور وہ زیادہ غضب و غصہ کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کی آرزو کرنے سے روکنا اس صورت میں ہے جب کہ بے صبری اور تنگ دلی کی وجہ سے ہو۔ اور جو آرزو شوق لقائے حق اور عالم آخرت سے محبت کی بنا پر ہو وہ ایک دوسری چیز ہے۔

[2] یعنی اپنی ذات پاک کی طرف۔ یہ موت کی آرزو کرنے کی ممانعت کی دوسری علت و وجہ ہے۔ یعنی موت تو بہرحال آنی ہی ہے۔ چند روز دنیا میں رہنا اور کام کرنا اور توشہ آخرت فراہم کرنا غنیمت ہے۔ کیونکہ الدنیا مزرعة الآخرة دنیا آخت کی کھیتی ہے۔

۱۵۲۹/۱۶ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ
جَلَسْنَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی
اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَّرَنَا
وَرَقَّقَنَا فَبَكٰی سَعْدُ بْنُ
اَبِیْ وَقَّاصٍ فَاَكْثَرَ الْبُكَآءَ
فَقَالَ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ فَقَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ یَاسَعْدُ اَعِنْدِیْ تَتَمَنَّی
الْمَوْتَ فَرَدَّدَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ
ثُمَّ قَالَ یَا سَعْدُ اِنْ كُنْتَ
خُلِقْتَ لِلْجَنَّةِ فَمَا طَالَ
عُمُرُكَ وَحَسُنَ مِنْ عَمَلِكَ

حضرت ابوامامہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ہمیں آپ نے آخرت کی یاد دلائی۔ اور ہمارے دلوں کو نرم کر دیا تو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ رو پڑے اور بہت روئے اور کہا کاش کہ میں مر چکا ہوتا۔[2] اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے سعد تو میرے سامنے موت کی آرزو کر رہا ہے۔ آپ نے اس بات کا تین بار تکرار کیا۔[3] پھر فرمایا اے سعد اگر تو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو تیری عمر جتنی دراز ہوگی اور تیرے عمل اچھے ہوں گے۔ وہ تیرے لیے بہتر

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ۔

ہے۔[5]

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

(احمد)

[1] یعنی حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ۔

[2] اور اس کے حالات اور خوفناک واقعات بیان فرمائے۔

[3] تاکہ دنیا کی محنت و شدت سے نجات پا جاتا۔

[4] یعنی موت کی آرزو ممنوع اور خدا تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس لیے میرے سامنے یہ آرزو کیوں کر رہا ہے۔ یا مراد یہ ہے کہ میری صحبت اور میری زندگی میں موت کی آرزو کرتا ہے۔ حالانکہ میرے جمال کا مشاہدہ اور میری صحبت کا شرف ہر نعمت سے جو انسان کے تصور میں آ سکتی ہے، بہتر ہے۔ اگرچہ تجھے موت کے بعد آخرت کی نعمتیں اور درجات حاصل ہوں گے مگر وہ سب نعمتیں اور درجات میری کریم ذات کے چہرہ پر نگاہ ڈالنے کے شرف کے برابر نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ دنیا میں ہی بہشت نقد ہے۔ کسی درویش سے پوچھا گیا کہ مومن کے لیے زندگی بہتر ہے یا موت اس نے کہا حضور کے زمانہ میں زندگی بہتر تھی۔ آپ کے بعد موت بہتر ہے۔

[5] کہ اس طرح تجھے تو آخرت میں مراتب و درجات حاصل کرنے کا مستحق ٹھہرایا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ کلمہ ان کلام عرب میں شک و تردد کے لیے آتا ہے۔ اور حضرت سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ تو پھر ان کنت خُلِقتَ للجنۃ اگر تو جنت کے لیے پیدا کیا گیا ہے، کا کیا معنیٰ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے اس قول کا صدور بشارت سے پہلے ہو۔ یا کلمہ شک و تردد کا لانا معاملۂ آخرت کی عظمت بیان کرنے کے لیے ہو کہ اس کے بارے میں جزم و یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۱۵۲۷ وَعَنْ حَارِثَةَ بْنِ مُضَرِّبٍ قَالَ[1] دَخَلْتُ عَلٰى خَبَّابٍ وَقَدِ اكْتَوٰى سَبْعًا فَقَالَ لَوْلَا اَنِّىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَتَمَنَّ اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ لَتَمَنَّيْتُهٗ وَلَقَدْ رَاَيْتُنِىْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا اَمْلِكُ دِرْهَمًا وَّ اِنَّ فِىْ

حضرت حارثہ بن مضرب[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں میں حضرت خباب[2] کے پاس گیا جب کہ حضرت خباب نے اپنے بدن مبارک پر سات جگہ داغ لگا رکھے[3] تھے حضرت خباب نے کہا اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ تم میں کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے تو میں ضرور موت کی تمنا کرتا۔ البتہ بے شک میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دیکھا کہ میں ایک

جَانِبِ بَيْتِي الْآنَ لَأَرْبَعِيْنَ أَلْفَ دِرْهَمٍ قَالَ ثُمَّ أُتِيَ بِكَفَنِهٖ فَلَمَّا رَاٰهُ بَكٰى وَ قَالَ وَلٰكِنْ حَمْزَةُ لَمْ يُوْجَدْ لَهٗ كَفَنٌ اِلَّا بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ اِذَا جُعِلَتْ عَلٰى رَأْسِهٖ قَلَصَتْ عَنْ قَدَمَيْهِ فَاِذَا جُعِلَتْ عَلٰى قَدَمَيْهِ قَلَصَتْ عَنْ رَأْسِهٖ حَتّٰى مُدَّتْ عَلٰى رَأْسِهٖ وَجُعِلَ عَلٰى قَدَمَيْهِ اِلْاِذْخِرُ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ يَذْكُرْ ثُمَّ اُتِيَ بِكَفَنِهٖ اِلٰى اٰخِرِهٖ۔

درہم کا بھی مالک نہ ہوتا تھا اور بے شک اس وقت میرے گھر کے ایک کونے میں چالیس ہزار درہم پڑے ہیں۔ حضرت حارثہ فرماتے ہیں پھر حضرت خباب کا کفن لایا گیا (جو کہ بہت عمدہ تھا) جب اسے دیکھا تو رو پڑے اور کہا لیکن حضرت حمزہ کو کفن بھی نصیب نہ ہوا۔ جب ان کا کفن ان کے سر کی طرف کھینچا جاتا تھا تو آپ کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور جب آپ کے قدموں کی طرف کھینچا جاتا تو آپ کے سر سے چھوٹا ہو جاتا۔ یہاں تک کہ وہ کفن آپ کے سر کی طرف کھینچا گیا اور آپ کے قدموں پر اذخر[5] (ایک قسم کی گھاس) ڈال دیا گیا۔ احمد و ترمذی۔ لیکن ترمذی نے ثُمَّ اُتِیَ بِکَفَنِہٖ کا لفظ ذکر نہ کیا اور بیہقی نے اسے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] حضرت حارثہ بن مُضرب (میم کی پیش ضاد کی زبر۔ را مشددہ کی زیر) آپ مشہور تابعی ہیں۔

[2] خَبَّاب خا کی زبر با اولیٰ مشددہ۔ آپ قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ بدری مہاجرین میں سے ہیں کوفہ میں رہائش اختیار کی۔ اور وہیں ۳۷ھ میں وفات پائی۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

[3] ہو سکتا ہے کہ آپ موت کی آرزو کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں دنیوی مرض و ضرر کی وجہ سے نہیں بلکہ اس مرض کی شدت کی بنا پر۔ پھر داغ کرنے کے جواز و کراہت میں اختلاف ہے۔ جیسا کہ اس کی تحقیق باب الطب میں آرہی ہے۔ یا آپ نے اپنی تونگری اور دولتمندی کی وجہ سے موت کی آرزو کا ارادہ کیا ہو۔ تاکہ دولت کی ریل پیل میں کہیں خاتمہ ہی خراب نہ ہو جائے۔ اس لیے آپ نے فرمایا۔

[4] اور کہا اگرچہ شرع میں اچھا کفن پہننا جائز ہے۔ مگر حضرت حمزہ الی آخرہ۔

[5] اذخر (ہمزہ کی زیر۔ ذال معجمہ ساکن) مشہور گھاس ہے جسے مکانوں چھتوں میں ڈالتے ہیں۔ اور قبر کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

بَابُ مَا يُقَالُ عِنْدَ مَنْ حَضَرَهُ الْمَوْتُ

مرنے والے کے پاس کیا پڑھا جائے

باب اس امر کے بیان میں کہ جس کا وقت موت آچکا ہو اس کے پاس کیا پڑھنا چاہیے۔ وقت موت کا آ جانا بطور عادت یقیناً معلوم ہو جاتا ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ موت کا وقت آ جانے کی علامت یہ ہے کہ اس وقت پاؤں اس قدر سست ہو جاتے ہیں کہ اگر انہیں کھڑا کیا جائے تو کھڑے نہیں رہ سکتے اور ناک کا ٹیڑھا ہو جانا۔ آنکھوں اور کان کے درمیانی حصہ کا لٹک جانا۔ خصیتین کے گوشت کا لمبا ہو جانا۔ کیونکہ اس وقت خصیتین سکڑ جاتے ہیں اس وقت اس کے پاس کیا پڑھا جائے،" عام ہے کہ لا الہ الا اللہ سے اس کی تلقین کی جائے۔ یا انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا جائے۔ اور اس کے لیے دعائے خیر کرنا اور سورۃ یٰسین پڑھنا۔ اور وہ کلمات جو مومن او کافر کے قبض روح کے وقت ملائکہ پڑھتے ہیں اور اس کی مثل اور کلمات جیسا کہ احادیث میں آ رہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ	پہلی فصل
۱۵۲۸/۱ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ وَ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)	حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ دونوں فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں[1] کو لا الہ الا اللہ سے تلقین کرو۔ (مسلم)

[1] یعنی جو مرنے کے قریب ہو چکے ہوں، کلمہ طیبہ سے ان کی تلقین کرو۔ لفظ تلقین لقن سے مشتق ہے۔ بمعنی جلد سمجھ جانا۔ اور تلقین سمجھانا۔ یہاں تلقین سے مراد کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ اس بندے کے سامنے جس پر وقت موت آچکا ہو۔ بغیر اس کے کہ اسے پڑھنے پر مجبور کریں۔

۱۵۲۹/۲ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَضَرْتُمُ الْمَرِيْضَ	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم مریض یا میت[1] کے پاس آؤ تو خیر و نیکی

أَوِ الْمَيِّتَ فَقُوْلُوْا خَيْرًا فَإِنَّ
الْمَلٰٓئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا
تَقُوْلُوْنَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کی دعا کرو[2]۔ کہ بے شک ملائکہ جو کچھ تم اس وقت کہتے ہو اس پر آمین کہتے ہیں۔

(مسلم)

[1] یعنی جو قریب المرگ ہو یہاں کلمہ او راوی کے شک کی وجہ سے ہے۔ اگر مریض سے قریب الموت مراد لیا جائے اور اگر مطلق مراد ہو تو پھر کلمہ او بیان نوع کے لیے ہے۔

[2] یعنی اپنے لیے خیر کی دعا کرو۔ مریض اور قریب الموت کیلیے شفا اور مغفرت کی۔

۱۵۳۰ وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا
مِنْ مُسْلِمٍ تُصِيْبُهُ مُصِيْبَةٌ
فَيَقُوْلُ مَآ أَمَرَهُ اللّٰهُ بِهٖ إِنَّا
لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ
اٰجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَ اَخْلِفْ
لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّآ أَخْلَفَ اللّٰهُ
لَهٗ خَيْرًا مِّنْهَا فَلَمَّا مَاتَ أَبُوْسَلَمَةَ
قُلْتُ أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ مِّنْ
أَبِيْ سَلَمَةَ أَوَّلُ بَيْتٍ هَاجَرَ إِلٰى
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
ثُمَّ إِنِّيْ قُلْتُهَا فَأَخْلَفَ اللّٰهُ لِيْ
رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مسلمان جسے کوئی مصیبت پہنچتی ہے پھر وہ وہ کلمہ کہتا ہے جس کا اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے[1]۔ یعنی انا للہ وانا الیہ راجعون[2]۔ اے اللہ مجھے میری مصیبت میں اجر[3] عطا فرما۔ اور مجھے اس کے بدلے بہتر[4] چیز عنایت کر۔ مگر اللہ تعالے اس سے بہتر چیز عطا کر دیتا ہے۔ پھر جب حضرت ابوسلمہ فوت ہوئے تو میں نے کہا ابوسلمہ سے بہتر کون مسلمان ہو سکتا ہے[5]۔ وہ اول صاحب خانہ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی[6]۔ پھر میں[7] نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالے نے انکے بدلے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرما دیئے[8]۔

(مسلم)

[1] مصیبت کے وقت اور اس کے پڑھنے کی فضیلت بیان فرمائی۔

[2] یعنی ہمارا وجود، ہمارا مال، ہماری اولاد اور ہمارے تمام حالات خدا کے لیے ہیں۔ اور ہم سب خدا تعالیٰ اور سوال وحساب اور اس کے ثواب و عذاب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

۳؎ یہ کلمہ اجرنی دو طرح روایت کیا گیا ہے۔ ہمزہ ساکن اور جیم پر پیش۔ ہمزہ کی زبر اور الا درجیم کی زیر معنیٰ دونوں کا ایک ہے یعنی مجھے اجر عطا فرما۔

۴؎ یعنی اس مصیبت میں میرا جو کچھ ضائع ہوا مجھے اس سے بہتر عطا فرما۔ اور کلمہ واخلف ہمزہ کی زبر اور خا ساکن اور لام کی زیر۔ اس کا مصدر اخلاف ہے۔ یعنی واپس اور ضائع شدہ چیز کی جگہ دوسری چیز دے دینا۔ مراد اجر و ثواب ہے یا فوت اور ضائع شدہ چیز کی جنس سے اس سے بہتر چیز عطا کرنا۔ جیسا کہ حدیث کا انداز عبارت واضح کر رہا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ مصیبت میں کوئی مسلمان یہ کلمات نہیں پڑھتا۔ مگر الی آخرہٖ۔

۵؎ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے یہ حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی تھی اور جب حضرت ابوسلمہ جو میرے حضور علیہ السلام سے پہلے شوہر تھے فوت ہوئے۔ تو میں نے حکم کی بجا آوری اور اس دعا کی فضیلت حاصل کرنے کے لیے یہ دعا پڑھنا چاہی۔ پھر میں نے دل میں کہا کہ مسلمانوں میں سے کون مسلمان ابوسلمہ سے بہتر ہو سکتا ہے۔ جس کی جگہ اللہ تعالے مجھے افضل مرد عطا کرے گا۔ حالانکہ ابوسلمہ کی شان یہ ہے کہ۔

۶؎ علماء نے کہا ہے کہ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی اس ہجرت سے حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت مراد ہے۔ کیونکہ آپ نے پہلے مدینہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب دوبارہ ہجرت کی ان دونوں ہجرتوں میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت ابوسلمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت برۃ بنت عبد المطلب کے بیٹے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔

۷؎ یعنی میں نے اس گومگو کی کیفیت اور اس امر کو بعید جانتے ہوئے کہ حضرت ابوسلمہ سے بہتر خاوند اب مجھے کہاں ملے گا یہ دعا اللھم اجرنی فی مصیبتی الی آخرہٖ پڑھ ہی لی۔

۸؎ کہ میں آپ کے نکاح میں آگئی اور ازواج مطہرات میں داخل ہو گئی۔

۱۵۳۱ ۴ وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ رَسُوْلُ	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى	فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوسلمہ کے
اَبِيْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ	پاس تشریف لائے۔ جب کہ ان کی آنکھیں کھلی رہ
فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ	گئیں تھیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھیں
اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ	بند کیں، پھر فرمایا بے شک روح جب بندے سے
نَاسٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا	نکالی جاتی ہے تو نگاہ اس کا پیچھا کرتی ہے پھر ابوسلمہ

تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلٰٓئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

کے اہل خانہ نے رونا دھونا شروع کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے آپ کے لیے دعا نہ کرو مگر خیر اور نیکی کی[3]۔ کیونکہ جو کچھ تم کہتے ہو اس پر ملائکہ آمین کہتے ہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ابو سلمہ کو بخشش دے اور اس کا درجہ ہدایت یافتہ بندوں میں بلند فرما۔ اور اس کے پیچھے رہنے والوں کا تو خود خلیفہ بن جا[4]۔ اور اے رب العالمین ہماری اور اس کی مغفرت فرما اور اس کی قبر کشادہ کر۔ اور قبر میں اس کے لیے روشنی کر۔ (مسلم)

[1] جیسا کہ موت کے وقت میت کی آنکھیں کھلی رہ جاتی ہیں۔ حدیث میں واقع لفظ شَق شین کی زبر اور بصر کی پیش سے شین کی پیش پڑھنا غیر مختار ہے۔

[2] اور اس کی جانب دیکھتی رہتی ہے۔ اس وجہ سے کھلی رہتی ہے۔ اہل خانہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جب یہ الفاظ سنے تو انہیں علم ہو گیا کہ حضرت ابو سلمہ وفات پا گئے ہیں۔ اس پر انہوں نے آہ بکا شروع کر دی۔

[3] واویلا نہ کرنا۔

[4] یعنی پسماندگان (اولاد، اولاد کی اولاد اور اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کے امور اور حفظ مصالح میں تو خود ان کا خلیفہ بن جا۔ اس معنی کے مطابق لفظ فی الغابرین فی عقبہ کا بیان ہوگا۔ یا باقی ماندگان یعنی ان کی اولاد اور ہونے والی اولاد اور باقی اور لوگ جو کہ سطح زمین پر باقی اور موجود ہیں۔ اس صورت میں فی الغابرین عقبہ کی صفت ہے۔ اور لفظ واخلفہ میں ہمزہ وصل ہے اور لام پر پیش اور لفظ عقبہ قاف کی زیر سے لغت کی کتاب صحاح میں کہا لفظ عقب اور عقب بمعنی اولاد اولاد کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کی اولاد۔

۱۵۳۲/۵ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ سُجِّيَ بِبُرْدٍ حِبَرَةٍ[1]. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو آپ کو حبرہ[1] نامی گاؤں کی بنی ہوئی چادر میں لپیٹا گیا (کفن دیا گیا) (بخاری ومسلم)

[1] حبرۃ حا کی زیر با کی زبر دھاری دار چادر کو کہتے ہیں۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

۱۵۳۳ [۶] عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ اٰخِرُ کَلَامِہٖ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ.

(رَوَاہُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ[۱] ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(ابوداؤد)

[۱] اس حدیث میں میت کو تلقین کی طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے۔ جس کا اثر اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ جنت میں جائے گا۔

۱۵۳۴ [۷] وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍؓ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اقْرَءُوْا سُوْرَۃَ
یٰسٓ عَلٰی مَوْتَاکُمْ.

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ اَبُوْدَاوٗدَ وَ
ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت معقل[۱] بن یسار[۲] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں پر سورۂ یٰسین پڑھو[۳]

(احمد۔ ابوداؤد)
(ابن ماجہ)

[۱] مُعْقِل میم کی زبر عین ساکن قاف کی زیر۔

[۲] یسار یا اور سین مہملہ۔ آپ صحابی ہیں شجرۃ الرضوان کے اصحاب بیعت میں سے ہیں۔ بصرہ میں سکونت اختیار کی۔ علاقہ بصرہ میں معقل نامی نہر انہی کی جانب منسوب ہے۔ آپ سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ آپ حضرت معاویہ کے دورِ حکومت کے آخری ایام تک زندہ رہے۔

[۳] ظاہر یہ ہے کہ مردہ سے وہ مراد ہے جس کی موت کا وقت آچکا ہو۔ امت کا عمل بھی اسی پر ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ بعد از موت اس کے گھر میں یا اس کی قبر پر یہ سورت پڑھنا مراد ہو۔ باقی رہی یہ بات کہ اس سورت کی تخصیص کی کیا وجہ ہے تو اس کا علم نبی پاک علیہ السلام کو ہی ہے اور اصول دین میں سے کسی اصل پر مشتمل ہے۔ طیبی نے کہا پڑھنے کا حکم اس سورت اور دوسری کے درمیان مشترک ہے۔ ظاہر یہ ہے (اور اللہ بہتر جانتا ہے) کہ وہ پوشیدہ راز اس سورت کے ابتداء میں ہی موجود ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تصدیق نہایت مؤکدہ طریقہ سے۔ پھر سورۃ کا خاتمہ جو درگاہِ صمدیت کی طرف رجوع پر مشتمل ہے جو کہ اس وقت و حال کے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسُبْحَانَ

الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ پاک ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ہے بادشاہی ہر چیز کی اور اسی کی جانب تم سب لوگ لوٹائے جاؤ گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سورۃ کے اس قدر فضائل ومناقب کس وجہ سے ہیں۔ آخر کار مجھے پتہ چل گیا کہ اس وجہ سے ہیں۔

۱۵۳۵/۸ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُوْنٍ وَھُوَ مَیِّتٌ وَھُوَ یَبْکِیْ حَتّٰی سَالَ دُمُوْعُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی وَجْہِ عُثْمَانَ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون[۱] رضی اللہ عنہ کا منہ مبارک چوما جب کہ وہ فوت ہو چکے تھے۔ اس وقت آپ رو رہے تھے، یہاں تک کہ آپ کے آنسو حضرت عثمان[۲] کے چہرہ انور پہ بہ پڑے۔

(ترمذی۔ ابوداؤد)

(ابن ماجہ)

[۱] منظعون ظاء معجمہ کے ساتھ۔

[۲] حضرت عثمان بن منظعون رضی اللہ عنہ مہاجرین صحابہ میں پہلے شخص ہیں جنہوں نے مدینہ طیبہ آکر رحلت کی اور سب سے پہلے شخص ہیں جو جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ اس کے بعد جنت البقیع قبرستان کی شکل اختیار کر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بہ نفس نفیس ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کی قبر مبارک پہ رکھا تاکہ ان کی قبر کا نشان بنا رہے۔ مروی ہے کہ مروان نے اپنے دورِ حکومت میں وہ پتھر اٹھا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پہ رکھ دیا۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ میت پاک ہوتا ہے مگر بعض علماء میت کے ناپاک ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس واقعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں مزید گفتگو باب غسل میت میں آ رہی ہے۔

۱۵۳۶/۹ وَعَنْھَا قَالَتْ اِنَّ اَبَابَکْرٍ قَبَّلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ مَیِّتٌ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوما جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وصال کر چکے تھے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

۱۵۳۷/۱۰ وَعَنْ حُصَیْنِ بْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَۃَ بْنَ الْبَرَآءِ مَرِضَ فَاَتَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت حصین بن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت طلحہ بن البراء بیمار پڑ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے۔

وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ فَقَالَ اِنِّيْ لَا
اُرٰى طَلْحَةَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ
بِهِ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْا بِهٖ وَ
عَجِّلُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِجِيْفَةِ
مُسْلِمٍ اَنْ تُحْبَسَ بَيْنَ ظَهْرَانِيْ
اَهْلِهٖ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤدَ)

اور فرمایا بے شک میں نہیں دیکھتا طلحہ[4] کو مگر یہ کہ اس پر موت کا وقت آ چکا ہے تو مجھے اس کے بارے میں اطلاع دینا[5]۔ اور اس کے کفن دفن میں جلدی کرنا کیونکہ مسلمان مردے کے لیے مناسب نہیں کہ اسے اپنے اہل خانہ کے درمیان روک رکھا جائے[6]۔

(ابوداؤد)

۱ہ حصین حا کی پیش صاد کی زبر۔

۲ہ وُحُوح دو واوں کی پیش کے ساتھ۔ بعض نے کہا دونوں واؤں پر زبر ہے۔ یہ دوسری روایت زیادہ مشہور اور زیادہ درست ہے۔ اور پہلی حا ساکن آپ انصاری صحابی ہیں۔ اہل بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان سے صرف یہی ایک حدیث مروی ہے۔

۳ہ حضرت طلحہ بن البراء انصاری صحابی ہیں۔ اہل حجاز میں شمار ہوتے ہیں۔

۴ہ متن حدیث میں لفظ اُرٰی آیا ہے۔ یعنی میں گمان کرتا ہوں۔

۵ہ تاکہ میں آ جاؤں اور اس پر نماز جنازہ پڑھوں۔ کیونکہ اس کے گندہ ہونے اور بدبو چھوڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ اس سے لوگ اسے برا اور کروہ و ناپاک شمار نہ کرنے لگیں۔ حالانکہ مومن اللہ کے نزدیک معزز و مکرم ہوتا ہے۔ اسی اندیشے کی جانب اشارہ کے لیے حدیث میں اسے جیفہ یعنی مردار سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ وہ گندہ ہونا شروع ہو جائے اور جیفہ جسم میت کو کہتے ہیں۔ جس کے بدبو چھوڑنے کا امکان ہوتا ہے۔

۶ہ لفظ ظہرانی زائد ہے۔ اس کی تحقیق شرح (عربی) میں کر دی گئی ہے۔ حضرت طلحہ بن البراء انصاری ہیں۔ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔ جب وہ فوت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم الق طلحۃ وانت تضحک الیہ خداوندا طلحہ سے اس حالت میں ملاقات کرنا کہ تو اس سے خوش ہو۔ اور ایک روایت میں ہے اور وہ تجھ سے خوش ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۵۳۸/۱۱ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ رضی اللہ عنہ
قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے مردوں کو یہ تلقین کیا کرو کہ اللہ کے سوا کوئی

اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ
سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قَالُوْا
يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ لِلْاَحْيَاءِ
قَالَ اَجْوَدُ وَ اَجْوَدُ۔
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

معبود نہیں۔ وہ حلم والا، کرم[٢] والا، پاک اور عرش عظیم کا مالک[٣]۔ ساری حمدیں اللہ رب العالمین کے لیے[٤] لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ دعا زندوں کے لیے کیسی ہے۔ فرمایا بہت اچھی۔ بہت اچھی ہے۔

(ابن ماجہ)

[١] حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب قرشی ہاشمی صحابی ہیں۔ رضی اللہ عنہ آپ بڑے سخی، خوش طبع بردبار بڑے پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے۔ لوگ انہیں بحرالجود (سخاوت کا سمندر) کہتے تھے۔ علماء نے کہا ہے کہ اسلام میں ان سے سخی تر کوئی شخص نہیں ہوا۔

[٢] اللہ تعالےٰ کو ان دو اوصاف سے موصوف کرنا دراصل عفو و کرم الٰہی کی طرف اشارہ ہے تاکہ مرنے والا اس کے عفو و کرم کی امید میں جان دے دے۔

[٣] اس میں خدا تعالےٰ کی عظمت و کبریائی کی جانب اشارہ ہے۔ تاکہ درگاہ الٰہی میں نعمت و عزت کے ساتھ حاضر ہونے کے شوق میں پہنچے۔

[٤] یعنی اس محنت آباد دنیا سے شکر و رضا کی حالت میں جانے پر اللہ ہی کے لیے سب حمدیں ہیں۔ تاکہ معنی ربوبیت کے حضور و تصور سے اللہ تعالےٰ کے فیض و فضل کے لیے تیار و مستعد رہے۔

[٥] یعنی یا رسول اللہ اگر یہ اذکار ہم زندوں کو بھی سکھائیں اور تلقین کریں تو کیسا ہے۔

[٦] آپ نے فرمایا بہت بہتر بہت بہتر ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا ذکر مردے اور زندے دونوں کے لیے شفائے قلب اور جلائے روح کا سبب ہے۔ اور ان صفات و معانی کو مرنے والے کے ذہن میں حاضر کرنا ذوق و حیات جاودانی کا موجب ہے۔ ع

مردہ و زندہ من در قدمت خواہد بود

میں مردہ اور زندہ دونوں حالتوں میں تیرے قدموں میں ہی رہوں گا

١٥٣٩/١٢ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ الْمَيِّتُ تَحْضُرُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ
فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا قَالُوْا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میت کے پاس فرشتے آتے[١] ہیں۔ اگر آدمی نیک ہوتا ہے تو اس سے کہتے ہیں۔ اے پاک روح نکل

أُخْرُجِيْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ
كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُخْرُجِيْ
حَمِيْدَةً وَّاَبْشِرِيْ بِرَوْحٍ وَّ
رَيْحَانٍ وَّ رَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ
فَلَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ
حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ
بِهَا اِلَى السَّمَآءِ فَيُفْتَحُ لَهَا
فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيَقُوْلُوْنَ
فُلَانٌ فَيُقَالُ مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ
الطَّيِّبَةِ كَانَتْ فِي الْجَسَدِ
الطَّيِّبِ اُدْخُلِيْ حَمِيْدَةً وَّ
اَبْشِرِيْ بِرَوْحٍ وَّ رَيْحَانٍ وَّ
رَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَلَا تَزَالُ
يُقَالُ لَهَا ذٰلِكَ حَتّٰى تَنْتَهِيَ
اِلَى السَّمَآءِ الَّتِيْ فِيْهَا اللّٰهُ
فَاِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوْءُ قَالَ
اُخْرُجِيْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيْثَةُ
كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اُخْرُجِيْ
ذَمِيْمَةً وَّ اَبْشِرِيْ بِحَمِيْمٍ
وَّغَسَّاقٍ وَّ اٰخَرَ مِنْ شَكْلِهٖ
اَزْوَاجٌ فَمَا تَزَالُ يُقَالُ لَهَا
ذٰلِكَ حَتّٰى تَخْرُجَ ثُمَّ يُعْرَجُ
بِهَا اِلَى السَّمَآءِ فَيُفْتَحُ لَهَا
فَيُقَالُ مَنْ هٰذَا فَيُقَالُ فُلَانٌ
فَيُقَالُ لَا مَرْحَبًا بِالنَّفْسِ الْخَبِيْثَةِ

جو پاک جسم میں تھی۔ نکل۔ قابل تعریف[۳]، خیریت و راحت کی حالت میں۔ اور پاک رزق کے ساتھ[۴]۔ اور راضی رب کی بشارت حاصل کر۔ اس سے یہ کہتے رہتے[۵] ہیں یہاں تک کہ وہ نکل آتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے۔ اس کے لیے آسمان کھولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے[۶]۔ یہ کون ہے۔ فرشتے کہتے ہیں[۷]۔ یہ فلاں[۸] ہے۔ تو کہا جاتا ہے کہ خوب آئی پاک روح جو پاک جسم میں تھی۔ داخل ہو قابلِ تعریف حالت میں اور تجھے خیریت و راحت ہے۔ تجھے پاک رزق اور راضی رب کی بشارت ہو۔ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس آسمان[۹] تک پہنچ جاتی ہے۔ جس میں اللہ تعالےٰ کی تجلی[۱۰] ہے۔ اور جب بُرا آدمی ہوتا ہے تو کہتے ہیں۔ اے خبیث جان نکل۔ جو خبیث جسم میں تھی نکل لائق ملامت ہو کر۔ تجھے کھولتے پانی، پیپ[۱۱] اور اس کے ہمشکل[۱۲] دوسرے عذابوں کی بشارت۔ اس سے یہ کہتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ نکل آتی ہے۔ پھر اسے آسمان کی طرف چڑھایا جاتا ہے تو اس کے لیے آسمان کھلوایا جاتا ہے۔ پوچھا جاتا ہے یہ کون ہے۔ کہا جاتا ہے فلاں۔ تو کہا جاتا ہے اس کے لیے مرحبا نہیں۔ خبیث جان ہے جو خبیث جسم میں تھی۔ قابلِ ملامت حالت میں لوٹ جا۔ کیونکہ تیرے لیے آسمان کے دروازے نہیں

كَانَتْ فِي الْجَسَدِ الْخَبِيْثِ اِرْجِعِيْ ذَمِيْمَةً فَاِنَّهَا لَا تُفْتَحُ لَكِ اَبْوَابُ السَّمَآءِ فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَآءِ ثُمَّ تَصِيْرُ اِلَى الْقَبْرِ.

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

کھل سکتے۔ پھر اسے آسمان سے پھینکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قبر میں آ جاتی ہے۔

(ابن ماجہ)

[۱] یعنی اس کے مرنے کے وقت۔

[۲] تو اس کی روح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

[۳] یعنی تو خدا اور اس کی مخلوق کے نزدیک قابلِ تعریف و ستائیش ہے۔

[۴] جو تجھے بہشت یا برزخ میں عطا ہوگا۔

[۵] یعنی آسمان کے دربان۔

[۶] یعنی اس کی روح کو اٹھا کر لے جانے والے۔

[۷] یعنی اس کا نام و نشان ذکر کرتے ہیں۔ جیسے کہ وہ اسے پوری طرح جانتے پہچانتے ہیں۔

[۸] اور اسے ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک لے جاتے ہیں۔

[۹] یعنی جہاں خدا تعالے کی قدرت اور رحمت خاص کا نزول ہوتا ہے۔

[۱۰] حمیم یعنی گرم پانی۔ اور پیپ جو دوزخیوں کے جسموں سے ٹپک ٹپک کر بہہ رہی ہوتی ہے۔ لفظ غسّاق سین کی شد اور تخفیف دونوں طرح آیا ہے۔ صراح میں کہا غساق ٹھنڈا اور گندہ پانی۔

۱۵۴۰/۱۳ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا خَرَجَتْ رُوْحُ الْمُؤْمِنِ تَلَقَّاهَا مَلَكَانِ يُصْعِدَانِهَا قَالَ حَمَّادٌ فَذَكَرَ مِنْ طِيْبِ رِيْحِهَا وَ ذَكَرَ الْمِسْكَ قَالَ وَ يَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَاءِ رُوْحٌ طَيِّبَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلٰى جَسَدٍ

انہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کی روح نکل آتی ہے۔ تو اسے دو فرشتے ملتے ہیں۔ جو اسے بلندی کی طرف لے جاتے ہیں حمادؒ[۱] کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی[۲] عمدہ خوشبو اور مشک کا ذکر فرمایا[۳]۔ فرمایا کہ[۴] آسمان والے کہتے ہیں۔ یک روح زمین کی طرف سے آئی اللہ تجھ پر اور اس جسم پر رحمتیں کرے جسے تو آباد[۵] کرتی تھی۔ پھر اسے رب تعالے کے

تَعْمُرِیْنَهٗ فَیُنْطَلَقُ اِلٰی رَبِّهٖ ثُمَّ
یَقُوْلُ انْطَلِقُوْا بِهٖ اِلٰی اٰخِرِ
الْاَجَلِ قَالَ وَاِنَّ الْکَافِرَ اِذَا
خَرَجَتْ رُوْحُهٗ قَالَ حَمَّادٌ
وَذَکَرَ مِنْ نَتْنِهَا وَذَکَرَ لَعْنًا
وَیَقُوْلُ اَهْلُ السَّمَآءِ رُوْحٌ
خَبِیْثَةٌ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ
الْاَرْضِ فَیُقَالُ انْطَلِقُوْا اِلٰی
اٰخِرِ الْاَجَلِ قَالَ اَبُوْهُرَیْرَةَ
فَرَدَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رِیْطَةً کَانَتْ عَلَیْهِ
عَلٰی اَنْفِه هٰکَذَا۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

پاس سے جاتے ہیں۔ رب تعالےٰ فرماتا ہے کہ اسے آخر وقت تک وہاں[7] پہنچا دو۔ فرمایا کہ جب کافر کی روح نکلتی ہے۔ حماد فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے[8] اس کی بدبو اور لعنت کا ذکر فرمایا آسمان والے کہتے ہیں۔ خبیث روح ہے جو زمین کی طرف سے آئی ہے۔ تو کہا جاتا ہے اسے معیاد تک کے لیے لے جاؤ۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چادر[9] تھی۔ اسے حضور نے اس[10] طرح اپنی ناک سے لگا لیا۔

---

[1] یعنی حماد نے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کرتے ہیں۔

[2] یا حضرت ابوہریرہ نے۔ اس کی روح کی خوشبو کا ذکر فرمایا۔ کہ اس روح سے مشک کی خوشبو آتی ہے۔

[3] یہ عبارت اس لیے ہے کہ راوی کو وہ مخصوص الفاظ جو سنے تھے یاد نہ رہے تھے۔

[4] حضرت ابوہریرہ نے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

[5] اس کی روح کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

[6] اور اسے زندہ رکھتی تھی۔

[7] آخر مدت سے قیامت مراد ہے۔ یعنی اس موت تک جس کے بعد قیامت قائم ہو گی۔ اس نے برزخ مراد ہے یعنی اُسے اس مکان میں لے جاؤ جو روزِ حشر تک اس کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک کے لیے دو اجلیں ہیں۔ اجل اول اور اجل آخر۔ اجل اول موت اور اجل آخر قیامت ہے۔ اور آیۃ کریمہ ثُمَّ قَضٰی اَجَلًا وَّ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهٗ (پھر اس نے اجل کا فیصلہ کیا اور ایک اور اجل ہے جو اس کے پاس ہے) دونوں کا احتمال رکھتی ہے۔

[8] یا حضرت ابوہریرہ نے۔

۵۹ حدیث میں عربی لفظ ریطۃ ہے۔ صراح میں ہے رَیْطَۃ را کی زبر سے وہ مضبوط اور موٹی چادر جسے عورتیں سر پر رکھتی ہیں۔

۶۰ یہ حضرت ابوہریرہ کے اس فعل کی طرف اشارہ ہے جو انہوں نے اپنی چادر ناک پر رکھتے ہوئے کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چادر مبارک ناک مبارک پر رکھنے کے فعل کا نقشہ بیان فرمایا۔

۱۵۴۱ / ۱۴ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حُضِرَ الْمُؤْمِنُ اَتَتْ مَلٰئِكَةُ الرَّحْمَةِ بِحَرِيْرَةٍ بَيْضَآءَ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ رَاضِيَةً مَّرْضِيًّا عَنْكِ اِلٰى رَوْحِ اللّٰهِ وَرَيْحَانٍ وَرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ فَتَخْرُجُ كَاَطْيَبِ رِيْحِ الْمِسْكِ حَتّٰى لَيُنَاوِلُهٗ بَعْضُهُمْ بَعْضًا حَتّٰى يَاْتُوْا بِهٖ اَبْوَابَ السَّمَآءِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا اَطْيَبَ هٰذِهِ الرِّيْحُ الَّتِيْ جَآءَتْكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَيَاْتُوْنَ بِهٖ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَهُمْ اَشَدُّ فَرَحًا بِهٖ مِنْ اَحَدِكُمْ بِغَائِبِهٖ يَقْدُمُ عَلَيْهِ فَيَسْاَلُوْنَهٗ مَاذَا فَعَلَ فُلَانٌ فَيَقُوْلُوْنَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ كَانَ فِيْ غَمِّ الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ قَدْ مَاتَ اَمَا اَتَاكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ قَدْ ذُهِبَ اِلٰى اُمِّهِ الْهَاوِيَةِ وَاِنَّ الْكَافِرَ اِذَا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن کو موت آتی ہے تو رحمت کے فرشتے سفید ریشم لے کر آتے ہیں۔ تو کہتے ہیں تو راضی خوشی نکل اللہ تعالے تجھ سے راضی ہے۔ اللہ کی راحت، روحانی رزق[۶۱] اور راضی رب کی طرف چل۔ تو وہ بہترین مشک کی خوشبو کی طرح نکلتی ہے[۶۲]۔ یہاں تک کہ فرشتے وہ روح آپس میں ایک دوسرے کو دیتے ہیں[۶۳] اور اسے آسمان کے دروازوں تک لاتے ہیں۔ آسمان والے کہتے ہیں یہ کیا ہی اچھی خوشبو ہے جو زمین سے تمہیں آئی۔ پھر اسے مسلمانوں کی روحوں کے پاس لاتے ہیں۔ اہل ایمان اُس کی وجہ سے اس سے زیادہ خوش ہوتے ہیں جیسے تم میں سے کوئی گم شدہ آدمی کے آنے[۶۴] سے خوش ہوتا ہے۔ اس سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کیا کرتا ہے۔ فلاں[۶۵] کیا کرتا ہے۔ پھر کہتے ہیں اسے چھوڑ دو یہ دنیا کے غم میں تھا[۶۶]۔ یہ کہتا ہے[۶۷] کہ وہ تو مر گیا کیا تمہارے پاس نہیں آیا[۶۸]۔ وہ کہتے ہیں کہ اسے اس کی ماں ھاویہ[۶۹] دوزخ میں پہنچا دیا گیا ہے۔ اور جب کافر کی موت آتی ہے تو اس کے پاس عذاب کے فرشتے ٹاٹ[۷۰] لے کر

أُحْتُضِرَ أَتَتْهُ مَلٰئِكَةُ الْعَذَابِ
بِمِسْحٍ فَيَقُوْلُوْنَ اُخْرُجِيْ سَاخِطَةً
مَسْخُوْطًا عَلَيْكِ اِلٰى عَذَابِ
اللهِ عَزَّوَجَلَّ فَتَخْرُجُ كَاَنْتَنِ
رِيْحِ جِيْفَةٍ حَتّٰى يَاْتُوْنَ بِهٖ
بَابَ الْاَرْضِ فَيَقُوْلُوْنَ مَا
اَنْتَنَ هٰذِهِ الرِّيْحُ حَتّٰى يَاْتُوْنَ
بِهٖ اَرْوَاحَ الْكُفَّارِ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَآئِيُّ)

آتے ہیں۔ اور کہتے ہیں نکل اس حال میں کہ تو رب سے ناراض تجھ سے رب ناراض۔ اللہ کے عذاب کی طرف چل تو وہ مردار کی سخت بدبو کی طرح نکلتی ہے۔ یہاں تک کہ اسے زمین[10] کے دروازے تک لاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں یہ کیسی سخت بدبو ہے۔ یہاں تک کہ اسے کفار کی روحوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

(احمد)

(نسائی)

---

[1] یعنی رحمت و عنایت خداوندی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے عاقبتِ کار کی خبر و اطلاع مراد ہو یعنی جنت کی نعمتیں۔

[2] یعنی روحِ مومن اس خوشبو کے ساتھ جسم سے باہر آتی ہے۔

[3] یعنی فرشتے اسے دست بدست لے کر جاتے ہیں۔

[4] یعنی گم شدہ آدمی کے سفر سے واپس آ جانے سے خوش ہوتا ہے۔

[5] یعنی دنیا میں ان کی جن جن سے آشنائی تھی ان کا نام لے لے کر ان کا حال احوال دریافت کرتے ہیں۔

[6] یعنی اسے چھوڑ دو اس سے نہ پوچھو اور اسے مشقت میں نہ ڈالو کہ یہ دنیا کے غم میں تھا اور وہاں سے غم زدہ حالت میں یہاں آ رہا ہے۔ یہاں تک کہ یہ آرام کر لے اور اپنی حالت پر قائم ہو لے۔ پھر اس سے ان کے حالات دریافت کرنا۔

[7] یعنی حالت درست ہونے اور ہوش و حواس قائم ہونے پر کہتا ہے کہ جس کا حال تم دریافت کر رہے ہو وہ تو مر چکا ہے۔ کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا۔

[8] یعنی جب وہ اطلاع دیتا ہے کہ وہ تو مر چکا ہے اور مومنین کی روحیں اسے اپنے اندر نہیں پاتیں۔ تو ایک دوسری سے کہتی ہے کہ اسے اس کی ماں ھاویہ دوزخ میں ڈال دیا گیا ہے۔ اور قرآن حکیم میں آتش دوزخ کو دوزخی کی ماں کہہ کر بیان کیا گیا ہے جیسا کہ فرمایا فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (اس کی ماں ھاویہ دوزخ ہے) آتش دوزخ کو اس کی ماں آگ کے اس کا احاطہ کرنے پر مشتمل ہونے اور اس کے قریب اور متصل ہونے کی بنا پر یہ کہا گیا ہے۔

[9] یعنی نہایت کھردرا ٹاٹ۔ جیسا کہ مومن کی روح کے لیے سفید ریشم لے کر آتے ہیں۔ حدیث میں لفظ مِسْح آیا ہے۔

میم کی زبر اور سین ساکن۔ بمعنی ٹاٹ۔

[۱۰] یعنی زمین والے آسمان کے درمیان تک۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ آسمان سے زمین کے بالکل نیچے پھینک دیتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا۔

۱۵۴۲ / ۱۵ وَعَنِ الْبَرَآءِ بْنِ عَازِبٍؓ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَبْرِ وَ لَمَّا يُلْحَدْ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَلَسْنَا حَوْلَهٗ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ وَ فِيْ يَدِهٖ عُوْدٌ يَّنْكُتُ بِهٖ فِي الْاَرْضِ فَرَفَعَ رَاْسَهٗ فَقَالَ اسْتَعِيْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلٰثًا ثُمَّ قَالَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ اِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَاِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ نَزَلَ اِلَيْهِ مَلٰئِكَةٌ مِّنَ السَّمَآءِ بِيْضُ الْوُجُوْهِ كَاَنَّ وُجُوْهَهُمُ الشَّمْسُ مَعَهُمْ كَفَنٌ مِّنْ اَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَ حَنُوْطٌ مِّنْ حَنُوْطِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَجْلِسُوْا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَجِيْءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَيَقُوْلُ اَيَّتُهَا

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ میں گئے قبر پر پہنچے جو ابھی تیار نہ تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے۔ اور ہم لوگ آپ کے آس پاس اس[۱۱] طرح بیٹھ گئے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ایک چھڑی تھی۔ جس سے آپ زمین کدلانے[۱۲] لگے۔ پھر اپنا سر مبارک اٹھایا اور دو یا تین بار فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ سے پناہ مانگو۔ پھر فرمایا بندہ مومن جب دنیا سے روانہ ہو کر آخرت کی طرف جاتا ہے تو اس پر آسمان سے سفید چہرے والے فرشتے اترتے ہیں۔ گویا ان کے چہرے سورج ہیں۔ جن کے ساتھ جنت کے کفنوں سے کفن اور وہاں کی خوشبو[۱۳] ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ میت کی تاحد نگاہ بیٹھ جاتے ہیں۔ پھر ملک الموت علیہ السلام[۱۴] تشریف لاتے ہیں۔ اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتے ہیں۔ اے پاک روح اللہ کی بخشش اور رضا کی طرف چل تو وہ (روح) نکلتی ہے ایسی بہتی ہوئی جس طرح مشک[۱۵] سے پانی۔ ملک الموت اسے لے لیتے ہیں۔ جب لیتے ہیں تو فرشتے ان کے ہاتھ میں پل بھر کے لیے بھی نہیں چھوڑتے[۱۶] حتیٰ کہ

النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ اُخْرُجِيْ اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ قَالَ فَتَخْرُجُ تَسِيْلُ كَمَا تَسِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنَ السِّقَآءِ فَيَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوْهَا فِيْ يَدِهٖ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَاْخُذُوْهَا فَيَجْعَلُوْهَا فِيْ ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَ فِيْ ذٰلِكَ الْحَنُوْطِ وَتَخْرُجُ مِنْهَا كَاَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ قَالَ فَيَصْعَدُوْنَ بِهَا فَلَا يَمُرُّوْنَ يَعْنِيْ بِهَا عَلٰى مَلَاءٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِلَّا قَالُوْا مَا هٰذَا الرُّوْحُ الطَّيِّبُ فَيَقُوْلُوْنَ فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ بِاَحْسَنِ اَسْمَآئِهِ الَّتِيْ كَانُوْا يُسَمُّوْنَهٗ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتّٰى يَنْتَهُوْا بِهَا اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُوْنَ لَهٗ فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهٗ مِنْ كُلِّ سَمَآءٍ مُقَرَّبُوْهَا اِلَى السَّمَآءِ الَّتِيْ تَلِيْهَا حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهٖ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اكْتُبُوْا كِتَابَ عَبْدِيْ فِيْ عِلِّيِّيْنَ وَاَعِيْدُوْهُ اِلَى الْاَرْضِ فَاِنِّيْ مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيْهَا اُعِيْدُهُمْ وَمِنْهَا

اسے لے لیتے ہیں۔ اور اس کفن اور خوشبو میں ڈال دیتے ہیں۔ اس روح سے ایسی عمدہ خوشبو نکلتی ہے جیسے روئے زمین کی بہترین مشک سے۔ فرمایا اسے لے کر چڑھتے ہیں۔ تو فرشتوں کی کسی جماعت پر سے نہیں گزرتے[7] مگر وہ کہتے ہیں یہ کیا ہی عمدہ خوشبو ہے[8]۔ یہ کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے۔ اس کا وہ اعلیٰ نام لے کر جو دنیا میں لیا جاتا تھا[9]۔ یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں۔ اور اس کے لیے کھلواتے ہیں۔ تو وہ کھول دیا جاتا ہے۔ پھر اسے ہر آسمان کے مقرب فرشتے دوسرے آسمان تک پہنچانے جاتے ہیں یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کی کتاب علیین[10] میں لکھو۔ اور اسے زمین کی طرف واپس[11] کر دو۔ کیونکہ میں نے انہیں زمین سے ہی پیدا کیا اور وہاں ہی انہیں لوٹاؤں گا۔ اور وہاں ہی سے دوبارہ انہیں نکالوں[12] گا۔ فرمایا تب اس کی روح جسم میں واپس کی جاتی ہے۔ پھر اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے، وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے وہ کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے، وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے کہتے ہیں یہ صاحب[13] کون ہیں۔ جو تم میں بھیجے گئے وہ کہتا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں تجھے کیسے[14] معلوم ہوا۔ یہ کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی[15] اس پر ایمان لایا اس کی تصدیق کی[16]۔ تو آسمان سے

أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى قَالَ فَتُعَادُ رُوْحُهُ فِيْ جَسَدِهٖ فَيَأْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ رَبِّيَ اللّٰهُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ وَمَا عِلْمُكَ فَيَقُوْلُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ فَاٰمَنْتُ بِهٖ فَصَدَّقْتُ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَنْ صَدَقَ عَبْدِيْ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَاَلْبِسُوْهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى الْجَنَّةِ قَالَ فَيَأْتِيْهِ مِنْ رَوْحِهَا وَطِيْبِهَا فَيُفْسَحُ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ مَدَّ بَصَرِهٖ قَالَ وَيَأْتِيْهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ حَسَنُ الثِّيَابِ طَيِّبُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُرُّكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ لَهٗ مَنْ اَنْتَ وَجْهُكَ الْوَجْهُ تَجِيْءُ بِالْخَيْرِ فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ فَيَقُوْلُ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ رَبِّ اَقِمِ السَّاعَةَ

پکارنے والا پکارتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لیے جنت کا فرش بچھادو[17]۔ اسے جنتی لباس پہناؤ[18] اور اس کے لیے جنت کی طرف دروازہ کھول دو۔ فرمایا تو اس تک جنت کی راحت و خوشبو آتی ہے تاحد نگاہ[19] اس کی قبر فراخ کردی جاتی ہے۔ فرمایا اور اس کے پاس ایک خوبصورت اچھے کپڑوں اچھی خوشبو والا شخص آتا ہے۔ اور کہتا ہے اُس سے خوش ہو[20] جو تجھے مسرور کرے گی یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ بندہ مومن کہتا ہے تو کون ہے تیرا چہرہ[21] بھلائی لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرا نیک عمل ہوں[22]۔ تو بندہ کہتا ہے یارب قیامت قائم کر قیامت قائم کر۔ تاکہ میں اپنے گھر بار اور مال متاع میں پہنچوں[23]۔ فرمایا کہ بندہ کافر جب دنیا کے خاتمہ اور آخرت کی آمد میں ہوتا ہے تو اس کی طرف آسمان سے سیاہ چہروں والے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں۔ تو وہ اس کافر کی حد نگاہ تک بیٹھ جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے اور اس کے سر کے پاس آکر بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے اے خبیث جان رب کی ناراضی کی طرف نکل۔ فرمایا کہ جان اس کے جسم میں چھپتی پھرتی ہے[24]۔ وہ اُسے ایسا کھینچتے ہیں جیسے گرم سیخ بھیگی اون سے کھینچی جاتی ہے[25]۔ پھر اسے لے لیتے ہیں جب لے لیتے ہیں تو دوسرے فرشتے وہ جان ملک الموت کے ہاتھ میں پلک جھپکنے تک نہیں چھوڑتے حتیٰ کہ اسے ان

حَتّٰی اَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِیْ وَمَالِیْ
قَالَ وَ اِنَّ الْعَبْدَ الْکَافِرَ
اِذَا کَانَ فِیْ انْقِطَاعٍ مِّنَ
الدُّنْیَا وَ اِقْبَالٍ مِّنَ الْاٰخِرَةِ
نَزَلَ اِلَیْهِ مِنَ السَّمَآءِ مَلٰٓئِکَةٌ
سُوْدُ الْوُجُوْهِ مَعَهُمُ الْمُسُوْحُ
فَیَجْلِسُوْنَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ
ثُمَّ یَجِیْءُ مَلَکُ الْمَوْتِ حَتّٰی
یَجْلِسَ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَیَقُوْلُ
اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِیْثَةُ اُخْرُجِیْ
اِلٰی سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ قَالَ
فَتَفَرَّقُ فِیْ جَسَدِهٖ فَیَنْتَزِعُهَا
کَمَا یُنْزَعُ السَّفُّوْدُ مِنَ الصُّوْفِ
الْمَبْلُوْلِ فَیَاْخُذُهَا فَاِذَا اَخَذَهَا
لَمْ یَدَعُوْهَا فِیْ یَدِهٖ طَرْفَةَ
عَیْنٍ حَتّٰی یَجْعَلُوْهَا فِیْ تِلْکَ
الْمُسُوْحِ وَتَخْرُجُ مِنْهَا کَاَنْتَنِ
رِیْحِ جِیْفَةٍ وُّجِدَتْ عَلٰی
وَجْهِ الْاَرْضِ فَیَصْعَدُوْنَ
بِهَا فَلَا یَمُرُّوْنَ بِهَا عَلٰی
مَلَاٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِلَّا قَالُوْا
مَا هٰذَا الرُّوْحُ الْخَبِیْثُ فَیَقُوْلُوْنَ
فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِاَقْبَحِ اَسْمَآئِهِ
الَّتِیْ کَانَ یُسَمّٰی بِهَا فِی الدُّنْیَا
حَتّٰی یُنْتَهٰی بِهٖ اِلَی السَّمَآءِ

ٹاٹوں میں ڈال لیتے ہیں۔ اور اس سے روئے زمین کے بدترین مردار کی سی سخت بدبو نکلتی ہے۔ وہ اسے لے کر چڑھ جاتے ہیں۔ اور فرشتوں کی کسی جماعت پر نہیں گزرتے مگر وہ یہی کہتی ہے کہ یہ خبیث جان کون ہے وہ اس کے دنیوی بدترین ناموں سے جن سے موسوم کیا جاتا تھا نام لے کر کہتے ہیں۔ کہ فلاں فلاں کا بیٹا۔ یہاں تک کہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچتے ہیں۔ تو اس کے لیے آسمان کا دروازہ کھلوایا جاتا ہے مگر وہ نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی "ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے" پھر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب نچلی زمین کے سجین میں لکھو۔ پھر اس کی جان پھینک دی جاتی ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی۔ اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا گویا وہ آسمان سے گر گیا جسے پرندے اچکتے ہیں۔ یا اسے دور جگہ میں ہوا پھینک دیتی ہے۔" پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں۔ اور اسے بٹھاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ پھر

الدُّنْيَا فَيُسْتَفْتَحُ لَهٗ فَلَا يُفْتَحُ لَهٗ ثُمَّ قَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اكْتُبُوْا كِتَابَهٗ فِيْ سِجِّيْنَ فِي الْاَرْضِ السُّفْلٰى فَتُطْرَحُ رُوْحُهٗ طَرْحًا ثُمَّ قَرَأَ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ فَتُعَادُ رُوْحُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ وَيَاْتِيْهِ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهٖ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَنْ رَّبُّكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا دِيْنُكَ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيَقُوْلَانِ لَهٗ مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ فَيَقُوْلُ هَاهْ هَاهْ لَا اَدْرِيْ فَيُنَادِيْ مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ اَنْ كَذَبَ فَاَفْرِشُوْهُ مِنَ النَّارِ فَافْتَحُوْا لَهٗ بَابًا اِلَى النَّارِ فَيَاْتِيْهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُوْمِهَا وَيُضَيَّقُ

کہتے ہیں یہ کون صاحب ہیں جو تم میں بھیجے گئے۔ وہ کہتا ہے ہائے ہائے میں نہیں جانتا۔ اس وقت آسمان سے پکارنے والا پکارتا ہے یہ جھوٹا ہے اس کے لیے آگ کا بستر بچھاؤ اور اس کے لیے آگ کی طرف دروازہ کھولو۔ تو اس تک دوزخ کی گرمی اور وہاں کی لو آتی ہے اس کی قبر اتنی تنگ کر دی جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی ہیں۔ اور اس کے پاس ایک بدشکل برے لباس والا بدبو دار آدمی آتا ہے۔ اور کہتا ہے اس کی خبر سے جو تجھے غم میں مبتلا کرے گی۔ یہی وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ تھا مردہ کہتا ہے کہ تو کون ہے تیرا چہرہ شر (ڈر) لاتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں تیرے بُرے اعمال ہوں۔ اور کہتا ہے الٰہی قیامت قائم نہ کریے[۳۱] اور ایک روایت[۳۲] میں اسی کی مثل ہے۔ اس میں اتنی زیادتی ہے کہ جب مومن کی جان نکلتی ہے۔

عَلَيْهِ قَبْرُهٗ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيْهِ اَضْلَاعُهٗ وَيَاْتِيْهِ رَجُلٌ قَبِيْحُ الْوَجْهِ قَبِيْحُ الثِّيَابِ مُنْتِنُ الرِّيْحِ فَيَقُوْلُ اَبْشِرْ بِالَّذِيْ يَسُوْءُكَ هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِيْ كُنْتَ تُوْعَدُ فَيَقُوْلُ مَنْ اَنْتَ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيْءُ بِالشَّرِّ فَيَقُوْلُ اَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيْثُ فَيَقُوْلُ رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَحْوَهٗ وَزَادَ فِيْهِ اِذَا خَرَجَ رُوْحُهٗ صَلّٰى عَلَيْهِ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَآءِ وَفُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ يَعْرُجَ بِرُوْحِهٖ مِنْ قِبَلِهِمْ وَتُنْزَعُ نَفْسُهٗ يَعْنِي الْكَافِرَ مَعَ الْعُرُوْقِ فَيَلْعَنُهٗ كُلُّ مَلَكٍ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَكُلُّ مَلَكٍ فِي السَّمَآءِ وَتُغْلَقُ اَبْوَابُ السَّمَآءِ لَيْسَ مِنْ اَهْلِ بَابٍ اِلَّا وَهُمْ يَدْعُوْنَ اللّٰهَ اَنْ لَّا يَعْرُجَ رُوْحُهٗ مِنْ قِبَلِهِمْ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

تو آسمان و زمین کے درمیان کے سارے فرشتے اس پر دعا کرتے ہیں۔ اور اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔[۳۲] اور ہر دروازے والے یہی دعا کرتے ہیں کہ اس کی روح ان کی طرف سے چڑھے۔ اور کافر کی جان اس کی رگوں کے ساتھ نکالی جاتی ہے[۳۳]۔ اس پر آسمان و زمین کے درمیان والے سارے فرشتے اور آسمان کے سارے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔ اور آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ ہر دروازے والے یہی دعا کرتے ہیں کہ الٰہی اس کی روح ان کی طرف سے نہ چڑھے۔

۱ہ یعنی اس ہیبت اور ادب و وقار سے سر جھکائے ہوئے اور بالکل ساکن اور خاموش گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں کہ اگر ہم سر ہلائیں اور دائیں بائیں دیکھیں تو پرندے اڑ جائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ کرام کا اس طرح ادب و وقار سے بیٹھنا بہت سی احادیث میں مذکور ہے۔

۲ہ جیسے کوئی فکرمند اور غمگین انسان زمین پر بیٹھ کر لکڑی سے لکیریں کھینچتا ہے۔

۳ہ حدیث کے عربی الفاظ میں خوشبو کے لیے لفظ حنوطٌ آیا ہے۔ حا کی زبر سے۔ بمعنی میت کی خوشبو جو اس کے کفن اور بدن کو لگائی جاتی ہے۔

۴ہ جس کا نام عزرائیل ہے۔

۵ہ حدیث میں لفظ سِقاء سین کی زیر سے آیا ہے۔ بمعنی مشک

۶ہ یعنی جب ملک الموت بندے کی روح قبض کرتا ہے۔ تو اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیتا ہے جن کے ہاتھ میں جنت سے لایا ہوا کفن ہوتا ہے۔

۷ہ یعنی اس کی روح کو ساتھ لے کر۔

۸ہ اور یہ کون شخص ہے۔

۹ہ جیسے اس کے وہ القاب جو اس کی مدح پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۰ہ علیین ساتویں آسمان میں ایک جگہ کا نام ہے۔

۱۱ہ یعنی اس روح کو اس کے بدن میں واپس لے جاؤ جو زمین میں دفن ہے۔

۱۲ہ جس طرح میں نے پہلے ان کو زمین سے پیدا کیا تھا۔

۱۳ہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات شریف کی جانب اشارہ ہے۔

۱۴ہ کہ تیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے جاننے کی کیا دلیل ہے۔ اور تو کس بنا پر آپ کو رسول کہتا ہے۔

۱۵ہ وہ جواب دیتا ہے میں نے قرآن پڑھا ہے جو کہ معجزہ ہے۔

۱۶ہ یہاں دو طریقے ہیں۔ ایک اثبات نبوت معجزہ سے اور حضور کے قول مبارک سے قرآن کی قرآنیت کا ثبوت دوسرا قرآن کا اثبات اس کے اعجاز سے اور نبوت کا اثبات قرآن سے حدیث کی تقریر دوسری وجہ کی جانب مائل ہے۔

۱۷ہ حدیث میں وارد لفظ اَفرِشُوہٗ ہمزہ کی زبر سے اور ہمزہ قطعی ہے۔

۱۸ہ یعنی جہاں تک اس کی نظر کام کرتی ہے

۱۹؎ حدیث میں واقع لفظ البشر البشار سے ہے جس کا معنیٰ ہے خوشخبری دینا اور بمعنی خوش ہونا بھی آتا ہے۔

۲۰؎ یعنی تیرا چہرہ حسن و جمال میں نہایت کامل ہے۔

۲۱؎ یعنی تیرا چہرہ خیر و بھلائی لاتا اور اس کی بشارت دیتا ہے اور ایسے خوبصورت چہرے کی شان کے لائق یہی ہے کہ وہ نیکی و بشارت کا موجب بنے۔

۲۲؎ یعنی میں تیرا نیک عمل ہوں جو اس صورت میں متمثل ہو کر تیرے سامنے آیا ہوں۔

۲۳؎ یعنی مجھے زندہ کرتا کہ میں دنیا کی طرف واپس جاؤں۔ اور زیادہ نیک عمل کروں۔ تاکہ میرا ثواب و درجہ زیادہ ہو جائے۔ تاہم چونکہ اسے معلوم ہو چکا ہوتا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندگی قیامت کو ہو گی۔ اس لیے وہ خدا سے طلب کرتا ہے۔ کہ قیامت قائم ہو۔ دراصل وہ اس سے کنایہ کرتا ہے کہ مجھے زندہ کیا جائے۔ علماء نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے قول حتی ارجع الی اھلی ومالی (تاکہ میں اپنے اہل و مال کی طرف لوٹ کر جا سکوں) غایت سرور و خوشحالی کی بنا پر ہو۔ اور اس کی ان کی طرف واپس جانے کی آرزو انہیں اس سرور و خوشحالی سے آگاہ کرنے کے لیے ہو۔ جس طرح ایک مسافر کہتا اور آرزو کرتا ہے جسے غریب الوطنی میں آرام و آسائش حاصل ہوتی ہے۔ کہ میرے عزیز و اقارب میرے اس حال سے واقف و آگاہ ہوں۔

۲۴؎ یعنی اس کی روح جسم میں ادھر ادھر بھاگتی، جسم کی گہرائیوں میں ڈرتی اور اس سے باہر آنے سے گریز کرتی ہے کیونکہ قہر الٰہی کو دیکھ کر جسم سے باہر آنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ بخلاف مومن کی روح کے کہ وہ مشاہدہ انوار اور لطف و کرم کے آثار دیکھ کر خوشی اور نشاط و سرور کے ساتھ بدن سے جلد باہر آنا چاہتی ہے۔

۲۵؎ اور کھینچنے سے اون کے کچھ اجزاء بھی اس سیخ کے ساتھ باہر آتے ہیں۔ اسی طرح جب کافر کی روح جسم سے کھینچی جاتی ہے۔ اور رگوں کی گہرائیوں سے قوت و سختی سے جب اسے باہر نکالا جاتا ہے تو اس کی رگیں بھی اس کے ساتھ کھینچی ہوئی باہر آتی ہیں۔ جیسا کہ دوسری روایت میں آ رہا ہے۔ ان الفاظ حدیث میں انتہائی درد و رنج پہنچانے کا بیان ہے۔ حدیث کے عربی الفاظ میں واقع لفظ سَفود سین کی زبر فا کی شد بر وزن تنور یعنی لوہے کی وہ سیخیں جن پر کباب بنائے جاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ جلے ہوئے گوشت کا کچھ حصہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جب بھیگی اون میں سے گرم سیخ کو کھینچا جائے۔ تو اون کا کچھ حصہ سیخ کے ساتھ چمٹا رہ جاتا ہے۔

۲۶؎ مختصر یہ کہ کافر کا حال مومن کے حال سے مختلف ہوتا ہے۔ مومن کے لیے فرمایا کہ فرشتے اسے اس جنتی کفن میں ڈال دیتے ہیں۔ اور کافر کی روح کو ان ٹاٹوں میں ڈال دیتے ہیں۔ مومن کے لیے فرمایا کہ اس کی روح سے نفیس ترین خوشبو مہک رہی ہوتی ہے۔ اور کافر کی روح سے بدترین مردار کی بدبو آتی ہے۔ مومن کے لیے فرمایا یہ کتنی طیب اور پاکیزہ روح ہے۔ کافر کے لیے فرمایا ھذا الروح الخبیث یہ خبیث روح پھر مومن کیلیے یہ فرمایا کہ اسے سب

سے اچھے نام سے بلایا جاتا ہے۔ کافر کے لیے فرمایا کہ اسے بدترین نام سے پکارا جاتا ہے۔

۲۷ے سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ کا نام ہے۔ جیسے علیین ساتویں آسمان کے اوپر ایک جگہ کا نام ہے۔

۲۸ے یعنی بہت ہی بلندی سے جو ایمان و توحید کی بلندی ہے، کفر و شرک کے گڑھے میں گر گیا۔

۲۹ے یہ مہلک خواہشات کی تمثیل ہے جو انسان انکا کو پراگندہ رکھتی ہیں۔ اور اسے ذلت و خواری کی وادی میں ڈال کر تباہ و برباد کر دیتی ہیں۔

۳۰ے اس میں شیطان کے اسے گمراہی میں ڈالنے اور مقام قرب و وصول سے دور پھینک دینے کی تمثیل ہے۔ پہلی میں صرف فنا و ہلاکت کا بیان ہے۔ دوسری میں بعد و محرومی کا ذکر ہے۔ اور مشرک بھی دو قسم ہیں۔ ایک وہ گروہ جس کی نجات و خلاصی کی قطعًا کوئی امید نہیں۔ دوسرا وہ گروہ جس کے توبہ کر لینے سے نجات کی امید ہو سکتی ہے۔ اگرچہ بظاہر ان کا توبہ کی طرف آنا بعید اور مشکل ہے۔ کذا قال البیضاوی رحمۃ اللہ۔

۳۱ے یاد رہے اس حدیث میں واقع کلمہ صاہ صاہ اظہار حسرت و حیرت کے لیے آتا ہے۔ مومن کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا اَنْ صَدَقَ عَبْدِیْ میرے بندے نے سچ کہا۔ مگر کافر کے بیان میں صرف ان کذب (وہ جھوٹا ہے) کہا عبدی کا کلمہ نہ فرمایا۔ اور مومن کے لیے فرمایا من روحها و طیبها کہ اس تک جنت کی راحت اور خوشبو پہنچتی ہے۔ اس کے برعکس کافر کے لیے فرمایا من حرها و سمومها کہ اس تک دوزخ کی تپش اور زہریلی ہوا پہنچتی ہے۔ سموم (سین کی زبر) گرم ہوا۔ اضلاع پہلو کی ہڈیاں۔ یعنی کافر پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیوں کو ادھر ادھر کر دیتی ہے۔ اور یہاں توعد کا لفظ وعید سے مشتق ہے۔ جیسا کہ مومن کے حال میں۔ یہ لفظ وعدہ سے مشتق ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں بھی بطور ٹھٹھہ و استہزا وعدہ سے ہی مشتق ہو۔ جیسا کہ کافر کے لیے لفظ البشرا استعمال فرمایا۔

۳۲ے یعنی اس روایت کے معنی یہی ہیں صرف الفاظ دوسرے ہیں۔

۳۳ے بعض نسخوں میں فتحت ابواب السماء میں فتحت لہٗ ابواب السماء آیا ہے۔ یعنی اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔

۳۴ے جیسا کہ گزشتہ روایت میں مذکور ہوا۔

۱۵۴۳/۱۶ وَعَنْ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ كَعْبٍؓ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ لَمَّا حَضَرَتْ كَعْبًا الْوَفَاةُ اَتَتْهُ اُمُّ بِشْرٍ بِنْتُ الْبَرَآءِ بْنِ

حضرت عبدالرحمٰن بن کعب[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ اپنے باپ[۲] سے روایت کرتا ہے۔ عبدالرحمٰن نے کہا جب کعب کا وقت آیا تو ان کے پاس ام[۳] بشر بنت البراء بن معرور آئی۔ اور کہا اے ابو عبدالرحمٰن اگر

مَعْرُوْرٍ فَقَالَتْ یَآاَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اِنْ لَقِیْتَ فُلَانًا فَاقْرَءْ عَلَیْهِ مِنِّی السَّلَامَ فَقَالَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكِ یَا اُمَّ بِشْرٍ نَحْنُ اَشْغَلُ مِنْ ذٰلِكَ قَالَتْ یَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ اَمَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَرْوَاحَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ طَیْرٍ خُضْرٍ تَعْلُقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ قَالَ بَلٰی قَالَتْ فَهُوَ ذَاكَ۔

تیری فلاں شخص سے ملاقات ہو تو اسے میرا سلام کہنا۔ اس پر حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ تیری مغفرت کرے۔ اے ام بشر ہم وہاں اس کام سے بہت زیادہ مشغول و مصروف ہوں گے حضرت ام بشر نے کہا اے عبدالرحمٰن تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا کہ آپ نے فرمایا مومنین کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں میں ہوں گی، جو جنت کے درختوں میں چرتے ہوں گے۔ فرمایا ہاں۔ حضرت ام بشر نے کہا تو وہ یہی ہے۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ)

اسے ابن ماجہ نے روایت کیا اور بیہقی نے اسے کتاب البعث والنشور میں روایت کیا۔

---

[1] حضرت عبدالرحمٰن بن کعب رضی اللہ عنہ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں پیدا ہو چکے تھے۔

[2] حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ مشاہیر صحابہ اور شعراء السلام میں سے ہیں۔ غزوۂ تبوک سے ان کے پیچھے رہ جانے اور ان کی توبہ کا قصہ مشہور و معروف اور نص قرآن میں مذکور ہے۔

[3] حضرت ام بشر حضرت براء بن معرور (میم کی زبر عین ساکن راء اول پر پیش) کی بیٹی ہیں۔ انصار میں سے ہیں۔ عقبہ کی رات سب سے پہلے بیعت کرنے والے حضرت براء ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل مدینہ میں فوت ہونے والے آپ ہی ہیں۔ حضرت ام بشر کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔

$\frac{1522}{14}$ وَعَنْهُ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّهٗ کَانَ یُحَدِّثُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا نَسَمَةُ الْمُؤْمِنِ طَیْرٌ تَعْلُقُ فِیْ شَجَرِ الْجَنَّةِ حَتّٰی یَرْجِعَهُ

انہی سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح پرندہ ہے جو جنت کے درخت میں لٹکایا جاتا ہے حتیٰ کہ جس دن اللہ تعالےٰ اُسے اٹھائے گا تو اس

اللّٰهُ فِيْ جَسَدِهٖ يَوْمَ يَبْعَثُهٗ۔
(رَوَاهُ مَالِكٌ وَالنَّسَآئِيُّ وَ
الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَ
النُّشُوْرِ)

جسم میں لوٹائے گا۔
(مالک۔ نسائی)
بیہقی فی کتاب البعث
والنشور۔

[1] حدیث میں واقع لفظ نسمہ (ن، س، م تینوں پر زبر) کا اطلاق کبھی انسان کے جسم اور کبھی اس کی روح پر ہوتا ہے۔ یہاں روح مراد ہے۔

[2] واضح ہو کہ اس حدیث کی روایات مختلف ہیں۔ ایک روایت میں لفظ طیر آیا ہے۔ ایک دوسری روایت میں فی حواصل طیر (پرندے کی پوٹوں میں) ایک اور روایت میں فی جوف طیر خضر (سبز پرندوں کے پیٹ میں) اور ایک روایت میں کطیر (پرندے کی طرح) ایک روایت میں فی صورۃ طیر (پرندے کی صورت میں) اور ایک روایت میں طیر" آیا ہے۔ یعنی مومن کی روح پرندہ ہے۔ ان سب روایات کو کسی ایک معنیٰ پر محمول کرنا ہو گا۔ اور اکثر روایات میں اخضر یا خضر آیا ہے۔ ایک روایت میں طیر ابیض آیا ہے یعنی سفید پرندہ۔ بہر صورت اس کے مرادی معنیٰ کا ادراک قیاس عقلی سے بعید ہے۔ تاہم قدرت حق ہر چیز کو شامل ہے۔ پھر روح کا پرندے سے تعلق روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی طرح نہیں ہے۔ یعنی جس طرح روح بدن میں تصرف و تدبیر کرتی ہے۔ تاکہ قلب حقیقت لازم آئے۔ اور ان کا مرتبہ حقیقت انسان سے گر کر صفت حیوانی سے موصوف ہو جائے۔ یہ بات اس بنا پر نہیں کہ بدنِ حیوانی روحِ انسانی کے تصرف و تعلق کی صلاحیت نہیں رکھتا بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ جوہر روح کو اس پرندہ میں امانت کے طور پر رکھا جاتا ہے۔ جس طرح صندوق میں جواہرات رکھے جاتے ہیں اور اس طرح ان کی حفاظت و نگہداشت کی جاتی ہے۔ یہ ان ارواح کی تکریم اور انہیں نعمتوں سے سرفراز کرنے کی ایک شکل ہے۔

یہ بھی واضح ہو کہ بعض علماء اسے شہداء کی ارواح سے خاص کرتے ہیں۔ اور بعض تمام اہل ایمان کے لیے عام رکھتے ہیں۔ حدیث کا ظاہر مفہوم بھی یہی ہے۔ ان احادیث میں اس مسئلہ کی دلیل ہے کہ ارواح باقی رہتی ہیں۔ اور انہیں نعمت یا عذاب میں رکھا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۴۵/۸ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ رضؓ
قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى جَابِرِ بْنِ
عَبْدِ اللّٰهِ وَهُوَ يَمُوْتُ فَقُلْتُ
أَقْرَأْ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّلَامَ۔

حضرت محمد بن المنکدرؓ[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں
میں حضرت جابر بن عبد اللہ[2] رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔
جب کہ وہ حالت نزع میں تھے۔ تو میں نے انہیں
عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس
میں[3] سلام عرض کرنا

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ) (ابن ماجہ)

۱ے مُنکدر میم کی پیش نون ساکن دال کے نیچے زیر۔ یہ حضرت محمد بن المنکدر تابعین میں سے ہیں۔

۲ے حضرت جابر بن عبداللہ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

۳ے یعنی میری طرف سے آپ کو سلام عرض کرنا۔

بَابُ غُسْلِ الْمَيِّتِ وَتَكْفِيْنِهٖ

غسل میت اور اس کی تکفین کا باب

یعنی میت کو غسل دینے اور کفن پہنانے کا باب۔ واضح ہو کہ غسل میت بالاجماع فرض ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اس غسل کا وجوب میت کے ادائے حق کے لیے ہے۔ اسی بنا پر یہ فرض کفایہ ہے کہ اس کے ادائے حق میں کچھ مسلمانوں کا حق ہی کافی ہے۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ وجوب غسل کا سبب کیا ہے۔ اکثر یہ کہتے ہیں کہ میت کو اس لیے غسل نہیں دیا جاتا کہ اس پر موت طاری ہونے کی وجہ سے اس کا جسم نجس و ناپاک ہو جاتا ہے۔ بلکہ بے وضو ہو جانے کی بنا پر۔ کیونکہ موت کی وجہ سے جوڑ ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور عقل زائل ہو جاتی ہے کہ انسان اپنے شرف انسانی کی وجہ سے نجس و ناپاک نہیں ہوتا۔ گو زندہ انسان میں بوحدث لاحق ہونے کی صورت میں صرف چار اعضاء دھونے پر کفایت کی گئی ہے کیونکہ بار بار غسل کرنے میں حرج اور تکلیف ہے۔ ہر بار سارا بدن دھونا مشقت کا باعث ہے۔ میت میں چونکہ یہ بات نہیں لہٰذا وہاں اصل پر عمل کیا گیا اور وہ یہ کہ اسے نہلایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نہلانا میت کے نجس ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ آدمی رگوں میں خون رکھنے والا حیوان ہے۔ تو وہ موت طاری ہونے سے نجس ہو جاتا ہے۔ جس طرح دوسرے حیوانات۔ اسی بنا پر اگر کسی نے میت کو اسکے غسل دینے سے پہلے ہاتھوں سے اٹھایا تو وہ اٹھانے والا بھی ناپاک ہو جائے گا اور اس کی نماز درست نہ ہو گی۔ اگر میت نجس و ناپاک نہ ہوتا بلکہ صرف بے وضو ہونے والی عدم طہارت ہوتی تو میت کو اٹھانے والے کے باوضو ہونے کی صورت میں اس کی نماز درست ہوتی۔ جس طرح بے وضو انسان کو اٹھانے سے وضو میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ نہایت امر یہ ہے کہ مسلمان میت کی نجاست جو موت سے لاحق ہوتی ہے غسل سے دور ہو جاتی ہے۔ یہ مسلمان میت کی تکریم و تعظیم کی بنا پر ہے۔ اور یہ زوال نجاست مسلمان کے ساتھ خاص ہے۔ بخلاف میت کافر کے کہ وہ غسل سے بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کسی مسلمان نے نہلائی ہوئی کافر میت کو اٹھایا تو اس کی نماز درست نہ ہو گی۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ المومن لا ینجس حیا و لا میتا - - - - - بے شک مومن زندہ ہو یا مردہ ناپاک نہیں ہوتا۔ اس حدیث میں یہ زائد الفاظ سند کے لحاظ سے اگر درجہ صحت تک پہنچے

ہوئے ہیں۔ تو پھر اس قول کو ترجیح حاصل ہوگی کہ میت کو غسل دینا حدث کی بنا پر ہے نہ کہ نجاست کی بنا پر۔

پھر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ غسل میت میں نیت شرط ہے یا نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ مشروط ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا ۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کلی اور ناک میں پانی چڑھانا غسل میت میں نہیں ہے۔ اسی طرح امام احمد کے نزدیک بھی نہیں۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک ہے۔ تکفین بمعنی مردے کا کفن تیار کرنا کفن کا اصل معنٰی ہے پشم لپیٹنا۔ کفن بمعنی مردہ کے کپڑے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

١٥٤٦ عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَغْسِلُ ابْنَتَهٗ فَقَالَ اغْسِلْنَهَا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ اِنْ رَاَيْتُنَّ ذٰلِكَ بِمَآءٍ وَسِدْرٍ وَّاجْعَلْنَ فِي الْاٰخِرَةِ كَافُوْرًا اَوْ شَيْئًا مِنْ كَافُوْرٍ فَاِذَا فَرَغْتُنَّ فَاٰذِنَّنِيْ فَلَمَّا فَرَغْنَا اٰذَنَّاهُ فَاَلْقٰى اِلَيْنَا حَقْوَهٗ فَقَالَ اَشْعِرْنَهَا اِيَّاهُ وَ فِيْ رِوَايَةٍ اغْسِلْنَهَا وِتْرًا ثَلٰثًا اَوْ خَمْسًا اَوْ سَبْعًا وَابْدَاْنَ بِمَيَامِنِهَا وَمَوَاضِعِ الْوُضُوْءِ مِنْهَا قَالَتْ فَضَفَرْنَا شَعْرَهَا ثَلٰثَةَ قُرُوْنٍ فَاَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

پہلی فصل

حضرت ام عطیہ[1] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اس وقت تشریف لائے جبکہ ہم آپکی صاحبزادی کو غسل دے رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا اس کو غسل دو تین بار یا پانچ بار یا اس سے اکثر بار[2]۔ اگر تم ضرورت[3] محسوس کرو پانی اور بیری کے پتوں[4] سے اور اس کے آخر میں کافور ملنا[5] یا کافور میں سے کچھ۔ جب تم غسل سے فارغ ہو جاؤ تو مجھے اطلاع دینا۔ جب ہم غسل سے فارغ ہو گئیں تو ہم نے آپ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے ہماری طرف اپنا ازار[6] مبارک پھینک دیا اور فرمایا اسے اس کے جسم کے ساتھ لگا دو[7]۔ اور ایک روایت میں ہے اسے وتر میں غسل دو تین بار یا پانچ بار یا سات بار[8] اور اس کے جسم کے دائیں حصے سے اور وضو والے اعضا سے شروع کرنا۔ حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں۔ تو ہم نے ان کے بال مبارک کی تین ریفیں کر دیں اور تینوں ان کی پشت پر ڈال دیں[9]۔

(بخاری ومسلم)

---

[1] آپ انصاری ہیں اکابر صحابیات میں سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ میں شریک ہوا کرتی تھیں۔ زخمیوں

کا علاج معالجہ کرتیں اور بیماروں کی تیمار داری کرتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صاحبزادی یا تو حضرت زینب زوجہ ابوالعاص بن ربیع تھیں یا حضرت ام کلثوم زوجہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہا۔ قول اول زیادہ صحیح اور زیادہ مشہور ہے۔

۲؎ مگر وتر عدد میں ہو جیسا کہ روایات میں آیا ہے۔

۳؎ اور اسراف سے گریز کرنا۔

۴؎ اس طرح کہ بیری کے پتوں کو پانی میں جوش دینا۔ کہ ایسا کرنے سے نظافت اور طہارت اچھی طرح حاصل ہوتی ہے۔

۵؎ یہ راوی کا شک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافور فرمایا یا شیئا من کافور فرمایا۔ شیخ ابن حجر نے کہا مراد یہ ہے کہ پانی میں کافور گھول لینا۔ جمہور علماء ایسا ہی کرنے کے قائل ہیں۔ کوفی علماء کہتے ہیں۔ کافور کو حنوط میں ڈالیں پھر غسل کے بعد بدن میت خشک ہونے پر مل دیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کافور میسر نہ آئے تو کوئی کسی خوشبو مل دیں کہ اس کے قائم مقام ہو جائے گی۔ ترمذی نے ایک حدیث بھی اس باب میں روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ نے دریافت کیا کہ کیا میت کو مشک ملنا جائز ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا ہو اطیبُ طیبکم۔ کہ وہ تمہاری سب سے اعلیٰ خوشبو ہے۔ امام ترمذی نے کہا کہ بعض اہل علم کا عمل اسی پہ ہے۔ اور احمد واسحاق کا قول ہے۔ اس کے برعکس بعض میت کے لیے مشک کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔

۶؎ ازار کے لیے حدیث میں لفظ حقوٌ (حا کی زبر یا زیر اور قاف ساکن) یعنی ازار اور ازار بند دونوں کے لیے آتا ہے یہاں ازار مراد ہے۔

۷؎ یعنی اس ازار کو کفن کے اندر رکھنا تاکہ اس کی برکت اسے پہنچے۔ لفظ اُشعِرنَ شعار سے بنا ہے۔ شعار اس کپڑے کو کہتے ہیں جو جسم اور اس کے بالوں سے لگا ہوتا ہے۔ اس حدیث میں یہ مسئلہ مذکور ہوا ہے کہ صالحین کے لباس اور ان کے آثار ونشانات سے بعد موت قبر میں برکت حاصل کرنا مستحب ہے، جس طرح قبل موت بھی ان کے تبرکات سے برکت حاصل کرنا مستحب ہے۔ اور روایات میں آچکا ہے۔

۸؎ مگر سات سے زیادہ بار غسل نہ دیا جائے کہ مکروہ و اسراف ہے۔

۹؎ شاید کہ یہ بھی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم یا اذن سے کیا یا شرع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فعل ان صحابیات کو معلوم تھا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۳۷/۲ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفِّنَ فِيْ ثَلٰثَةِ اَثْوَابٍ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روئی کے تین کپڑوں میں کفن دیا گیا جن کا رنگ سفید تھا اور

يَمَانِيَةٍ بِيضٍ سَحُولِيَّةٍ مِنْ كُرْسُفٍ لَيْسَ فِيهَا قَمِيصٌ وَلَا عِمَامَةٌ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

یمن[۲] میں واقع سحول[۳] بستی کے بنے ہوئے تھے ان میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔[۵]

(بخاری ومسلم)

۱ یعنی ازار چادر اور لفافہ

۲ یمانیہ یمن کی طرف منسوب۔ بیض ابیض کی جمع بمعنی سفید۔

۳ سحولیۃ۔ سین کی زبر۔ سحول (یمن کی ایک بستی کی طرف منسوب ہے) بعض نے سحول کا معنی دھوبی کیا ہے۔ اور سحل بمعنی دھونا۔ یعنی وہ کپڑے دھوئے تھے۔ بعض نے سُحولیہ سین کی پیش سے پڑھا ہے۔ جمع سحل۔ بمعنی سفید سوتی کپڑا پاک اور صاف ستھرا۔ مگر جمع کی طرف نسبت شاذ ہے بعض نے کہا سحولیہ (پیش سے) بھی بستی کا نام ہے۔

۴ حدیث میں لفظ کرسف آیا ہے۔ کاف اور سین کی پیش را ساکن بمعنی روئی۔

۵ حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن مبارک میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ بعض یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان سے مراد یہ ہے کہ ان تین کپڑوں میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔ بلکہ وہ ان کے علاوہ تھا۔ اور آپ کے کفن کے مجموعہ کپڑے پانچ تھے۔ مگر اول قول زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کفن کے صرف تین کپڑے تھے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ نے اسی کو لیا ہے۔ ہم احناف کے نزدیک بھی سنت کفن تین کپڑے ہیں۔ لیکن ہدایہ میں ان تین کپڑوں میں قمیص کو شامل کیا عمامہ کو شامل نہ کیا۔ بعض متاخرین نے معزز واشراف لوگوں کے لیے عمامہ کو مستحسن قرار دیا ہے۔ اور کہا عمامہ کی دم اس کے ایک پہلو میں ڈالیں پشت کی جانب نہ ڈالیں۔ جس طرح زندگی میں پشت کی جانب ڈالتے ہیں۔ اور عمامہ سے مراد وہ کپڑا ہے جس کے تین بل آجائیں۔ امام احمد کے نزدیک اسی طرح ہے اور تحقیق کتب فقہ میں مذکور ہے۔

۱۵۴۸/۳ وَعَنْ جَابِرٍ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَفَّنَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ فَلْيُحْسِنْ كَفَنَهُ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اسے اچھا[۱] کفن دے۔

(مسلم)

۱ اچھے کفن سے مکمل، پاک وصاف، سفید، اسراف وفضول خرچی سے پاک کفن مراد ہے۔ نیا اور دھویا ہوا درجے میں برابر ہے اور وہ جو فضول خرچ لوگ ریا وتکبر کے طور پر کرتے ہیں وہ سخت حرام ومکروہ ہے۔

۱۵۴۹ وَعَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ رَجُلًا كَانَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَقَصَتْهُ نَاقَتُهٗ وَهُوَ مُحْرِمٌ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اغْسِلُوْهُ بِمَآءٍ وَّسِدْرٍ وَّكَفِّنُوْهُ فِيْ ثَوْبَيْهِ وَلَا تَمَسُّوْهُ بِطِيْبٍ وَّلَا تُخَمِّرُوْا رَاْسَهٗ فَاِنَّهٗ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُلَبِّيًا.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اسے اس کی اونٹنی نے گرادیا[1] اور حالت احرام میں تھا۔ وہ فوت ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور اس کے دونوں کپڑوں[2] میں اسے کفن دو اور اسے خوشبو نہ لگانا اور نہ اس کا سر ڈھانکنا[3] کیونکہ یہ شخص قیامت کے دن تلبیہ کہتے ہوئے اٹھے گا۔

(بخاری ومسلم)

وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ خَبَّابٍ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ فِيْ بَابِ جَامِعِ الْمَنَاقِبِ اِنْ شَآءَ اللهُ تَعَالٰى.

اور ہم حضرت خباب[5] کی حدیث کہ حضرت مصعب بن عمیر قتل کیے گئے، انشاء اللہ باب جامع المناقب[6] میں ذکر کریں گے۔

[1] اور اس کی گردن کو توڑ دیا۔

[2] یعنی اس کے احرام کے دو کپڑوں میں۔

[3] کیونکہ وہ محرم کی طرح ہے۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کو حالت احرام جیسا کفن ہی دیا جائے گا۔ امام احمد، شافعی کا مذہب یہی ہے مگر امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک محرم دوسرے مردوں کی طرح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فوت ہونے والے کو دو کپڑوں میں جو کفن دیا وہ ضرورت کے تحت تھا کیونکہ اور کپڑا نہ تھا اور اسے خوشبو نہ لگانا اور سر نہ ڈھانکنا صرف اس کے ساتھ خاص تھا۔ آپ نے یہ حکم سب احرام والوں کے لیے بطور تشریع نہ دیا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

[5] خباب خاء پیش باء شدہ

[6] یعنی جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ قتل کردیے گئے۔ کتاب کے آخر میں مناقب صحابہ میں ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

۱۵۵۱/۵ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلْبَسُوْا مِنْ ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضَ فَاِنَّهَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَکَفِّنُوْا فِیْهَا مَوْتَاکُمْ وَمِنْ خَیْرِ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ فَاِنَّهٗ یُنْبِتُ الشَّعْرَ وَیَجْلُوا الْبَصَرَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی ابْنُ مَاجَةَ اِلٰی مَوْتَاکُمْ)

دوسری فصل

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے کپڑوں میں سے سفید کپڑے پہنو کہ وہ تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر کپڑے ہیں۔ اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفن دو اور تمہارے بہترین سرموں میں اثمد سرمہ[1] ہے۔ کیونکہ وہ بال اگاتا[2] اور نگاہ کو تیز کرتا ہے۔

⁂

ابوداؤد، ترمذی۔ اور ابن ماجہ نے اسے الی موتاکم تک روایت کیا ہے[3]

[1] اِثْمِد ہمزہ اور میم کی زیر بمعنی سرمہ کا پتھر۔

[2] یعنی پلکوں کے بال

[3] سرمے اور اثمد کا انہوں نے ذکر نہ کیا۔

۱۵۵۲/۶ وَعَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغَالُوْا فِی الْکَفَنِ فَاِنَّهٗ یُسْلَبُ سَلْبًا سَرِیْعًا۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ)---

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گراں[1] قیمت والے کفن نہ خریدو۔ کیونکہ کفن بہت جلد چھین لیا جاتا ہے۔

(ابوداؤد)

[1] یہ حدیث پاک میں واقع عربی لفظ لَا تَغَالُوْا (تا اور لام کی زبر) کا ترجمہ ہے۔

[2] قبر میں بہت جلد بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ یعنی بوسیدہ اور خراب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا نفیس اور گراں قیمت کفن کی کیا ضرورت ہے۔

مقصد حدیث یہ ہے کہ کفن میں اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ انہیں ان کپڑوں میں ہی کفن دے دیا جائے

وہ انہوں نے بوقت موت زیب تن کیے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا ان کو دھو لینا اور انہی میں مجھے کفن دینا۔ کیونکہ زندہ لوگوں کو نئے کپڑوں کی زیادہ ضرورت ہے۔ اور فرمایا کفن تو مردہ بدن سے نکلنے والی آلائشوں، پیپ اور مٹی کے لیے ہے۔

۱۵۵۳ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رضی اَنَّهٗ لَمَّا حَضَرَهُ الْمَوْتُ دَعَا بِثِيَابٍ جُدُدٍ فَلَبِسَهَا ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْمَيِّتُ يُبْعَثُ فِيْ ثِيَابِهِ الَّتِيْ يَمُوْتُ فِيْهَا۔ (رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کی موت کا وقت آیا تو آپ نے نئے کپڑے منگوائے اور انہیں زیب تن کیا۔ پھر فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا میت روز قیامت انہی کپڑوں میں اٹھایا جائے گا جن کے اندر وہ مرا تھا[1] (ابو داؤد)

۱۵۵۴ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے

---

[1] اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے اس حدیث پر عمل کرنے کے لیے نئے کپڑے زیب تن کیے۔ اس حدیث کے ظاہر ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں سے لوگ کپڑے پہنے اٹھیں گے۔ مگر اس ترجمہ میں اشکال ہے کہ صحیح حدیث میں وارد ہو چکا ہے کہ لوگوں کا حشر ننگے جسم اور ننگے پاؤں ہوگا۔ اس بارے بہت کچھ کہا گیا ہے جو (ہماری عربی شرح) میں مذکور ہے یہاں بطور خلاصہ جو بات کہی جا سکتی ہے یہ ہے کہ کپڑوں سے حدیث میں مراد اعمال ہیں جن پر انسان کی موت واقع ہوتی ہے اور عرب لوگ کپڑے بول کر اعمال مراد لیا کرتے ہیں اس مناسبت سے کہ جس طرح کپڑے انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اعمال بھی اس سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور آیہ کریمہ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ کی تاویل میں علماء نے کہا ہے کہ وَاَعْمَالَكَ فَاَصْلِحْ۔ یعنی اپنے اعمال کی پس اصلاح کر۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بوقت موت نئے کپڑے نظافت و طہارت کی نیت سے زیب تن کیے۔ اس دوران اچانک یہ حدیث بھی ان کے ذہن میں مستحضر ہو گئی جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھی تھی۔ حدیث کی تاویل وہی ہے جو علماء نے کی ہے کہ کپڑوں سے اعمال مراد ہیں۔ یہ حدیث آپ نئے کپڑے پہننے کے لیے بطور دلیل نہ لائے۔ پھر حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ بھی تھا کہ ابہام کے طور پر حدیث پاک کو ظاہری معنی پر بھی حمل کیا جا سکتا ہے کیونکہ آپ ظاہری معنی کی بجا آوری کی بھی بڑی حرص رکھتے تھے اگرچہ مراد حقیقۃً دوسرا معنی ہے یعنی اعمال۔ اسے سمجھو۔ واللہ اعلم۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُ الْكَفَنِ الْحُلَّةُ وَخَيْرُ الْأُضْحِيَةِ الْكَبْشُ الْأَقْرَنُ۔ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ)

ہیں کہ بہترین کفن حلہ[1] یعنی چادر اور ازار ہے۔ اور بہترین قربانی سینگوں والا دنبہ[2] ہے۔ (ابوداؤد اور ترمذی) وابن ماجہ نے ابو امامہ سے روایت کیا۔

[1] حدیث کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ کفن میں ایک کپڑے پر کفایت نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ دو کپڑے ہونے چاہییں۔ اگر تین کپڑے مہیا کریں تو یہ سنت ہے اور کفن کا مرتبہ کمال ہے۔

[2] جسے فارسی میں قچقار بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بہت فربہ اور عظیم الجثہ ہوتا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم کے فرزند ارجمند کے فدیہ میں ایسا ہی فربہ دنبہ آیا تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کفن اور بہتر قربانی دونوں کا سوال کیا گیا ہو گا۔ اس لیے جواب میں آپ نے دونوں کو ایک عبارت میں یوں بیان فرمایا۔ لہٰذا ان دو فقروں میں مناسبت ثابت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ یہاں بعض لوگوں نے تکلف سے کام لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۵۵ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ أَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَتْلٰى أُحُدٍ أَنْ يُّنْزَعَ[1] عَنْهُمُ الْحَدِيْدُ وَالْجُلُوْدُ وَأَنْ يُّدْفَنُوْا بِدِمَائِهِمْ وَثِيَابِهِمْ (رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہدائے احد کے متعلق حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور چمڑے کے کپڑے[1] اتار لیے جائیں۔ اور انہیں ان کے خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] یعنی لوہے کے ہتھیار اور چمڑے کے کپڑے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

۱۵۵۶ عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيْمَؓ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ أُتِيَ بِطَعَامٍ وَّكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ

حضرت سعد بن ابراہیم سے روایت ہے وہ اپنے والد[1] سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس کھانا لایا گیا وہ اس وقت روزہ دار تھے۔ فرمایا حضرت مصعب[2] بن عمیر جو مجھ

ابْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ إِنْ غُطِّيَ رَأْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَإِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهٗ وَأُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ أَوْ قَالَ أُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا أُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا أَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

سے بہتر ہے جب شہید ہوئے تو ایسی چادر میں انہیں کفن دیا گیا کہ اگر ان کا سر ڈھکا جاتا تھا تو ان کے پاؤں ننگے ہو جاتے تھے اور اگر ان کے پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو ان کا سر ننگا ہو جاتا تھا[۳]۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ حضرت حمزہ[۴] جو مجھ سے بہتر تھے وہ بھی شہید ہوئے پھر ہم پر دنیا اتنی پھیلائی گئی جتنی پھیلائی گئی[۵]۔ یا فرمایا[۶] ہمیں دنیا اتنی ملی جو ملی ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا ثواب جلد دے دیا گیا ہو[۷]۔ پھر رونے لگے یہاں تک کہ آپ نے کھانا چھوڑ دیا[۸]۔

(بخاری)

[۱] یعنی ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف سے۔ کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے کھانا لایا گیا۔

[۲] جو غزوۂ احد شریف میں شہید ہوئے۔

[۳] کیونکہ وہ چھوٹی چادر تھی۔

[۴] یعنی حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مجھ سے بہت بہتر تھے، مگر ان کے کفن کا کپڑا بھی بہت چھوٹا تھا چنانچہ آپ کا سر مبارک چادر سے ڈھکا گیا اور پاؤں پر گھاس ڈالی گئی۔ اس طرح ان کے پاؤں چھپائے گئے۔ جیسا کہ باب تمنی الموت کی فصل ثالث کی حدیث حارثہ بن مضرب میں گزرا۔

[۵] جیسا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تونگری میں مشہور تھے۔

[۶] یہ راوی کا عبارت میں شک ہے۔

[۷] اور اس جہاں میں ہمارے لیے کچھ نہ ہو۔

[۸] اور آپ نے کھانا چھوڑ دیا۔ حالانکہ آپ نے دن کو روزہ رکھا ہوا تھا۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ بوقت ضرورت جو کفن میسر آ جائے وہی سنت ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اجلہ اور فضلائے صحابہ میں تھے۔ بدری تھے

جنگ احد میں جام شہادت نوش کیا۔ زمانہ جاہلیت میں نہایت مالداری اور ناز و نعمت میں رہتے تھے۔ اس دور میں آپ کا لباس و کھانا بہت عمدہ اور نفیس ہوتا تھا۔ مسلمان ہونے پر نہایت زہد و فقر اختیار کر لیا۔ مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اس وقت آپ نے بکری کا چمڑہ کمر میں باندھا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا اس مرد خدا کی طرف دیکھو جس کے دل کو خدا تعالٰے نے نور ایمان سے روشن کر دیا ہے۔ میں نے انہیں مکہ میں دیکھا تھا کہ اس کے والدین اسے بہترین کھانا کھلاتے تھے۔ اور اس کا لباس نہایت عمدہ ہوتا تھا خدا اور رسول کی محبت میں اس کا یہ حال ہو گیا ہے۔

حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جنہیں سید الشہداء کہا جاتا ہے، بھی بڑے صحابی ہیں۔ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کو اپنے سے بہتر کہا۔ اور فرمایا کہ یہ دونوں حضرات تو دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے اور ہم لوگ ایک قسم کی ناز و نعمت کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آپ کا یہ فرمانا یا تو ان کے حال پر رحمت و شفقت کے طور پر یا اپنے حال پر حسرت و افسوس کے اظہار کے لیے تھا۔ اسے سمجھو۔

علماء نے یہاں یہ بحث کی ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے اور افضل صحابہ میں سے ہیں۔ تو آپ نے مصعب بن عمیر کو اپنے سے بہتر کیوں فرمایا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حضرت عبد الرحمٰن نے انکی نسبت بطور تواضع و انکساری یہ فرمایا یا اس بنا پر کہ خیر و بہتر ہونا افضل ہونے سے عام ہے۔ جیسا کہ علماء نے کہا ہے۔ شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ عشرہ مبشرہ ان سے افضل ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک میں شہید نہیں ہوئے۔ ان سے افضل نہیں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں شہید ہوئے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۵۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ اَتٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ اُبَیٍّ بَعْدَ مَا اُدْخِلَ حُفْرَتَهٗ فَاَمَرَ بِهٖ فَاُخْرِجَ فَوَضَعَهٗ عَلٰی رُكْبَتَيْهِ فَنَفَثَ فِيْهِ مِنْ رِيْقِهٖ وَاَلْبَسَهٗ قَمِيْصَهٗ قَالَ وَكَانَ كَسَا عَبَّاسًا قَمِيْصًا. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کو گڑھے میں ڈال دیئے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور اسے گڑھے سے باہر نکالنے کا حکم دیا تو اسے باہر نکالا گیا پھر آپ نے اسے اپنے زانوؤں پر رکھا اور اس کے کفن میں اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ اور فرمایا اس نے عباس کو قمیص پہنائی تھی۔ (بخاری و مسلم)

۱؎ یہ شخص ظاہر النفاق اور رئیس المنافقین تھا۔ یہاں اس کی قبر کے لیے حفرہ (گڑھا) اس کی اہانت کے لیے فرمایا۔

۲؎ عبداللہ بن ابی نے حضرت عباس کو اس دن یہ قمیص پہنائی تھی جس دن حضرت عباس کو جنگ بدر میں گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا۔ آپ اس وقت برہنہ تھے اور آپ کے دراز قد ہونے کی وجہ سے کسی کی قمیص آپ کو پوری نہ آتی تھی۔ عبداللہ بن ابی بھی طویل القامت انسان تھا تو اس نے حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنا دی۔ اس رئیس المنافقین کے مرنے پر حضور نے اس کا احسان چکانے کے ارادے سے اپنی قمیص اس منافق کو پہنا دی۔ تاکہ اب پر اس منافق کا احسان باقی نہ رہے۔ اس حدیث میں یہ اشکال پیش کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس منافق کی قبر پر تشریف لائے اور اس کے کفن پر اپنا لعاب دہن مبارک ڈالا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا جب کہ قرآن پاک میں ہے وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ۔ ان میں سے کسی کے لیے کبھی دعا نہ کر اور نہ ان میں سے کسی کی قبر پر کھڑا ہو۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شاید یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہے۔ بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ ایسا سلوک اسی بنا پر کیا کہ ابھی اللہ تعالیٰ نے اس کے کفر کی آپ کو اطلاع نہ دی تھی۔ مگر یہ بات کمزور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ نے اس کے لڑکے کی تالیف قلب اور اس کے اکرام و احترام کے لیے ایسا کیا کیونکہ وہ مخلص الایمان صحابہ میں سے تھا۔ تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ ہمارے بس میں تھا وہ ہم نے اس کے ساتھ کر دیا ہے مگر اصل حکم فعال کا ہی نافذ و کارفرما ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس رئیس المنافقین کے لڑکے حضرت عبداللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایسا کرنے کی عرض کی تھی اس وجہ سے آپ اس کی قبر پر تشریف لائے۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کھینچا اور عرض کیا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے سے منع نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ۔ اے نبی ان کے لیے استغفار کر یا نہ کر۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا یہ قول مبارک نازل ہوا۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا۔ گویا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کسی اور مقام سے اس نہی کو سمجھا ہوگا۔ جیسا کہ بعض شروح میں آیا ہے۔ سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اس منافق کے ساتھ یہ سلوک کرنے سے عبداللہ بن ابی کی قوم میں سے ایک ہزار آدمی کو ایمان نصیب ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْمَشْیِ بِالْجَنَازَةِ وَالصَّلٰوةِ عَلَیْهَا

جنازے کے ساتھ چلنے اور اس پر نماز پڑھنے کا باب

واضح ہو کہ جنازے کے ساتھ پیادہ اور سواری پر چلنا دونوں طرح جائز ہے۔ تاہم پیدل چلنا افضل ہے اور سوار کو چاہیے کہ جنازے کے آگے نہ چلے۔ پیدل کے لیے جنازے کے آگے اور پیچھے دونوں طرح چلنا جائز ہے۔ ہاں پیچھے پیچھے چلنا افضل ہے اور نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ اس نماز کی غرض وغایت میت کے حق کی ادائیگی ہے جو کچھ مسلمانوں کے پڑھ لینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر نماز جنازہ کے صحیح ہونے کی چند شرطیں ہیں۔ میت کا مسلمان ہونا۔ اس کا پاک ہونا، اور اس کا نمازی کے آگے ہونا۔ ان شرائط کی رو سے غائب پر اور سواری پر رکھے ہوئے اور نمازی کے پیچھے پڑے ہوئے جنازہ پر نماز درست نہ ہوگی۔ اور جب کسی میت کو بے غسل دفن کر دیا گیا اور قبر اکھیڑنے کے بغیر اس کا باہر نکالنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں طہارت کی شرط ساقط ہو جاتی ہے۔ اور قبر پر بے غسل نماز پڑھنا جائز نہیں۔ اور اگر قبر اکھیڑنے کے بغیر میت کو نکالنا ممکن ہو تو پھر اسے نکال کر غسل دیں اور نماز جنازہ پڑھیں۔ اور اگر نادانستہ بے غسل اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر قبر اکھیڑنے کے بغیر اسے باہر نکال کر غسل دیا گیا تو اب اس کی نماز جنازہ دوبارہ پڑھیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میت غائب پر نماز جنازہ جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نجاشی کی نماز جنازہ پڑھنے کے بیان میں اس مسئلہ پر مزید گفتگو آرہی ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۵۵۷ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَسْرِعُوْا بِالْجَنَازَةِ فَاِنْ تَكُ صَالِحَةً فَخَیْرٌ تُقَدِّمُوْنَهَا اِلَیْهِ وَ اِنْ تَكُ سِوٰى ذٰلِكَ فَشَرٌّ تَضَعُوْنَهٗ عَنْ رِقَابِكُمْ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

پہلی فصل

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازے کو قبر تک پہنچانے میں جلدی کرو۔ کیونکہ وہ نیک ہے تو جدھر تم اسے پہنچاتے ہو وہ بھی نیکی اور خیر ہے۔ اور اگر اس کے سوا کچھ اور ہے تو اسے جلد پہنچانا رفع شر کا ذریعہ ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار ڈالتے ہو۔

(بخاری ومسلم)

[1] مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ میت کو دوڑتے ہوئے لے جائیں۔ بعض نے کہا جلدی سے تجہیز و تکفین میں جلدی کرنا مراد ہے۔ مگر حدیث سیاق کا رخ معنیٰ اول کی جانب ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ الی آخرہ۔

۱۵۵۸ ۲ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَتِ الْجَنَازَةُ فَاحْتَمَلَهَا الرِّجَالُ عَلٰى اَعْنَاقِهِمْ فَاِنْ كَانَتْ صَالِحَةً قَالَتْ قَدِّمُوْنِيْ وَاِنْ كَانَتْ غَيْرَ صَالِحَةٍ قَالَتْ لِاَهْلِهَا يَا وَيْلَهَا اَيْنَ تَذْهَبُوْنَ بِهَا يَسْمَعُ صَوْتَهَا كُلُّ شَيْءٍ اِلَّا الْاِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَ الْاِنْسَانُ لَصَعِقَ

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میت کو قبرستان لے جانے کے لیے رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھا لیتے ہیں۔ اگر میت نیک ہوتی ہے تو کہتا ہے۔ مجھے آگے بھیجو[1] اور اگر نیک نہیں ہوتا تو اپنے اہل سے کہتا ہے ہائے افسوس[2] اسے کہاں لے جاتے ہو انسان کے سوا اس کی آواز ہر چیز سنتی ہے[3] اور اگر انسان سن لے تو ہلاک ہو جائے گے[4]

(بخاری)

[1] میرے اعمال صالحہ کی طرف جو میں آگے بھیج چکا ہوں اور میت کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف گفتگو کی نسبت مجازی ہے حقیقت میں یہ کلام کرنے والی روح ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت روح کو بھی اس کے جسم کے ساتھ متصل کر دیا جاتا ہو۔ واللہ اعلم۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ وہ کہتا ہے یا ویل مجھے کہاں لے جاتے ہو۔ مگر جب کہ وہ اپنے آپ کو غیر صالح دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اپنے سے الگ تصور کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ راوی کا تصرف ہو۔ تاکہ ویل کی نسبت اس کی اپنی طرف نہ ہو۔ ویل کا معنیٰ ہے افسوس، سختی اور دوزخ میں ایک وادی کا نام ہے۔

[3] حیوانات، نباتات بلکہ جمادات تک سب اس کی آواز سنتے ہیں۔ کہ اس کے مکلف ہونے کی بنا پر یہ راز اس سے پوشیدہ رکھی جاتی ہے کہ ایمان بالغیب کی خاطر اس آواز کا اس سے پوشیدہ رکھنا مناسب ہے۔

[4] اس آواز کی شدت اور دہشت کے باعث۔

۱۵۵۹ ۳ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا

انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم جنازہ دیکھو[1] تو کھڑے ہو جاؤ[2]۔ اور جو جنازے کے ساتھ

فَمَنْ تَبِعَهَا فَلَا يَقْعُدُ حَتّٰى تُوْضَعَ۔

جائے وہ جنازہ زمین پر رکھنے تک نہ بیٹھے ۳

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

(بخاری و مسلم) ۱۵۵۹

۱ یعنی جب تم جنازے کو مکان سے باہر لاتے ہوئے دیکھو۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد یہ ہو کہ جب تم بیٹھے ہوئے ہو اور تمہاری نگاہ جنازے پر پڑ جائے تو کھڑے ہو جاؤ۔ حدیث کے ظاہر سیاق کا رخ اول معنی کی طرف ہے۔

۲ اسے مرجانے والے میت کی تکریم اور اس کے ایمان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جایا کرو یا خوف و دہشت کی بنا پر کھڑے ہو جاؤ۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں ہے۔

۳ یعنی زمین تا لحد میں۔ قول اول زیادہ صحیح اور احادیث کے زیادہ موافق ہے۔

۱۵۶۰ / ۴ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ مَرَّتْ جَنَازَةٌ فَقَامَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ قُمْنَا مَعَهٗ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّهَا يَهُوْدِيَّةٌ فَقَالَ اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَاَيْتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک جنازہ گزرا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے کھڑے ہو گئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو یہودی عورت ۱ ہے فرمایا موت وحشت اور ڈرنے کی چیز ہے جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو ۲

(بخاری و مسلم)

۱ نہ کہ مسلمان جس کے ایمان کی تکریم و تعظیم کے لیے کھڑے ہوں۔

۲ چاہے کافر کا جنازہ ہی کیوں نہ ہو۔

۱۵۶۱ / ۵ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ رَاَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فَقُمْنَا وَ قَعَدَ فَقَعَدْنَا يَعْنِيْ فِي الْجَنَازَةِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةِ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑے ہوتے دیکھا تو ہم بھی کھڑے ہو گئے اور آپ ۱ بیٹھے تو ہم بھی بیٹھ گئے۔ یعنی جنازہ میں ۲

مسلم شریف) اور مالک و ابوداؤد

مَالِكٍ وَ اَبِيْ دَاوٗدَ قَامَ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ قَعَدَ بَعْدُ۔

کی روایت میں ہے۔ آپ جنازے میں کھڑے ہوئے۔ پھر اس کے بعد بیٹھ گئے[2]

[1] یعنی جنازہ میں۔ تو آپ کی متابعت میں ہم بھی کھڑے ہو گئے اور ہم نے آپ کو بیٹھتے دیکھا تو ہم بھی بیٹھ گئے اس عبارت کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جنازہ آتے ہوئے دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے۔ جب وہ دور چلا گیا اور نظر سے غائب ہو گیا تو آپ بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ پہلے پہلے چند مرتبہ آپ کھڑے ہو گئے۔ بعد میں کھڑے ہونا ترک کر دیا۔ لہٰذا جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونا کوئی ضروری کام نہ تھا پہلے واجب تھا جس کا منسوخ ہونا آپ کے فعل اخیر سے معلوم ہو گیا۔

[2] یہ روایت بھی دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے۔ مگر دوسرا معنی ظاہر ہے۔

۱۵۶۲/۶ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ اتَّبَعَ جَنَازَةَ مُسْلِمٍ اِيْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا وَّ كَانَ مَعَهٗ حَتّٰى يُصَلِّيَ عَلَيْهَا وَيَفْرُغَ مِنْ دَفْنِهَا فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ مِنَ الْاَجْرِ بِقِيْرَاطَيْنِ كُلُّ قِيْرَاطٍ مِثْلُ اُحُدٍ وَّمَنْ صَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ رَجَعَ قَبْلَ اَنْ تُدْفَنَ فَاِنَّهٗ يَرْجِعُ بِقِيْرَاطٍ۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایمان کے[2] ساتھ ثواب کی نیت سے مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلا[1] اور نماز جنازہ پڑھنے[3] تک اس کے ساتھ رہا اور اس کے دفن سے فارغ ہوا تو بے شک وہ واپس لوٹتا ہے اجر و ثواب کی دو قیراطوں[4] کے ساتھ۔ ہر قیراط احد پہاڑ جتنی[5] ہے اور جس نے اس پر نماز جنازہ پڑھی پھر دفن سے پہلے واپس آ گیا تو وہ ایک قیراط[6] ثواب لے کر واپس لوٹتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] حدیث میں لفظ اتبع شد سے آیا ہے۔ بعض روایتوں میں تبع آیا ہے۔

[2] یعنی مردہ کا شریعت کے مطابق ایمان رکھنے کی بنا پر۔

[3] حدیث میں لفظ یُصَلِّیْ آیا ہے۔ یُصَلّٰی لام کی زبر سے بھی روایت ہے۔ جس کا معنی ہے یہاں تک کہ اس پر نماز پڑھ لی جائے مگر روایت اول (لام کی زیر) زیادہ قوی اور اظہر ہے۔

۴؎ یعنی اسے بہت اجر و ثواب ملے گا۔ دینار کے بارہویں حصہ کو قیراط کہتے ہیں۔ اس کے مطابق ایک قیراط دانق کا نصف ہو گا کہ دانق دینار کے چھٹے حصہ کو کہتے ہیں بعض نے قیراط کو دینار کا چوبیسواں حصہ کہا ہے اس حساب سے ایک قیراط دانق کا چوتھا حصہ ہو گا۔

۵؎ یہ عظیم فضیلت و ثواب کی تصویر و تمثیل ہے۔

۶؎ یعنی اس کا ثواب اجر اول سے نصف ہوتا ہے۔

۱۵۶۴ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعٰى لِلنَّاسِ النَّجَاشِيَّ الْيَوْمَ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ وَخَرَجَ بِهِمْ اِلَى الْمُصَلّٰى فَصَفَّ بِهِمْ وَكَبَّرَ اَرْبَعَ تَكْبِيْرَاتٍ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نجاشی۱؎ کی موت کے دن کی خبر دی۔ اور آپ لوگوں کے ساتھ عید گاہ کی طرف تشریف لے گئے اور لوگوں کی صفیں بنائیں اور چار تکبیریں کیں۲؎

(بخاری ومسلم)

۱؎ نجاشی یہ ملک حبشہ کا بادشاہ تھا اور عیسائی تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ صحابہ کرام نے اس کی طرف ہجرت کی اور اس نے ان کی بڑی خدمت کی۔ نجاشی دراصل بادشاہ حبشہ کا لقب تھا۔ اس کا نام اصحمہ تھا۔ نجاشی میں مشہور یہ ہے کہ نون کی زیر جیم اور یا مخفف۔ جس دن یہ نیک بخت انسان دنیا سے رخصت ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دن لوگوں کو اس کے وصال کی اطلاع دے دی۔

۲؎ یہ حدیث امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل ہے کہ غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔ ہم احناف اس کا یہ جواب دیتے ہیں کہ نجاشی کی میت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت غائب نہ تھی۔ بلکہ اس کی چارپائی اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دی گئی یا آپ اور نجاشی کے درمیان واقع تمام پردے اٹھا دیے گئے، اور صرف امام کا میت کو دیکھنا کافی ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نجاشی کے علاوہ بعض دوسرے صحابہ کے غائبانہ نماز جنازہ کی روایت بھی آئی ہے۔ جیسے حضرت معاویہ مزنی رضی اللہ عنہ جو مدینہ میں فوت ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں تھے اور حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہما کہ غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ پڑھی مگر ان احادیث کے اسناد میں کلام ہے اور اگر ان کی صحت تسلیم کر لی جائے تو پھر غائبانہ نماز جنازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص قرار دی جائے گی۔ آج کل حرمین شریفین زادہما اللہ تعالیٰ تشریفًا و تعظیمًا میں نماز جنازہ غائبانہ متعارف ہو چکی ہے۔ اور بعض حنفیہ بھی پڑھتے ہیں۔

۱۵۶۴ / ۸ وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِيْ لَيْلٰى رض قَالَ كَانَ زَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلٰى جَنَائِزِنَا اَرْبَعًا وَّاِنَّهٗ كَبَّرَ عَلٰى جَنَازَةٍ خَمْسًا فَسَاَلْنَاهُ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُهَا.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عبدالرحمٰن بن[۱] ابو لیلیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت زید بن[۲] ارقم رضی اللہ عنہ ہمارے جنازوں پر چار تکبیر پڑھتے تھے۔ اور انہوں نے ایک جنازہ پر پانچ تکبیریں پڑھیں۔ تو ہم نے ان سے سوال[۳] کیا۔ آپ نے جواب دیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا بھی کرتے تھے[۴]۔

(مسلم)

[۱] آپ اکابر تابعین میں سے ہیں ایک سو بیس صحابہ کرام کو دیکھا تھا آپ حضرت علی بن ابو طالب حضرت عثمان بن عفان وغیرہم رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ آپ تابعین کوفہ میں سے تھے اپنے وقت کی بے نظیر شخصیت تھے۔

[۲] حضرت زید بن ارقم مشہور صحابہ میں سے ہیں۔

[۳] کہ آپ ہمیشہ چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ آج پانچ تکبیریں کیوں کہیں۔

[۴] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی پانچ تکبیریں بھی کہا کرتے تھے۔ آئمہ اربعہ کا چار تکبیر نماز جنازہ پر اتفاق ہے تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ سے اس سے زائد بھی مروی اور منقول ہیں۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے آخر جو مروی و منقول ہے وہ چار تکبیریں ہیں اور اسی پر اتفاق ہے۔ شرح عربی میں یہاں اس سے زائد کلام کیا گیا ہے۔

۱۵۶۵ / ۹ وَعَنْ طَلْحَةَ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَوْفٍ رض قَالَ صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عَبَّاسٍ عَلٰى جَنَازَةٍ فَقَرَاَ فَاتِحَةَ الْكِتٰبِ فَقَالَ لِتَعْلَمُوْا اَنَّهَا سُنَّةٌ.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت طلحہ[۱] بن عبداللہ بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک جنازہ پڑھا۔ آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور فرمایا[۲] تاکہ تم لوگ جان لو کہ یہ سنت ہے۔

(بخاری)

[۱] حضرت طلحہ بن عبداللہ بن عوف مشہور صحابی ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے برادر زادہ ہیں۔

[۲] یعنی میں نے سورۃ فاتحہ اس لیے پڑھی ہے تاکہ تم جان لو کہ نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا سنت ہے۔ واضح ہو کہ علماء

حنفیہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ نہیں ہے۔ مگر دعا اور ثنا کی نیت سے ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ یہ ابو حنیفہ، مالک اور ثوری کا مذہب ہے۔ اس بارے میں صحابہ کرام کا عمل مختلف آیا ہے۔ امام طحاوی نے کہا۔ ہو سکتا ہے کہ بعض صحابہ کا نماز جنازہ میں اس سورت کا پڑھنا دعا اور ثنا کے طور پر ہو۔ قراءت کے طور پر نہ ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز جنازہ میں سورت فاتحہ پڑھے۔ فتح الباری کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام شافعی کی مراد یہ ہے کہ اس سورت کا پڑھنا جائز ہے واجب نہیں ہے۔ کرمانی نے کہا واجب ہے اور ابن عباس کے کلام میں لفظ سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر دین میں چلا جاتا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ واللہ اعلم۔

١٥٦٦/١٠ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ
قَالَ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَنَازَةٍ
فَحَفِظْتُ مِنْ دُعَائِهٖ وَهُوَ
يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ
وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ
نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهٗ وَ
اغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ
مِنَ الْخَطَايَا وَنَقِّهٖ كَمَا
نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ
الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا
مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ
اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ
زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَ
اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ
مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَفِيْ رِوَايَةٍ
وَقِهٖ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ
النَّارِ قَالَ حَتّٰى تَمَنَّيْتُ اَنْ

حضرت عوف بن مالک سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی۔ تو میں نے آپکی دعا یاد کرلی۔ آپ فرماتے تھے۔ اے اللہ اسے بخش دے اس پر رحمت نازل فرما اور اسے عافیت عطا فرما اور اس سے درگزر فرما۔ اس کی باعزت مہمانی فرما اور اس کی جگہ کشادہ کر اور اسے پانی، برف اور ٹھنڈے پانی سے دھو ڈال۔ اور اسے خطاؤں سے اس طرح صاف وستھرا کر دے جس طرح تو سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کرتا ہے اور اسے دار دنیا سے بہتر دار عطا کر۔ اور اسے اہل خانہ کی جگہ بہتر اہل خانہ عطا کر اور دنیوی زوج سے بہتر زوج عطا کر۔ اور اسے جنت میں داخل کر۔ اور اسے قبر کے عذاب سے پناہ میں رکھ۔ یا عذاب نار سے پناہ میں رکھ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اسے فتنہ قبر اور عذاب نار سے محفوظ رکھ۔ راوی کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ یہ

أَكُوْنَ أَنَا ذٰلِكَ الْمَيِّتَ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

میت میں ہوتا۔ (مسلم)

۱؎ یعنی حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ آپ صحابی ہیں۔ پہلا غزوہ جس میں آپ شریک ہوئے خیبر ہے

۲؎ عربی دعا میں لفظ نُزُل آیا ہے۔ نون کی پیش زا ساکن زا کی پیش کی روایت بھی ہے۔ یعنی وہ کھانا جو مہمان کے آگے رکھا جاتا ہے۔

۳؎ یعنی اس کی قبر کشادہ کر

۴؎ یہ کنایہ ہے اس سے کہ اس کی کامل و پوری مغفرت کر۔

۵؎ مراد یہی ہے اہل یعنی ایک مکان و سرا میں رہنے والے افراد۔

۶؎ زوج کا لفظ مرد و عورت دونوں کے لیے آتا ہے۔

۷؎ یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ روایت گزشتہ میں کلمہ او واو کے معنی میں ہے۔

۸؎ یعنی راوی حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ جب میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے میت کے حق میں یہ دعا سنی تو مجھے اس پر رشک آیا۔ یہاں تک کہ میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ یہ میت میں ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا میرے لیے کرتے۔

۱۶۴۷ وَعَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّيَ سَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ قَالَتِ ادْخُلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰى أُصَلِّيَ عَلَيْهِ فَأُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَيْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى ابْنَيْ بَيْضَاءَ فِي الْمَسْجِدِ سُهَيْلٍ وَأَخِيْهِ. (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فوت ہو گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اسے مسجد میں لاؤ۱؎ تاکہ میں اس پر نماز پڑھوں۔ حضرت عائشہ کی اس بات کا انکار کیا گیا۲؎ تو حضرت عائشہ نے فرمایا۳؎۔ اللہ کی قسم بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء نامی عورت کے دو بچوں پر مسجد میں نماز پڑھی تھی۔ یعنی سہیل اور اس کے بھائی پر۴؎۔ (مسلم)

۱؎ چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ شریفہ مسجد کے قریب تھا اس لیے آپ نے فرمایا اسے مسجد میں لاؤ

تاکہ میں بھی اس پر نماز جنازہ پڑھ سکوں۔

۲؎ کہ وہ مسجد میں اس پر نماز جنازہ پڑھیں۔

۳؎ ان کے انکار کی تردید کے لیے۔

۴؎ ایک کا نام سہیل اور دوسرے کا سہل تھا۔ یہ دونوں صحابی ہیں۔ ماں کی نسبت سے مشہور ہیں ان کے باپ کا نام وہب بن ربیعہ ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے لوگوں کے اس عمل مبارک کو جلد فراموش کر دینے پر تعجب ہے۔

واضح ہو کہ مسجد میں نماز جنازہ پڑھنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک مطلقاً مکروہ ہے۔ خواہ میت اس پر نماز پڑھنے والے دونوں مسجد میں ہوں یا نمازی مسجد میں ہوں اور میت مسجد سے باہر ہو۔ یا امام یا بعض نمازی مسجد سے باہر ہوں اور میت اور کچھ لوگ مسجد کے اندر ہوں۔ یا میت مسجد میں ہو اور سا امام و قوم مسجد سے خارج ہوں اس مطلق کراہت کی وجہ یہ ہے کہ مسجد نماز فرض اور اس کے متعلقات نوافل، ذکر اور تدریس علم کے لیے بنائی جاتی ہے۔ بعض نے کہا مکروہ نہیں جب کہ میت مسجد سے باہر ہو۔ اس قول کی بنا پر کہ کراہت اس وجہ سے ہے کہ میت کے مسجد میں ہونے کی صورت میں مسجد کے آلودہ ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ قول اول اطلاق حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمی۔ اول زیادہ ظاہر ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک نماز جنازہ مسجد میں بلا کراہت جائز ہے۔ امام مالک کا مذہب احناف کے موافق ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں ہم نے کوئی نص نہیں پائی۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ امام شافعی کے ساتھ ہیں۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے جو کتاب میں مذکور ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک حضرت ابوہریرہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ جو شخص میت پر مسجد میں نماز پڑھتا ہے اسے کوئی ثواب نہیں ملتا اور حضرت عائشہ کی حدیث ایک مخصوص واقعہ سے متعلق ہے عام نہیں ہے اور حضرت عائشہ کی حدیث سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار مسجد میں نماز جنازہ ادا کی۔ ہو سکتا ہے کسی ضرورت کے تحت آپ نے ایسا کیا ہو جو آپ کو درپیش تھی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معتکف تھے۔ اس وجہ سے آپ نے مسجد میں نماز جنازہ ادا کی۔ اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ جنازہ مسجد سے باہر تھا۔ اس صورت میں خود حنفیہ کے درمیان بھی اختلاف ہے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ مسجد کا مصلا مسجد سے متصل ایک مکان میں تھا۔ لہذا یہ احتمال موجود ہے کہ مسجد میں نماز جنازہ کا لفظ مسجد کے قریب ہونے کی نسبت سے کہہ دیا گیا ہو۔ اور یہ جو مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا جنازہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کے حجروں کے پاس رکھا گیا۔ یہ بھی قریب مسجد پر مبنی ہے۔ اور ظاہر ہوتا ہے کہ اس روایت کا مبنٰی یہی ہے کہ جو حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ اگر کوئی مسجد نماز جنازہ کے لیے تیار کی گئی ہو تو اس میں بلا کراہت

نماز جنازہ جائز ہے۔ پھر صحابہ و تابعین کا انکار ان کی کثرت کے باوجود اس امر کی دلیل ہے کہ بعد میں مسئلہ مسجد میں نماز جنازہ نہ پڑھنے پر قرار پذیر ہو گیا اور مسجد میں پڑھنا منسوخ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لوگوں سے فراموش کر دینے کی طرف نسبت کرنا محل کلام ہے بلکہ خود حضرت عائشہ فعل سابق کو فراموش کر چکی تھیں۔ جیسا کہ کہا گیا ہے شرح عربی میں یہاں اس سے بڑھ کر گفتگو کر دی گئی ہے۔ وہاں دیکھ لیجیے۔

۱۵۶۸/۱۷ وَعَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى امْرَاَةٍ مَاتَتْ فِيْ نِفَاسِهَا فَقَامَ وَسَطَهَا۔ (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ایک عورت پر نماز جنازہ پڑھی جو ایام نفاس میں مری تھی۔ تو اس کے وسط[1] کے برابر کھڑے ہوئے۔ (بخاری و مسلم)

[1] لفظ وسط مشہور روایت کے مطابق سین کی زبر سے ہے۔ سین ساکن بھی ایک روایت ہے۔ وَسَط بمعنی درمیانہ اور وَسْط بمعنی درمیان۔ جیسا کہ بعض ظرفا نے کہا ہے کہ متحرک ساکن ہے یعنی جو ایک ہی ہے۔ حرکت نہیں کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں جاتا۔ اور ساکن متحرک ہے۔ یعنی جنبش میں رہتا ہے۔ اور متعدد مواضع میں موجود ہوتا ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ کی دلیل ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ امام کے لیے مستحب ہے کہ عورت کی سرین کے بالمقابل کھڑا ہو۔ احناف کا مذہب یہ ہے کہ میت مرد ہو یا عورت اس کے سینے کے مقابل کھڑا ہو۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا یہ حدیث سینے کے بالمقابل کھڑے ہونے کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ اعضا کے اعتبار سے سینہ وسط میں ہے۔ اس لیے کہ سینہ سے اوپر ہاتھ اور سر ہے اور سینہ سے نیچے پیٹ اور رانیں ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سینہ کے بالمقابل کھڑے ہوئے ہوں ذرا سرین کی طرف مائل ہو کر۔ اس سے راوی نے یہ گمان کر لیا کہ آپ سرین کے بالمقابل کھڑے ہوئے ہیں۔ دونوں جگہوں کے قریب ہونے کی وجہ سے۔ علامہ شمنی نے کہا کہ حضرت ابوحنیفہ اور امام ابویوسف سے مروی ہے کہ امام عورت کی سرین کے سامنے کھڑا ہو۔ جیسا کہ ایک جماعت کا مذہب ہے۔

۱۵۶۹/۱۳ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ بِقَبْرٍ دُفِنَ لَيْلًا فَقَالَ مَتٰى دُفِنَ هٰذَا قَالُوْا اَلْبَارِحَةَ قَالَ اَفَلَا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس سے گزرے جسے رات کے وقت دفن کیا گیا تھا۔ آپ نے پوچھا یہ مردہ کب دفن کیا گیا ہے۔ لوگوں نے عرض کی گزشتہ رات۔ فرمایا تم نے مجھے اس کی اطلاع کیوں

اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالُوْا دَفَنَّاهُ فِیْ ظُلْمَةِ اللَّيْلِ فَكَرِهْنَا اَنْ نُّوْقِظَكَ. فَقَامَ فَصَفَفْنَا خَلْفَهٗ فَصَلّٰى عَلَيْهِ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہ دی۔ لوگوں نے کہا ہم نے اسے رات کی تاریکی میں دفن کیا تو ہم نے آپ کو بیدار کرنا مناسب خیال نہ کیا۔ پھر آپ کھڑے ہوئے ہم نے آپ کے پیچھے صفیں باندھیں پھر آپ نے اس پر نماز پڑھی[1]

(بخاری و مسلم)

[1] اس کے بعد کہ لوگ اس پر نماز جنازہ پڑھ چکے تھے۔

۱۵۶۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ امْرَاَةً سَوْدَاءَ كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ اَوْ شَابٌّ فَفَقَدَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَ عَنْهَا اَوْ عَنْهُ فَقَالُوْا مَاتَ قَالُوْا اَفَلَا كُنْتُمْ اٰذَنْتُمُوْنِیْ قَالَ فَكَاَنَّهُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَهَا اَوْ اَمْرَهٗ فَقَالَ دُلُّوْنِیْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَدَلُّوْهُ فَصَلّٰى عَلَيْهَا ثُمَّ قَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى اَهْلِهَا وَ اِنَّ اللّٰهَ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ بِصَلٰوتِیْ عَلَيْهِمْ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِلْمُسْلِمِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیشک ایک سیاہ فام عورت جو مسجد[1] میں جھاڑو دیا کرتی تھی یا ایک نوجوان جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت یا نوجوان کو گم پایا (اپنی مجلس میں موجود نہ پایا) تو آپ نے اس عورت یا نوجوان کے متعلق سوال کیا۔ لوگوں نے کہا وہ فوت ہو گیا۔ فرمایا تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ دی۔ راوی کہتا ہے کہ گویا لوگوں نے اس عورت یا مرد کا معاملہ معمولی حیثیت کا خیال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی قبر کی رہنمائی کرو اور اس کی قبر پر چلو۔ اس پر لوگوں نے آپ کو اس کی قبر کی رہنمائی کی تو اس پر نماز پڑھی۔ پھر آپ نے فرمایا بے شک یہ قبور قبروں والوں پر ظلمت و تاریکی سے بھری ہوتی ہیں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ میری نماز سے ان کے لیے ان کی قبروں کو نور والی کر دیتا ہے[2]

(بخاری و مسلم)

---

[2] یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

[1] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں۔ عربی عبارت میں لفظ تَقُمُّ تا کی زبر، قاف کی پیش، میم پر شد، مِقَمَّہ میم کی زیر بمعنی مِکنسہ یعنی جھاڑو۔ قمامہ بمعنی کناسہ یعنی خاک روبہ۔

۵۲ یہ راوی کا شک ہے کہ جھاڑو دینے والی عورت تھی یا مرد تھا۔

۵۳ بعض نسخوں میں حدیث کا لفظ فَقَدَهَا او نفقدہٗ ہے۔

۵۴ یہ راوی یعنی حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔ یعنی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صحابہ نے اس عورت یا اس مرد کی شان معمولی سمجھی اور اسے حقیر خیال کیا۔ اور یہ خیال کیا کہ یہ عورت یا مرد اس لائق نہیں کہ اس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی جائے۔ اس میں بھی در حقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم صحابہ کرام کے ملحوظ خاطر تھی۔

۵۵ واضح ہو کہ قبر پر نماز جنازہ ادا کرنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء اس پر ہیں کہ جائز ہے اس سے پہلے اس پر نماز پڑھی گئی ہو یا نہ پڑھی گئی ہو۔ ابراہیم نخعیؒ، امام ابوحنیفہ امام مالک اس پر ہیں کہ اگر پہلے نہیں پڑھی گئی تو قبر پر پڑھنا درست ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت میں ایسا ہی آیا ہے۔ اور امام مالک سے ایک روایت ہے کہ جو شخص ایک بار پڑھ چکا ہو وہ دوبارہ شامل نہ ہو۔ اور جنہوں نے نہیں پڑھی وہ اس کی قبر پر پڑھ سکتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ قبر پر نماز جنازہ اس وقت تک پڑھنا جائز ہے جب تک کہ پھٹ گل نہ جائے۔ اس کا اندازہ انہوں نے تین دن تک لگایا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سوال میں کہ اسے کب دفن کیا گیا ہے۔ اسی معنیٰ کی جانب اشارہ ہو سکتا ہے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یہ بھی فرماتے ہیں کہ احادیث میں قبر پر نماز کا جو ذکر آیا ہے وہ نماز کے طور پر نہیں ہے۔ بلکہ دعا و استغفار کے طور پر ہے۔ اسی بنا پر بعض روایات میں تکبیرات کا ذکر نہیں ہے۔ اور جس روایت میں تکبیرات کا ذکر آیا ہے وہ صحیح نہیں۔ اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہداء احد پر نماز پڑھی۔ وہ آپ کی اُن پر الوداعی دعا تھی نہ کہ نماز۔ یا وہ نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھی حتیٰ کہ بعض علماء اسی جانب گئے ہیں کہ قبر پر نماز پڑھنا مطلقاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ اِنَّ اللہَ یُنَوِّرُهَا لَهم بِصَلوٰتِي علیهم (بے شک اللہ تعالیٰ میرے ان پر نماز پڑھنے سے ان کی قبروں کو ان کے لیے روشن منور کر دیتا ہے۔) سے مفہوم ہوتا ہے۔

۱۵۷۰/۱۵ وَعَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ
عَبَّاسٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ
عَبَّاسٍ اَنَّهٗ مَاتَ لَهٗ ابْنٌ
بِقُدَيْدٍ اَوْ بِعُسْفَانَ فَقَالَ
يَا كُرَيْبُ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ
لَهٗ مِنَ النَّاسِ قَالَ فَخَرَجْتُ

حضرت کریب مولا ابن عباس سے وہ عبداللہ بن عباس
رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس
رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا مقام قدید یا عسفان میں فوت
ہو گیا تو آپ نے فرمایا اے کریب دیکھ کہ لوگ
اس کے لیے کتنی تعداد میں اکٹھے ہو گئے ہیں حضرت
کریب کہتے ہیں میں باہر نکلا۔ تو دیکھا کہ لوگ جمع

فَاِذَا نَاسٌ قَدِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ تَقُوْلُ هُمْ اَرْبَعُوْنَ قَالَ نَعَمْ قَالَ اَخْرِجُوْهُ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيَقُوْمُ عَلٰى جَنَازَتِهٖ اَرْبَعُوْنَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُوْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيْهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

ہو چکے تھے[3]۔ میں نے اس امر کی حضرت ابن عباس کو اطلاع دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرے خیال میں چالیس آدمی ہوں گے۔ راوی کہتا ہے (کریب) میں نے عرض کیا ہاں چالیس آدمی ہوں گے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا جنازہ باہر لاؤ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے نہیں فوت ہوتا کوئی مسلمان اور اس پر ایسے چالیس آدمی کھڑے ہوتے ہیں[4] جو اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔ مگر اللہ تعالیٰ اس میں انکی شفاعت قبول کرتا ہے۔ (مسلم)

---

[1] کریب کاف کی پیش، را کی زبر، یا ساکن حضرت ابن عباس کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ اور تابعین میں سے ہیں۔

[2] قدید قاف کی پیش، دال کی زبر یا ساکن۔ ایک جگہ کا نام ہے۔ عسفان عین کی پیش سین ساکن بعد میں فا یہ بھی ایک جگہ کا نام ہے جو مقام قدید کی نسبت مکہ معظمہ کے زیادہ قریب ہے۔

[3] یعنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ کی نماز جنازہ کے لیے لوگ جمع ہو چکے تھے۔

[4] کھڑے ہونے کے لفظ میں اس جانب اشارہ ہے کہ اتنے مسلمان آدمیوں کا مسلمان کے جنازہ میں کھڑا ہونا اور اس کے لیے دعا کرنا بھی بڑا اثر رکھتا ہے اور اگر قیام سے صرف نماز مراد ہو تو پھر اس قید کی ضرورت نہیں رہتی کہ وہ خدا کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتے ہوں۔

۱۶۱۵/۱۶ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مَّيِّتٍ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ اُمَّةٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ يَبْلُغُوْنَ مِائَةً كُلُّهُمْ يَشْفَعُوْنَ لَهٗ اِلَّا شُفِّعُوْا فِيْهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مرنے والا جس پر مسلمانوں میں سے سو آدمی[1] نماز پڑھتے ہیں۔ سب اس کیلئے شفاعت کرتے ہیں۔ مگر ان کی شفاعت اس کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔

(مسلم)

[1] گزشتہ روایت میں چالیس کا عدد مذکور ہوا۔ گویا چالیس کم سے کم مقدار ہے جن کی شفاعت ودعا قبول ہوتا ہے اور سو کی تعداد اکثر مقدار ہے۔ علامہ توربشتی رحمۃ اللہ نے فرمایا ظاہر یہ ہے کہ اقل عدد بیان میں متاخر ہونا چاہیے کہ اس میں اس کے بندوں پر فضل وکرامت اور عزت افزائی کا اظہار ہے۔

۱۵۷۲/۱۷ وَعَنْ اَنَسٍ[1] قَالَ مَرُّوْا بِجَنَازَةٍ فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا خَيْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَبَتْ ثُمَّ مَرُّوْا بِاُخْرٰى فَاَثْنَوْا عَلَيْهَا شَرًّا فَقَالَ وَجَبَتْ فَقَالَ عُمَرُ مَا وَجَبَتْ فَقَالَ هٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ خَيْرًا فَوَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ وَهٰذَا اَثْنَيْتُمْ عَلَيْهِ شَرًّا فَوَجَبَتْ لَهُ النَّارُ اَنْتُمْ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ لوگ ایک جنازے کے پاس سے گزرے تو اس کی صفت وثنا کی اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واجب ہو گئی۔ پھر ایک اور جنازے کے پاس سے لوگ گزرے تو اس کی برائی بیان کی تو حضور نے فرمایا واجب ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا چیز واجب ہو گئی فرمایا یہ پہلا شخص وہ ہے جس کی تم نے اچھی صفت وثنا کی تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ اور اس دوسرے شخص کی تم نے برائی بیان کی تو اس کے لیے دوزخ واجب ہو گئی۔ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ[1] ہو

(بخاری ومسلم)

وَفِي رِوَايَةٍ اَلْمُؤْمِنُوْنَ شُهَدَاءُ اللّٰهِ فِي الْاَرْضِ۔

اور ایک روایت میں ہے مومن زمین میں[2] اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔

[1] کہ تم لوگ جس کے بہشتی ہونے کی گواہی دو گے وہ بہشتی ہے اور جس کے دوزخی ہونے کی گواہی دو گے وہ دوزخی ہے۔

[2] یاد رہے کہ مومنین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اہل خیر وصلاح اور صدق وتقویٰ ہیں۔ اور ان میں کسی نفسانی غرض کا دخل نہ ہو۔ کہ ایسے لوگوں کی گواہی اس مرد کے جنتی ہونے کی علامت ہے۔ ورنہ اگر بعض فساق وفجار کسی غرض کے تحت کسی فاسق وفاجر کی صفت وثنا کریں۔ یا کسی نیک انسان کی مذمت وبرائی کریں تو ان کی گواہی کا کوئی اعتبار نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قطعی جنتی ہونے کا جو حکم صادر فرمایا وہ ان کی حقیقت حال پر مطلع ہونے کی بنا پر کیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷۳/۱۸ وَعَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ شَهِدَ لَهٗ اَرْبَعَةٌ بِخَيْرٍ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قُلْنَا وَ ثَلٰثَةٌ قَالَ وَ ثَلٰثَةٌ قُلْنَا وَاثْنَانِ قَالَ وَاثْنَانِ ثُمَّ لَمْ نَسْاَلْهُ عَنِ الْوَاحِدِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلم کے نیک ہونے کی گواہی چار آدمی دیں اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا ہم نے عرض کیا اگر تین آدمی گواہی دیں فرمایا اگر تین آدمی اس کے خیر اور نیک ہونے کی گواہی دیں (تو بھی اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا) ہم نے عرض کیا اگر دو آدمی اس کے نیک ہونے کی گواہی دیں فرمایا اگر دو آدمی گواہی دیں (تو بھی اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا) پھر ہم نے آپ سے ایک آدمی کے بارے میں سوال نہ کیا[1]

(بخاری)

[1] اور ممکن ہے کہ اگر صحابہ کرام ایک آدمی کی گواہی کے بارے میں سوال کرتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کی گواہی پر بھی اسے جنتی قرار دے دیتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ خبر بشارت اللہ تعالےٰ کی کمال وسعت رحمت وامید اور بندوں پر اس کے فضل وکرم کا بیان ہے۔ اور اس امر کا بیان ہے کہ بندوں کو اس کی درگاہِ رحمت سے توقع اور امید وابستہ رکھنی چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ جب صحابہ کرام نے تین اور دو آدمیوں کی گواہی کا سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں توجہ اور التماس کی ہو تو اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو گئی ہو کہ ایسا ہی ہو گا جس طرح اے حبیب تو کہہ رہا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب خداوندی سے راضی اور خوش اور اللہ تعالیٰ آپ سے راضی اور خوش ہے۔ اور آپ اس کی درگاہ میں محب ومحبوب ہیں۔ آیۃ کریمہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى اس نشان کا طغرائے امتیاز ہے۔

۱۵۷۴/۱۹ وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَسُبُّوا الْاَمْوَاتَ فَاِنَّهُمْ قَدْ اَفْضَوْا اِلٰى مَا قَدَّمُوْا۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں کو گالیاں نہ دو۔ کیونکہ انہوں نے جو کچھ آگے بھیجا اس تک پہنچ گئے ہیں[1]

(بخاری)

[1] یعنی انہوں نے اپنے اعمال کی جزا پالی ہے۔ اگر ان کے اعمال نیک اور خیر میں تو انہیں بدی سے یاد کرنا ٹھیک نہیں اور اگر ان کے اعمال برے ہیں ہو سکتا انکی بخشش ہو چکی ہو اور اگر ان کی بخشش نہ ہوئی ہو تو تمہارا انہیں برائی سے یاد کرنا لایعنی کام میں مشغول ہونے کے مترادف ہے۔

۱۵۷۵ وَعَنْ جَابِرٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَجْمَعُ بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ مِنْ قَتْلٰى اُحُدٍ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ يَقُوْلُ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ اَخْذًا لِّلْقُرْاٰنِ فَاِذَا اُشِيْرَ لَهٗ اِلٰى اَحَدِهِمَا قَدَّمَهٗ فِى اللَّحْدِ وَقَالَ اَنَا شَهِيْدٌ عَلٰى هٰؤُلَآءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاَمَرَ بِدَفْنِهِمْ بِدِمَائِهِمْ وَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِمْ وَلَمْ يُغَسَّلُوْا۔ (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہداء احد کے دو آدمیوں کو ایک کپڑے (کفن) میں اکٹھا کرتے تھے[1] پھر آپ دریافت کرتے تھے کہ ان دونوں میں قرآن زیادہ کس نے حاصل کیا ہے۔ جب آپ کو بتلایا جاتا تو آپ اسے قبر میں پہلے اتارتے[2]۔ اور آپ نے فرمایا قیامت کے دن میں ان پر گواہ ہوں گے[3]۔ اور آپ نے انہیں خون آلود حالت میں دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ اور ان پر نماز نہ پڑھی۔ اور نہ انہیں غسل دیا گیا۔

(بخاری)

---

[1] بعض نے کہا ایک کپڑے سے ایک قبر مراد ہے۔ کیونکہ انہیں برہنہ کرنا جائز نہیں۔ اس طرح کہ دونوں کے بدن ایک دوسرے کے ساتھ لگ جائیں۔ خطابی نے کہا ضرورت کے تحت ایسا کرنا جائز ہے۔ جس طرح ایک قبر میں دو مردوں کو دفن کرنا۔

[2] گویا وہ دوسرے کا امام ہے۔ اس لیے اسے پہلے قبر میں قبلہ رخ رکھا جاتا دوسرے کو اس کے پیچھے۔ کیونکہ وہ دوسرے کی نسبت زیادہ قاری ہوتا تھا۔

[3] یہ لوگ راہ خدا میں شہید ہوئے ہیں۔

[4] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شہید کے لیے غسل نہیں ہے۔ اور اس پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھی جائے گی۔ غسل نہ دینا تو متفق علیہ مسئلہ ہے مگر نماز جنازہ نہ پڑھنے میں اختلاف ہے۔ احناف کے نزدیک شہید پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک شہید کی نماز جنازہ نہیں ہے۔ امام احمد سے اس بارے میں دو قول ہیں ان کا مشہور و مختار مذہب نماز نہ پڑھنا ہے۔ اور ایک قول میں دونوں باتوں کا اختیار ہے۔ کیونکہ اس بارے میں دلائل

متعارض ہیں۔ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں۔ کہ شافعیہ میں آپس میں اختلاف ہے کہ شہید پر نماز پڑھنے کی ممانعت یعنی حرمت ہے یا یہ کہ واجب وضروری نہیں۔ اور امام احمد کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں اس باب میں ان آئمہ کی دلیل یہ حدیث ہے جو کہ کتاب میں مذکور ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی دلیل بہت سی احادیث ہیں جو شہید پر نماز پڑھنے کے بارے میں آئی ہیں۔ خصوصًا قصہ احد میں علماء فرماتے ہیں کہ یہ احادیث ایک مسئلے کو ثابت کرتی ہیں اور حضرت جابر کی حدیث اس کی نفی کرتی ہے۔ اور ثابت کرنے والی دلیل نفی کرنے والی دلیل سے مقدم ہے۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اس دن مصروف تھے۔ کیونکہ ان کے والد اور ماموں دونوں قتل ہو چکے تھے۔ اس وجہ سے آپ مدینہ آ چکے تھے۔ تاکہ ان کی تدبیر کریں اور ان کو اٹھا کر آپ مدینہ طیبہ لے آئے تھے اور وہ حضرات صحابہ جو احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہی رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک کا مشاہدہ کیا وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ حضور نے شہداء احد کی نماز جنازہ پڑھی۔ علامہ شمنی فرماتے ہیں کہ حاکم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی اور اسے صحیح قرار دیا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے سرہانے تشریف لائے اور ان کا حال جو دین کے دشمنوں نے کر رکھا تھا، دیکھا تو آپ نے آہ و فریاد کی اور رو پڑے اور انصاریوں سے ایک شخص نے جو اس وقت حاضر خدمت تھا اپنا کپڑا ان کے چہرہ مبارک پر ڈالا۔ اور نماز پڑھی۔ شیخ ابن الہمام نے اس پر اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ اس کے بعد آپ نے شہداء پر نماز جنازہ پڑھی پھر انہیں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے پہلو میں رکھ دیا گیا۔ اور ان پر نماز پڑھی گئی۔ پھر انہیں اٹھا لیا گیا اور حضرت حمزہ کو ان کی جگہ ہی رہنے دیا گیا۔ حتیٰ کہ آپ نے تمام شہداء احد پر نماز پڑھی۔ حاکم نے کہا کہ اس حدیث کو حضرت جابر نے روایت کیا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ مختصر یہ کہ شہداء پر نماز پڑھنے کی احادیث راجح تر اور غالب تر ہیں۔ واللہ اعلم۔

$\frac{١٥٧٦}{٢١}$ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رضـ قَالَ اُتِیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِفَرَسٍ مُعْرَوْرٍ فَرَکِبَہٗ حِیْنَ انْصَرَفَ مِنْ جَنَازَۃِ ابْنِ الدَّحْدَاحِ وَنَحْنُ نَمْشِیْ حَوْلَہٗ.

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر[1] بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بے زین گھوڑے کے پاس تشریف لائے جب کہ آپ حضرت ابن الدحداح[2] کے جنازے سے واپس لوٹے۔ اور ہم لوگ آپ کے اردگرد پیادہ چل رہے تھے۔

(مسلم)

---

[1] آپ مشاہیر صحابہ میں سے ہیں۔

[2] یعنی حضرت ثابت بن الدحداح رضی اللہ عنہ کے جنازہ سے، آپ صحابی ہیں۔ جنازہ سے جاتے وقت حضور

صلی اللہ علیہ وسلم اس گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ملائکہ پیادہ چل رہے ہیں۔ اس لیے سوار ہونا مناسب نہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ واپسی کے وقت آپ سوار ہو گئے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

۱۵۴۷/۲۲ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّاكِبُ يَسِيْرُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَ الْمَاشِيْ يَمْشِيْ خَلْفَهَا وَ اَمَامَهَا وَ عَنْ يَمِيْنِهَا وَعَنْ يَسَارِهَا قَرِيْبًا مِّنْهَا وَالسِّقْطُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَيُدْعٰى لِوَالِدَيْهِ بِالْمَغْفِرَةِ وَ الرَّحْمَةِ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ جنازے کے پیچھے، آگے دائیں بائیں قریب قریب چلے۔ ناکمل بچہ[1] جو پیٹ سے گر گیا۔ اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اور اس کے والدین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے[2]

(ابو داؤد)

وَ فِيْ رِوَايَةِ اَحْمَدَ وَالتِّرْمِذِيِّ وَالنَّسَائِيِّ وَابْنِ مَاجَةَ قَالَ الرَّاكِبُ خَلْفَ الْجَنَازَةِ وَ الْمَاشِيْ حَيْثُ شَاءَ مِنْهَا وَالطِّفْلُ يُصَلّٰى عَلَيْهِ وَفِي الْمَصَابِيْحِ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ زِيَادٍ۔

اور احمد، ترمذی۔ نسائی اور ابن ماجہ کی ایک روایت میں ہے سوار جنازے کے پیچھے چلے اور پیادہ جیسے چاہے چلے[3]۔ اور بچہ پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور مصابیح میں اس حدیث کو حضرت مغیرہ بن زیاد سے روایت کیا[4]۔

---

[1] عربی متن میں لفظ سقط آیا ہے جو سقوط سے نکلا ہے۔ سقوط بمعنی گرنا اور بچہ کا پیٹ سے گر جانا۔ لفظ سقط سین کی زیر اور پیش اور زبر۔ تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔

[2] یعنی اس کے والدین کے لیے دعاء مغفرت و رحمت کی جائے۔ احناف اور شوافع کے نزدیک ساقط شدہ حمل پر اس وقت نماز جنازہ پڑھی جائے گی جب کہ وہ آواز دے اور اس سے ایسی چیز ظاہر ہو جو اس کے زندہ

ہونے پر دلالت کرے جیسے حرکت یا آواز جیسا کہ باب کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آ رہا ہے۔ امام حمد کے نزدیک اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اگرچہ اس سے کوئی آواز نہ نکلی ہو اور نہ کوئی ایسی علامت ظاہر ہو جو اس کی زندگی پر دلالت کرے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ اس میں مطلقاً نماز جنازہ کا ذکر آیا ہے اس کے زندہ ہونے کی کوئی قید اس میں مذکور نہیں۔ ان کی دوسری دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اس معنیٰ میں آئی ہے اور کہا ہے کہ جب بچہ کو شکم میں چار ماہ گزر جائیں تو اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے۔ اگرچہ پیٹ سے باہر آنے کے وقت وہ زندہ نہ ہو۔ کیونکہ اس میں روح داخل ہو چکی ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس قدر ہے کہ وہ مردہ پیدا ہوا ہے۔ اور مردہ پر ہی نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ دوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ عرف میں مردہ اسے کہتے ہیں جو زندہ پیدا ہوا ہو اور بعد میں مرے۔

۳ے یعنی پیچھے یا آگے دائیں یا بائیں۔

۴ے اس روایت میں سقط کے بجائے لفظ طفل واقع ہوا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں طفل سے بھی سقط (ساقط شدہ حمل) ہی مراد ہے۔ ورنہ طفل پر نماز پڑھنے میں کیا اختلاف ہے (کوئی اختلاف نہیں) اور ہو سکتا ہے کہ طفل سے حقیقی طفل مراد ہو اور اس کی نماز جنازہ کا ذکر اس لیے کیا ہو تاکہ اس وہم کو دور کیا جائے کہ بچہ مرحوم و مغفور ہوتا ہے۔ اس کی نماز جنازہ کی کیا حاجت ہے۔ واللہ اعلم۔

۵ے علماء نے کہا ہے کہ یہ تحریف ہے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ تحریف کہاں واقع ہوئی۔ کیونکہ مغیرہ بن زیاد بالکل مجہول آدمی ہے کہ نہ تو صحابہ میں سے ہے نہ تابعین میں سے۔ پھر یہ حدیث سنن ابو داؤد میں از زیادہ بن جبیر عن ابیہ عن المغیرہ بن شعبہ واقع ہوئی ہے۔ گویا بعض کاتبین کو اس میں خبط واقع ہو گیا۔ پھر جو لوگ علم حدیث میں احتیاط کے پابند نہیں وہ اس غلطی کی اقتدا کرتے چلے گئے۔ جیسا کہ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ نے کہا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۷۸/۲۳ وَعَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ سَالِمٍ (رض) عَنْ اَبِيْهِ قَالَ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ يَمْشُوْنَ اَمَامَ الْجَنَازَةِ. (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ) وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ وَ اَهْلُ

حضرت زہری سے وہ سالم سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ سالم کے باپ (حضرت ابن عمر) نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ یہ جنازہ کے آگے آگے چلتے تھے۔

احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ

اور ترمذی نے کہا کہ محدثین کرام گویا خیال

الْحَدِيْثَ كَانَّهُمْ يَرَوْنَهٗ مُرْسَلًا.

کرتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے[1]

[1] کیونکہ اس کا راوی زہری ہے۔ یا سالم جو تابعین سے ہے گرفی الواقع یہ حدیث مرفوع ہے۔ کہ یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ مشہور صحابی سے مروی ہے۔

۱۵۷۹/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَازَةُ مَتْبُوْعَةٌ وَلَا تُتْبَعُ وَلَيْسَ مَعَهَا مَنْ تَقَدَّمَهَا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنازے کے پیچھے چلنا چاہیے جنازے کو پیچھے نہ کرنا چاہیئے[1]۔ اور وہ شخص جو جنازے کے آگے چلتا ہے وہ اس کے ساتھ نہیں۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ۔

ترمذی، ابوداؤد ابن ماجہ

قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ مَاجِدٍ الرَّاوِيْ رَجُلٌ مَجْهُوْلٌ.

ترمذی نے کہا کہ[2] ابوماجد راوی مجہول آدمی ہے۔

[1] یہ جنازے کے پیچھے چلنے کی تاکید ہے۔ پھر دوبارہ تاکید فرمائی کہ وہ شخص جنازے کے ساتھ ہی نہیں جو جنازے کے آگے چلتا ہے اور اسے جنازے کی ہمراہی کا ثواب بھی نہیں ملتا

[2] یعنی امام ترمذی نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا اور کہا کہ ابوماجد جو راوی ہے مجہول آدمی ہے۔ اسے کوئی نہیں جانتا۔ پھر مجہول دو قسم ہے۔ ایک مجہول العین) دوسرا مجہول الحال۔ مقدمہ میں ان دونوں قسموں کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ نسائی نے کہا یہ منکر الحدیث ہے۔ بخاری نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ اس کی حدیث جنازے کے ساتھ چلنے کے بارے میں آئی ہے۔

واضح ہو کہ علماء کا جنازہ کے ساتھ چلنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ تعالی اس پر ہیں کہ جنازہ کے پیچھے چلنا محبوب تر ہے۔ امام ثوری اور ایک گروہ کہتا ہے کہ آگے پیچھے دونوں طرح چلنا برابر ہے۔ امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالے فرماتے ہیں۔ جنازے کے آگے چلنا افضل ہے جیسا کہ شمنی نے کہا۔ جنازے کے پیچھے چلنے کی دلیل وہ متعدد احادیث ہیں جو اس باب میں آئی ہیں۔ اور اس بنا پر بھی کہ جنازے کے پیچھے چلنا عبرت گیری، وعظ ونصیحت اور تفکر وتدبر میں زیادہ ظاہر اور زیادہ موثر ہے۔ نیز ضرورت کے وقت مدد دینے کے زیادہ قریب ہے۔ ابن ابوشیبہ نے حضرت عبدالرحمن بن ابزی سے کہا میں ایک جنازے میں تھا اور حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما جنازے کے آگے اور حضرت علی جنازے کے پیچھے چل رہے تھے۔ میں نے حضرت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا آپ جنازے کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور یہ دو حضرات اس کے آگے چل رہے ہیں۔ آپ نے اس کا جواب دیا کہ یہ دونوں حضرات جانتے ہیں کہ جنازے کے پیچھے چلنا ایسا ہی افضل ہے جس طرح نماز باجماعت اکیلے نماز پڑھنے سے افضل ہے مگر انہوں نے اس بات کو بہتر جانا کہ لوگوں کے لیے آسانی مہیا کریں اور راستہ تنگ نہ کریں۔ ابن ابوشیبہ کی روایت ختم ہوئی۔ دوسرے تین آئمہ کی دلیل سالم سے زہری کی روایت کردہ حدیث ہے جو مذکور ہوئی۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قوم میت کی سفارشی ہوتی ہے۔ اور سفارش کرنے والا عرف و عادت میں آگے ہوتا ہے جس کے لیے سفارش ہوتی ہے وہ پیچھے رکھا جاتا ہے۔ اور جو حضرات آگے پیچھے دونوں حالتوں کو برابر قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ دلائل متعارض ہیں لہذا دونوں طرح جائز ہے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ کی حدیث بھی پیدل چلنے والے کے لیے دونوں حالتوں کو برابر قرار دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول بھی ایسا ہی مروی ہے۔ کتب فقہ میں حضرت ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا جنازہ کے آگے اور پیچھے دائیں اور بائیں چلنے میں کوئی حرج نہیں۔

۱۵۸۰/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَبِعَ جَنَازَةً وَ حَمَلَهَا ثَلٰثَ مِرَارٍ فَقَدْ قَضٰی مَا عَلَیْهِ مِنْ حَقِّهَا۔ (رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ) وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَقَدْ رُوِیَ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حَمَلَ جَنَازَةَ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ بَیْنَ الْعَمُوْدَیْنِ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جنازے کے پیچھے چلا اور اسے تین بار اٹھایا تو اس نے اس کا وہ حق ادا کر دیا جو اس پر تھا۔

(ترمذی)

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔ شرح سنہ میں روایت کی گئی ہے کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کا جنازہ دو اگلی لکڑیوں کے درمیان اٹھایا[1]

[1] یعنی اگلی دو لکڑیاں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کے نزدیک جنازہ اٹھانے کا سنت طریقہ یہی ہے کہ وہ ان دو لکڑیوں کو دونوں کندھوں پر اٹھائے۔ اور جو لکڑی چوڑائی میں ہے اسے اپنی گردن پر رکھے اور چارپائی کے پچھلے حصے کو دو آدمی اٹھائیں۔ ایک دائیں جانب سے دوسرا بائیں جانب سے پچھلی جانب کی چوڑائی میں واقع لکڑی کو گردن پر اٹھانا ممکن نہیں۔ کیونکہ پھر قدم رکھنے کی جگہ نظر نہ آئے گی اور راستہ دکھائی نہ دے گا۔ لہذا جنازہ اٹھانے کے لیے تین آدمی

چاہیں۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر آگے کا ایک آدمی صرف اگلا حصہ ہی اٹھانے کے لیے مستقل طور پر متعین ہو تو دو آدمی اس کے ساتھ اور بھی ہونے چاہییں جو اس کی اعانت کریں۔ پس جنازہ پانچ آدمی اٹھائیں گے۔ کتاب حاوی اور اس کی شرح میں جو امام شافعی کے مذہب میں ہے، ایسا ہی مذکور ہے۔ ہدایہ میں کہا کہ امام شافعی کا قول یہ ہے کہ جنازہ دو آدمی اٹھائیں اگلا آدمی اسے گردن پر رکھے، پچھلا آدمی اپنے سینے پر اٹھائے۔ کیونکہ حضرت سعد بن معاذ کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا تھا شاید یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے۔ ہدایہ کی بعض شروح میں کہا گیا ہے کہ یہ صورت زمین سے جنازہ اٹھانے کے وقت ہے اس کے بعد کوئی حرج نہیں کہ دوسرے بھی ان کی معاونت کریں۔ احناف کے نزدیک سنت یہ ہے کہ چار آدمی جنازہ اٹھائیں۔ کیونکہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی گئی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا کہ سنت یہ ہے کہ جنازہ چار جانب سے اٹھایا جائے۔ اسے امام محمد نے آثار میں حضرت امام ابو حنیفہ سے ان کی سند سے ابن مسعود صحابی تک روایت کیا ہے۔ یوں ہی ابو داؤد، طیالسی، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے از شعبہ از منصور روایت کیا ہے۔ اور شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے دو لکڑیوں کے درمیان جنازہ اٹھانے کا ذکر آثار صحابہ سے کیا ہے۔ اور ایک مرفوع حدیث بھی ذکر کی جسے ضعیف قرار دیا اور چار آدمیوں کے اٹھانے میں آثار و احادیث صحیحہ مرفوعہ نقل کیں اور کہا وہ آثار مخصوص حالات پر مشتمل واقعات ہیں۔ جن کے بارے میں احتمال ہے کہ سنت ہو یا کسی عارضے کی بنا پر ہو جو خاص حالات کی بنا پر اس کا تقاضی تھا جیسے مکان کا تنگ ہونا یا اٹھانے والوں کا کم ہونا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۸۱/۸۶ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى نَاسًا رُكْبَانًا فَقَالَ اَلَا تَسْتَحْيُوْنَ اَنَّ مَلٰئِكَةَ اللّٰهِ عَلٰى اَقْدَامِهِمْ وَاَنْتُمْ عَلٰى ظُهُوْرِ الدَّوَآبِّ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْ دَاؤُدَ نَحْوَهُ)

قَالَ التِّرْمِذِيُّ وَرُوِيَ عَنْ ثَوْبَانَ مَوْقُوْفًا.

حضرت ثوبان[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ ایک جنازہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے۔ آپ نے کچھ لوگوں کو سواری پر چلتے دیکھا[2] تو فرمایا تمہیں شرم نہیں آتی کہ ملائکہ تو پیدل چل رہے ہیں۔ اور تم سواریوں کی پشتوں پر سوار ہو۔

ترمذی، ابن ماجہ اور ابو داؤد نے اس کی مثل روایت کیا۔

اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حضرت ثوبان سے موقوفاً روایت[3] کی گئی ہے۔

[1] حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ہیں۔ سفر و حضر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر رہتے تھے۔

[2] حواشی میں مذکور ہے کہ آپ نے سواروں کو جنازے کے نزدیک دیکھا۔ یعنی اگر سوار جنازہ سے دور فاصلے پر چلیں تو کوئی حرج نہیں۔ فقہی روایات میں مذکور ہے کہ اگر سواری پر چلنے کی ضرورت درپیش ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے۔

[3] یعنی یہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں۔ مگر معنی مرفوع ہے۔ کیونکہ ملائکہ کے پیدل چلنے کی خبر و اطلاع حضرت نبوت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے سنے کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۵۸۲/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَاَ عَلَى الْجَنَازَةِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ پر سورۃ فاتحہ پڑھی[1]۔

(ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا کہ اس حدیث کا اسناد قوی نہیں[2]۔

[1] ظاہر یہ ہے کہ آپ نے سورۃ فاتحہ نماز جنازہ میں پڑھی۔ جیسا کہ فصل اول میں حدیث ابن عباس میں گزرا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے سورۃ فاتحہ بطور تبرک نماز سے پہلے یا بعد پڑھی ہو۔ جیسا کہ آج کل متعارف و مروج ہے۔ واللہ اعلم۔

[2] اور ابراہیم بن عثمان جو اس حدیث کا راوی ہے۔ منکر الحدیث ہے۔ اس بارے میں جو کچھ ثابت ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا سنت ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ آپ کا یہ قول مرفوع ہونے میں صریح نہیں ہے۔ اور فصل اول میں قدرے بحث گزر چکی ہے۔

۱۵۸۳/۲۸ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَاَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے خلوص نیت[1] سے دعا کرو۔

(ابوداؤد، ابن ماجہ)

[1] اخلاص کا معنی ہے خدا کی طاعت بے ریا و شہرت اور نفسانی خواہش کی ملاوٹ کے بغیر۔

۱۵۸۴/۲۹ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ

حضرت ابوہریرہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا صَلَّى عَلَى الْجَنَازَةِ قَالَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَ مَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَ صَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَ ذَكَرِنَا وَ اُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهٗ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَرَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

عَنْ اَبِيْ اِبْرَاهِيْمَ الْاَشْهَلِيِّ عَنْ اَبِيْهِ وَانْتَهَتْ رِوَايَتُهٗ عِنْدَ قَوْلِهٖ وَاُنْثَانَا وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ دَاوٗدَ فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِيْمَانِ وَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ وَفِيْ اٰخِرِهٖ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنازے پر نماز پڑھتے تو یہ دعا پڑھتے۔ اے اللہ بخش دے ہمارے زندے، ہمارے مردے، ہمارے موجود انسان ہمارے غیر موجود انسان ہمارے چھوٹے ہمارے بڑے ہمارے مردوں اور ہماری عورتوں کو۔ اے اللہ جسے تو نے ہمارے زندوں میں زندہ رکھا ہے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور جسے تو نے ہم میں سے وفات دی ہے اسے ایمان پر وفات عطا کرے۔[1] اے اللہ ہمیں اس کے اجر و ثواب سے محروم نہ کرے[2] اور ہمیں اسکے بعد کسی فتنے میں مبتلا نہ کرے۔

(احمد ، ابوداؤد)

(ترمذی)

(ابن ماجہ)

نسائی نے اسے ابو ابراہیم الاشہلی[3] عن ابیہ سے روایت کیا۔ اور نسائی کی روایت وانثانا پر ختم ہو جاتی ہے اور اللھم من احییتہ منا الی آخرہ اس کی روایت میں نہیں۔ اور ابو داؤد کی روایت میں فاحیہ علی الایمان اور توفہ علی الاسلام[4] آیا ہے اور اس کے آخر میں ولا تضلنا بعدہ (ہمیں اس کے بعد گمراہ نہ کرنا) آیا ہے۔

[1] زندگی کے ساتھ اسلام کا ذکر کیا۔ اور موت کے ساتھ ایمان کا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور یہ زندگی میں ہوتے ہیں۔ مگر موت کے وقت تصدیق قلبی کے سوا بندے کے ساتھ کچھ نہیں ہوتا۔

[2] یعنی وہ اجر و ثواب جو اس مرنے والے کی موت کی مصیبت وصدمے پر ہمیں ملنا چاہیے۔ اور عربی میں واقع لفظ تحرمنا تا کی زبر اور پیش دونوں طرح مروی ہے۔ حرم اور حرام بمعنی کسی چیز سے ناامید کرنا۔

[3] ابو ابراہیم الاشہلی الانصاری کو مسلم نے کتاب کنیت میں ذکر کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ میں نے

امام بخاری کو ابراہیم کے باپ کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ اس کو نہیں جانتے اور ابو حاتم نے کہا کہ وہ اور اس کا باپ دونوں مجہول شخص ہیں۔

۴ یعنی زندگی کے ساتھ ایمان کا ذکر کیا اور اسلام کے ساتھ موت کا۔ یعنی اس کے برعکس جو پہلی روایت میں آیا ہے اور وجہ مناسبت وہاں معلوم ہو چکی ہے۔ اور جب کہ اسلام اور ایمان حقیقت اور انجام کے اعتبار سے ایک چیز ہے تو دونوں طرح درست ہے۔

۱۵۸۵/۳۰ وَعَنْ وَّاثِلَةَ ابْنِ الْاَسْقَعِ رضی قَالَ صَلّٰی بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ فُلَانَ بْنَ فُلَانٍ فِيْ ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ فَقِهٖ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَاَنْتَ اَهْلُ الْوَفَآءِ وَالْحَقِّ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلَهٗ وَارْحَمْهُ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت واثلہ[1] ابن اسقع سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص پر ہمیں نماز پڑھائی میں نے آپ کو یہ کہتے سنا کہ الٰہی فلاں کا بیٹا[2] فلاں تیرے[3] ذمہ اور تیرے قرب[4] کے عہد میں ہے تو اسے قبر کے فتنہ اور آگ کے عذاب سے بچا لے تو وفا اور حق[5] والا ہے۔ الٰہی اسے بخش دے اور اس پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

(ابو داؤد، ابن ماجہ)

۱ واثلہ (ثا کی زیر) اسقع (ہمزہ کی زبر، سین ساکن، ق کی زبر)

۲ یعنی آپ نے اس کا اور اس کے باپ کا نام لیا۔

۳ یعنی تیرے عہد و پیمان اور تیری پناہ میں ہے۔

۴ یعنی تیری ہمسائگی کے عہد میں ہے۔ یہاں حدیث میں لفظ حبل آیا ہے جس کے معنی ہیں رسی، اور عہد و پیمان مراد ہے۔

۵ کہ اپنے بندوں سے جو وعدہ کرتا ہے پورا کرتا ہے وفا یعنی دوستی اور قول و قرار پورا کرنا اور تو حق اور سچ خدا ہے کہ جو کچھ تو کہتا ہے اور کرتا ہے سارا حق اور ٹھیک ہوتا ہے۔

۱۵۸۶/۳۱ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

حضرت ابن عمر سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مردوں کی

وَسَلَّمَ اذْكُرُوا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوا عَنْ مَسَاوِيهِمْ.

(رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ)

خوبیاں بیان کرو، اور ان کی برائیوں[1] سے باز رہو۔

(ابوداؤد، ترمذی)

۱۵۸۶/۳۲ وَعَنْ نَافِعٍ أَبِي غَالِبٍ رض قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَلَى جَنَازَةِ رَجُلٍ فَقَامَ حِيَالَ رَأْسِهِ ثُمَّ جَاءُوا بِجَنَازَةِ امْرَأَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ فَقَالُوا يَا أَبَا حَمْزَةَ صَلِّ عَلَيْهَا فَقَامَ حِيَالَ وَسْطِ السَّرِيرِ فَقَالَ لَهُ الْعَلَاءُ بْنُ زِيَادٍ هٰكَذَا رَأَيْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ عَلَى الْجَنَازَةِ مَقَامَكَ مِنْهَا وَمِنَ الرَّجُلِ مَقَامَكَ مِنْهُ قَالَ نَعَمْ.

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَفِي رِوَايَةِ أَبِي دَاوُدَ نَحْوَهُ مَعَ زِيَادَةٍ وَفِيهِ فَقَامَ عِنْدَ عَجِيزَةِ الْمَرْأَةِ.

حضرت نافع ابی غالب[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک کے ساتھ ایک مرد کے جنازے پر نماز پڑھی تو آپ اس کے سر کے مقابل کھڑے ہوئے پھر لوگ ایک قریشی عورت کا جنازہ لائے بولے اے ابوحمزہ اس پر نماز پڑھئے تو آپ درمیان تخت کے مقابل کھڑے ہوئے۔ ان سے علاء ابن زیاد[2] نے عرض کیا کہ کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنازے پر ایسے ہی کھڑے ہوتے دیکھا جیسے آپ مرد اور عورت کے جنازے پر کھڑے ہوئے[3] فرمایا ہاں۔

(ترمذی)

(ابن ماجہ)

اور ابوداؤد کی روایت میں اسی کی مثل ہے کچھ زیادتی کے ساتھ اور اس میں یہ بھی ہے کہ آپ عورت کے سرین[4] کے مقابل کھڑے ہوئے۔

---

[1] یہ حکم مسلمانوں، نیکوکار لوگوں اور ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جن کا فسق و ظلم آشکارہ اور ظاہر نہ ہو

[1] یعنی اس نافع کو ابوغالب بھی کہتے ہیں اور یہ تابعین میں سے ہیں۔ اور یہ وہ نافع نہیں ہیں جو حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام ہیں۔

[2] یہ بھی تابعین میں سے ہیں۔

[3] یعنی کیا آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا ہے کہ وہ مرد کے جنازے پر سر کے مقابل کھڑے ہوتے

ہوں اور عورت کی چارپائی پہ درمیان کے مقابل کھڑے ہوئے ہوں۔

[4] یہاں عربی میں لفظ عجیزہ بمعنی سرین آیا ہے۔ لفظ عجز (عین کی زبر جیم کی پیش) بمعنی سرین کا آخری حصہ۔ اس بارے میں گفتگو فصل اول میں حضرت سمرہ بن جندب کی حدیث کے تحت ہو چکی ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٥٨٨/٣٣ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ اَبِیْ لَیْلٰی رضؓ قَالَ كَانَ سَهْلُ ابْنُ حُنَیْفٍ وَقَیْسُ بْنُ سَعْدٍ قَاعِدَیْنِ بِالْقَادِسِیَّةِ فَمُرَّ عَلَیْهِمَا بِجَنَازَةٍ فَقَامَا فَقِیْلَ لَهُمَا اِنَّهَا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ اَیْ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ فَقَالَا اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَرَّتْ بِهٖ جَنَازَةٌ فَقَامَ فَقِیْلَ لَهٗ اِنَّهَا جَنَازَةُ یَهُوْدِیٍّ فَقَالَ اَلَیْسَتْ نَفْسًا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ)

حضرت عبدالرحمٰن[1] ابن ابی لیلیٰ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت سہل ابن حنیف[2] اور قیس ابن سعد قادسیہ[3] میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ان پر جنازہ گزرا وہ دونوں صاحب کھڑے ہو گئے ان سے کہا گیا کہ یہ جنازہ زمیندار[4]، یعنی ذمی کافر کا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جنازہ گزرا۔ آپ کھڑے ہو گئے۔ عرض کیا گیا کہ یہ تو یہودی کا جنازہ ہے۔ فرمایا کیا یہ جان[5] نہیں ہے۔

(بخاری و مسلم)

[1] آپ اکابر تابعین اور کوفہ کے تابعین کے طبقہ اول میں سے ہیں اور بڑی معزز اور بزرگ شخصیت ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوایوب انصاری کو غیرہم سے روایت کرتے ہیں۔ یہ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں۔ میں نے ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا ہے جو سب کے سب انصار میں سے تھے۔ عبداللہ بن حارث فرماتے ہیں میں گمان نہیں کرتا کہ عورتوں نے اس جیسا کوئی بچہ جنا ہو۔ ان کی ولادت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ ولادت میں ہوئی جب کہ حضرت عمر کی خلافت کے چھ سال باقی رہ گئے تھے۔ ان کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث سننے میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عمر سے کوئی حدیث نہیں سنی۔

[2] حنیف (حا کی پیش)

[3] قادسیہ (ق کی زبر) یہ کوفہ سے پندرہ میل کے فاصلے پر ایک جگہ کا نام ہے۔

۵۴ زمیندار سے ذمی لوگ مراد ہیں انہیں زمین والے ان کی حقارت اور رذالت پر کہا گیا ہے کیونکہ یہ لوگ زمین کے کام کاج کی رغبت اور اسی کا شوق رکھتے ہیں یا اس بنا پر انہیں اہل زمین کہا گیا ہے۔ مسلمانوں نے ان پر زمین کا خراج مقرر کر رکھا تھا۔

۵۵ یعنی کیا یہ جاندار چیز نہیں ہے۔ اس کی موت سے ڈرنا اور عبرت گیر ہونا چاہیے۔

۱۵۸۹/۳۴ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا تَبِعَ جَنَازَةً لَمْ يَقْعُدْ حَتّٰى تُوْضَعَ فِي اللَّحْدِ فَعَرَضَ لَهٗ حِبْرٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ لَهٗ اِنَّا هٰكَذَا نَصْنَعُ يَا مُحَمَّدُ قَالَ فَجَلَسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ خَالِفُوْهُمْ.

حضرت عبادہ ابن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی جنازہ کے ساتھ جاتے تو نہ بیٹھتے حتی کہ میت قبر میں رکھ دی جاتی آپ کے سامنے ایک یہودی پادری آیا عرض کیا کہ اے محمد ہم بھی ایسا ہی کرتے ہیں فرمایا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے لگے اور فرمایا کہ ان کی مخالفت[۱] کرو۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

ترمذی۔ ابوداؤد ابن ماجہ

وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَبِشْرُ بْنُ رَافِعٍ الرَّاوِيْ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ.

ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ اور بشیر[۲] بن رافع راوی قوی نہیں ہے۔

---

[۱] ظاہر یہ ہے کہ آپ کو وحی ہوئی کہ بیٹھ جایا کریں ورنہ آپ ہر اس کام میں اہل کتاب کی موافقت کو پسند کرتے تھے جس میں آپ کو وحی نہ ہوئی ہوتی تھی تو یہ حکم پہلے حکم کا ناسخ بن گیا۔

[۲] بِشیر (با کی زیر) امام ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے اور بشر بن رافع جو اس حدیث کا راوی ہے، قوی نہیں ہے۔

۱۵۹۰/۳۵ وَعَنْ عَلِيٍّ رضؓ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنَا بِالْقِيَامِ فِي الْجَنَازَةِ ثُمَّ

حضرت علی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جنازے کے لیے کھڑے ہونے کا حکم دیا تھا اس کے بعد پھر آپ بیٹھنے لگے اس

جَلَسَ بَعْدَ ذٰلِكَ وَ اَمَرَنَا بِالْجُلُوْسِ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

کے بعد پھر آپ بیٹھنے لگے اور ہمیں بھی بیٹھا رہنے کا حکم دیا۔

(احمد)

۱۵۹۱ وَعَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ سِيْرِيْنَ[1] قَالَ اِنَّ جَنَازَةً مَّرَّتْ بِالْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ وَابْنِ عَبَّاسٍ فَقَامَ الْحَسَنُ وَلَمْ يَقُمْ ابْنُ عَبَّاسٍ فَقَالَ الْحَسَنُ اَلَيْسَ قَدْ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ قَالَ نَعَمْ ثُمَّ جَلَسَ۔

(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

حضرت محمد ابن سیرین[1] سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک جنازہ حضرت حسن ابن علی اور ابن عباس پر گزرا۔ تو حسن کھڑے ہو گئے ابن عباس نہ کھڑے ہوئے امام حسن نے فرمایا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کے جنازے کے لیے نہ کھڑے ہوئے فرمایا ہاں، پھر بیٹھنے لگے[2]۔

(نسائی)۔

---

[1] آپ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

[2] یعنی پہلے یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے تھے۔ بعد میں کھڑا ہونا ترک کر دیا تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ نسخ جنازہ یہود (کفار) کے ساتھ خاص ہے۔ یا مطلق ہے (سب کے لیے ہے) ظاہر دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۵۹۲ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ[1] عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ كَانَ جَالِسًا فَمُرَّ عَلَيْهِ بِجَنَازَةٍ فَقَامَ النَّاسُ حَتّٰى جَاوَزَتِ الْجَنَازَةُ فَقَالَ الْحَسَنُ اِنَّمَا مُرَّ بِجَنَازَةِ يَهُوْدِيٍّ وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى طَرِيْقِهَا جَالِسًا وَكَرِهَ اَنْ تَعْلُوَ رَاْسَهٗ

حضرت امام جعفر بیٹے محمد کے اپنے باپ امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک حسن بن علی بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو لوگ کھڑے ہو گئے۔ یہاں تک کہ جنازہ گزر گیا۔ حضرت حسن نے فرمایا کہ یہ یہودی کا جنازہ[1] تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کے راستے پر تشریف فرما تھے آپ کو یہ بات بری لگی کہ ایک یہودی کا جنازہ آپ کے سر سے بلند ہو۔ اس لیے آپ کھڑے

جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ فَقَامَ۔
(رَوَاهُ النَّسَائِيُّ)

ہو گئے[۱]
(نسائی)

---

[۱] اس لیے نہ اٹھنا چاہیے۔

[۲] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہودی کا جنازہ دیکھ کر جو کھڑے ہوئے تھے اس وجہ سے کھڑے ہوئے تھے یہودی کا جنازہ آپ کے سر مبارک سے بلند نہ ہو جائے۔ یہ حضرت امام حسن کے جنازہ کے لیے کھڑے (نہ کھڑے) ہونے کے حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد ہے۔ پھر اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھڑے ہونے کی وجہ بھی بیان کی گئی ہے۔ یہ حدیث منقطع ہے۔ کیونکہ امام محمد کی امام حسن رضی اللہ عنہم سے ملاقات نہیں ہوئی۔

۱۵۹۳/۳۸ وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰی رضی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا مَرَّتْ بِكَ جَنَازَةُ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ اَوْ مُسْلِمٍ فَقُوْمُوْا لَهَا فَلَسْتُمْ لَهَا تَقُوْمُوْنَ اِنَّمَا تَقُوْمُوْنَ لِمَنْ مَّعَهَا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ۔
(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت ابوموسیٰ سے روایت ہے بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تیرے پاس سے یہودی یا نصرانی یا مسلمان کا جنازہ گزرے[۱] تو اس کیلیے کھڑے ہو جاؤ کیونکہ تم اس کے لیے کھڑے نہیں ہو رہے بلکہ تم تو ان ملائکہ کے لیے کھڑے ہوتے ہو جو اس جنازے کے ساتھ ہوتے ہیں[۲]
(احمد)

---

[۱] حدیث کی بعض روایات میں مَرَّتْ بِكُمْ آیا ہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک فقوموا لہا کے زیادہ مناسب ہے۔

[۲] یہ ملائکہ یا تو ملائکہ رحمت ہوتے ہیں، اگر میت مسلمان ہو یا ملائکہ عذاب ہوتے ہیں اگر میت کافر ہو تو جنازہ دیکھ کر کھڑے ہونے کے اسباب مختلف ہیں۔ کبھی تو آپ گھبراہٹ اور جنازہ سے عبرت کے طور پر کھڑے ہوتے تھے۔ کبھی ملائکہ کے اکرام وعزت کی خاطر جو جنازہ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کبھی اس امر کی کراہت کے لیے کہ جنازہ آپ کے سر مبارک سے بلند نہ ہو جائے۔ اور کبھی آپ ان میں سے کسی بات کا اعتبار نہ کرتے حالات و مقامات کے اختلاف کے باعث اس بارے میں اگر کوئی بات ثابت ہوتی ہے تو وہ یہ ہے کہ آخر کار آپ نے کھڑا ہونا چھوڑ دیا۔ بہر حال آپ کا جو فعل بھی پہلا تھا وہ منسوخ ہو گیا۔ واللہ اعلم۔

۱۵۹۴/۳۹ وَعَنْ مَّالِكِ بْنِ هُبَيْرَةَ رضی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت مالک بن ہبیرہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّآ اَوْجَبَ فَكَانَ مَالِكٌ اِذَا اسْتَقَلَّ اَهْلَ الْجَنَازَةِ جَزَّاَهُمْ ثَلٰثَةَ صُفُوْفٍ لِّهٰذَا الْحَدِيْثِ.

(رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ)

کو فرماتے سنا۔ کوئی مسلمان نہیں جو مرتا ہے پھر اس پر مسلمانوں کی تین صفیں نماز پڑھتی ہیں مگر اللہ تعالےٰ واجب ۲؎ و ثابت کر دیتا ہے تو حضرت مالک نے یہ دستور بنا لیا تھا کہ جب جنازہ پڑھنے والوں کی کمی محسوس کرتے تو اس حدیث کی بنا پر تین صفیں بناتے۔

(ابوداؤد)

وَفِيْ رِوَايَةِ التِّرْمِذِيِّ قَالَ كَانَ مَالِكُ بْنُ هُبَيْرَةَ اِذَا صَلّٰى عَلٰى جَنَازَةٍ فَتَقَالَّ النَّاسَ عَلَيْهَا جَزَّاَهُمْ ثَلٰثَةَ اَجْزَآءٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ ثَلٰثَةُ صُفُوْفٍ اَوْجَبَ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ نَحْوَهٗ.

اور ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت مالک بن ہبیرہ رضی اللہ عنہ جب نماز جنازہ پڑھتے اور نمازیوں کی تعداد کم محسوس کرتے تو ان کے تین حصے بناتے پھر فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس جنازے پر تین صفوں نے نماز پڑھی اللہ تعالےٰ نے اس پر واجب و ثابت کر دی اور ابن ماجہ نے اس کی مثل روایت کی۔

⁂

۱۵۹۵/۴۰ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الصَّلٰوةِ عَلَى الْجَنَازَةِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا وَاَنْتَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نماز جنازہ میں یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ تو اس کا رب ہے اور تو نے اسے پیدا کیا اور تو نے اسے دین اسلام کی ہدایت کی۔ اور تو اس کے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو بہتر جانتا ہے ۔ ہم

۱؎ ہُبیرہ ہا کی پیش، با کی زبر، یا ساکن۔ آپ صحابی ہیں۔ حضرت امیر معاویہ کی طرف سے اسلامی افواج کے کمانڈر تھے، مروان کے دور حکومت میں رحلت فرمائی رضی اللہ عنہ۔

۲؎ یعنی اس فعل کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت اور مغفرت واجب کر دی۔

۳؎ جنازہ پڑھنے کے لیے موجود افراد تعداد میں کم پاتے تو الی آخرہٖ۔

اَعْلَمُ بِسِرِّهَا وَعَلَانِيَتِهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

سفارشی بن کر آئے ہیں۔ تو اس کی مغفرت فرما[2]

(ابوداؤد)

[1] قبض کا اصل معنیٰ پنجے میں کسی چیز کو پکڑنے کا آتا ہے۔

[2] یعنی ہم لوگ یہ خواہش رکھتے ہوئے تیری بارگاہ میں حاضر ہوئے ہیں کہ تو اسے بخش دے۔

۱۵۹۷/۴۱ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ صَلَّيْتُ وَرَآءَ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَلٰى صَبِيٍّ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيْئَةً قَطُّ فَسَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔

(رَوَاهُ مَالِكٌ)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں ایک بچے کی نماز جنازہ پڑھی جس نے کوئی گناہ نہ کیا تھا[1] میں نے آپ کو سنا کہ آپ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اے اللہ اسے عذاب قبر سے پناہ میں رکھ[2]

(مالک)

وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ يَقْرَاُ الْحَسَنُ عَلَى الطِّفْلِ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّ فَرَطًا وَّ ذُخْرًا وَّ اَجْرًا۔

اور بخاری سے یہ روایت تعلیقاً مروی[3] ہے۔ اور امام حسن بصری بچے پر سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ اے اللہ اسے ہمارے لیے پیش رو بنا۔ اور اسے فرط اور اجر و ذخر بنا[4]

[1] کہ وہ ایک غیر مکلف بچہ تھا۔

[2] اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر میں نابالغ بچوں سے بھی سوال ہوتا ہے ورنہ بھی عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ علماء کا نابالغ بچوں کے سوال وجواب قبر میں اختلاف ہے۔ مگر غیر مکلف کے لیے عذاب قبر قواعد شرع کے خلاف ہے۔ اس مسئلے کی توجیہات باب ایمان بالقدر میں گزر چکی ہیں۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔

[3] کہ بطریق تعلیق ترجمہ باب میں کہا۔

[4] سلف موت کے منہ میں پہلے جانے والا۔ فرط وہ شخص جو قافلے میں سے آگے جائے تاکہ گھوڑوں کے لیے چارہ۔ ڈول رسی وغیرہ سامان تیار کرے۔ اور کنواں وغیرہ پاک وصاف کرے۔ ذُخر ذال کی پیش خا ساکن بمعنی وہ مال جو ذخیرہ کیا جاتا ہے اور وقت ضرورت کے لیے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ اجر یعنی اجرت و مزدوری۔

۱۵۹۸/۴۳ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّفْلُ لَا یُصَلّٰی عَلَیْہِ وَلَا یَرِثُ وَلَا یُوْرَثُ حَتّٰی یَسْتَہِلَّ۔

(رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ) اِلَّا اَنَّہٗ لَمْ یَذْکُرْ وَلَا یُوْرَثُ۔

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طفل پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے گی اور نہ وہ کسی کا وارث بنتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث بنتا ہے جب تک کہ چیخ نہ مارے[1]۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ مگر ترمذی نے لفظ لا یورث (اس کا کوئی وارث نہیں بنتا) ذکر نہ کیا۔

[1] یعنی جب تک اس سے زندگی کا نشان ظاہر نہ ہو۔

۵۹۶/۲۲ وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِنِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ نَھٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یَّقُوْمَ الْاِمَامُ فَوْقَ شَیْءٍ وَّ النَّاسُ خَلْفَہٗ یَعْنِیْ اَسْفَلَ مِنْہُ۔

رَوَاہُ الدَّارَ قُطْنِیُّ فِی الْمُجْتَبٰی فِیْ کِتَابِ الْجَنَآئِزِ۔

حضرت ابو مسعودؓ[1] انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ امام کسی بلند چیز پر کھڑا ہو اور لوگ اس کے پیچھے یعنی اس سے نشیب میں کھڑے ہوں[2]۔

اسے دار قطنی نے مجتبیٰ میں کتاب الجنائز کے اندر روایت کیا۔

---

[1] آپ مشہور صحابی ہیں۔ بعض نے انہیں اصحابِ بدر میں شمار کیا ہے۔ مگر تحقیقی بات یہ ہے کہ بدر کی جانب ان کی نسبت اس بنا پر ہے کہ ان کی سکونت بدر میں تھی اس بنا پر نہیں کہ آپ غزوہ بدر میں شامل تھے۔ واللہ اعلم۔

[2] یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ اکیلا امام کسی بلند چیز پر کھڑا اور مقتدی اس کے پیچھے کسی پست شے پر کھڑے ہوں یہ حکم تمام نمازوں کیلئے ہے صرف نماز جنازہ کے ساتھ خاص نہیں ہے پھر حدیث کے الفاظ بھی اس کے ساتھ خاص نہیں ہیں۔ صرف نماز جنازہ کے ذکر کی مناسبت سے اس باب میں ذکر کر دی گئی۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا یہ حدیث اسی باب میں وارد ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے لوگوں نے یہ عادت بنا رکھی ہو۔ نماز جنازہ اس طرح پڑھتے ہوں۔ تو انہیں ایسا کرنے سے روکا گیا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ دَفْنِ الْمَيِّتِ

دفن میت کا باب

ن بمعنی ستر (چھپانا) ہے پھر اس کا استعمال زیادہ تر میت کو زمین میں چھپانے میں ہونے لگا۔ لفظ قبر بھی دفن کے معنی میں ہے۔ پھر اس کا غالب استعمال اس جگہ پر ہونے لگا جہاں میت کو چھپاتے ہیں۔ قبر انسان کے دفن کرنے کے ساتھ خاص ہے۔ مقبرہ (میم کی زبر قاف کے بعد یا میم اور با کی زبر سے بھی آیا ہے) سب سے پہلا شخص جو زمین میں دفن ہوا ہابیل تھا۔ کیونکہ سب سے پہلا مرنے والا انسان یہی ہابیل تھا پھر قبر دو طرح کی ہوتی ہے ایک لحد دوسری شق دونوں جائز ہیں۔ مگر لحد افضل اور سنت کے زیادہ مطابق ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان احادیث کی شرح میں آ رہا ہے۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۶۰۰ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ هَلَكَ فِیْهِ اِلْحَدُوا لِیْ لَحْدًا وَانْصِبُوْا عَلَیَّ اللَّبِنَ نَصْبًا كَمَا صُنِعَ بِرَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

فصل اول

حضرت عامر بن سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اس بیماری میں فرمایا جس میں آپ فوت ہو گئے، میرے لیے لحد کھودنا۔ اور میرے اوپر کچی اینٹیں کھڑی کرنا۔ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا۔

(مسلم)

ا۔ آپ مشہور تابعین میں سے ہیں۔

۲۔ لحد لام کی زبر اور پیش دونوں طرح آیا ہے۔ بعد میں حا ساکن۔ لغت میں اس کا معنی ہے ایک طرف جھکنا۔ شرع میں لحد اس قبر کو کہتے ہیں جس میں جانب قبلہ گڑھا کھودا جائے۔ حدیث میں وارد لفظ اُلْحَدُوا ہمزہ کی زیر حاء کی زبر اور ہمزہ کی زبر اور حا کی زیر دونوں روایتیں ہیں۔

۳۔ حدیث میں لفظ لَبِن آیا ہے۔ لام کی زبر با کی زیر بروزن کَتِفْ اس کا واحد لَبِنَة بروزن کلمہ ہے لِبن لام و با دونوں کی زیر سے بھی آیا ہے۔

۱۶۰۱/۱ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جُعِلَ فِي قَبْرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطِيْفَةٌ حَمْرَاءُ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک میں سرخ رنگ کا کپڑا رکھا گیا[1]

(مسلم)

[1] حدیث میں لفظ قطیفہ آیا ہے یعنی سرخ رنگ کا کمبل یعنی سرخ دھاری دار۔ اسے خمیطہ اور مخمل بھی کہتے ہیں۔ یہ کمبل شریف آپ کی قبر انور میں ڈالنے کی وجہ علماء یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت شقران (شین کی پیش وقاف ساکن) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام نے صحابہ کرام کی اجازت اور رضا کے بغیر اسے ڈالا تھا تاکہ آپ کے بعد اسے کوئی اور نہ پہنے۔ علماء نے میت کے نیچے کپڑا بچھانے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں تضییع اور اسراف ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ اپنی قبر انور میں زندہ اور حیات ہیں۔ واللہ اعلم۔

۱۶۰۲/۲ وَعَنْ سُفْيَانَ التَّمَّارِ أَنَّهُ رَأَى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَنَّمًا.

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت سفیان التمار[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور دیکھی کہ وہ کہان نما[2] تھی۔

(بخاری)

[1] تمار۔ تا کی زبر اور شد۔ آپ اکابر علماء میں سے ہیں۔ صحابہ کا زمانہ پایا مگر ان میں سے کسی سے روایت نہیں کی۔

[2] کتاب مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ حضرت سفیان تمار نے کہا کہ میں اس کمرے میں داخل ہوا جس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبور مبارکہ ہیں میں نے ان کی قبور کو اونٹ کی کہان کی شکل میں دیکھا۔ قبر میں سنت بھی یہ ہے کہ اوپر سے ان کی شکل کوہان کی طرح ہو۔ بہت سی اخبار اور آثار صحیحہ اس کے ثبوت میں وارد ہیں۔ پھر افضل یہ ہے کہ قبر انور کی بلندی ایک بالشت کے برابر ہو۔ علماء نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی بلندی ایک بالشت کی مقدار ہے۔ قبر میں اس قدر بلندی کافی ہے

ہمارے ملک ہندوستان میں اگرچہ سطح زمین پر قبر کا نشان مربع بناتے ہیں۔ مگر اس پر چھوٹا سا کوہان نما نشان بھی بنا دیتے ہیں۔ تاکہ سنت کی رعایت بھی ہو جائے۔ امام شافعی کے نزدیک اوپر کا نشان مسطح (ہموار نشان) بنایا جاتا ہے۔ کتاب حاوی میں جو ان کے مذہب میں لکھی گئی ہے۔ کہا گیا ہے ہموار بنانا کوہان نما بنانے سے اولیٰ ہے۔ اس کی شرح میں مذکور ہے کہ مسطح نشان اس لیے اولیٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی قبر مسطح بنائی تھی۔ حضرت قاسم بن محمد سے منقول ہے کہ انہوں نے ان قبور متبرکہ کو مسطح شکل میں دیکھا۔ اور شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے تابعین و صحابہ کی ایک جماعت سے نقل کیا کہ یہ قبریں کوہان نما تھیں یہی صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

١٦٠٣/٤ وَعَنْ اَبِى الْهَيَّاجِ الْاَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِىْ عَلِىٌّ اَلَا اَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِىْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ لَّا تَدَعَ تِمْثَالًا اِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا اِلَّا سَوَّيْتَهٗ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو الہیاج[1] الاسدی سے روایت ہے فرماتے ہیں مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بھیجا تھا۔ وہ یہ ہے کہ کوئی تصویر[2] باقی نہ چھوڑ مگر اسے مٹا دے اور نہ کوئی بلند قبر مگر اسے زمین سے ہموار کر دے[3]۔

(مسلم)

[1] ابو الہیاج (ہا کی زبر یا مشدد آخر میں جیم) الاَسَدِی یعنی قبیلہ بنی اسد سے۔ آپ تابعی بزرگ اور صحیح الحدیث ہیں۔

[2] یہ لفظ تمثال کا ترجمہ ہے صراح میں ہے کہ تراشی ہوئی صورت کو تمثال کہتے ہیں۔

[3] یعنی اسے پست کر دے۔ یہاں تک کہ وہ زمین کے اس قدر نزدیک ہو جائے کہ اس سے قدرے نمایاں اور ظاہر دکھائی دے یعنی ایک بالشت بلند ہو جیسا کہ مسنون ہے۔

١٦٠٤/٥ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقَبْرُ وَاَنْ يُّبْنٰى عَلَيْهِ وَاَنْ يُّقْعَدَ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو چونا گچ کرنے[1] سے منع فرمایا۔ اور اس سے بھی منع فرمایا کہ اس پر کوئی چیز تعمیر کی جائے[2] اور اس پر بیٹھنے سے بھی منع فرمایا۔

(مسلم)

[1] علماء نے فرمایا ہے اگر اس پر مٹی کی لپائی کی جائے تاکہ ویران نہ ہو تو یہ درست اور جائز ہے۔

[2] بعض نے کہا کہ پتھر وغیرہ کی عمارت منع ہے۔ بعض نے کہا کہ اس پر خیمہ وغیرہ لگانا ممنوع و مکروہ ہے۔

[3] کیونکہ قبر پر بیٹھنا عبرت گیری اور عزت مومن کے منافی ہے۔ بعض نے کہا قضائے حاجت کے لیے بیٹھنا منع ہے۔ بعض سلف سے قبر پر سونا منقول ہے۔ واللہ اعلم۔

١٦٠٥/٦ وَعَنْ اَبِىْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَيْهَا۔

حضرت[1] مرثد غنوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قبروں پر نہ بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو[1]

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

(مسلم)

[1] مرثد (میم کی زبر را ساکن ثا کی زبر) غنوی غین اور نون کی زبر آپ اکابر صحابہ میں سے ہیں۔

[2] اس بارے میں مفصل گفتگو باب المساجد ومواضع الصلوۃ میں ہوچکی ہے۔

١٦٠٦/٧ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ لَاَنْ يَّجْلِسَ اَحَدُكُمْ عَلٰى جَمْرَةٍ فَتُحْرِقَ ثِيَابَهٗ فَتَخْلُصَ اِلٰى جِلْدِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ اَنْ يَّجْلِسَ عَلٰى قَبْرٍ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کسی کا آگ کے انگارے پر بیٹھنا جس سے اس کے کپڑے جل جائیں اور وہ آگ اس کے جسم تک پہنچ[1] جائے قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔

(مسلم)

[1] یہ حدیث کے لفظ فَتَخْلُصَ کا ترجمہ ہے تخلص خلوص سے بنا ہے۔ یعنی کسی چیز تک پہنچنا۔ لام پر پیش ہے

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

١٦٠٧/٨ عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ قَالَ كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ رَجُلَانِ اَحَدُهُمَا يَلْحَدُ وَالْاٰخَرُ لَا يَلْحَدُ فَقَالُوْا اَيُّهُمَا جَآءَ اَوَّلًا عَمِلَ عَمَلَهٗ فَجَآءَ الَّذِیْ يَلْحَدُ فَلَحَدَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

(رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ)

حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں مدینہ منورہ میں دو آدمی تھے۔ ایک لحد[1] بناتا تھا دوسرا[2] شق۔ صحابہ نے کہا[3] جو پہلے آجائے وہ اپنا عمل کر گیا تو پہلے وہ شخص آگیا جو لحد قبر تیار کیا کرتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد تیار کی گئی[4]

(شرح سنۃ)

[1] یعنی حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ۔

[2] یعنی حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

[3] اس اختلاف کے بعد کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لحد قبر تیار کی جائے یا شق۔

[4] حضرت ابوطلحہ انصاری اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ قبر (شق) جائز ہے اگر ناجائز ہوتی تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ یہ قبر کیوں تیار کرتے

۱۶۰۸/۹ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللَّحْدُ لَنَا وَ الشَّقُّ لِغَيْرِنَا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَ النَّسَائِيُّ وَ رَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لحد ہمارے لیے اور شق دوسروں کے لیے[1]

ترمذی۔ ابوداؤد

نسائی۔ ابن ماجہ

اور احمد نے جریر بن عبداللہ سے روایت کی۔

[1] اور اگر لفظ "ہمارے لیے" سے مسلمان اور "دوسروں کے لیے" سے یہود و نصاریٰ مثلاً مراد ہوں تو پھر اس میں شک نہیں کہ لحد شق سے افضل نہ ہوگی بلکہ شق مکروہ ہوگی۔ اور اگر "دوسروں کے لیے" سے گزشتہ امتیں مراد ہوں تو اس صورت میں لحد شق سے افضل ہوگی۔ بہر صورت لحد واجب نہیں اور شق ممنوع نہیں۔ اگر ممنوع ہوتی حضرت بوعبیدہ اسے تیار نہ کیا کرتے۔ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابوعبیدہ کا شق قبر بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے یا آپ کا اسے درست تسلیم کرنے کی بنا پر ہوگا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر اتفاق کرنا کہ جو صاحب پہلے آئے وہ اپنی طرز کی قبر بنائے بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں قسم کی قبر بنانا جائز و درست ہے۔ پس آپ کا یہ فرمانا کہ "لحد ہمارے لیے ہے" اپنی پسند کا بیان ہے۔ سنت کا بیان نہیں۔ یعنی ہم لحد پسند کرتے ہیں۔ اور دوسرے شق جیسا کہ کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا "دوسروں کے لیے" سے غیر اہل مدینہ مراد ہیں کیونکہ مدینہ منورہ کی زمین سخت و مضبوط اور لحد کھودنے کے قابل ہے بخلاف دوسرے علاقوں کے اور طیبی نے کہا کہ یہ حدیث ان اخبار میں سے ہے جن میں آئندہ ہونے والے واقعات کی خبر دی گئی ہے۔ یعنی میرے بعد لوگ شق قبر بنایا کریں گے تو یہ آپ کے معجزات میں سے ہے۔

۱۶۰۹/۱۰ عَنْ هِشَامِ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَوْمَ اُحُدٍ اِحْفِرُوْا وَ اَوْسِعُوْا وَاَعْمِقُوْا وَ اَحْسِنُوْا وَ ادْفِنُوْا الْاِثْنَيْنِ وَ الثَّلٰثَةَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ وَقَدِّمُوْا اَكْثَرَهُمْ قُرْاٰنًا۔ رَوَاهُ

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ

حضرت ہشام[1] بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احد[2] کے دن فرمایا قبریں کھودو، انہیں کشادہ اور گہری[3] بناؤ۔ اور اچھی بناؤ۔ اور دو آدمی اور تین آدمی ایک قبر میں دفن کرو۔ اور جو قرآن زیادہ جانتا تھا اسے قبر میں پہلے اتارو۔

(احمد۔ ترمذی)

اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ اِلٰى قَوْلِهٖ وَاَحْسِنُوْا).

ابو داؤد۔ نسائی اور ابن ماجہ نے لفظ اَحْسِنُوا تک روایت کی۔

[1] حضرت ہشام اور ان کے باپ عامر دونوں کو حضور کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ ان کی حدیث بصریوں میں مشہور ہے۔ ان سے حضرت حسن بصری وغیرہ روایت کرتے ہیں۔

[2] جب کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت شہید ہو گئی۔

[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر گہری کرنا سنت ہے کہ اس میں میت کے ضائع ہونے سے حفاظت ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ قبر کی گہرائی درمیانے قد کے آدمی کے سینے کے اوپر کے حصے تک ہونی چاہیے۔ اگر اس سے بھی گہری کریں تو افضل ہے۔ اور اگر آدمی کے قد کے برابر گہری کریں تو بہت بہتر ہے جیسا کہ کتاب مطالب المومنین میں محیط سے نقل کیا۔

[4] یعنی اسے اچھی طرح ہموار کرو اور خس و خاشاک سے خوب صاف ستھری کرو۔ بعض نے کہا احسان سے مراد یہ ہے کہ میت کو نہلانے دھلانے میں نرمی اور شفقت کرو، نیز تجہیز و تکفین، اسے اٹھانے اور قبر میں اتارنے میں پوری احتیاط سے کام لو جیسا کہ شیخ کی شرح (فتح الباری میں ہے)

[5] یہ ضرورت اور مجبوری کے وقت ہے۔ بلا ضرورت درست نہیں۔

$\frac{1610}{11}$ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ جَاءَتْ عَمَّتِيْ بِاَبِيْ لِتَدْفِنَهٗ فِيْ مَقَابِرِنَا فَنَادٰى مُنَادِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُدُّوا الْقَتْلٰى اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ اَبُوْ دَاوٗدَ وَ النَّسَائِيُّ وَ الدَّارِمِيُّ وَ لَفْظُهٗ لِلتِّرْمِذِيِّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اُحد کے دن میری پھوپھی میرے شہادت یافتہ باپ کو لے کر آئی تاکہ اسے ہماری قبروں میں دفن کرے[1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک آواز دینے والے نے آواز دی کہ شہداء کو ان کی جگہوں کی طرف واپس لوٹاؤ[2]۔

(احمد، ترمذی)

(ابو داؤد، نسائی، دارمی)

اور یہ لفظ ترمذی کے ہیں۔

[1] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مردہ جس جگہ مرا ہو وہاں سے دوسری جگہ منتقل نہ کیا جائے۔ حضرت جابر اور ان کے باپ کے قصہ سے خصوصاً یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہاں سے کسی دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہو تو اسے اپنی جگہ واپس لایا جائے۔ مگر یہ کہ حضرت جابر کی پھوپھی کا حضرت جابر کے باپ کو دوسری جگہ لانے سے لانے کا ارادہ مراد ہو۔

لیکن صحت کے ساتھ یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اس موقعہ کے چھ ماہ بعد اپنے باپ کو جنت البقیع میں لائے اور وہاں دفن کیا۔

علامہ طیبی رحمۃ اللہ نے کہا ظاہر یہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو تو دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہے بے ضرورت جائز نہیں۔ کتب فقہ میں اس مسئلہ کی کافی تفصیل ہے۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ اگر میت کو دفن سے پہلے اور اس پر اینٹیں درست کرنے سے پہلے منتقل کریں تو کوئی حرج نہیں۔ جب کہ ایک دو میل کی مسافت پر لے جانا مطلوب ہو کیونکہ عموماً قبرستان اتنے فاصلے پر واقع ہوتے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ ہر شہر کے قبرستان میں دفن کیا جائے جہاں وہ مرا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جب اپنے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی زیارت کو گئیں اور وہ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلے پر پڑے تھے۔ پھر وہاں سے انہیں منتقل کر کے مکہ لایا گیا تھا، تو فرمایا اگر تیری موت کے وقت میں تیرے پاس موجود ہوتی تو تجھے اس جگہ سے منتقل نہ کرتی بلکہ جس جگہ تو مرا تھا وہیں تجھے دفن کرتی اور دفن کرنے اور اس پر مٹی برابر کرنے کے بعد منتقل کرنا درست نہیں ہے۔ کہ قبر کا اکھیڑنا اگرچہ تھوڑے یا زیادہ وقت کے بعد ہونا جائز ہے، مگر کسی مجبوری اور عذر کے تحت اور عذر یہ ہے دفن کرنے کے بعد ظاہر ہوا کہ میت کو غصب شدہ زمین میں دفن کیا گیا ہے۔ یا اس زمین کو شفع کرنے والا لے جائے گا اور بہت سے صحابہ کرام حربی زمین میں دفن کیے گئے۔ وہاں سے انہیں منتقل کر کے دوسری جگہ نہ لایا گیا۔ اور اگر مالک زمین، زمین کو ہموار کر کے اس میں کھیتی باڑی کرنا چاہے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت ہے کیونکہ مردہ کا حق زمین کے اندر ہے ظاہر سطح زمین ہے اس کا حق متعلق نہیں۔ عذروں میں سے ایک عذر یہ بھی ہے کہ لحد میں کسی کا مال یا کپڑا اگر گیا ہو اور اسے نکالنا مقصود ہو۔ شیخ ابن الہمام رحمۃ اللہ نے کہا کہ تمام مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ایک عورت کا بچہ کسی دوسرے شہر میں دفن کر دیا گیا ہو اور وہ عورت اس کے دفن کے وقت وہاں موجود نہ ہو پھر عورت آگاہ ہوتے پر بے صبری کرنے لگے اور چاہے کہ اسے وہاں سے منتقل کرے تو اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ لہذا بعض متاخرین کا اسے جائز قرار دینا غیر معتبر بات ہے۔ اور اگر کوئی میت بے غسل یا بلا نماز جنازہ دفن کر دیا گیا تو اب اسے قبر سے نکالنا جائز نہیں اور جہاں مرا ہو اس مکان میں دفن نہ کیا جائے کیونکہ جہاں موت واقع ہوئی ہو وہاں ہی دفن کرنا انبیاء کرام صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کا خاصہ ہے۔ دوسرے شخص کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہیے جس گھر میں مرا ہے وہاں دفن نہ کرنا چاہیے اور دو آدمیوں کو ایک قبر میں دفن نہ کیا جائے۔ مگر ضرورت کے تحت۔ ابن الہمام کا کلام ختم ہوا

۱۶۱۱/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سُلَّ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قِبَلِ رَأْسِهٖ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر انور میں سر کی طرف سے داخل کیا گیا[لہ]

(رَوَاهُ الشَّافِعِیُّ)

(شافعی)

[۱] حدیث میں لفظ سَلّ آیا ہے۔ لغت میں اس کا معنیٰ ہے کسی چیز کو نرمی سے کھینچنا اور باہر نکالنا جیسے تلوار اور چھری وغیرہ کو نیام سے باہر نکالنا۔ میت کو سر کی طرف سے کھینچنے کا مطلب یہ ہے کہ جنازہ قبر کی پاؤں والی جانب رکھا جائے پھر اس کے سر کی جانب سے قبر میں لایا جائے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ احناف کے نزدیک جنازہ قبر کی دائیں جانب رکھا جائے۔ چنانچہ میت کے پاؤں قبر کے پاؤں کی طرف ہوں اور میت کا سر قبر کے سر کی جانب اور میت کو اسی طرح اٹھا کر قبر میں رکھا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مردے کو قبر میں اسی طرح رکھتے تھے۔ جیسا کہ آئندہ حدیث میں آ رہا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ شریف میں اس قدر وسعت و کشادگی نہ تھی کہ قبلہ کی جانب سے آپ کو قبر میں اتارا جاتا۔ کیونکہ آپ کی قبر شریف دیوار کے بالکل ساتھ ہے۔

۱۶۱۲/۱۳ وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ قَبْرًا لَيْلًا فَأُسْرِجَ لَهٗ بِسِرَاجٍ فَأَخَذَ مِنْ قِبَلِ الْقِبْلَةِ وَقَالَ رَحِمَكَ اللّٰهُ اِنْ كُنْتَ لَاَوَّاهًا تَلَّاءً لِلْقُرْاٰنِ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اِسْنَادُهٗ ضَعِيْفٌ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں رات کو داخل ہوئے اور آپ کے لیے چراغ جلایا گیا تو آپ نے میت کو جانب قبلہ کی طرف سے پکڑا۔ اور آپ نے کہا اللہ تجھ پر رحمت نازل کرے بے شک تو اللہ کے خوف سے بہت آہ و زاری کرنے والا تھا۔ اور بہت قرآن پڑھنے والا تھا۔ اسے ترمذی نے روایت کیا اور شرح سنتہ میں کہا اس کا اسناد ضعیف [۱] ہے۔

⁂

[۱] امام ترمذی نے یہاں فرمایا کہ اس باب میں حضرت جابر اور حضرت یزید بن ثابت جو حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں) سے احادیث آئی ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے وقت دفن کرنا جائز و درست ہے۔ بعض نے رات کے وقت دفن کرنے کو مکروہ کہا ہے۔

۱۶۱۳/۱۴ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضـ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَيِّتُ الْقَبْرَ قَالَ بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلٰى سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ.

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا تو بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے بسم اللہ و باللہ و علی ملۃ رسول اللہ اور ایک روایت میں ہے وعلی سنۃ رسول اللہ

⁂

⁂

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَ ابْنُ مَاجَةَ وَرَوٰى اَبُوْ دَاوٗدَ الثَّانِيَةَ)

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ[2]) اور ابوداؤد نے دوسری روایت کی

[1] لفظ اُدخل صیغہ مجہول و معروف دونوں طرح مروی ہے۔

[2] یعنی ان محدثین نے تو یہ حدیث ان دعا الفاظ کے ساتھ روایت کی۔ اور ابوداؤد نے صرف وعلی سنۃ رسول اللہ کے الفاظ سے یہ حدیث روایت کی۔

۱۶۱۴/۱۵ وَعَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ[1] عَنْ اَبِيْهِ مُرْسَلًا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَثٰى عَلَى الْمَيِّتِ ثَلٰثَ حَثَيَاتٍ بِيَدَيْهِ جَمِيْعًا وَاَنَّهٗ رَشَّ عَلٰى قَبْرِ ابْنِهٖ اِبْرَاهِيْمَ وَوَضَعَ عَلَيْهِ حَصْبَاءَ. (رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى الشَّافِعِيُّ مِنْ قَوْلِهٖ رَشَّ)

حضرت جعفر بن محمد[1] اپنے باپ سے مرسلاً روایت کرتے ہیں کہ بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک سے تین لپ مٹی ڈالی[2] اور بیشک آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم[3] رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا۔ اور اس پر کنکریاں رکھیں۔ اسے شرح سنۃ میں روایت کیا۔ اور امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اسے لفظ رش سے روایت کیا[4]

[1] یعنی حضرت محمد باقر رضی اللہ عنہ سے۔

[2] حدیث میں لفظ حثیٰ آیا ہے۔ یہ حثو سے مشتق ہے۔ یعنی کسی کے چہرہ پر خاک ڈالنا۔ حثیٰ بروزن رمیٰ یعنی دونوں ہاتھوں سے یکبارگی کسی چیز کو اٹھانا۔

[3] حضرت ابراہیم بن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[4] یعنی حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی روایت کی ابتدا لفظ رش علی قبر ابنہ تا آخر ہے۔ اور حدیث کا اول حصہ کہ حثیٰ علی المیت ہے تا آخر امام شافعی کی روایت میں نہیں ہے۔

۱۶۱۵/۱۶ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُّجَصَّصَ الْقُبُوْرُ وَاَنْ يُّكْتَبَ عَلَيْهَا وَاَنْ تُوْطَاَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو چونا گچ کرنے[1] ان پر کچھ لکھنے[2] اور ان پر کچھ تعمیر کرنے اور انہیں پامال[3] کرنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی)

۱؎ کیونکہ اس میں تکلف اور آرائش ہے (جس کی ضرورت نہیں) اور امام حسن بصری نے مٹی کی لپائی جو جائز قرار دیا امام شافعی رحمۃ اللہ نے کہا مٹی سے لپائی مستحب ہے۔ فتاویٰ خانیہ میں کہا مٹی کی لپائی میں کوئی حرج نہیں۔ مگر امام کرخی اس کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ کتاب مطالب المومنین میں ہے۔

۲؎ یعنی خدا و رسول پاک کا اسم گرامی۔ تاکہ لوگوں کے پاؤں کے نیچے نہ آئے اور اس پر کوئی حیوان بول پیشاب نہ کردے۔ علماء نے یہ بھی کہا ہے قبور پر تحریر شدہ تختیاں کھڑی کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ یہ بے فائدہ فعل ہے۔ مگر جب کوئی غرض صحیح متعلق ہو تو پھر جائز و روا ہے۔

۳؎ اور یہ بھی مستحب ہے کہ قبروں میں ننگے پاؤں آئیں۔ جیسا کہ کتاب شرعۃ الاسلام میں ہے۔

۱۶۱۶/۱۷ وَعَنْهُ قَالَ رُشَّ قَبْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ الَّذِيْ رَشَّ الْمَآءَ عَلٰى قَبْرِهٖ بِلَالُ بْنُ رَبَاحٍ۱؎ بِقِرْبَةٍ بَدَاَ مِنْ قِبَلِ رَاْسِهٖ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى رِجْلَيْهِ.
(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پانی چھڑکا گیا اور جس صاحب نے آپ کی قبر انور پر پانی تھا وہ حضرت بلال بن رباح۱؎ تھے۔ آپ نے ایک مشکیزے سے پانی چھڑکا۔ آپ کے سر مبارک کی طرف سے شروع کیا یہاں تک کہ چھڑکتے چھڑکتے آپ کے پاؤں مبارک تک پہنچ گئے۔ اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا۔

⁂

۱؎ رباح را کی زبر سے۔

۱۶۱۷/۱۸ وَعَنِ الْمُطَّلِبِ بْنِ اَبِيْ وَدَاعَةَ قَالَ لَمَّا مَاتَ عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ اُخْرِجَ بِجَنَازَتِهٖ فَدُفِنَ اَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا اَنْ يَّاْتِيَهٗ بِحَجَرٍ فَلَمْ يَسْتَطِعْ حَمْلَهَا فَقَامَ اِلَيْهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَحَسَرَ عَنْ ذِرَاعَيْهِ قَالَ الْمُطَّلِبُ قَالَ الَّذِيْ يُخْبِرُنِيْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاَنِّيْ

حضرت مطلب بن ابی وداعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں جب حضرت عثمان بن مظعون۱؎ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے اور ان کا جنازہ نکالا گیا اور دفن کیا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ایک پتھر اٹھا کر لائے۔ وہ اس پتھر کو اٹھا نہ سکا تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پتھر کو اٹھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنے بازوؤں سے آستین اوپر چڑھائیں۲؎۔ حضرت مطلب فرماتے ہیں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کی مجھے خبر دی تھی اس نے فرمایا تھا گویا

أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِ ذِرَاعَيْ
رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
حِيْنَ حَسَرَ عَنْهُمَا ثُمَّ حَمَلَهَا
فَوَضَعَهَا عِنْدَ رَأْسِهٖ وَ قَالَ
أُعْلِمُ بِهَا قَبْرَ أَخِيْ وَ
أَدْفِنُ إِلَيْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ
أَهْلِيْ۔

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بازوؤں مبارک کی
سفیدی دیکھ رہا ہوں۔ جب کہ آپ نے اپنی آستین اوپر
چڑھائیں۔ آپ نے وہ پتھر اٹھایا اور اسے ان کے سر
کے قریب رکھ دیا اور فرمایا میں اس کے ساتھ اپنے
بھائی کی قبر کا نشان قائم کرتا ہوں[٤]۔ اور میں
اس کے پاس دفن کروں گا اپنے اہل میں سے
جو فوت ہوگا[٥]۔

(ابوداؤد)

---

[١] وَدَاعَۃ واو کی زبر۔ آپ صحابی ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ یہ حدیث آپ ایک دوسرے صحابی سے روایت کرتے ہیں کیونکہ خود آپ اس وقت موجود نہ تھے۔

[٢] مظعون ظاء کے ساتھ آپ مہاجرین میں سے پہلے شخص ہیں جو مدینہ منورہ آکر فوت ہوئے اور آپ کا جنازہ باہر جنت البقیع کی طرف لایا گیا۔ اور وہاں دفن کیا گیا۔

[٣] اور دونوں دست مبارک باہر نکالے۔ حَسر حا اور سین سے بمعنی برہنہ کرنا۔

[٤] یعنی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر انور کا۔ اہل تاریخ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مروان بن الحکم نے وہ پتھر اٹھا کر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی قبر انور پر رکھ دیا۔

[٥] چنانچہ ان کے بعد سب سے پہلے جو صاحب ان کی قبر کے ساتھ دفن کیے گئے وہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اور جب حضرت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے اچھے سلف (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے ساتھ جا کر مل جا۔

١٦١٨/١٩ وَعَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ[١]
قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى عَآئِشَةَ
فَقُلْتُ يَا أُمَّاهُ اكْشِفِيْ لِيْ
عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ صَاحِبَيْهِ
فَكَشَفَتْ عَنْ ثَلٰثَةِ قُبُوْرٍ لَا
مُشْرِفَةٍ وَّلَا لَاطِئَةٍ مَبْطُوْحَةٍ

حضرت قاسم بن محمد[١] سے روایت ہے فرماتے ہیں میں
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت اقدس میں
حاضر ہوا اور عرض کیا اے میری ماں رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی قبر انور اور آپ کے دونوں ساتھیوں[٢] کی قبور
سے پردہ ہٹائیں اور میرے لیے ان کا دروازہ
کھولیں۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تین قبور
کے آگے سے پردہ ہٹایا جو نہ تو زمین کے ساتھ

بِبَطْحَاءِ الْعَرْصَةِ الْحَمْرَاءِ۔
(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ)

متصل تھیں اور نہ زمین سے بہت زیادہ بلند تھیں ان پر سرخ رنگ کی بجری پڑی ہوئی تھی۔ (ابوداؤد)

۱ یعنی حضرت قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم۔ آپ اکابر تابعین، افاضل زمانہ اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہاء کرام میں سے تھے۔

۲ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما۔ یہ تینوں قبور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تھیں جب تک ان قبور مطہرہ منورہ تک پہنچنے کا راستہ موجود تھا، ان کے آگے پردہ پڑا رہتا تھا۔ جب زائرین ان کی زیارت سے مشرف ہونا چاہتے تھے تو پردہ اٹھا دیا جاتا اور لوگ اندر آ کر زیارت کرتے۔

۳ علماء فرماتے ہیں ان کی بلندی ایک بالشت تھی۔

۴ بطحاء کشادہ نالے کو کہتے ہیں جس میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہوں۔ یہاں بطحاء سے کنکریاں مراد ہیں۔

۵ عرصہ دراصل حویلی کے صحن کو کہتے ہیں اور ہر کشادہ جگہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے بعد مدینہ مطہرہ کے اطراف میں واقع ایک مخصوص جگہ کے لیے یہ زیادہ تر استعمال ہونے لگا۔

۱۶۱۹/۴۰ وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةِ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَانْتَهَيْنَا اِلَى الْقَبْرِ وَلَمَّا يُلْحَدْ بَعْدُ فَجَلَسَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ وَجَلَسْنَا مَعَهٗ۔

حضرت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری کے جنازہ کے لیے نکلے اور قبر تک پہنچ گئے۔ جو ابھی تک تیار نہ ہوئی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔

⁂

(رَوَاهُ أَبُوْ دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَزَادَ فِيْ اٰخِرِهٖ كَاَنَّ عَلٰى رُءُوْسِنَا الطَّيْرَ)

اسے ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا اور ابن ماجہ نے اس کے آخر میں یہ لفظ زیادہ روایت کیے۔ گویا ہمارے سروں پر پرندے ہیں۱

۱ گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ یعنی ہم پر انتہائی خضوع و سکون طاری تھا۔ یہ حدیث باب ما یقال عند من حضرہ الموت کی تیسری فصل میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے اضافوں کے ساتھ جو وہاں مذکور ہیں، گزر چکی ہے اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر تک جنازے کے ساتھ چلنا اور اس کے دفن تک اس کی انتظار میں بیٹھنا سنت ہے

١٦٢٠/١٦٢١ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهٖ حَيًّا. (رَوَاهُ مَالِكٌ وَاَبُوْ دَاوُدَ وَ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا[1] (مالک، ابوداؤد) (ابن ماجہ)

[1] حضرت ابن عبدالبر نے کہا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام باتوں سے مردے کو بھی تکلیف پہنچتی ہے جن سے زندہ کو تکلیف واذیت پہنچتی ہے۔ اس بات کو یہ امر لازم ہے کہ مردے کو بھی ان تمام باتوں سے لذت محسوس ہوتی ہے جن سے زندہ انسان لذت پذیر ہوتا ہے۔ ابن عبدالبر کا کلام ختم ہوا۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٦٢١/٢٢ ۵ عَنْ اَنَسٍ قَالَ شَهِدْنَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تُدْفَنُ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ فَرَاَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ فَقَالَ هَلْ فِيْكُمْ مِنْ اَحَدٍ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ فَقَالَ اَبُوْ طَلْحَةَ اَنَا قَالَ فَانْزِلْ فِيْ قَبْرِهَا فَنَزَلَ. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی[1] کی تدفین کے وقت موجود تھے درانحالیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس تشریف فرما تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی ایسا ہے جو آج رات اپنی بیوی کے پاس نہ گیا ہو[2]۔ حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا میں (یا رسول اللہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انس پر فرمایا تو اس کی قبر میں اتر آپ اس کی قبر میں اترے[3]۔ (بخاری)

---

[1] یہ حضرت ام کلثوم تھیں۔ جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ تھیں۔

[2] جس نے اس رات گناہ نہ کیا ہو یا جس نے آج کی رات اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو۔ لفظ اقتراف و مقارفت (پہلے قاف پھر فا) کے دونوں معنی ہیں۔ اور یہاں دونوں معنوں پر محمول کیا گیا ہے۔ محدثین فرماتے ہیں دوسرا معنی زیادہ بہتر اور راجح ہے۔ محدثین نے کہا ہے کہ اس رات حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی لونڈیوں میں سے کسی کو طلب کیا۔ اور اس سے جماع کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرماتے ہیں اشارۃً حضرت عثمان کو قبر میں اترنے سے منع فرما دیا۔

اور آپ کے اس فعل کو ناپسند جانا۔ محدثین کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے ایسا کیا اور آپ کا عذر یہ تھا کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی بیماری طوالت اختیار کر چکی تھی۔ حضرت عثمان کا یہ گمان نہ تھا کہ وہ اس رات میں فوت ہو جائیں گی۔ تو بے بس ہو کر آپ نے لونڈی سے جماع کر لیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تو حضرت ابو طلحہ نے عرض کیا۔ الخ۔

[3] حضرت ابو طلحہ انصاری جو حضرت انس کی والدہ کے خاوند تھے۔ نے عرض کیا میں وہ شخص ہوں جس نے آج کی رات بیوی سے جماع نہیں کیا۔

[4] شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ نے اپنی شرح میں فرمایا کہ اس حدیث سے یہ اشکال و اعتراض نہ کیا جائے کہ اس کام کے لیے خاوند اور ذی رحم رشتہ دار، غیر رشتہ دار نیک لوگوں سے بہتر ہیں۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان کے لیے قبر میں اترنے سے کوئی امر مانع ہو۔ امام نووی نے ایسا ہی کہا ہے۔ اور فرمایا کہ اس حدیث سے یہ ماخوذ ہوتا ہے کہ جسے بیوی سے جماع کیے کافی وقت گزر چکا ہو وہ اس کام کے لیے زیادہ مناسب ہے۔ اسے خوب سمجھو۔

۱۶۲۲/۲۳ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ
لِابْنِهٖ وَهُوَ فِيْ سِيَاقِ الْمَوْتِ
اِذَا اَنَا مِتُّ فَلَا تَصْحَبْنِيْ
نَائِحَةٌ وَّلَا نَارٌ فَاِذَا دَفَنْتُمُوْنِيْ
فَشُنُّوْا عَلَيَّ التُّرَابَ شَنًّا ثُمَّ
اَقِيْمُوْا حَوْلَ قَبْرِيْ قَدْرَ مَا
يُنْحَرُ وَّ يُقْسَمُ لَحْمُهَا حَتّٰى
اَسْتَاْنِسَ بِكُمْ وَ اَعْلَمَ مَاذَا
اُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّيْ۔
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عمرو بن العاص[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا جب کہ آپ پر سکرات موت طاری ہو چکی تھی، جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ کوئی بین کرنے والی نہ جائے[2] اور نہ میرے ساتھ آگ جائے۔ اور جب مجھے دفن کر چکو تو میرے اوپر مٹی چھڑک دو[3]۔ پھر میری قبر کے ارد گرد اتنی دیر کھڑے رہو جتنی دیر اونٹ ذبح کرنے اور اسے تقسیم کرنے میں صرف ہوتی ہے[4]۔ تاکہ میں تم سے سکون حاصل کروں[5]۔ اور یہ جان لوں کہ خدا تعالے کے فرستادہ فرشتوں کا کیا جواب[6] دیتا ہوں۔ (مسلم)

---

[1] آپ مشہور صحابی ہیں رضی اللہ عنہ

[2] اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ میت کے ساتھ آگ لے کر جاتے تھے تاکہ مشک وغیرہ سلگانے کے کام آسکے۔

[3] یعنی مجھ پر تھوڑی تھوڑی کر کے مٹی ڈالنا اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ میت ہر ایسی چیز سے درد وغیرہ محسوس کرتا ہے۔ فَشُنُّوْا شین کی پیش نون مشدد اور شَنًّا شین اور نون شد کے ساتھ بمعنی پانی چھڑکنا۔ یہاں مٹی چھڑکنے کے لیے

استعمال ہوا ہے۔

۵۴ حدیث کے بعض الفاظ میں لفظ جزور (جیم کی زبر) آیا ہے۔ بمعنیٰ اونٹ ذبح کرنا۔

۵۵ اصل میں لفظ استانس آیا ہے جو انس سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے کسی چیز سے سکون اور آرام پانا۔

۵۶ جو قبر میں آتے اور سوال کرتے ہیں۔

۲۳/۲۴ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا مَاتَ اَحَدُكُمْ فَلَا تَحْبِسُوْهُ وَ اَسْرِعُوْا بِهٖ عَلٰى قَبْرِهٖ وَلْيُقْرَءْ عِنْدَ رَاْسِهٖ فَاتِحَةُ الْبَقَرَةِ وَ عِنْدَ رِجْلَيْهِ بِخَاتِمَةِ الْبَقَرَةِ۔ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ) وَقَالَ وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلَيْهِ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب تم میں سے کوئی مر جائے تو اسے روک نہ رکھو۔ بلکہ اسے قبر کی طرف جلدی سے جاؤ اور اسکے سر کی جانب سورۃ بقرہ کی ابتدائی آیات[1] اور اس کی پائنتی کی جانب سورۃ بقرہ کی آخری آیات پڑھی جائیں[2]

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا اور کہا صحیح یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر پر موقوف ہے۔ (اور ان کا قول ہے)

---

[1] یعنی اول سورت سے ھم المفلحون تک۔

[2] یعنی آمن الرسول سے تا آخر سورت بقرہ۔ اور آثار میں سورۃ فاتحہ معوذتین (سورۃ قل اعوذ برب الفلق وقل اعوذ برب الناس) اور سورۃ قل ھو اللہ احد پڑھنے اور اہلِ قبور کے لیے ثواب گھمانے کا ذکر آیا ہے۔ میت کے لیے قرآن کا ثواب گھمانے اور اسے ثواب پہنچنے میں علماء کا اختلاف ہے۔ قول صحیح یہ ہے کہ ثواب پہنچتا ہے۔ شیخ عبداللہ یافعی رحمۃ اللہ نے روض الریاحین میں نقل کیا ہے کہ عزالدین عبدالسلام رحمۃ اللہ کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں کہ ہم نے دنیا میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ قرآن کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا۔ مگر اس عالم برزخ میں اس فتویٰ کے خلاف سامنے آیا ہے۔ اور وہ یہ کہ میت کو اس کا ثواب پہنچتا ہے۔ اور قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔ یہی صحیح ہے۔ جیسا کہ شیخ ابن الہمام رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا۔

[3] یعنی بطریق مرفوع حدیث روایت نہیں کی

۱۶۲۴/۲۵ وَعَنِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرٍ

حضرت ابن ابی ملیکہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

بِالْحُبْشِيِّ وَهُوَ مَوْضِعٌ فَحُمِلَ اِلٰى مَكَّةَ فَدُفِنَ بِهَا فَلَمَّا قَدِمَتْ عَائِشَةُ اَتَتْ قَبْرَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِىْ بَكْرٍ فَقَالَتْ.

وَكُنَّا كَنَدْمَانَىْ جَذِيْمَةَ
حِقْبَةً مِنَ الدَّهْرِ حَتّٰى
قِيْلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا فَلَمَّا
تَفَرَّقْنَا كَاَنِّىْ وَ مَالِكًا
لِطُوْلِ اجْتِمَاعٍ لَمْ
نَبِتْ لَيْلَةً مَعًا

ثُمَّ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَوْ حَضَرْتُكَ مَا دُفِنْتَ اِلَّا حَيْثُ مُتَّ وَلَوْ شَهِدْتُكَ مَا زُرْتُكَ. (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حبشی[2] (ایک جگہ کا نام ہے) میں فوت ہوئے اور ان کا جنازہ وہاں سے اٹھا کر مکہ شریف لایا گیا اور وہاں دفن کیا گیا[3] جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں[4] تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کی قبر پر بھی آئیں۔ تو کہا۔[5]

ہم دونوں عرصہ دراز تک جذیمہ[6] کے دو ساتھیوں کی طرح رہے حتیٰ کہ کہا جانے لگا یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے۔ پھر جب ہم میں جدائی واقع ہو گئی تو اسکے باوجود کہ ہم عرصہ دراز تک اکٹھے رہے، ایسا محسوس ہوا کہ ہم نے کبھی ایک رات بھی اکٹھے نہیں بسر کی۔

پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اللہ کی قسم اگر تیری موت کے وقت میں تیرے پاس ہوتی تو تو وہیں دفن ہوتا جہاں فوت ہوا[7] تھا اور اگر میں بوقت موت تیرے پاس موجود ہوتی تو اب تیری زیارت کو نہ آتی۔[8]

(ترمذی)

---

[1] مُلیکہ میم کی پیش، لام کی زبر، یا ساکن۔ آپ مشہور تابعین سے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مکہ معظمہ کے قاضی تھے۔

[2] حُبشی حا کی پیش، با ساکن بعد میں شین تین نقطوں والا۔ آخر میں یا مشدد مکہ معظمہ کے قریب ایک نشیبی جگہ ہے بعض نے کہا کہ یہ جگہ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔

[3] یعنی جنت المعلیٰ میں۔

[4] یعنی مکہ معظمہ میں حج کے لیے تشریف لائیں۔ تو حضرت عبدالرحمٰن بن ابو بکر رضی اللہ عنہما کی قبر کی زیارت کے لیے بھی تشریف لے گئیں۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ دونوں کی والدہ حضرت ام رومان ہیں۔

[5] اور تمیم بن نویرہ کے دو شعر پڑھے جو اس نے اپنے بھائی مالک بن نویرہ کے مرثیہ میں پڑھے تھے۔ جبکہ اسے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قتل کیا تھا۔ کیونکہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کی تھی۔

۵۶ جَذِیمہ (جیم کی زبر ذال نقطہ دالی کی زیر) جیسا کہ پڑھنے جانے والے نسخوں میں اس کی تصحیح کی گئی ہے۔ اور جذیمہ (جیم کی پیش ذال کی زبر) سے بھی پڑھا گیا ہے۔ چنانچہ لغت کی کتاب صحاح میں کیا جذیمہ عراق کے ایک بادشاہ کا نام تھا جس نے جزیرہ العرب کو بھی اپنے قلمرو میں شامل کر لیا تھا۔ اس بادشاہ کے دو ساتھی تھے۔ ایک کا نام مالک دوسرے کا عقیل یہ دونوں مسلسل چالیس برس ایک دوسرے کے ساتھی اور بادشاہ کے ہمنشین رہے۔ اور ان دونوں کو نعمان نے قتل کیا تھا ان کے قتل کا قصہ عجیب وطویل ہے جو کہ مقامات حریری کی شرح میں مذکور ہے۔ حِقبۃٌ (حا کی زیر قاف ساکن) بمعنیٰ مدت دراز حا کی پیش سے بمعنیٰ اسی سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ کو کہتے ہیں۔ اس کے لیے لفظ دہر بھی آتا ہے۔ لغت کی کتاب صراح میں کہا حِقبہ حا کی زیر سے بمعنیٰ سالہا سال۔ اور حُقُبٌ وحُقْبٌ بمعنی اسّی یا اس سے بھی زیادہ سال کا عرصہ جیسا کہ خدائے تعالےٰ کے قول مبارک اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا اور لَابِثِیْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا میں ہے تو شاعر کہتا ہے ہم دونوں جذیمہ کے دو ساتھیوں کی طرح تھے جو مدت دراز تک ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ کہا گیا کہ یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے اور جب ہم ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو گویا میں اور مالک عرصہ دراز تک اکٹھے رہنے کے بعد اس طرح ہو گئے کہ ایک رات بھی اکٹھے نہیں رہے۔ شعر میں لِطُولِ کا لام بمعنیٰ بعد یا مع ہے یہ دو شعر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پڑھے۔

۵۷ کیونکہ جائے موت سے میت کو دوسری جگہ منتقل نہ کرنا سنت اور افضل ہے۔

۵۸ کیونکہ زیارت قبر کوئی لازم وضروری کام نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ازواج مطہرات عدت گزارنے والی عورتوں کی طرح ہیں۔ جن کے لیے گھروں میں ہی رہنا لازم وضروری ہوتا ہے۔ سوائے ضروری کام مانند حج وغیرہ باہر نکلنا جائز ودرست نہیں۔ بہ ظاہر حدیث عورتوں کے قبور کی زیارت کو جانے کی ممانعت میں ہے۔ اگرچہ بعض حضرات ممانعت کی حدیث کی تاویل کرتے اور اسے منسوخ قرار دیتے ہیں اور مجھے تیری جائے موت سے دوسری جگہ دفن کے لیے لے جانا میرے نزدیک مکروہ ہے مگر چونکہ میں تیری موت کے وقت تجھ سے ملاقات نہ کر سکی اس لیے تیری قبر کی زیارت کے لیے آئی ہوں تاکہ زیارت قبر تیری ملاقات کے قائم مقام ہو جائے۔ ورنہ ترک زیارت بہتر تھا۔ اسے سمجھ لو۔

۱۶۲۵/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ رَافِعٍ قَالَ سَلَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَعْدًا وَّ رَشَّ عَلٰى قَبْرِهٖ مَآءً (رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو قبر میں اتارا اور ان کی قبر پر پانی چھڑکا۔لہ (ابن ماجہ)

لہ ان کے اظہار عزت وتکریم اور ان پر خصوصی مہربانی اور عنایت کے لیے۔

۱۶۲۶/۲۷ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک میت پر

عَلٰی جَنَازَۃٍ ثُمَّ اَتَی الْقَبْرَ فَحَثٰی عَلَیْہِ مِنْ قِبَلِ رَاْسِہٖ ثَلَاثًا۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

نماز جنازہ پڑھی پھر قبر کے پاس آئے اور اس کے سر کی طرف سے اس پر تین بار مٹی ڈالی[1]۔

(ابن ماجہ)

[1] یعنی اپنے دست مبارک سے۔

۶۶۲۷/۲۸ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ قَالَ رَاٰنِی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّکِأً عَلٰی قَبْرٍ فَقَالَ لَا تُؤْذِہٖ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

حضرت عمرو بن حزم[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا اس قبر والے کو تکلیف نہ دے۔ یا[2] اسے تکلیف نہ دے۔ (احمد)

[1] حزم (حا کی زبر زا ساکن) حضرت عمرو بن حزم صحابی ہیں۔ غزوۂ خندق کے سال پندرہ برس کی عمر میں ایمان لائے اور سترہ سال کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن میں نجران کا عامل مقرر فرما کر بھیجا۔

[2] یہ راوی کا شک ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لَا تُؤْذِ صاحب ھذا القبر فرمایا یا لا تؤذہ فرمایا یعنی لفظ صاحب ھذا القبر کے بجائے ضمیر سے بیان فرمایا۔ اور شاید اس سے مراد یہ ہے کہ میت کی روح اس کو برا مناتی ہے۔ اور تکیہ لگانے سے راضی نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس میں میت کی اہانت اور اس کی حقارت ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْبُکَاءِ عَلَی الْمَیِّتِ

میت پر رونے کا باب

میت پر بے نوحہ اور آواز بلند کیے [illegible] روتے میں حرج نہیں۔ مگر واویلا نوحہ کرنا اور میت کی حد سے زیادہ اور ایسی تعریف وستائش کرنا جو محال و ناممکن کے مشابہ ہو، مکروہ اور منع ہے۔ تاہم جائز صفت وثنا اور ذکر محاسن، جب کہ واویلا کی شکل میں نہ ہو، مکروہ نہیں ہے۔ پھر مصائب پر تین دن سے زیادہ اور قبر پر جا کر سوگ منانا بھی مکروہ ہے۔ اور ماتم پرسی دفن سے پہلے اور اس کے بعد تین دن تک جائز ہے۔ تعزیت یعنی ماتم پرسی کا معنیٰ ہے مصیبت زدہ کو صبر و برداشت کی تلقین کرنا۔ عزا یعنی صبر ہے۔ پھر ماتم داری کے لیے دروازے پر بیٹھنا مکروہ ہے۔ مگر بعض مشائخ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ ماتم داری کے لیے تین دن تک بیٹھنا جائز ہے۔ اس سے زیادہ دن مکروہ ہے۔ بعض نے سات دن تک جائز قرار دیا ہے۔ عطائے خراسانی سے جو تابعین میں سے ہیں، منقول ہے کہ انہوں نے کہا جب آدم علیہ السلام فوت ہوئے تو

ساری مخلوق سات روز تک روتی رہی۔ بہت سے متاخرین نے کہا ہے کہ اہل بیت کے گھر جمع ہونا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ وہ اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھیں اور لوگ جمع ہو کر آئیں تعزیت کریں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جوں ہی دفن سے فارغ ہوں اور واپس لوٹیں تو منتشر ہو جائیں۔ صاحب میت کو چاہیے کہ اپنے کام میں مشغول ہو جائے اور باقی لوگ بھی اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائیں۔ اور تعزیت ایک بار سے زیادہ دفعہ نہ کرنی چاہیے۔ بعض مشائخ بخارا نے کہا میت حاضر کی تعزیت تین روز تک ہے اور میت غائب کی صرف ایک دن۔ بعض نے کہا غائب کے لیے تین دن تک تعزیت کے لیے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ گھر میں بیٹھے یا مسجد میں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابو طالب، حضرت زید بن حارثہ اور حضرت عبداللہ رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل کی خبر سن کر مسجد میں بیٹھے اور لوگ تعزیت کے لیے آتے تھے۔ اور جو تکلفات لوگوں نے آج کل اختیار کر رکھے ہیں سب بدعت و شنیع اور نا جائز ہیں۔ اور اگر تعزیت کنندہ یوں کہے کہ تجھے بہت بڑی یا سخت مصیبت لاحق ہوئی ہے۔ بعض نے کہا کہ ایسا کہنا کفر ہے۔ بعض نے کہا کفر تو نہیں مگر گناہ بہت بڑا ہے۔ اور بعض نے اس کے جواز کا فتویٰ بھی دیا ہے۔ اور اگر یوں کہے کہ جتنی زندگی اس کی کم ہوئی اتنی تجھے زیادہ مل جائے تو یہ کلمہ بھی کفر ہے۔ اور اگر اس طرح کہے تیری عمر زیادہ ہو تو یہ بھی خطا اور جہالت ہے۔ یہ سب باتیں کتاب مطالب المومنین میں مذکور ہیں۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

پہلی فصل

١٦٢٨ عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِىْ سَيْفِ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْرَاهِيْمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے ہاں گئے۔ وہ حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی والدہ کے شوہر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو پکڑا اور انہیں چوما اور سونگھا۔ اس کے بعد پھر ہم لوگ آپ کے ساتھ حضرت ابراہیم کے پاس گئے۔ اس وقت وہ اپنی جان، آفرین کے سپرد کر رہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنا شروع ہو گئیں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ آپ بھی؟ (رو رہے ہیں) فرمایا اے

عَوْفٍ وَّ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ.

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

ابن عوف یہ رحمت و محبت کے آنسو ہیں[5]۔ اس کے بعد بھی آپ کے آنسو بہتے رہے[6]۔ اور آپ نے فرمایا آنکھ آنسو بہاتی ہے۔ دل غم میں ڈوبا ہوا ہے مگر ہم زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب تعالیٰ کو پسند ہے اور اے ابراہیم بے شک ہم تیری جدائی اور فراق پر غمناک ہیں[7]

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی حضرت ابو سیف حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی دایہ کے شوہر تھے۔ ان کا نام براء بن اوس تھا اور ان کی زوجہ کا نام خولہ بنت المنذر تھا۔ حدیث میں جو لفظ ظئر آیا ہے۔ لغت میں اس کا معنیٰ ہے دوسرے کے بچے پر مہربانی اور شفقت کرنے والا۔

[2] یعنی ان کی جان نکلنے کے قریب تھی۔ حضرت ابراہیم اس وقت دو سال کے تھے۔ بعض نے کہا اس وقت آپ سولہ ماہ اور آٹھ دن کے تھے۔ اور ایک روایت کے مطابق ایک سال دو ماہ اور چھ دن کے تھے۔ الغرض آپ شیر خوارگی کی عمر میں رحلت کر گئے۔

[3] حدیث میں لفظ تذرفان آیا ہے۔ یہ لفظ ذرف (ذال نقطہ والا، را اور فا) بمعنیٰ آنکھ سے آنسوؤں کا جاری ہونا۔

[4] یعنی اس معرفت اور جلالت شان کے باوجود آپ رو رہے ہیں اور اشک بہا رہے ہیں۔

[5] یعنی یہ جان دینے والے پر رحمت و رقت کے آنسو ہیں۔ اس کے حال کے مشاہدے کی بنا پر کہ وہ اس کمزور جسم کے ساتھ اس شدت تکلیف میں مبتلا ہے۔ یہ آنسو بے صبری اور جزع فزع کے طور پر نہیں ہیں۔ جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے۔

[6] حدیث کے ان عربی الفاظ کا دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ آپ نے اس کلمہ کے بعد اور کلمات بھی ارشاد فرمائے۔

[7] اس باب میں تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال کمال بشری ہے جو تمام لطائف اور قویٰ ظاہری و باطنی کو شامل ہے۔ جیسا کہ بشر کے حال کے لائق و مناسب ہے کہ وہ روح، نفس اور طبیعت کی جملہ صفات کا جامع ہوتا ہے بخلاف ملائکہ کے حال کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک تھا کہ آپ ہر چیز کو اس کا حق عطا کرتے تھے اور آپ سے تمام حواس و قویٰ کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ لہٰذا جو کچھ آپ کے مقدور میں ہوتا وہ آپ سے قدرت و اختیار سے صادر ہوتا تھا۔ اور جو کچھ غیر مقدور ہوتا وہ بتقاضائے طبیعت اور غیر اختیاری طور پر ظاہر و صادر ہوتا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نقص

لازم آتا۔ اور یہ سب کچھ حق و حکمت کے عین موافق ہے۔ اور یہ آپ کے حواس و قویٰ کے سالم اور درست ہونے کی دلیل و علامت ہے۔ خلاصہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر مرتبہ بتمام و کمال حاصل تھا۔ اور یہ بوقت نزع آپ کو تکلیف پہنچنے کی وجوہات میں سے ایک وجہ ہے۔ محققین صوفیہ فرماتے ہیں کہ ارباب تمکین و ولایت کے لیے ان کی طبیعت، نفس، روح، قلب اور سِر کے لطائف جدا جدا آپس میں خلط ملط کے بغیر اپنے اپنے عمل اور کام میں مصروف رہتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے آثار و نتائج ان پر مرتب اور صادر ہوتے رہتے ہیں۔ لطیفہ سر تو خدا تعالےٰ و تقدس کی ذات سے متصل رہتا ہے۔ اور روح اس کی محبت میں مستغرق۔ قلب اس کے ذکر میں مشغول، نفس اس کی خدمت میں لگا رہتا ہے اور لطیفہ طبیعت ان حظوظ و لذائذ میں مصروف رہتا ہے جو انسان کے قوام بدن کے لیے درکار ہیں۔ مگر سب کے سب لطائف حق تعالےٰ کے مطیع و منقاد ہوتے ہیں۔ اور ان عوامل میں مصروف رہتے ہیں۔ جن کے لیے انہیں پیدا کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

۱۶۲۹/۲ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍؓ قَالَ أَرْسَلَتِ ابْنَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِ أَنَّ ابْنًا لِي قُبِضَ فَأْتِنَا فَأَرْسَلَ يُقْرِئُ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلٌّ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ فَأَرْسَلَتْ إِلَيْهِ تُقْسِمُ عَلَيْهِ لَيَأْتِيَنَّهَا فَقَامَ وَمَعَهُ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَمُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ وَزَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَرِجَالٌ فَرُفِعَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّبِيُّ وَنَفْسُهُ تَتَقَعْقَعُ فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ فَقَالَ سَعْدٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا هٰذَا فَقَالَ هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی[1] نے آپ کی طرف کسی کو بھیجا کہ میرا ایک بچہ[2] حالت نزع میں[3] ہے اس لیے آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں کسی کو ان کی طرف بھیجا کہ حضور علیہ السلام سلام کہتے اور فرماتے ہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ وہ لیتا ہے اور اسی کا ہے جو وہ عطا کرتا ہے۔ ہر چیز کی اس کے ہاں ایک مدت معین[4] ہے۔ لہٰذا اسے صبر کرنا اور طالب اجر و ثواب بننا چاہیے۔ اس پر آپ کی صاحبزادی نے پھر کسی کو آپ کی طرف بھیجا۔ اور عرض کیا کہ میں قسم دے کر کہتی ہوں کہ آپ ضرور اپنی صاحبزادی کے ہاں تشریف لائیں۔ تو آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت اور کچھ اور لوگ بھی آئے۔ تو وہ بچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اٹھا کر لایا گیا۔ اس وقت اس کی

اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِ عِبَادِهٖ فَاِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَآءَ. (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

جان حرکت کر رہی تھی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے حضرت سعدؓ[5] نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیا[6] ہے۔ آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان پر رحم کرتا ہے جو رحیم اور مہربان ہوتے ہیں۔

(بخاری و مسلم)

* * *

[1] یہ حضرت زینب زوجہ ابو العاص بن الربیع ہیں۔

[2] اور اس کی جان نکلنے کے قریب ہے۔

[3] لہٰذا اس بچے کی زندگی بھی اس مدت معین تک ہے۔

[4] حدیث میں لفظ تتقعقع آیا ہے جو تقعقعہ سے نکلا ہے۔ اس کا معنیٰ وہ آواز ہے جو ہتھیاروں اور کھانے کے وقت دانت زور سے ایک دوسرے پر مارنے سے بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح خشک چیز کو زور سے مارنے سے جو آواز نکلتی ہے۔ جیسا کہ قاموس میں ہے۔ صراح میں ہے۔ تقعقعہ ہتھیاروں کی آواز اور زمین کے اندر گھسنے کی آواز۔

[5] یعنی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے عرض کیا۔

[6] یعنی یہ کیا بات ہے کہ آپ بلند اور قوی حوصلہ ہوتے کے باوجود رو رہے ہیں۔ اور اشک بہا رہے ہیں۔

١٦٣٠/٣ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ اشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَّهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ابْنِ عَوْفٍ وَّسَعْدِ ابْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَّعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ کہ حضرت سعد بن عبادہ ایک بیماری میں مبتلا تھے ان کی بیمار پرسی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت آپ کے ساتھ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ[1] اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم بھی تھے جب حضور ان کے پاس پہنچے تو انہیں سخت حالت میں پایا۔ آپ نے فرمایا[2] ان کی زندگی کے دن پورے

---

[1] اشعۃ اللمعات کے موجودہ نسخہ میں سعد بن ابی وقاص ہی ہے۔ شاید شیخ رحمۃ اللہ نے کسی روایت میں ایسا ہی پایا ہو۔ ورنہ ظاہر یہ ہے کہ سعد سے حضرت سعد بن عبادہ قبیلہ خزرج کے سردار مراد ہیں۔ واللہ اعلم۔

قُضِيَ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْ يَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کر دیے گئے ہیں[۴] صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ ابھی نہیں مرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے جب لوگوں نے آپ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رو پڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہیں[۵] سنتے کہ اللہ تعالیٰ آنکھ سے صرف آنسو بہانے پر عذاب نہیں دیتا اور نہ دل کے غمناک ہونے پر بلکہ اس پر[۶] عذاب دیتا ہے اور اپنی زبان کیطرف اشارہ کیا۔ یا زبان کے فعل پر رحمت کرتا ہے[۷]۔ اور بے شک میت کو اس کے اہل و عیال کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔

(بخاری و مسلم)

---

[۱] حدیث میں لفظ غاشیہ آیا ہے۔ جس کا معنیٰ ہے ایسا حادثہ جس نے انہیں چھپا لیا اور ان کا احاطہ کر لیا ہے یہ شدت مرض اور غم و درد سے کنایہ ہے۔ غاشیہ ایسے کام کو کہتے ہیں جو بہت سخت و دشوار ہو کہ انسان کا گھراؤ کرے یعنی مرض وغیرہ اسی معنیٰ کے اعتبار سے قیامت کو غاشیہ کہا گیا ہے۔ صراح میں ہے غاشیہ بمعنیٰ قیامت، درد اور شکم کی بیماری۔ بعض نے کہا حدیث میں غاشیہ سے مراد وہ جماعت ہے جس نے ان کا احاطہ کر رکھا تھا اور جو ان کے ارد گرد بیٹھی ہوئی تھی۔

[۲] انہیں سخت حالت میں دیکھ کر۔ یا آپ نے استفہام کے طور پر فرمایا۔

[۳] یعنی ان پر موت طاری کر دی گئی اور ان کی زندگی کا کام ختم کر دیا گیا ہے۔ اور حدیث میں واقع لفظ (قضی) بصیغہ معلوم بھی روایت کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ وقضی نحبہ میں۔ یعنی اس نے اپنی مدت حیات پوری کر لی ہے۔

[۴] حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت فاروقی یا صدیقی کے دور میں رحلت فرمائی۔

[۵] یعنی شرعی احکام سنو۔ کہ خدا تعالیٰ الخ

[۶] یعنی اس کے فعل پر عذاب دیتا ہے۔

[۷] یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کی رحمت زبان کے فعل پر مرتب ہوتی ہے۔ اگر زبان سے بین اور نوحہ کیا۔

اور نامناسب الفاظ کہے تو عذاب کا مستحق بنتا ہے۔ اور اگر خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا کرتا ہے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے تو رحمت و ثواب کا مستحق قرار پاتا ہے۔

[5] اس کی تحقیق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں آرہی ہے۔

۱۶۳۱/۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں[1] جس نے رخسار پیٹے گریبان پھاڑے۔ اور دور جاہلیت کے دعویٰ کیے[2]

(بخاری و مسلم)

[1] یعنی ہمارے طریقہ پر چلنے والے لوگوں میں سے نہیں۔

[2] جیسے نوحہ گری اور واویلا وغیرہ۔

۱۶۳۲/۵ وَعَنْ اَبِىْ بُرْدَةَ قَالَ اُغْمِيَ عَلٰى اَبِىْ مُوْسٰى فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ اُمُّ عَبْدِ اللّٰهِ تَصِيْحُ بِرَنَّةٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِىْ وَ كَانَ يُحَدِّثُهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا بَرِيْءٌ مِّمَّنْ حَلَقَ وَ صَلَقَ وَخَرَقَ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَلَفْظُهٗ لِمُسْلِمٍ)

حضرت ابو بردہ[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضرت ابو موسیٰ (اشعری) پر بے ہوشی[2] طاری ہو گئی تو ان کی بیوی ام عبداللہ[3] آئی جو آواز سے رو رہی[4] تھی۔ پھر وہ ہوش میں آئے اور فرمایا تجھے علم نہیں؟ اور وہ اپنی بیوی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کیا کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا میں اس شخص سے بیزار ہوں جس نے اپنے بال منڈائے[5]۔ اور آواز بلند کی اور گریبان پھاڑا۔

(بخاری و مسلم۔ اور یہ لفظ مسلم کے ہیں)

[1] بُردہ (با کی پیش را ساکن) آپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کے بیٹے ہیں۔ تابعین سے ہیں۔

[2] حدیث میں لفظ اُغمِیَ آیا ہے جو غَمیٰ سے مشتق ہے (غ کی زبر اور الف مقصورہ) بمعنی بے ہوش۔ اِغماء بمعنی بے ہوش کرنا۔ غُمِیَ علیہ و اُغمِیَ علیہ دونوں طرح صیغہ مجہول استعمال ہوتا ہے۔

[3] یعنی ان کی کنیت اُم عبداللہ ہے۔

٤ حدیث میں لفظ رَنَّۃ آیا ہے۔ (را کی زبر نون کی شد) رونے کی وہ آواز جو بلند اور پست کی جائے۔ یعنی جو آواز گلے میں گھمائی جائے۔

٥ یعنی مصیبت کے وقت

۶۲۳ وَعَنْ اَبِیْ مَالِكٍ الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ فِیْ اُمَّتِیْ مِنْ اَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ لَا یَتْرُكُوْنَهُنَّ اَلْفَخْرُ فِی الْاَحْسَابِ وَالطَّعْنُ فِی الْاَنْسَابِ وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُوْمِ وَالنِّیَاحَةُ وَقَالَ النَّائِحَةُ اِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَعَلَیْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّدِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ.

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابومالک اشعری سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں چار باتیں دور جاہلیت کی ہیں۔ جنہیں لوگ نہ چھوڑیں گے اپنے حسب[1] پر فخر۔ دوسروں کے نسب پر اعتراض[2] ذکرنا یعنی۔ ستاروں سے بارش طلب کرنا[3] اور ماتم میں نوحہ کرنا۔ اور آپ نے فرمایا نوحہ کرنے والی جب موت سے پہلے توبہ نہ کر سکے[4] تو اسے اس حال میں کھڑا کیا جائے گا کہ اس پر[5] تارکول کا لباس اور جرب[6] کی قمیص ہوگی۔

(مسلم)

١ یعنی حسب پر ناز کرنا اور نفس کا اس کی مدح و ثنا کرنا حسب ان صفات خصائل اور شرف و مجد سے عبارت ہے جو کسی انسان اور اس کے باپ داداؤں میں پائے جاتے ہوں اور انسان انہیں گن گن کر بیان کرے۔

٢ دوسری چیز لوگوں کے نسب میں طعن کرنا اور اس میں عیب نکالنا ہے۔ اپنے نسب پر فخر اور اس کی مدح کرنا ان دونوں باتوں کا خلاصہ دراصل اپنے نفس کی تعظیم اور دوسروں کی تحقیر ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں مذموم ہیں۔ ہاں اسلام پر فخر اور کفر کی تحقیر و مذمت درست اور ٹھیک ہے۔

٣ یعنی ستاروں کے اپنی منزلوں میں داخل ہونے پر بارش کا آنا سمجھے جیسا کہ کہتے ہیں جب فلاں ستارہ اپنی منزل میں پہنچے گا تو بارش ہوگی جیسا کہ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ مُطِرْنَا بنوء کذا یعنی فلاں ستارے کے اپنی منزل پر پہنچنے سے ہمارے علاقہ میں بارش ہوئی ہے۔ اس جملے میں دراصل قواعد نجوم اور اس کے احکام پر عقیدہ رکھنے سے ممانعت اور ڈانٹ ہے۔

٤ یعنی اس دنیا سے توبہ کر کے نہ جائے۔ تو میدان محشر میں کھڑی کی جائے گی۔

٥ حدیث میں لفظ قطِران آیا ہے۔ (قاف کی زبر طا کی زیر اور سکون کے ساتھ بھی آیا ہے) یہ ایک روغن ہے

جو ایک مشہور درخت سے نکالا جاتا ہے۔ پھر چراغ میں ڈال کر اسے جلاتے اور خارش زدہ اونٹوں کو اس سے طلا کرتے ہیں اس روغن کی یہ خصوصیت ہے کہ اس سے آگ بہت بھڑکتی ہے۔ اور یہ بہت جلد چیز کو جلاتا ہے۔

[٦] جَرَب جیم و را کی زبر۔ یہ ایک مشہور مرض ہے۔ جسے خارش کہتے ہیں اور حدیث میں واقع لفظ "دِرْعٌ" کا معنی ہے عورت کا کرتا۔ سربال بمعنی کرتا عورت کا ہو خواہ مرد کا یعنی اس کے جسم پر خارش مسلط کی جائے گی۔ پھر اس کے جسم پر قطران (رال) سے طلا کیا جائے گا۔ تاکہ درد و سوزش زیادہ ہو۔ بعض علما نے عمل نوحہ گری اور جرب (خارش) کی صورت میں اس کی جزا میں یہ مناسبت بیان کی ہے کہ جب کہ نوحہ گر عورت اپنے چہرے کو خلاشتی اور اپنے کپڑے پھاڑتی تھی تو اسے تکلیف میں مبتلا کیا جائے گا جسے وہ برداشت نہ کر سکے گی۔ یعنی اپنے آپ کو ہر وقت خراشتے رہنا اور کپڑے پھاڑتے رہنا۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے رقت انگیز کلمات کے ساتھ مصیبت زدہ لوگوں کے دلوں کو خلاشتی اور ان کے باطن کو زخمی کرتی تھی لہٰذا اس کے مناسب سزا میں اسے ڈالا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

١٦٢٤ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَاَةٍ تَبْكِيْ عِنْدَ قَبْرٍ فَقَالَ اتَّقِي اللّٰهَ وَاصْبِرِيْ قَالَتْ اِلَيْكَ عَنِّيْ فَاِنَّكَ لَمْ تُصَبْ بِمُصِيْبَتِيْ وَلَمْ تَعْرِفْهُ فَقِيْلَ لَهَا اِنَّهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَتَتْ بَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ تَجِدْ عِنْدَهٗ بَوَّابِيْنَ فَقَالَتْ لَمْ اَعْرِفْكَ فَقَالَ اِنَّمَا الصَّبْرُ عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْاُوْلٰى۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک عورت کے پاس سے گزرے جو ایک قبر کے پاس رو رہی تھی آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو اور صبر کر[١] اس نے عرض کیا آپ مجھ سے دور رہیں کہ آپ میرے جیسی مصیبت سے دوچار نہیں ہیں۔ دراصل وہ آپ کو پہچان نہ سکی۔ اس عورت سے کہا گیا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ جان کر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر آئی اور آپ کے در اقدس پر کوئی دربان کھڑا نہ پایا[٢]۔ عرض کی میں[٣] آپ کو پہچان نہ سکی۔ آپ نے فرمایا صبر تو وہ ہے جو صدمہ پہنچتے ہی کیا جائے[٤]۔

(بخاری و مسلم)

---

[١] یعنی جس بات سے خدا تعالیٰ نے منع کیا ہے اس سے صبر کر اور خدا تعالیٰ سے ڈر۔

[٢] جس طرح بادشاہوں اور امراء کے دروازوں پر ہوتے ہیں۔ اس نے آپ کے در اقدس سے اندر آنے میں کوئی رکاوٹ نہ پائی۔ اس عورت کو گویا خوف و ہیبت لاحق تھی۔ اس کا گمان تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی بادشاہوں

اور سلاطین کی طرح ہوں گے۔ اور اسے آپ کے پاس پہنچنے کی مجال و گنجائش اور اجازت نہ ہوگی تاکہ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر کر سکے۔

۳؎ یعنی اس عورت نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا "میں شناخت نہ کر سکی کہ آپ پیغمبر خدا ہیں تاکہ میں آپ کا حکم بجالاتی اور بے ادبی کی مرتکب نہ ہوتی"

۴؎ یعنی صبر و برداشت معتبر اور پسندیدہ نہیں مگر صدمہ پہنچنے کے ابتدا میں ہی۔ مصیبت کی حالت میں کچھ وقت گزرنے کے بعد تو مجبوراً صبر کرنا ہی پڑتا ہے۔ صدم کا معنیٰ ہے کسی سخت چیز کو دوسری سخت چیز پر زور سے مارنا جیسا کہ یہاں مصیبت کو جو سخت چیز ہے دل پر ڈالنا کہ دل بھی شدائد و تکالیف کے سہنے کے اعتبار سے ایک سخت شے ہے۔ مصیبت اپنی شدت کے ساتھ دل سے آکر ٹکراتی ہے اور اسے پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔ صدم کا معنیٰ کسی چیز کے پہنچنے کا بھی آتا ہے جیسے کسی بلا و مصیبت کا پہنچنا۔ یہ دوسرا معنیٰ زیادہ ظاہر ہے مگر پہلے معنیٰ میں بلاغت زیادہ ہے۔

۱۶۳۵ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَمُوْتُ لِمُسْلِمٍ ثَلٰثَةٌ مِنَ الْوَلَدِ فَيَلِجَ النَّارَ اِلَّا تَحِلَّةَ الْقَسَمِ۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کے تین بچے فوت نہیں ہوتے۔ پھر وہ دوزخ میں بھی جائے۔[1] مگر قسم پوری کرنے کے لیے۔[2]
(بخاری و مسلم)

۱؎ یعنی جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔

۲؎ یعنی دوزخ میں صرف قسم حلال اور پوری کرنے کے لیے جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بندوں کے دوزخ میں جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا تم میں سے کوئی نہیں مگر وہ دوزخ میں داخل ہو کر رہے گا۔ یعنی اگرچہ صرف ایک آن کے لیے ہو۔ جیسے چمکنے والی بجلی اور چلنے والی ہوا۔ عرب کہتے ہیں میں نے یہ کام صرف قسم پوری کرنے کے لیے کیا ہے۔ یعنی صرف اتنی دیر کے لیے کیا ہے۔ جس سے میں اپنی قسم کی ذمہ داری پوری کر سکوں۔ اس کے لیے ادنیٰ فعل یعنی صرف ایک بار کر لینا کفایت کرتا ہے۔ پس جس مسلمان کے تین بچے فوت ہو گئے وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا مگر اتنی دیر کے لیے کہ قسم پوری ہو جائے۔

۱۶۳۶ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنِسْوَةٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ لَا يَمُوْتُ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی چند عورتوں کو فرمایا تم میں سے کسی کے تین بچے

لِإِحْدٰىكُنَّ ثَلٰثَةٌ مِّنَ الْوَلَدِ فَتَحْتَسِبُهٗ إِلَّا دَخَلَتِ الْجَنَّةَ فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِّنْهُنَّ أَوِ اثْنَانِ يَا رَسُوْلَ اللهِ قَالَ أَوِ اثْنَانِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهُمَا ثَلٰثَةٌ لَّمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ۔

فوت نہ ہوں گے۔ پھر وہ اس پر اجر و ثواب کے لیے صبر بھی کرے۔ مگر وہ عورت جنت میں داخل ہو گی۔ (یہ بات سن کر) ان میں سے ایک عورت نے عرض کیا یا دو مرگئے[1] ہوں یا رسول اللہ۔ فرمایا یا دو ہی مرے ہوں[2]

(مسلم شریف)

اور بخاری و مسلم دونوں کی ایک روایت میں ہے تین بچے جو گناہ[3] کی عمر کو نہ پہنچے ہوں۔

[1] یعنی یا رسول اللہ آپ اس طرح فرمائیں کہ تین بچے مرے ہوں یا دو مرے ہوں۔ اس اجر و جزا کو تین کے ساتھ خاص نہ کریں۔

[2] آپ کا یہ فرمانا اس امر کا احتمال رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درگاہِ صمدیت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے اسی وقت یہ وحی ہوئی ہو۔ یا اس دوسری عورت کے عرض کرنے پر آپ نے دعا کی ہو اور آپ کی دعا قبول ہو گئی ہو۔

[3] یعنی جو بلوغت کی عمر کو نہ پہنچے ہوں کہ اس عمر کو پہنچ کر کوئی فعل گناہ متصور ہوتا ہے۔ اور اس پر سزا مرتب ہوتی ہے۔ بلکہ وہ صغر سنی میں ہی فوت ہو جائیں۔ یہ دستور ہے کہ عورتیں چھوٹے بچوں پر زیادہ مہر و شفقت کرتی اور ان کی موت کا اسف از حد محسوس کرتی ہیں اور چھوٹے بچے زیادہ تر عورتوں کے تابع اور ان کے ساتھ ہی رہتے ہیں بخلاف بالغ اولاد کے (کہ وہ کام کاج کے لیے ان سے دور بھی چلے جاتے ہیں)

۱۶۳۹/۱۰ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اللهُ مَا لِعَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ عِنْدِيْ جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ إِلَّا الْجَنَّةَ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندۂ مومن کی میرے پاس جزا نہیں جب کہ میں اس کے اہلِ دنیا میں سے اس کے کسی خالص دوست[2] کی روح قبض کر لیتا ہوں پھر وہ اس پر اجر و ثواب کے لیے صبر کرتا ہے۔ مگر جنت

(بخاری)

[1] یعنی حدیث قدسی میں فرمایا۔

[2] خالص دوست وہ ہوتا ہے جس کی دوستی میں تکلف و بناوٹ کا کوئی شائبہ نہ ہو۔ جیسے بچہ وغیرہ جو اہلِ دنیا

یں سے ہو۔ یہ چاہئے کہ اہل آخرت میں سے ہو۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ

دوسری فصل

١٦٤٠/١١ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رضی اللہ عنہ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ النَّائِحَةَ وَ الْمُسْتَمِعَةَ۔

(رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور اسے سننے والی پر لعنت کی ہے۔[1]

(ابوداؤد)

[1] یعنی جو رضا و رغبت سے نوحہ اور بین سنے۔ لفظ مونث اس بنا پر آیا ہے کہ نوحہ گری زیادہ تر عورتوں کا کام ہے یا نوحہ گروں کی جماعت مراد ہے۔ یا نوحہ کرنے والی ذات مراد ہے۔ اس معنیٰ کے مطابق یہ لفظ مردوں کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ مگر معنیٰ اول زیادہ ظاہر ہے۔

١٦٤١/١٢ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَجَبٌ لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَهٗ خَیْرٌ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَشَكَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ مُصِیْبَةٌ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَصَبَرَ فَالْمُؤْمِنُ یُؤْجَرُ فِیْ كُلِّ اَمْرِهٖ حَتّٰی فِی اللُّقْمَةِ یَرْفَعُهَا اِلٰی فِیْ امْرَاَتِهٖ۔

(رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مومن کا کام عجیب ہے اگر اسے خیر[1] پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا اور اس کا شکر بجا لاتا ہے اور اگر اسے مصیبت[2] پہنچتی ہے تو اس کی حمد کرتا اور صبر اختیار کرتا ہے تو مومن کو اس کے ہر کام میں[3] اجر و ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ اس لقمے میں بھی جو وہ اپنی عورت کے منہ کی طرف اٹھاتا ہے۔[4]

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

[1] خیر یعنی نیکی، نعمت مال و منال، تندرستی وغیرہ۔

[2] مصیبت یعنی سختی اور غم و صدمہ وغیرہ کیونکہ مومن اللہ تعالیٰ کی صفات جمال و جلال اور اس کے لطف و قہر کا مشاہدہ کرتا ہے۔ بندے پر مختلف حوادث و مصائب اور حالات وارد کرنے سے خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندہ اسے پہچانے اور جب اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی تو بندے پر اس نعمت کا شکر لازم ہو جاتا ہے۔

[3] یعنی مومن کو ہر کام اور ہر حال میں نعمت ہو یا مصیبت شکر ہو یا صبر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب ملتا ہے؛

٤ یعنی دوستی اور رحمت کے تحت ادائیگی نفقہ کی نیت سے۔ یہ فعل اگرچہ بظاہر شہوت اور حظ نفس کے طور پر ہوتا ہے مگر فی الحقیقت ادائے حق ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بے شک تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ مشائخ شاذلیہ رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ایسے افعال سے مقصود حق کی موافقت ہے۔ نہ کہ نفس کی مخالفت۔ اس حدیث میں تمام حالات میں اجر و ثواب کی تاکید و تائید ہے۔ حقوق ہوں یا عبادات، حظ نفس سے متعلق امور ہوں یا عادات میں سے کیونکہ یہ نیک نیتی پر مبنی ہیں۔ اور مباح امور اگرچہ بظاہر قبیلہ شہوات نفسانی میں سے ہوں جب وہ نیت عبادت پر مشتمل ہوں تو مستحبات کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اور عادات عبادات کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں

١٦٤٢ وَعَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. مَا مِنْ مُؤْمِنٍ اِلَّا وَلَهٗ بَابَانِ بَابٌ يَصْعَدُ مِنْهُ عَمَلُهٗ وَ بَابٌ يَنْزِلُ مِنْهُ رِزْقُهٗ، فَاِذَا مَاتَ بَكَيَا عَلَيْهِ فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَ الْاَرْضُ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہے کوئی مومن مگر اس کے لیے دو دروازے ہیں۔ ایک دروازہ وہ ہے جس سے اس کے عمل اوپر چڑھتے ہیں، دوسرا وہ ہے جس سے اس کا رزق اترتا ہے[2]۔ جب مومن فوت ہو جاتا ہے تو دونوں اس پر روتے ہیں[3] تو یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وہ قول جو فرمایا "تو نہ روے ان پر آسمان[4] اور زمین۔

(ترمذی)

---

[1] کہ اس کے راستے اس کا عمل آسمان میں اس جگہ پہنچتا ہے جہاں لکھا جاتا ہے۔ اور یہ زمین میں لکھنے کے بعد ہوتا ہے۔

[2] یعنی زمین میں جس جگہ لوگوں کے رزق کا مرکز و مستقر ہے وہاں اس کا رزق اترتا ہے۔

[3] حقیقۃً روتے ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ آسمان والے (ملائکہ) و زمین والے اس پر روتے ہیں۔ آیت و حدیث معنیٰ اول میں ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

جس دروازے سے اعمال اوپر جاتے ہیں۔ وہ تو اس لیے روتا ہے کہ وہ نیک اعمال سے مشرف ہوتا تھا۔ رزق والا دروازہ اس لیے روتا ہے کہ رزق بندے کے عمل صالح میں مددگار ہوتا ہے تو دونوں دروازے اس سعادت سے محروم ہونے اور اس نعمت کے فقدان پر روتے ہیں۔

[4] یعنی دروازہ صعود اور دروازہ رزق۔ مومن کے لیے یہ رونا اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مراد ہے۔ جس کی نفی کفار سے کی ہے اور فرمایا ہے فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ تو ان پر آسمان و زمین نہ روئے۔

تو یہ نفی کفار سے متعلق ہے۔ اس کے مقابل [illegible] مسلمانوں پر آسمان و زمین کا رونا معلوم ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ اعمال اوپر چڑھنے کا دروازہ اور رزق کا دروازہ دونوں آسمان میں ہیں تو پھر زمین کا رونا کس بنا پر ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آسمان سے رزق آتا ہے۔ تو زمین پر رزق اترنے کی جگہ رہتی ہے۔ جیسا کہ ترجمہ میں ہم نے اس جانب اشارہ کیا ہے

۱۶۴۳/۱۲ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطَانِ مِنْ اُمَّتِيْ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِكَ قَالَ وَمَنْ كَانَ لَهٗ فَرَطٌ يَامُوَفَّقَةُ فَقَالَتْ فَمَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ فَرَطٌ مِّنْ اُمَّتِكَ؟ قَالَ فَاَنَا فَرَطُ اُمَّتِيْ لَنْ يُّصَابُوْا بِمِثْلِيْ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے لیے میری امت میں سے دو پیش رو ہوں گے اللہ تعالیٰ ان دونوں کے سبب[1] اسے جنت میں داخل کرے گا۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا آپ کی امت میں جس کیلیے ایک ہی پیش رو[2] ہو۔ (کیا وہ بھی جنت میں داخل ہوگا) آپ نے فرمایا۔ اے توفیق یافتہ خاتون جس کے لیے ایک ہی فَرَط (پیش رو) ہوگا[3] (وہ بھی جنت میں داخل ہوگا) اس پر حضرت عائشہ نے عرض کیا جس کے لیے کوئی فَرَط (پیش رو) نہ ہوگا (اس کا کیا بنے گا؟) آپ نے فرمایا تو میں اپنی امت کا فَرَط (پیش رو) ہوں[4] گا۔ اور میری موت جیسی کوئی مصیبت میری امت پر پیش نہ آئے گی[5] (ترمذی)

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] یعنی وہ ان کی موت کی مصیبت اور ان کی شفاعت سے بہشت میں جائے گا۔ حدیث میں واقع لفظ فَرَط (فا اور را کی زبر) کا معنیٰ ہے لشکر و جماعت میں سے پانی کی طرف آگے جانے والا۔ جو منزل پر پہلے پہنچ کر حوض اور ڈول وغیرہ درست کرے تاکہ پانی اور جائے نزول اور جس جس چیز کی وہاں ضرورت و حاجت ہو اسے تیار کرے۔ یہاں حدیث میں فرط سے مراد بچہ ہے جو مر جاتا ہے۔ گویا وہ بچہ ماں باپ سے آخرت کی جانب پہلے جاتا ہے تاکہ ان کے لیے بہشت میں جگہ بنائے۔

[2] یعنی جس کا ایک ہی بچہ مرا ہو اس کا کیا حال ہوگا کیونکہ آپ نے تو یہ بشارت دو بچوں کی موت پر دی ہے۔

[3] ہم نے پہلے دو کا ذکر اس لیے کیا کہ پہلے یہ حکم دو سے ہی متعلق تھا۔ پھر ہم نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی تو اس کی وسیع رحمت کے تحت ایک پر بھی یہ بشارت مل گئی۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ کے لیے لفظ یا موفقہ فرمایا یعنی اسے وہ خاتون جسے نیکیوں، شرائع اور احکام سیکھنے اور ان کے بارے میں سوال کرنے کی توفیق عطا

کی گئی ہے۔ یہ حضرت عائشہ کو ندا ہے۔ اور یہ لقب عطا کر کے آپ نے ان کی بزرگی ظاہر فرمائی۔ کہ یہ لقب فضائل و کمالات کا جامع ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں یہ رسائی حاصل تھی کہ آپ علم و شریعت کے احکام کے بارے میں سوالات کرتی رہتی تھیں۔ یہ درجہ دوسری ازواج مطہرات کو حاصل نہ تھا اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صفت و شوق پر حضرت عائشہ کی مدح فرمائی اور دین سیکھنے کی انہیں ترغیب دی تو حضرت عائشہ نے (بعض لوگوں کے) اس نعمت سے سرفراز ہونے پر اظہار حسرت و افسوس کے طور پر مزید اگلا سوال کر دیا۔ (کہ جس کا کوئی بچہ فوت نہ ہوا ہو)

[5] کہ اُس جہاں میں میں ان کا کارساز بنوں گا۔ اور یہ جزا و ثواب انہیں بچے کی موت پر حاصل ہوگا لیکن اس طرح درد و مصیبت اور صدمہ سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور میری امت کے لیے میری موت جیسی کوئی مصیبت و صدمہ نہیں کیونکہ میں ان کے نزدیک ان کے ماں باپ، اولاد اور ہر چیز جس سے وہ تعلق رکھتی ہے سب سے محبوب تر ہوں۔

۱۶۴۴/۱۵ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لِمَلٰئِکَتِہٖ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَۃَ فُؤَادِہٖ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِیْ فَیَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَیَقُوْلُ اللّٰہُ ابْنُوْا لِعَبْدِیْ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَسَمُّوْہُ بَیْتَ الْحَمْدِ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ)

حضرت ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی بندے کا بچہ مر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے تم نے میرے بندے کی روح قبض کی ہے وہ عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم نے اس کے دل کا پھل توڑ لیا۔ وہ عرض کرتے ہیں ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے کیا کہا۔ فرشتے کہتے ہیں اس نے تیری حمد کی اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بناؤ[1] اور اس کا نام بیت الحمد رکھو[2]

(احمد، ترمذی)

[1] کیونکہ وہ اس جہاں میں درد و مصیبت اور محنت و غم میں رہا ہے۔ اب اُسے جنت میں نعمتوں، حور و غلمان سے شاد اور مسرور ہونا چاہیے۔ اور جب کہ اس کا بچہ مر جانے کے باعث اس کے سکون و خوشی کا خانہ ویران ہو چکا ہے تو اس کے لیے بہشت میں اس سے بہتر گھر بناؤ۔ درحقیقت یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی صفت جلال و جمال کا ظہور ہے کہ وہ

زندگی عطا کرتا ہے پھر مارتا ہے اور رلاتا ہے اور ہنساتا ہے۔ بیت

گہے بزند تا شود دردناک　　گہے میکند آبش از دیدہ پاک
کبھی مارتا ہے تاکہ بندہ درد والم محسوس کرے　　اور کبھی آنکھوں سے آنسو پاک وصاف کرتا ہے

ے گہ بلفظم مے نوازد گہ بنازم میکشد　　زندہ مے سازد مرا آں شوخ بازم میکشد

کبھی تو وہ اپنی گفتگو سے مجھے نوازتا ہے۔ کبھی اپنے ناز سے مجھے قتل کرتا ہے۔ وہ شوخ مجھے زندہ کرتا ہے۔ پھر مجھے قتل کرتا ہے۔

ے۲ کہ یہ اس کی حمد، رضا اور تسلیم کی جزا ہے جو اس نے مصیبت کے وقت کی۔

۱۶۴۵/۱۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى مُصَابًا فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔	حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مصیبت زدہ انسان کی تعزیت[1] کی اسے اس کی مثل اجر ملتا ہے۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)	(ترمذی۔ ابن ماجہ)
وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ لَا نَعْرِفُهٗ مَرْفُوْعًا اِلَّا مِنْ حَدِيْثِ عَلِيِّ بْنِ عَاصِمٍ الرَّاوِيْ وَقَالَ وَرَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ بِهٰذَا الْاِسْنَادِ مَوْقُوْفًا۔	اور ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب ہے ہم اسے مرفوع حدیث سے نہیں جانتے۔ مگر علی بن عاصم راوی[2] کی حدیث سے اور کہا کہ بعض نے اسے محمد بن سوقہ[3] سے اس اسناد کے ساتھ روایت کیا۔

ے۱ یعنی صبر کی تلقین کی اور مصیبت زدہ انسان کو تسلی دی۔

ے۲ کاشف میں ہے کہ ائمہ نقد و جرح نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

ے۳ محمد بن سُوقہ (سین مہملہ کی پیش واو ساکن اور قاف) "اسی اسناد سے" یعنی اس اسناد سے جو حضرت عبداللہ بن مسعود پر موقوف ہے۔ اور محمد بن سُوقہ ثقہ و پسندیدہ راوی ہے۔

۱۶۴۶/۱۴ وَعَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ[1] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰى ثَكْلٰى	حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اس عورت کو تسلی دی جس کا بچہ فوت ہو گیا ہو اسے جنت

كُسِيَ بُرْدًا فِي الْجَنَّةِ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ) وَقَالَ هٰذَا
حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

میں دھاری دار (عمدہ) لباس پہنایا جائے گا۔
اسے ترمذی نے روایت کیا اور کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔

۱؎ حدیث میں لفظ ثکلی آیا ہے (ثا اور کاف ساکن) بمعنیٰ وہ عورت جس کا بچہ مرگیا ہو۔ قاموس میں کہا ثکل (ثا کی پیش بمعنیٰ موت وہلاکت اور دوست یا بچے کا گم ہو جانا۔ مرد کے لیے لفظ ثاکل اور ثکلان آتا ہے۔ عورت کے لیے ثکلی اور ثکلانہ مگر ثکلانہ کا استعمال قلیل ہے اور حدیث میں واقع لفظ بُرد (با کی پیش) بمعنیٰ دھاری دار کپڑا۔ یہ مشہور کپڑا ہے۔

$\frac{1647}{18}$ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ

قَالَ لَمَّا جَآءَ نَعْيُ جَعْفَرٍ
قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ
طَعَامًا فَقَدْ اَتَاهُمْ مَا يُشْغِلُهُمْ۔
(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عبداللہ[۱] بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب حضرت جعفر کی موت کی خبر پہنچی[۲] تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آل جعفر کے لیے کھانا تیار کرو۔ کہ ان کے پاس وہ چیز آئی ہے جس نے انہیں کھانے پینے سے مصروف کر رکھا ہے[۳]۔
(ترمذی۔ ابوداؤد، ابن ماجہ)

۱؎ یعنی عبداللہ بن جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ۔ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔

۲؎ حدیث میں لفظ نعی آیا ہے جو نعی سے مشتق ہے (نون کی زبر عین ساکن) بمعنیٰ موت کی خبر اور نعِیّ (نون کی زبر ن کی زیر اور یا کی شد) بھی روایت ہے بمعنیٰ موت کی خبر دینے والا۔ مگر اول روایت زیادہ ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی خبر شہادت۔ یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ خویشوں، ہمسایوں اور دوستوں کے لیے مستحب ہے کہ اہل میت کے لیے کھانے تیار کریں بعض نے کہا پہلے دن اہل مصیبت کے لیے کھانا بھیجنا مکروہ نہیں کیونکہ وہ اس دن میت کی تجہیز میں مصروف ہوتے ہیں۔ (کھانا پکانے کا وقت نہیں ملتا) مگر دوسرے روز مکروہ ہے اگر اہل میت کے ہاں بین کرنے والی عورتیں جمع نہ ہو چکی ہوں۔ کیونکہ یہ گناہ ومعصیت پر مدد واعانت ہے۔ پھر اس بات میں علماء کا اختلاف ہے کہ غیر اہل مصیبت کے لیے اس طعام میں سے کھانا جائز ہے یا نہیں۔ ابوالقاسم نے کہا اس شخص کے لیے کھانے میں حرج نہیں جو میت کی تجہیز میں مصروف رہا ہو۔ جیسا کہ کتاب مطالب المومنین میں ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

$\frac{1648}{19}$ عَنِ الْمُغِيْرَةِ ابْنِ شُعْبَةَ
قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ نِّيْحَ عَلَيْهِ فَاِنَّهٗ يُعَذَّبُ بِمَا نِيْحَ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

فرماتے سنا ہے کہ جس پر نوحہ کیا گیا اسے قیامت کے روز اس چیز[1] عذاب دیا جائے گا جس سے اس کا نوحہ کیا گیا۔

(بخاری و مسلم)

[1] چیز سے مراد وہ کلمات ہیں جو نوحہ کرنے والی میت کے لیے استعمال کرتی ہے۔ اور زجرا استہزاء اور تمسخر کے طور پر کہے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آ رہا ہے۔ گویا کہ وہ مرنے والا ان صفات کے ساتھ متصف اور ان پر راضی اور خوش ہے۔ لہٰذا وہ زجر اور ڈانٹ کا مستحق قرار پاتا ہے۔

۶/۲۰ وَعَنْ عَمْرَةَ بِنْتِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ عَائِشَةَ وَذُكِرَ لَهَا اَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ الْحَيِّ عَلَيْهِ تَقُوْلُ يَغْفِرُ اللّٰهُ لِاَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَمَا اِنَّهٗ لَمْ يَكْذِبْ وَلٰكِنَّهٗ نَسِيَ اَوْ اَخْطَاَ اِنَّمَا مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى يَهُوْدِيَّةٍ يُّبْكٰى عَلَيْهَا فَقَالَ اِنَّهُمْ لَيَبْكُوْنَ عَلَيْهَا وَاِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهَا۔

(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عمرہ[1] بنت عبد الرحمٰن سے روایت ہے بیشک انہوں نے کہا میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا جب کہ حضرت عائشہ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میت کو زندہ انسان کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے۔ فرماتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ ابو عبد الرحمٰن[2] کی مغفرت کرے۔ آگاہ رہو کہ اس نے جھوٹ نہیں بولا[3] بلکہ وہ بھول گئے[4] یا ان سے خطا ہو گئی۔ اس کے سوا نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مری ہوئی یہودی عورت کے پاس سے گزرے جس پر لوگ رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ لوگ تو اس پر رو رہے ہیں۔ اور اسے قبر میں عذاب دیا جا رہا ہے[5]۔

(بخاری و مسلم)

[1] عمرۃ (عین کی زبر میم ساکن) بنت عبد الرحمٰن بن سعد بن زرارۃ رضی اللہ عنہا صحابیہ ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں پرورش پائی۔ آپ حضرت عائشہ کی بہت سی احادیث کی راوی ہیں۔

[2] یہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے یہ کلمہ وہاں کہتے ہیں کہ کسی سے غلطی سے کوئی بات نکل گئی ہو۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے اور اسے بخشے۔

[3] یعنی حضرت ابن عمر نے دانستہ جھوٹ نہیں بولا۔ اور وہ دانستہ جھوٹ بول بھی کیسے سکتے ہیں۔ جب کہ ان کی

شان اس سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

۴ یعنی انہوں نے جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا اسے بھول گئے اور انہوں نے سننے اور سمجھنے میں خطاء کی ہے اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خطا بیان فرمائی۔

۵ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ خاص ایک یہودی عورت کے لیے فرمایا اور دوسرے کفار اس یہودی عورت کی طرح ہیں خاص اس کے لیے بھی یہ نہیں فرمایا کہ وہ ان کے رونے کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ تو اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ جیسا کہ کفار کے لیے خدا تعالیٰ کا دستور ہے اور لوگ اس پر رو رہے ہیں۔ اور اسے عزیز جانتے اور مرحوم خیال کرتے ہیں حالانکہ وہ خوار اور ملعون ہے۔ یہاں سے حضرت ابن عمر نے سمجھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور کلیہ فرمایا ہے کہ میت کو قبر میں اس کے زندہ لواحقین کے اس پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اس کلام کی مکمل شرح آئندہ حدیث میں آ رہی ہے۔

۲۱/۱۶ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ اَبِیْ مُلَیْکَةَ قَالَ تُوُفِّیَتْ بِنْتٌ لِّعُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ بِمَكَّةَ فَجِئْنَا لِنَشْهَدَهَا وَحَضَرَهَا ابْنُ عُمَرَ وَابْنُ عَبَّاسٍ فَاِنِّیْ لَجَالِسٌ بَیْنَهُمَا فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ لِعَمْرِو بْنِ عُثْمَانَ وَهُوَ مُوَاجِهُهٗ اَلَا تَنْهٰی عَنِ الْبُكَآءِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیُعَذَّبُ بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَیْهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ قَدْ كَانَ عُمَرُ یَقُوْلُ بَعْضَ ذٰلِكَ ثُمَّ حَدَّثَ فَقَالَ صَدَرْتُ مَعَ عُمَرَ مِنْ مَكَّةَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْبَیْدَآءِ فَاِذَا هُوَ بِرَكْبٍ تَحْتَ ظِلِّ سَمُرَةٍ فَقَالَ

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی مکہ معظمہ میں ایک لڑکی فوت ہو گئی ہم لوگ آئے تاکہ اس کے جنازے میں شامل ہوں۔ وہاں ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔ میں ان دونوں کے درمیان بیٹھا[۲] ہوا تھا حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت عمرو بن عثمان سے فرمایا۔ جب کہ وہ ان کے روبرو تھے۔ آپ رونے[۳] سے کیوں نہیں روکتے۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بے شک میت کو اس کے اہل پر رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بعض[۴] ایسی باتیں کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن عباس نے ایک حدیث بیان فرمائی۔ کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ سے واپس[۵] آیا۔ یہاں تک کہ ہم مقام بیداء[۶] میں پہنچ آئے۔ تو اچانک حضرت عمر

اِذْهَبْ فَانْظُرْ مِنْ هٰؤُلَآءِ الرَّكْبُ
فَنَظَرْتُ فَاِذَا هُوَ صُهَيْبٌ قَالَ
فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ ادْعُهٗ فَرَجَعْتُ
اِلٰى صُهَيْبٍ فَقُلْتُ ارْتَحِلْ فَالْحَقْ
اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَلَمَّا اَنْ اُصِيْبَ
عُمَرُ دَخَلَ صُهَيْبٌ يَبْكِيْ يَقُوْلُ
وَا اَخَاهُ وَا صَاحِبَاهُ فَقَالَ عُمَرُ
يَا صُهَيْبُ اَتَبْكِيْ عَلَيَّ وَقَدْ
قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ
بِبَعْضِ بُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ
فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَلَمَّا مَاتَ
عُمَرُ ذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِعَآئِشَةَ
فَقَالَتْ يَرْحَمُ اللّٰهُ عُمَرَ لَا وَاللّٰهِ
مَا حَدَّثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ
بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ وَلٰكِنْ اِنَّ اللّٰهَ
يَزِيْدُ الْكَافِرَ عَذَابًا بِبُكَآءِ اَهْلِهٖ
عَلَيْهِ وَقَالَتْ عَآئِشَةُ حَسْبُكُمُ
الْقُرْاٰنُ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ عِنْدَ
ذٰلِكَ وَاللّٰهُ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى
قَالَ ابْنُ اَبِيْ مُلَيْكَةَ فَمَا قَالَ
ابْنُ عُمَرَ شَيْئًا۔
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

کی ملاقات چند سواروں سے کیکر کے درخت کے نیچے ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جا اور دیکھ یہ سوار کون لوگ ہیں۔ میں نے دیکھا تو وہ صہیب رومی تھے میں نے حضرت عمر کو اس کی خبر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے بلا لا۔ میں حضرت صہیب کے پاس لوٹ کر گیا۔ میں نے کہا چلیئے اور امیر المومنین کی خدمت میں پہنچیے۔ پھر جب حضرت عمر مصیبت زدہ ہو گئے (آپ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا) تو حضرت صہیب اندر آئے۔ یہ کہتے ہوئے "وائے میرے بھائی وائے میرے دوست" حضرت عمر نے فرمایا اے صہیب تو مجھ پر روتا ہے۔ باوجودیکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میت کو اس کے اہل کے کچھ رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو میں نے یہ گفتگو حضرت عائشہ سے ذکر کی حضرت عائشہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عمر پر رحم فرمائے بخدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا کہ میت کو اس کے اہل وعیال کے اس پر رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے اہل کے اس پر رونے سے اسکے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تمہارے لیے قرآن پاک کافی ہے کہ کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ اس آیت کے مضمون پر حضرت ابن عباس نے قرآن کے یہ لفظ پڑھے۔ وَاللّٰهُ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى (اللہ تعالیٰ ہنساتا اور رلاتا ہے) آخر ابن ابی ملیکہ فرماتے ہیں۔ کہ پھر حضرت ابن عمر نے کوئی بات نہ کی۔ (بخاری ومسلم)

ف۱ ملیکہ میم کی پیش لام کی زبر یا ساکن آپ مشہور تابعین سے ہیں۔

ف۲ بعض نسخوں میں یہاں مشکوٰۃ میں وانی واو کے ساتھ ہے۔ صحیح بخاری میں بھی ایسا ہی ہے۔ معنیٰ کے اعتبار سے یہ روایت زیادہ ظاہر ہے۔

ف۳ یعنی عورتوں کو رونے سے کیوں نہیں روکتے۔

ف۴ یعنی جیسی بات ابن عمر کر رہے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بعض ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے۔ بعض کا لفظ اس وجہ سے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ عبارت میں کمی بیشی ہو گئی ہو۔ یا حضرت عمر اس طرح فرماتے ہوں: ببعض بکاء اہلہ۔ جس طرح حضرت ابن عباس آگے چل کر یہی الفاظ کہیں گے۔

ف۵ یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اور یہ اس سال کا واقعہ ہے جس میں حضرت عمر کی شہادت کا حادثہ پیش آنا تھا۔

ف۶ بیداء بروزنِ صحراء (با کی زبر یا ساکن) یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

ف۷ یعنی ایک درخت کے سایہ میں جس کا نام سمرہ تھا (سین کی زبر میم کی پیش)

ف۸ اور ان کے ساتھ کچھ اور سوار بھی تھے۔

ف۹ یعنی جب وہ مدینہ منورہ پہنچ گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ ہو گیا تو حضرت صہیب اس واقعہ کے پیش آنے پر روتے ہوئے حضرت عمر کے پاس آئے۔

ف۱۰ یعنی ان کو رونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا

ف۱۱ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ (ببعض) کا لفظ اس لیے فرمایا ہوگا کہ وہ رونا ممنوع ہے جو ندبہ اور جزع خرع کی صورت میں ہو۔ یا مراد یہ ہے کہ میت پر رونا اسے عذاب میں مبتلا کرنے کا موجب بن سکتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ چاہے تو اسے عذاب میں ڈال دے۔ اسے سمجھو۔

ف۱۲ یعنی حضرت عمر اور صہیب رومی رضی اللہ عنہما کی گفتگو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ ان المیت لیعذب الی آخرہ۔

ف۱۳ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے آپ نے یغفر اللہ فرمایا تھا۔ یہاں مغفرت کا ذکر نہ کیا جو پہلے گناہ صادر ہونے پر مبنی ہوتا ہے بخلاف رحمت کے کہ اس کا مورد و استعمال عام ہے۔

ف۱۴ یعنی اس معنی و مفہوم میں کوئی حدیث وارد نہیں۔ یہ تاویل اس لیے کی گئی ہے کہ حدیث صحیح تو بلاشبہ وارد ہے اختلاف تعیین مراد میں ہے۔ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں۔ کہ مومن و کافر کو اس کے لواحقین کے رونے سے عذاب ہوتا ہے۔ اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ یہ صرف کافر کے لیے ہے۔ اور وہ عذاب میں ہوتا ہے۔ رونے والے

اس پر روئیں یا نہ روئیں۔ رونے کی صورت میں عذاب رونے کے ساتھ مل جائے گا۔ خلاصہ یہ کہ عذاب رونے کے ساتھ ہو سکتا ہے رونے کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ یہ مضمون اگر عملی زبان میں ادا کیا جائے تو بات زیادہ واضح ہو جائے گی اور وہ یہ کہ کلمہ با حضرت ابن عمر کے نزدیک تسبیبیت کے لیے ہے، حضرت عائشہ کے نزدیک بالملابست کے لیے ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ مسلمان کو قبر میں عذاب ہوگا تو محض اس صورت میں کہ گریہ عذاب کے ساتھ ملا ہوا ہوگا۔ گریہ عذاب کا سبب نہ ہوگا۔ اور گریہ کی وجہ سے عذاب نہ ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب و موقف یہ ہے کہ یہ حدیث کافر کے بارے میں ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کا معنیٰ و مطلب یہی ہے جو آپ نے فرمایا ولکن اللہ تعالیٰ یزید الکافر عذابا ببکاء اہلہ علیہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کافر کا عذاب زیادہ کر دیتا ہے جب کہ اس کے اہل و عیال اس پر روتے ہیں۔ مگر یہ عبارت اس پر دلالت کرتی ہے کہ رونے سے کافر کے عذاب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہوگا کہ کافر اس بات پر راضی ہوتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا اہل و عیال مجھ پر روئے اور گریہ کرے۔ بلکہ بعض کفار اپنے اوپر گریہ و نوحہ اور دیگر خلاف شریعت کاموں کی وصیت کر کے مرتے تھے۔ تو گریہ کے سبب عذاب ہونا اس وجہ سے تھا۔ بعض علما گریہ کے سبب عذاب دیے جانے کی یہی وجہ بیان کرتے ہیں، جہاں میت رونے کی وصیت کر گیا ہو۔ اور نوحہ و گریہ پر راضی ہو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم و عادت تھی۔ اس میں غور کرو۔

اس کے بعد حضرت عائشہ اہل و عیال کے گریہ کے سبب عذاب نہ ہونے پر استدلال کرتے ہوئے فرماتی ہیں۔

(تمہارے لیے قرآن کافی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی جان دوسری جان کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ یعنی ایک کا گناہ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا۔ اور جب کہ گریہ اور نوحہ اہل میت کا فعل ہے تو اس کی سزا میت کو نہ ملے گی اس نے کیا گناہ کیا ہے کہ اسے ان کے فعل کی وجہ سے عذاب ہو۔ یہ مضمون و بیان سن کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت قرآنی پڑھی۔ وَاللّٰہُ اَضْحَکَ وَ اَبْکٰی - اللہ ہی رلاتا اور ہنساتا ہے۔ یہ تقریر بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مذہب کی نفی میں ہے کہ میت کو اس کے اہل کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے کہ انسان کا رونا، اس کا غم اور اس کی خوشی سب خدا کی طرف سے ہے۔ جو وہ انسان میں پیدا اور ظاہر کرتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی کے عذاب کا سبب نہیں بن سکتا۔ گریہ اس صورت میں ہے جب کہ ہنسنا اور رونا بے اختیاری ہو اور تکلف و اختیار اور دوسرے اسباب کا اس میں دخل نہ ہو۔ اسے سمجھ لو۔ واللہ اعلم۔

ف۱۵ یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ کی اس تقریر کے بعد کوئی بات نہ کی۔ بلکہ آپ کی بات کو تسلیم و قبول کر لیا اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ مجتہد اپنی دلیل کا پابند ہوتا ہے اور اسے یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے مجتہد کی دلیل کو غلط قرار دے اگرچہ وہ دوسرا مجتہد اس سے بزرگ تر اور زیادہ عالم اور بلند شان کا مالک ہو۔ جیسے حضرت عمر حضرت عائشہ کے سامنے کہ حضرت عمر حضرت عائشہ سے بلند مرتبہ تھے۔ اور جب حق ظاہر ہو جائے تو اسے قبول کرے اور خاموشی

اختیار کرے۔ تاکہ نزاع اور جدال زیادہ نہ ہو جائے۔

١٦ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا
جَاءَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
قَتْلُ ابْنِ حَارِثَةَ وَ جَعْفَرٍ
وَ ابْنِ رَوَاحَةَ جَلَسَ يُعْرَفُ
فِيْهِ الْحُزْنُ وَاَنَا اَنْظُرُ مِنْ
صَائِرِ الْبَابِ تَعْنِيْ شَقَّ الْبَابِ
فَاَتَاهُ رَجُلٌ فَقَالَ اِنَّ نِسَاءَ
جَعْفَرٍ وَ ذَكَرَ بُكَاءَهُنَّ فَاَمَرَهُ
اَنْ يَنْهَاهُنَّ فَذَهَبَ ثُمَّ اَتَاهُ
الثَّانِيَةَ لَمْ يُطِعْنَهُ فَقَالَ
انْهَهُنَّ فَاَتَاهُ الثَّالِثَةَ قَالَ وَاللّٰهِ
غَلَبْنَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَزَعَمَتْ
اَنَّهُ قَالَ فَاحْثُ فِيْ اَفْوَاهِهِنَّ
التُّرَابَ فَقُلْتُ اَرْغَمَ اللّٰهُ
اَنْفَكَ لَمْ تَفْعَلْ مَا اَمَرَكَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ وَلَمْ تَتْرُكْ رَسُوْلَ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْعَنَاءِ.
(مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن حارثہ، جعفر اور ابن رواحہ رضی اللہ عنہم کے قتل کی اطلاع پہنچی تو آپ بیٹھ گئے[1] اس وقت آپ میں غم کا نشان نمایاں تھا اور میں دروازے کے شگاف[2] سے دیکھ رہی تھی۔ اس دوران ایک آدمی آپ کے پاس آیا اور عرض کی کہ جعفر کی عورتیں اور ان کے رونے[4] کا ذکر کیا۔ آپ نے اسے حکم دیا کہ انہیں منع کرے[5] وہ آدمی گیا پھر آپ کے پاس واپس آیا کہ عورتوں نے اس کی بات نہیں مانی[6]۔ آپ نے پھر فرمایا انہیں منع کر۔ وہ مرد تیسری مرتبہ آپ کے پاس آیا اور کہا اللہ کی قسم یا رسول اللہ! وہ عورتیں ہم پر غالب آگئی ہیں۔ حضرت عائشہ کا گمان ہے[7] کہ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد سے فرمایا کہ ان عورتوں کے مونہوں میں مٹی ڈال[8]۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں[9]۔ میں نے اپنے دل میں کہا اللہ تعالیٰ تیری ناک خاک آلودہ کرے[10]۔ تو نے وہ کام کیوں نہ کیا جس کا تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا[11] اور تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج و غم[12] سے نجات نہ دی۔ (بخاری و مسلم)

---

[1] یعنی حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر بن ابو طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر و اطلاع جو غزوہ موتہ میں شہید ہوئے تھے۔ ان حضرات کی شہادت کا واقعہ احادیث و سیرت کی کتابوں میں مذکور و مسطور ہے۔

[2] یعنی مسجد میں ان کی تعزیت کے لیے۔

[3] حدیث میں واقع لفظ صائر کا معنیٰ دروازے کا شگاف ہے۔ جیسا کہ راوی حدیث نے [illegible] یعنی شق الباب

سے تعبیر کی ہے (راوی کہتا ہے کہ صائر سے حضرت عائشہ کی مراد دروازے کا شگاف ہے)

[4] کہ بہت رو رہی ہیں۔

[5] یعنی تاکہ انہیں رونے سے منع کرے۔

[6] اور اس کے کہنے کے باوجود رونے سے باز نہیں آئیں۔

[7] بعض نسخوں میں زَعَمْتُ بلفظ متکلم کی تصحیح کی گئی ہے۔ تو یہ حضرت عائشہ کا قول ہوگا کہ انہوں نے فرمایا میں نے جان لیا۔

[8] یہ انہیں رونے سے روکنے میں مبالغہ اور زور دیکر ممانعت کی گئی ہے۔

[9] میں نے اس مرد سے مخاطب ہوتے ہوئے اپنے دل میں کہا۔

[10] یہ خواری اور اہانت سے کنایہ ہے۔

[11] یعنی عورتوں کو رونے سے باز رکھنا۔

[12] یعنی بار بار منع کرنے کی مشقت سے نجات کیوں نہ دی۔ اور تو نے بار بار آکر یہی کہا ہے کہ وہ عورتیں رونے سے باز نہیں آتیں۔ اس طرح تو نے آپ کو تکلیف و مشقت میں ڈالا ہے۔

۱۶/۲۳ وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ لَمَّا مَاتَ أَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ غَرِيْبٌ وَفِيْ أَرْضِ غُرْبَةٍ لَأُبْكِيَنَّهُ بُكَاءً يُتَحَدَّثُ عَنْهُ فَكُنْتُ قَدْ تَهَيَّأْتُ لِلْبُكَاءِ عَلَيْهِ إِذْ أَقْبَلَتِ امْرَأَةٌ تُرِيْدُ أَنْ تُسْعِدَنِيْ فَاسْتَقْبَلَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَتُرِيْدِيْنَ أَنْ تُدْخِلِي الشَّيْطَانَ بَيْتًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ مِنْهُ مَرَّتَيْنِ وَكَفَفْتُ عَنِ الْبُكَاءِ فَلَمْ أَبْكِ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں۔ جب حضرت ابوسلمہ[1] فوت ہوئے تو میں نے کہا ابوسلمہ غریب اور وطن سے دور زمین میں ہیں[2]۔ میں اس پر ایسا گریہ کروں گی کہ لوگ اس کا چرچا کریں گے۔ میں اس پر رونے کے لیے بالکل تیار تھی کہ اچانک ایک عورت آئی جو میرے ساتھ رونے میں موافقت کرنا چاہتی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کے سامنے تشریف لے آئے۔ اور فرمایا کیا تو یہ چاہتی ہے کہ شیطان کو اس گھر میں داخل کرے جس سے اللہ تعالیٰ اسے دو مرتبہ[3] باہر نکال چکا ہے۔ اور میں رونے سے رک گئی اور ان پر گریہ نہ کیا۔

(مسلم)

[1] حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوسلمہ کے بارے میں یہ لفظ اس لیے کہے کہ حضرت ابوسلمہ نے مکہ سے

حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی جانب اور آپ غریب و اجنبی تھے کہ کسی کے ساتھ گفتگو اور سروکار نہ رکھتے تھے۔

[۲] کہ فلاں عورت اپنے مرد پر بہت روئی ہے اور اس نے رونے کی حد کر دی ہے۔

[۳] ایک بار اسلام لانے کے وقت۔ دوسری بار مکہ سے حبشہ کی جانب ہجرت کے وقت۔ یا ایک بار مکہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کے وقت دوسری بار حبشہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کے وقت۔ یا ایک بار اسلام میں آنے کے وقت اور دوسری بار دنیا سے آخرت کی طرف رحلت کے وقت۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں واقع لفظ مَرَّتَیْن قال کے متعلق ہو۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ یہ کلمات ارشاد فرمائے۔

۱۶/۲۴ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ اُغْمِيَ عَلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ رَوَاحَةَ فَجَعَلَتْ اُخْتُهٗ عَمْرَةُ تَبْكِيْ وَاجَبَلَاهُ وَ كَذَا وَ كَذَا تُعَدِّدُ عَلَيْهِ فَقَالَ حِيْنَ اَفَاقَ مَا قُلْتِ شَيْئًا اِلَّا قِيْلَ لِيْ كَذٰلِكَ زَادَ فِيْ رِوَايَةٍ فَلَمَّا مَاتَ لَمْ تَبْكِ عَلَيْهِ۔

(رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ)

حضرت النعمان[۱] بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ پر غشی[۲] طاری ہوئی تو ان کی بہن عمرہ نے ان پر رونا شروع کر دیا۔ اور یوں کہنا شروع کیا واجبلاہ اے پہاڑ اور اسے ایسے اور ایسے اس کے اوصاف و کمالات[۳] شمار کرتے ہوئے، جب حضرت عبداللہ بن رواحہ ہوش میں آئے تو فرمایا[۴] تو نے کوئی کلمہ زبان سے ادا نہ کیا مگر مجھ سے کہا گیا کیا تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تیرے متعلق کہا گیا ہے[۵]۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ زیادہ کیے پس جب حضرت ابن رواحہ فوت ہوئے تو عمرہ آپ پر نہ روئی[۶] (بخاری شریف)

[۱] آپ صحابی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت آٹھ سال کے تھے۔

[۲] جب کہ آپ بیمار تھے اور قریب الموت ہو چکے تھے۔ اگرچہ آپ بیماری سے فوت نہ ہوئے۔ بلکہ غزوہ موتہ میں شہید ہوئے۔

[۳] جس طرح عورتیں نوحہ اور آہ و بکا کے وقت کرتی ہیں۔

[۴] یعنی حضرت عمرہ سے فرمایا۔

[۵] یعنی مجھ سے بطور تمسخر[۱] و ایذا رسانی کہا گیا۔

[۶] یعنی اس پر نوحہ نہ کیا گیا۔ یہ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ علیہ۔

---

[۱] زیادہ مناسب یہ ہے کہ ملائکہ نے یہ لفظ مذاق و ترحم کے طور پر کہا۔ مترجم غفرلہ

(میت کو اس کے اہل کے اس پر رونے سے عذاب دیا جاتا ہے) کی ایک توجیہ ہے)

۱۶۵۴/۲۵ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مَّیِّتٍ یَّمُوْتُ فَیَقُوْمُ بَاکِیْهِمْ فَیَقُوْلُ وَاجَبَلَاهُ وَ سَیِّدَاهُ وَ نَحْوَ ذٰلِكَ اِلَّا وَکَّلَ اللّٰهُ بِهٖ مَلَکَیْنِ یَلْهَزَانِهٖ وَیَقُوْلَانِ اَهٰکَذَا کُنْتَ۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ فرماتے تھے۔ ایسی کوئی میت نہیں جو مر جائے تو ان کا رونے والا اٹھ کر کہے ہائے میرے پہاڑ ہائے میرے سردار وغیرہ[1] مگر اللہ اس پر دو فرشتے مقرر کرتا ہے جو اسے جھنجھوڑتا[2] کہتے ہیں کیا تو ایسا ہی تھا۔

(ترمذی)

اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔

[1] جو ندبہ اور جزع فزع کے وقت کہے جاتے ہیں۔

[2] حدیث میں لفظ یَلْہَزَانِہٖ ہے۔ جو لہز سے نکلا ہے بمعنی جھنجھوڑنا اور دھکیلنا اور سینے پر مکا مارنا فَتَحَ۔ یَفْتَحُ کے باب سے آتا ہے۔

۱۶۵۵/۲۶ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ مَاتَ مَیِّتٌ مِّنْ اٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاجْتَمَعَ النِّسَآءُ یَبْکِیْنَ عَلَیْهِ فَقَامَ عُمَرُ یَنْهَاهُنَّ وَ یَطْرُدُهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُنَّ یَا عُمَرُ فَاِنَّ الْعَیْنَ دَامِعَةٌ وَ الْقَلْبَ مُصَابٌ وَالْعَهْدَ قَرِیْبٌ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَ النَّسَآئِیُّ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ آل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی میت فوت ہوئی تو عورتیں جمع ہو کر اس پر رونے لگیں حضرت عمر کھڑے ہو کر انہیں منع کرنے اور ڈانٹنے لگے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمر انہیں چھوڑ دو۔ کیونکہ آنکھیں بہتی ہیں دل مصیبت زدہ ہے اور واقعہ غم تازہ[1] ہے

(احمد۔ نسائی)

[1] شاید وہ نوحہ اور واویلا کے بغیر رو رہی تھیں۔ جیسا کہ سیاق حدیث اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلقاً رونے کو مکروہ جانتے تھے۔ اور یہ عورتیں شاید زور زور رو رہی تھیں۔

۱۶۵۶/۲۷ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَكَتِ النِّسَاءُ فَجَعَلَ عُمَرُ يَضْرِبُهُنَّ بِسَوْطِهٖ فَأَخَّرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ فَقَالَ مَهْلًا يَا عُمَرُ ثُمَّ قَالَ إِيَّاكُنَّ وَنَعِيْقَ الشَّيْطَانِ ثُمَّ قَالَ إِنَّهٗ مَهْمَا كَانَ مِنَ الْعَيْنِ وَ مِنَ الْقَلْبِ فَمِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَمَا كَانَ مِنَ الْيَدِ وَ مِنَ اللِّسَانِ فَمِنَ الشَّيْطَانِ۔

(رَوَاهُ أَحْمَدُ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ حضرت زینب[1] بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئیں عورتیں روئیں تو حضرت عمر انہیں اپنے کوڑے سے مارنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے دست مبارک سے ہٹادیا اور فرمایا اے عمر چھوڑ دو پھر فرمایا[2] شیطانی آواز[3] سے بچنا پھر فرمایا جو کچھ آنکھ اور دل سے ہو وہ اللہ کی طرف[4] سے ہے اور رحمت سے ہے۔ اور جو ہاتھ اور زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے[5] ہے۔

(۱احمد

[1] آپ حضرت ابوالعاص بن ربیع اموی کی زوجہ پاک تھیں۔

[2] یعنی عورتوں سے فرمایا۔

[3] یعنی نوحہ اور ندبہ سے۔ حدیث میں واقع لفظ نعیق کا اصل معنی کوے اور گدڑیے کی آواز ہے۔

[4] کہ وہ اس سے ناراض نہیں ہوتا۔

[5] کہ وہ اس طرح انسان کو معصیت اور گناہ میں مبتلا کرتا ہے۔

۱۶۵۷/۲۸ وَعَنِ الْبُخَارِيِّ تَعْلِيْقًا قَالَ لَمَّا مَاتَ الْحَسَنُ ابْنُ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ ضَرَبَتِ امْرَأَتُهُ الْقُبَّةَ عَلٰى قَبْرِهٖ سَنَةً ثُمَّ رُفِعَتْ فَسَمِعَتْ صَائِحًا يَقُوْلُ أَلَا هَلْ وَجَدُوْا مَا فَقَدُوْا فَأَجَابَهٗ

بخاری سے تعلیقاً[1] روایت ہے فرماتے ہیں جب حضرت حسن بن حسن بن علی رضی اللہ عنہم فوت ہوئے تو انکی بیوی نے انکی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا[2] پھر اٹھا لیا تو کسی پکارنے والے کو سنا جو کہتا تھا کیا انہوں نے جو کھویا تھا وہ پالیا۔ دوسرے نے جواب دیا بلکہ مایوس

أَخَرُ بَلْ يَئِسُوْا فَانْقَلَبُوْا۔

ہو کر چل دیے۔

[1] یعنی حسن بن امام حسن اور انہیں حسن مثنیٰ بھی کہتے ہیں۔ اور تعلیق کا معنیٰ مقدمہ میں بیان ہو چکا ہے۔

[2] قبہ یعنی خیمہ۔ وہ اس خیمہ میں ایک سال بیٹھی رہیں۔ اور ہر روز درد ومصیبت اور صدمہ فراق کو تازہ کرتی تھیں۔

[3]۔ شعر

وعوضت اجرًا من فقید فلا تکن
فقیدک لا یاتی و اجرک ذاہب

تجھے گم شدہ چیز (فوت ہو جانے والے انسان) پر اجر وثواب ملے گا۔ اب ایسا نہ ہو کہ گم شدہ چیز تو واپس نہ آئے مگر تیرا اجر وثواب برباد ہو جائے۔ (نوحہ اور بے صبری کی وجہ سے۔

۱۷۵۸ / ۲۹ وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍؓ وَ اَبِيْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَنَازَةٍ فَرَاٰى قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِيْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَاْخُذُوْنَ اَوْ بِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِيْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذٰلِكَ۔

(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

حضرت عمران بن حصین وابی برزہ سے روایت ہے دونوں صحابی فرماتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں باہر نکلے تو آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ انہوں نے اپنی چادریں پھینک ڈالی ہوئی ہیں۔ اور وہ قمیصوں میں چل رہتے[1] ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم لوگ جاہلیت کا عمل وطریقہ اختیار کرتے ہو۔ یا پیشہ جاہلیت کے ساتھ مشابہت پیدا کرتے ہو[2] البتہ بیشک میں نے قصد کر لیا تھا کہ میں تم پر ایسی بد دعا کروں جس سے تمہاری صورتیں انسانی صورتیں نہ رہیں[3] راوی کہتا ہے کہ لوگوں نے اپنی چادریں اوڑھ لیں اور پھر کبھی اس رسم جاہلیت کو دوبارہ نہ کیا۔

(ابن ماجہ)

[1] یہ جاہلیت کی رسم تھی کہ جب جنازے کے ساتھ چلتے تو چادریں نہ پہنتے تھے۔ اور یہ پریشان حالی اور بے سروسامانی کی طرف اشارہ ہوتا تھا۔

[2] یا تم لوگ اپنے آپ کو اہل جاہلیت جیسا بنا رہے ہو۔ کلمہ یا راوی کے شک کی وجہ سے ہے یا تشبیہ کی متعدد انواع بیان کرنے کے لیے۔ حدیث میں واقع لفظ تَشَبَّهُوْنَ تا کی زبر با مشدد کے ساتھ۔ یا تا کی پیش اور با کی زیر سے بھی ایک روایت ہے۔

۳؎ یعنی تمہاری انسانی صورتیں نہ رہیں یعنی تم مسخ ہو جاؤ اور معاذ اللہ خنزیر و بندر بن جاؤ۔ یا معنی یہ ہے کہ جب تم لوگ اپنے گھروں کو لوٹو تو تمہاری یہ صورتیں نہ ہوں یعنی جب کہ تم نے اپنی وضع اور لباس کو حق کے مطابق تبدیل نہ کیا تو تمہاری صورتیں جو ارواح کا لباس ہیں۔ ان میں بھی تبدیلی آ جائے گی۔

١٦٥٩/٣٠ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تُتْبَعَ جَنَازَةٌ مَعَهَا رَانَّةٌ۔ (رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے جنازے کے ساتھ چلنے سے منع فرمایا جس کے ساتھ نوحہ کرنے والی ہو۱؎۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

۱؎ یعنی جنازہ کے ساتھ جانا سنت ہے لیکن یہ سنت ترک کر دی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والی عورت یا جماعت موجود ہو۔ جس طرح دعوت طعام قبول کرنا سنت ہے۔ مگر لہو ولعب اور غیر شرعی حرکات کی موجودگی میں اس سنت کو ترک کر دیا جائے گا۔

١٦٦٠/٣١ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اَنَّ رَجُلًا قَالَ لَهٗ مَاتَ ابْنٌ لِّىْ فَوَجَدْتُّ عَلَيْهِ هَلْ سَمِعْتَ مِنْ خَلِيْلِكَ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ سَلَامُهٗ شَيْئًا يُطَيِّبُ بِاَنْفُسِنَا عَنْ مَوْتَانَا قَالَ نَعَمْ سَمِعْتُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صِغَارُهُمْ دَعَامِيْصُ الْجَنَّةِ يَلْقٰى اَحَدُهُمْ اَبَاهُ فَيَاْخُذُ بِنَاحِيَةِ ثَوْبِهٖ فَلَا يُفَارِقُهٗ حَتّٰى يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاَحْمَدُ وَاللَّفْظُ لَهٗ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک ایک شخص نے کہا میرا ایک بیٹا فوت ہو گیا ہے میں اس پر غم زدہ ہوں کیا تو نے اپنے دوست جانی (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے کوئی ایسی بات سنی ہے جس سے ہمارے مرے ہوئے لوگوں۱؎ کے بارے میں ہمارے دل خوش ہوں حضرت ابوہریرہ نے فرمایا ہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنت میں ہر کام کے اندر دخل دینے والے۲؎ ہوں گے۔ بچے۳؎ والا اپنے بچے سے ملاقات کرے گا تو وہ اس کے کپڑے کا کنارہ پکڑے گا اور اس سے جدا نہ ہو گا یہاں تک کہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (مسلم واحمد) اور لفظ احمد کے ہیں۔

۱؎ یعنی جو جنس اولاد سے ہوں کہ وہ مرنے کے بعد ہمیں نفع دیں گے۔

۲؎ یہاں حدیث میں لفظ دعامیص آیا ہے۔ جمع دعموص (دال کی پیش) دراصل یہ ایک کیڑے کا نام ہے۔ جو

پانی میں غوطہ مارتا اور نکلتا ہے۔ اور یہ اس شخص کے معنیٰ میں بھی آتا ہے جو ہر کام میں دخل دیتا ہے اور بادشاہوں اور امراء کے پاس آنے والے کو بھی کہتے ہیں۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ چھوٹے بچے بہشت میں بے روک ٹوک ادھر ادھر گھومیں پھریں گے اور جہاں چاہیں گے جائیں گے، اور جس کام میں بھی چاہیں گے دخل دیں گے۔ جس طرح دنیا میں بچوں کی عادت ہوتی ہے۔

۳ــــہ یعنی والد اور والدہ کا ذکر یا تو اس بنا پر کیا کہ وہ اصل و متبوع ہے۔ ماں تابع اور فرع ہے۔ یا اس وجہ سے کہ مرد زیادہ صابر ہوتے ہیں۔ نہ کہ عورتیں۔ لہذا صبر کرنے والے کی نجات بچہ پہلے کرائے گا۔) بعض احادیث میں ماں کا ذکر ہے اور بعض میں ماں اور باپ دونوں کا، ظاہرًا یہ اختلاف مقام و وجود کے اعتبار سے ہے۔ یہ ظاہری مفہوم معنیٰ کلام کے زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

١٦٦١/٣٢ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍؓ قَالَ جَآءَتِ امْرَاَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ذَھَبَ الرِّجَالُ بِحَدِیْثِکَ فَاجْعَلْ لَنَا مِنْ نَفْسِکَ یَوْمًا نَاْتِیْکَ فِیْہِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَکَ اللّٰہُ فَقَالَ اجْتَمِعْنَ فِیْ یَوْمِ کَذَا وَ کَذَا فِیْ مَکَانِ کَذَا وَکَذَا فَاجْتَمَعْنَ فَاَتَاھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَہُ اللّٰہُ ثُمَّ قَالَ مَا مِنْکُنَّ امْرَاَۃٌ تُقَدِّمُ بَیْنَ یَدَیْھَا مِنْ وَّلَدِھَا ثَلٰثَۃً اِلَّا کَانَ لَھَا حِجَابًا مِنَ النَّارِ فَقَالَتِ امْرَاَۃٌ مِنْھُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوِ اثْنَیْنِ فَاَعَادَتْھَا مَرَّتَیْنِ ثُمَّ قَالَ وَ اثْنَیْنِ وَ اثْنَیْنِ وَ اثْنَیْنِ۔ (رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کی یا رسول اللہ مرد آپ کی احادیث لے گئے[1]۔ اپنی ذات شریف سے ہمارے لیے بھی کوئی دن مقرر فرمائیں کہ ہم اس میں آپ کی خدمت میں آیا کریں کہ آپ ہمیں بھی اس میں سے سکھائیں جو اللہ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے۔ آپ نے فرمایا فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہو جایا کرو۔ وہ عورتیں اس جگہ جمع ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم سے انہیں بھی سکھایا۔ پھر آپ نے فرمایا تم میں سے کوئی عورت نہیں جو اپنے آگے تین بچے بھیجتی ہے مگر وہ اس کے لیے آتشی دوزخ سے پردہ بن[2] جائیں گے۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ یا دو بچے آگے بھیجے ہوں اس عورت نے یہ کلمہ دو مرتبہ دہرایا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو بھی دو بھی، دو بھی۔

(بخاری شریف)

۱؎ اور آپ کے تمام مواعظ و نصائح انہوں نے سیکھ لیے۔

۲؎ اور انہیں آتش دوزخ میں نہ گرنے دیں گے۔

۱۶۶۲/۳۳ وَعَنْ مُّعَاذِ بْنِ جَبَلٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُّسْلِمَيْنِ يُتَوَفّٰى لَهُمَا ثَلٰثَةٌ اِلَّا اَدْخَلَهُمَا اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِ رَحْمَتِهٖ اِيَّاهُمَا فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوِاثْنَانِ قَالَ اَوِاثْنَانِ قَالُوْا اَوْوَاحِدٌ قَالَ اَوْوَاحِدٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ السِّقْطَ لَيَجُرُّ اُمَّهٗ بِسَرَرِهٖ اِلَى الْجَنَّةِ اِذَا احْتَسَبَتْهُ ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ وَرَوٰى ابْنُ مَاجَةَ مِنْ قَوْلِهٖ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں ہیں دو مسلمان (ماں اور باپ) جن کے تین بچے فوت ہو جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضلِ رحمت سے جنت میں داخل کرے گا (بعض نسخوں میں بفضلہ ورحمتہ ایاھما آیا ہے یعنی دونوں کو اپنے فضل و رحمت سے جنت میں داخل کرے گا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یا دو بچے فرمایا یا دو بچے۔ لوگوں نے عرض کیا یا ایک ہی بچہ، فرمایا یا ایک ہی بچہ پھر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ناتمام بچہ جو شکم سے گر جاتا ہے۔ بیشک وہ اپنی ماں کو اپنے نارو سے جنت کیطرف کھینچے گا۔ جب کہ وہ ثواب کی طلبگار ہو۔۱؎

(احمد، ابن ماجہ نے والذی نفسی بیدہٖ سے روایت کی۔۲؎

۱؎ یعنی جب کہ وہ نہ روئے، اور ثواب پر نگاہ رکھے۔ حدیث میں واقع لفظ سَرَر (سین و را کی زبر) وہ آنت (نارہ) جو ناف سے کاٹا جاتا ہے۔ یہ اس تعلق کی طرف اشارہ ہے جو اس بچے اور ماں کے درمیان ہوتا ہے۔ گویا وہ نارہ ایک رسی کی طرح ہو جائے گا۔ جو اسے کھینچ کر بہشت میں لے جائے گی۔

۲؎ یعنی اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضور علیہ السلام کے قول والذی نفسی بیدہٖ سے تا آخر روایت کیا۔ اور اول حدیث مَامِنْ مُسْلِمَیْنِ الٰی آخرہٖ روایت نہ کیا۔

۱۶۶۳/۳۴ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَدَّمَ ثَلٰثَةً مِّنَ الْوَلَدِ لَمْ يَبْلُغُوا الْحِنْثَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس (مسلمان) نے تین نابالغ بچے آگے بھیجے وہ اس کے لیے آتش دوزخ سے مضبوط قلعہ ہوں گے

كَانُوْا لَهٗ حِصْنًا حَصِيْنًا مِّنَ النَّارِ فَقَالَ اَبُوْذَرٍّ قَدَّمْتُ اثْنَيْنِ قَالَ وَاثْنَيْنِ قَالَ اُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ اَبُوالْمُنْذِرِ سَيِّدُ الْقُرَّاءِ قَدَّمْتُ وَاحِدًا قَالَ وَ وَاحِدًا۔

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ)

وَ قَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابوذر نے کہا میں نے تو دو ہی بچے آگے بھیجے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اور دو بچے ہی۔ حضرت ابی بن کعب ابوالمنذر[1] سیدالقراء نے عرض کیا میں نے تو ایک ہی بچہ آگے بھیجا ہے فرمایا اور ایک بچہ بھی[2]۔

اسے ترمذی و ابن ماجہ نے روایت کیا۔

اور ترمذی نے کہا۔ یہ حدیث غریب ہے۔

[1] حضرت ابی کی کنیت ابوالمنذر ہے۔ اور ان کی شان میں سیدالقراء واقع ہوا ہے۔ یعنی سب سے بہتر قرآن پڑھنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سیدالانصار فرمایا۔ اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے انکو سیدالمسلمین کا لقب دیا۔

[2] اس کی توجیہ گذشتہ صفحات میں گزرچکی ہے۔ کہ یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ مبارک سے اسی وقت اس بارے میں وحی نازل ہوئی۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور آپ کی دعا قبول ہوئی۔

۱۶۶۴/۳۵ وَعَنْ قُرَّةَ الْمُزَنِيِّ رض اَنَّ رَجُلًا كَانَ يَاْتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهٗ ابْنٌ لَّهٗ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّهٗ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَحَبَّكَ اللّٰهُ كَمَا اُحِبُّهٗ فَفَقَدَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ ابْنُ فُلَانٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَا تُحِبُّ اَنْ لَّا تَاْتِيَ بَابًا مِّنْ اَبْوَابِ

حضرت قرۃ المزنی[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا کرتا تھا اس کے ساتھ اس کا بچہ ہوتا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کیا تجھے اس بچے سے محبت ہے۔ اس شخص نے کہا اللہ تعالیٰ آپ سے بھی ایسی محبت کرے جیسی مجھے اس بچے سے[2] ہے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کو گم پایا۔ اور نہ دیکھا۔ تو فرمایا فلاں کے بچے کو کیا ہوا[3]۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو مر گیا ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تجھے[4] یہ بات پسند نہیں کہ تو جنت کے کسی دروازے پر نہ پہنچے مگر اسے تیری انتظار میں پائے[5]۔ ایک شخص نے

الجَنَّۃِ اِلَّا وَجَدْتَہٗ یَنْتَظِرُكَ فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَہٗ خَاصَّۃً اَمْ لِکُلِّنَا قَالَ بَلْ لِکُلِّکُمْ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ)

نے عرض کی یا رسول اللہ یہ بشارت خاص اسی شخص کے لیے ہے۔ یا ہم سب کے لیے فرمایا بلکہ تم سب کے لیے۔

(اسے احمد نے روایت کیا)

[1] قُرَّۃُ (قاف کی پیش را شدد) المزنی (میم کی پیش زا کی زبر اور نون) آپ صحابہ کرام میں سے ہیں۔

[2] یعنی مجھے اس سے سخت محبت ہے۔

[3] اور وہ کہاں چلا گیا ہے اور اس کا کیا حال ہے۔

[4] گویا وہ مرد بھی اس مجلس میں حاضر و موجود تھا۔ اسی لیے اس کی طرف رخ کر کے فرمایا لیکن اس کے شدید غم مصیبت میں ہونے کی وجہ سے اسے مخاطب نہ فرمایا اور اس سے دریافت نہ کیا مگر بشارت دینے میں اسے مخاطب فرمایا۔

[5] اور تجھے اپنے ساتھ بہشت میں لے کر جائے۔

۱۶۶۵/۳۶ وَعَنْ عَلِیٍّ رضؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ السِّقْطَ لَیُرَاغِمُ رَبَّہٗ اِذَا دَخَلَ اَبَوَیْہِ النَّارَ فَیُقَالُ اَیُّھَا السِّقْطُ الْمُرَاغِمُ رَبَّہٗ اَدْخِلْ اَبَوَیْكَ الْجَنَّۃَ فَیَجُرُّھُمَا بِسَرَرِہٖ حَتّٰی یُدْخِلَھُمَا الْجَنَّۃَ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک کچا بچہ (شکم مادر سے نامکمل گر جانے والا) اپنے رب سے جھگڑے گا۔[1] جب کہ اس کے والدین کو اللہ تعالیٰ دوزخ میں داخل کرے گا تو اس بچے سے کہا جائے گا اے اپنے رب سے جھگڑنے والے بچے اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جا اس پر وہ اپنے نارو سے دونوں کو کھینچ کرلے جائے گا۔ اور جنت میں داخل کرے گا۔ (ابن ماجہ)

[1] حدیث میں مراغم آیا ہے جو مراغمت سے نکلا ہے۔ اس کا اصل معنیٰ ہے کسی کو غصہ میں لانا یہاں جھگڑنا اور مجادلہ کرنا مراد ہے۔

۱۶۶۶/۳۷ وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رضؓ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰی ابْنَ اٰدَمَ اِنْ صَبَرْتَ وَاحْتَسَبْتَ

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے آدم کے بیٹے اگر پہلے صدمہ کے ساتھ تو نے صبر کیا اور ثواب کا

عِنْدَ الصَّدْمَةِ الْأُوْلٰى لَمْ أَرْضَ لَكَ ثَوَابًا دُوْنَ الْجَنَّةِ.
(رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ)

طلب گار بنا تو میں تجھے جنت سے کم کوئی ثواب دینے پر راضی نہ ہوں گا۔[۱] (ابن ماجہ)

[۱] یعنی میں تجھے ضرور جنت میں داخل کروں گا۔

١٦٦٧/٣٨ وَعَنِ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رض عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ وَلَا مُسْلِمَةٍ يُصَابُ بِمُصِيْبَةٍ فَيَذْكُرُهَا وَإِنْ طَالَ عَهْدُهَا فَيُحْدِثُ لِذٰلِكَ اسْتِرْجَاعًا إِلَّا جَدَّدَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عِنْدَ ذٰلِكَ فَأَعْطَاهُ مِثْلَ أَجْرِهَا يَوْمَ أُصِيْبَ بِهَا.
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا نہیں کوئی مسلمان مرد و عورت جو مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے۔ پھر اس مصیبت کو یاد رکھتا ہے اگرچہ کتنا ہی زمانہ دراز گزر جائے اور ہر دفعہ اس مصیبت پر انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھتا ہے مگر اللہ تعالیٰ و تبارک ہر بار اسے نیا ثواب دیتا ہے اور اسے اس کی مثل اجر عطا کرتا ہے جتنا مصیبت پہنچنے کے دن اسے ثواب عطا کیا تھا۔ (احمد اور بیہقی شعب الایمان میں)

١٦٦٨/٣٩ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا انْقَطَعَ شِسْعُ أَحَدِكُمْ فَلْيَسْتَرْجِعْ فَإِنَّهُ مِنَ الْمَصَائِبِ.

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ[۱] ٹوٹ جائے تو انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھے کہ تسمہ کا ٹوٹ جانا بھی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت ہے۔

[۱] حدیث میں شِسْعُ آیا ہے۔ شین کی زیر اور سین ساکن جوتے کا تسمہ۔

١٦٦٩/٤٠ وَعَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ رض قَالَتْ سَمِعْتُ أَبَا الدَّرْدَاءِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ أَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ يٰعِيْسٰى إِنِّيْ بَاعِثٌ مِنْ

حضرت ام الدرداء[۱] رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں نے حضرت ابوالدرداء سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میں نے حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تیرے بعد ایک امت اٹھانے والا ہوں

بَعْدِكَ أُمَّةً إِذَا أَصَابَهُمْ مَا يُحِبُّوْنَ حَمِدُوا اللهَ وَإِنْ أَصَابَهُمْ مَا يَكْرَهُوْنَ احْتَسَبُوْا وَصَبَرُوْا وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ فَقَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا لَهُمْ وَلَا حِلْمَ وَلَا عَقْلَ قَالَ أُعْطِيْهِمْ مِنْ حِلْمِيْ وَعِلْمِيْ۔
(رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْإِيْمَانِ)

جب انہیں وہ چیز ملے گی جسے وہ چاہتے ہوں گے تو اللہ کی حمد کریں گے اور اگر انہیں وہ چیز پہنچے گی جسے وہ نہ چاہتے ہوں گے تو ثواب کے طلبگار بنیں گے اور صبر و تحمل سے کام لیں گے۔ حالانکہ ان میں بردباری اور عقل و تدبیر نہ ہوگی۔ اس پر حضرت عیسٰی نے عرض کیا اے میرے رب یہ مقام انہیں کیسے حاصل ہوگا جبکہ ان میں حلم و عقل نہ ہوگا فرمایا میں انہیں اپنے علم و علم سے عطا کروں گا۔[3] ان دونوں احادیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔

---

[1] آپ حضرت ابوالدرداء کی اہلیہ محترمہ تھیں۔

[2] یہ حدیث کے الفاظ احتسبوا اور صبروا کے مفہوم کی تاکید ہے۔ کیونکہ احتساب کا معنٰی وہ احساس و جذبہ ہے جو اخلاص عمل اور رضاحق تعالٰی کی طلب کا باعث بنے، نہ کہ حلم و عقل اس کا باعث ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ان میں حلم و عقل نہ ہوگا وہ کس طرح صبر و احتساب کریں گے۔ جیساکہ فرمایا اے میرے رب الی آخرہ۔

[3] جیساکہ کہا گیا ہے اور ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ حلم و عقل نہ ہونے کا معنٰی یہ ہے کہ مصیبت و صدمہ کی وجہ سے وہ مدہوش ہو چکے ہوں گے۔ اس کے باوجود وہ صبر کریں گے اور ثواب کے طلب گار بنیں گے۔ اس عبارت کا ایک اور معنٰی بھی خیال میں آیا ہے جو شرح (عربی) میں مذکور ہے۔ وہاں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ

زیارت قبور کا باب

واضح ہو کہ زیارت قبور بالاتفاق مستحب ہے۔ کیونکہ یہ دل کی نرمی، موت کی یاد، ہڈیوں کے بوسیدہ ہو جانے اور فنائے دنیا وغیرہ فوائد کا سبب و ذریعہ ہے۔ زیارت میں عمدہ چیز مُردوں کے لیے استغفار ہے۔ اس بارے میں سنت و حدیث وارد ہو چکی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بقیع شریف میں تشریف لے جاتے اور اہل بقیع کو سلام کہتے اور ان کے لیے استغفار کرتے باقی رہا اہل قبور غیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا غیر انبیاء علیہم السلام سے مدد طلب کرنا تو بہت سے فقہا اس کے منکر ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ زیارت صرف مردوں کے لیے دعا و استغفار اور

تلاوت قرآن کے ذریعے نفع پہنچانے کے لیے ہے۔ مگر مشائخ صوفیہ اور بعض فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اولیاء کرام سے مدد حاصل کرنے کو ثابت اور جائز قرار دیا ہے، اور یہ عقیدہ اہل کشف اور ان کے کاملین کے ہاں محقق اور طے شدہ عقیدہ ہے۔ یہاں تک کہ بہت سے حضرات کو ان کی ارواح سے فیوض و فتوح حاصل ہوئے ہیں۔ اور اس گروہ صوفیہ کی اصطلاح میں انہیں اویسی کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ کاظم کی قبر انور قبولیت دعا کے لیے تریاق مجرب ہے۔ حجۃ الاسلام امام محمد غزالی نے فرمایا جس سے اس کی زندگی میں مدد لینا جائز ہے۔ اس سے بعد وفات بھی مدد طلب کرنا جائز ہے۔ مشائخ عظام میں سے ایک نے فرمایا ہے میں نے چار مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی قبور میں اس طرح تصرف کرتے ہیں جس طرح اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے۔ یا اس سے بھی بڑھ کر حضرت شیخ معروف کرخی حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی اور دو اور بزرگ شمار کیے، اور ان چار میں حصر مقصود نہیں۔ جو کچھ اس بزرگ نے خود دیکھا اور پایا اس کا بیان کر دیا۔

سیدی احمد بن زروق رضی اللہ عنہ کہ اعاظم فقہاء و علماء اور مشائخ دیار مغرب میں سے ہیں (فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے دریافت کیا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد قوی تر ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد قوی تر ہے۔ شیخ نے فرمایا ہاں۔ کیونکہ وفات یافتہ بزرگ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اس کے سامنے ہے۔ اس بارے میں اس گروہ صوفیہ سے اس قدر روایات منقول ہیں کہ حد شمار سے باہر ہیں۔

پھر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس عقیدہ کے منافی اور مخالف ہو۔ اور اس کی تردید کرتی ہو۔ بلکہ آیات و احادیث سے تحقیقی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روح باقی ہے اور اسے زائرین اور ان کے حالات کا علم و شعور ہوتا ہے اور یہ کہ ارواح کاملین کو جناب حق تعالیٰ میں قرب و مرتبہ حاصل ہے جس طرح زندگی میں انہیں حاصل تھا بلکہ اس سے بڑھ کر۔ اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اور انہیں کائنات میں تصرف کی قوت و طاقت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ ان کی ارواح کرتی ہیں۔ اور وہ باقی ہیں۔ اور متصرف حقیقی تو اللہ عز شانہ ہے۔ یہ سب کچھ حقیقۃً اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے۔ یہ حضرات اپنی زندگی میں اور بعد از وصال جلال حق میں فانی و مستغرق ہیں۔ لہٰذا اگر کسی کو دوستان حق کی وساطت سے کوئی چیز اور مرتبہ حاصل ہو جائے تو کوئی بعید نہیں (اور اس کا انکار درست نہیں) جیسا کہ ان کی ظاہری زندگی میں تھا اور حقیقۃً توفیق و تصرف حق جل جلالہ و عم نوالہ کا ہوتا ہے اور ایسی کوئی دلیل و وجہ موجود نہیں جو زندگی اور موت میں فرق کرے۔

حضرت شیخ ابن حجر ہیتمی مکی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حدیث پاک لَعَنَ اللّٰہُ الیہود والنصاریٰ اتَّخَذُوا قُبُورَ انبیاءھم مساجد (اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت کی ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنالیا) کی شرح

میں فرمایا کہ یہ اس صورت میں ہے کہ ان کی تعظیم کی خاطر ان کی قبور کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے کہ ایسا کرنا بالاتفاق حرام ہے۔ لیکن کسی پیغمبر یا ولی کے پڑوس میں مسجد بنانا اور اس کی تعظیم کے ارادہ اور قبر کی طرف توجہ کیے بغیر نماز ادا کرنا جائز ہے بلکہ حصول مدد کی نیت سے تاکہ اس کی قبر کی برکت سے عبادت کا ثواب کامل ملے اور اس کی روح پاک کا قرب و پڑوس نصیب ہو تو اس میں کوئی حرج و ممانعت نہیں۔ اس بارے میں مزید کلام اس باب کے آخر میں آرہا ہے۔ اور یہ بحث ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب الجہاد کے شہداء بدر کے بیان میں مکمل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

پھر آداب زیارت قبور میں سے ایک ادب یہ ہے کہ بوقت زیارت منہ قبر کی طرف اس کے بالمقابل ہو اور پشت قبلہ کی جانب اس طرح کھڑا ہو کر صاحب قبر کو سلام عرض کرے۔ مگر ہاتھ سے قبر کو نہ چھوئے اور نہ اسے بوسہ دے اور نہ جھکے اور چہرے پر قبر کی مٹی نہ ملے کہ یہ نصاریٰ کی عادت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک قبر کے پاس قرآن پڑھنا مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ کے نزدیک مکروہ نہیں ہے۔ حضرت صدر الشہید رحمۃ اللہ نے جو مشائخ حنفیہ میں سے ایک ہیں۔ امام محمد کے قول کو لیا ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ شیخ امام محمد بن الفضل رحمۃ اللہ نے کہا کہ مکروہ بلند آواز سے قرآن پڑھنا ہے۔ آہستہ قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ سارا قرآن ختم کرے۔ شیخ محمد بن ابراہیم رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ قبر کے پاس سورۃ تبارک الملک پڑھے بلند آواز سے یا پست آواز سے۔ کہ بلند و آہستہ پڑھنے سے کوئی فرق نہیں۔ یہ مسئلہ ظاہر روایت میں موجود ہے اور اس کے جواز میں اثر وارد ہو چکا ہے حضرت شیخ ابوبکر بن سعد رحمۃ اللہ سے منقول ہے کہ زیارت قبور کے وقت سورۃ اخلاص سات مرتبہ پڑھے اور اس کا ثواب صاحب قبر کو بخشے۔ صحیح تر بات یہی ہے کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کھڑے ہو کر گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھے اس کے بعد بیٹھ جائے۔

جمعہ کے دن زیارت قبور بہت افضل ہے۔ دوسرے دنوں کی نسبت خصوصاً روز جمعہ کے اول وقت میں حرمین شریفین زادہما اللہ تعظیماً و تشریفاً میں یہی متعارف و مروج ہے کہ جمعہ کے روز اول وقت میں جنت المعلیٰ اور بقیع شریف کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ روایات میں آیا ہے کہ دوسرے دنوں اور اوقات کی نسبت جمعہ کے دن میت کو زیادہ علم و ادراک عطا کیا جاتا ہے۔ چنانچہ میت دوسرے دنوں کی نسبت جمعہ کے دن زائر کو زیادہ پہچانتا ہے۔ اور ہمارے دیار ہندوستان میں جو عامۃ الناس میں مشہور ہو چکا ہے کہ جمعہ کے دن زیارت قبور منع ہے۔ اور ممانعت میں جو اثر و روایت نقل کی جاتی ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں اور قبور پر بے ضرورت پاؤں رکھ کر چلنا مکروہ ہے۔ مستحب ہے کہ میت کے اس دنیا سے جانے کے بعد سات دن تک اس کی طرف سے صدقہ و خیرات کیا جائے کہ میت کی طرف سے صدقہ کرنا اسے فائدہ دیتا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اور اس کے جواز میں خصوصاً احادیث صحیحہ وارد ہیں۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ میت کو صرف صدقہ اور دعا کا ثواب پہنچتا ہے۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ میت

کی روح شب جمعہ کو اپنے گھر آتی ہے[۱] اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی صدقہ کرتا ہے یا نہیں، واللہ اعلم۔

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

۱۶۷/۱ عَنْ بُرَیْدَۃَ[۱] قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھَیْتُکُمْ عَنْ زِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْھَا وَنَھَیْتُکُمْ عَنْ لُحُوْمِ الْاَضَاحِیْ فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاَمْسِکُوْا مَا بَدَا لَکُمْ وَ نَھَیْتُکُمْ عَنِ النَّبِیْذِ اِلَّا فِیْ سِقَآءٍ فَاشْرَبُوْا فِی الْاَسْقِیَۃِ کُلِّھَا وَلَا تَشْرَبُوْا مُسْکِرًا۔

(رَوَاہُ مُسْلِمٌ)

پہلی فصل

حضرت بُرَیدہ[۱] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا[۲] اب زیارت کو جایا کرو اور میں نے تمہیں تین دن سے زیادہ قربانی کے گوشت (جمع رکھنے) سے بھی منع کیا تھا مگر اب تم اپنی حاجت کے مطابق رکھ سکتے ہو۔[۳] اور میں نے تمہیں نبیذ کو مجور کو مشک کے علاوہ باقی سب برتنوں میں رکھنے سے منع کیا تھا مگر اب تمہیں تمام برتنوں میں رکھنے کی اجازت ہے[۴]۔ اور نشہ آور کوئی چیز نہ پینا۔[۵]

(مسلم)

[۱] بُرَیدہ (با کی پیش را کی زبر) آپ مشہور صحابی ہیں۔

[۲] یعنی اس سے پہلے میں نے زیارت قبور کی ممانعت کی تھی، مگر اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں تو پہلے حکم کو منسوخ سمجھو۔ علماء نے کہا ہے کہ ممانعت کی وجہ عہد جاہلیت کا قرب تھا اور اس امر کا اندیشہ تھا کہ لوگ وہ کچھ کہیں اور کریں گے جو زمانہ جاہلیت میں کہتے اور کرتے تھے۔ اب چونکہ دلوں میں قواعد اسلام اور اس کی تعلیمات مضبوط و مستحکم ہو چکی ہیں۔ تو وہ خطرہ باقی نہیں رہا۔ پھر عورتوں کے زیارت قبور کے لیے جانے میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا یہ اجازت صرف مردوں کو ملی ہے۔ عورتوں کے لیے اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت قبور سے ممانعت باقی ہے۔ بعض نے کہا یہ اجازت و رخصت مردوں و عورتوں دونوں کو شامل ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ زیارت قبور کے لیے جانے والی عورتوں پر لعنت کرے۔ اور وہ حضرات جو عورتوں کے لیے بھی زیارت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ اس حدیث کا یہ جواب دیتے

---

[۱] اس مسئلہ کے جواز میں امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ اعلیٰحضرت جناب مولانا محمد احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ نے ایک مستقل اور جامع رسالہ مسمیٰ بہ اتیان الارواح لدیارہم بعد الرواح تالیف فرمایا ہے، مزید اطمینان و ایقان کے لیے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ مترجم غفرلہ

کہ یہ حدیث اجازت سے پہلے وقت سے تعلق رکھتی ہے۔

۵۳ یعنی جب تک تمہاری طبیعت چاہے اور جتنے وقت کے لیے تمہاری رائے میں آئے پھر قربانی کے گوشت کو تین دن سے زیادہ عرصہ ذخیرہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ ان فقراء و مساکین کو گوشت کی ضرورت ہوتی تھی جو خود قربانی کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ اس کے بعد جب لوگوں کے مال اور اقتصادی حالات بہتر ہو گئے اور ایک دوسرے سے لے کر کھانے کی ضرورت نہ رہی تو اس بات کی اجازت مل گئی کہ قربانی کا گوشت جب تک چاہیں ذخیرہ کر سکتے ہیں۔

۵۴ یعنی مشک اور غیر مشک ہر برتن میں شیرہ کھجور ڈال سکتے ہو۔ حدیث میں واقع لفظ اَسقیۃ سے برتن اور ظرف مراد ہیں۔ مشک کے علاوہ دوسرے برتنوں میں ڈالنے سے ممانعت کی وجہ یہ تھی کہ مشک میں پانی ٹھنڈا رہتا ہے۔ گرم نہیں ہوتا اور شیرے میں تیزی نہیں آتی دوسرے برتنوں میں گرم ہو جاتا ہے اور سخت و تیز ہو جاتا ہے اور اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ شراب کی کیفیت اختیار کرے اور حرام ہو جائے اور لوگوں کے لیے شراب حرام ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ ابھی ان کے سروں میں شراب کی لذت اور خواہش باقی تھی تو اس بات کا امکان تھا کہ پھر شراب نوشی کے مرتکب ہو جائیں اور جب شراب کو حرام ہوئے ایک عرصہ گزر گیا اور لوگ اس سے دور رہتے اور پرہیز کرنے کے خوگر اور عادی ہو گئے تو اس کے ارتکاب کا احتمال باقی نہ رہا۔ اس بنا پر ہر برتن میں شیرہ کھجور ڈالنے کی اجازت مل گئی۔ جب کہ وہ تند و تیز نہ ہو جائے اور نشہ آور نہ ہو اور اگر نشہ آور ہو جائے تو پھر اس سے پرہیز ضروری ہے۔ جیسا کہ فرمایا کہ کوئی نشہ آور چیز نہ پیو۔

۵۵ ابتدا میں شراب پینے کے برتن باقی تھے۔ ان کے استعمال سے روک دیا گیا۔ صرف مشک کے استعمال کی اجازت دی گئی۔ پھر آخر وقت میں ہر برتن استعمال کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ اجازت امام مالک اور امام احمد کے نزدیک ہے۔ دوسرے آئمہ کے نزدیک شراب کے برتنوں کا استعمال اب بھی ناجائز ہے۔ جیسا کہ کتاب الایمان میں مذکور ہوا۔ شیرۂ کھجور کا معنیٰ ہے کہ کھجور یا انگور کو کوٹ پیس کر پانی میں کچھ وقت کے لیے ڈال دیا جائے کہ اس میں قدرے تیزی آ جائے۔ پھر اسے پی لیں۔ یہ حلال و جائز ہے۔ اور اگر تیزی زیادہ اور سخت ہو جائے اور نشہ آور بن جائے تو حرام ہے۔ کتاب الاشربہ میں اس کی مفصل تر معلومات فراہم کی جائیں گی۔

۱۶/۲ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رض قَالَ زَارَ
النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ
اُمِّهٖ فَبَکٰی وَ اَبْکٰی مَنْ حَوْلَهٗ
فَقَالَ اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ اَنْ
اَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ یُؤْذَنْ لِیْ وَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی زیارت کی تو رو پڑے اور اپنے ارد گرد والوں کو بھی رلایا[۵۶]۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب سے والدہ کے لیے استغفار کی اجازت چاہی مجھے اس کی

اِسْتَأْذَنْتُهُ فِيْ اَنْ اَزُوْرَ قَبْرَهَا فَاَذِنَ لِيْ فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ ۔ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

اجازت نہ دی گئی۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے ان کی قبر کی زیارت کی اجازت طلب کی اس کی اجازت دے دی گئی تو اے لوگو قبور کی زیارت کیا کرو کہ وہ موت یاد دلاتی ہے۔[۲] (مسلم)

[۱] یعنی آپ اس قدر روئے کہ آپ کے رونے سے دوسرے بھی متاثر ہوئے اور رونے لگے۔

[۲] واضح ہو کہ اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے وہ متقدمین کا طریقہ ہے۔ ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ اس باب میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول نازل ہوا ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى ۔ نبی علیہ السلام اور ایمان والوں کے لیے جائز نہیں کہ مشرکین کیلئے دعائے بخشش کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول وَلَا تَسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ (فعل نہی صیغہ معلوم کی قراءت میں) اور اے نبی دوزخ والوں کے متعلق سوال نہ کر۔ لیکن متاخرین علماء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین بلکہ حضرت آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام آباء و امہات کا ایمان ثابت کیا ہے۔ اس اثبات کے لیے انہوں نے تین طریقے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حضرات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ دوسرا یہ کہ ان حضرات کو دعوت اسلام نہ پہنچی بلکہ یہ حضرات زمانہ فترت میں ہی انتقال کر چکے تھے۔ ان کو حضور کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ تیسرا طریقہ یہ کہ آپ کے والدین کریمین کو خدا تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے آپ کے دست اقدس پر دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور وہ آپ پر ایمان لائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والدین کے زندہ کرنے کی حدیث اگرچہ اپنی حد ذات میں ضعیف ہے۔ لیکن متعدد طرق سے اس کی تصحیح اور تحسین کر دی گئی ہے اور یہ بات گویا متقدمین سے پوشیدہ رہی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت متاخرین علماء پر کھول دی۔ واللہ یختص برحمتہ من یشاء بما شاء ومن فضلہ۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے جس چیز سے چاہے اپنی رحمت و فضل سے خاص کرے۔ حضرت شیخ جلال سیوطی رحمۃ اللہ نے اس بارے میں رسائل تصنیف کیے اور دلائل سے اس مسئلہ کا اثبات فرمایا۔ مخالفین کے شبہات کے جوابات دیے۔ ان دلائل اور جوابات کو اگر یہاں نقل کیا جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ ان کے رسائل میں دیکھ لیا جائے۔ واللہ اعلم۔

۱۶/۳ وَعَنْ بُرَيْدَةَ رض قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُهُمْ اِذَا خَرَجُوْا اِلَى الْمَقَابِرِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں جب لوگ قبروں کی طرف نکلتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ الفاظ سکھاتے تھے۔ السلام علیکم اھل الدیار من المؤمنین والمسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون۔ اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھر والو تم پر سلام ہو

اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

انشاء اللہ ہم بھی تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت اور عذاب دنیا و آخرت کی سلامتی مانگتے ہیں۔ (مسلم)

لے علماء نے کہا ہے کہ یہاں سلام تسلیم و رضا کے معنیٰ میں ہے۔ دیار دار کی جمع ہے۔ دار اس حویلی کو کہتے ہیں جس میں صحن اور کھلی جگہ موجود ہو۔ اس کا استعمال زندہ لوگوں کے گھروں اور قبر والوں کے لیے بھی ہوتا ہے۔

ے۲ یہاں انشاء اللہ کا استعمال تبرک و رغبت کے لیے ہے۔ جس طرح بیمار کو کہتے ہیں۔ کہ انشاء اللہ تو صحت یاب ہو جائے گا۔ یا ایمان پر مرنے میں شک کی وجہ سے ہے یا وقت موت قریب ہونے کی وجہ سے۔ بیت

گر نہ قضا بود کہ باہم رویم
ہم رسد آں، وقت کہ باہم رویم

ترجمہ۔ اگر قضاء و قدر میں یہ نہ تھا کہ ہم اکٹھے میں تو وہ وقت بھی آ رہا ہے کہ ہم بھی چل پڑیں گے۔

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

دوسری فصل

١٦٧١/٤ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی قَالَ مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبُوْرٍ بِالْمَدِيْنَةِ فَاَقْبَلَ عَلَيْهِمْ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ وَاَنْتُمْ سَلَفُنَا وَنَحْنُ بِالْاَثَرِ

(رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ)

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبور مدینہ کے پاس سے گزرے تو اپنے چہرۂ انور سے ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اہل قبور تم پر سلام اللہ ہماری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ تم ہم سے پہلے پہنچنے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ (ترمذی)

اور کہا یہ حدیث غریب ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

تیسری فصل

١٦٧٢/٥ عَنْ عَائِشَةَ رضی قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلَّمَا كَانَ لَيْلَتُهَا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی باری میرے پاس ہوتی تو رات کے آخر حصے میں آپ بقیع[1] کی طرف نکلتے اور فرماتے اے مومنین کے گھر والو

يَخْرُجُ مِنْ اٰخِرِ اللَّيْلِ اِلَى الْبَقِيْعِ فَيَقُوْلُ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّسْلِمِيْنَ وَاَتَاكُمْ مَّا تُوْعَدُوْنَ غَدًا مُؤَجَّلُوْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَهْلِ بَقِيْعِ الْغَرْقَدِ

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تم پر سلام تمہارے پاس وہ چیز آ پہنچی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا۔ کل کی تمہیں مہلت دی ہوئی ہے۔ انشاء اللہ ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں۔ خدایا بقیع غرقد² والوں کو بخشش دے

ا بقیع (با اور قاف سے) مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام ہے۔

۲ اس قبرستان کو بقیع الغرقد اس وجہ سے کہتے ہیں۔ کہ بقیع اس زمین کو کہتے ہیں جس میں درخت ہوں۔ غرقد (غین اور قاف) ایک قسم کا درخت ہے جو یہاں قبرستان بننے سے پہلے بہت تھا۔

١٦٠٣/٦ وَعَنْهَا قَالَتْ كَيْفَ اَقُوْلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَعْنِيْ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ قَالَ قُوْلِيْ السَّلَامُ عَلٰى اَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَيَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔

(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت عائشہ سے ہی روایت ہے فرماتی ہیں یا رسول اللہ میں کیا کہا کروں کس طرح کہا کروں اور کیا پڑھا کروں یعنی زیارت قبور کے وقت¹۔ آپ نے فرمایا کہ السلام علی اھل الدیار من المومنین والمسلمین ویرحم اللہ المتقدمین منا والمتاخرین وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔ اے مومنوں اور مسلمانوں کے گھروں والو تم کو سلام اللہ تعالیٰ ہمارے پہلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ تم سے آ کر ملنے والے ہیں۔ (مسلم)

ا یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عورتوں کے لیے بھی زیارت قبور جائز ہے اور اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ زیارت قبور کرنے والی عورتوں پر لعنت اجازت سے پہلے تھی۔

١٦٠٤/٧ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ رض يَرْفَعُ الْحَدِيْثَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِيْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَ لَهٗ وَ كُتِبَ بَرًّا۔

حضرت محمد بن¹ النعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ اس حدیث کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے دونوں والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی۔ ہر جمعہ کو زیارت کی تو اسے بخشش دیا جاتا ہے اور اسے فرمانبردار لکھ دیا جاتا ہے

(رَوَاہُ الْبَیْہِقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ مُرْسَلًا)

اسے بیہقی نے شعب الایمان میں مرسلا روایت کیا۔

۱؎ حضرت محمد بن نعمان ثقہ تابعین میں سے ہیں۔

۲؎ یعنی اسے بخش دیا جاتا ہے اور دیوان اعمال میں اسے والدین کے ساتھ نیکی کرنے والا لکھا جاتا ہے۔ بِرٌّ باکی زبر بمعنیٰ باپ اور ماں سے نیکی کرنا۔ یہ عقوق (والدین کی نافرمانی) کی ضد ہے۔ اور بَرٌّ باکی زبر اسی طرح لفظ بارٌ بمعنی والدین سے نیکی کرنے والا۔ یہ عاق کی ضد ہے بعض فقہی روایات میں ماں باپ کی قبر کو بوسہ دینے کا ذکر بھی آیا ہے۔

۱۶۷۷ / ۸ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا وَ تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ۔

(رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا۔ اب ان کی زیارت کر لیا کرو کہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی اور آخرت یاد دلاتی ہے۔۱؎

(ابن ماجہ)

۱؎ کہ جب انجام کار یہ ہے تو پھر دنیا سے یہ تمام تعلقات کس لیے ہیں اور آخرت کو یاد دلاتی ہے کہ اس جہان کے علاوہ ایک جہان اور بھی ہے۔ جہاں جانا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبور کو عبرت و حیرت کی صفت سے دیکھنا چاہیے اور غافل و لاپرواہ نہ ہونا چاہیے۔ رباعی

بزمینے کہ ہمے گذری ساکن رو کہ عیونست وخطوط است وقدوداست وخدود
این ہمہ چشمہ خورشید جہاں افروز است کہ ہمے تافت برآرامگہ عاد وثمود

ترجمہ: جس زمین پر تو چل رہا ہے آہستہ اور سکون سے چل کہ یہ سب آنکھیں چہرے کے محاسن۔ لوگوں کے قد اور ان کے رخسارے ہیں۔ یہ سب آفتاب کا چشمہ جہاں افروز ہے۔ جو عاد و ثمود کی آرام گاہ پر چمکتا رہا ہے۔

۱۶۷۸ / ۹ وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَعَنَ زَوَّارَاتِ الْقُبُوْرِ۔

(رَوَاہُ اَحْمَدُ وَ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ)

وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ وَ قَالَ قَدْ رَاٰی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے قبور کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۱؎

(احمد، ترمذی، ابن ماجہ)

اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض اہل [illegible] ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیارت

بَعْضُ اَهْلِ الْعِلْمِ اِنَّ هٰذَا كَانَ قَبْلَ اَنْ يُرَخِّصَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَلَمَّا رَخَّصَ دَخَلَ فِيْ رُخْصَتِهٖ الرِّجَالُ وَالنِّسَآءُ وَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّمَا كَرِهَ زِيَارَةَ الْقُبُوْرِ لِلنِّسَآءِ لِقِلَّةِ صَبْرِهِنَّ وَكَثْرَةِ جَزَعِهِنَّ[1] تَمَّ كَلَامُهٗ۔

قبور کی اجازت دینے سے پہلے کی بات ہے۔ جب آپ نے اجازت دی تو اس میں مرد و عورتیں دونوں داخل ہو گئے۔ اور بعض نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لیے زیارت قبور کو اس لیے مکروہ قرار دیا کہ وہ صبر کم کرتی اور جزع فزع زیادہ کرتی ہیں۔ امام ترمذی کا کلام مکمل ہوا۔

* * *

[1] یعنی ان عورتوں پر جو زیارت کے وقت جزع فزع کریں اور نوحہ اور آہ و بکا بہت کریں۔

۱۶۷۹ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَدْخُلُ[1] بَيْتِيَ الَّذِيْ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاِنِّيْ وَاضِعٌ ثَوْبِيْ وَ اَقُوْلُ اِنَّمَا هُوَ زَوْجِيْ وَاَبِيْ فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ فَوَاللّٰهِ مَا دَخَلْتُهٗ اِلَّا وَ اَنَا مَشْدُوْدَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِيْ حَيَآءً مِّنْ عُمَرَ۔

(رَوَاهُ اَحْمَدُ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں میں اپنے گھر میں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں[1]، اس حال میں داخل ہوتی تھی کہ میں نے چادر اتاری ہوتی تھی اور میں کہتی تھی کہ وہ تو میرے خاوند اور میرے باپ ہیں[2]۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دفن ہوئے تو اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہ ہوتی تھی مگر اس حالت میں کہ میرے کپڑے مجھ پر بندھے ہوتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حیا[3] و شرم کی وجہ سے۔ (احمد)

[1] یعنی مدفون ہیں۔ پھر یہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی دفن ہوئے۔

[2] یعنی میں اپنے دل میں کہتی تھی۔ یا اگر کوئی مجھے پوچھتا تو میں یہی جواب دیتی کہ یہاں ایک تو میرے شوہر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرے میرے باپ حضرت ابوبکر ہیں رضی اللہ عنہ۔

[3] کیونکہ وہ بیگانے تھے۔ اس حدیث میں اس امر پر واضح دلیل ہے کہ میت زندہ ہے اور اس کا علم موجود و قائم ہے۔ اور یہ کہ میت کی زیارت کے وقت اس کا احترام واجب و ضروری ہے۔ خصوصاً صالحین کی زیارت کے وقت اور ادب کی رعایت حسب مراتب ہے۔ جس طرح ان کی زندگی میں کیونکہ صالحین ان کی زیارت کرنے والوں کے ادب کے مطابق ان کی زبردست مدد کرتے ہیں۔ جیسا کہ شرح شیخ میں مذکور ہے۔

خدائے بزرگ و برتر کی حسن توفیق سے کتاب برکت انتساب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ از کتاب الصلوٰۃ تا کتاب الجنائز کے اردو ترجمہ کی جلد دوم اختتام پذیر ہوئی۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ واصحابہ وازواجہ وجمیع امتہ۔

مترجم۔ محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہٗ
امام وخطیب جامع مسجد حضرت علی بن عثمان الہجویری
معروف بہ داتا گنج بخش رضی اللہ تعالیٰ عنہ
۹ محرم الحرام سنہ ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء
بروز بدھ ۷ بجے شب!!

* * *

فہرست مضامین کتاب منتطاب اشعۃ اللمعات اردو جلد دوم

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱	کتاب الصلوٰۃ	۴	۱۲	دوسری فصل۔ حضرت عبادۃ بن الصامت کے مختصر حالات	۱۰
۲	صلوٰۃ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ	۴	۱۳	مرتکب گناہ کبیرہ کے بارے میں اہل سنت کا مذہب اور حدیث سے اس کی تائید	۱۰
۳	فصل اول۔ حدیث نمبر ۵۱۸/۱		۱۴	حدیث نمبر ۵۲۶/۹ نابالغ بچوں کو نماز کی تلقین و تاکید کا بیان۔	۱۱
۴	گناہ کبیرہ توبہ سے معاف ہوتا ہے۔	۴	۱۵	حضرت سَبرۃ بن مَعبَد صحابی کے مختصر حالات	۱۱
۵	سوال وجواب	۵	۱۶	تیسری فصل۔ صحابہ کرام ترک نماز کو کفر قرار دیتے تھے۔	۱۵
۶	غیر محرم عورت سے بوس وکنار کا گناہ اور اس حرکت کی معافی کی صورت	۶	۱۷	حضرت شقیق کے حالات	۱۵
۷	لفظ طرفِی النہار وزُلَفاً من اللیل کی تفسیر فرقہ مرجیہ کا خیال اور اس کی تردید ایک شبہ اور اس کا جواب	۶ ۶ ۷	۱۸	عزیمت پر عمل کرنے کی تاکید	۱۵
				اوقات نماز کا بیان	
۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے سے گناہ کبیرہ بھی معاف ہو جاتے ہیں اس بارے میں مؤلف کتاب حضرت شیخ کی تحقیق	۷، ۸	۱۹	دن رات کی پانچ نمازیں شکرانہ نعمت کے طور پر فرض کی گئی ہیں۔	۱۶
۹	افضل عمل کیا ہے اس کی تفسیر وتحقیق	۸	۲۰	وقت ظہر کی ابتداء وانتہاء	۱۸
۱۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے افضل اعمال کی تفسیر میں مختلف جواب کیوں ارشاد فرمائے۔	۸	۲۱	وقت عصر کی ابتداء وانتہاء	۱۸
۱۱	تارک نماز کفر کے قریب ہو جاتا ہے اور ائمہ دین کے نزدیک اس کی سزا	۹	۲۲	مشہور روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک وقت ظہر کا بیان۔	۱۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۳	وقت مغرب اور شفق کی تحقیق	۱۸، ۱۹
۲۴	نماز عشاء کے وقت کا بیان	۱۹
۲۵	نماز فجر کا وقت	۲۰
۲۶	سورج کے شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہونے کا مطلب و معنیٰ	۲۰
۲۷	سایہ اصلی کی تحقیق اور اس میں فرق	۲۳
۲۸	ابن شہاب کے مختصر حالات	۲۴
	حضرت عروہ بن الزبیر کے حالات	۲۴
۲۹	بشیر بن ابو مسعود کے حالات	۲۵
۳۰	نماز جلدی ادا کرنے کا بیان	۲۷
۳۱	اس بارے میں آئمہ دین کا اختلاف	۲۷
۳۲	امام ابو حنیفہ اور دیگر آئمہ کے نزدیک نماز کے مستحب اوقات کا بیان	۲۷
۳۳	فصل اول۔ حضرت سیار بن سلامہ کے حالات	۲۸
۳۴	لفظ عتمہ کی تحقیق	۲۹
۳۵	حضرت محمد بن عمرو کے مختصر حالات	۳۰
۳۶	احناف کے نزدیک اول وقت میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ۔	۳۰
۳۷	ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھنے کا بیان	۳۲
۳۸	شوافع کے نماز ظہر کے اول وقت میں پڑھنے کے دلائل کا جواب	۳۲
۳۹	آتش دوزخ کے سانس لینے کا مطلب	۳۳
۴۰	عوالی مدینہ کی تحقیق	۳۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۱	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے نزدیک دانستہ تارک نماز کافر ہے۔	۳۶
۴۲	حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے حالات	۳۶
۴۳	حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کے حالات	۳۷
۴۴	سحور کا معنیٰ	۳۷
۴۵	ادائیگی نماز فجر یا عصر کے دوران سورج طلوع کر آیا یا غروب ہو گیا تو ان نمازوں کا حکم	۳۹ ۴۱
۴۶	حضرت ابو قتادہ کے حالات	۴۱
۴۷	حضرت ام فروہ کے حالات	۴۲
۴۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی میں ایک سے زیادہ بار کوئی نماز آخر وقت میں ادا نہیں کی۔	۴۳
۴۹	حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے حالات	۴۴
۵۰	نماز مغرب میں تاخیر نہ کی جائے	۴۴
۵۱	حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات	۴۵
۵۲	شیخ ابن حجر کے ایک قول پر تنقید	۴۵
۵۳	حضرت رافع بن خدیج کے حالات	۴۵
۵۴	اسفار فجر کا معنیٰ اور احناف و دیگر آئمہ کے نزدیک اس کی تحقیق و تشریح	۴۶
۵۵	وقت عصر کی تحقیق اور مذاہب آئمہ دین	۴۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۶	نمازِ عشاء پڑھنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ۔	۴۹
۵۷	حضرت جابر بن سمرہ کے حالات	۵۰
۵۸	حضرت عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ کے حالات	۵۲
۵۹	حضرت قبیصہ بن وقاص رضی اللہ عنہ کے حالات	۵۲
۶۰	حضرت عبیداللہ بن عدی کے حالات	۵۳
	فضائلِ نماز	
۶۱	فصل اول۔ حضرت عمارہ کے حالات	۵۴
۶۲	ایک شبہ اور اس کا جواب	۵۴
۶۳	رات دن سے افضل ہے	۵۵
۶۴	حضرت جندب قسری رضی اللہ عنہ	۵۶
۶۵	لفظ عتمہ کی تحقیق	۵۹
۶۶	جنگِ خندق میں حضور نے کفار کے لیے بددعا کی جنگ اُحد میں بددعا نہ کی اس کی وجہ۔	۵۹
۶۷	نمازِ وُسطیٰ کونسی نماز ہے اس کی تحقیق	۶۰
۶۸	اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ کی تفسیر	۶۰، ۶۱
۶۹	باب الاذان	۶۳
	اذان کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ	۶۳
	اذان کا آغاز کیسے ہوا	۶۳
	اذان کے بارے میں تحقیقی بات	۶۳
	فصل اول۔	۶۳
۷۰	ناقوس کیا چیز ہے	۶۴
۷۱	حکمات اذان واقامت کے بارے میں احناف کا مذہب اور اس کی تحقیق وتائید	۶۵
۷۲	حدیث میں وارد الفاظ اذان	۶۵
۷۳	حضرت ابو محذورہ کے حالات	۶۶
۷۴	ترجیع کا معنیٰ اور اس بارے میں ائمہ کا اختلاف۔	۶۶
۷۵	دوسری فصل۔	۶۶
۷۶	اقامت کے کلمات بھی دو دو بار کہے جائیں گے۔	۶۷
۷۷	حدیث ۵۹۴ حضرت ابو محذورہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلماتِ اذان سیکھے ان کا بیان۔	۶۷
۷۸	تثویب کا معنیٰ اور اس کی تحقیق	۶۸
۷۹	نمازی اذان کے کن الفاظ پر جماعت کیلیے کھڑا ہو۔	۶۹
۸۰	حضرت زید بن الحارث الصدائی کے حالات	۶۹
۸۱	تیسری فصل۔	
۸۲	حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے حالات	۷۱
۸۳	حضرت ابوبکرہ ثقفی کے حالات	۷۲
۸۴	سوئے ہوئے کو نماز کے لیے بیدار کرنا چاہیے	۷۲
۸۵	اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنے کی وجہ	۷۳
۸۶	حضرت سعد قرظ کے حالات	۷۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۸۷	اذان افضل ہے یا امامت	۷۴
۸۸	کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اذان کہی ہے یا نہیں اس کی تحقیق	۷۴
۸۹	موذن کی اذان کا جواب دینا واجب ضروری ہے اس کی تحقیق	۷۴
۹۰	قیامت کے دن موذنوں کی شان و بندگی	۷۵
۹۱	بوقت اذان شیطان کے گوز مارنے کا مطلب	۷۶
۹۲	سوال و جواب	۷۶
۹۳	اذان سن کر درود شریف بھی پڑھا جائے	۷۶
۹۴	لفظ وسیلہ کا معنیٰ اور حضور کے لیے وسیلہ طلب کرنے کی تحقیق	۷۷
۹۵	قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و مرتبہ	۷۸
۹۶	شفاعت ایمان والوں کے ساتھ خاص ہے	۷۹
۹۷	مغرب کی اذان اور فرضوں کے درمیان نفل پڑھنے منسوخ ہیں۔	۸۲
۹۸	ائمہ مساجد اور موذنین کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا	۸۲
۹۹	حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے حالات	۸۳
۱۰۰	حضرت عثمان بن ابو العاص کے حالات	۸۵
۱۰۱	اذان اور اقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی۔	۸۷
۱۰۲	حضرت سہل بن سعد کے حالات	۸۷
۱۰۳	موضع الروحاء کی تحقیق	۸۹
۱۰۴	صبح صادق اور صبح کاذب کا بیان	۹۲
۱۰۵	حضرت مالک بن الحویرث کے حالات	۹۲
۱۰۶	تعریس کا معنیٰ	۹۴
۱۰۷	قضا نماز کے لیے اذان و اقامت کہی جائے یا نہیں۔ اس کی تحقیق	۹۴
۱۰۸	سوال و جواب	۹۵
۱۰۹	سوال و جواب	۹۵
۱۱۰	سوال و جواب	۹۵
۱۱۱	جماعت کے لیے لفظ حی علی الصلوۃ پر نمازیوں کو کھڑا ہونا چاہیے۔ اس بارے میں حدیث پاک	۹۶
۱۱۲	جماعت میں شامل ہونے کے لیے دوڑنا منع ہے۔	۹۶
۱۱۳	جماعت میں شامل ہونے کے لیے جلدی کرنے کا معنیٰ۔	۹۶
۱۱۴	مسجد نبوی اور مسجد خانہ کعبہ میں نماز پڑھنے کا ثواب۔	۱۰۱
۱۱۵	مسجد اقصیٰ کو اقصیٰ کہنے کی وجہ	۱۰۲
۱۱۶	حدیث لا تشد الرحال کا معنیٰ	۱۰۲
۱۱۷	ما بین بیتی و منبری کا معنیٰ اور تفسیر	۱۰۳
۱۱۸	اللہ تعالیٰ کے لیے مسجد تعمیر کرنے کی فضیلت	۱۰۵
۱۱۹	مسجد مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کا ضیافت خانہ ہے۔	۱۰۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۲۰	جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت	۱۰۵	۱۳۹	مسجد کے کام کاج اور ضروریات میں دلچسپی لینے کا درجہ	۱۱۹
۱۲۱	فجر کی نماز سفیدی میں پڑھنے کا راز	۱۰۶	۱۴۰	اسلام میں رہبانیت کی اجازت نہیں	۱۲۰
۱۲۲	سات آدمی قیامت کے دن عرش کے سایہ میں ہوں گے۔	۱۰۷	۱۴۱	حدیث [illegible] ۔ وسعت علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲۰
۱۲۳	نماز باجماعت کی فضیلت اور درجہ	۱۰۷	۱۴۲	حضرت عبدالرحمٰن بن عائش کے حالات	۱۲۱
۱۲۴	ایک نماز کے بعد دوسری نماز کی انتظار میں بیٹھنے کی فضیلت	۱۰۸	۱۴۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا تعالیٰ کو دیکھنا	۱۲۱
۱۲۵	مسجد میں بے وضو بیٹھنا اور دنیا کی باتیں کرنا ٹھیک نہیں۔	۱۰۸	۱۴۴	فی احسن سورۃ کی تفسیر	۱۲۱
۱۲۶	حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ کے حالات	۱۰۹	۱۴۵	لفظ مَلَاء کی تفسیر	۱۲۱
۱۲۷	حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حالات	۱۰۹	۱۴۶	ان اعمال صالحہ کا بیان جن سے گناہ جھڑتے اور درجات بلند ہوتے ہیں۔	۱۲۲
۱۲۸	تحیۃ المسجد کا بیان	۱۰۹	۱۴۷	اللہ تعالیٰ کے حضور کی پشت انور پر دونوں دست پاک رکھنے سے کیا مراد ہے۔	۱۲۲
۱۲۹	حضرت کعب بن مالک کے حالات	۱۱۰	۱۴۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام کلی وجزئی امور کو محیط ہے۔	۱۲۲
۱۳۰	بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنا منع ہے	۱۱۱	۱۴۹	حبیب وخلیل میں فرق	۱۲۲
۱۳۱	اچھا عمل اور بُرا عمل	۱۱۲	۱۵۰	تین آدمی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔	۱۲۴
۱۳۲	انبیاء علیہم السلام کی قبور کو سجدہ گاہ بنانے کا مطلب	۱۱۳	۱۵۱	اپنے گھر میں السلام وعلیکم کہتے ہوئے داخل ہونے کا فائدہ۔	۱۲۴
۱۳۳	حضرت جندب کے حالات	۱۱۴	۱۵۲	فرض نماز، نماز چاشت ادا کرنے اور دو نمازوں کے درمیانی وقت میں ہر گناہ سے بچنے کی فضیلت	۱۲۵
۱۳۴	نفل نماز گھر میں پڑھنے کا فائدہ	۱۱۴	۱۵۳	مسجدیں جنت کے باغات ہیں اور ان میں ذکر و تسبیح کرنا اس طرح ہے جیسے جنت کے میوے کھانا	۱۲۵ ۱۲۶
۱۳۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا پانی صحابہ کرام بطور تبرک لے کر جاتے تھے۔	۱۱۵			
۱۳۶	گھروں اور محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم	۱۱۶			
۱۳۷	مسجدوں کو نقش و نگار کرنا	۱۱۷			
۱۳۸	قرآنی سورت یاد کرنے کے بعد بھلا دینے کا گناہ	۱۱۸			

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۵۴	مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کے وقت کی دعا	۱۲۶	۱۶۸	مسجد اقصیٰ، مسجد نبوی اور مسجد خانہ کعبہ میں ایک نماز کا ثواب	۱۴۱
۱۵۵	حضرت فاطمہ بنت الحسین رضی اللہ عنہا کے حالات	۱۲۷	۱۶۹	مسجد اقصیٰ مسجد خانہ کعبہ سے چالیس سال بعد تعمیر ہوئی اس کی تحقیق اور ایک اشکال کا جواب۔	۱۴۲
۱۵۶	حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے حالات	۱۲۸			
۱۵۷	حضرت معاویہ بن قرۃ کے حالات	۱۲۹	۱۷۰	حضرت عمر بن ابو سلمہ کے حالات	۱۴۳
۱۵۸	قبرستان اور حمام میں نماز نہ پڑھی جائے	۱۲۹	۱۷۱	لفظ اشتمال کا معنیٰ	۱۴۳
۱۵۹	قبور کو سجدہ کرنا منع ہے قبور پر روشنی کرنا اور چراغ جلانا جائز ہے یا ناجائز۔ اس مسئلہ کی وضاحت۔	۱۳۱	۱۷۲	حضرت ابو جہم کے حالات	۱۴۵
			۱۷۳	حضرت عقبہ بن عامر کے حالات	۱۴۶
			۱۷۴	مردوں کے لیے ریشمی لباس منع ہے	۱۴۶
۱۶۰	خالق و مخلوق کے درمیان حجابات کی تشریح۔	۱۳۲	۱۷۵	نماز میں قمیص وغیرہ کے بٹن بند ہونے چاہییں۔	۱۴۷
۱۶۱	مسجد میں دنیا کی باتیں کرنے کی ممانعت و مذمت۔	۱۳۴	۱۷۶	حضرت سلمہ بن الاکوع کے حالات	۱۴۷
۱۶۲	طائف کا ذکر		۱۷۷	غرور و تکبر سے تہ بند وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹکانا معصیت و گناہ ہے۔	۱۴۸
۱۶۳	حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قبر انور طائف میں ہے۔	۱۳۵	۱۷۸	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۴۸
			۱۷۹	بحالت نماز عورت کے لیے سر اور سر کے بال چھپانا ضروری ہے۔	۱۴۸
۱۶۴	مسجد خصوصاً مسجد نبوی شریف میں اونچی آواز کرنا ادب کے خلاف ہے	۱۳۵	۱۸۰	لفظ خمار کا معنیٰ	۱۴۸
۱۶۵	دنیا کی بات کرنے کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی شریف کے پاس ایک جگہ مقرر کی ہوئی تھی۔	۱۳۶	۱۸۱	لفظ تنزل کی تفسیر	۱۴۹
			۱۸۲	تلثیم و ربہ کا معنیٰ	۱۴۹
			۱۸۳	حضرت محمد بن المنکدر کے حالات	۱۵۲
۱۶۶	شیطان سے محفوظ رہنے کی دعا	۱۴۰	۱۸۴	ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنا	۱۵۲
۱۶۷	حضرت عطا بن یسار کے حالات	۱۴۱	۱۸۵	حضرت ابی بن کعب کے حالات	۱۵۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱۸۶	سترہ کا باب	۱۵۳
۱۸۷	سترہ کا معنیٰ	۱۵۴
۱۸۸	حضرت ابوجُحَیفہ رضی اللہ عنہ کے حالات	۱۵۵
۱۸۹	مقام اَبطَح	۱۵۵
۱۹۰	خالص سرخ لباس پہننا مرد کے لیے منع ہے	۱۵۵
۱۹۱	نمازی کے آگے سے گزرنا سخت گناہ ہے	۱۵۷
۱۹۲	حضرت ابوجُہَیم کے حالات	۱۵۷
۱۹۳	نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں۔	۱۵۸
۱۹۴	سُترے کی نیت سے آگے خط کھینچنے کا اعتبار نہیں۔	۱۵۹
۱۹۵	حضرت سہل بن حثمہ کے حالات	۱۶۰
۱۹۶	حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات	۱۶۱
۱۹۷	عربوں کی ایک عادت	۱۶۱
۱۹۸	بابُ صِفَۃِ الصَّلوٰۃ	۱۶۳
۱۹۹	نماز میں تعدیل ارکان کی اہمیت	۱۶۴
۲۰۰	تعدیل ارکان فرض ہے یا واجب اس کی تحقیق	۱۶۴
۲۰۱	التحیات میں بیٹھنے کی کیفیت میں آئمہ کا اختلاف۔	۱۶۶
۲۰۲	حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کے حالات	۱۶۷
۲۰۳	رکوع وسجدہ میں اعضاء کی حالت	۱۶۸
۲۰۴	حضرت نافع کے حالات	۱۶۹
۲۰۵	رفع یدین کا مسئلہ	۱۶۹
۲۰۶	رفع یدین کی احادیث کا مطلب	۱۷۰
۲۰۷	جلسہ استراحت کے جواز وعدم جواز کی تحقیق	۱۷۱
۲۰۸	حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کے حالات	۱۷۱
۲۰۹	نماز میں زیر ناف ہاتھ باندھنے کا مسئلہ	۱۷۲
۲۱۰	نماز میں قیام افضل ہے یا سجدہ اس کی تحقیق	۱۷۳
۲۱۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز	۱۷۵
۲۱۲	سجدہ ناک اور پیشانی دونوں پر ہونا چاہیے	۱۷۷
۲۱۳	التحیات میں انگشت شہادت سے اشارہ کرنے کا مسئلہ	۱۷۷
۲۱۴	حضرت قبیصہ بن ھلب کے حالات	۱۷۸
۲۱۵	حضرت رفاعہ بن رافع کے حالات	۱۷۹
۲۱۶	حضرت فضل بن عباس کے حالات	۱۸۰
۲۱۷	حضرت سعید بن حارث بن معلیٰ کے حالات	۱۸۱
۲۱۸	حضرت عکرمہ کے حالات	۱۸۲
۲۱۹	حضرت علقمہ کے حالات	۱۸۳
۲۲۰	رفع یدین کی نفی میں حدیث	۱۸۳
۲۲۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پس پشت بھی اسی طرح دیکھتے تھے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے۔	۱۸۴
۲۲۲	سبحانک اللہم وغیرہ اذکار کا پڑھنا مستحب ہے۔	۱۸۵
۲۲۳	حضرت جبیر بن مطعم کے حالات	۱۹۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۲۴	حضرت سمرہ بن جندب کے حالات	۱۹۲
۲۲۵	حضرت محمد بن مسلمہ کے حالات	۱۹۵
۲۲۶	نماز کی کن رکعتوں میں قراءت ضروری ہے اس بارے میں آئمہ کا اختلاف	۱۹۵
۲۲۷	سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہنے کی وجہ	۱۹۶
۲۲۸	نماز میں سورت فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے فرض نہیں	۱۹۶
۲۲۹	خاتمہ خلف الامام کا مسئلہ اور اس کی تحقیق	۱۹۷
۲۳۰	کیا ہر رکعت کے ابتداء میں بسم اللہ شریف پڑھنی چاہیے۔ اس بارے میں آئمہ کا اختلاف۔	۱۹۸
	ایک سوال اور اس کا جواب	
۲۳۱	سورۃ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہی جائے کہ یہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہے۔	۲۰۰
۲۳۲	لفظ آمین کی تحقیق	۲۰۰
۲۳۳	لفظ صف کا معنیٰ	۲۰۱
۲۳۴	مقتدی امام کے پیچھے قرات نہ کریں۔ حدیث پاک سے اس کا ثبوت۔	۲۰۲
۲۳۵	پہلی رکعت میں قرات لمبی کی جائے	۲۰۳
۲۳۶	فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں سورت ملانے کا مسئلہ اور ائمہ کا اختلاف	۲۰۴
۲۳۷	حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کے حالات	۲۰۴
۲۳۸	طوال مفصل پڑھنے کا تعلق پہلی رکعت سے ہے۔	۲۰۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۳۹	حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۰۵
۲۴۰	حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا کے حالات	۲۰۶
۲۴۱	ایک سوال اور اس کا جواب	۲۰۸
۲۴۲	حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۰۸
۲۴۳	فجر کی نماز میں قراءت دراز کرنے کا راز	۲۰۹
۲۴۴	حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۱۰
۲۴۵	حضرت عبداللہ بن السائب کے حالات	۲۱۰
۲۴۶	نماز میں تلاوت کے لیے سورتیں تو متعین کرنے کا مسئلہ	۲۱۱
۲۴۷	حضرت عبیداللہ بن ابو رافع کے حالات	۲۱۲
۲۴۸	حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۱۲
۲۴۹	حضرت عبیداللہ بن عقبہ کے حالات	۲۱۳
۲۵۰	سنت فجر میں کونسی سورتیں پڑھنی چاہیں	۲۱۳
۲۵۱	آمین اونچی آواز میں کہنے کا مسئلہ	۲۱۵
۲۵۲	حضرت ابو زبیر مکی کے حالات	۲۱۶
۲۵۳	آمین قبولیت دعا کے لیے مہر کی حیثیت رکھتی ہے۔	۲۱۶
۲۵۴	حضرت عقبہ بن عامر کے حالات	۲۱۷
۲۵۵	سورۃ اعوذ برب الفلق اور اعوذ برب الناس کی فضیلت	۲۱۷
۲۵۶	حضرت سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ	۲۱۹
۲۵۷	طوال مفصل اوسط اور قصار کی تشریح	۲۱۹
۲۵۸	مقتدی امام کے پیچھے قرات نہ کرے	۲۲۲
۲۵۹	سوال و جواب	۲۲۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۶۰	حضرت معاذ بن عبداللہ جہنی رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۲۷
۲۶۱	حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۲۷
۲۶۲	حضرت فرافصہ بن عمیر کے حالات	۲۲۸
۲۶۳	حضرت عامر بن ربیعہ کے حالات	۲۲۸
۲۶۴	لفظ اَجُل کی تحقیق	۲۲۹
۲۶۵	حضرت عتبہ اللہ بن عتبہ	۲۲۹
۲۶۶	**باب الرکوع**	۲۲۹
۲۶۷	لفظ رکوع کا معنی	۲۲۹
۲۶۸	نگاہ نبوت کا کمال	۲۳۰
۲۶۹	آپ کثرت سے تسبیح و استغفار کرتے تھے	۲۳۱
۲۷۰	لفظ روع کا معنی	۲۳۱
۲۷۱	رکوع و سجود میں تلاوت قرآن پاک منع ہے	۲۳۲
۲۷۲	حضرت عبداللہ بن اوفیٰ کے حالات	۲۳۴
۲۷۳	حضرت رفاعہ بن رافع کے حالات	۲۳۵
۲۷۴	الفصل الثانی	۲۳۵
۲۷۵	حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ	۲۳۶
۲۷۶	رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ سبحان ربی الاعلیٰ کا حکم	۲۳۶
۲۷۷	حضرت عون بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۲۳۷
۲۷۸	حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ	۲۳۸
۲۷۹	تیسری فصل	۲۳۸
۲۸۰	حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ	۲۳۸
۲۸۱	حضرت ابن جبیر رضی اللہ عنہ	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۸۲	حضرت شفیق بن سلمہ رضی اللہ عنہ	۲۳۹
۲۸۳	جو شخص رکوع و سجدہ صحیح نہ کرے اور بغیر توبہ مر جائے اس کا ایمان پر مرنا خطرے میں ہے۔	۲۴۰
۲۸۴	حضرت نعمان بن مرہ رضی اللہ عنہ	۲۴۰
۲۸۵	**باب السجود**۔ لفظ سجدہ و سجود کا معنی	۲۴۱
۲۸۶	فصل اول	۲۴۱
۲۸۷	کتنے اعضاء پر سجدہ کرنا چاہیے	۲۴۲
۲۸۸	سجدے کا صحیح طریقہ	۲۴۲
۲۸۹	لفظ یُجَمِّرُ کی تحقیق	۲۴۳
۲۹۰	حضرت عبداللہ بن مالک بن بحینہ کے حالات	۲۴۴
۲۹۱	حضرت ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ	۲۴۶
۲۹۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں عطا فرماتے ہیں۔	۲۴۷
۲۹۳	حضرت معدان بن طلحہ رضی اللہ عنہ	۲۴۸
۲۹۴	فصل دوسری۔ سجدہ کے جاتے وقت پہلے کونسے اعضاء زمین پر رکھے	۲۴۹
۲۹۵	حضرت عبدالرحمٰن بن شبل رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۵۱
۲۹۶	مسجد میں اپنے لیے جگہ مختص کر لینا منع ہے	۲۵۲
۲۹۷	لفظ اقعا کی تفسیر	۲۵۲
۲۹۸	حضرت طلق بن حنفی رضی اللہ عنہ	۲۵۲
۲۹۹	**باب التشہد**۔ لفظ تشہد کا معنی	۲۵۳
۳۰۰	التحیات میں انگشت شہادت اٹھانے کا مسئلہ	۲۵۴
۳۰۱	لفظ التحیات کا معنی	۲۵۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۰۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں میں موجود ہوتے ہیں۔	۲۵۸
۳۰۳	لفظ صالح کی تفسیر اور مراتب صلاح	۲۵۸
۳۰۴	الفاظ تشہد کی تحقیق	۲۶۰
۳۰۵	فصل دوم	۲۶۰
۳۰۶	درود شریف کا بیان۔ لفظ صلوٰۃ کا معنیٰ	۲۶۴
۳۰۷	درود شریف پڑھنے کی تاکید	۲۶۵
۳۰۸	ہر مومن متقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے	۲۶۷
۳۰۹	لفظ اہلِ بیت کی تشریح	۲۶۷
۳۱۰	بیت چند قسم ہے۔	۲۶۷
۳۱۱	کَمَا صَلَّیْتَ میں تشبیہ کی تحقیق انیق	۲۶۸
۳۱۲	اس سوال اور اس کا جواب	۲۶۹
۳۱۳	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۷۰
۳۱۴	آپ کے قبر انور میں زندہ ہونے کی تحقیق	۲۷۰
۳۱۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درود شریف پیش ہونے کی کیفیت	۲۷۱
۳۱۶	آپ امت کا درود اپنے کان مبارک سے سنتے ہیں۔	۲۷۱
۳۱۷	گھروں کو قبریں نہ بنانے کا مطلب	۲۷۲
۳۱۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کو عید نہ بنانے کا مطلب	۲۷۲
۳۱۹	حضور کا نام پاک سن کر آپ پر درود شریف نہ پڑھنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بد دعا	۲۷۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۲۰	حضرت ابوطلحہ کے حالات	۲۷۴
۳۲۱	حضرت اُبَیّ بن کعب رضی اللہ عنہ	۲۷۵
۳۲۲	درود شریف کی کثرت کا فائدہ	۲۷۵
۳۲۳	درود شریف کافی مہمات و مشکلات ہے اس بارے میں شیخ اجل حضرت عبدالوہاب متقی رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی	۲۷۵
۳۲۴	حضرت فضالہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۷۶
۳۲۵	دعا کے آداب	۲۷۶
۳۲۶	درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے سے جو مانگو ملتا ہے۔	۲۷۷
۳۲۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم دور سے بھی خود درود پاک سن لیتے ہیں۔	۲۸۰
۳۲۸	حضرت رویفع رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۸۱
۳۲۹	تشہد کے بعد دعا کا بیان	۲۸۲
۳۳۰	یہ دعا کیسی ہونی چاہیے کتب فقہ کے مطابق اس کی تحقیق	۲۸۲
۳۳۱	حدیث نمبر ۸۷۸ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشہد کے بعد جو دعا مانگتے تھے اس کا بیان	۲۸۲
۳۳۲	قرض انسان کو جھوٹ میں مبتلا کرتا ہے	۲۸۲
۳۳۳	مسیح دجال کا ظہور کس زمانہ میں ہوگا اور اس کے استدراج کا بیان	۲۸۳
۳۳۴	لفظ مسیح کا اطلاق و استعمال	۲۸۳
۳۳۵	فتنہ المحیا سے مراد	۲۸۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۳۶	فتنہ حمات سے مراد	۲۸۳
۳۳۷	قرض سے بچنا چاہیے	۲۸۳
۳۳۸	ایک دعا جو حضور نے حضرت صدیق اکبر کو سکھائی۔	۲۸۴
۳۳۹	حضرت عامر بن سعد رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۸۵
۳۴۰	سلام کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی کیفیت	۲۸۵
۳۴۱	بعض اوقات رخصت پر عمل کرنا بھی خدا کو پسند آتا ہے۔	۲۸۶
۳۴۲	حضرت عطا خراسانی کے حالات	۲۹۰
۳۴۳	امام سے پہلے مسجد سے بلا ضرورت اٹھ کر نہ جانا چاہیے۔	۲۹۱
۳۴۴	حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کے حالات	۲۹۱
۳۴۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی دعائیں تعلیم امت کے لیے ہیں۔	۲۹۲
۳۴۶	نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے	۲۹۳
۳۴۷	ذکر و وظیفہ سنت مؤکدہ پڑھنے کے بعد کیا جائے	۲۹۴
۳۴۸	مغرب کی دو سنتوں میں بعد الحمد سورۃ قل یاایہا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھی جائیں۔ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے متصل	۲۹۴
۳۴۹	اور بلند آواز سے ذکر کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں متعین، مروج اور متعارف تھا۔	۲۹۴
۳۵۰	سلام پھیرنے کے متصل بعد بلند آواز سے جہر	۲۹۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	کمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے ان کا بیان	۲۹۶
۳۵۱	حضرت شیخ عبد الحق قدس سرہ کا فتوی کہ ذکر جہر بلا شبہ جائز ہے۔	۲۹۷
۳۵۲	نماز کے بعد ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمد اور ۳۳ بار اللہ اکبر پڑھنے کا درجہ	۲۹۸
۳۵۳	فقیر صابر افضل ہے یا غنی شاکر	۳۰۰
۳۵۴	رات کے آخری حصے میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔	۳۰۱
۳۵۵	حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے حالات	۳۰۱
۳۵۶	نماز اشراق کی فضیلت اور اس کی تعداد رکعات	۳۰۲
۳۵۷	ازرق بن قیس کے حالات	۳۰۵
۳۵۸	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے حالات	۳۰۷
۳۵۹	ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنے کا ثواب اور فائدہ	۳۰۷
۳۶۰	ایک سوال اور اس کا جواب	۳۰۸
۳۶۱	حضرت عبد الرحمن بن غنم رضی اللہ عنہ	۳۰۹
۳۶۲	نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب تک ذکر الہی کی فضیلت	۳۱۰
۳۶۳	عمل قلیل و کثیر کی تشریح	۳۱۱
۳۶۴	کاہن کے پاس جانا منع ہے	۳۱۲
۳۶۵	حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ	۳۱۳
۳۶۶	کاہن کی تعریف	۳۱۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۳۶۷	علم رمل ونجوم کا حکم	۳۱۵	۳۸۴	لفظ مزمل کی تحقیق	۳۳۰
۳۶۸	حضرت نجاشی شاہ حبشہ کے حالات	۳۱۶	۳۸۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز میں سخت گریہ طاری	۳۳۰
	اور لفظ نجاشی کی تحقیق	۳۱۷		ہوتا تھا۔	
۳۶۹	حضرت معیقیب رضی اللہ عنہ	۳۱۷	۳۸۶	تہمت سے بچنے کی پوری پوری کوشش	۳۳۳
۳۷۰	ایک اشکال اور اس کا جواب	۳۱۹		کرنی چاہیے۔	
۳۷۱	جمائی کو حتی الامکان روکنا چاہیے	۳۲۰	۳۸۷	لفظ سلام سے نماز سے باہر آنا فرض نہیں	۳۳۳
۳۷۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت تصرف کی وسعت	۳۲۱	۳۸۸	ایک سوال اور اس کا جواب	۳۳۴
۳۷۳	جمائی آئے تو اسے بقدر امکان روکے	۳۲۵	۳۸۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف	۳۳۵
۳۷۴	حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ	۳۲۵	۳۹۰	باب السھو۔ بھولنے کا باب	۳۳۷
۳۷۵	جس قدر وضو میں حضور و توجہ ہوگی اسی قدر	۳۲۶	۳۹۱	سہو کا معنیٰ	۳۳۷
	نماز میں یہ سعادت نصیب ہوگی		۳۹۲	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقوال میں سہو	۳۳۷
۳۷۶	انگلیوں میں انگلیاں ڈالنا کیوں منع ہے	۳۲۶		ہونا جائز نہیں جو شرعی احکام کے اخبار و ابلاغ	
	اور اس کی تحقیق			سے متعلق ہیں۔ البتہ افعال میں سہو لاحق ہونا	
۳۷۷	نماز میں جب تک بندے کا دھیان خدا تعالیٰ	۳۲۶		جائز ہے کہ وہ کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔	
	میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی اس پر ہوتی		۳۹۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شک لاحق نہیں ہوا	۳۳۸
	رہتی ہے اور اس کی خاص عنایت کا نزول		۳۹۴	حضرت عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ	۳۳۸
	ہوتا ہے۔		۳۹۵	سجدہ سہو سلام سے پہلے کرے یا بعد	۳۳۹
۳۷۸	نماز میں گناہ کہاں رہے	۳۲۷		اس کی تحقیق	
۳۷۹	حضرت انس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص	۳۲۸	۳۹۶	تعداد رکعات میں ترک لاحق ہونے کی صورت	۳۳۹
	شفقت			میں کیا کرے	
۳۸۰	عدی بن ثابت کے حالات	۳۲۹	۳۹۷	ذوالیدین صحابی کی حدیث کی تفسیر	۳۴۱
۳۸۱	عُکاس، نُکاس اور رُعاف کا معنی	۳۲۹	۳۹۸	لفظ عشی کی تفسیر	۳۴۲
۳۸۲	ایک شبہ اور اس کا جواب	۳۲۹	۳۹۹	لفظ ذوالیدین کی وضاحت	۳۴۲
۳۸۳	حضرت مطرف بن عبداللہ بن الشخیر رضی اللہ عنہ	۳۳۰	۴۰۰	دو اشکال اور ان کا جواب	۳۴۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۰۱	حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ	۳۴۵	۴۲۰	حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی شان صدق و	۳۷۵
۴۰۲	کھڑے ہونے یا بیٹھنے کے قریب ہونے	۳۴۶		راستی۔	
	کی تفسیر اور اس بارے میں صحیح تر قول		۴۲۱	نماز باجماعت اور اس کی فضیلت	۳۷۶
۴۰۳	ایک اشکال اور اس کا جواب	۳۴۷	۴۲۲	نماز باجماعت سنت مؤکدہ ہے یا فرض	۳۷۶
۴۰۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہاں کہاں سہو لاحق	۳۴۸		و واجب اس کی تحقیق	
	ہوا اس کی تفصیل		۴۲۳	احناف کے نزدیک نماز باجماعت واجب ہے	۳۷۶
۴۰۵	سلام سے پہلے یا بعد سہو کرنے کا اختلاف	۳۴۹	۴۲۴	نماز باجماعت چھوڑنے پر وعید اور ڈانٹ	۳۷۸
	اولویت و افضلیت میں اختلاف ہے	۳۴۹	۴۲۵	بول اور قضائے حاجت کے تقاضا کے	۳۸۰
۴۰۶	قرآن مجید کے سجدوں کا باب	۳۴۹		وقت ترک جماعت جائز ہے	۳۸۰
۴۰۷	سجدہ تلاوت میں علماء کا اختلاف	۳۴۹	۴۲۶	حنفی، شافعی کی اقتداء میں نماز پڑھے یا	۳۸۱
۴۰۸	ایک من گھڑت قصے کا رد و ابطال	۳۵۱		نہ پڑھے	
۴۰۹	لفظ عزیمت کا معنیٰ	۳۵۳	۴۲۷	عورت کا مسجد میں نماز باجماعت کے لیے	۳۸۲
۴۱۰	حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ	۳۵۳		آنا منع ہے۔	
۴۱۱	ایک سوال اور اس کا جواب	۳۵۳	۴۲۸	عورت کے لیے مسجد کی بجائے گھر میں نماز	۳۸۳
۴۱۲	قرآنی سجدوں کی کل تعداد چودہ ہے۔	۳۵۵		پڑھنے کی فضیلت	
	سورہ حج میں دوسرا سجدہ نہیں، اس کی تحقیق		۴۲۹	صف اول میں نماز ادا کرنے کی فضیلت	۳۸۵
۴۱۳	ممانعت نماز کے اوقات کی تفصیل	۳۶۱	۴۳۰	بلا عذر اکیلے نماز پڑھنا قبول نہیں	۳۸۶
۴۱۴	وضو کی فضیلت اور شان	۳۶۴	۴۳۱	حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ	۳۸۷
۴۱۵	حضرت عبدالرحمن بن ازہر	۳۶۷	۴۳۲	نماز باجماعت ساری رات نفل پڑھنے سے	۳۹۳
۴۱۶	نماز عصر کے بعد دو رکعت پڑھنے کی تحقیق	۳۶۷		بہتر ہے۔	
۴۱۷	سوال و جواب	۳۶۸	۴۳۳	حضرت شقار رضی اللہ عنہ	۳۹۴
۴۱۸	فجر کی دو سنتیں اگر پہلے نہ پڑھی ہوں تو فجر کے	۳۷۰	۴۳۴	صف سیدھی کرنے کا باب	۳۹۵
	دو فرضوں کے بعد پڑھے اور اس کی تحقیق		۴۳۵	صف سیدھی کرنے کا مطلب و معنیٰ	۳۹۵
۴۱۹	حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ	۳۷۱	۴۳۶	ظاہر کی درستی سے باطن کی اصلاح ہوتی ہے	۳۹۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۳۷	حضرت نعمان بن بشیر کے حالات	۳۹۶
۴۳۸	صفیں سیدھی کرنے کی تاکید	۳۹۶
۴۳۹	صف سیدھی کرنا اقامت نماز میں داخل ہے	۳۹۸
۴۴۰	ترتیب صفوف کا بیان	۳۹۹
۴۴۱	سیدھی صفیں ملائکہ کی صفوں کی طرح ہیں۔	۴۰۰
۴۴۲	اگلی صفوں کو مکمل کرنا	۴۰۳
۴۴۳	مسجد نبوی شریف میں امام کی بائیں جانب کھڑے ہونا افضل ہے۔	۴۰۴
۴۴۴	نماز کی جگہ کا بیان	۴۰۸
۴۴۵	حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا	۴۱۰
۴۴۶	حضرت عمار کے حالات	۴۱۱
۴۴۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف کس چیز سے بنا ہوا تھا	۴۱۲
۴۴۸	آپ کا منبر شریف بنانے والے کا نام۔	۴۱۳
۴۴۹	ایک شبہ اور اس کا جواب	۴۱۴
۴۵۰	حضرت ابو مالک الاشعری	۴۱۵
۴۵۱	امامت کا باب	۴۱۷
۴۵۲	امامت صغریٰ و امامت کبریٰ	۴۱۷
۴۵۳	امامت نماز کے سب سے زیادہ کون لائق ہے	۴۱۸
۴۵۴	سوال و جواب	۴۱۸
۴۵۵	دین میں اچھا آدمی اذان دے	۴۲۰
۴۵۶	حضرت ابو عطیہ عقیلی رضی اللہ عنہ	۴۲۱
۴۵۷	حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	۴۲۲
۴۵۸	نابینا کی امامت کا مسئلہ	۴۲۲
۴۵۹	نابینا کی امامت سے متعلق شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ کا اپنا ایک واقعہ	۴۲۲
۴۶۰	افضل کے ہوتے ہوئے غیر افضل کی امامت بھی جائز ہے۔	۴۲۲
۴۶۱	تین شخصوں کی نماز مقبول نہیں ہوتی	۴۲۲
۴۶۲	باب امام پر کیا لازم ہے	۴۲۷
۴۶۳	امام نماز کے ذمے مقتدیوں کے کیا حقوق ہیں	۴۲۷
۴۶۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کامل بھی ہوتی تھی اور ہلکی بھی	۴۲۸
۴۶۵	حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ	۴۲۹
۴۶۶	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ	۴۲۹
۴۶۷	امت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت	۴۲۹
۴۶۸	امام کو چاہیے کہ نماز زیادہ لمبی نہ کرے	۴۳۰
۴۶۹	حضرت عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ	۴۳۲
۴۷۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف	۴۳۳
۴۷۱	سوال و جواب اور شیعہ فرقہ کی تردید	۴۳۸
۴۷۲	اس امت میں گناہ پر مسخ صورت نہ ہوگا	۴۳۹
۴۷۳	رکوع میں شامل ہونے سے رکعت مل جاتی ہے اس مسئلے کی تحقیق	۴۳۹
۴۷۴	لگاتار چالیس دن تکبیر اولیٰ پانے کی فضیلت	۴۴۰
۴۷۵	تکبیر اولیٰ پانے کا مطلب	۴۴۰
۴۷۶	حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے متعلق ایک واقعہ۔	۴۴۱
۴۷۷	حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ کے حالات	۴۴۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۷۸	حضرت عبداللہ بن عقبہ کے حالات	۴۴۲
۴۷۹	انبیاء علیہم السلام پر صرف مرض کی بے ہوشی طاری ہو سکتی ہے۔ دیوانگی کی بے ہوشی ان پر طاری نہیں ہو سکتی	۴۴۳
۴۸۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں سترہ دن بیمار رہے۔	۴۴۴
۴۸۱	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک شبہ اور اس کا جواب	۴۴۴
۴۸۲	ایک نماز دو مرتبہ پڑھنے کا باب	۴۴۵
۴۸۳	حضرت بسر بن محجن رضی اللہ عنہ	۴۴۸
۴۸۴	حضرت سلیمان مولیٰ میمونہ رضی اللہ عنہا کے حالات	۴۵۱
۴۸۵	لفظ بلاط کی تحقیق	۴۵۱
۴۸۶	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	۴۵۴
۴۸۷	پانچوں نمازوں کے ساتھ سنت مؤکدہ پڑھنے کی فضیلت	۴۵۴
۴۸۸	حضرت عبداللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ	۴۵۶
۴۸۹	سنت فجر کی تاکید	۴۵۶
۴۹۰	سنت نمازوں کی اخذیت میں ترتیب	۴۵۷
۴۹۱	حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ	۴۵۷
۴۹۲	جمعہ کے دو فرض کے بعد سنتوں کی تعداد	۴۵۸
۴۹۳	حضرت عبداللہ بن السائب صحابی رضی اللہ عنہ	۴۵۹
۴۹۴	ادبار النجوم وادبار السجود سے مراد	۴۶۲
۴۹۵	عصر کے بعد دو رکعت سنت پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے تھا۔	۴۶۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۴۹۶	نفل اور سنت نماز گھروں میں پڑھنی چاہیے	۴۶۷
۴۹۷	رات کی نماز کا بیان	۴۷۱
۴۹۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کی تعداد رکعات	۴۷۱، ۴۷۲
۴۹۹	کیا نماز تہجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی	۴۷۲
۵۰۰	سجدہ شکر کا وجود ثابت ہے یا نہیں	۴۷۳
۵۰۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنت فجر میں قل یا ایہا الکافرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے۔	۴۷۳
۵۰۲	سنت فجر پڑھ کر فرض نماز ادا کرنے سے پہلے سونا۔	۴۷۴
۵۰۳	دائیں پہلو پر سونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی۔	۴۷۵
۵۰۴	دائیں پہلو سونے میں حکمت	۴۷۵
۵۰۵	حضرت مسروق رضی اللہ عنہ	۴۷۶
۵۰۶	تہجد کے وقت کی ایک خاص دعا	۴۷۹
۵۰۷	حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے نزدیک اس دعا کی فضیلت	۴۷۹
۵۰۸	اس دعا کی تفسیر	۴۷۹
۵۰۹	وتر نماز تین رکعت ہے	۴۸۱
۵۱۰	حضرت زید بن الجہنی کے حالات	۴۸۲
۵۱۱	سوئے ہوئے آدمی کو نماز کے لیے بیدار کرنا چاہیے۔	۴۸۸
۵۱۲	نوافل میں ایک ہی آیت کا تکرار جائز ہے	۴۸۸
۵۱۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شب بیداری	۴۹۰
۵۱۴	باب جب رات کو اٹھے تو کیا پڑھے	۴۹۲

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۱۵	وہ دعا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت پڑھتے تھے۔	۴۹۲
۵۱۶	بہت جلد قبول ہونے والی دعا	۴۹۶
۵۱۷	حضرت شریق الہوزنی رضی اللہ عنہ	۴۹۸
۵۱۸	حضرت ربیعہ اسلمی رضی اللہ عنہ	۴۹۹
۵۱۹	شب بیداری کے فوائد و فضائل	۴۹۹
۵۲۰	نماز کے وقت سوئے رہنے والے آدمی کے کان میں کان کے بول کرنے سے مراد	۵۰۱
۵۲۱	رب تعالیٰ کے آسمان دنیا پر نازل فرمانے سے مراد	۵۰۲
۵۲۲	لفظ دعا اور سوال کا معنیٰ	۵۰۳
۵۲۳	ہر رات میں اجابت دعا کی ایک گھڑی ہے اور وہ نصف رات کی گھڑی ہے۔	۵۰۳
۵۲۴	ایک اشکال اور اس کا جواب	۵۰۴
۵۲۵	احیاء لیل کے دو معنیٰ	۵۰۵
۵۲۶	نماز تہجد کی فضیلت	۵۰۵
۵۲۷	تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے	۵۰۶
۵۲۸	بندے کے لیے قرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ	۵۰۶
۵۲۹	حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ	۵۰۷
۵۳۰	جنت میں بالاخانوں میں رہنے والے لوگ	۵۰۸
۵۳۱	حضرت جنید بغدادی کا ایک قول	۵۱۰
۵۳۲	عمل قلیل جو ہمیشہ ہو بہت موثر ہے	۵۱۳
۵۳۳	لفظ غدوۃ روحۃ اور دُلجہ کا معنیٰ	۵۱۶
۵۳۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثل ہیں	۵۲۰
۵۳۵	بعض دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جبہ مبارک کو چومتے تھے۔	۵۰۲
۵۳۶	حضرت سالم بن ابو الجعد رضی اللہ عنہ	۵۲۱
۵۳۷	نماز متقین کے لیے سامان راحت ہے	۵۲۱
۵۳۸	نماز وتر کا بیان	۵۲۲
۵۳۹	وتر نماز سنت ہے یا واجب نیز یہ ایک رکعت ہے یا تین رکعت۔ اس بارے میں ائمہ کا اختلاف اور تحقیق	۵۲۲
۵۴۰	لفظ وتر کا معنیٰ	۵۲۳
۵۴۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کی تحقیق	۵۲۴
۵۴۲	حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ	۵۲۵
۵۴۳	وتر کے بعد دو رکعت نماز اور اس میں ایک اشکال اور اس کا جواب	۵۲۶
۵۴۴	وتر عشاء کے ساتھ ہی پڑھے یا تہجد کے ساتھ	۵۲۷
۵۴۵	علم دین میں مشغول رہنا افضل ترین کام ہے	۵۲۹
۵۴۶	دینی طالب علم کے لیے رعایت	۵۲۹
۵۴۷	حضرت عفیف بن الحارث کے حالات	۵۳۰
۵۴۸	حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اصل نام	۵۳۱
۵۴۹	عدد وتر کے محبوب ہونے کی وجہ	۵۳۲
۵۵۰	حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ	۵۳۳
۵۵۱	حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ	۵۳۴
۵۵۲	ذکر بالجہر جائز ہے۔	۵۳۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۵۵۳	دعائے قنوت کا باب	۵۴۱	۵۷۴	ہر انسان جنت میں اللہ کے فضل سے ہی	۵۷۱
۵۵۴	حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ کے حالات	۵۴۳		جائے گا	
۵۵۵	حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ	۵۴۳	۵۷۵	حکم شریعت سے دل میں کینہ رکھنا جائز ہے	۵۷۲
۵۵۶	حضرت عیاش بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	۵۴۴	۵۷۶	وہ بدبخت لوگ جن کی مغفرت شب برات	۵۷۳
۵۵۷	قبیلہ مضر بن نزار پر حضور کی بددعا	۵۴۴		کو بھی نہیں ہوتی۔	
۵۵۸	آیتہ لیس لک من الامر شی" کی تفسیر	۵۴۴	۵۷۷	شب برات کی فضیلت	۵۷۳
۵۵۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک ماہ رکوع	۵۴۷	۵۷۸	نماز چاشت کا بیان۔ لفظ الضحیٰ کی تحقیق	۵۷۳
	کے بعد دعا قنوت پڑھی جائے۔		۵۷۹	نماز اشراق و چاشت کا وقت	۵۷۳
۵۶۰	دعائے قنوت میں آئمہ کا اختلاف	۵۴۹،۵۵۰	۵۸۰	حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا	۵۷۴
۵۶۱	رمضان شریف میں قیام (تراویح) کا باب	۵۵۱	۵۸۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز چاشت	۵۷۴
۵۶۲	تراویح کو تراویح کہنے کی وجہ	۵۵۱		فتح مکہ کے شکرانے کے طور پر پڑھی۔	۵۷۴
۵۶۳	تراویح کی تحقیق میں حضرت شیخ قدس سرہ کا	۵۵۱	۵۸۲	حضرت معاذہ رضی اللہ عنہا	۵۷۵
	ایک رسالہ۔		۵۸۳	لفظ سُلامیٰ کی تحقیق	۵۷۶
۵۶۴	اہل مدینہ کی نماز تراویح	۵۵۱	۵۸۴	حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ	۵۷۶
۵۶۵	حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	۵۵۲	۵۸۵	حضرت نعیم بن ہمار رضی اللہ عنہ	۵۷۷
۵۶۶	نفل نماز گھر میں پڑھنی چاہیے	۵۵۳	۵۸۶	حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ	۵۷۸
۵۶۷	سحری کھانے کا قاعدہ	۵۵۴	۵۸۷	نماز اشراق کی فضیلت	۵۷۹
۵۶۸	حضرت عبدالرحمٰن بن عبدالقاری	۵۵۷	۵۸۸	نفل نماز کا بیان۔ لفظ تطوع کا معنیٰ	۵۷۲
۵۶۹	حضرت عمر نے نماز تراویح کو بدعت حسنہ	۵۵۷	۵۸۹	تحیۃ الوضو کی فضیلت	۵۷۳
	قرار دیا		۵۹۰	نفل استخارہ اور اس کی دعا	۵۷۴
۵۷۰	حضرت تمیم الداری رضی اللہ عنہ	۵۵۸	۵۹۱	صلوٰۃ الاستغفار کا بیان	۵۷۵
۵۷۱	بیس رکعت تراویح	۵۵۸	۵۹۲	پریشانی کے وقت نماز سے مدد لو کہ نماز میں	۵۷۵
۵۷۲	حضرت عبدالرحمٰن اعرج	۵۵۹		عالم ربوبیت کا انکشاف ہوتا ہے جس سے غم و فکر	
۵۷۳	حضرت عبداللہ بن ابوبکر کے بارے میں تحقیق	۵۵۹		کی ظلمت دل سے دور ہو جاتی ہے۔	

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
٥٩٣	باوضو رہنے کی فضیلت	٥٧٦
٥٩٤	حضرت عبداللہ بن ادنیٰ کے حالات	٥٧٧
٥٩٥	صلوٰۃ التسبیح کا بیان	٥٧٨
٥٩٦	نماز سفر کا بیان۔ نماز قصر کے وجوب اور عدم وجوب میں اختلاف آئمہ	٥٨٢
٥٩٧	ذوالحلیفہ کی تحقیق	٥٨٤
٥٩٨	حضرت حارثہ بن وھب خزاعی رضی اللہ عنہ	٥٨٤
٥٩٩	حضرت یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ کے حالات	٥٨٥
٦٠٠	وجوب قصر پر احناف کی دلیل اور اس پر ایک اعتراض اور اس کا جواب	٥٨٥
٦٠١	سفر میں سنت نماز کا حکم	٥٨٨
٦٠٢	نفل اور سنت نماز سواری پر جائز ہے	٥٨٩
٦٠٣	مقیم نمازی مسافر کے پیچھے پوری نماز پڑھے	٥٩٠
٦٠٤	جمع بین صلوٰتین کی تحقیق اور اختلاف آئمہ	٥٩٣
٦٠٥	اس بارے میں مذہب احناف کی تحقیق	٥٩٣
٦٠٦	جمع بین صلوٰتین والی احادیث کا مطلب و معنی	٥٩٤
٦٠٧	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے منیٰ میں اپنے آخری دور خلافت میں قصر نہ کرنے کی وجہ	٥٩٥
٦٠٨	میل کتنی مسافت کے فاصلہ کو کہتے ہیں	٥٩٨
٦٠٩	جمعہ کا بیان۔ لفظ جمعہ کی تحقیق اور اس دن کے فضائل	٦٠٠
٦١٠	جمعہ کو جمعہ کہنے کی وجہ	٦٠٠
٦١١	دور جاہلیت میں جمعہ کا نام عروبہ تھا	٦٠٢
٦١٢	حضرت آدم علیہ السلام جمعہ کی صبح پیدا ہوئے	٦٠٢

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
	پیشی کے وقت جنت میں داخل ہوئے اور عصر کے وقت جنت سے نکالے گئے۔	٦٠٤
٦١٣	جمعہ کے دن حضرت آدم کے جنت میں جمعہ کی فضیلت کی وجہ	٦٠٤
٦١٤	جمعہ کے دن افضل گھڑی کا بیان	٦٠٤
٦١٥	اس گھڑی کی تعیین میں مختلف اقوال	٦٠٥
٦١٦	صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ گھڑی جمعہ کے دن کی آخری گھڑی ہے۔	٦٠٥
٦١٧	حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ	٦٠٨
٦١٨	حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ	٦١٠
٦١٩	لفظ اَرِمتَ کی تحقیق	٦١١
٦٢٠	انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ رہنا متفق علیہ مسئلہ ہے	٦١١
٦٢١	یوم موعود اور شاہد و مشہود کی تفسیر۔	٦١٢
٦٢٢	موسیٰ بن عبیدہ کی جرح و تعدیل	٦١٢
٦٢٣	حضرت لبابہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ۔	٦١٣
٦٢٤	یوم جمعہ کا نام جمعہ کیوں رکھا گیا	٦١٤
٦٢٥	جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو مرنے والا فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے۔	٦١٦
٦٢٦	ماہ رجب و شعبان کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا۔	٦١٧

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۶۲۷	جمعہ کے واجب ہونے کا بیان	۶۱۷
۶۲۸	جمعہ کتاب و سنت اور اجماع سے ثابت شدہ ہے اس کا منکر کافر ہے۔	۶۱۷
۶۲۹	جمعہ نماز ظہر کا خلیفہ ہے	۶۱۷
۶۳۰	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر شریف لکڑی کا تھا	۶۱۸
۶۳۱	حضرت جعد ضمیری رضی اللہ عنہ	۶۱۸
۶۳۲	حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے حالات و فضائل۔	۶۱۹
۶۳۳	ایک شبہ اور اس کا جواب	۶۲۰
۶۳۴	جمعہ شہر میں رہنے والے اور مقیم پر فرض ہے۔	۶۲۰
۶۳۵	حضرت طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ	۶۲۱
۶۳۶	نماز جمعہ کے لیے جماعت شرط ہے	۶۲۱
۶۳۷	چار قسم کے افراد پر جمعہ فرض نہیں	۶۲۱
۶۳۸	تارک جمعہ کے لیے وعید	۶۲۶
۶۳۹	تارک جمعہ منافق لکھا جاتا ہے	۶۲۲
۶۴۰	جمعہ کے لیے پاک و صاف ہو کر جلدی آنے کا بیان	۶۲۳
۶۴۱	مصلی بچھا کر نہ بیٹھنا بلکہ صرف جگہ روکنا منع ہے	۶۲۴
۶۴۲	روغن کدو و خوشبو میں داخل ہے	۶۲۵
۶۴۳	قبل جمعہ کی سنتیں	۶۲۵
۶۴۴	خطبہ کے دوران خاموشی ضروری ہے۔	۶۲۵
۶۴۵	نماز جمعہ کا ثواب و فضیلت	۶۲۵
۶۴۶	جمعہ کے لیے پہلے آنے والے کا ثواب دو درجہ	۶۲۶
۶۴۷	لفظ بَدَنہ کا معنیٰ	۶۲۷
۶۴۸	صحیح اور فصیح تر دَجَاجَہ یا دِجَاجہ ہے۔	۶۲۷
۶۴۹	خطبہ کے دوران کلام ممنوع ہونے کی تشریح	۶۲۸
۶۵۰	خطبہ کے دوران کلام کرنا منع ہے	۶۲۷
۶۵۱	حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ	۶۳۰
۶۵۲	جمعہ کے لیے اچھا لباس ہونا چاہیے	۶۳۱
۶۵۳	خطبہ کے دوران بولنے پر وعید	۶۳۵
۶۵۴	خطبہ جمعہ اور نماز کا بیان	۶۳۷
۶۵۵	خطبہ جمعہ فرض ہے	۶۳۷
۶۵۶	الفاظ جمعہ کی مقدار	۶۳۷
۶۵۷	حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ	۶۳۹
۶۵۸	حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ	۶۳۹
۶۵۹	مقام زوراء کی تحقیق	۶۳۹
۶۶۰	جمعہ کی دوسری یعنی موجودہ پہلی اذان کب شروع ہوئی اس کی بانی	۶۴۰
۶۶۱	جو چیز خلفائے راشدین نے جاری کی وہ بھی سنت ہے۔	۶۴۰
۶۶۲	دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے	۶۴۱
۶۶۳	حضرت عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ	۶۴۵
۶۶۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ مدینہ منورہ آکر پڑھا۔	۶۴۶
۶۶۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں بالقصد کے قریب جمعے پڑھے ہیں۔	۶۴۸
۶۶۶	حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ	۶۴۹

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۶۶۷	خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر پڑھنا سنت ہے	۶۴۹	۶۸۸	حضرت ابو الحویرث رضی اللہ عنہ	۶۷۷
۶۶۸	حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا جذبہ فرمانبرداری	۶۵۰	۶۸۹	حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ	۶۷۷
۶۶۹	نماز خوف کا بیان	۶۵۱	۶۹۰	نماز عید فطر دیر سے اور نماز عید بقر جلدی پڑھنے میں حکمت	۶۷۷
۶۷۰	حضرت سالم بن عبداللہ کے حالات	۶۵۳	۶۹۱	بلال عید کا ایک واقعہ	۶۷۷
۶۷۱	حضرت صالح بن خوات رضی اللہ عنہ	۶۵۵	۶۹۲	حضرت ابن جریج رضی اللہ عنہ	۶۷۸
۶۷۲	غزوہ ذات الرقاع کا بیان	۶۵۵	۶۹۳	مروان بن الحکم والی مدینہ	۶۸۰
۶۷۳	مقام بطنِ نخل	۶۵۹	۶۹۴	نماز عید پہلے ہے اور خطبہ بعد میں	۶۸۱
۶۷۴	ضجنان وعُسفان	۶۶۰	۶۹۵	مروان بن الحکم نے نماز عید سے پہلے خطبہ پڑھنا شروع کیا اس کی اس اختراع کی وجہ	۶۸۱
۶۷۵	عیدین کا بیان۔ لفظ عید کا معنیٰ	۶۶۰	۶۹۶	قربانی کا باب۔ لفظ اُضحیہ کی تحقیق	۶۸۲
۶۷۶	نماز عید فرض کفایہ ہے	۶۶۱	۶۹۷	قربانی کے واجب و سنت ہونے میں آئمہ کا اختلاف	۶۸۲
۶۷۷	کیا عید کے نماز عید سے پہلے یا بعد کوئی نماز ہے ،اس کی تحقیق۔	۶۶۴	۶۹۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے دست اقدس سے قربانی کے دنبے ذبح فرمائے	۶۸۲
۶۷۸	حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا	۶۶۵	۶۹۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی طرف سے بھی قربانی کی۔	۶۸۴
۶۷۹	یوم بعاث	۶۶۶	۷۰۰	کن جانوروں کی قربانی جائز ہے اور کن کی نہیں۔	۶۸۴
۶۸۰	خوشی کے موقعہ پر دف وغیرہ بجانے	۶۶۶	۷۰۱	چھ ماہ چھترے کی قربانی کس صورت میں جائز ہے	۶۸۵
۶۸۱	مزامیر کے ساتھ سماع والوں کی ایک دلیل اور اس کا جواب	۶۶۷	۷۰۲	لفظ عتود کی تفسیر	۶۸۵
۶۸۲	سماع کے متعلق حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک	۶۶۸	۷۰۳	شرع شریف کے جملہ احکام حلال و حرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کر دیے گئے ہیں۔	۶۸۶
۶۸۳	عید کی نماز کے لیے راستہ بدل کر آنے جانے کی حکمتیں	۶۶۹	۷۰۴	ایک سوال اور اس کا جواب	۶۸۷
۶۸۴	نحر و ذبح کا معنیٰ	۶۷۱			
۶۸۵	غیر مسلموں کے تہواروں میں شرکت کرنا منع ہے	۶۷۲			
۶۸۶	عید کے دن کھانے پینے میں حکمت	۶۷۳			
۶۸۷	تکبیرات عیدین کی تعداد میں اختلاف آئمہ	۶۷۴			

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۰۵	قربانی کرنے والا قربانی سے پہلے ناخن نہ کاٹے اور بال نہ ترشوائے، اس کی حکمت۔	۶۸۷
۷۰۶	ایک اعتراض اور اس کا جواب	۶۸۹
۷۰۷	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل بھی امت میں داخل ہے	۶۹۰
۷۰۸	حضرت حَنَش راوی کے حالات	۶۹۰
۷۰۹	میت کی طرف سے بھی قربانی کرنا جائز ہے	۶۹۰
۷۱۰	کیسے جانور کی قربانی ناجائز ہے	۶۹۱
	حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ	
۷۱۱	ذوالحجہ کے دس دن رمضان کے دس دنوں سے افضل ہیں۔	۶۹۵
۷۱۲	حضرت جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	۶۹۵
۷۱۳	قربانی کے تین دن ہیں	۶۹۶
۷۱۴	قربانی سنہ ۲ھ میں شروع ہوئی	۶۹۶
۷۱۵	عُتیرہ کا بیان	۶۹۷
۷۱۶	حضرت مخنف بن سلیم رضی اللہ عنہ	۶۹۹
۷۱۷	نماز خسوف کا بیان	۷۰۰
۷۱۸	خسوف اور کسوف کا معنیٰ	۷۰۰
۷۱۹	احناف کے نزدیک سورج گرہن میں دو رکعت نماز نفل ہے۔	۷۰۱
۷۲۰	گرہن کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صرف ایک دفعہ واقع ہوا۔	۷۰۱
۷۲۱	سورج اور چاند گرہن اللہ تعالیٰ کی قدرتوں میں سے ہیں۔	۷۰۵
۷۲۲	حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۷۰۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۲۳	حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات کا دن	۷۰۷
۷۲۴	نجومیوں کے ایک خیال کی تردید	۷۰۷
۷۲۵	حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ	۷۰۸
۷۲۶	حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ	۷۱۰
۷۲۷	سجدہ شکر کا بیان	۷۱۲
۷۲۸	نماز کے بغیر صرف سجدہ کرنا جائز ہے یا نہیں اس مسئلے کی وضاحت	۷۱۳
۷۲۹	حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ	۷۱۴
۷۳۰	امت کے لیے شفاعت کا سوال	۷۱۵
۷۳۱	موضع عزوزاء کی تحقیق	۷۱۵
۷۳۲	ایک شبہ اور اس کا مکمل جواب	۷۱۶
۷۳۳	نماز استسقاء کا بیان	۷۱۶
۷۳۴	حضرت عمیر ابی اللحم رضی اللہ عنہ	۷۲۱
۷۳۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اثر	۷۲۵
۷۳۶	ہواؤں کا باب	۷۲۷
۷۳۷	باد صبا اور باد دبور کی تشریح	۷۲۷
۷۳۸	حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جلال حق کا غلبہ رہتا تھا	۷۲۸
۷۳۹	ریح اور ریاح کے استعمال میں فرق	۷۳۳
۷۴۰	جنائز کی کتاب	۷۳۶
۷۴۱	لفظ جنائز کی تفسیر	۷۳۶
۷۴۲	عیادت کا معنیٰ	۷۳۶
۷۴۳	بھوکے کو کھانا کھلانا بعض صورتوں میں فرض ہے۔	۷۳۷

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۴۴	سلام کا جواب حقوق اسلام میں سے ہے	۷۳۷
۷۴۵	دعوت قبول کرنا اس وقت سنت ہے جب کہ وہاں کوئی خلاف شرع کام نہ ہو۔	۷۳۷
۷۴۶	مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں۔	۷۳۸
۷۴۷	عیادت مریض کی فضیلت	۷۴۱
۷۴۸	لفظ خرفہ کی تحقیق	۷۴۱
۷۴۹	شان اولیاء کرام	۷۴۳
۷۵۰	اللہ تعالٰے کے بیمار ہونے کا مطلب	۷۴۳
۷۵۱	بیماری میں صبر و تحمل چاہیے۔ کہ بیماری انسان کو گناہوں سے پاک کرتی ہے۔	۷۴۴
۷۵۲	بیماری سے شفایاب ہونے کی دعا	۷۴۴
۷۵۳	عملیات کے اثرات کے اسرار و رموز	۷۴۵
۷۵۴	اہلِ فلسفہ کی تنقید	۷۴۵
۷۵۵	تُربَۃ اَرضِنا کی تحقیق و تفسیر	۷۴۶
۷۵۶	معوذات کی تفسیر	۷۴۶
۷۵۷	بیماری دور کرنے کا دم اور وظیفہ	۷۴۷
۷۵۸	لفظ شیطان، ہامۃ، اور لامۃ کی تفسیر	۷۴۷
۷۵۹	مصیبت ہمیشہ خدا کے غضب کا نشان نہیں ہوتی بلکہ لطف و مہربانی کے طور پر بھی ہوتی ہے	۷۴۹
۷۶۰	لفظ مصیبت کا معنیٰ	۷۴۹
۷۶۱	ہَم و غَم میں فرق	۷۴۹
۷۶۲	لفظ وَعک کا معنیٰ	۷۵۰
۷۶۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درد و تکلیف میں مبتلا ہونے میں حکمت	۷۵۰

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۶۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کی شدت آپ کے بلند مقام کی وجہ سے تھی۔	۷۵۱
۷۶۵	مومن و منافق کی مثال	۷۵۱
۷۶۶	بخار کو گالی نہ دو کہ یہ گناہوں کو مٹاتا ہے	۷۵۲
۷۶۷	مرض طاعون مومن کے لیے موت شہادت کا ذریعہ ہے۔	۷۵۳ ۷۵۳
۷۶۸	مرض طاعون کی تحقیق	۷۵۳
۷۶۹	شہید پانچ قسم کے ہیں۔	۷۵۴
۷۷۰	لفظ صدم کی تحقیق	۷۵۴
۷۷۱	حضرت زید بن ارقم انصاری رضی اللہ عنہ	۷۵۷
۷۷۲	لفظ خریف کی تحقیق	۷۵۸
۷۷۳	ایک دعا برائے شفائے امراض	۷۵۹
۷۷۴	نصیحت آموز اشعار	۷۶۲
۷۷۵	حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ	۷۶۴
۷۷۶	مصائب و تکالیف نیک درجات کے مطابق لاحق ہوتے ہیں۔ لہذا سب سے زیادہ نزول مصائب انبیاء علیہم السلام پر ہوتا ہے	۷۶۶
۷۷۷	حضور علیہ السلام کی جان کندن کی تکلیف میں اسرار و حکمتیں۔ اور ان میں سے عمدہ حکمت و وجہ کا بیان	۷۶۷
۷۷۸	خدا تعالٰے کے راضی یا ناراض ہونے کی علامت	۷۶۹
۷۷۹	انسان کے ہاتھ نئے طرح کے مصائب بھی پیدا کیے گئے ہیں۔	۷۷۱
۷۸۰	نزول مصائب کا معتقد اور مومن و کافر کی مثال	۷۷۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۸۱	ایک مرگی کی مریضہ عورت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض وگزارش	۷۷۵
۷۸۲	حضرت عطا بن ابی رباح رضی اللہ عنہ	۷۷۶
۷۸۳	بیماری کا اجر وثواب	۷۷۷
۷۸۴	مومن کا بیماری میں مبتلا ہونا خدا کا خاص انعام ہے۔	۷۸۰
۷۸۵	ایک سوال وجواب	۷۸۲
۷۸۶	مریض کی دعا ملائکہ کی دعا کی طرح ہے	۷۸۳
۷۸۷	بیماروں کو اللہ تعالیٰ کھلاتا پلاتا ہے	۷۸۴
۷۸۸	جنت میں ایک چابک کی مقدار جگہ ساری دنیا سے بہتر ہے۔	۷۸۵
۷۸۹	مسافری کی موت موت شہادت ہے	۷۸۵
۷۹۰	موت کی آرزو اور اس کی یاد کا بیان	۷۸۸
۷۹۱	بیماری وغیرہ سے تنگ آکر موت کی آرزو کرنا منع ہے۔	۷۸۸
۷۹۲	لقائے الٰہی کے شوق موت کی آرزو کمال ایمان کی علامت ہے۔	۷۸۸
۷۹۳	موت کی یاد کا مطلب	۷۸۸
۷۹۴	اللہ تعالےٰ سے پورا حیا کرنے کا معنیٰ ومطلب	۷۹۶
۷۹۵	خدا تعالےٰ کے قرب ووصل کا معنیٰ	۷۹۷
۷۹۶	آخرت کی نعمتیں اور درجات حضور کے چہرہ انور پر نگاہ ڈالنے کے شرف سے کم تر ہیں۔ (سبحان اللہ)	۸۰۱
۷۹۷	ایک درویش کا بیان کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں زندگی بہتر تھی اب موت بہتر ہے	۸۰۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۷۹۸	ایک سوال وجواب	۸۰۱
۷۹۹	حضرت خباب رضی اللہ عنہ	۸۰۲
۸۰۰	اذخر گھاس کی تحقیق	۸۰۲
۸۰۱	مرنے والے کے پاس کیا پڑھا جائے	۸۰۳
۸۰۲	وقت موت کی علامات	۸۰۳
۸۰۳	بوقت موت تلقین کا طریقہ	۸۰۳
۸۰۴	انا للہ وانا الیہ راجعون کا معنیٰ	۸۰۴
۸۰۵	حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ	۸۰۷
۸۰۶	مرنے والے کے پاس سورہ یٰسین شریف پڑھی جائے اور اس کی وجہ	۸۰۷
۸۰۷	حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے حالات	۸۰۸
۸۰۸	حضرت حصین بن وُحُوُح رضی اللہ عنہ	۸۰۹
۸۰۹	حضرت طلحہ بن البراء انصاری رضی اللہ عنہ	۸۰۹
۸۱۰	حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہم	۸۱۰
۸۱۱	لفظ ریطہ کا معنیٰ	۸۱۴
۸۱۲	ملائکہ موت کی آمد اور جان کندن کی کیفیت	۸۱۸
۸۱۳	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں صحابہ کا ادب۔	۸۲۲
۸۱۴	مقام علیین	۸۲۲
۸۱۵	سجین ساتویں زمین کے نیچے ایک جگہ ہے	۸۲۴
۸۱۶	حدیث میں واقع لفظ صاہ صاہ کا معنیٰ	۸۲۴

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۸۱۷	مومن کی روح جنت کا پرندہ بن کر اڑتی رہتی ہے۔ اس کی تفسیر و تشریح	۸۲۶
۸۱۸	لفظ نسمہ کا اطلاق و معنیٰ	۸۲۶
۸۱۹	ارواح باقی رہتی ہیں	۸۲۶
۸۲۰	غسل میت اور اس کی تکفین	۸۲۷
۸۲۱	غسل میت فرض ہے	۸۲۷
۸۲۲	حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے حالات	۸۲۸
۸۲۳	صالحین کے لباس اور آثار سے تبرک حاصل کرنا۔ بعد موت قبر میں اور زندگی میں بھی مستحب ہے۔	۸۲۹
۸۲۴	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کفن مبارک سفید سوتی کپڑے کا تھا۔ اور صرف تین کپڑوں پر مشتمل تھا کہ کفن سنت تین کپڑے ہیں۔	۸۳۰
۸۲۵	بعض متاخرین فقہا نے معززہ اشراف لوگوں کے لیے کفن میں عمامہ کو بھی شامل کیا ہے۔	۸۳۰
۸۲۶	اپنے کفن کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وصیت	۸۳۲
۸۲۷	ایک اشکال اور اس کا جواب	۸۳۳
۸۲۸	بہترین قربانی سینگوں والا دنبہ ہے	۸۳۴
۸۲۹	حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	۸۳۵
۸۳۰	عبد اللہ بن ابی منافق کا حال	۸۳۷
۸۳۱	ایک سوال اور اس کا جواب	۸۳۷
۸۳۲	جنازے کے ساتھ چلنے اور اس پر نماز پڑھنے کا بیان	۸۳۸

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۸۳۳	جنازے کے ساتھ پیدل چلنا افضل ہے	۸۳۸
۸۳۴	نماز جنازہ کی صحت کی چند شرائط	۸۳۸
۸۳۵	غائبانہ نماز جنازہ نہ پڑھی جائے	۸۳۸
۸۳۶	امام شافعی کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ جائز ہے۔	۸۳۸
۸۳۷	بادشاہِ حبشہ کے حالات۔	۸۴۲
۸۳۸	غائبانہ نماز جنازہ کے قائل حضرات کی دلیل کا جواب	۸۴۲
۸۳۹	حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلے رضی اللہ عنہ	۸۴۳
۸۴۰	حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ	۸۴۵
۸۴۱	مسجد میں نماز جنازہ ادا کرنے میں اختلاف آئمہ۔	۸۴۶
۸۴۲	لفظ وَسَط اور وَسْط کی تحقیق	۸۴۷
۸۴۳	قبر پر نماز جنازہ پڑھنا	۸۴۹
۸۴۴	مومن زمین میں اللہ تعالےٰ کے گواہ ہیں	۸۵۲
۸۴۵	حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے محب و محبوب ہیں۔	۸۵۲
۸۴۶	شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی	۸۵۳
۸۴۷	اس بارے میں آئمہ کا اختلاف	۸۵۳
۸۴۸	نامکمل بچے پر نماز پڑھی جائے گی اگر زندہ پیدا ہوا ہو۔	۸۵۶
۸۴۹	جنازے کے ساتھ آگے چلنا چاہیے یا پیچھے	۸۵۷
۸۵۰	سورۃ فاتحہ نماز جنازہ سے پہلے یا بعد پڑھنا	۸۶۰
۸۵۱	نماز جنازہ کی دعا	۸۶۱

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۸۵۲	حضرت عبدالرحمن بن ابو لیلیٰ رضی اللہ عنہ	۸۶۴
۸۵۳	سلف۔ فرط۔ ذخر و اجر کا معنی	۸۶۹
۸۵۴	نابالغ بچوں کے قبر میں سوال و جواب میں اختلاف ہے۔	۸۶۹
۸۵۵	حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ	۸۷۰
۸۵۶	دفن میت کا بیان	۸۷۱
۸۵۷	دفن اور قبر کا معنیٰ	۸۷۱
۸۵۸	قبر میں دفن ہونے والا پہلا شخص ہابیل ہے	۸۷۱
۸۵۹	قبر دو قسم ہے لحد اور شق	۸۷۱
۸۶۰	حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ و حیات ہیں۔	۸۷۲
۸۶۱	قبر کی بلندی زمین سے ایک بالشت ہونی چاہیے	۸۷۲
۸۶۲	اوپر سے قبر کوہان نما ہونی چاہیے	۸۷۲
۸۶۳	قبر پر مٹی کی لپائی کرنا درست ہے	۸۷۳
۸۶۴	قبر پر بیٹھنا منع ہے	۸۷۳
۸۶۵	حضرت مرثد غنوی رضی اللہ عنہ	۸۷۴
۸۶۶	قبر گہری بنانا افضل ہے۔ اس گہرائی کی مقدار	۸۷۶
۸۶۷	انسان جہاں مرے وہیں دفن کرنا چاہیے	۸۷۶
۸۶۸	مستحب یہ ہے کہ جہاں مرا ہو وہاں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔	۸۷۷
۸۶۹	قبر اکھیڑنے کے جواز کے عذر	۸۷۷
۸۷۰	میت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بلا ضرورت منتقل کرنا منع ہے۔	۸۷۷
۸۷۱	قبروں میں ننگے پاؤں آنا چاہیے	۸۸۰
۸۷۲	حضرت مطلب بن ابو وداعہ رضی اللہ عنہ	۸۸۱
۸۷۳	صحابہ کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہم کی قبور مقدسہ پر پردہ پڑا ہوتا تھا حضرت عائشہ اس پردے کو ہٹاتیں اور لوگ زیارت کرتے۔	۸۸۲
۸۷۴	مردہ بھی ان چیزوں سے تکلیف محسوس کرتا ہے جن سے زندہ کرتا ہے۔	۸۸۳
۸۷۵	قبر سے تکیہ لگانا منع ہے۔	۸۸۸
۸۷۶	میت پر رونے کا باب	۸۸۸
۸۷۷	میت پر نوحہ گری منع ہے	۸۸۸
۸۷۸	آدم علیہ السلام کی وفات پر ساری مخلوق سات دن تک روتی رہی۔	۸۸۹
۸۷۹	تین دن سے زیادہ تعزیت نہ کی جائے	۸۸۹
۸۸۰	حضرت ابوسیف کا نام	۸۸۹
۸۸۱	حضرت ابراہیم بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۸۹۰
۸۸۲	حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی موت پر حضور کے رونے میں حکمت	۸۹۱
۸۸۳	اس بارے میں صوفیہ کی تحقیق	۸۹۱
۸۸۴	لفظ تقعقع کی تفسیر و معنیٰ	۸۹۲
۸۸۵	لفظ غاشیہ کا معنیٰ	۸۹۳
۸۸۶	میت پر اس کے اہل و عیال کے رونے سے اسے عذاب ہوتا ہے	۸۹۳
۸۸۷	چار باتوں کی مذمت	۸۹۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۸۸۸	لفظ قطران وجرب کی تحقیق	۸۹۵
۸۸۹	بادشاہوں کی طرح حضور در اقدس پر کوئی دربان نہ ہوتا تھا	۸۹۶
۸۹۰	جس مسلمان کے تین بچے فوت ہوئے وہ دوزخ میں نہ جائے گا۔	۸۹۷
۸۹۱	لفظ صفی کا معنیٰ	۸۹۸
۸۹۲	بندہ مومن کو ہر حالت میں اجر وثواب ملتا رہتا ہے۔	۸۹۹
۸۹۳	مباح امور جب بہ نیت عبادت ادا کیے جائیں تو مستحب قرار پاتے ہیں۔	۹۰۰
۸۹۴	بندہ مومن کی موت پر آسمان وزمین بھی روتے ہیں۔	
۸۹۵	ایک سوال اور اس کا جواب	
۸۹۶	حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔	۹۰۲
۸۹۷	خویش واقارب کو چاہیے کہ اہل میت کے لیے کھانے کا انتظام کریں۔	۹۰۴
۸۹۸	میت پر رونے سے میت کو کس بنا پر عذاب ہوتا ہے۔	۹۰۵
۸۹۹	حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن رضی اللہ عنہا	۹۰۵
۹۰۰	لواحقین کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے اس کی تحقیق۔	۹۰۸
۹۰۱	حضرت ابو سلمہ کے فضائل ومناقب	۹۱۲
۹۰۲	میت پر بین اور واویلا کرنے کی ممانعت	۹۱۳
۹۰۳	حضرت حسن مثنیٰ کی بیوی ان کی قبر پر ایک سال تک خیمہ لگا کر بیٹھی رہی۔	۹۱۵
۹۰۴	ایسے جنازے کے ساتھ چلنا منع ہے جس میں نوحہ ہو رہا ہو۔	۹۱۶
۹۰۵	نابالغ بچے اپنے والدین کو جنت میں ساتھ لے کر جائیں گے۔	۹۱۶
۹۰۶	لفظ دعامیص کا معنیٰ	
۹۰۷	مومنوں کے نابالغ بچے ان کے لیے دوزخ پردہ بن جائیں گے۔	۹۱۷
۹۰۸	شکم مادر سے نامکمل گرنے والا بچہ اپنی ماں کو اپنے ناڑو سے کھینچ کر جنت میں لے جائے گا	۹۱۸
۹۰۹	حضرت قرۃ مزنی رضی اللہ عنہ	۹۲۰
۹۱۰	صدمہ پہنچتے ہی صبر کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔	۹۲۱
۹۱۱	لفظ احتساب کا معنیٰ	۹۲۲
۹۱۲	زیارت قبور کا باب	۹۲۲
۹۱۳	زیارت قبور بالاتفاق مستحب ہے	۹۲۲
۹۱۴	زیارت کا فائدہ	۹۲۲
۹۱۵	اہل قبور سے مدد واستعانت کا جواز	۹۲۲
۹۱۶	اہل قبور اولیاء کرام سے مدد کا عقیدہ اہل کشف اور کاملین کے نزدیک ایک طے شدہ حقیقت ہے۔	۹۲۳
۹۱۷	حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ کی قبر کے بارے میں حضرت امام شافعی کا عقیدہ	۹۲۳

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۹۱۸	اس بارے میں امام غزالی کا عقیدہ	۹۲۲
۹۱۹	اولیاء اللہ کا اپنی قبور سے تصرف کرنا	۹۲۳
۹۲۰	حضرت شیخ عبدالحق کے بیان کے مطابق قرآن وحدیث اور اقوال سلف میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس عقیدہ کے خلاف ہو۔	۹۲۳
۹۲۱	قبور کو سجدہ کرنا حرام ہے۔	۹۲۴
۹۲۲	زیارت قبور کے آداب	۹۲۴
۹۲۳	قبور کے پاس قرآن پڑھنا جائز ہے فقہائے حنفی کا اسی پر فتویٰ ہے	۹۲۴
۹۲۴	صحیح تر بات یہی ہے کہ میت کو ثواب پہنچتا ہے۔	۹۲۴
۹۲۵	جمعہ کے دن زیارت قبور افضل ہے۔	۹۲۴
۹۲۶	میت کی طرف سے سات دن لگاتار صدقہ کیا جائے۔ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔	۹۲۴
۹۲۷	ابتداء اسلام میں زیارت قبور منع تھی پھر یہ ممانعت منسوخ کر دی گئی۔	۹۲۵
۹۲۸	کیا عورتوں کو زیارت قبور کے لیے جانا جائز ہے؟ اس کی تحقیق۔	۹۲۵
۹۲۹	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور کی زیارت کی۔	۹۲۶

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۹۳۰	متاخرین علماء نے حضور کے والدین کا ایمان ثابت کیا ہے۔	۹۲۷
۹۳۱	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کا ایمان تین وجہ سے ثابت ہے۔	۹۲۷
۹۳۲	امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ نے اس مسئلہ میں رسائل تصنیف فرمائے۔	۹۲۷
۹۳۳	زیارت قبور کو جائے تو کیا پڑھے۔	۹۲۷
۹۳۴	حضور علیہ السلام رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع میں دعا مغفرت کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔	۹۲۸
۹۳۵	بقیع الغرقد کا معنی	۹۲۹
۹۳۶	جمعہ کے دن والدین کی قبر کی زیارت کو جانے کا ثواب	۹۲۹
۹۳۷	والدین کی قبور کو بوسہ دینے کا جواز	۹۳۰
۹۳۸	میت قبر میں زندہ ہوتا ہے اور اس کا علم و ادراک بھی قائم و موجود ہوتا ہے	۹۳۱
۹۳۹	بوقت زیارت میت کا احترام ضروری ہے خصوصًا صالحین کی زیارت کے وقت	۹۳۱
۹۴۰	صالحین اور اولیاء کرام ان کی قبور کی زیارت کرنے والوں کی ان کی عقیدت کے مطابق مدد کرتے ہیں۔	۹۳۱

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد وآلہ واصحابہ
وسلم کثیرًا کثیرًا

محمد سعید احمد نقشبندی مجددی غفرلہٗ

۱۱ فروری ۱۹۸۳ء بروز جمعۃ المبارک

وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (القرآن الحکیم)

اور جس نے رسول کا حکم مانا تو یقیناً اس نے اللہ کا حکم مانا

بخاری شریف مترجم

مکمل سیٹ تین جلدیں

مصنف

امام المحدثین ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمہ اللہ

ترجمہ از

فاضل شہیر مولٰینا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

طلب فرمائیے

فرید بک سٹال ۴۰ اردو بازار لاہور